ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

عرفانِ ابی طالب علیہ السلام

اور

قرآنِ عظیم

تصنیف

ڈاکٹر صداقت علی فریدی

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے

عرفانِ ابو طالب علیہ السلام

اور

قرآنِ عظیم

مصنف

ڈاکٹر صداقت علی فریدی

فاضل جامعہ فریدیہ ساہیوال

کتاب ریختہ لاہور



نام کتاب : مقدمہ عرفان ابوطالبؑ در قرآن عظیم

مُصنّف : ڈاکٹر صداقت علی فریدی

تصحیح و ترتیب : محمد احمد فیضی

کمپوزنگ : محمد صدیق ولی فریدی

بک ورک : عبدالسلام قادری

تعداد : 1000

سن اشاعت : جون 2020ء

ہدیہ : 1500 روپے

پرنٹر : نفیس آرٹ پریس، لاہور

ناشر :  کتاب ریختہ لاہور

0321-1788887 kitabrekhta@gmail.com

kitabrekhta kitabrekhta

www.kitabrekhta.com/

ڈسٹری بیوٹرز

مکتبہ باب العلم لاہور

اوچ شریف بک کارنر، اوچ شریف

0300-2495037

پیغام حق

سَیّد بَطحا اَفضَلُ البَشَر بَعدَ الاَنبِیاَ

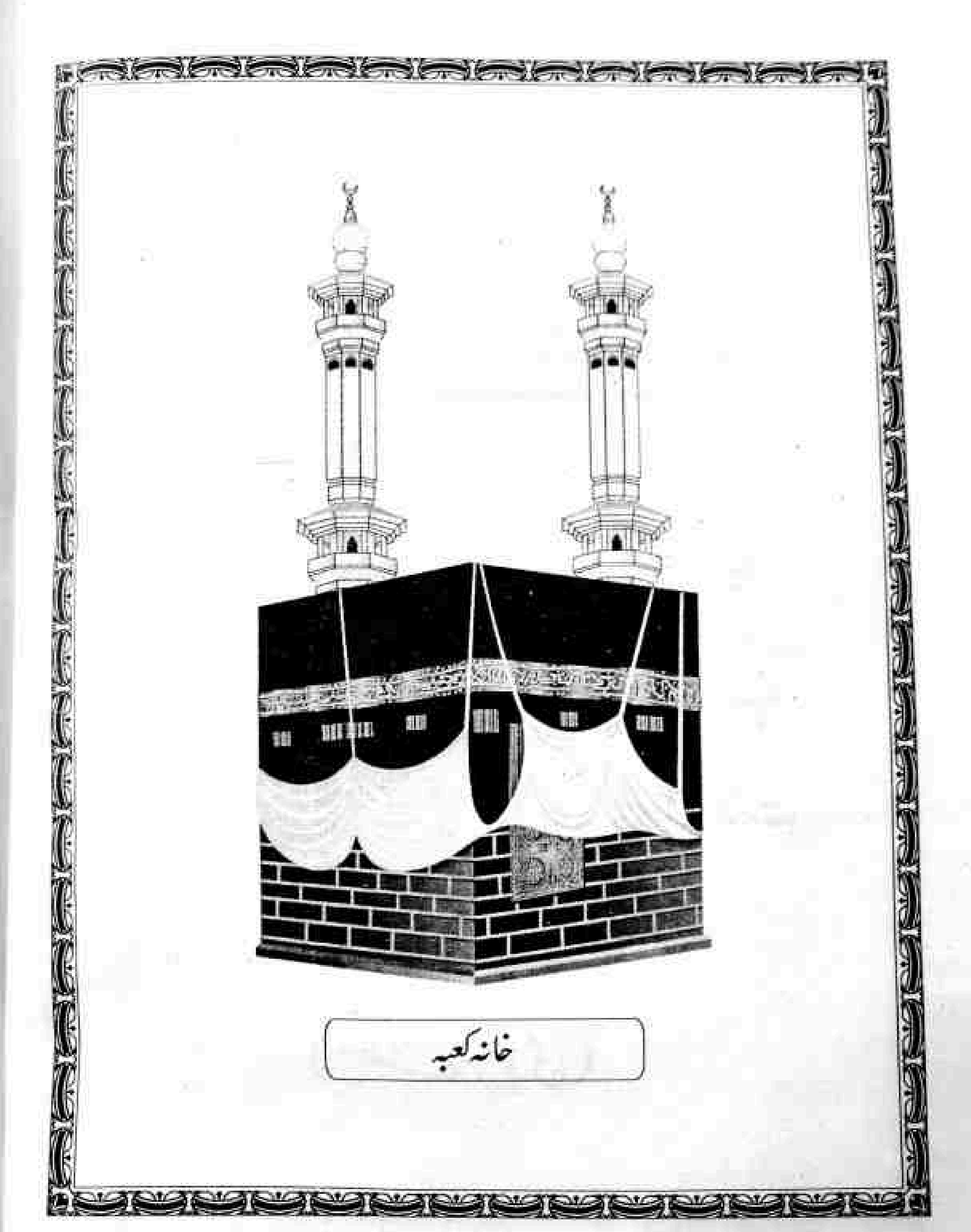
حضرت ابو طالب علیہ السلام پر لگایا گیا

کفر و شرک کا بہتان محض بے حقیقت ہے

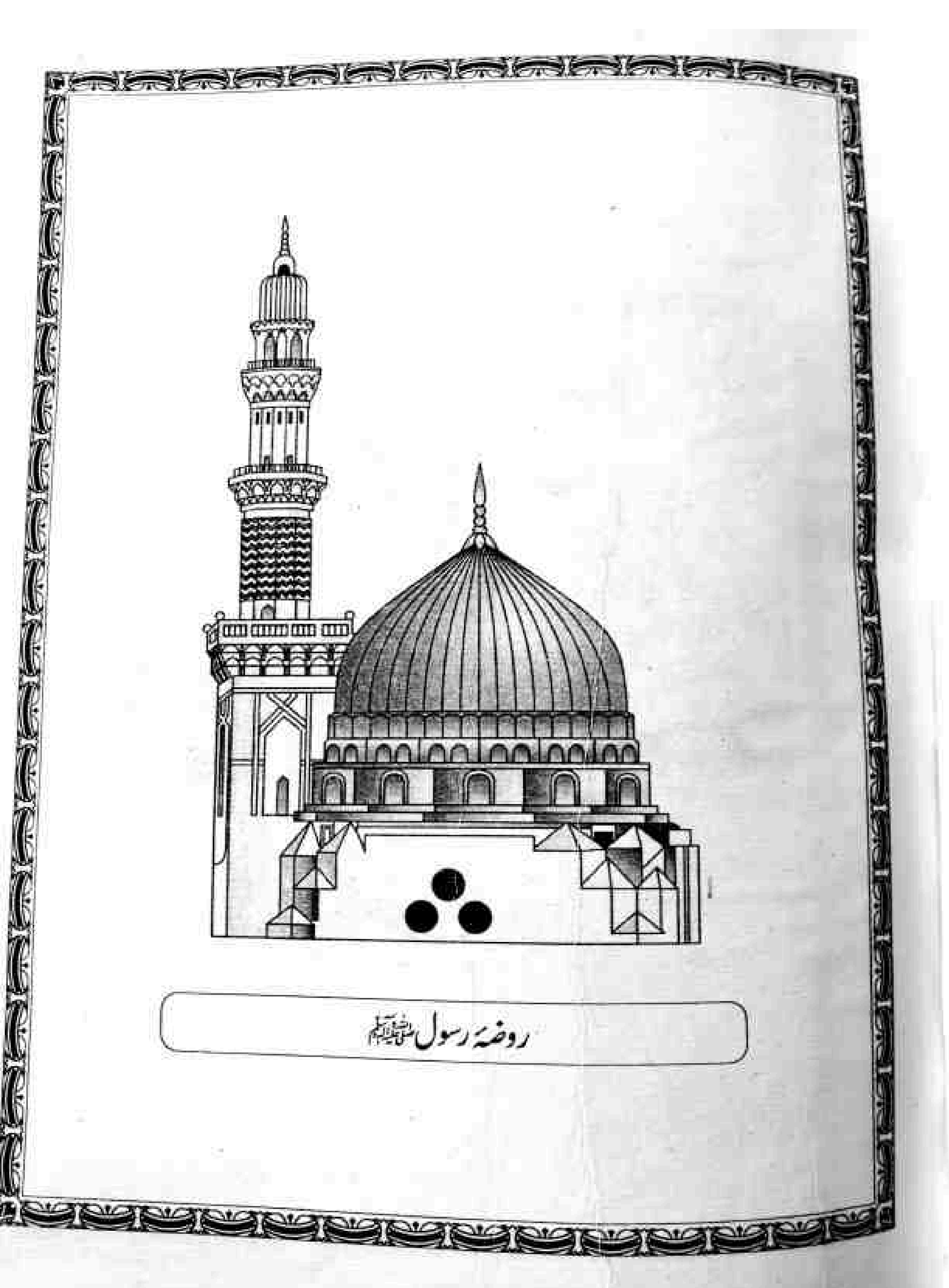
مصنوعی فسانہ، فضول جبری تحکم اور کائنات

کا بدترین جھوٹ ہے

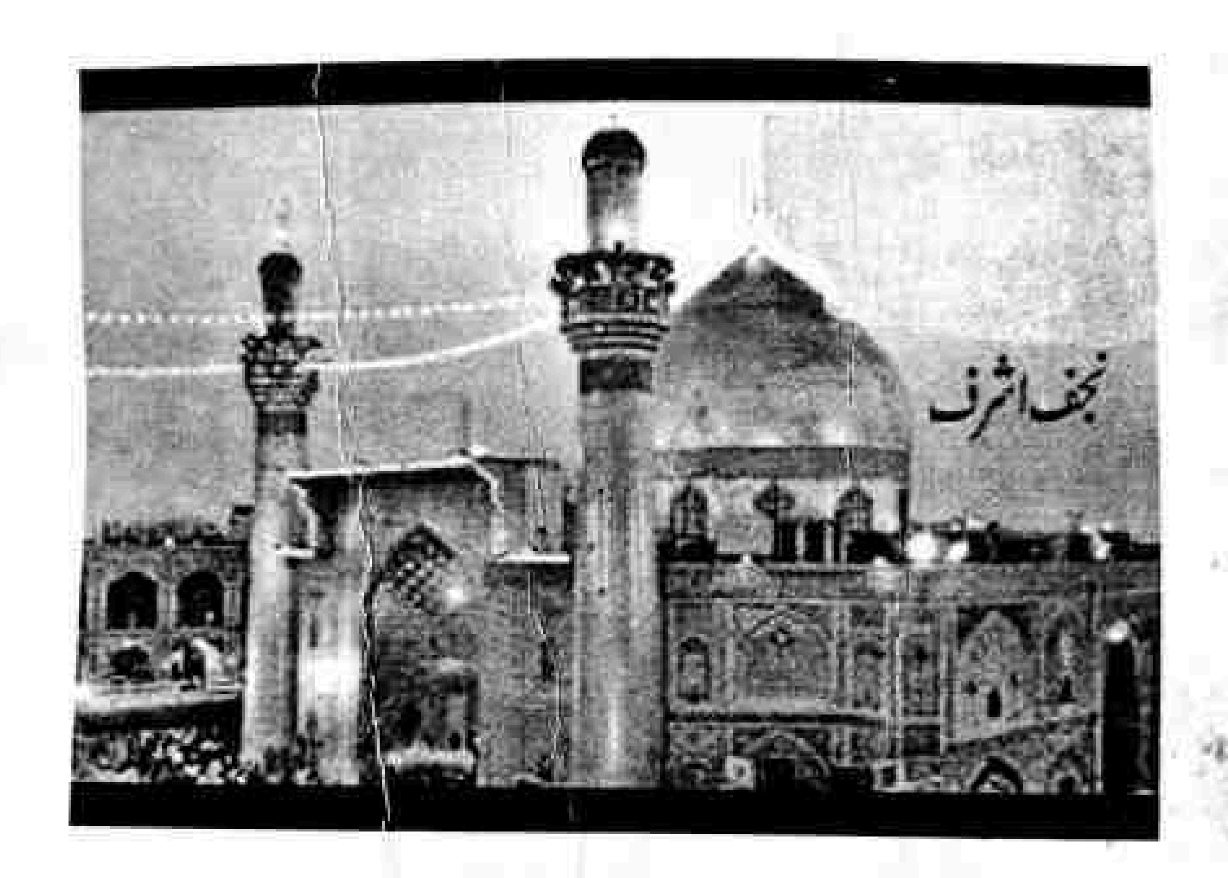
(مصنف فریدی)



خانہ کعبہ



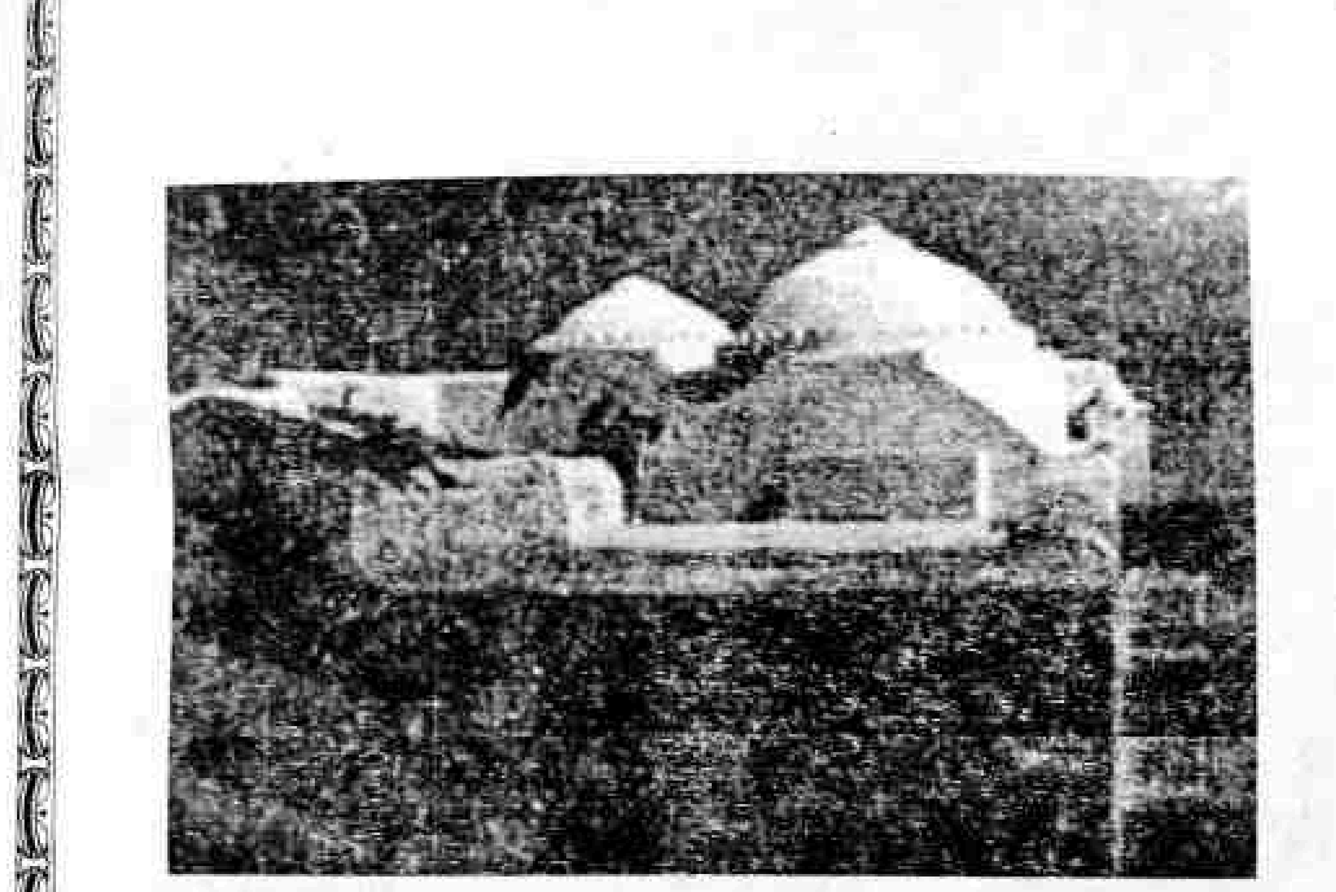
روضہ رسول ﷺ



روضہ حضرت علی علیہ السلام



روضہ حضرت امام حسین علیہ السلام



روضہ حضرت ابی طالب علیہ السلام

آئینۂ فہرست

فصل ثانی: 494

باب اول:

مبادیاتِ کتاب

تعارف باب اوّل

پہلا باب مبادیاتِ کتاب پر مشتمل ہے جس میں تین درج ذیل فصول آرہی ہیں

فصل اول:

انتساب عالمتاب، حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ رسول مقبول ﷺ، کلام پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی علیہ الرحمہ بحضور حضرت ابوطالب علیہ السلام، سلام نیاز بحضور سید بطحاء افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوطالب علیہ السلام، تقریظ و تائید، ہدیہ تشکر اور مختصر تعارفی خاکہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

فصل ثانی:

(۱) صبح زندگی کی عظیم تر خوشی،

(۲) وجہ تالیف، میں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟،

(۳) حدیث دل، دلِ مسلم لہولہو،

فصل ثالث:

عرضِ مؤلف، کتاب ہذا کا اجمالی عبوری خاکہ

فصل اول:

اس فصل میں درج ذیل اہم موضوع شامل ہیں:

✪ انتسابِ عالمتاب ✪ حمدِ باری تعالیٰ ✪ نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

✪ سلام نیاز بحضورِ

سید بطحاء افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوطالب علیہ السلام،

✪ ہدیۂ تشکر ✪ تقریظ وتائید

انتساب عالمتاب

مسکین کی یہ نوکری چونکہ حرمِ نبوت کے عظیم الشان تاجدار، افضل البشر بعد الانبیاء، سید بطحاء، حضرت سیدنا ابو طالب علیہ السلام کے نام مبارک سے موسوم ہے لہٰذا ابتداء میں اس خدمت کا انتساب حرمِ نبوت کے ہی نفوسِ قدسیہ کے نام معنون کرتا ہوں

اوّلاً: سید الاولینؑ والآخرین، تاجدارِ ختم نبوت، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کرتا ہوں جو حرمِ نبوت کی عظمتوں کا پہلا عنوان ہیں

ثانیاً: اُن نفوسِ قدسیہ کے نام کرتا ہوں جو اس کائنات میں عظمتوں کا پہلا باب ہیں اور سید المرسلین کے پیکرِ عصمت کا فطری باعث ہیں:

۱۔ محسنِ عالمین، مخدومِ کائنات، ابو احمد سیدنا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام

۲۔ محسنۂ عالمین، مخدومۂ کائنات، اُمّ محمد حضرت سیدہ بی بی آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حضور یہ ہدیہ نیاز پیش کرتا ہوں جن کی نوکری کے صلے میں مجھے یہ کتاب لکھنے کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلہ عطاء فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی۔

ثالثاً: جملہ اہلبیتِ نبوت، آلِ پاک، ازواجِ مطہرات، بناتِ کرام صلوٰۃ اللہ علیہن

بالخصوص شہنشاہ کربلا سیدنا امام حسین علیہ السلام اور ان کے عصمت مآب جان نثار رفقاء کے نام یہ سعی مشکور معنون کرتا ہوں جن کے مقدس خون کی گرمی سے اسلام آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

رابعاً: ان اصحابِ کرام علیہم الرضوان کے نام معنون کرتا ہوں جنھوں نے ہمیں حرمِ نبوت کی غلامی اور محبت کے آداب سکھائے۔

؎ گر قبول افتد زہے عزوشرف

حمدِ باری تعالیٰ (مناجات)

ابتداء نامِ خدا سے میرے اشعار کی ہے
میرے افکار پہ رحمت میرے غفار کی ہے
کر عطا علم کی دولت مجھے رحمان ہے تو
میرا خالق ہے میرا حاصلِ ایمان ہے تو
بے ہنر ہوں مجھے انعام ہنر دے مولا
اپنی رحمت کے سمندر سے گوہر دے مولا
تیری رحمت سے میں جو لکھوں حقیقت لکھوں
مستند لکھوں میں جو، جو بھی روایت لکھوں
کر مدد میری شعور و فراست کی فراوانی دے
پڑھنے والے اسے سمجھیں بڑی آسانی سے
اپنے دامانِ کرم کا مجھے سایۂ دے دے
بے سلیقہ ہوں مناقب کا سلیقہ دے دے
میں مناقبِ ابو طالب کو رقم کرتا ہوں
پھول کچھ اپنی عقیدت کے بہم کرتا ہوں
دارِ فانی میں جسے چاہے تو ابدیت دے
میری کاوش کو بھی تو شرفِ قبولیت دے
اس میں تفسیر بھی ، تاریخ بھی اسلام کی ہے
منقبت تھوڑی سی سیدِ بطحاء امام کی ہے
ہو صداقت پہ کرم اور عنایت مولا
تازیست لکھوں مدحِ اہلبیتِ نبوت مولا

نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب!
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب

کلام پیر سید نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف

بحضورِ نیاز سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

نذرِ محبوبِ خدا، جانِ ابو طالب ہے
ساری دنیا پہ یہ احسانِ ابو طالب ہے

اللہ اللہ عجب شانِ ابو طالب ہے
حرمِ کعبہ، ادب دانِ ابو طالب ہے

مصحفِ روئے محمد ہے نظر میں ہر دم
مرحبا خوب یہ قرآنِ ابو طالب ہے

اُن کے آغوش کی زینت ہیں علی شیرِ خدا
نورِ احمد ، تہِ دامانِ ابو طالب ہے

احترام اُن کا فرشتوں کی صفوں میں بھی ہوا
جس کو دیکھو، وہ ثناخواں ابو طالب ہے

مرتضیٰ ہوں کہ ہوں سبطین سبھی پیارے ہیں
ہر کرن، شمع شبستانِ ابو طالب ہے

الفت پنج تن پاک نے بخشا یہ شرف
آج کل دل میرا مہمانِ ابو طالب ہے

چشم بیدار ملی معرفتِ آگاہ نظر
درسِ حق، خطبۂ عرفانِ ابو طالب ہے

میں دل و جاں سے ہوں مداحِ ابو طالب کا
جو نفس ہے وہی قربانِ ابو طالب ہے

ہر گلِ تر پہ نچھاور ہیں فلک کے تارے
پُر بہار، ایسا گلستانِ ابو طالب ہے

قابلِ رشک ہیں انداز ابو طالب کے
حق کا عرفان ہی وجدانِ ابو طالب ہے

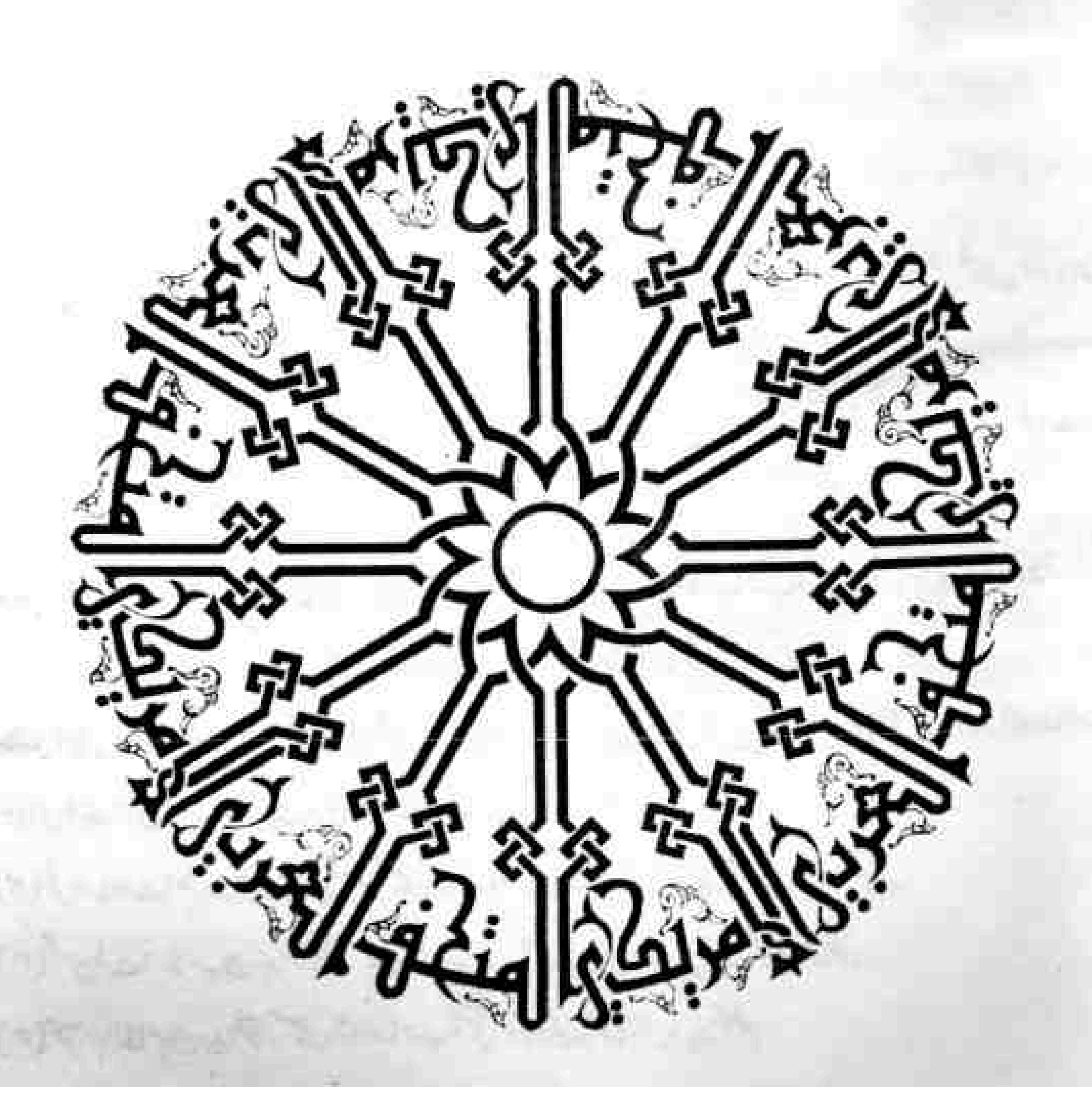
میں کہوں گا کہ ہے محروم بڑی نعمت سے
جو کوئی دست کشِ خوانِ ابو طالب ہے

بعدِ تحقیق احادیث و روایات نصیرؔ
میرا دل قائلِ ایمانِ ابو طالب ہے

حرمتِ حضرت ابوطالب علیہ السلام پہ لاکھوں سلام

دستِ غالب کی قوت پہ لاکھوں سلام
عمِ احمد کی حرمت پہ لاکھوں سلام
بیت جن کا رسالت کا مسکن رہا
ایسے گھر کی سکونت پہ لاکھوں سلام
جن کے بازو بنے منبر مصطفیٰ
ان کی بے مثل طاقت پہ لاکھوں سلام
جس میں پلتے رہے سید انس و جاں
ایسی آغوشِ الفت پہ لاکھوں سلام
جن کا پہلو رہا خواب گاہِ نبی
ایسے پہلو کی شفقت پہ لاکھوں سلام
کفر کا جس سے ٹوٹا وہ جھوٹا بھرم
ایسے جذبوں کی طاقت پہ لاکھوں سلام
جو حمایت بنی قوتِ مصطفیٰ
ایسی نصرت کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جن کی خدمت رہی مصطفیٰ کی رفیق
ایسی خدمت کی عظمت پہ لاکھوں سلام
ان کا مقصود ہے بس وفائے نبی
شاہکارِ عزیمت پہ لاکھوں سلام
جن کی جگ میں ہوئی ہے ہویدا وفا
اس وقارِ محبت پہ لاکھوں سلام

ساتھ جس نے نبی کا نہ چھوڑا کبھی
ایسے پیکرِ استقامت پہ لاکھوں سلام
سارا کنبہ کیا مصطفٰی پہ فدا
تاجدارِ عزیمت پہ لاکھوں سلام
ہے صداقت بنا جن کا مدح سرا
ان کی کامل صداقت پہ لاکھوں سلام



ہدیۂ تشکر و امتنان

یہ کتاب بحمد للہ تعالیٰ ترتیب و تدوین کے لحاظ سے میرے لیے ایک عظیم نعمت و سرمایہ ہے۔ اس عطائے نعمت پر میں اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کا شکر بجالاتا ہوں کہ اس نے مجھے توفیق بخشی۔ بعدہٗ یہ کتاب مجھے اس نوکری کے صلے میں ملی جو میں نے محسنِ عالمین سیدنا عبداللہ علیہ السلام اور محسنۂ عالمین سیدہ آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حضور عظمت میں تقریباً 2700 صفحات پر مشتمل کتاب بعنوان

(۱) وجاہت والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم

(۲) عصمتِ والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم

(۳) حُرمتِ والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم

پیش کیں۔ بنا بریں میں اس عنایت پر رسالت پناہِ عالم ﷺ کا اور اُن کے پیارے والدین کریمین طیبین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی سخائے کرم نے مسکین کو یہ فیض بخشا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ بعدازاں ان تمام احباب کا ممنونِ احسان ہوں جنھوں نے مسکین کے ساتھ اس ضمن بے لاگ محبت فرمائی خصوصاً وہ حضرات جو اس حوالے سے پیش پیش رہے۔

تحریک: شہزادۂ غوث الوریٰ پیر طریقت حضرت قبلہ سید ابرار حسین شاہ صاحب آستانہ عالیہ بزکوٹ سرہوٹہ شریف آزاد کشمیر نے مجھے اس عزیمت پر باصرار آمادہ کیا۔ (خدام انجمن سرہوٹا شریف بزکوٹ آزاد کشمیر)

بھرپور تائید:۔ (۱) نقیب الاشراف تاجدارِ سدرہ شریف، پیر طریقت، حضرت قبلہ سید انور شاہ صاحب الگیلانی البغدادی (سدرہ شریف ڈی آئی خان)

(۲) فخر السادات حضرت قبلہ پیر سید مبشر حسین شاہ صاحب آستانہ عالیہ شکر پلہ شریف آزاد کشمیر۔

(۳) محسن ملت اسلامیہ پیر سید مشتاق حسین شاہ صاحب آستانہ عالیہ صابریہ آف گوجرانوالا۔

(۴) محترم المقام پیر سید افتخار حسین شاہ صاحب چشتی گولڑوی مدھوکالس دینہ جہلم

(۵) آستانہ گولڑہ شریف وخادمان گولڑہ شریف محترم المقام جناب حسن نظامی چیئرمین عالمی جماعتِ حیدر کرار لندن۔

علمی معاونت:۔ استاذ العلماء، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت قبلہ برادر مکرم جناب علامہ مفتی محمد اکرام اللہ زاہد (پھالیہ) استاذ العلماء ادیب ملت جناب محمد منشاء تابش قصوری صاحب آف مرید کے۔

علمی تائید:۔ فضیلۃ الشیخ محترم المقام بقیۃ السلف ڈاکٹر حافظ محمد شفیق تبسم، استاذ و ریسرچ آفیسر لبنان یونیورسٹی، حالیہ مقیم گوجرانوالا۔

خبی تائید:۔ محترم المقام گرامی قدر چوہدری ناصر حسین چیمہ صاحب ریٹائرڈ تحصیل دار گوجرانوالا جنھوں نے مجھے اکابر اہل علم سے ملوایا۔ بالخصوص انتہائی شکریے کے مستحق ہیں عالمی شہرت یافتہ قوال محترم المقام جناب الحاج عارف فیروز خاں صاحب اوران ے ہمنوااور عزیزم گوہر علی عارف جنھوں نے عالمی سطح پر عرفان ومقام ابوطالب علیہ السلام اور کلام ابوطالب علیہ السلام قوالی کے ذریعے اس عظیم مشن کو پوری اُمت تک پہنچانے کا وعدہ فرمایا۔ بالخصوص گرامی قدر برادر مکرم محقق العصر جناب ڈاکٹر اورنگ زیب ریسرچ آفیسر پنجاب یونیورسٹی پاکستان، انتہائی شکریے کے لائق ہیں جنھوں نے مکمل نقطہ نظر کا سماع کر کے تائیدی رائے کا اظہار فرمایا۔ مزید شکریے کے لائق ہیں عزیزم راجہ محمد آصف مشتاق کیانی، راجہ انتظار کیانی، راجہ محمد امجد محمود کیانی ناظم وممبران جامعہ محمد یہ بڑھاڑ کہ جنھوں نے اس کتاب لکھنے کی فرصت کے لمحات مہیا کیے۔ مزید کتاب ہذا کے کمپوزر مخلص دوست علامہ محمد صدیق ولی فریدی صاحب (لاہور) جنھوں نے کمپوزنگ انتہائی دھیان، محبت اور اس انداز سے کی کہ کتاب میں ممکن حد تک کوئی لفظی غلطی نہ آنے پائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ وما توفیقی الا باللہ۔

قاری محمد صداقت علی فریدی

مختصر تعارفی خاکہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

قوت لا الہ الا اللہ سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام

نصرت محمد رسول اللہ سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام

پیدائش:۔ حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی پیدائش رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے قریباً 35 سال پہلے ہوئی۔ آپ کا اصل نام عبدِ مناف تھا ایک روایت کے مطابق عمران تھا۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے تاہم آپ کے نام پر آپ کی کنیت ابوطالب غالب آگئی۔

والد گرامی کا اسم مبارک حضرت سیدنا عبدالمطلب بن ہاشم علیہ السلام ہے۔

والدہ کریمہ:۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی سیدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھا۔ آپ قبیلہ بنو مخزوم سے تھیں۔

سگے بھائی

حضرت سیدنا زبیر بن عبدالمطلب، حضرت سیدنا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما

سگی بہنیں

سیدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب، سیدہ برّہ بنت عبدالمطلب، سیدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب، سیدہ اُروئی بنت عبدالمطلب، سیدہ اُم حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب علیہن السلام۔

سوتیلے بہن بھائی

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی پانچ اور بھی ازواج مطہرات تھیں۔ جن میں سے مختلف اولادیں پیدا ہوئیں۔

۱۔ سیدہ لُبنیٰ بنت حاجز۔ ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبدالعزیٰ تھا ابولہب کے نام سے مشہور ہوا۔

۲۔ سیدہ ہالہ بنت وھب ان سے تین لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

سیدالشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سیدنا المقوم سیدنا حجل جن کا نام مغیرہ تھا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب۔

۳۔ حضرت نتیلہ بنت خباب ان سے حضرت ضرار، حضرت قثم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

۴۔ سیدہ حمنہ بنت عمرو۔ ان سے ایک لڑکا الغیداق پیدا ہوا انھیں مصعب بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔ سیدہ صفیہ بنت جندب ان سے حارث پیدا ہوئے۔

اولادِ امجاد

سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا اسم عصمت سیدہ فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا ہے۔ ان کی منفرد شرافت و بزرگی یہ ہے کہ ان کو رسول دو عالم ﷺ اپنی ماں فرمایا کرتے تھے۔ ان کے بطن عصمت سے جناب ابوطالب علیہ السلام کو چار بیٹے اور تین بیٹیاں عطا ہوئیں

۱۔ حضرت طالب بن ابوطالب۔ (۲) حضرت عقیل بن ابوطالب۔

(۳) حضرت جعفر بن ابوطالب (۴) حضرت علی بن ابوطالب علیہم السلام

بیٹیاں

(۱) سیدہ اُم ہانی بنت ابوطالب (۲) حضرت جمانہ بنت ابوطالب

(۳) سیدہ اسماء بنت ابوطالب۔ ان کو ربط بنت ابوطالب بھی کہتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق ایک اور زوجہ محترمہ ہیں جن کا نام عائلہ تھا ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جنھیں طلیق بن ابوطالب کہا جاتا تھا۔

(سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ 140 علی بن ابراہیم بن احمد حلبی المتوفی 1044 دار الکتب العلمیہ بیروت
الاصابہ جلد اول صفحہ 111، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی المشہور ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان
طبقات ابن سعد، جلد اول، امام محمد بن سعد البغدادی، مکتبہ الظہور مدینہ)

تقریظ وتائید (اول)

فضیلۃ الشیخ حضرۃ العلام ڈاکٹر حافظ محمد شفیق شاذلی (پی ایچ ڈی علوم شرعیہ) لبنان

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ" اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد وصلوٰۃ کے بعد رب ذوالجلال کا شکر ہے کہ جس نے ہمارے دلوں کو رسالت مآب اور اہل بیت عظام کی محبت وادب کی آماجگاہ بنایا ہے۔ یقیناً یہ وہ دولت ہے جس میں نجات پنہاں ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے کہ جب کھلے گا تو منکر کا منہ بھی کھلے کا کھلا رہ جائے گا۔ یہ وہ سرمایہ ہے کہ کوئی سرمائے کے نفع کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ لیکن تاریخی تلخیاں اور تحقیقی اغلاط مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ علماء حق اہل سنت کو حرم نبوت کے ساتھ جس وارفتگی کا اظہار کرنا چاہیے تھا بد قسمتی سے حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ پاکیزہ خاندان جس کی نبی علیہ السلام پر قربانیوں کی ایک طویل داستان ہے وہ جہاں سے شروع ہوتی ہیں اور جس کی تربیت ان تمام قربانیوں کا سبب ہے۔ وہ جناب ابوطالب علیہ السلام ہیں وہ وفادار نبوت ہیں۔ ان کے ایمان اور عدم ایمان پر بحث کرنا یقیناً ان کی وفاداریوں کو داغ دار کرنے کی ناپاک جسارت ہے۔

تقریباً 25 سال قبل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک رسالہ شرح المطالب فی مبحث ابی طالب، نظر سے گذرا جو دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں ۳ آیات اور ۳۔ احادیث ہیں جبکہ فصل دوم میں 12۔ احادیث ہیں باقی 8 فصول ان دو فصلوں کو مضبوط بنانے کے لیے تحریر کی گئی ہیں۔ مذکورہ کتاب کا مطالعہ کرنے کے اور اسی کتاب کے استفسار مسئلہ میں درج شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے قول کم ازاں نہ باشد کہ دریں مسئلہ توقف کنند وصرفہ نگہدارند۔ پر عمل پیرا رہا۔ لیکن دوران مطالعہ دل کے پنہاں خانوں سے آواز آئی کہ درسِ عشق ومحبت دینے والی حضرت رضا کی ہستی یہاں عشق ومحبت میں مخمور کیوں نہ نظر آئی؟ علمِ عشق نبی اٹھائے بدعقیدگیوں کو لگام ڈالنے والے حضرت رضا کی تلوار یہاں نیام میں کیوں چلی گئی بلکہ نیام میں ہی چلی جاتی تو بھی بات اور تھی لیکن یہاں تو نہ جانے کن جذبات میں بہہ گئی۔

ان تمام سوالات کے جواب میں احادیث کی جانچ پڑتال اور روایات پر جرح وتعدیل کر کے حق واضح کرنے کو من چاہا۔ لیکن مصروفیات اور موضوع کی نزاکت ہر بار مجھے روکتی رہی لیکن ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا کہ کوئی مرد قلندر اس پر بات کرے۔

کوئی پہریدار حرم نبوت بن کے ابھرے اور یہ خواہش فاضل جلیل حضرت علامہ ڈاکٹر صداقت علی فریدی صاحب کی تحریر میں کاملیت کا لبادہ پہنے ہوئے پوری ہوگئی اور دل کے اسی پنہاں خانوں سے آواز آئی کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

ڈاکٹر صاحب کی تحقیقی کاوش

مذکورہ رسالہ اعلیٰ حضرت پر بھی ایک تحقیقی مقالہ ہے ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ مذکورہ میں آیات واحادیث کی تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اس مقالے کے مطالعہ کے بعد میری ڈاکٹر صاحب سے تفصیلی بات چیت ہوئی۔ اس مسئلہ مذکورہ میں ان کے شرح صدور اور خیال کی پختگی کی داد دیے بنا رہ نہ سکا۔ ایک تحقیقی طالب علم کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی وہ آرزو کر سکتا ہے۔ علماء اہل سنت اور عوام اہل سنت کو یکساں طور پر حرم نبوت کی محبت کے حصار پر آ کے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ طعن وتشنیع، گالم گلوچ اور شخصی محبت سے باہر نکل کر عدل وانصاف کا ترازو ہاتھ میں لے کر فیصلہ فرمائیں کہ حضور ﷺ کے عم محترم جناب ابوطالب کے بارے میں درست اور صحیح عقیدہ کیا ہے۔ رب ذوالجلال حق پہچان کر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ بمطابق 4۔ اکتوبر 2018

ڈاکٹر فقیر حافظ محمد شفیق شاذلی

(اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر لبنان یونیورسٹی)

تقریظ وتائید (دوم)

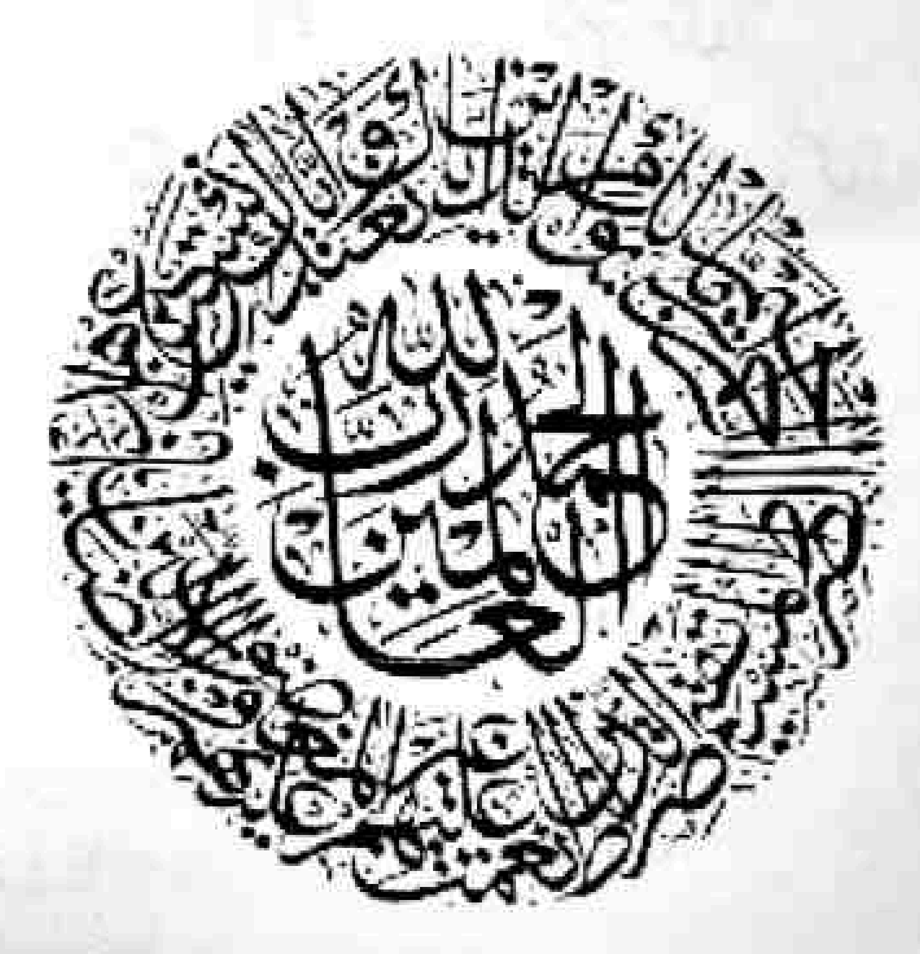
تقریظ از جسٹس (ریٹائرڈ) امتیاز الحسن غزنوی (سپریم کورٹ آف پاکستان)

گرامی قدر علامہ فریدی صاحب آپ کی کتاب انٹرنیٹ کے ذریعے پڑھنے کا موقع ملا آپ کی فکری عظمت کے اعتراف کے بغیر رہ نہ سکا۔ کتاب ہذا محض ایک علمی تحقیق ہی نہیں بلکہ وحدتِ اُمت کی طرف ایک سنجیدہ قدم ہے اور یہ ایک عظیم کاوش ہے۔ قانون کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ نوعیتِ الزام اور اس کے ثبوت میں یقینی شواہد ایک فطری، دینی، شرعی اور معاشرتی حقیقت ہے۔ اگر ثبوت الزام میں مجوزہ دلائل معیاری نہ ہوں تو الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ الزام لگانے والے پر کڑا مواخذہ ہوتا ہے۔

کتاب ہذا یقیناً اپنے اسلوب میں اسی حقیقت کی غماز ہے۔ تکفیری شواہد کا میں نے دقتِ نظر سے مطالعہ کیا اس میں مولویانہ روایتی رطب و یابس اور نظریہ ضرورت کا عنصر کثرت سے غالب نظر آیا۔ آپ نے علمی تجزیہ کر کے خوشامدی فقاہت کا مصنوعی رُعب توڑ دیا ہے اور چیلنج کر دیا ہے۔ بات حرمِ نبوت کی ہو یا غیر کی۔ انسانی تقدس ہر معاشرے اور دین میں ایک مسلّم حقیقت ہے جناب ابوطالب علیہ السلام ظہورِ اسلام سے پہلے بھی انتہائی محترم تھے اور فروغ اسلام میں ان کی جہدِ مسلسل نے تو ان کی شخصیت کو احترام کی اعلیٰ معراج بخشی ہے۔ ستیاناس معاصرانہ عصبیت کا جس نے بڑے بڑوں کے حواس بخ بستہ کر دیے۔ اُموی جارحیت نے خلافت کے خاتمے کی ناپاک جسارت کی جس سے علمی نظم خاصا متاثر ہوا۔ بعد والوں میں روایتی مرعوبیت کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ الا ماشاءاللہ۔ ہر شخص اپنے مزعومہ امام پر ہی اکتفاء کرتا رہا۔ جس کسی نے اس مرعوبیت سے نکلنے کی کوشش کی اس پر اہل علم نے ہر دور میں فتوے لگائے۔ یقیناً آپ کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے کاش میں اپنے منصب پر براجمان ہوتا تو یقیناً آپ کی کتاب کو قانون کا حصہ بناتا اور حضرت ابوطالب علیہ السلام پر کیچڑ اچھالنے والوں کا قانونی مواخذہ کرتا تاہم میں اپنے ہم منصب فاضل جج صاحبان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ مذکورہ مسئلہ اور اس قسم کے دیگر مسائل کا قانونی جائزہ لیا جائے تا کہ اسلامی معاشرے سے فرقہ واریت کے عفریت پر قابو پایا جا سکے۔

نیٹ کے ذریعے آپ کی دیگر کتب کی جستجو ہے چار جلدوں پر مشتمل کتاب وجاہت والدین مصطفیٰ، عصمت والدین مصطفیٰ، حرمت والدین مصطفیٰ اور قرآن عظیم کے شاہپارے میسر آئے۔ یقیناً آپ نے سگ والدین مصطفیٰ ہونے کا عظیم فریضہ نبھایا ہے یقیناً یہ بھی اتحادِ اُمت کی طرف ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی اس مخلصانہ کوشش سے وحدت اُمت کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے۔ میں اپنی اس تقریظ کے ذریعے سے تمام اہلیانِ اسلام مسلم اُمہ کو خلوص دل سے دعوت دیتا ہوں کہ اس کارِ خیر میں آپ کے ساتھ رفیق سفر بنیں۔ آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور وحدت اُمت میں اس کو موثر فرمائے۔ آمین۔

محمد امتیاز الحسن غزنوی



سورۃ الفاتحۃ

فصل ثانی:

اس فصل میں درج ذیل اہم عنوان شامل ہیں

* صبحِ زندگی کی عظیم تر خوشی،
* وجہ تالیف، میں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟
* حدیثِ دل، دلِ مسلم لہولہو

صبحِ زندگی کی عظیم تر خوشی

قارئین محترم! انسانی حیات مستعار اپنے طبعی سفر میں کئی ایک نشیب و فراز سے گزرتی ہے۔ لاتعداد موثرات کی گردشوں کی زد میں رہتی ہے۔ حصولِ تسکین کے لیے کئی کئی جتن کرتی ہے کبھی نامرادی، کبھی بامراد۔ اس طرح کی تراش خراش یہ سارے ماحولیاتی موثرات ہیں۔ ایسے ہی خوشی اور غمی بھی موثرات حیات ہیں کبھی عارضی خوشی نے مسرور کیا تو کبھی غم نے مضمحل کیا۔ انسان کی جبلی کاوش دائمی خوشی کی تلاش میں رہتی ہے مگر کامیابی صرف موہوم تصورات میں ہی سامنے آتی ہے ہاں خالق حیات کی طرف سے اگر کہیں کامرانی کی نوید میسر آئے تو پھر موہوم تصورات بھی یقین کا زیور پہن لیتے ہیں۔

میں بھی اس بزم ہستی میں ان طبعی عوارض سے دوچار رہا ایک لمبا سفر طے کیا چلتے چلتے ذوقِ جستجو میں ایک مقام آیا جہاں دائمی خوشی کو دیکھا وہ کسی دہلیزِ عظمت پر جبیں سا ہے میں نے اس سے پوچھا کہ اللہ کی بندی میں تو تیرے حصول کے لیے عمر بھر سرگرداں رہا تو یہاں کس مقام پر جھکی ہوئی ہے تو اس نے کہا جھکئے یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں بس بے خودی سے سرشارِ محبت ہو کر تو بھی میرا ہمنوائے ذوق ہو جا اپنی جبینِ نیاز کو یہاں سرنگوں کردے ادب و نیاز سے اس دہلیزِ عظمت پر جبیں سائی کر یہی میری شرطِ تعلق ہے۔ میں نے پھر پوچھا بتا تو سہی یہ مقام کونسا ہے؟ تو اس پر اس نے برملا کہا کائنات میں اعلیٰ و ارفع مقام ہے یہ مطافِ قُدسیاں ہے، جلوہ گاہِ یزداں ہے، مہبطِ علم و عرفان ہے، پناہ گاہِ بے کساں ہے، محافظِ پیکرِ نبوت کا آستاں ہے، محسن ملت اسلامیہ، سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام کا درِ اقدس ہے۔

دوستو! بس یہ سننا تھا کہ بے تاب تمناؤں نے تابِ حیات پائی، جُھلستے جذبوں نے جنتِ عدن پائی، بکھرے خیالوں نے حسن عظمت میں یکسوئی پائی، منتشر احساسوں نے تسکین پائی، تڑپتے روح و قلب نے دلبری پائی، سوئے ہوئے نصیب نے بیدار بختی کی معراج پائی اور نا اُمیدی نے تکمیلِ امید پائی۔ بس کیا تھا میں وہاں گر گیا جہاں مجھے گرنا چاہیے تھا میں ابھی گرا ہی تھا کہ دائمی خوشی نے برجستہ کہا اے سگِ والدین مصطفیٰ ﷺ اے خوش نصیب اب کٹھن راستوں کی جستجو چھوڑ میں تمہیں میسر ہوں میسر ہوں میسر ہوں۔

دوستو! اس دائمی خوشی کا ایک پس منظر بھی ہے سب سے پہلے تو خدائے ذوالجلال والاکرام کا فضلِ عمیم ہے پھر رسول رحمت ﷺ کا رحمِ عظیم ہے خصوصاً محسنۂ عالمین سیدہ ام محمد حضرت بی بی آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا وسلامہ علیہا کی بے پناہ شفقتوں کا احسانِ عظیم اور فیضانِ عظیم ہے اور محسنِ عالمین سیدنا و مولانا و ماونا و ملجانا حضرت ابومحمد عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لطفِ کریم ہے تاجدار

ولایت مولائے کائنات اَسَدُ اللہِ الْغَالِبُ اِمَامُ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ دَافِعُ الْمُعْضِلَاتِ وَالنَّوَائِبِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے والد کریم سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نگاہ عاطفت ہے حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی برکات اور شہنشاہ ولایت مبداء چشت اہل بہشت سلطانُ الہند حضور خواجہ معین الدین حسن چشتی رضی اللہ عنہ اور امام الاولیاء حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہات شامل حال ہیں

علاوہ ازیں فاتح عیسائیت فضیلۃ الشیخ سیدی سندی آقائے نعمت قبلہ پیر سید ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب زید مجدہ ولی آدینم شی اور جامعہ فریدیہ ساہیوال کے طلباء کے ساتھ بے پناہ محبت اور نگاہ و فیض کا فیضان ہے۔ استاذ العلماء فضیلۃ الشیخ مفتی اعظم پاکستان آقائے نعمت قبلہ مفتی منظور احمد صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی بے پناہ محبتیں شامل حال ہیں۔ استاذ الاساتذہ حضرت قبلہ استاد محمد ظفر اقبال خاں فریدی صاحب دامت فیوضہ کے سوز دروں کی برکتیں شامل حال ہیں۔ سیدی سندی آقائے نعمت حضرت قبلہ سید محمد عمر دراز شاہ صاحب چشتی شکوری مستانوی کی پر خلوص دعاؤں نے بھی خوب کام دکھایا۔ خصوصاً حضرت العلامہ استاذ العلماء استاذی المکرم حضرت قبلہ مفتی ڈاکٹر محمد مظہر فرید شاہ صاحب کی کریمانہ توجہات بھی خوب کام آئیں بالخصوص میرے سادے سے والدین کی محبتوں اور دعاؤں نے مجھے خوب نوازا میرے والد گرامی جام محمد صادق مرحوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آخری ایام حیات میں مجھے اپنی خصوصی دعاؤں سے مالا مال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ محسن عالمین سیدنا ابو محمد حضرت عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکرِ پاک کی برکتوں کے وسیلے سے انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ اب ان دعاؤں کے تسلسل میں میرے پاس ایک عظیم نعمت ہے وہ میری والدہ محترمہ کا وجود ہے جو ضعیف العمری کے باوجود روضہ رسول ﷺ کی حاضری کے لیے زندگی کی آخری خواہش کے طور پر بے حد تڑپ رکھتی ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظیم برکتوں کے وسیلے سے ان کی اس آخری عظیم تمنا کو پورا فرمائے اور مجھ ناچیز کو بھی ان کی خدمت و معیت میں یہ سعادت نصیب فرمائے یہ زندگی کی عظیم خوشی کا پس منظر ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاہِ النَّبِیِّ الْعَظِیْمِ الرَّحِیْم

سگ والدین سید المرسلین الکریم

محمد صداقت علی فریدی 0305-6684275

معلم جامعہ فریدیہ ساہیوال

میں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟

کتاب ہذا کے لکھنے کی بہت زیادہ وجوہات ہیں جن میں سے چند ایک زیب قرطاس ہیں:

پہلی وجہ تالیف

میں نے قرآن عظیم کا بغور مطالعہ کیا کائنات کے مقدس ترین مقامات کا تدریجی جائزہ لیا۔ سب سے افضل و اعلیٰ مقام حرم نبوت کو پایا اور یہ فضیلت ابتدائے کائنات سے لے کر انتہائے کائنات تک ہے اور رہے گی۔ یہ کاشانہ رحمت مہبط وحی الٰہی رہا ہے اور تا قیامت مرکز انوار و تجلیات الٰہیہ رہے گا۔ اس لیے اس کا تقدس بیان کرنا شرعی ضرورت سمجھا۔ کیونکہ بعض ناہنجار لوگ اس کے تقدس کو پامال کرنے کی ناکام سعی کر رہے ہیں۔

دوسری وجہ تالیف

میں نے صحبتِ نبوی کی تدریجی تشکیل کا جائزہ لیا پوری کائنات میں کوئی ایک بھی شخص ایسا نظر نہیں آیا جس کے دامن میں اتنی قربتیں اور صحبتیں ہوں جتنی سید بطحاء، رئیس حرم، ماوائے رسول ملجائے پیکر نبوت محسن اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کو میسر آئیں۔ پچاس سالہ شب و روش کی خلوتیں جلوتیں آپ ہی کی معراج بنیں۔ اور عاقبت نااندیش لوگ اس حرمت کا مذاق اڑا رہے ہیں اس نفسِ محترم کو کفر کی گالی دے رہے حالانکہ یہ ذات والاصفات نازِ اسلام ہے۔

تیسری وجہ تالیف

کائنات بھر میں جتنی خدمتیں، حمایتیں، نصرتیں اور قربانیاں سیدنا ابوطالب علیہ السلام کے دامن میں ہیں اس اعتبار سے ان کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آیا۔ بنابریں ان کی بزرگی کو بیان کرنا اپنی علمی ذمہ داری سمجھا تاکہ وقارِ عرب سید بطحاء کا تقدس اُمت کے دل میں اُتر جائے۔

چوتھی وجہ تالیف

زندگی کے پچاس سالہ مکمل دورانیے میں یہ اللہ تعالیٰ کا اعتماد رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی اعتماد رہے۔ اس فریضۂ اعتماد کو اس

نفس محترم نے کما حقہٗ خوب نبھایا قرآن اس کی گواہی دیتا ہے۔ زمانہ بھی گواہی دیتا ہے حقیقت خود بھی گواہ ہے۔ اس لیے اس عظیم اعتقادی عظمت کو بیان کرنا دینی فریضہ سمجھا تا کہ معاندینِ اہلبیتِ نبوت کی عصبیت کا علاج ہو سکے۔

پانچویں وجہ تالیف

یہ ہے یہ نفس محترم ایثار اور وفا کے نقشِ اول ہیں خلوص اور پیار کے نقشِ اول ہیں یقین و سچے اعتقاد کے نقشِ اول بلکہ اسوۂ اول ہیں۔ اور حفاظت نبوی کے اسوۂ رحمت وعظمت ہیں بنا بریں ان کی ان دینی عظمتوں کو بیان کرنا دینی فریضہ جانا تا کہ مکفرین کی پھیلائی ہوئی آلودگی کا سدِ باب ہو سکے۔

چھٹی وجہ تالیف

یہ ہے کہ اس محسن ملت اسلامیہ پر ڈالی گئی کفر و شرک کی بے ہودگی اور فکری گرد کو ہٹانا اپنے ایمان سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ دیے گئے تکفیری دلائل کا جب میں نے علمی جائزہ لیا تو ان کو اس بابت تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور جانا بنا بریں اس خود ساختہ بنے ہوئے جال کو توڑنا خود پر واجب علمی سمجھا کیونکہ یہ کائنات کی عظیم شخصیت پر بیہودہ ترین جھوٹا اور فحش الزام تھا۔ جس کی علمی، یقینی حقیقت نہیں تھی۔ مزید غور کرنے پر پتہ چلا کہ حرم نبوت پر حسب روایت یہ حریفوں کے پرانے حملوں کا تسلسل تھا۔ اب اس صورت میں دفاع حرم نبوت میرا فرض ہی بن گیا۔ سو میں نے الحمد للہ ادا کیا۔ کیونکہ حرمِ نبوت کے نفوس قدسیہ کا دفاع اللہ تعالیٰ کی عزت کا دفاع ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات کا دفاع ہے۔ یہ اعتراف خود رسول اکرم ﷺ نے بھی کیا ہے جب کفار مکہ نے خاندانِ نبوت پر بیہودگی سے بکنا شروع کیا تو آپ نے دفاع کے لیے چند شاعر صحابہ سے فرمایا ہر ایک نے حسب استطاعت جوابی کاروائی میں کلام کیا ہے۔ مگر دربار رسالت کے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب زبانِ حق ترجمان سے کفار پر نشتر چلائے تو زبانِ نبوت نے برملا فرمایا

"اِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُكَ بِجِبْرِيْلَ اِذَا نَافَحْتَ عَنِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ"

اے حسان جب تو میرے خاندانِ عظمیٰ کے تقدس کا دفاع کرتے ہوئے کفار کی ہجو کا شعروں میں جواب دے رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام کو تیرا مؤید و معاون بنا دیا۔ تیری تائید میں وہ بول رہا تھا۔ کیونکہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول کا دفاع کر رہا تھا۔ سو اس سنت حسانیہ کو تازہ رکھنے کے لیے مسکین نے سیدِ بطحاء کا دفاع کیا ہے۔ ان پر حملہ آوروں کا راستہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے روک دیا ہے۔ اب ان روایات کو لے کر عم النبی سیدنا ابو طالب علیہ السلام پر کوئی بھی حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ الحمد للہ علی ذالک۔ ثم الحمد للہ تعالیٰ۔

ساتویں وجہ تالیف

نجات کی ضمانت: حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں یمن سے آتے ہی یہ ہدیہ نیاز پیش کیا تھا۔

"اَنْتَ اَدْنیٰ وَسِیْلَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَی اللّٰهِ یَا ابْنَ الْاَکْرَمِیْنَ الْاَطَایِبِ"

اے رسولوں سے قریب تر وسیلہ حضور عظمت الٰہی میں ان لوگوں کے بیٹے کرامتیں اور بزرگیاں جن کا طواف کرتی ہیں پاکیزگیاں جن کے پیکروں سے طہارت کی خیرات مانگتی ہیں ہر پاکیزگی کو وہیں سے معراج ملتی ہے۔ اس بات پر تاجدار ختم نبوت خوشی سے بھر گئے۔ فرط جوش میں فرمایا اے سواد بن قارب تو نے میرے بزرگوں کی تعریف کی جا، ہم تمھیں دونوں جہانوں کی فلاح کا انعام فرماتے ہیں۔ "اَفْلَحْتَ یَا سَوَادَ ابْنَ قَارِبٍ"

دوستو! میرے دامن عمل میں اور کچھ نہیں تھا کہ حضور صمدیت میں پیش کر سکوں۔ یقینی ہلاکت بالکل سامنے تھی سو میں نے حرم نبوت میں پناہ لے لی ہے۔ اس پناہ کو میں اپنی نجات کی ضمانت سمجھتا ہوں۔

آٹھویں وجہ تالیف

ہم معاشرتی سماجی اقدار میں جاٹ قوم کے لوگ ہیں جب کوئی شخص ہمارے خاندانی بزرگوں کو گالی گلوچ کرتا ہے تو ہم اسے چیر کر رکھ دیتے ہیں۔ جوش انتقام سے اس کا برا حشر کر دیتے ہیں۔ جہاں میرا ایمان وابستہ ہے یعنی رسول خدا ﷺ کی ذات گرامی اگر کوئی ان کے بزرگوں کو گالی دے اور وہ بھی کفر اور شرک کی تو اس کو سبق سیکھانا بھی میری ایمانی غیرت کا اولین فریضہ ہے۔ سو میں نے بفضل تعالیٰ ادا کیا۔ اب اگر کوئی مزید جسارت اور حماقت کرے گا تو اسے ہزار گناہ زیادہ مزاحمت کی توقع رکھنی چاہیے۔

نویں اور خصوصی وجہ تالیف

اس سے قبل میں نے تاجدار ختم نبوت ﷺ کے پیارے والدین کریمین طیبین طاہرین رضی اللہ عنہما کی ایک حقیری نوکری کی ہے۔ ایک سگ درگاہ عظمت کی حیثیت سے توصلے میں اس گدا کے کشکول میں کریموں کی طرف سے اس کتاب لکھنے کا عطیہ عطا کیا گیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

نویں وجہ تالیف شفقت شاہ حضرت نصیر الدین نصیر گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ:۔

حضرت پیر طریقت زعیم ملت پیر سید نصیر الدین شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے چند ایک علمی ملاقاتوں پر علمی گفتگو ہوئی۔ اثنائے گفتگو سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا تذکرہ چھڑ گیا بس کیا تھا جونہی سید بطحاء کی کسی عظمت کا تذکرہ

ہوتا تو حضرت شاہ نصیر الدین رحمہ اللہ بے قراری میں تڑپ اٹھتے، آبدیدہ ہوجاتے دورانِ گفتگو انھوں نے مجھے اسی سرشاری میں ایک منقبت سنائی جو سید بطحا، علیہ السلام کی عظمت کا مقدس عنوان تھا بس جب اس شعر پر پہنچے کہ

چشم بیدار ملی معرفت حق آگاہ نظر

درسِ حق خطبہ عرفان ابوطالب ہے

اس شعر پر مجھ مسکین پر کیفیت طاری ہوگئی دیر تک سرشاری رہی۔ اس پر حضرت پیر نصیر صاحب نے زیر لب تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب جو کچھ ہمیں آتا ہے وہ ہم نے صدق ویقین کے ساتھ کہہ دیا۔ اب تحقیق والوں کا کام ہے کہ علمی شواہد کے ساتھ اس حقیقت کو عیاں کریں۔ بس پیر صاحب کے جذباتی تکلم نے مجھے اس تحقیق کرنے پر مجبور کردیا لیکن عدیم الفرصتی کا نازیبا بہانہ تراشتا رہا۔ مگر جب توفیق ایزدی شامل حال ہوجائے تو اسباب خود مہیا ہوجاتے ہیں۔ حرمین شریفین کی حاضری ملی بندۂ مسکین کی کتاب عصمتِ والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم، اور وجاہت والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم مدینہ منورہ میں تقریب رونمائی ہوئی کثیر علماء ومشائخ نے محبت سے نوازا۔ ایک صاحب بولے کہ اس نوکری پر آپ پر کوئی بہت بڑا انعام ہونے والا ہے۔ اس اشارہ پر میں کشاں کشاں دربارِ نبوت میں حاضر ہوا جہاں مجھے یہ عظیم نعمت ملی۔ مجھے سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نوکری کا اعزاز ملا۔ جس کا آغاز پہلی جلد عرفان ابی طالب اور قرآن عظیم آپ کے ہاتھ میں ہے۔ 850 سے زائد صفحہ پر مشتمل یہ مقدمہ ہے۔ اس مقدس عنوان کی مزید گیارہ مجلدات بہت جلد آپ کے ہاتھوں میں ہوں گی۔ خوش گوار حیرت یہ ہے کہ مجھے اپنی اس تحقیق کا جو عنوان ملا وہ حضرت قبلہ پیر نصیر الدین گولڑوی علیہ الرحمہ کے مذکورہ شعر سے ملا جو یقیناً اس اعتبار سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خیرات ہے۔

بصد شکر یہ مگر طرفہ تماشا یہ کہ مجھے اس شعر کے سیاق وسباق میں جو اشعار مطلوب تھے میسر نہیں آسکے۔ حسن اتفاق کہ میں کتاب ہذا کا مسودہ اصلاح وتزئین کے لیے کمپوزر علامہ محمد صدیق ولی فریدی کے پاس لایا۔ ملاقات کا طے تھا کہ علامہ عطاء الرحمن چشتی گولڑوی صاحب کے ہاں اکٹھے ہوں گے۔ عجیب ہے ہم کام میں مصروف ہی تھے کہ علامہ چشتی صاحب حضرت قبلہ پیر نصیر الدین گولڑوی علیہ الرحمہ کا کلام فیض نسبت سے جس میں میرا مطلوبہ مذکورہ شعر بھی تھا لے آئے میں نے جب مذکورہ کلام کا مطالعہ کیا تو عین حضرت قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیتے لمحات آنکھوں میں سہانہ منظر بن کر گھومنے لگے۔ بنابریں اس دیرینہ روحانی عظمت کے بغیر میں نے اپنی کتاب کو نامکمل سمجھا سو تکمیل کتاب کے لیے میں نے اس مکمل کلام کو کتاب کا حصہ بنایا۔ کتاب ہذا کا حسن بڑھانے کا اعزاز حاصل کیا۔

گر قبول افتد زہے عزوشرف۔

میں بار دیگر حضرت علامہ عطاء الرحمٰن چشتی گولڑوی کا سپاس گزار ہوں جنھوں نے مجھے حضرت قبلہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا کلام عنایت فرما کر مشکور فرمایا۔ ان کے ویسے بھی مجھ پر احسانات ہیں کہ ہمہ وقت حرمت حرم نبوت کی تحریک کے عظیم فعال رکن ہیں۔ خصوصاً والدین مصطفیٰ ﷺ کے ذکر اور اس کے فروغ کے لیے ہمہ وقت وقف اور سر بکف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور حضرت قبلہ نصیر ملت پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

درد و آلام کے مارے ہوئے کیا دیتے ہیں

ہم تو بس ان کی نگاہوں کو دعا دیتے ہیں

حدیثِ دِل۔۔۔۔دلِ مسلم لہولہو

محترم قارئین! فقیر جس عنوان پر قلم اٹھا رہا ہے وہ عنوان ایسی خونچکاں داستانِ غم ہے کہ جہاں فطرت کا ہر احساس غم واندوہ میں ڈوبا ہوا ہے ہر احساس مند آنکھ پتھرائی نظر آتی ہے ہر کلیجہ منہ کو آتا دکھائی دے رہا ہے۔ بزمِ امکان کے باسی اپنے حواس کھو رہے ہیں۔ دماغ پھٹ رہے ہیں غیرت وحمیت الجھ چکی ہے قیامت سے بھی بڑی قیامت برپا ہے۔ دلِ مسلم لہولہو ہے آنکھیں خون کے آنسو رو رہی ہیں ہر مسلم ومومن کی متاعِ ایمان لٹنے کے قریب ہے اسی لیے اُمت اُمت نہیں رہی تفرقے رہ گئے ہیں آخر یہ عذاب کیوں آیا کب آیا کیسے آیا بسیار کوشش کی گئی کہ وہ خارجی اسباب تلاش کیے جائیں جن سے خرمنِ اسلام کو آگ لگائی گئی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ وہ آگ لگانے والے کوئی اور نہیں اس گھر کو اس گھر کے چراغوں نے ہی آگ لگائی ہے۔ ایسی لگائی ہے کہ ابھی تک لگی ہوئی ہے بجھی نہیں۔ ان آگ لگانے والوں کا پہلا ہدف ہی حرمِ نبوت ہے جہاں حکمتوں کا نور نازل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیتیں نازل ہوتی ہیں قرآن مجید اسے یوں بیان فرماتا ہے

"وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ" اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا (الاحزاب:۳۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت بیشک اللہ ہر باریکی جانتا ہے خبردار ہے۔

یہی وہ حرمِ نبوت ہے جس کی طہارتوں اور عصمتوں کی شہادت قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

یہی وہ حرمِ نبوت ہے جن کی ایفائے نذر کی عظمت کو قرآن مجید یوں پذیرائی دیتا ہے:

"يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا۝" (سورۃ دھر:۷)

ترجمہ: اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے۔

جن کی سخاوت کی عظمت کو قرآن مجید یوں کھولتا ہے:

"وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۝" (سورۃ دھر:۸)

ترجمہ: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔

جن کے خلوص کی عظمت کو قرآنِ عظیم ایسے بیان فرماتا ہے

"اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا"

(سورۃ دھر: ۹،۱۰)

ترجمہ: ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے، بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے۔

اور قرآن کریم جن کی اُخروی تکریم کو اس طرح بیان فرماتا ہے:

"فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا" (سورۃ دھر: ۱۱)

ترجمہ:۔ تو انہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچالیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی۔

جن کے مرتبہ صبر و استقامت کو یوں بیان فرماتا ہے:

"وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۝"

ترجمہ:۔ اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے۔

جنت میں جن نفوسِ قدسیہ کی نشست گاہوں اور موسمی ٹمپریچر کو اس طرح قرآن کریم مقام دیتا ہے:

"مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا"

ترجمہ: جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ اس میں دھوپ دیکھیں گے نہ سردی۔

جن کے جنتی گھروں کے ماحول کی عظمت کو قرآن عظیم یوں بیان فرماتا ہے:

"وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝"

ترجمہ: اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے گئے ہوں گے ان کی تکریم میں۔

جن کی جنتی خادماؤں کا طرزِ نیاز قرآن کریم اس شان سے بیان فرماتا ہے:

"وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠"

ترجمہ: اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا جو شیشے کے مثل ہو رہے ہوں گے۔

جن کے استعمال ہونے والے برتنوں کی شان یوں بیان فرماتا ہے:

"قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝"

ترجمہ: کیسے شیشے چاندی کے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ پر رکھا ہوگا۔

ارے جن کے مشروب جنت کی عظمت کو قرآن عظیم یوں بیان فرماتا ہے:

"وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا"

ترجمہ: اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی ادرک ہوگی۔

جن کے جنتی مشروب کی کیمت کو قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے:

"عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا"

ترجمہ:۔ وہ ادرک کیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں۔

یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں اس حرم کے باسیوں کی شان یہ ہے کہ قدسی ملائکہ بھی غلمان جنت بھی حورانِ بہشت بھی ان کا طواف کرتے ہیں بکھرے ہوئے موتیوں کا ایک خوبصورت ترین سماں ہوتا ہے جو وہاں نظر آتا ہے۔ جسے قرآن حکیم اس طرح بیان فرماتا ہے:

"وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا"

ترجمہ:۔ اور ان کے آس پاس خدمت میں پھریں گے ہمیشہ رہنے والے لڑکے جب تو انہیں دیکھے تو انہیں سمجھے کہ موتی ہیں بکھیرے ہوئے۔

باسیانِ حرمِ نبوت کے جنتی محلات کی وسعت کو قرآن شریف یوں پذیرائی بخشتا ہے:

"وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا" (القرآن، پارہ: 29 دھر 20۔)

ترجمہ:۔ اور جب تو ادھر نظر اٹھائے ایک چین دیکھے اور بڑی سلطنت۔

یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کے جنتی لباس کی شان و شوکت کو قرآن عظیم ان شاندار الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ۔

ترجمہ:۔ ان کے بدن پر کریب کے سبز کپڑے اور قنادیز کے (ہوں گے)

یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کے زیورات کی عظمت کو قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے:

"وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ"

اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے۔

یہ وہ عظیم الشان حرمِ نبوی کے عظیم الشان لوگ ہیں جن کا جنت میں میزبان خود اللہ تعالیٰ ہے عظمتِ میزبانی میں خود اپنے دستِ قدرت سے ان نفوسِ قدسیہ کو شرابِ طہور پلاتا ہے اور فرماتا ہے:

"وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا" (القرآن، پارہ:29،دھر 21۔)

ترجمہ:۔ اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی۔

اور پھر ان کے حسنِ اخلاق اور عظمت اعمال کی عظمت کو یوں بیان فرماتا ہے

"اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا" (القرآن، پارہ:29،دھر 22۔)

ترجمہ:۔ ان سے فرمایا جائے گا یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔

اللہ اکبر کبیرًا فللّٰہ الحمد کثیرًا۔ دوستانِ من یہ ہے حرم نبوت کا مقام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات بینات میں ان کے تقدس کی عظمت کو اپنے عظیم اُلوہی کلام سے بیان فرمایا اور بتایا اے کائنات کے باسیو دھیان رکھنا میرے محبوب کا حرمِ دنیا میں بھی تقدس مآب ہے عظمت مآب ہے عصمت وعفت مآب ہے خبردار اسے عام گھر نہ سمجھنا بلکہ یہ تو وہ کاشانۂ رحمت ہے کہ دنیا کے اندر بھی اس کا قدسی طواف کرتے ہیں جنت والے بھی اس حرم کا طواف کرتے ہیں۔ اس حرمت کو ملحوظ رکھنا اس کی گستاخی سے بچتے رہنا ورنہ پارہ پارہ ہو جاؤ گے۔ یقیناً ایسا ہی ہے اور ایسا ہی ہوا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ آج امت کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ حالانکہ خود رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب تمہاری جمیعت بکھر جائے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور فرقہ فرقہ ہو جاؤ لفظ اُمت کا ٹائٹل تمہارے حسب حال نہ رہے اتحادِ امت کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور اتحادِ وقت کی اہم ضرورت بھی بن جائے اتحاد نہ ہونے پائے تو گھبراؤ نہیں اس سنگین ترین صورتِ حال میں میرے حرمِ عظمت میں لوٹ آؤ اس کی خنک چھاؤں میں پناہ لے لو تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ اتحادِ امت کی عظمتِ رفتہ تمہیں ضرور میسر آ جائے گی۔ ورنہ یونہی بھٹکتے بھٹکتے گمراہی کی ہلاکت کے قعرِ مذلت میں جا گرو گے۔ ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔ کیا تم جانتے نہیں

"وَاَهْلُ بَيْتِيْ اَمَانٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ مِنَ الْاِخْتِلَافِ"

ترجمہ: میرا حرم ہی اہل زمین کے لیے جائے پناہ بھی ہے یکجہتی کا مرکز بھی ہے۔

پھر فرمایا کہ کیا تم قرآن کریم نہیں پڑھتے کہ میرے حرم کے باسیوں کی محبت تمہارے ایمان کا واجب ہے مودتِ قُربیٰ کے بغیر نہ تمہارے ایمان کی کوئی حقیقت ہے نہ تمہارے کردار میں کوئی رعنائی حسن ہے نہ بخت کی بلندی نہ نجاتِ حوادث

کیونکہ میرا رب خود ارشاد فرماتا ہے

"قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"

اے محبوب فرما دو کہ میں تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر ہاں اپنے قرابت داروں کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ کل قیامت کے دن بھی قرابت داروں کی بابت سوال ہوگا۔ کہ کیا اہلِ ایمان ان نفوسِ قدسیہ سے محبت کرتے تھے اگر کرتے ہوں گے تو یومِ محشر بھی عزت ملے گی ورنہ ذلت ورسوائی اُن لوگوں کا مقدر ہوگا۔

قارئین کرام! یہ ہے حرمِ نبوت جس کی شان بے مثالی کے کیا کہنے کہ یہ دنیا میں بھی مطافِ قدسیاں ہے قبلہ اہلِ ایمان اور آخرت میں بھی مطافِ قدسیاں ہیں کعبہ اہلِ عرفان ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ روئے زمین کے اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ روضۂ انور کے جس مقام پر حضور رحمت عالمیان ﷺ آرام فرما ہیں وہ جگہ وہ مٹی عرشِ عظیم سے بھی افضل واعلیٰ ہے۔ وہ تو مٹی اگر پیکرِ نبوت کے بوسے لے۔ وجودِ اقدس سے لمس کرے تو عرشِ عظیم سے افضل ہے اور جس ماں نے جنم دیا ہے پیکر نبوت کے بوسے لیے ہیں والضحیٰ کے مکھڑے کے اس کی شان کیا ہوگی اس باپ کی شان کیا ہوگی؟ جس کو محمد کریم ﷺ کے والد گرامی ہونے کا شرف ملا ہے ان کا مقام کیا ہوگا مرتبۂ عظمت کیا ہوگا۔۔۔ اللہ اللہ۔

آیئے ذرا سوچئے آقا علیہ السلام کی والدہ کریمہ طیبہ طاہرہ زکیہ تقیہ محسنۂ عالمین مخدومۂ کائنات صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے صرف نو ماہ اپنے شکمِ اطہر میں رکھا اور چھ سال تک ولادتِ باسعادت کے بعد تک پیکرِ نبوت سے لمس ومحبت کا شرف پایا بوسے دیے گلے لگایا لپٹی رہیں یہ وہ لمسِ عظمت ہے جس کے ایک لمحہ کے مدِمقابل کائنات بھر کی دولتیں نعمتیں عظمتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں تو چھ سال کے لمس کا تسلسل کیا مقام رکھتا ہوگا اور وہ بھی ماں کی ممتا کی حیثیت سے یہ وہ ماں ہے جو خود مخدوم عالمین کی مخدومہ ہیں یہاں تو نصیب بھی نصیب ہونے پر فخر کناں ہے اور مخدومۂ کائنات اور مخدومۂ نبوت کے حضور محو نیاز ہے بھئی یہاں ایک لمحہ کا لمس بے حدو بے حساب عظمتیں اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے۔ پورے چھ سال کے مقدس لمحات کے لمس کا کون حساب لگائے!

اب اسی تصور میں ذرا آگے چلیے جس نفسِ زکیہ نے جس ذات والا صفات نے جس محسنِ ملت اسلامیہ نے جس محافظِ نبوت نے جس ناصرِ رسول اور دینِ رسول نے جس پناہ گاہِ نبوت نے جس منبعِ کرم نے جس مخزنِ نعم نے جس مہبطِ انوار وتجلیات الہیہ نے پورے پچاس (۵۰) سال خلوت وجلوت میں پیکرِ نبوت کے لمس کا مسلسل شرف پایا اللہ اکبر اور بلا حائل حجاب شرف پایا رُخِ رحمت رُخِ والضحیٰ بلکہ ورقِ مصحف وقرآں کے پچاس سال تک بوسے لیے واللیل والی زلفِ عنبریں میں کنگھی کرتے رہے گردشِ زمانہ کی سنگ باری کے سامنے اپنا سینہ پیش فرماتے رہے، یہ مبارک صحبتیں پچاس سال تک مسلسل رہی ہیں بھلا بتایئے ہے کوئی کائنات میں جو ان صحبتوں کی عظمتوں اور رفعتوں کا اندازہ لگا سکے۔ نہیں کوئی نہیں جس ذات گرامی کی یہ شان ہو اسے سیدِ بطحا، سردارِ قریش میزبانِ اسلام اور اہلِ اسلام محسنِ ملت اسلامیہ محسنِ محسنِ انسانیت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کہا جاتا ہے اسے ملجا وماویٰ رسول کہا جاتا ہے۔۔۔ اسے ناصرِ رسول کہا جاتا ہے۔۔۔ اسے محبتِ رسول کا نقشِ اول کہا جاتا ہے۔۔۔

اے صحبتِ نبوی کا پہلا وجود کہا جاتا ہے۔۔۔۔اے خادم رسول کہا جاتا ہے۔۔۔۔اے مربی رسول کہا جاتا ہے۔۔۔۔اور اللہ تعالیٰ کا انتخاب کہا جاتا ہے۔۔۔۔ اے مصطفیٰ کریم ﷺ کا اعتماد کہا جاتا ہے۔۔۔۔ اے منصہ شہود میں سب سے پہلا ثنا خوانِ رسول کہا جاتا ہے۔۔۔۔اے تاجدار ولایت تاجدار ھل اتی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بے مثل باپ کہا جاتا ہے۔۔۔۔ اے سیدہ نساء العالمین بی بی فاطمہ الزہراء صلوۃ اللہ علیہا کا دادا ابو اور سسر کہا جاتا ہے۔۔۔۔ اے جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا باپ کہا جاتا ہے۔۔۔۔اور ان کی شہادت کا مورثِ اعلیٰ کہا جاتا ہے۔۔۔۔اے حسنین کریمین صلوۃ اللہ علیہما کا جدِ کریم مانا جاتا ہے۔۔۔۔فقیر بے بصر روایت سازوں کو روایت گروں کو اور بے بصر فقیہان حرم کو بصورت دعوت چیلنج کرتا ہے کوئی ان جیسا عظیم انسان تمہارے دامن علم میں ہے تو سامنے لاؤ۔

"هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ"

اب ذرا زبان نبوت سے بھی حرم نبوت کا مقام ملاحظہ فرمائیے۔فرمایا

"اِنَّ لِلّٰهِ۔۔۔فِي الْاَرْضِ حُرُمَاتٌ ثَلٰثٌ حُرْمَةُ الْاِسْلَامِ وَحُرْمَتِيْ وَحُرْمَةُ اَهْلِ بَيْتِيْ"

ترجمہ:۔بزم کون ومکان میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قابلِ احترام عظمتیں تین ہیں:

(۱) حرمتِ اسلام۔(۲) میری حرمت۔(۳) میرے اہل بیت کی حرمت۔

پھر فرمایا جو ان کی حفاظت کرے گا انکا احترام کرے گا اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں اس کی عزت وعظمت کی حفاظت فرمائے گا اور جو ان کی عظمتوں کے حقوق کو ضائع کرے گا ان کا احترام نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے وقار کو خاک میں ملا دے گا۔استغفر اللہ۔

قارئین محترم یہ ہے میرے نبی کریم ﷺ کا تقدس مآب حرم خدا تعالیٰ کے ہاں اس کا کیا احترام ومقام ہے رسول خدا ﷺ کے ہاں اس کا اتنا بڑا مقام واحترام ہے۔اللہ اکبر۔

مگر آہ! افسوس ہائے افسوس! صد ہزار افسوس کہ روایت گروں نے روایت سازوں نے پہلے کلمے کی اوٹ لی پھر علم کا روپ دھارا بعد ازاں علمی امانت کا ٹائٹل اپنے نام کیا شہرت کی بلندیوں کو عبور کیا جب اعتماد حاصل کر لیا تو اپنی مزعومہ روایات کی دیا سلائی جلائی پھر اس کو ہوا دی پھر اس کو حرم نبوت میں پھینک دیا تا کہ حرم نبوت جل کر خاکستر ہو جائے ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس جلائی ہوئی دیا سلائی پر شعلہ زن تیلی پر حضرت محمد ﷺ کا نام لکھ دیا اور کہا کہ دراصل یہ تیلی جو شعلہ زن ہے یہ ہم نے نہیں جلائی بلکہ صاحب خانہ نے جلائی ہے ہم نے تو اسے سلسلہ بہ سلسلہ نقل کیا ہے اور بس۔جب حرم نبوت جل چکا تو کچھ یار لوگ

تیار کیے گئے جن کو یہ سکھایا گیا کہ یہ کہو کہ جب خود نبی اپنے گھر والوں کو جہنم میں جلنے سے نہیں بچا سکا تو ہمیں کیسے بچائے گا امت کو کیسے بچائے گا۔ اس زہریلے پروپیگنڈے سے تبلیغ نبوت بہت متاثر ہوئی اور اہلیانِ اسلام بہت متاثر ہوئے۔ یاد رہے کہ حرم نبوت میں سے جلنے والوں میں جو سر فہرست ہیں جن کو نامزد کیا گیا ہے وہ ابھی تک اُن شعلوں کی لپیٹ میں ہیں وہ چار نفوس قدسیہ ہیں

(۱) حضرت عبد المطلب علیہ السلام ہیں جن کا قصور یہ تھا کہ وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے دادا کریم تھے جد عظیم تھے دین حنیف کے حقیقی امین تھے۔ پاسبان ملت ابراہیم تھے سب سے بڑھ کر کہ وہ خطۂ ارض میں سب سے پہلے حضور سرور کونین ﷺ کے عظیم نعت خوان تھے ثناء خوان تھے۔

(۲) محسن عالمین ابو محمد ابو احمد ابو قثم حضرت سیدنا عبداللہ بن عبد المطلب علیہما السلام ہیں۔ جن کا قصور یہ ہے کہ یہ نفس رحمت حضور نبی کریم ﷺ کے والد گرامی ہیں۔

(۳) محسنہ عالمین مخدمہ کائنات اُم محمد حضرت بی بی آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا ہیں۔ قصور ان کا یہ ہے کہ یہ مبداء پیکر نبوت ہیں عفت و عصمت کا معیار ہیں اللہ تعالیٰ ان پر درود بھیجتا ہے۔

(۴) محسن ملتِ اسلامیہ محافظ و ناصر رسول ﷺ جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں یہ سب سے زیادہ متاثر ہیں ان کو جھلسانے کے لیے تو سینکڑوں سالوں سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ قصور ان کا یہ ہے کہ ناصر رسول ہیں محافظ اسلام ہیں اسلام کی خاطر گردنیں کٹانے والے بہت سے نفوس قدسیہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں وفادار نبوت ہیں۔

پچاس سال کی طویل نبوی صحبتوں کے مالک ہیں بے مثل فضیلت کے حامل ہیں اور سب سے بڑا ان کا قصور یہ ہے کہ مولائے کائنات تاجدار ہَل اَتیٰ، منبع ولایت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے والد گرامی ہیں حسنین کے دادا ابو ہیں سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بابا بھی ہیں سسر بھی۔ کائنات میں سب سے زیادہ محب النبی ﷺ ہیں۔

قارئین محترم! یہ ہیں وہ نفوس قدسیہ جن کو جھوٹی روایات کا شعلہ جلا کر آیات کی ناجائز مہمیز لگا کر کفر و شرک کے الزام میں گرفتار کرا کر جہنم کی آگ میں جلایا جا رہا ہے۔ نعوذ باللہ۔ غضب کی بات یہ ہے کہ مسموم آگ لگانے والے اہل علم ہیں کلمہ گو ہیں۔ آگ خود لگاتے ہیں ذمہ داری نبی ﷺ پر ڈال دیتے ہیں۔

بندۂ مسکین نے جب اس افسوس ناک اور سنگین ترین صورت حال کا مشاہدہ کیا اور جائزہ لیا تو میرا دل لہولہو ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں، قیامت سے بھی بڑی قیامت کا سامنا کرنا پڑا، میں سراسیمہ سا ہو گیا۔ حسرتوں میں ڈبڈباتی آنکھوں سے جدھر بھی دیکھتا

ہوں ہر مومن ہر مسلم کی یہی کیفیت ہے جو میری کیفیت ہے۔ بعض لوگ تو اس کیفیت میں نڈھال نظر آئے بلکہ بالکل مضمحل نظر آئے مگر کچھ منحوس چہرے اہل اسلام کی اس حالت زار پر تبسم کناں تھے طنزیہ جگت بازیاں کر رہے تھے کہہ رہے تھے نبی کے بس میں ہوتا تو اپنے والدین کو، چچا ابوطالب علیہ السلام کو جہنم سے بچا لیتے۔ ثابت ہوا کہ نبی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بس یہ سننا تھا وجودِ عصری میں جو رمق حیات باقی تھی اس حیات مستعار میں جو رتی بھر تھوڑا بہت ایمان کا نور تھا وہ جوش میں آیا بلکہ وہ مختصر جذبہ ایمان ایک طوفان بن گیا دل نے طے کر لیا کہ حرم نبوت کو آگ لگانے والوں کو ان کے ہی تعصب کی آگ میں جلا کر راکھ کر دوں، بھسم کر دوں۔ مگر میدان میں خود کو اکیلا دیکھا اجنبی دیکھا بے کل دیکھا اور مد مقابل کی فوج ظفر موج کو دیکھا۔ بڑے بڑے قد آور اپنی جلالت لیے کھڑے ہیں مجھے اس وحشت ناک صورت حال کا سامنا اس وقت کرنا پڑا جب میں شدت غم سے بھی نڈھال تھا اور حرمِ نبوت پر ہونے والی یلغار کے احساس نے بھی مضمحل کر رکھا تھا۔ اعصاب شکن احساسوں میں سوائے اضطراب ونقاہت کے اور کیا میسر ہو سکتا ہے۔ یہ شکستہ دلی جب حد سے بڑھی تو ایک مانوس سی جانی پہچانی آواز آئی او میرے شکستہ دل عاجز بندے گھبراؤ نہیں "أَنَا عِنْدَ قُلُوْبِ الْمُنْكَسِرَةِ" ہم تو رہتے ہی ٹوٹے ہوئے دلوں میں ہیں۔ میری اس کیفیت کو کوئی روزن دیوار سے لگ کر سن رہا تھا وہ بھی بے ساختہ برجستہ بولا تو اپنے شکستہ دل کی حالت سے پریشان ہے تو پریشان ہرگز نہ ہو تیرا دل تو ایک شفاف آئینہ ہے اس میں فقط خاندانِ نبوت حرمِ نبوت کی محبت کا نور ہے اس نور کی روشنی نے تیرے دل کو شیشے سے بھی زیادہ صاف وشفاف کر دیا ہے یہ ایسا دل ہے کہ جس کی لوئیں بڑی ہی قیمتی ہیں۔

نہ بچا بچا کے تو رکھا سے تیرا دل ہے وہ آئینہ
نہ کسی کے نقش خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

پھر دل کی پنہائیوں سے بھی ایک دلنواز صدا آئی اور وہ آواز ایسی مسرور کن تھی کہ مشام جان کو بھی معطر کر گئی پھر کیا تھا احساس تمنا اُس آواز کی حسن نغمگی میں کھو گئے اتنے کھوئے کہ کامل لذتِ استغراق تک جا پہنچے پھر جب اس عالم ھاھو میں احساس تمنا کی آنکھ کھلی تو سامنے دل کی وسیع ترین کائنات کے گوشوں سے اللہ تعالیٰ کا قرآن بول رہا تھا قرآن حکیم کی آیتیں بول رہی تھیں چونکہ الحمد للہ قرآن کریم مسکین حزیں کے سینے میں ہے چمکدار دل ہے اس میں پورا قرآن مجید محفوظ ہے اس لیے مجھے حق کو سمجھنے میں کبھی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ بہر حال من کی کائنات میں محفوظ قرآن عظیم بول رہا تھا فرما رہا تھا جھلے تو پریشان کیوں ہے؟ نورِ مبین بن کر میں نازل ہوا ہوں آ میری روشنی میں چل میری رعنائی وحسن کی لطافت کے جلووں میں چل میں بتاؤں گا مقام حرمِ نبوت کیا ہے اور اس کو آگ لگانے والوں کے بدنما بھدے اور منحوس چہرے کیا ہیں۔

محترم دوستو! میں نے حسب حال قرآن کریم کو امام مانا اس کی روشنی میں آگے بڑھا سب سے پہلے میں نے حرم نبوت کا مقام معلوم کیا۔ جسے میں نے مختصر اس عنوان کے آغاز میں بیان کیا ہے۔ مزید تفصیلات اگلے عنوانات کے ضمن میں بیان ہوں گی بعد ازاں میں نے قرآن کریم کی روشنی میں اپنے سفر کا آغاز اس لیے کیا اسی نسبت سے کیا کہ میں حرم نبوت کو آگ لگانے والوں کو تلاش کروں انھیں ان کے کیے کی سزا دلواؤں۔ اس سفر میں کشاں کشاں چلتا رہا دشمنان اہلبیت نبوت کا سراغ لگاتا رہا۔ ان کا کھوج کھرا معلوم کرتا رہا یہ سفر مسلسل جاری رہا بالآخر اس دہشتگردی کے ڈانڈے شام کے شاہی محلات تک جا پہنچے اور ان کے فکری راہنما یہود بے بہبود نظر آئے اُموی حکمرانوں کی دیرینہ عصبیت اور دشمنی عبدالشمس اُمیہ سے چلی وہ ٹکرائے حضرت ہاشم علیہ السلام سے آغاز ہوا اس کا اور انجام کار اُمویوں کے جارحانہ ارمان کربلا شریف میں پورے ہوئے۔

بعد ازاں بھی ان کے بہیمی جذبوں کی تسکین نہ ہوئی انھوں نے حامیان اہلبیت نبوت محبان حرم نبوت اہل علم کو اور سادات کرام کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا لاتعداد علمائے ربانی تہ تیغ کیے گئے ان کا قصور فقط اتنا تھا کہ وہ حرم نبوت کا احترام کرتے تھے کچھ اہل علم ان کے ہتھے چڑھے جن سے انھوں نے من مانی روایات وضع کروائیں ان روایات کے دو پہلو منتخب ہوئے پہلی قسم کی وہ روایات تھیں جن میں اُموی غنڈہ گردی کی فضیلت بیان کر دی گئی اور دوسری قسم کی روایات میں اہل بیت نبوی کی توہین پر مبنی مضامین شامل کیے گئے روایات گھڑنے والے علماء میں کچھ تو ان کے رشوت خور تھے اور کچھ ان کے غضب سے خوف زدہ تھے یہ بھونڈی حرکت ۹۲ سال تک مسلسل جاری رہی۔ اس طرح علمی حجم میں توسیع بھی ہوئی اور اضافہ بھی ہوا۔ اُموی تعصب کی قدرے تسکین بھی ہوتی رہی مگر علمائے ربانی نے احقاق حق کے لیے اپنی خاموش سرگرمیاں علمی کاوشیں جاری رکھیں اور اس رطب و یابس کا تدارک کرتے رہے اس طرح علم دین کا تفسیری اثاثہ حدیث پر مبنی ذخائر علم اُموی خیانتوں اور علمی غنڈہ گردی سے قدرے پاک ہوئے تاہم پھر بھی کچھ اثرات ذخیرہ حدیث میں ان کی باقیات سیئات کے طور پر موجود رہا اور ہے۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہوئی اب بھی ہماری کتب حدیث میں ان ناہنجاروں کی ذہنی پلیدی حدیثوں کا حصہ ہے جس کو دھونا محدثین کرام کی علمی اخلاقی ذمہ داری ہے مگر یہ گھنٹی باندھے گا کون؟ حد تو یہ ہے کہ ہماری صحاح ستہ بھی اس آلودگی سے پاک نہ ہو پائیں بہت سارے اُموی غنڈے ہماری صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ تو ایسے میں حرم نبوت کے تقدس کا پامال ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ خصوصاً محسن ملت اسلامیہ بابائے اُمت محمدیہ سید بطحاء سردار قریش سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مقدس ذات والا صفات کا اس غنڈہ گردی سے محفوظ رہنا تو بالکل محال سی بات ہے۔ دراصل یہ انتقام ہے اس مبارک عمل کا جو حضرت ابوطالب علیہ السلام سے اسلام کی حمایت میں روپذیر ہوتا رہا۔ مگر اس کے مدمقابل قریش بنی مخزوم و دیگر قبائل کے ساتھ ساتھ بنو اُمیہ کی غنڈہ گردی تو خصوصاً ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے اور بانی اسلام علیہ السلام کو برباد کرنے میں ابوسفیان نے اربوں روپے کا سرمایہ اس پلید مشن میں پھونک دیا۔ کچھ قبائل کو اکسایا اور کچھ کو خریدا ہر ممکن کوشش کرتا رہا اس کی یہ وحشیانہ

سرگرمایاں مسلسل اکیس سال تک جاری وساری رہیں مگر قدرت الٰہی کہ فتح مکہ کی صورت میں کفار مکہ خصوصاً بنوامیہ بالخصوص ابو سفیان کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ مارا ناکامی بے بسی ان کے گلے کا ہار بنی اہل اسلام نے اپنے غیور جذبوں کے ساتھ ایسا گھیراؤ اور محاصرہ کیا کہ ابوسفیان کو بھاگنے کی راہ بھی نہ مل سکی بالآخر جان بچانے کے لیے کلمے کی اوٹ لے لی مگر طرفہ تماشا ہے کہ ایسے جارح دشمن اسلام، دشمن بانی اسلام کے لیے اہل علم نے جنت کے اعلیٰ مقام پر عظمت کا تخت بچھا دیا مگر پچاس سال تک نور خدا کی حفاظت کرنے والے دین خدا کی نصرت کرنے والے محسن ملت اسلامیہ حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کو جنت میں داخلے کی اجازت ہی نہ دی بلکہ اپنی مزعومہ جنت سے اس نفس محترم کو دور رکھا پھر اس تعصب سے جی نہیں بھرا اس جنت کے مالک کو اُٹھا کر جہنم میں پھینک دیا۔

بنابریں فقیر ناچیز نے ضروری سمجھا کہ اس خود ساختہ تصور دین کا خالصۃً علمی جائزہ لیا جائے اصل حقائق اُمت کے سامنے لائے جائیں تاکہ غداروں اور وفاداروں کا تعین ہو سکے۔ اس حد فاصل کے ذریعے دشمن اور محسن کے درمیان حقیقی شناخت قائم ہو سکے۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ بہت سارے اہل علم کو مسکین کا یہ طرز تکلم اچھا نہ لگے لیکن اس عنوان کی عظمت پسند ناپسند پر مبنی نہیں۔ بلکہ خالصتاً علمی تحقیقی ہے اور تحقیق کی دنیا میں طرف داری، عصبیت، عقیدت واہی تخیلات کی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ تحقیق تو چلتی ہی قوی دلائل کی روشنی میں ہے ہم نے اس مسئلہ میں محققانہ غور کیا ہے معاندین اہل بیت نبوت نے جو کچھ روایتی جوڑ توڑ کیا ہے اور اختراعی دلائل دیے ہیں ان میں کوئی بھی ایک ایسی دلیل نہیں جس میں ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعیت ہو اور اس کو اہل علم کے مزعومہ نظریے میں موثر علمی مانا جائے بسیار کوشش کی کہ کہیں کوئی معقولیت اور موزونیت نظر آئے مگر ہیچ حاصل ندارد۔

ہاں اہل علم کی اس بابت جتنی بھی کاوشِ علمی نظر آئی ہے اس میں ایک بات واضح ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تحریروں میں بنوامیہ کی دلالی ضرور نظر آئی ہے یا ان کا بہیمانہ خوف نظر آیا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ بعض اہلِ محبت اہلِ علم نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی طرف سے کچھ صفائی پیش کی ہے مگر ان کو تحکمانہ انداز میں دبوچ لیا گیا ہے اور اُن پر اپنا پھوکا علمی رعب ڈالا گیا ہے مگر اب ایسا نہیں چلے گا مسکین فریدی رعب ڈالنے والوں کے مبلغ علم کو خوب جانتا ہے یہ اہلِ علم علمی اعتبار سے کس پانی میں ہیں علمی سنجیدگی یہی ہے کہ بات دلیل کی روشنی میں کہی جائے مگر آج کل یہ رواج ہی عنقا ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ واریت کا عفریت مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے بلکہ اب تو یہ آتش فشاں بن چکا ہے میں اہلِ علم سے گزارش کروں گا کہ ملک وملت کے تقدس کا دھیان کریں اور مسائل کی دنیا میں سنجیدہ اور معتدل مفید کوششیں فرمائیں۔ پاکستان کو فرقہ واریت کی آگ سے بچائیں پاک آرمی کے ساتھ مل کر اُن چوہوں کو مار بھگائیں جو ملک کی جڑوں کو کتر رہے ہیں۔

محمد صداقت علی فریدی

فصل ثالث:

✪ عرضِ مؤلف، ✪ کتاب ہذا کا اجمالی عبوری خاکہ،

✪ تکفیرِ ابی طالب علیہ السلام محض بے حقیقت مصنوعی افسانہ اور فضول جبری تحکم ہے۔ اس کی مختصر ترین صورتیں فصل ہذا میں بیان کی جائیں گی۔

عرضِ مؤلف

تکفیر ابی طالب علیہ السلام محض بے حقیقت مصنوعی افسانہ ہے اور فضول جبری تحکم ہے۔ اس کی صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ تکفیرِ ابی طالب میں درآمدی روایات کے راویوں میں کوئی بھی راوی وفات ابی طالب کے وقوعہ کا عینی شاہد نہیں۔ وقوعہ مبصر محسوس تھا بنابریں راوی کا عینی شاہد ہونا ضروری تھا۔

۲۔ وقوعہ کے عینی شاہد نے کلمہ طیبہ پڑھنے کی عینی شہادت دی ہے۔

تکفیری روایات کے راویوں کا اس وقوعہ کی بابت کسی عینی شاہد سے سماع ثابت نہیں ہے۔ ان روایات کی بابت، تکفیری روایات کی تمام اسناد مجروح ہیں، متکلم فیہ ہیں اور ضعیف ہیں بنابریں یہ تمام روایات مردود ہیں۔ جب یہ روایات اسناد کے اعتبار سے مجروح ہیں تو ان میں درج آیات کا تعلق یقینی حوالے سے حضرت ابوطالب سے ہرگز نہیں بنتا۔ کیونکہ ان روایات کا راویوں کے پاس کوئی مبداءِ علم ہی موجود نہیں۔ بنابریں یہ روایات مصنوعی قرار پائیں اور مصنوعی روایات سے الزام وعیب ثابت نہیں ہوتا کسی کے پاس ان کی یقینی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔

۳۔ میرے مطالعہ کی حد بندی شرح المطالب فی مبحث ایمان ابی طالب میں درج شدہ روایات تک ہے اُصولاً میں نقد و تبصرہ صرف اُن روایات پر کروں گا۔ مثلاً

حدیث اوّل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں طلوع اسلام کے 20 سال بعد ایمان لائے۔ وفاتِ ابی طالب کے وقت یہ مکہ میں نہ تھے بلکہ یمن میں تھے۔ نہ تو عینی شاہد ہیں اور نہ ہی کسی عینی شاہد کی شہادت ان کے پاس ہے۔ نہ صاحب وحی ہیں اور نہ ہی صاحب وحی ﷺ نے اُن کی روایت میں آیت مذکورکو ان کے سامنے اس ضمن میں بطور خبر بیان فرمایا۔

حدیثِ دوم: حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے۔ یہ طلوعِ اسلام کے 21 سال بعد ایمان لائے۔ نہ یہ عینی شاہد ہیں نہ ان کے پاس کسی عینی شاہد کی شہادت ہے۔ مکہ میں آٹھ ہجری تک یہ کفر میں رہے۔ کیا رسول دوعالم ﷺ نے انھیں ان کی حالتِ کفر میں اپنے گھر کی کہانی سنائی؟ ہرگز نہیں۔ روایت میں مذکور آیت بارہ سال بعد مدینہ میں نازل ہوئی اور اسے مجمع عام میں سنایا گیا۔ کسی بھی صحابی نے اس آیت کے ساتھ وفات ابی طالب کے مصنوعی قصے کو نہیں جوڑا۔ یہی محترم ہیں جنھیں یہ انہونی بارہ سال بعد مدینہ میں نظر آئی۔ حالانکہ مکہ میں یہ قرآن سننا ہی گوارہ نہیں کرتے تھے لیکن پھر

بھی دو آیتیں اپنی مصنوعی روایت میں جڑ دیں۔ جبکہ ان دونوں آیتوں کا نزول الگ سے نہیں ہوا۔ سورۂ قصص الہامی آیتوں کے ساتھ بیک وقت نازل ہوئی۔ سورہ توبہ کی 129 آیات بالاتفاق مدینہ میں نو ہجری ذیقعدہ میں نازل ہوئیں۔ حضرت نے ان سورتوں کی باقی آیات کہاں چھپالی ہیں وہ بھی مصنوعی مضمون کی تائید میں لے آئیں تاکہ معاملہ باوثوق ہوجائے۔

نوٹ:۔ اس روایت کے تمام طرق سے گیارہ راوی ضعیف ومجروح متکلم فیہ ہیں۔

آپ کی مجوزہ آیتیں تکفیرابی طالب میں صرف آپ کو ہی نظر آئیں زاں وقت دیگر اجلہ صحابہ کرام کہاں تھے انھیں اس ضمن میں یہ آیتیں کیوں نہ نظر آئیں؟ نہ ہی اہلبیت نبوت کو نظر آئیں؟ جو عینی شاہد تھے کسی عینی کو یہ سب کچھ نظر نہیں آیا۔ حضرت مسیب کو بغیر دیکھے نظر آ گیا؟ اسی کو جھوٹ کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳: سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کے ضمن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول کہ آیت نمبر 26 ابوطالب علیہ السلام کی بابت نازل ہوئی۔ صاحب مبحث نے اس قول کی سند اس لیے نہیں بیان فرمائی کہ مبادا کہیں سند کے ضعف کا پول نہ کھل جائے۔ کائنات بھر کے اہلِ علم سے میرا سوال ہے کہ قانونِ شریعت میں کوئی ایسا ضابطہ بتائیں کہ ایک ضعیف اثر سے بھی الزام اور عیب ثابت ہوجاتا ہے۔ مزید یہ کہ قول مضمونِ قرآن کے بھی خلاف ہے بہر اعتبار مردود ہے۔ جہالت راوی اور واضح سقم ہے۔ نزولِ آیت کے اٹھارہ سال بعد یہ مفسر ہذا کو نظر آیا عینی شاہدوں کو بھی اور خود صاحب وحی کو بھی اٹھارہ سال تک کچھ بھی نظر نہ آیا جبکہ راوی نزولِ آیت کے وقت دنیا میں آئے ہی نہیں تھے۔

حدیث نمبر ۴۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اس کی سند میں محمد بن عبدالملک بن مروان الاموی متعصب راوی ہے۔ ذہبی کے مطابق فاتر العقل بھی ہے بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ تعصب وضع روایت کا واضح باعث ہے۔

حدیث نمبر ۵:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کی سند میں تین راوی ضعیف ومجروح ہیں۔

حدیث نمبر ۶: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ ماتن نے خود اسے ضعیف کہا۔

حدیث نمبر ۷۔ کی مکمل سند مجروح ہے۔

حدیث نمبر ۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس کے دو راوی مجروح ہیں مزید یہ راوی ثبوت ایمان کی روایت کے بھی راوی ہیں۔ اور یہ روایت صحیح ہے۔

نوٹ:۔ ضحضاح (پتلی آگ) پر جتنی روایات وارد ہیں ان کی اسناد معلول ہیں ضعیف ہیں۔ اور یہ روایات بے محل بھی ہیں کیونکہ وجہ ضحضاح کلمہ نہ پڑھنا مصنوعی بے حقیقت افسانہ ثابت ہوئی تو اب ضحضاح کس بنیاد پر؟

حدیث نمبر ۹:۔ سند بھی ضعیف تر اور متن بھی باطل ہے۔ (نصب الرایہ)

حدیث نمبر ۱۰:۔ یہ روایت ہی نہیں راویوں کے ذاتی اضافے ہیں اس روایت میں جو حصہ حدیث ہے اس سے سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ صاحب مبحث نے الاصابہ کو ماخذ مانا ہے اور الاصابہ والوں نے جن ماخذات سے اس روایت کو نقل کیا ہے ان ماخذات میں ان کا نشان تک نہیں تاہم اس روایت کی سند کو خود صاحب اصابہ نے واہی قرار دیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۔ کی سند بھی متکلم فیہ ہے اس کی صحت کا مستدرک کے مؤلف امام حاکم کی طرف سے صحت کا فتویٰ نقل کیا ہے اور بطور دلیل حدیث مسیب کو مؤثر مانا گیا ہے۔ جب اصل ماخذ مستدرک میں اس حدیث کو تلاش کیا گیا تو اس روایت میں حضرت ابوطالب کا ذکر تک نہیں نہ ہی اس قسم کا کوئی قصہ مستدرک میں ہے۔ تو صحت کا فتویٰ کس بنیاد پر؟ حالانکہ دلیل صحت بھی مصنوعی نکلی۔

حدیث نمبر ۱۳۔ کی سند کو خود صاحب ماخذ نے اصابہ والوں نے واہی بیہودہ قرار دیا ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ مردود روایات کا مجموعہ ہے اسے بھی صاحب اصابہ نے واہی قرار دیا ہے۔ جہالت راوی اس حدیث کا سُقم ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ اس حدیث کی سند ہی کہیں نہیں ملی۔ بے سند روایت ہے۔

۶۔ فصل سوم میں جن علماء کرام کے فتاویٰ جات ذکر فرمائے گئے یہ تمام تر اختراعی خیالات ہیں۔ کسی کی قوت میں کوئی بھی علمی یقینی دلیل موجود نہیں۔ صدیوں بعد آنے والے اہلِ علم کی ذاتی رائے تکفیرِ ابی طالب علیہ السلام میں محض ہوائی باتیں ہیں۔ کسی کی فقاہت دلیلِ دین نہیں۔ نہ ہی دلیلِ شرعی ہے۔ بعض فتاویٰ جات کی قوت میں مردود روایات کو مؤثرِ دلیل مانا گیا ہے تو جس فتوے کی دلیل ہی مردود ہو اس پر اعتماد کیسا؟ صرف حضرت مسیب بن حزن کی روایت میں تمام طرق سے گیارہ راوی ضعیف اور متکلم فیہ ہیں۔ ویسے بھی یہ روایت مصنوعی ہے۔

۷۔ مجوزہ دلائل تو عظمت دلیل کی ہی توہین ہیں۔ ان کو کفرِ ابی طالب میں کیونکر مؤثر مانا جائے۔ کفر و شرک کائنات کا بدترین الزام ہے۔ مکفرین پر فرض ہے کہ اپنے دلائل میں قطعیت کا زور پیدا کریں۔ ورنہ توبہ کریں حرمِ نبوت پر حملہ آور ہونے سے باز رہیں۔

۸۔ تکفیرِ ابی طالب علیہ السلام کی بابت روایات میں درج آیات کا تعلق حضرت ابوطالب کے ساتھ زبردستی اور مصنوعی طریقے

سے جوڑا گیا ہے۔ اس مصنوعی تعلق کی کسی کے پاس کوئی علمی یقینی دلیل نہیں۔ نہ ہی کسی سند روایت کا یقینی ثبوت موجود ہے۔ نہ ہی طمانیت قلب کے لیے کسی سند میں قوت ہے نہ ہی یہ روایات اخبار احاد کا ظنی مرتبہ رکھتی ہیں کیونکہ ان کے راوی اکثر مطعون ہیں۔ متون واہی ہیں نہ ہی کسی نے ان روایات کی صحت کی کوئی پختہ دلیل مہیا کی ہے۔ اگر کسی جوڑ توڑ کے بعد ان روایات کو کوئی علمی مقام ملے بھی تو یہ اخبار احاد کے مرتبے سے آگے نہیں جا سکتیں اور اخبار احاد سے نہ عیب ثابت ہوتا ہے نہ الزام۔

۹۔ تفسیری اثاثے میں حضرت مقاتل علیہ الرحمہ کے حوالے سے اجمع المفسرون اور اجمع المسلمون کا جملہ مکفرین اہل علم کی خوش فہمی کا باعث بنا ہوا ہے۔ یہ انتہائی سطحی ذوق ہے۔ کیونکہ یہ جملہ حجت شرعیہ ہرگز نہیں۔ حجت شرعیہ صرف اجماع اُمت ہے۔ کسی مفسر کے پاس وقوعہ کی ذاتی عینی شہادت نہیں۔ یہ صرف ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں اور کچھ نہیں۔ پھر بھی خوش فہمی کا شکار ہیں۔ جب اصل راوی عینی شاہد نہیں نہ ہی ان کے پاس کسی عینی شاہد کا تفویض شدہ عینی مشاہدہ ہے تو پھر کون سے شرعی قاعدہ کے مطابق راویوں نے یہ الزام لگایا ہے۔

نوٹ: اجماع کے قواعد

۱۔ اجماع پیش آمدہ حالات کی بابت منعقد کیا جاتا ہے۔
۲۔ اجماع قرآن وسنت کے دلائل کی عدم دستیابی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔
۳۔ اجماع اُمت مجتہدین اُمت کا مانا جاتا ہے۔
۴۔ اجماع سے پہلے دواعیات اجماع کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔
۵۔ اجماع عند الضرورۃ ہوتا ہے اجماع کے انعقاد کے کچھ ضروری حالات اور قواعد ہوتے ہیں میں پوچھتا ہوں جناب مقاتل سے یا ان کے وضعی جملے کے پجاری اہل علم سے تکفیر ابی طالب علیہ السلام پر اجماع کی کونسی شرعی ضرورت محقق تھی؟ اس اجماع کی کون سی دینی مجبوری تھی؟ کون سے دواعیات اجماع لاحق تھے اُمت کو؟ دلیل اجماع کیا لاحق ہوئی؟ مفسرین کا اجماع آیت کے ضمن میں ہے بھی تو پھر بھی قابل حجت شرعیہ نہیں نہ تو کسی مفسر کے پاس ذاتی عینی مشاہدہ ہے نہ کسی عینی شاہد کا مشاہدہ مفسرین کے پاس ہے۔ دلیل اجماع ہی نہیں تو ایسے فضول اجماع کی نہ کوئی دینی حقیقت ہے نہ شرعی وقانونی۔ نہ ہی کسی مفسر، مجدد، محدث، مجتہد کا تجر علمی دلیل شرعی ہے تو پھر ایسے اندھے اجماع کو ہم یکسر مسترد کرتے ہیں۔

۱۰۔ وفات ابوطالب کا عینی شاہد حرم نبوت کا ایک عظیم فرد حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما ہے۔ ان کی عینی تصدیق

کے مطابق کلمہ طیبہ کا ورد حضرت سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اس روایت کی سند میں تمام راوی اہلبیت نبوت ہیں۔ سند میں کوئی ابہام نہیں۔ یہ روایت عینی مشاہدے پر مبنی لیس الخبر کالمعاینۃ۔ ہے باقی روایات مصنوعی اور ضعیف اخبار ہیں۔ جن کی کوئی دینی شرعی قانون حیثیت نہیں۔ بنابریں ثبوت الزام میں مسترد کی جاتی ہیں۔ ان روایات کے تناظر میں کفرابی طالب کا قول کرنا نہایت قبیح ہے یہی فضول جبری تحکم ہے۔ مصنوعی تصورات علم پر یقین کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ بنابریں فقیر ناچیز کے نزدیک مبحث المطالب کا زیادہ سے زیادہ علمی مقام محض ایک افسانوی سیریل ہے۔ جو دس اقساط میں دس فصول کی صورت میں ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہاں اگر اس میں مندرج روایات کی سند مفید یقین بنائی جائے یعنی یہ روایات ثبوت کے اعتبار سے قطعی و یقینی ہوں اور اس میں مذکور آیات کی دلالت کفرابی طالب علیہ السلام میں قطعی الدلالۃ ہوں تو پھر کتاب قابل اعتناء ہے ورنہ نہیں۔ مگر میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اس کتاب میں دیے گئے دلائل میں قطعیت کا زور پیدا کرنا معاصر اہل علم کے بس کی بات نہیں نہ یہ قیامت تک ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ افسانہ افسانہ ہوتا ہے اور حقیقت حقیقت ہوتی ہے۔

میرا معاصر اہل علم سے مطالبہ

۱۔ اگر کسی معاصر اہل علم نے تکفیر ابی طالب علیہ السلام کا شوق پورا کرنا ہی ہو یا اس کی مجبوری بن جائے تو از راہِ کرم اس ضمن میں آیات وہ لائی جائیں جن کی دلالت سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کفر کی بابت قطعی ہو۔ ایسا قیامت تک کوئی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ وقوعہ ہی مصنوعی اور جھوٹا ہے۔

۲۔ احادیث وہ بطور دلیل پیش کی جائیں جن کا ثبوت یقینی ہو۔ یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ ایسا کچھ حرم نبوت میں ہوا ہی نہیں جو تراشا گیا ہے وہ محض مصنوعی ہے تحقیق کتاب کے اندر موجود ہے۔

۳۔ اس بیہودہ الزام میں جتنا قرآن استعمال ہوا ہے صاحب قرآن ﷺ کی طرف سے نص صریح کی صورت میں مفید یقین سند کے ساتھ کوئی ایک روایت دکھادیں جس میں نبوی زبان سے یہ وضاحت ہو کہ یہ آیات کفرابی طالب علیہ السلام کی بابت نازل ہوئیں۔ کیونکہ قرآن کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا کسی اور پر نہیں۔ جب رسالت پناہِ عالم ﷺ نے زندگی بھر مجوزہ تشکیل کے ساتھ اس مصنوعی وقوعہ کو نبوی زبان سے کبھی بھی بیان نہیں کیا تو پھر غیر عینی شاہدوں کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ حرم نبوت پر حملہ آور ہوں؟ چونکہ یہ معاملہ بھی حرم نبوت کا ہے گواہی بھی نبوت کی درکار ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو ان روایتوں میں عینی شاہد مانا گیا ہے حالانکہ حرم نبوت کے عینی شاہدوں نے اس مصنوعی الزام کے خلاف کہا ہے۔

۴۔ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام پر کفر وشرک پر مرنے کے الزام لگانے والوں پر فرض ہے کہ وہ ثبوت الزام میں اپنا عینی مشاہدہ پیش کریں کیونکہ وقوعہ مبصر محسوس ہے عینی شہادت ضرورت شرعیہ ہے۔ اور قانونی تقاضا ہے۔ یہ راوی ثبوت الزام میں کوئی ایسا مشاہدہ پیش کریں جو انہیں صراحتاً تفویض کیا گیا ہو مگر انکا ثبوت بھی قطعی اور یقینی ہو ورنہ الزام ثابت ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ ثبوت الزام میں قطعی یقینی اور ٹھوس دلیل کا ہونا ضروری ہے یہی قانون شریعت ہے، قانون عدالت ہے، انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے اس کے خلاف سب مردود اور بوگس ہے۔

۵۔ کچھ مصنوعی جڑ کٹی کچھ دھڑ کٹی کچھ سر کٹی مردود روایات نہیں چلیں گی نہ ہی کسی علمی شخصیت کا علمی رعب چلے گا نہ ہی فضول جبری تحکم چلے گا اور نہ ہی کوئی مذہب مسلک مشرب چلے گا۔ اب صرف اور صرف دلالت وثبوت میں قطعیت پر مشتمل دلائل ہی کی روشنی میں بات سنی جائے گی وضعی اختراعی ظنی اور استقرائی فکر کو ہم سامنے آنے سے پہلے ہی مسترد کرتے ہیں کیونکہ ان کی شرعاً کوئی یقینی حقیقت نہیں اور جن چیزوں کی اپنی کوئی یقینی حقیقت نہیں ان پر کبھی بھی یقین نہیں کیا جا سکتا نہ ہی ان کی بابت کوئی بات کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس ساری ذہنی تراش خراش میں الجھنا ہم وقت وصلاحیت کا ضیاع سمجھتے ہیں فضول بحث میں کوئی بھی تحقیق کا طالب علم اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔

۶۔ میرا اہل علم سے مطالبہ ہے کہ ثبوتِ الزام میں وقوعہ وفاتِ ابی طالب کے عینی شاہدین کی عینی اور علمی شہادت ہی قابل قبول ہے۔ مثلاً ساکنانِ حرم نبوت کا کوئی فرد لے آئیں یا بنو ہاشم علیہم السلام کا کوئی عینی شاہد لے آئیں۔ جن کا وہاں موجود ہونا ممکن بھی ہے معلوم بھی ہے۔ جیسے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عقیل، حضرت علی، حضرت فاطمہ بنت اسد، حضرت فاطمہ بنت محمد ﷺ، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُم کلثوم یا دیگر نساء بنی ہاشم صلوٰۃ اللہ علیہن اجمعین یا ممتاز صحابہ کرام جن کا وفات ابی طالب کے وقت ان کے قریب ہونا ممکن بھی تھا موجود بھی تھا۔ بنابریں عینی شاہدوں کی شہادت بصری لائی جائے یا ان عینی شاہدوں نے حضرت مسیب کو اپنی عینی شہادت تفویض کی اس کا یقینی ثبوت درکار ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ بداہت عقل کے خلاف ہے۔ کہ حرم نبوت کے باسی عصمت مآب نفوسِ قدسیہ کے لیے کیسے ممکن ہے کہ ایک کافر اور دشمن کو جا کر وفات ابی طالب کا یہ بناوٹی قصہ سنایا ہو؟ حضرت مسیب بن حزن اکیس سال تک کافر رہے اس کو ازاں وقت قرآن فہمی کا ملکہ کیسے آیا؟ آخر اس مصنوعی روایت کا موجد کون ہے؟ یہ ڈرامائی سکرپٹ کہاں پر بیٹھ کر لکھا گیا ایسے ہی صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت ہے حیرت ہے گھر والوں میں سے کسی بھی فرد عصمت کو اس مصنوعی روایت کا علم نہیں کا شانہ نبوت سے دور رہنے والے حضرت مسیب نے کس روزنِ دیوار سے یہ سب کچھ جھانک لیا؟ یا یمن میں رہنے

والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہاں سے کس سٹیلائیٹ کے ذریعے یہ سب کچھ جان لیا؟

نوٹ:۔ اگر ان مصنوعی روایات کی کوئی دینی، یقینی حقیقت ہوتی تو کاشانہ نبوت کے اور بنو ہاشم کے تمام افراد کو اس کا علم ہوتا ان کے ہاں یہ روایت معروف ہوتی متعارف ہوتی۔ زبان زد عام ہوتی۔ کیونکہ یہ تمام وفاتِ ابی طالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود بھی تھے اور عینی شاہد بھی تھے۔ جبکہ حضرت مسیب نہ عینی شاہد تھے نہ وہاں موجود تھے۔ حیرت ہے اہل علم حرم نبوت کے عینی شاہدوں کی بات نہیں مانتے ز اں وقت کے اکیس سالہ کافر کی بات مان رہے ہیں۔ رہی حضرت علی کی طرف منسوب روایت تو وہ محض باطل ہے تفصیل حصہ حدیث کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اہل علم سے التماس ہے کہ اس فراڈ، ڈرامے کی تصدیق کسی عینی شاہد سے کرالیں۔ کاشانہ نبوت میں اس قسم کا جھوٹ نہیں بولا جاتا کیونکہ یہ نفوسِ قدسیہ عصمت مآب ہیں نہ وہ جھوٹ بولتے ہیں نہ سنتے ہیں کیونکہ مجوزہ روایات میں تشکیل شدہ وقوعہ سراسر جھوٹ ہے بنابریں یہ جھوٹ کسی بھی اہلبیتِ نبوت کی زبان پر نہیں آیا۔ نہ ہی کسی عینی شاہد نے یہ جھوٹ بولا ہے۔ جو صحابہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ رہا مسلم و بخاری میں اس کا نقل ہونا تو یہ کوئی یقینی معیار نہیں نہ ہی یہ منزل من اللہ ہیں نہ ہی ان کی علمی عصمت کی کسی کے پاس یقینی دلیل ہے۔

اُصولِ حدیث کا ایک مسلّمہ ضابطہ

محدثین کرام نے قبولِ روایت میں دو اعتبار قائم کیے ہیں۔

(۱) مقبول روایت (۲) مردود روایت

مقبول روایت: مقبول روایت کا اُصولی ضابطہ یہ ہے کہ روایت کی سند متصل ہو اور سند روایت میں شامل کوئی بھی راوی مطعون نہ ہو یعنی کسی پر کسی قسم کی جرح نہ ہوئی اور نہ کوئی طعن ہوا ہو۔

مردود روایت:۔ وہ ہے جس کی سند متصل نہ ہو۔ کسی جگہ سند میں انقطاع ہو یا سند میں مذکور راویوں میں سے کسی پر جرح ہوئی ہو کوئی طعن موجود ہو۔

نوٹ:۔ شرح المطالب فی مبحثِ ایمان ابی طالب کے دامن میں جتنی روایات ہیں ان میں کوئی ایک بھی روایت مقبول نہیں بلکہ تمام کی تمام روایات مردود ہیں۔ کیونکہ ان روایات کے راوی مطعون بھی ہیں مجروح بھی۔ کئی روایتوں کے متون بھی خانہ ساز ہیں بنابریں ایسی مردود روایات سے حرمِ نبوت پر حملہ کرنا نہایت فحش بات ہے۔ انتہائی قبیح ہے قابل مذمت ہے۔ کفرِ ابی طالب ان مردود روایات سے ثابت کرنا علمی جرم ہے

اصولِ تفسیر کا ایک مسلمہ ضابطہ

ماہرین اُصول تفسیر نے یہ ضابطہ استقراء کیا ہے کہ جس راوی نے اپنی روایت میں قرآن کی کسی آیت کا شانِ نزول بیان کرتا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نزولِ آیت کے وقت جائے نزول پر موجود ہو اور کیفیاتِ نزول کا عینی شاہد ہو ورنہ وہ نزولِ آیت کا شانِ نزول بیان کرنے کا اہل ہی نہیں۔

(لاتقان فی علوم القرآن، جلد اول، باب اسباب النزول، امام جلال الدین سیوطی، مشتاق بک کارنر اُردو بازار لاہور، البرہان، جلد اول، باب اسباب النزول، امام زرکشی، دار النشر بیروت لبنان)

ا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کی بابت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کی بابت نازل ہوئی۔ جبکہ یہ محترم نزولِ آیت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئے۔

۲۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بیان کردہ آیت کے نزول کے وقت یمن میں ہزاروں میل دور تھے۔ نزولِ آیت کے چودہ سال بعد ایمان لائے۔

۳۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں دو آیات کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان آیات کے نزول کے وقت جائے نزول پر بھی موجود نہیں تھے نہ ہی اس وقت مسلمان تھے۔ ایک آیت ان کے اسلام لانے سے عرصہ قبل نازل ہوئی اور دوسری وفاتِ ابی طالب کے بارہ سال بعد نازل ہوئی۔

۴۔ بخاری کی ایک روایت میں سورہ انفال کی آیت کا ناجائز استعمال یہ آیت صدیوں بعد آنے والے راویوں کا ذاتی اضافہ ہے روایت سے اس کا علمی کوئی تعلق ہی نہیں۔ بنابریں یہ راوی ان آیات کے نزول کے نہ شرعاً اہل ہیں نہ قانوناً ہیں۔ ان کی اسی بناء پر شرعاً اہلیت ہی مفقود ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے ان مردود روایات سے کفرِ ابی طالب کا استدلال کرنا محض جارحیت ہے اور فضول جبری تحکم ہے۔ مردود ہے۔ بنابریں شرح المطالب فی مبحث ایمان ابی طالب کی علمی حیثیت محض افسانوی ہے اور یہ قسط وار افسانہ نگاری تکفیرِ ابی طالب کے لیے کبھی بھی یقینی موثر علمی نہیں ہوسکتی۔ (فقیر فریدی)

ضروری بات

ا۔ مسکین فریدی کا یہ تحقیقی سفر علمی ضخامت کے اعتبار قریباً بارہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی جلد بطور مقدمہ حاضر خدمت ہے اس کے تحقیقی رد کی صورت میں جواب الجواب میں ممکنہ رد کا جواب بھی اگلی جلد میں ہوگا اور مزید تحقیقی مواد بھی ہوگا۔

۲۔ میں نے اپنی تحقیق کا کل مواد اہلسنت کی کتب سے ہی لیا ہے نہ میں کسی دوسرے مذہب کو جانتا ہوں اور نہ مانتا ہوں۔ اور

نہ ہی مجھے سُنی ہونے کے لیے کسی معاصر اہل علم سے سند لینے کی ضرورت ہے۔۔ رہی الزامات کی صورت تو میں اس کو فضول بک بک کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانوں گا نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے۔

۳۔کوئی بھی صاحب علم اگر متانت علمی کے ساتھ بازپرس کرے گا تو میں نہایت خادمانہ انداز میں جواب عرض کروں گا۔اور اگر کوئی مسلکی برقعہ پوش غیر مہذب رویہ اختیار کرے گا تو اسے ہزار گنا زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔کیونکہ تحقیق کا جواب تحقیق ہوتی ہے دھینگا مشتی نہیں۔میری تحقیق نہ کسی کی مخالفت میں ہے نہ کسی کے موافقت میں۔محض غیر جانبدارانہ تحقیق ہے میرا کوئی مدمقابل نہیں۔نہ میں کسی کا مدمقابل ہوں میں نے صرف تکفیر ابی طالب میں مجوزہ مردود روایات کا تجزیہ کیا ہے۔یہ روایات تکفیر ابی طالب میں یقینی موثر علمی نہیں اور بس۔

خاص بات

کتاب ہذا میں کئی روایات کا تکرار اور کئی ایک قواعد کا تکرار موجود ہے۔میں قارئین سے گزارش کروں گا کہ اس تکرار سے اکتائیں نہیں میں جانتا ہوں کہ تکرار کلام نقص کلام ہے مگر میں نے یہ دانستہ تکرار کئی ایک وجوہات کی بناء پر کیا ہے۔

ا۔میں نے قرآن کریم کے اُلوہی اسلوب بیان کو مدنظر رکھا کیونکہ کلام مجید میں بھی بعض واقعات و آیات کا تکرار کثرت سے پایا جاتا ہے۔مگر ہر تکرار میں ایک نئی جہت مطالعہ ہے۔بنابریں مسکین نے بھی اسی جہت علم سے ہی اخذ فیض کیا ہے۔اہل علم کو یقیناً ہر تکرار میں ایک نئی جہت مطالعہ ملے گی۔

۲۔قرآن کریم نے مدعائے تکرار کو بیان کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ یہ تکرار ہر ایک بیان کی اہمیت کے اعتبار سے بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے تاکہ ہر شخص کو موضوع کی اہمیت کا بھی اندازہ ہو اور یاد کرنے میں بھی مفید آسانی ہو۔بنابریں مسکین نے بھی اسی اسلوب کے پیش نظر یہ سب کچھ اتباع قرآن میں دانستہ کیا ہے۔

۳۔قرآن کریم نے ہر تکرار میں ایک نیا اور بدیع طرز تکلم اختیار فرمایا تاکہ طبائع حقائق کی طرف جلد مائل ہوں مسکین نے بھی اسی طرز تکلم سے خوشہ چینی کی ہے جس طرح قرآن کریم کے تکرار سے طبیعتوں میں اکتاہٹ نہیں پیدا ہوتی۔ان شاء اللہ العزیز اس کتاب کے قارئین خصوصاً اہل محبت میں بھی اس مذکورہ تکرار سے اکتاہٹ پیدا نہیں ہوگی۔

۴۔احادیث طیبات میں ساری کتب حدیث ایسی ہیں خصوصاً صحیح بخاری وغیرہ۔اس میں بھی تکرار و مکررات کی بھرمار ہے۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کلام کوئی بوجھل کر دینے والا ہے۔بلکہ محدثین نے اس تکرار کا مقصد سامنے رکھ کر ایسا کیا ہے کہ اگر یہ معیوب نہیں تو مسکین کا تکرار بھی امید ہے کہ قارئین اہل علم معیوب نہیں جانیں گے۔اس تکرار میں پوشیدہ علمی جواہر کی جستجو ضرور کریں گے۔وما توفیقی الا باللہ۔

محمد صداقت علی فریدی

باب دوم:

حصۂ حدیث

مردود روایات کا اجمالی و تحقیقی جائزہ

فصل اوّل:

وہ مردود روایات جن میں قرآنی آیات کا ناجائز استعمال ہوا اور ان کی اسناد بھی مجروح و متکلم فیہ ہیں

فصل ثانی:

وہ مردود روایات جن میں آیات کا استعمال نہیں مگر ان کی اسناد مردود و مجروح ہیں۔

فصل ثالث:

وہ مردود روایات جن کی سند ہی نہیں۔

فصل اوّل:

وہ مردود روایات جن میں قرآنی آیات کا ناجائز استعمال ہوا اور ان کی اسناد بھی متکلم فیہ ہیں

نوٹ: مردود روایت کی اولاً دو ہی شاخیں ہیں

۱۔ عدمِ اتصال سند

۲۔ طعنِ راوی (کتب عامہ اُصولِ حدیث)

اس باب میں تمام روایات مردود ہیں کچھ روایات کی سندیں متصل نہیں اور کچھ روایات کے راوی مطعون ہیں۔

نوٹ: مصنوعی روایات کا یہ اجمالی جائزہ ابتداء اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ ان مصنوعی روایات میں آیات کا ناجائز استعمال ہوا ہے تاہم ان روایات کا تفصیلی علمی تجزیہ حصہ تفسیر کے بعد حصہ حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری و مسلم کی مردود روایات کی تحقیق

روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ پانچ علمی دینی وجوہ سے مردود ہے اس روایت کی سند بھی متصل نہیں اور راوی بھی متکلم فیہ اور مطعون ہیں:

۱۔ اُصولِ روایت کے اعتبار سے مردود ہے۔

۲۔ اُصولِ درایت کے اعتبار سے مردود ہے۔

۳۔ اُصولِ قرآن وسنت کے اعتبار سے مردود ہے۔

۴۔ اُصولِ حکایت اور متن حکایت کے اعتبار سے مردود ہے۔

۵۔ حقیقت کے اعتبار سے بھی مردود ہے۔

۱۔ اُصولِ روایت کے اعتبار سے روایت مردود ہونے کی وضاحت

قارئین محترم! اُصولِ روایت میں مسلّم اُصولی ضابطہ یہ ہے کہ راوی اگر کسی ایسی حقیقت کو بیان کر رہا ہے جو مُبصَر (دیکھی جانے والی حقیقت) محسوس (محسوس کی جانے والی خبر) ہو تو ضروری ہے کہ راوی نے مذکورہ خبر کا منظر نامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو تو پھر وہ اس خبر مبصر محسوس کو بیان کر سکتا ہے اور روایت کرنے کا اہل ہے۔ ورنہ نہ بیان کرنے کا اہل ہے اور نہ ہی روایت کرنے کا اہل۔ کیونکہ جب راوی کسی حقیقت کو عینی شہادت کے حوالے سے جانتا ہی نہیں تو ایسی خبر کو آگے پہنچانے کا نہ شرعاً مجاز ہے نہ روایتاً اور نہ ہی درایتاً۔

۱۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت جو بخاری و مسلم میں مندرج ہے اس پوری تشکیلی روایت کے منظر نامے کو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے نہیں دیکھا جبکہ اَن دیکھی بات کرنا ناجائز ہے خصوصاً جب وہ بات کسی گھناؤنے الزام پر مبنی ہو۔ لہٰذا یہ روایت دینی علمی اعتبار سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی بابت بیان کرنا شرعاً بھی ناجائز ہے اور قانوناً بھی۔ روایتاً بھی ناجائز اور درایتاً بھی۔ کیونکہ خود حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس اس بدترین الزام کی کوئی تصدیق نہیں۔ نہ علمی اعتبار سے اور نہ دینی اعتبار سے نہ روایت کے اعتبار سے اور نہ درایت کے اعتبار سے۔ جب راوی کے پاس خود تصدیق نہیں جو مفید یقین ہو سکے تو اسے کس نے حق دیا ہے

حرم نبوت پر حملہ کرنے کا اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر الزام کفر لگانے کا؟ اور دیگر نیچے کے راویوں کو اس بیہودہ روایت کو بیان کرنے کا کس نے حق دیا ہے؟ پھر ناقلین کو اس جھوٹ کے نقل کرنے کا کس نے حق دیا ہے؟

اگر کسی اہل علم کے پاس اس جھوٹ کو سچ کرنے کا خمار پریشان کرے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیں کوئی مفید یقین قطعی الدلالۃ قطعی الثبوت دلیل مہیا کرے۔ چونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا بنابریں یہ روایت اصلاً مردود ہے۔ اس روایت کا سچائی اور حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲۔ روایت حدیث کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی عینی شاہد عادل آ کر پورے حفظ و اتقان کے ساتھ کامل عدالت کے ساتھ متعلقہ وقوعہ کی من وعن خبر دے اور وہ خبر راوی کو تفویض کرے تب جا کر راوی روایت کا اہل ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ اس روایت میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو کسی نے بھی یہ خبر زندگی بھر نہیں دی۔ اس کا نہ کہیں کسی کے پاس کوئی یقینی ثبوت ہے نہ ہی کسی کے پاس کوئی ٹھوس قطعی اور علمی تصدیق ہے تو پھر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کہاں سے لی؟ کس یقینی ذریعہ علم سے لی؟ کسی کے پاس کوئی ٹھوس یقینی ثبوت نہیں اور جس روایت کا خود کوئی یقینی ثبوت نہ ہو وہ کسی عیب و الزام کو کیسے ثابت کر سکتی ہے؟ بنابریں یہ روایت اس حوالے سے بھی مردود ہے۔

۳۔ تیسری یقینی صورت۔ روایت کی یقینی صورت یہ ہوتی ہے کہ خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو کسی واقعہ کی خبر دی اب اس سچائی کا ذمہ دار صاحب وحی ہوتا ہے کیونکہ اس کا علم یقینی اور قطعی ہوتا ہے۔ بنابریں اس خبر پر یقینی اعتماد کرنا لازمی ہوتا ہے اور فرض ہوتا ہے۔ مگر حیرت ہے کہ مذکورہ روایت کی خبر اس تشکیل کے ساتھ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو صاحب وحی نے کبھی نہیں دی کیونکہ اس کا ذخیرہ علم میں کہیں کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ بسیار تلاش کے بعد بھی کچھ نہیں ملا اور نہ ہی منکرین ابی طالب نے کبھی اخلاقی جرأت کی کہ اس روایت کا کوئی ٹھوس یقینی ثبوت مہیا کریں۔ جس سے یہ روایت قطعاً قابلِ اعتماد ٹھہرے اور مفید یقین ہو سکے۔ صرف بخاری میں آ جانے سے ہی خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی زعم میں خود کو مطمئن کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کی اس خوش فہمی کی علمی اور دینی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ تحقیق دلیل کی قطعیت پر یقین رکھتی ہے۔ آئیں بائیں شائیں محض لغویات ہیں بنابریں یہ روایت بہر لحاظ مردود ہے ثبوت الزام میں قطعاً موثر نہیں ہو سکتی۔ کسی کے پاس کوئی ثبوت ہے جو اس روایت کو یقینی بنا لے تو آئیے ہم حاضر ہیں۔ اہل علم سے سوال ہے کیا صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کافر کو اس کی حالتِ کفر میں یہ روایت بیان کی؟ مسیب کا ۲۱ سالہ کفر ثبوت کے سامنے ہے۔

۴۔ چوتھی صورت علم یقینی کی وحی الٰہی ہوتی ہے۔ جس پر یقین کرنا انتہائی لازمی اور ضروری ہے۔ اب اس وقوعہ یعنی وفاتِ ابی طالب کی بابت مذکورہ راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو صاحب وحی مان لینا ختم نبوت کا واضح انکار ہے۔ اہل

علم کا اس روایت پر اندھا دھند یقین کر لینا انتہائی خطرناک ہے اور نبوی عظمت کی تکذیب ہے کیونکہ ختم نبوت کا اعلان ہو چکا اور حکم آچکا اب کسی پر وحی نہیں آسکتی اگر اس جھوٹے تشکیلی وقوعہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو یقیناً صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان حق ترجمان سے اسے ضرور نبوی اہتمام سے بیان فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے زندگی بھر اس تشکیل سے کبھی بھی بیان نہیں فرمایا بنابریں یہ روایت اصلاً مردود ہے۔

باقی رہے اہل علم کے احتمالات تو وہ کبھی بھی مفید یقین نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ضابطہ ہے "اذا وقع الاحتمال بطل الاستدلال" جب کسی معاملے میں احتمال واقع ہو جاتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

نوٹ:۔ قارئین محترم! حصول روایت کے یہ چار ہی ذرائع علم تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایک ذریعہ علم راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں چونکہ معاملہ کاشانہ نبوت کا تھا اور خاندانِ نبوت کے افراد ہی عینی شاہد تھے کسی نے بھی ایسا تشکیلی وقوعہ کو کبھی بھی بیان نہیں کیا چونکہ اس جھوٹے وقوعے کی کوئی علمی دینی شہادت ہے اور نہ ہی حقیقت ہے یعنی نہ تو صاحب روایت وقوعہ کے عینی شاہد ہیں اور نہ کسی عینی شاہد نے یہ وقوعہ راوی کو بیان کیا۔ نہ ان کے پاس ایسی کوئی وحی آئی اور نہ ہی صاحب وحی نے راوی کو زندگی بھر بیان فرمایا یعنی راوی کے پاس کوئی بھی اس روایت کی سچائی کی دلیل نہیں بنا بریں یہ روایت خانہ ساز خود ساختہ ہے اور مردود ہے کائنات کا کوئی بھی صاحب علم اس روایت کو مفید یقین ثابت کر دے ہم قلم روک لیں گے۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے بھی مردود ہے

ا۔ صحت حدیث کی سب سے پہلی شرط اتصال سند ہے یعنی سلسلہ روایت میں تمام راویوں نے اپنے اوپر والے راوی سے براہ راست روایت کیا ہو۔ درمیان میں کسی بھی جگہ کوئی انقطاع نہ آیا ہو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک۔ کیونکہ نفس روایت وحدیث اور کامل سنت کا سرچشمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ بخاری و مسلم کی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت کا اتصال کسی بھی طرح ثابت نہیں نہ روایتاً نہ درایتاً نہ شرعاً اور قانوناً۔ کیونکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نہ تو جائے وقوعہ پر موجود تھے نہ وہاں موجود کسی شخص نے انھیں روایت کیا۔ نہ خود رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں براہ راست بیان فرمایا۔ نہ ان کے پاس وحی آئی۔ یہی معقول مقبول ذرائع حصول حدیث تھے جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک بھی میسر نہیں بنا بریں یہ روایت مردود ہے۔

۲۔ سند روایت کی دوسری شرط راوی کا غیر مجروح ہونا ہے۔ یعنی راوی پر کسی اہل علم نے جرح نہ کی ہو نہ اس کی عدالت پر نہ

ثقاہت پر جرح ہو۔مگر اس روایت کے مختلف طرق کے دس راوی متکلم فیہ اور مجروح قرار پائے ہیں۔

۳۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی تمام شرائط نقلِ حدیث کو توڑ کر اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور اس کی صحت کی دلیل کہیں بھی نہیں دی گویا صاحب بخاری کے ہاں یہ روایت غیر صحیح اور مردود ہے۔ثابت ہوا کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے تین مرتبہ مردود ہے۔

اُصول درایت کے اعتبار سے بھی یہ روایت مردود ہے

روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اُصول درایت کے مطابق بھی مردود ہے۔سب سے پہلے ہم اصول درایت کی تعریف کرتے ہیں:

"هُوَعِلْمٌ يُعْرَفُ مِنْهُ حَقِيْقَةُ الرِّوَايَةِ وَ شُرُوْطُهَا وَ اَنْوَاعُهَا وَ اَحْكَامُهَا وَ حَالُ الرُّوَاةِ وَ شُرُوْطُهُمْ وَ اَصْنَافُ الْمَرْوِيَّاتِ وَ مَا يَتَعَلَّقُ بِهَا"

ترجمہ:۔علم درایت وہ ہے جس سے

۱۔روایت کی حقیقت معلوم ہو۔

۲۔روایت کی شرائط معلوم ہوں۔

۳۔روایت کی اقسام معلوم ہوں۔

۴۔روایت کے احکام معلوم ہوں۔

۵۔راوی کی حالت معلوم ہو۔

۶۔مرویات کی اصناف کا علم ہو اور

۷۔اس کے متعلقات کا علم ہو۔

تفصیل:۔ مذکورہ روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ میں اصول درایت کا ایک بھی ضابطہ موجود نہیں ۔ یہ ساری روایت اُصول درایت کے ضابطوں کے مطابق مردود ہے مثلاً ضابطہ یہ ہے کہ روایت کی حقیقت بھی ہے کہ نہیں۔یعنی یہ معلوم کیا جائے کہ راوی مخبر جس وقوعہ کی خبر دے رہا ہے آیا یہ وقوعہ وقوع پذیر ہوا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں صرف اتنا عرض ہے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت میں بیان کردہ وقوعہ جس تشکیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے حرمِ نبوت میں ایسا کوئی وقوعہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔دلیل یہ ہے کہ اس تشکیل کے ساتھ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے علاوہ کائنات

کے کسی شخص نے اس وقوعے کو زندگی بھر کبھی بھی بیان نہیں کیا۔ حتیٰ کہ حرم نبوت کے کسی عینی شاہد نے بھی زندگی بھر کبھی بیان نہیں کیا۔ رہا حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ خود اس وقوعے کو بیان و روایت کرنے کے شرعاً، درایتاً اور قانوناً اہل ہی نہیں۔ صورت اس کی یہ ہے کہ راوی وقوعہ کا عینی شاہد نہیں نہ یہ اس کا سامع۔ فتح مکہ آٹھ ہجری تک صاحب وحی سے ثابت ہے روایت میں آیت چونکہ مدینہ میں وفات ابوطالب کے بارہ سال بعد نازل ہوئی تمام صحابہ اس کے نزول کے عینی شاہد ہیں۔ کسی ایک نے بھی اس آیت کے ساتھ یہ قصہ نہیں تراشا جو مسیب نے بیان کیا ہے بنا بریں یہ روایت روایتاً اور درایتاً مردود ہے۔

ا۔ روایت حدیث کی پہلی شرط راوی کا مسلمان ہونا ہے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ تحمل روایت کے وقت مسلمان ہی نہ تھے۔ طلوع اسلام کے 21 سال بعد ان کا اسلام ثابت ہے۔ وقوعہ وفات ابی طالب دس سن نبوی کو ہوا۔ وقوعہ کے گیارہ سال بعد حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اپنے اسلام سے گیارہ سال پہلے کی کہانی بیان کر رہے ہیں۔ جس کی بابت یہ خود نہیں جانتے کہ کہانی کے مندرجات اور مشمولات کیا ہیں؟ کیونکہ یہ جائے وقوعہ پر خود موجود نہ تھے۔ نہ انھیں کسی عینی شاہد نے بالتفصیل اس تشکیل کے ساتھ یہ کہانی بیان کی۔ نہ یہ خود عینی شاہد تھے۔ نہ وہاں موجود نفوس قدسیہ نے زندگی بھر اس کہانی کو مجوزہ تفصیل و تشکیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زندگی بھر اپنی نبوی زبان سے اس تفصیل اور تشکیل کے ساتھ بیان نہیں کیا۔ چونکہ یہ رام کہانی تھی اسی لیے کسی معتبر شخص نے اسے بیان نہیں کیا۔

۲۔ دوسری شرط صحت روایت کی یہ ہے کہ راوی تحمل روایت کے وقت عاقل ہو کیونکہ بچہ نا سمجھ اور مجنون کی نہ روایت قبول ہے اور نہ شہادت۔ اس شرط کے مطابق حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ تحمل روایت کے وقت کی حالت بالکل مخدوش ہے۔ میں نے اسماء الرجال کی سینکڑوں کتابیں دیکھیں کہیں ان کی تحمل روایت کی اہلیت کا سراغ نہیں مل سکا۔ جب تحمل روایت کی حالت مخدوش ہے تو ادائے روایت کا ان کو کس نے حق دیا ہے وہ بھی حرم نبوت پر بدترین الزام لگانے کا؟

۳۔ صحت روایت کی تیسری شرط عدالت راوی ہے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ تحمل روایت یعنی حصول روایت کے وقت عادل نہیں تھے بلکہ کافر تھے۔ مزعومہ وقوعہ کے گیارہ سال بعد تک کافر ہی رہے گیارہ سال بعد اسلام لائے۔ اس حوالے سے بھی یہ روایت مردود ہے۔ کیونکہ راوی کے پاس خود اس وقوعہ کی یقینی تصدیق نہیں۔ (فریدی)

نوٹ: بعض اہل علم کے نزدیک کافر اپنے زمانہ کفر کی روایت زمانہ اسلام میں بیان کر سکتا ہے اس نشاندہی کے بعد اہل علم کی یہ بھی ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ اس روایت کی بھی نشاندہی کر دیتے کہ کس قسم کی روایت بیان کر سکتا۔ کیا جس روایت کی

بطور روایت کوئی حقیقت ہی نہ ہو آیا اسے بھی بیان کر سکتا ہے؟ جبکہ وہ سراسر جھوٹے الزام پر مبنی روایت ہو۔ اس کے دلائل اہل علم کے ذمہ ہیں۔

۴۔ صحت روایت کی چوتھی شرط یہ ہے کہ راوی اہل علم میں حصول علم کی خاص شہرت رکھتا ہو اور حدیث کے ساتھ اس کی مشغولیت دوام پذیر ہو۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا کچھ بھی نہیں نہ تو ان کی اہل علم میں کوئی علمی شہرت ہے نہ ہی حدیث میں دائمی شغف اور مشغولیت کی بابت کوئی گواہی میسر ہے۔ صرف چند اہل علم نے اتنی نشاندہی کی ہے کہ ان پاس صرف سات روایتیں ہیں۔ تین بخاری میں مذکور ہیں اور باقی دیگر کتب میں ہیں۔ پہلی روایت کا حشر آپ دیکھ ہی رہے ہیں کیا ہو رہا ہے؟

تحمل روایت (حصول روایت کے ذرائع)

روایت حاصل کرنے کے علمی اور یقینی ذرائع آپ ملاحظہ فرمائیں

۱۔ رؤیت: مخبر کا خبر دینا کسی ایسی بات کی جسے اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔

۲۔ سماع: ۔ مخبر کا خبر دینا کسی ایسی بات کی کہ اس نے کسی ایسے یقینی ذرائع سے سنا ہو جس پر یقین کرنا ضروری ہو جسے کسی عینی شاہد سے سنے عینی شاہد اسے یہ شہادت تفویض بھی کرے یعنی سپرد کرے۔

۳۔ قرأت: جس میں راوی اپنے شیخ کے سامنے کسی روایت کو بیان کرے

۴۔ اجازۃ: راوی کا اپنی روایات کو روایت کرنے کی کسی کو اجازت دینا اس کی سات اقسام ہیں۔

۵۔ مناولہ: شیخ اپنے طالب علم کو اپنی مسموعات دے اصل یا نقل اور اتنا کہے کہ میری مسموعات ہیں۔

۶۔ مکاتبہ: ۔ شیخ اپنے شاگرد کو خود لکھ کر اپنی مسموعات دے اور روایت کرنے کی اجازت بھی دے اسے مکاتبہ مقرونہ بالاجازۃ کہتے ہیں اگر روایت کرنے کی اجازت نہ دے تو اسے مجردہ عن الاجازہ کہتے ہیں۔

۷۔ اعلام: ۔ یہ ہے کہ شیخ طالب علم سے صرف اتنا کہے کہ یہ میری مسموعات ہیں مگر اسے روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔

۸۔ وصیت: ۔ شیخ طالب علم کو وصیت کرے کہ یہ میری مسموعات ہیں بوقت سفر یا بوقت وفات و وصال۔

۹۔ وجادہ: ۔ ایک شخص کے پاس کسی راوی کی لکھی ہوئی روایات ہوں ان پر وہ خوب مطلع ہو وہ شخص سن کر ان احادیث یا اجازت لے کر ان کو روایت نہ کرتا ہو تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں نے یہ روایات فلاں شخص کے پاس لکھی ہوئی پائی ہیں یا اس کی کتاب میں اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ پھر پوری سند اور متن بیان کرے۔

قارئین محترم! مذکورہ بالا ذرائع ہیں حصول روایت کے اور پوری کائنات میں اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔
ان مذکورہ ذرائع روایات یا تحمل روایات میں سے کوئی ایک ذریعہ روایت بھی ایسا نہیں جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس ہو جب تحمل روایت کے ذرائع میں سے کوئی ایک بھی ذریعہ حصول روایت نہیں تو پھر اس رام کہانی کو بیان کرنے کی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو کس نے اجازت دی ہے۔ اہل علم نے اس جڑ گئی، بے ہودہ جعلی روایت پر اندھا دھند اعتماد کر کے حرم نبوت پر کائنات کا بدترین الزام لگا دیا اور اسے اپنے مذہب کا معروف تعارف قرار دیا۔
(استغفر اللہ)

اہلِ علم کا واہی سوال اور اس کا جواب

سوال یہ ہے کہ اس روایت میں اصل راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ صحابی ہیں۔ صحابی عادل ہوتا ہے اور وہ صحبت نبوی کے تعلق سے روایت بیان کرتا ہے خود سے نہیں

جناب من! ایسا ہی مگر کوئی بھی صحابی خدائی اور مصطفائی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا بلکہ اس قانون کے مخاطب اول ہی صحابہ کرام ہیں۔

جب قانون تقاضا کرتا ہے کہ ثبوتِ الزام میں ٹھوس قطعی اور یقینی شواہد ہوں تو پھر صحابی ہو یا غیر صحابی ہو۔ وہ دلائل مہیا کرنے کا پابند ہے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے کونسی یقینی دلیل ہے؟ نہ ذاتی مشاہدہ ہے نہ وحی ہے نہ صاحب وحی کی اس مجوزہ تشکیل سے کوئی وضاحت ہے، نہ سماعی یقین ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر اس فراڈ ڈرامے کو کون مانے؟ رہا یہ کہ وہ صحابی ہیں ہمیں اس میں کوئی تردد نہیں۔ پر مہربان ذرا! ادھر بھی غور ہو کہ وہ صحابی کب بنے؟ طلوع اسلام کے 21 سال بعد بنے۔ جب وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کو گیارہ برس بیت چکے تھے۔
اب اہل علم پر میرا سوال ہے کیا آپ ﷺ نے جب انھیں شرف صحابیت عطا فرمایا تو کیا فوراً انھیں اپنے گھر کے مخصوص حالات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا؟ یا دیر بعد؟ اگر فوراً ضروری سمجھا تو اس اہم ترین راز کو گیارہ سال تک اپنے بااعتماد صحابہ کرام سے کیوں چھپائے رکھا۔ اور صرف حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو ہی اس کا اہل سمجھا۔ حالانکہ تمام اہل بیت نبوت قصہ وفات ابوطالب کے عینی شاہد تھے خود صاحب وحی بھی عینی شاہد تھے ان کو تو معلوم نہ ہو سکا کہ فلاں آیت کفر ابی طالب میں نازل ہوئی۔ نجانے حضرت مسیب کو کون وحی کر گیا؟ نعوذ باللہ۔
اب اہل علم پر فرض اور قرض ہے کہ اس ذریعہ علم کی یقینی نشاندہی کریں جس ذریعہ علم کے حوالے سے یہ بیہودہ روایت منظر

عام پر آئی۔ اور حرمِ نبوت کی توہین کی گئی۔ اہل علم کو صحابیت کا تقدس یاد ہے مگر حرمِ نبوت کے عظیم تاجدار ابو طالب علیہ السلام کا تقدس کیوں یاد نہیں؟ اگر اس جھوٹے وقوعہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو یقیناً حرمِ نبوت کے باسیوں کو ضرور علم ہوتا اور وہ اسے بیان کرتے کیونکہ وہ وفاتِ ابی طالب علیہ السلام کے عینی شاہد تھے اور حضرت مسیب رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن مجید جانتے تھے۔ جبکہ زاں وقت حضرت مسیب کافر تھے۔ قرآن عظیم سے بالکل ناواقف تھے بلکہ قرآن عظیم سے نفرت کرتے تھے۔ سننا ہی گوارہ نہیں کرتے پھر کیسے مذکورہ آیتیں اپنے مصنوعی بیانیہ میں استعمال کر ڈالیں؟

قرآن وسنت کی روشنی میں بھی یہ روایت مردود ہے

پورے قرآن مجید کی تمام آیات میں ایک بھی آیت ایسی نہیں جس میں وضاحت کے ساتھ کہیں بھی کفرِ ابی طالب اور ان کا شرک معلوم ہو سکے۔ پورے قرآن مجید میں ایک بھی آیت ایسی نہیں جس کی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی بابت دلالت قطعی ہو اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک بھی روایت ایسی نہیں جس کا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی بابت ثبوت قطعی ہو بلکہ ظنی ثبوت بھی کہیں نہیں۔ کیونکہ ان روایات میں بعض روایات واہی بے ہودہ اور جز کئی ہیں اور مردود ہیں۔ جیسے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت اور اسی مضمون پر مشتمل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے صحیح مسلم میں منسوب روایت ہے۔ بعض کی اسناد واہی اور بعض کے متون واہی ہیں۔ اب اس فرسودگی اور بیہودگی پر کون یقین کرے حالانکہ دی گئی آیات اور روایات کی مضمون بندی کا تقاضا یہی تھا کہ اُمت یقین کرے کہ ابوطالب کافر ہیں۔ نعوذ باللہ۔

جب تقاضا اور دعوت اس جھوٹ پر یقین کرنے کی ہے تو اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے ثبوت اور دلائل بھی یقینی ہونے چاہئیں۔ حالانکہ منکفرین ابی طالب کے پاس قیامت تک کوئی ایک آیت میسر نہیں آسکتی جس کی ابوطالب علیہ السلام کے معنی میں، ذات میں دلالت قطعی ہو اور کوئی ایک روایت ان کے پاس ایسی نہیں جس کا ثبوت کسی تواتر سے ثابت ہو بلکہ تمام روایات کے رواۃ متکلم فیہ ہیں مجروح ہیں۔ مضامین متضاد ہیں متون میں ٹکراؤ ہے۔ تو ایسی فحش باتوں پر اُمت کو کبھی بھی یقین نہ کرنا چاہیے۔ اُمت فوراً اس ڈرامے کو مسترد کر دے۔ اور حرمِ نبوت خصوصاً حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمت میں نہایت ادب سے اتر جائے۔ جتنے بھی اہلِ علم نے ان آیات کو اس معنی میں مانا ہے استعمال کیا ہے ان کے پاس خود کوئی یقینی دلیل نہیں۔ آجا کے وہ اسی روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا مستدلہ حوالہ دیتے ہیں حالانکہ یہ روایت ہر لحاظ سے مردود ہے اور جب یہ روایت بذاتِ خود مردود ہے تو اس کے ضمن میں آیات کا ناجائز استعمال کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ جب یہ روایت بے اصل ٹھہری اور اس محل سے ہٹ گئی جس محل کے لیے تشکیل دی گئی تو اس روایت میں مذکور سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 اور سورہ

قصص کی آیت نمبر 56 اپنے اصل محل میں اور مصداق میں منحصر ہوگئیں اور ان آیات کا اصل محل اور مصداق کفار و مشرکین مکہ تھے۔ نہ کہ ابوطالب علیہ السلام کیونکہ نہ تو کبھی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے کفر صادر ہوا اور نہ ہی شرک اور جب ان سے زندگی میں کبھی بھی کفر و شرک صادر ہی نہیں تو ان کی مذمت میں ان آیات کا ناجائز استعمال جبری تحکم ہے اور ظلم ہے۔ جارحیت ہے حرم نبوت سے عناد ہے۔ العیاذ باللہ۔

رہی باقی روایات تو ان کی اس مضمون میں حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں ان کی تفصیلات ان روایات کے ضمن میں بیان ہونے والی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

قانونِ شریعت میں بھی یہ روایت مردود ہے

قانونِ شریعت یہ ہے کہ جو شخص کسی پر الزام لگا رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ الزام علیہ پر الزام ثابت کرنے کے لیے ٹھوس اور یقینی دلائل اور ثبوت مہیا کرے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں براہ راست الزام ہے حرم نبوت پر خصوصاً حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر تو اب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس، یقینی اور قطعی ثبوت مہیا کریں۔ صرف ان کا صحابی ہونا ثبوت الزام میں کافی نہیں۔ جبکہ یہ صحابیت بھی طلوع اسلام کے 21 سال بعد کی ہو۔

ا۔ انھیں اپنی روایت کو یقینی بنانے کے لیے یقینی دلیل سے جائے وقوعہ پر اپنی موجودگی ثابت کرنا ہوگی۔

۲۔ یا کسی شاہد کی تفویض شہادت کا سہارا لینا ہوگا۔

۳۔ یا صاحب وحی ﷺ سے مکی یا مدنی زمانے کے حوالے سے اس موجودہ تشکیل کے ساتھ مکمل تفصیلات کو بطور سماع اور وہ بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ ثابت کرنا ہوگا۔

۴۔ یا پھر خود کو صاحب وحی بتلانا ہوگا۔ نعوذ باللہ۔

اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی صورت ہی نہیں۔ اپنی واہی روایت کو ثابت کرنے کے لیے اپنے لگائے گئے الزام کو ثابت کرنے کے لیے۔ اہل علم کے ذہنی استقرائی بلا دلیل اندازے کام نہیں آسکتے۔ کیونکہ بات شدید ترین الزام کی ہے وہ بھی حرم نبوت پر۔ یا پھر حضرت سعید بن مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے باپ کی تشکیل کردہ روایت کو قانون شریعت کے مطابق یقینی دلائل سے ثابت کریں۔ کیونکہ فقیہ مدینہ کا ٹائٹل ان کے نام ہے۔ ان کی منصبی ذمہ داری ہے کہ اس روایت کو مفید یقین ثابت کریں۔ امام اسحاق بن راہویہ بھی ایک ذمہ دار عالم دین ہیں وہ بھی کوئی اس بابت کارنامہ سرانجام

دے دیں۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو امام المحدثین حضرت امام بخاری و مسلم یہ اپنی مصنفات کی عظمت کی خاطر کوئی یقینی دلائل ہی مہیا کر دیں تاکہ ان کی اپنی صحیح میں زیادہ وزن پیدا ہو سکے۔ خصوصاً امام بخاری علیہ الرحمہ نے تو اس روایت کو پورے اہتمام کے ساتھ آیتیں ملا ملا کر متعدد مرتبہ اپنی بخاری کے صفحات اس بیہودہ روایت سے کالے کیے وہ ذرا تھوڑا سا مزید تکلف فرمائیں کہیں سے اس کی صحت کے یقینی دلائل ہی مہیا کر دیں۔ قرآن کا سینہ بھی کھلا ہے لاکھوں حدیثیں بھی ان کے سینے میں محفوظ ہیں اسی بیہودہ روایت کا کوئی یقینی متابع ہی تلاش کر کے لے آئیں۔ جس پر کامل قطعیت کے ساتھ یقین کیا جا سکے۔

جب آپ تمام اہل علم کے پاس ایسا کچھ بھی نہیں تو پھر حرم نبوت پر الزام لگانے کی جسارت کیوں کر ڈالی؟

کائنات بھر کے اہل علم سے اُمت کا مطالبہ ہے کہ اگر کفرِ ابی طالب کا مذہب ہم پر ٹھونسنا ہی چاہتے ہو تو ہمارے سامنے اس خانہ ساز کفر کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس یقینی قطعی الدلالۃ ثبوت تو دو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے یقیناً نہیں کر سکتے تو کم از کم اہل محبت کے قلب و روح کو زخمی نہ کرو اور قلب نبوت کی اذیت سے تو باز آ جاؤ۔ ورنہ اہل بیت کی روح کی گرمی تمہیں عمر بھر شرمندہ کرتی رہے گی۔

اُصولِ حکایت میں بھی یہ روایت مردود ہے

کائنات بھر میں حکایات کا ایک تسلسل ہے جو حکایات حقیقت کے عین مطابق اور واقعہ کے عین مطابق ہوتی ہیں انھیں سچی حکایات سے معنون و موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جو حکایات خلاف واقعہ ہوں انھیں رام کہانی کہا جاتا ہے۔ جھوٹی حکایت کہا جاتا ہے۔ مذکورہ روایت میں روایت کے تانے بانے پر آپ غور فرمائیں گے تو حقیقت آپ کے سامنے آ جائے گی۔ اس روایت میں حکایت اس طرح جوڑی گئی ہے

جب ابو طالب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں کلمہ کی دعوت دی۔ اس دوران وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپ ملت آباء سے منحرف ہو رہے ہیں جس پر حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ملت آباء ہی پر ہوں۔ جواباً سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک روک نہ دیا جاؤں۔ اس پر قرآن کریم کی دو آیات نازل ہوئیں۔ پہلی سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

"کہ نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگے اگر چہ ان کے قریبی ہی کیوں نہ ہوں اور مومنوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے قریبی مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں"

اور دوسری سورہ قصص کی آیت نمبر ۵۶ ہے۔ ترجمہ:
"اے محبوب آپ جسے ہدایت دینا پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"
اس وقت یہ حکایت تراشنے والا ایک کافر ہے۔ اس وقت نہ وہاں موجود ہے نہ اسے کسی موجود شخص نے یہ حکایت سنائی نہ وہ صاحب وحی ہے نہ صاحب وحی نے اسے بالاستیعاب یہ حکایت مع آیات سنائی۔ اب یہ حکایت کسی ذریعہ علم سے حکایت بنانے والے تک نہیں پہنچی کیونکہ ان کی کہیں بھی کوئی یقینی تصدیق نہیں ہوئی۔
حکایت کنندہ اپنی تراشی ہوئی حکایت میں قرآن کریم کی بھی دو آیات کا استعمال کرتا ہے حالانکہ اس وقت حکایت کنندہ خود کافر ہے قرآن پر نہ یقین رکھتا ہے نہ سننا پسند کرتا ہے۔ مزید حکایت کنندہ نے دو اور کافروں کو بھی اس تراشی ہوئی حکایت کا باقاعدہ حصہ بنایا ہے۔ حالانکہ مذکورہ کافروں نے کبھی بھی اس تراشیدہ حکایت کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ حکایت کنندہ سے نہ خود سے نہ کائنات کے اور کسی شخص سے۔ حالانکہ یہ دونوں کافر سخت دشمن تھے نبوت کے اور اہلِ بیتِ نبوت کے۔ اب حکایت کنندہ وقت حکایت سے گیارہ سال بعد مسلمان ہوتا ہے مگر تا حال کسی سے بھی اس تراشی ہوئی حکایت کا ذکر تک نہیں کرتا نہ اپنے باپ سے نہ بھائی سے نہ کسی یار دوست سے۔ جن دو آیات کا ذکر کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا شرعاً مجاز ہی نہیں کیونکہ نزول آیات کے وقت وقوعہ پر موجود ہی نہیں تھا۔ نہ نزول آیت کا عینی شاہد ہے نہ اسے آیات کی تمیز حاصل ہے اور نہ ہی آیات فہمی کا ملکہ۔ نہ آیات پر اس وقت ایمان ہے تو پھر کس حوالے سے آیات کو اپنی تراشی ہوئی روایت سے نتھی کرتا ہے اور پھر اس مرکب کو ۳۲ سال بعد صرف اپنے بیٹے سے روایت کرتا ہے غضب خدا کا کہ پھر اس روایت کو کائنات کے عظیم ترین فرد رحمت للعالمین کے سادات محافظ ختم نبوت سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف استعمال کرتا ہے۔
اس روایت سے اس شخص کے ایمان کی نفی کی جاتی ہے جس پر ایمان بھی ناز کرتا ہے۔ آپ حکایت کی تشکیل پر غور کریں۔ اور حکایت کنندہ کی شخصیت پر بھی غور کرلیں۔ تراشی ہوئی روایت کے مندرجات پر بھی غور فرمالیں پھر اپنے ہی ضمیر سے پوچھیں سچائی کیا ہے؟ اس روایت کی حقیقت وقطعیت کیا ہے؟ آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ روایت روایت نہیں بلکہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے یہ تحمل روایت کے وقت کی بات ہے اس وقت راوی خود کافر ہے۔ وہاں موجود حرم نبوت کے کسی فرد محترم کو نہ وہاں ابوجہل نظر آیا نہ عبداللہ بن ابی اُمیہ جبکہ غیر موجود راوی کو یہ کیسے نظر آ گئے؟ نہ اہلبیت نبوت کو حضرت ابوطالب سے کلمہ پڑھنے کا مکالمہ سلطانی گواہوں کا کسی بھی اعتبار سے سنائی دیا حضرت مسیب کو یہ سب کچھ کس سٹیلائٹ سے نظر آ گیا؟ اسی کو خود ساختہ مصنوعی ڈرامہ کہتے ہیں۔ حکایہ جھوٹ کہتے ہیں جو حضرت مسیب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔
نوٹ: مجھے یہ علم ہے کہ اہلِ علم ضرور غضبناک ہوں گے کہ میں نے اس روایت کو تراشیدہ قرار دیا ہے۔ کائنات کا بدترین جھوٹ

کہا ہے۔ یقیناً میں نے اسے علی وجہ البصیرہ کہا ہے اور اس پر قائم ہوں بس میرا اہل علم سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ مجھے اس روایت میں کہیں بھی کسی بھی اعتبار سے قطعیت ثابت کر دیجیے۔ اور اس روایت کو مفید یقین بنا کر دکھا دیجیے تو میں رجوع کر لوں گا۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے یقیناً نہیں کر سکتے تو پھر اپنی فرسودہ خیالی سے توبہ کر لیں۔ اگر اہلِ علم یہ شور مچانا چاہیں کہ اس روایت کو جھوٹا بیہودہ کہنے سے قدآور علمی شخصیات زد میں آتی ہیں تو مجھے اس بات کا اچھی طرح احساس ہے۔ بلکہ میرا اہل علم سے سوال ہے کہ قدآور شخصیات کا تقدس آپ کی نظر میں ہے۔ ان کا علمی بھرم بھی آپ کی نظر میں ہے۔ ہونا بھی چاہیے مگر کیا کبھی آپ کو حرم نبوت کا تقدس بھی نظر آیا؟ محسن ملت اسلامیہ کا بھرم بھی نظر آیا؟ سید بطحا، کا وقار بھی نظر آیا؟ ناصر رسول کی عظمت بھی نظر آئی؟ خادم پیکر نبوت کی سفید ریش بھی نظر آئی؟ دفاع اسلام پر مسلسل قربانیوں کا حجم بھی نظر آیا؟ خاندانِ نبوت کی شرافت بھی نظر آئی؟ اگر یہ سب کچھ آپ کی نظر میں کچھ نہیں تو مجھے بھی اس بیہودہ روایت کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا۔ باقی رہا متقدر اہل علم کی عظمت معاصر اہلِ علم کی عظمت سے کہیں زیادہ، مسلّم، محترم اور محتشم ہے۔ ان کی تعظیم اپنا ایمان سمجھتا ہوں۔ میری ساری گفتگو نفس روایت پر ہے کہ یہ روایت ایسی ہے جس کا کوئی بھی معقول مقبول یقینی حوالہ اہل علم کے پاس نہیں اور جو روایت خود اپنی قطعیت کے لیے محتاج دلیل ہو وہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے کفر میں کیسے موثر ہو سکتی ہے؟ بنابریں یہ روایت اُصول حکایت کے اعتبار سے بھی مردود ہے کیونکہ اس کا کسی کے پاس کوئی یقینی وجود نہیں حتی کہ خود راوی کے پاس بھی نہیں۔

اُصول حقیقت کے اعتبار سے بھی یہ روایت مردود ہے

حقیقت وہ ہے جو خود واضح ہو، بلا دلیل ثابت ہو، محتاج دلیل نہ ہو جیسے سید بطحا، حضرت ابوطالب کی اسلام اور بانی اسلام کی خدمات عالیہ رسول خدا ﷺ سے والہانہ عشق۔ آپ سے کامل وفاء آپ کی کامل نصرت مکمل حمایت۔ مرتبہ یقین آخرت پر کامل یقین، قرآنی عظمت پر کامل یقین اصحاب رسول سے عقیدت و محبت۔ یہ وہ حقیقی عظمتیں ہیں جن کی کائنات گواہ ہے۔ مکمل تواتر سے ثابت ہیں۔ جن کا انکار کوئی بدحواس ہی کر سکتا ہے۔ انسان اور مسلمان نہیں کر سکتا اور رسول خدا ﷺ کا حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ سے والہانہ پیار کرنا، ان کے وقار کا لحاظ رکھنا، ان کی شرافت کو ملحوظ رکھنا، ان کے وصال کے سال کو عام الحزن قرار دینا۔ اس سانحہ ارتحال پر افسردہ رہنا اور ان کی حسین یادوں سے خود کو تازہ رکھنا یہ سب وہ حقائق ہیں جن کا انکار ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ پوری کائنات اس حقیقت کی گواہ ہے اور یہ سب کچھ بلا دلیل واضح ہے۔ حقیقت ہے اسے دشمن بھی مانتے تھے۔ نجانے اہل علم کی آنکھوں پر کیوں پردے پڑ گئے؟ اب اس حقیقت کے مدمقابل حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے وہ بذات خود کسی بھی اعتبار سے روایت کہلانے کی حق دار نہیں بلکہ یہ محض ایک فراڈ ڈرامہ ہے۔

قاضی شوکانی نے اس کے تمام طرق کو مرسل قرار دیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی اسے مرسل کہا ہے مگر حقیقتاً یہ روایت مرسل کہلانے کی بھی حق دار نہیں کیونکہ مرسِل اور مرسَل کے درمیان کوئی نہ کوئی راوی ضرور ہوتا ہے جسے نیچے کا راوی چھوڑ دیتا ہے مگر اس روایت میں مرسِل اور مرسَل کے درمیان کوئی راوی ہے ہی نہیں پورا راوی ہضم کر دیا گیا ہے اصل راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہے مگر اس کے پاس بھی روایت کے علمی کوائف نہیں نہ اس نے رسول دو عالم ﷺ سے براہ راست سنا نہ اس نے یہ وقوعہ آنکھوں سے دیکھا نہ کسی عینی شاہد سے سنا نہ یہ شخص صاحب وحی ہے تو یہ سب کچھ بغیر کسی ذریعہ علم کے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو کیسے غیبی الہام ہو گیا؟ پوری کائنات کے اہل علم کے پاس اس کا کوئی یقینی جواب نہیں۔ اہلبیت نبوت بھی تو وہاں موجود تھے اس کہانی کا ان کو علم نہیں ہو سکا ورنہ وہ بیان فرماتے حقیقت چھپانا ان کی فطرت نہیں چونکہ یہ ڈرامہ اصلاً جھوٹ تھا اس لیے ان مقدس اور معصوم زبانوں پر نہیں آیا۔

فتح الباری والوں نے ایک ثبوت گھڑنے کی ناکام کوشش کی کہ ابو جہل بھی مخزومی تھا اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی مخزومی تھا اور مسیب بن حزن بھی مخزومی تھے ہو سکتا ہے مخزومی ہونے کی نسبت سے مسیب کا جائے وقوعہ پر موجود ہونا ممکن ہو۔ استغفر اللہ۔ فیصلہ قطعیات کا ہے دلیل احتمال والی ہے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ حرم نبوت اتنا آسان ٹارگٹ نظر آیا ہے کہ ان کے تقدس کو پامال کرنا اہل علم نے اپنا معروف مذہب قرار دیا ہے جسے صاحب روح المعانی نے کھلے لفظوں میں یوں بیان فرمایا ہے: "هُوَ المذهب المعروف اهل السنة والجماعة" اگر یہی اہلسنت کا معروف مذہب ہے تو ہم ایسی اہلسنت سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں۔ جس میں نبی کے باپ کو کفر کی گالی دی جائے اور اسے یعنی گالی دینے کو اہلسنت کی شناخت اور معروف مذہب قرار دیا جائے۔

"العم صِنْوَابی" کا جملہ اہل علم کو یاد رکھنا چاہیے تھا مجھے حیرت ہوئی ہمارے مبحث والے بزرگوں نے بھی اسے بطور دلیل بیان فرمایا اور پندرہ کے قریب واہی روایات کو اپنی تصنیف کا حسن بنایا ہے۔ پہلی حدیث کا حشر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے باقی رہی یہ بات کہ یہ روایت بخاری و مسلم میں آئی ہے لہٰذا یہ صحیح ہے۔ اس سے بڑا کائنات میں جھوٹ ہی کوئی نہیں۔ بخاری و مسلم نہ تو آسمانی صحائف ہیں اور نہ ان کی عصمت کی کسی کے پاس اُلوہی اور نبوی یقینی دلیل ہے۔ روایت کی اصل قوت سند ہوتی ہے نہ کہ کتاب۔

اولاً تو یہ روایت اصلاً ہی جعلی ہے جزئی ہے وضاحت پہلے کئی مرتبہ ہو چکی ہے۔

ثانیاً اس میں براہ راست حرم نبوت پر بدترین الزام ہے۔

ثالثاً اس روایت میں مصنوعی زور پیدا کرنے کے لیے قرآن کریم کی آیات کا ناجائز استعمال کیا گیا ہے۔

وقوعہ دس سن نبوی کا ہے نزول آیت بارہ سال بعد ہوا۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ ہجری کو ہوا۔ یہ بات تمام مفسرین کے ہاں متفق علیہ ہے نبی ایک ناجائز کام کا آغاز کرتے ہیں اور بارہ سال تک وہ ناجائز کام کرتے رہے۔ پورے تسلسل کے ساتھ اور وہ ناجائز کام حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا تھا۔ جسے بارہ سال تک مسلسل کیا گیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ کو اس ناجائز کام کا احساس ہوا خیال آیا کہ یہ کام تو روکنا چاہیے تھا پھر بارہ سال بعد اللہ تعالیٰ نے فرمادیا۔ بعض اہل علم نے اس جھوٹ کو سچ کرنے کے لیے ایک مزید جھوٹ گھڑا کہ جناب سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳، ایک مرتبہ مکہ میں نازل ہوئی جب وفات ابی طالب ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے حسب وعدہ چند دن مغفرت کی دعا فرمائی۔ اس دوران یہ آیت نازل ہوگئی۔

جناب من اگر ایسا ہی ہے تو پھر مکفرین ابی طالب کا جھوٹ مزید واضح ہوگیا۔ اب تو ابہام رہا ہی نہیں۔ صورت اس کی یہ ہے کہ جب وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے چند دن بعد مذکورہ آیت نازل ہوگئی اس میں حکماً فرمایا گیا کہ خبردار کسی مشرک کے لیے مغفرت کی دعا کرنا نبی اور مؤمنوں کے لیے جائز ہی نہیں۔ اب مناسب یہی تھا کہ نبی اور مؤمن اپنے قریبی مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے رُک جاتے۔ مگر حیرت ہے کہ پھر نبی ﷺ نے وحی کو توڑا اور مسلسل بارہ سال تک وحی کی خلاف ورزی کرتے رہے حتیٰ کہ بارہ سال بعد پھر از سرنو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تفسیری اثاثے میں غور کرنے سے یہ پتہ چلا ہے کہ یہ آیت قریباً چودہ مرتبہ نازل ہوئی۔ ان میں نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت بھی چار مرتبہ مختلف مقامات پر نازل ہوئی۔ یہی مضمون لے کر کہ وہ نعوذ باللہ مشرکہ تھیں ان کے لیے بھی مغفرت کی دعا کرنا نبی کے لیے جائز نہیں۔ ان کی بابت پانچویں مرتبہ ۹ ہجری ذیقعدہ میں پھر نازل ہوئی اس طرح دیگر مشرکین کے لیے بھی کئی مرتبہ نازل ہوئی چونکہ لفظ مشرکین جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے جتنی مرتبہ آیت نازل ہوئی تضمناً ہر مرتبہ ابوطالب علیہ السلام تو خاص کر زد میں آئے خصوصاً دو مرتبہ کا نزول تو بطور خاص ان کے لیے مانا گیا۔ باقی مرتبہ ضمناً ان کی شخصیت کو شامل معنی کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ہر مرتبہ نبی ﷺ نے وحی کو توڑا۔ اب آپ خود اندازہ لگایئے کہ کتنی مرتبہ نبی ﷺ نے وحی کو توڑا ہوگا؟ گویا اس تسلسل میں وحی کی خلاف ورزی کرنا، وحی کو پس پشت ڈالنا، وحی کو توڑنا کم از کم سنت قرار پائے گا کیونکہ اس تسلسل میں مواظبت نبی صریحاً موجود ہے۔ کیونکہ یہ کل عرصہ بارہ سال بنتا ہے ہزاروں مرتبہ وحی ٹوٹی وحی کو بازیچۂ اطفال بنایا گیا۔ یہ تسلسل بارہ سال رہا۔ استغفر اللہ۔

یہ ہے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر الزام کفر لگانے کا خمیازہ، نبی پر وحی توڑنے کا گھناؤنا الزام، اللہ تعالیٰ پر بے محل وحی نازل کرنے کا الزام؟ محسنِ ملت اسلامیہ سید بطحاء حضرت ابوطالب پر کفر کا جھوٹا الزام۔ یہ سب کچھ مسیب کی جعلی جڑ کی

روایت کے ہی حوالے سے ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو درج بالا تمام الزامات جو سراسر جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور حضرت ابوطالب علیہ السلام پر صحیح ثابت ہوں گے۔ اہل علم کو برداشت کرنا ہوں گے۔ حالانکہ مذکورہ تمام الزامات جھوٹے ہیں اللہ اور رسول اس سے قطعاً پاک ہیں۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی ذات بھی یقیناً پاک ہے۔ بنا بریں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت حقیقت کے اعتبار سے بھی مردود ہے بلکہ اس کی کوئی اصل نہیں نہ اس کی کوئی کسی کے پاس یقینی تصدیق ہے۔

رہا محدثین، مفسرین کا اسے مسلسل نقل کرنا تو یقیناً یہ بلادلیل ہے۔ کائنات کے کسی محدث کسی مفسر کے پاس اس جھوٹے خانہ ساز، خودساختہ سازشی وقوعے کا کوئی یقینی ثبوت ہے نہ دلیل۔ حتیٰ کہ امام بخاری، امام اسحاق بن راہویہ، معمر بن راشد، ابن شہاب زہری، سعید بن مسیب، مسیب بن حزن کسی کے پاس بھی اس جھوٹ کو قطعیات میں ثابت کرنے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی دلیل۔ رہی ان کی شخصیات وہ کسی بھی طرح دلیل دین نہیں بن سکتیں۔ بس بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ کہا جائے کہ یہ بے ہودہ اور فرسودہ روایت ان بزرگوں کی طرف دسوس عبارت کی صورت میں منسوب ہے۔ مزید برآں اب اس روایت کو صحیح مسلم و بخاری سے نکال کر پھینک دیا جائے تاکہ یہ مصنفات اس آلودگی سے پاک ہو جائیں کیونکہ حرم نبوت پر کفر کی آلودگی پھینکنے والی روایت روایت ہی نہیں بلکہ ذخیرہ علم میں آلودگی ہے۔ روایت گروں کی ذہنی پلیدی ہے اور کچھ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کی سند جڑ کٹی ہے غیر متصل ہے اور اس کے کثیر راوی متکلم فیہ ہیں اور کچھ مطعون بھی ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تحقیق

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے (ترجمہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے چچا سے ان کی موت کے وقت کہ آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں میں قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دوں گا پر آپ نے انکار کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ اے محبوب جسے آپ پسند کرتے ہیں ہدایت دینا آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ابوطالب علیہ السلام کو کلمہ طیبہ کی دعوت دی گئی تو انھوں نے جواباً کہا میں ملامت کرنے والوں سے خوف زدہ ہوں کہ وہ کہیں گے کہ موت کے ڈر سے ابوطالب علیہ السلام نے کلمہ پڑھا ہے ورنہ میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ (صحیح مسلم شریف)

قارئین محترم! جواب ملاحظہ فرمائیں:

یہ روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی سابقہ روایت سے بھی زیادہ بے ہودہ ہے جعلی ہے اور جز ئی ہے۔ اس کی چند ایک وجوہات ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یمن کے باشندے ہیں۔ سات سن ہجری کو مسلمان ہوئے۔ فتح خیبر کے موقع پر مقام خیبر پر یہ قبیلہ دوس کے ساتھ مل کر مدینہ آئے ان کا مکہ جانا وفاتِ ابی طالب کے وقت کہیں بھی ثابت نہیں۔

۲۔ وفات ابوطالب علیہ السلام دس سن نبوی کو ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری کو مسلمان ہوئے۔ قریباً دس سال کا فاصلہ ہے۔ اس دوران وہ مکہ آئے ہی نہیں ان کو کس ذریعہ علم سے معلوم ہوا کہ مکہ میں ابوطالب علیہ السلام کی وفات ایسے ہوئی جیسے انھوں نے اپنی روایت میں بیان کی ہے۔

۳۔ ضابطہ یہ ہے کہ مُبصَر محسوس معاملہ کو روایت کرنے کی اہلیت محض شہادتِ عینی ہی سے متصور و مقبول ہو سکتی ہے یا شہادت علی الشہادت کی صورت میں۔ جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہ عینی شہادت ہے نہ کسی عینی شاہد کا مشاہدہ بنابریں یہ روایت بیان کرنے کے شرعاً و قانوناً و درایتاً اہل ہی نہیں۔

۴۔ روایت کی یقینی صورت وحی ہے۔ آیا وحی کی وضاحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہے؟ نہیں نہ ہی صاحب وحی کی کوئی وضاحت بنابریں یہ اس روایت کو بیان کرنے کے کسی بھی طرح مجاز نہیں۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی جس آیت کا اپنی روایت میں ذکر کیا ہے

"اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ"

محبوب آپ اپنے پسندیدہ کو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

اس آیت کو بھی اپنی روایت میں نتھی کرنے کے مجاز نہیں نہ قانوناً نہ شرعاً، نہ روایتاً اور نہ ہی درایتاً۔ کیونکہ اس آیت کا نزول مکہ میں ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس دوران مکہ میں گئے ہی نہیں۔ نہ یہ آیت کسی اعتبار سے اُن پر بطور خاص پیش کی گئی ہے۔ اصول تفسیر کا مسلّم قاعدہ ہے کہ جس نے کسی آیت کا شانِ نزول روایت کرنا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نزول آیت کے وقت جائے نزول پر موجود ہو۔ کیفیت نزول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بطورِ خاص وہ وحی اُس ضمن میں بیان فرمائی ہو۔ ورنہ وہ شخص نزول آیت بیان کرنے کا اہل ہی نہیں۔ (الاتقان سیوطی، البرہان زرکشی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہر دو علمی عظمتیں موجود نہیں نہ تو موصوف نزول آیت کے وقت جائے وقوعہ پر مکہ

میں وفات ابوطالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود تھے اور نہ ہی رسول دو عالم ﷺ سے بالبداہت انہوں نے اس اعتبار اس آیت کا سماع کیا حتی کہ ان کی اپنی روایت میں بھی کوئی ایسی دلالت ظاہری موجود نہیں جس سے ان کی وہاں موجودگی معلوم ہو سکے۔ یا براہ راست ان کا سماع معلوم ہو سکے۔ اگر بالفرض والمحال اس مذکورہ روایت کو ان کے کھاتے میں چڑھانا ہی ہے تو پھر ان کی اس روایت کی حیثیت محض محض ان کے اپنے بے اصل جڑ کٹے قول ہی کی ہو سکتی ہے رہا یہ مرسل بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مرسل اور مرسل کے درمیان اصلا کوئی راوی موجود ہی نہیں بنابریں یہ روایت اصلا مردود ہے۔ حیرت ہے یہ آیت صاحب وحی ﷺ شاہدین کو نہیں بتا پائے مگر یمن کے باشندے کو دس سال بعد بیان کر دی۔ یہی منصب نبوت پر جھوٹا الزام ہے۔

۶۔ یہ روایت اپنے مضمون میں بھی ادھوری ہے کیونکہ اس سے قبل آپ نے ایک روایت کا حال دیکھا۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس کے اور اس کے مضمون میں واضح ٹکراؤ اور تضاد ہے۔ وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کو گواہ بنایا گیا اس روایت میں نہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ گواہ بنے نہ کسی اور کو گواہ بنایا۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں قرآن مجید کی دو آیات کا ذکر ہے جبکہ اس روایت میں صرف ایک آیت کو بے محل بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت میں عدم استغفار کو ترجیحاً بیان کیا گیا جبکہ اس روایت میں عدم استغفار کا ذکر تک نہیں۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

۷۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں راوی کی موجودگی مکہ میں یا مضافات مکہ میں کہیں ممکن تو تھی جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تو مکہ میں یا مضافات مکہ میں اس وقت موجودگی کا امکان تک نہ تھا کیونکہ یہ اس وقت یمن میں ہزاروں میل دور زندگی بسر کر رہے تھے۔ وقوعہ کے دس سال بعد یہ مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں آئے اور مسلمان ہوئے اور آتے ہی تو نبی کریم ﷺ نے ان کے سامنے اپنے گھر کی کتاب کھول کر سامنے نہیں رکھی ہوگی بلکہ بداہت عقل یہ کہتی ہے کہ اس وقت کے ہنگامی حالات غزوات وسرایا فتوحات وسیاسی نظام قیامت تک آنے والے مسائل کے حل پر مشتمل نبوی ارشادات ہوں گے پیش آمدہ حوادث وحالات ہی زیر بحث آئے ہوں گے۔ وحی الٰہی بھی انہی معاملات کو ہی بیان کر رہی ہے وفات ابوطالب علیہ السلام کی کہانی مدینہ طیبہ کے حالات میں سنانے کا بظاہر کوئی نبوی مقصد سامنے نہیں آتا ہے بنابریں یہ روایت بداہت عقل کے اعتبار سے بھی مردود ہے۔

۸۔ اس روایت کے راوی بھی متکلم فیہ ہیں۔ مجروح ہیں۔ اس روایت میں ایک راوی یزید بن کیسان ہے ان کی بابت اہل علم نے کہا کہ یہ قابل اعتماد ہی نہیں

"وقال سعید القطان ھو صالح وسط ولیس ھو ممن یعتمد علیہ"

سعید القطان نے کہا کہ یزید بن کیسان نیک ہے مگر یہ علم میں قابل اعتماد نہیں۔

"قال ابوحاتم لا یحتج بہ"

امام ابوحاتم نے کہا کہ یزید بن کیسان قابل حجت ہی نہیں۔ (میزان الاعتدال)

۹۔ یہ روایت کسی قاعدہ روایت کے مطابق متصل مسند مرفوع نہیں یہ خبر واحد کے مرتبے سے بھی گر چکی ہے اس کی علمی و دینی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

۱۰۔ اس میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ مفید یقین ہو سکے، اس روایت کو محض ذہنی اندازہ ہی کہا جا سکتا ہے اس روایت کو قطعی کہنا تو دور کی بات ہے یہ تو مفید ظن بھی نہیں ہو سکتی۔ صرف ایک بے سند قول ہے یہ کفر ابی طالب میں قطعاً موثر علمی نہیں ہو سکتا۔

"تلک عشرۃ کاملۃ"

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت کی تحقیق

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک روایت منسوب ہے کہ جب وفات ابوطالب علیہ السلام ہوئی تو آپ نے اس کی خبر جا کر رسول اللہ ﷺ کو دی کہ آپ کا ضال چچا آپ کی محبت میں وارفتہ چچا فوت ہو گیا ہے (منکرین اس کا ترجمہ گمراہ چچا کرتے ہیں) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اس کے دفن کفن کا انتظام کرو اس پر چند دن آپ غمگین رہے اور اپنے چچا کی دعائے مغفرت فرماتے رہے حتی کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگر چہ وہ انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

اس روایت سے بھی کفرِ ابی طالب کا استدلال کیا جاتا ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ درج ذیل وجوہات کی بنا پر یہ روایت باطل اور مردود ہے۔

۱۔ یہ روایت کفرِ ابی طالب میں بیان کرنے والوں کے نزدیک بھی مجروح ہے ضعیف ہے۔ (التبیان سعیدی)

۲۔ امام عینی نے اس کی شرح کرتے ہوئے کہا "حدیث باطل و اسانیدہ ضعیفۃ" یہ حدیث باطل ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ (شرح ابی داؤد عینی)

۳۔ "ضَعَّفَهُ الْجُمْهُوْرُ" اس کو جمہور نے بھی ضعیف کہا۔

۴۔ اس کے راوی ناجیہ بن کعب کی بابت اہل علم نے کہا یہ مجہول راوی سے روایت کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں۔

(تہذیب التہذیب)

۵۔ اس میں ایک راوی شعیب بن ایوب ہے۔ آجری کہتے ہیں میں ان سے روایت کرتے ہوئے اللہ سے ڈرتا ہوں ابن حبان کہتے ہیں یہ اپنی روایات میں تدلیس کرتے تھے منکر الحدیث تھے۔

۶۔ اس روایت میں ایک آیت کا ناجائز استعمال ہوا ہے یہ مولائے کائنات کے مقام سے نہایت دور ہٹ کر بات ہے۔ پورا قرآن علی کے ساتھ ہے علی پورے قرآن کے ساتھ ہے اگر اس روایت میں کوئی سچائی ہوتی تو مولائے کائنات حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت کبھی نہ کہتے "و غیث المحمول و نور الظلم" حضرت ابوطالب علیہ السلام خشک سال کی باران رحمت ہیں بارش ہیں اور ظلمتوں کا نور ہیں۔ مزید تفصیلات تحقیق میں دیکھیں۔

نوٹ:۔ مذکورہ روایت کے رواۃ مطعون ہیں۔ یہ روایت بداہتِ عقل کے بھی خلاف ہے۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کے مطابق اس میں دو آیتوں کا نزول ہوا کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسری آیت نظر نہیں آئی؟ حالانکہ دوسری آیت کا نزول اس آیت سے بہت پہلے ہے۔

(۴) صحیح بخاری کی ایک اور مصنوعی روایت

مبحث شریف والے بزرگوں نے صحیح بخاری، کتاب المناسک سے ایک مصنوعی روایت نقل کر کے کفر ابی طالب کے اپنے فتوے میں زور پیدا کرنے کے لیے اس روایت کا ناجائز استعمال کیا ہے اور ساتھ ساتھ لگتے ہی اس میں ایک غیر متعلقہ آیت کی بھی نشاندہی فرما دی حالانکہ یہ روایت خود صاحب مبحث کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی یونس ہے جو ان کے ہاں بھی مجروح ہے۔ دیکھئے فتاوی رضویہ شریف کی قدیمی نسخہ کی جلد سوم صفحہ ۵۱ پر فرماتے ہیں

(۱) زہری سے ان کی روایت میں وہم ہے۔

(۲) غیر زہری سے خطا۔

(۳) اثرم کہتے ہیں کہ یونس ضعیف ہیں۔

(۴) امام احمد نے کہا کہ یونس ضعیف ہے۔

(۵) ابن سعد نے کہا کہ یہ حجت نہیں۔

(۶) وکیع کہتے ہیں کہ ان کا حافظہ برا ہے۔

(۷) احمد نے ان کی حدیثوں کو منکر بتایا۔ (بحوالہ میزان الاعتدال)

بولیے جناب ایسی ضعیف مصنوعی روایت سے سید بطحاء کے کفر کا استدلال کرنا شرعاً کیسا ہے؟

مصنوعی روایت کی تشکیل

ترجمہ:۔ باب فتح مکہ میں نزولِ پیکر نبوت اور عقیل بن ابی طالب کی طرف گھروں کی نسبت جن کی فروخت ہو چکی تھی۔ پہلا حصہ روایت۔ روایت کا منظر نامہ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کا پہلا حصہ

امام بخاری فرماتے ہیں (۱) ہمیں حدیث بیان کی اصبغ نے کہا (۲) مجھے خبر دی ابنِ وہب نے (۳) انھوں نے یونس سے روایت کی (۴) انھوں نے ابنِ شہاب سے روایت کی (۵) انھوں نے علی بن حسین سے روایت کیا (۶) انھوں نے عمر بن عثمان سے روایت کیا (۷) انھوں نے اسامہ بن زید سے روایت کیا: حضرت اُسامہ بن زید نے فتح مکہ کے دن فتح کے بعد بارگاہِ نبوت میں عرض کی کہ آقا اب آپ مکہ میں قیام کہاں فرمائیں گے؟ فرمایا کیا عقیل نے کوئی گھر محلہ جگہ چھوڑی ہے؟ یعنی تمام مکانات اس نے فروخت کر دیے ہیں کہاں ٹھہریں؟

دوسرا حصہ

طالب اور عقیل وارث بنے یہ دونوں کافر تھے اور جعفر اور علی المرتضیٰ ان کے وارث نہ بنے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے اور حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔

روایت کا تیسرا حصہ

ابن شہاب نے کہا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی یہ تاویل کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے ترجمہ

"بے شک وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی ایمان لائے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی وہی ایک دوسرے کے وارث ہوئے، دوست ہوئے"

قارئین محترم! مذکورہ بالا روایت کے تین حصے محض قریب الفہم کرنے کے لیے کیے گئے ہیں تاکہ آپ کو حدیث نبوی اور غیر حدیث نبوی کا اندازہ ہو پائے۔ اب آیئے تفصیل میں اُترتے ہیں۔

حصہ اول کے مندرجات پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں حضرت اسامہ نے عرض کہ آقا ﷺ فتح نصیب ہو چکی قیام کہاں فرمانے کا ارادہ ہے؟ جواباً آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لیے مکانات میں سے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔

اب اس حصے میں کفرِ ابی طالب کی بو اہلِ علم کو کہاں سے آ گئی؟ اگر اہلِ علم اس روایت سے اس بنیاد پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اگر مسلمان ہوتے تو ان کے گھر میں حضور ﷺ ضرور قیام فرماتے۔ آپ کا ان کے گھر قیام نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کافر تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

الجواب بعون الوہاب

یہ استدلال الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔ روایت کا یہ حصہ تو ان کے اسلام لانے اور عظمت یقین کی دلیل ہے نہ کہ ان کے کفر کی دلیل۔ حضرت اسامہ بن زید کے سوال پر یہ فرمایا کہ عقیل نے کچھ چھوڑا ہی نہیں رہیں گے کہاں؟ یعنی اگر عقیل نے یہ گھر نہ بیچے ہوتے تو یقیناً ہم وہیں قیام فرماتے۔ اب عقیل نے سب فروخت کر دیا ہے ہمارا وہاں رہنا کیسے ممکن ہے۔ اب اس حصے سے کفرِ ابی طالب کا استدلال کرنا نرا فضول، غیر علمی اور غیر دینی ہے۔ اب اس حصے میں پھر سے غور فرمائیں جس میں کہا گیا ہے کہ علی و جعفر مسلمان ہونے کے حوالے سے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وراثت سے محروم رہے۔ جبکہ طالب و عقیل کافر ہونے کی نسبت سے ابوطالب علیہ السلام کے وارث بنے۔ اس حصہ روایت کا تعین یقینی کسی کے پاس نہیں کیونکہ یہ حصہ روایت مذکورہ سے متعلق ہی نہیں کیونکہ یہ زبان نبوت کے الفاظ نہیں۔ زبانِ نبوت کے جملے تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی عظمت ایمان کو اقتضاءً بیان کر رہے ہیں کہ عقیل نے گھر نہ بیچے ہوتے تو ہم وہاں قیام فرماتے۔

جبکہ اس دوسرے حصۂ روایت میں بطور نص کفرِ ابی طالب کی وضاحت موجود ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبوی زبان ایک طرف اقتضاءً ابوطالب علیہ السلام کی عظمت ایمان کو بیان کرے اور دوسری طرف صراحتاً ان کے کفر کو بیان کرے؟ یہ دوہرا معیار منصب نبوت سے محال ہے۔ اب رہا اس روایت کے دوسرے حصے کا باعتبار راوی تعین تو اس پر خود صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ بھی دیا ہے وضاحت بھی دی ہے۔

وضاحت مبحث شریف

صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالے سے ایک تنبیہ قائم فرمائی۔ عربی میں اسے بیان فرمایا۔ اب موجودہ فتاوٰی رضویہ کی جلد نمبر ۲۹ میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بخوف طوالت ترجمے پر ہی اکتفاء کیا جاتا ہے فرماتے ہیں: اس میں شک نہیں انا کا قول اور عقیل وارث ہوا ابوطالب (علیہ السلام) کا (یہ جملہ حدیث نہیں) حدیث میں داخل کیا گیا (درج ہے) اس؟

قائل ان کتابوں میں مذکور نہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔

(تہذیب التہذیب، ابوالفضل احمد بن علی المعروف ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ، دارۃ المعارف)

نوٹ: صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ مان گئے کہ کفر ابی طالب پر مشتمل عبارت حدیث نہیں راوی کا ذاتی اضافہ ہے۔ جب یہ ذاتی اضافہ ہی ہے تو پھر اسے حدیث بنا کر پیش کرنا کبھی بھی جائز نہیں (فریدی)

بقیہ ملاحظہ ہو: صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اختیار کیا ہے کہ وہ امام زین العابدین ہیں یعنی روایت میں ادراج کی اضافے کی ذمہ داری صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے امام زین العابدین پر ڈالی ہے اور اس کو جزماً بیان فرمایا ہے۔ بعد ازاں خود فرماتے ہیں کہ امام عینی نے کہا کہ اس کا قول "و کان عقیل" بعض راویوں کا (ذاتی اضافہ ہے) حدیث میں داخل کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ادراج ادخال اُسامہ کی طرف سے ہو۔

قارئین محترم! اب مذکورہ صورت حال مزید سنگین ہوگئی۔ امام عینی نے عمدۃ القاری میں کفر ابی طالب کے قول کی ذمہ داری ممکنہ صورت میں اُسامہ پر ڈال دی ہے جبکہ صاحب مبحث نے امام زین العابدین پر ڈال دی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ امام عینی نے صرف امکان ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ قول اسامہ کا ہے اس کا مدمقابل عدم امکان موجود ہے جو قول امکان اور عدم امکان میں دائر ہو وہ مفید یقین نہیں ہو سکتا۔ جبکہ صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ کے امکان کی بجائے اپنے یقین کا اظہار فرمایا ہے۔ مزید اس پر خیالی دلیل بھی قائم فرمائی۔ اسے یوں بیان فرمایا

"اقول" میں کہتا ہوں بلکہ وہ علی بن حسین بن علی ہیں اس کو امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں بیان فرمایا ہے۔ پہلے اس کو امام مالک نے ابن شہاب سے کتاب یعنی بخاری میں بیان کردہ روایت کہ مؤمن کافر کا وارث نہیں بنتا۔ ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں نبوی زبان نے یہ ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے مگر اس قاعدے کا باعث کفر ابی طالب نہیں بیان فرمایا۔ یہ لوگوں کا ذاتی اضافہ ہے جو بلا دلیل قطعی ہرگز قبول نہیں۔ رہا امام زین العابدین کا قول تو وہ مذکورہ مجوزہ حدیث کا معارضہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس حدیث میں اقتضاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان ثابت ہو چکا ہے۔ عقیل اور طالب کا وارث بن جانا اولاد ہونے کی نسبت سے ہے نہ کہ ابوطالب علیہ السلام کے کفر کی وجہ سے۔ اگر اہل علم کا مخمصہ قبول کر لیا جائے تو بدترین قیامت برپا ہو جائے گی۔ صورت اس کی یہ ہے کہ جب مؤمن کافر کا وارث نہیں بن سکتا تو پھر عقیل اور طالب رسول اللہ ﷺ کے وارث کیسے قرار پائے؟ حالانکہ حضور ﷺ کے مکانات بھی جناب عقیل نے بیچ کھائے تھے۔ اس روایت کے مطابق اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو سید دو عالم ﷺ سے ایمان کی نفی کر دی جائے ان میں ایمان کا عدم ثابت کیا جائے نعوذ باللہ من ذالک۔ یا پھر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا ایمان ثابت مانا جائے کیونکہ جو علت منصوص علیہ میں مؤثر ہے وہی علت غیر منصوص میں بھی

موثر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ابوطالب عقیل کے والد ہیں سید عالم ﷺ عقیل کے چچا کے بیٹے ہیں سابق میں گزر چکا ہے کہ پوری کائنات کے اہلِ علم کے پاس کفرِ ابی طالب کو ثابت کرنے کے لیے کہیں قطعی الدلالت قطعی الثبوت ایک بھی دلیل نہیں۔ بلا دلیل الزام باطل ہے۔ اختراعی خیالات سے الزام اور عیب ثابت نہیں ہو سکتا۔

روایت کا تیسرا حصہ

"قَالَ ابنُ شهاب وَ كَانُوْا يَتَأَوَّلُوْنَ قول الله عزوجل اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔۔۔ الاٰية"

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قول کی یہ تاویل کرتے ہیں؟ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی ایمان والوں کی وہی ایک دوسرے کے وارث ہیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

قارئین محترم! ابن شہاب کے قول کے مطابق مذکورہ آیت کو امام بخاری نے مجوزہ روایت کا حصہ بنایا ہے کفرِ ابی طالب کے اختراعی نظریے میں۔ انتہائی افسوس ہے اہلِ علم کے اس رویے پر کہ آیت کا مصداق کون ہے اور اس کا ناجائز استعمال کہاں جا کر جوڑ دیا۔ آیت اُتری ہے انصار و مہاجرین رضوان اللہ علیہم کی باہمی دوستی کی عظمت کی بابت مگر اہلِ علم نے اس کا کھوج نکالتے جا پہنچے ہیں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حرم اقدس میں جہاں رسالت پناہ عالم ﷺ خود پچاس سال تک رہائش پذیر رہے۔ پچاس سال تک۔ جبکہ مذکورہ آیت و سورہ ہجرت کے کئی سال بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ جس مقصد کے لیے نازل ہوئی اہلِ علم نے اسے اس کے مقصد اور محل سے اپنی ذاتی مرضی اور رائے سے ہٹا کر اس سے کفرِ ابی طالب ثابت کر کے اپنا رانجھا راضی کیا (نعوذ باللہ) اس آیت کا کفرِ ابی طالب سے دور کا بھی تعلق نہیں جس کی چند ایک صورتیں علمی اعتبار سے ملاحظہ فرمائیں

۱۔ یہ آیت ابن شہاب کے بے سند قول کی بنا پر اس روایت کا حصہ بنائی گئی جس کی علمی اعتبار سے کہیں بھی یقینی تصدیق نہیں ہے کفرِ ابی طالب کی بابت۔

۲۔ اس آیت کریمہ کا معنی وراثت کا لینا خود محتمل ہے کیونکہ ولایت کے اور بھی مناسب حال معانی ہیں دوستی نصرت، محبت اور اعانت وغیرہ احتمالی معنی سے کفرِ ابی طالب ثابت نہیں ہو سکتا۔

۳۔ یہ آیت اگلی آیت سے منسوخ ہے اب بھی وراثت رحمی قرابت سے منسلک ہے نہ کہ ہجرت وغیرہ سے۔

ہو۔ واضح نسخ کے بعد اس غیر متعلقہ آیت کا تعلق حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے جوڑنا نہ شرعاً جائز ہے نہ قانوناً نہ روایۃً اور نہ ہی درایۃً۔ اگر کسی کے پاس تعلق کو جوڑنے کی کوئی یقینی دلیل ہے تو لے آئے ہم جواب کے لیے ہمہ وقت حاضر ہیں۔ اس آیت کا نسخ یہ بتاتا ہے کہ آیت تکفیر ابی طالب کے بعد منسوخ ہوگئی یہ صرف ان کی تکفیر کرنے کے لیے ہی نازل ہوئی۔ (اعوذ باللہ)۔ ایسا بھونڈا مذاق اللہ تعالیٰ کی طرف سے محال ہے۔ ہاں چند اہل علم اس طرح کا مذاق اپنا ذوق سمجھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ۔)

۵۔ اس آیت سے کفر ابی طالب کا استدلال یا اس ضمن میں اسے بطور دلیل پیش کرنا انتہائی غلط ہے کسی بھی قاعدہ علم کے تحت یہ استدلال نہیں کیونکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کسی بھی طرح مصداق آیت نہیں بن سکتے۔ ابن شہاب نے یہ تصدیق کہاں سے لی ہے کہ یہ آیت کفر ابی طالب کے لیے مفید یقین اور کامل مؤثر بناڈالی؟ خصوصاً امام بخاری علیہ الرحمہ نے نجانے کس قاعدہ علم سے اس آیت کو اپنی روایت میں داخل کیا؟ صاحب مبحث نے اس کو کفر ابی طالب کے اختراعی نظریے میں دلیل بناڈالا۔ اسی کو فضول جبری تحکم کہتے ہیں۔

اہلِ علم سے ایک سوال

مسکین کا اہل علم سے یہ سوال ہے کہ جب بھی کوئی محبت والا حضرت ابوطالب کی عظمت میں ابن اسحاق سے روایت لاتا ہے جو کہ جناب عباس بن عبدالمطلب جو وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے عینی گواہ ہیں انھوں نے کلمۂ طیبہ کا ورد حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے خود سنا آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا یہ عینی شہادت ہے اس پر اہلِ علم سیخ پا ہوجاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اس روایت کی سند منقطع ہے اس میں "عن بعض اھلہ" کا جملہ اس سند کا سقم ہے کمزوری ہے۔ راویوں کی حالت غیر معلوم ہے لہٰذا یہ روایت قابلِ قبول نہیں۔ حالانکہ "عن بعض اھلہ" کے جملہ کے مصداق اہلِ بیتِ نبوت ہیں جو اہلِ علم کے ہاں نا قابل قبول ہیں یہ جملہ اور اس کے مصداق عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب کا مستقل سلسلہ روایت ہے ان سے جناب عباس بن عبداللہ تابعی مستقل طور پر روایت کرتے ہیں اس سلسلہ روایت سے کہیں بھی کلیۃً یہ سلسلہ روایت قابل اعتراض نہیں۔ اہلِ علم کو اگر اعتراض ہے تو اس سلسلے میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمت ایمان والی روایت میں ہے۔ اس دوہری منطق کی آج تک سمجھ نہیں آئی بہرحال اگر اہل علم کا یہی معیار ہے پھر صحیح بخاری کی اس روایت کو اس معیار پر کیونکر نہیں پرکھتے جس کے تمام مندرجات میں ٹکراؤ ہے خصوصاً ابن شہاب کا قول "کانوایتاولون" کا جملہ کیونکر قابل اعتراض نہیں۔ اس میں بھی وہی ابہام ہے جو "عن بعض اھلہ" میں ان کو نظر آیا۔ حالانکہ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" میں کوئی ابہام نہیں اس کی مکمل

تحقیق ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں مگر صحیح بخاری میں درج اس جملے کو اہل علم کس کھاتے میں ڈالیں گے؟ "ہمیں" کا نوا یتاولون " کے مصداق تمام افراد کا مکمل ریکارڈ پوری تفصیلات کے ساتھ درکار ہے تا کہ ہم ان افراد کی علمی اخلاقی صورت کا جائزہ لے سکیں بعد ازاں ابن شہاب کے بے سند قول پر غور کا سوچیں گے؟ مزید یہ کہ اس مکمل روایت کی سند طعن راوی کی وجہ سے اصلاً ضعیف اور مردود ہے۔

خلاصہ کلام

مذکورہ روایت بالکل بے ربط ہے سنداً بھی ضعیف مردود ہے اپنے مندرجات کے اعتبار سے متضاد ہے پہلے حصے سے دوسرے حصے کا ٹکراؤ واضح ہے۔ حصہ اول میں ایمان کی تصدیق نبوی موجود ہے جبکہ دوسرے حصے میں جو حدیث نہیں موقوف قول ہے جس کا ذمہ دار ممکنہ صورت میں دو شخصوں کو ٹھہرا گیا ہے اس میں کفر کی صراحت ہے نبی کریم ﷺ کو تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا کفر نظر نہیں آیا جو وفات ابوطالب علیہ السلام کے وقت وقوعہ کے عینی شاہد ہیں مگر شاید اسامہ بن زید کو نظر آ گیا۔ عمدۃ القاری کے حوالے سے یا امام زین العابدین کو 66 سال بعد نظر آ گیا نہ تو امام بخاری نے اسامہ بن زید کی بابت وضاحت کی ہے کہ اس قول کا اصل ماخذ کیا خود اسامہ ہیں یا ان کے اوپر کا کوئی اور راوی؟ اور نہ ہی سیدنا امام زین العابدین کی بابت وضاحت فرمائی کہ یہ قول انھوں نے امام حسین سے لیا ہے یا امام حسن سے ؟ یا اس سے اوپر مولائے کائنات سے لیا؟ یا خود رسالت پناہ عالم ﷺ سے لیا؟ یا اپنے کسی اور بزرگ سے لیا؟ اُمت کو اس قول کی مکمل علمی تاریخی حقیقت درکار ہے؟ منکرین ابی طالب کی علمی ذمہ داری ہے وہ جستجو کریں اور ہمیں آگاہ کریں۔ باقی رہا ابن شہاب کا قول جسے امام بخاری نے فرمایا کفر طالب میں بطور دلیل پیش کیا ہے یہ براہ راست فضول تر ہے۔ ابن شہاب نے اس تصور میں کہاں سے لیا ہے؟ 80 سال بعد ان پر یہ آیت القاء ہوئی ہے؟ جس چیز کا صاحب وحی ادراک نہ کر سکے وہ غالباً ابن شہاب نے کن لوگوں سے اخذ کر کے ادراک کر لیا ہے کیونکہ اگر صاحب وحی ﷺ کو ادراک ہوتا تو یقیناً وہ اس آیت کو کفر ابی طالب میں ضرور بیان فرماتے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے زندگی بھر اس مذکورہ آیت کو کفر ابی طالب میں کبھی بھی کسی سے بھی بیان نہیں فرمایا نہ اس کی کہیں کوئی علمی شہادت ملتی ہے نہ روایت۔ ہاں اہل علم کے مطابق ابن شہاب پر یہ حقیقت ضرور کھلی ہے۔ العیاذ باللہ۔

اور امام بخاری علیہ الرحمہ نے اسے اپنی روایت و کتاب کا جزو لازم سمجھ کر بیان فرمایا ہے مگر حیرت ہے صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبحث جو اس وقت فتاویٰ رضویہ کی مجوزہ انتیسویں جلد میں ہے اسے نقل فرمایا۔ نجانے کیوں؟ حالانکہ ابن شہاب کا قول مستقل روایت بخاری کا حصہ ہے شاید اس لیے کہ اس پر گرفت ہو سکتی ہے تاہم صاحب بخاری نے پورے اہتمام کے

ساتھ اس بیہودہ قول کو کفرِ ابی طالب کے ضمن میں ضرور بیان فرمایا ہے۔ ان مصنوعی تصورات کو ایک تواتر کے خلاف ناجائز استعمال کیا ہے۔ ابن شہاب نہ رسول ہیں نہ صحابی انتہائی چھوٹی عمر کے تابعی تھے۔ ستر سال بعد ان کو کس ذریعہ علم سے ادراک ہو گیا کہ یہ آیت اس اعتبار سے نازل ہوئی؟ بلکہ انھوں نے اپنے سر سے بوجھ اتار کر اگلے لوگوں پر یہ قول مڑھ دیا ہے اب وہ لوگ تمام نامعلوم ہیں اب اہلِ علم کی منصبی ذمہ داری ہے کہ ان لوگوں کو تلاش کریں پھر ان کی اصولی چھان بین کریں۔ پھر اس قول کو کفرِ ابی طالب میں استعمال کریں۔ ورنہ اہلِ علم کو کوئی حق نہیں کہ یہ روایت بطور دلیل کفرِ ابی طالب میں پیش کریں۔ کیونکہ یہ روایت سند متن بلکہ ہر اعتبار سے مردود ہے۔

قارئین محترم! یہ تھیں مردود روایات جن میں آیات قرآنی کا ناجائز استعمال ہوا۔ ان اخبار مردود کی حقیقت آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ اہل علم کے مسلم علم ہی کی روشنی میں ان کو مجروح مردود قرار دیا گیا ہے۔ اپنی ذاتی رائے سے نہیں تحقیق کا دروازہ کھلا ہے ہر اہلِ علم کو علم کی روشنی میں ہماری تردید کا علمی حق ہے۔ جواب الجواب میں ہم ہر وقت تیار ہیں۔ میں اہل محبت سے گزارش کرتا ہوں کہ جب اہلِ علم کے علم کے مطابق ان روایات کی تردید ہو چکی ہے تو آپ بھی اپنے جوش محبت سے ایسے بیہودہ دلائل کو یکسر مسترد کر دیں کیونکہ ان کی حقیقت نہیں جن دلائل کی اپنی یقینی حقیقت نہیں ان پر یقین کرنا غلط اور فضول ہے۔

فصل ثانی

وہ مردود روایات جن میں قرآنی آیات کا استعمال بھی نہیں ہوا اور ان کی سندیں بھی مجروح ہیں

وہ روایات جن میں قرآنی آیات کا استعمال بھی نہیں ہوا اور ان کی سندیں بھی مجروح ہیں

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر کرنے والوں کی تجوری میں فقط پندرہ روایات ہیں جن میں سے چار روایات کا تجزیہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے ان کے اندر قرآن مجید کی آیات کا ناجائز استعمال ہوا تھا۔ اب ان روایات کو ذکر کیا جارہا ہے جن میں آیات کا ذکر نہیں۔ اجمالاً اس باب میں ان کا ذکر ہوگا تفصیلاً ان کا ذکر الگ الگ صورت میں آگے آرہا ہے وہاں پر ملاحظہ فرمایئے

ان تمام روایات کے راوی مجروح اور مطعون ہیں جس بنا پر ان کی روایات کو مردود قرار دیا گیا ہے۔ ان میں کوئی بھی ایک ایسی روایت نہیں جو مفید یقین ہو سکے بلکہ طعن راوی کی بنا پر یہ روایات خبر واحد اور ظنیت کے مرتبے سے گر چکی ہیں۔

ا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح مسلم میں کتاب الایمان میں جس کا مختصر عنوان یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام آپ کی حفاظت فرماتے تھے اور آپ کی خاطر لوگوں سے غضبناک ہوتے تھے۔ کیا اس خدمت کی برکت سے انھیں کچھ صلہ ملے گا۔ یا آپ انھیں کوئی نفع پہنچائیں گے؟ جواباً آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ دوزخ کے نچلے طبقے میں تھے میں نے انھیں وہاں سے نکال کر سب سے اوپر لا کھڑا کیا ہے اب وہ صرف پتلی آگ میں ہیں۔ (صحیح مسلم)

جواب بعون الوہاب

اس روایت کی سند میں دو راوی مجروح ہیں۔ لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

(۱) محمد بن عبدالملک بن مروان الاموی: یہ بنوامیہ کے غنڈوں میں سے ایک غنڈہ تھا۔ علامہ ذہبی نے اسے کہا کہ اس کی مت ماری ہوئی تھی "قال ابو داؤد لم یکن بمحکم العقل"

میزان الاعتدال، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی، ۷۴۸، دار المعروف بیروت

(۲) عبدالملک بن عمیر النخعی الکوفی: امام ذہبی نے کہا کہ یہ حافظ نہ تھا اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ احمد نے کہا کہ یہ ضعیف تھا۔

حدیثیں غلط کر دیتا تھا۔ ابن معین نے کہا کہ یہ روایتیں خلط ملط کر دیتا تھا۔ (میزان الاعتدال)

نوٹ: سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے سند صحیح کے ساتھ صحیح لذاتہ حدیث مروی ہے کہ کلمۂ طیبہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ پڑھا ہے اب وجہ ضحضاح ہی نہ رہی تو روایتِ ضحضاح کی کوئی حقیقت ہی نہ رہی۔ بنابریں یہ روایت اصلاً مردود ہے۔

۲۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بارگاہ نبوت میں کسی نے عرض کی ابوطالب علیہ السلام کی بابت تو جواباً فرمایا کہ میری شفاعت سے قیامت کے دن ضحضاح میں ان کو لایا جائے گا۔ پتلی آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ جوش کھائے گا۔ (صحیح مسلم)

مختصر جواب اس روایت کی سند میں بھی دو راوی مجروح ہیں لہٰذا یہ روایت بھی مردود ہے۔

(۱) لیث بن سعد: یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ شیوخ سے سماع حدیث میں متساہل تھا غیر محتاط تھا۔

(۲) ابنِ الہاد: ابو حاتم نے کہا ابنِ الہاد "لیس بقوی" یہ قوی نہیں تھا (میزان الاعتدال)۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے ہلکا عذاب ابوطالب علیہ السلام کو ہوگا۔ ان کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے ان کا دماغ کھول اٹھے گا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث کی سند میں بھی دو راوی مجروح ہیں لہٰذا یہ روایت بھی مردود ہے۔

(۱) ابوبکر بن ابی شیبہ: ان کا پورا نام عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن شیبہ ہے۔ امام حاکم نے کہا کہ یہ متانت سے خالی تھا۔ ابوبکر بن داؤد نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال)

(۲) حماد بن سلمہ: ان کی بابت امام ذہبی نے تحقیق کی ہے اور کہا ہے ان کی کتابوں میں ملاوٹ کر دی گئی تھی۔ ابنِ ثلجی نے کہا کہ میں نے عباد بن صہیب سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حماد کا حافظہ نہیں تھا یعنی مستحضر نہیں تھا۔ ابن ابی العوجاء اس کا ربیب تھا اس نے اس کے ذخیرہ حدیث میں ملاوٹیں کر دی تھیں۔ امام سیوطی نے کہا کہ ان کا حافظہ متکلم فیہ تھا اور یہ مناکیر بھی روایت کرتا تھا۔ اسی لیے امام بخاری نے ان سے ایک بھی روایت نہیں لی۔

(میزان الاعتدال، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی، ۷۴۸، دار المعروف بیروت)

نوٹ: حضرت عبداللہ بن عباس اپنے باپ کی اس روایت میں شریک ہیں جس میں کلمۂ طیبہ پڑھے جانے کی عینی گواہی موجود ہے اب جو وجۂ عذاب ہی نہیں رہی تو عذاب کی روایت بے محل قرار پائی۔ ویسے بھی طعن راوی کی وجہ سے صحیح مسلم والی روایت صحت کی عظمت سے گر کر مردود روایات کی صف میں جا ملی ہے۔

نوٹ:۔ ان مذکورہ بالا روایات میں تخفیف عذاب کا تصور دیا گیا ہے جبکہ قرآن کریم کا قاعدہ کلیہ ہے کہ "لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ" ان کے لیے کسی بھی صورت تخفیف عذاب نہیں۔ ان روایات میں تخفیف عذاب کا عنوان ہے قرآن کریم کی آیات اس بارے قطعی ہیں اور یہ روایات ظنیت کے درجے سے بھی گر چکی ہیں کہ ان کے دو دو راوی مجروح ہیں لہٰذا یہ قرآن کریم کی قطعیت کا معارضہ نہیں سکتیں گویا ان روایات کی کوئی حقیقت ہی نہیں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر لگایا گیا کفر و شرک کا الزام نہایت بیہودہ اور جھوٹا ہے۔

۴۔ سیدنا صدیق اکبر کی طرف سے الاصابہ کی دو روایات ایک جنت کے انگور مانگنے پر جناب ابوبکر صدیق نے کہا کہ کافر کے لیے جنت کی نعمتیں حرام ہیں۔ دوسری روایت جناب ابوبکر اپنے والد گرامی جناب ابو قحافہ کو قبول اسلام کی خاطر بارگاہ نبوت میں لے جاتے ہیں ان کے قبولِ اسلام کے بعد حسرت سے کہتے کہ آقا ﷺ آج ان کے اسلام لانے کی مجھے اتنی خوشی نہیں جتنی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشی ہوتی۔ اصابہ میں ان روایات کے نقل کرنے کے بعد ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسی اصابہ میں واشگاف الفاظ میں کہا "هذه الاسناد واهية" ان کی سندیں واہی اور بیہودہ ہیں نا قابل یقین ہیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت؛ السنن الکبریٰ، ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی، دائرۃ المعارف ہند؛ شرح ابی داؤد، ابو محمد محمود بن احمد الحنفی، بدر الدین عینی، ۸۵۵ھ، مکتبۃ الرشید الریاض؛ تاریخ بغداد، ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، ۴۶۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

۵۔ اصابہ میں محمد بن کعب القرظی سے ایک طویل روایت ہے، جو تمام مردود روایات کا چربہ ہے بذات خود کوئی روایت نہیں ہے صرف مردود روایات کو ملا کر ایک روایت تشکیل دی گئی ہے۔ مجہول ترین روایت اس کی تفصیل مفصل بیان میں کر دی گئی ہے تفصیلی تجزیے میں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بارگاہ رسالت میں عرض کی آپ ﷺ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے اس پر آپ ﷺ نے غسل اور کفن دفن کا حکم دیا (السنن الکبریٰ)

جواب: مبحث شریف میں اس کی سند بیان نہیں کی گئی ہم نے تجسس کر کے اصل ماخذ تلاش کیا پوری سند کے ساتھ۔ اس حدیث کے شارح نے کھل کر کہا کہ اسکی تمام اسانید ضعیف ہیں۔ یہ حدیث بذات خود باطل ہے اور بعض منکر (شرح ابی داؤد عینی) راوی ناجیہ بن کعب مجہول ہے ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیثیں خلط ملط کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب وابن حبان مجروحین تاریخ بغداد میں ہے

ایک راوی شعیب بن ایوب: ابوداؤد نے کہا مجھے ان کی روایات لینے سے اللہ تعالیٰ کا خوف آتا ہے۔ (تاریخ بغداد) ابن حبان نے ثقات میں کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے مدلس ہے حدیث میں خطا کرتا تھا۔ بقیہ تفصیلات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۷۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے عرض کی آقا میں صلہ رحمی کرتا ہوں ہمسایوں سے احسان کرتا ہوں، یتیموں کی دیکھ بھال کرتا ہوں، مہمان نوازی کرتا ہوں یہ کام ہشام بن مغیرہ بھی کرتے تھے ان کی بابت آپ کی رائے مبارک کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس قبر والے نے کلمہ طیبہ نہیں پڑھا وہ آگ کے انگاروں میں سے ایک انگارہ ہے۔ میں نے خود اپنے چچا ابوطالب کو سب سے اونچی آگ میں پایا تو اللہ تعالیٰ نے میری عزت افزائی فرمائی میری وجہ سے انہیں اوپر کی پتلی آگ میں لاکھڑا کیا۔ یہ بات حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی گئی۔ (معجم الکبیر حدیث ۹۷۲)

جواب: اس حدیث کے دو بنیادی راوی سخت مجروح اور ضعیف ہیں بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

(۱) عبداللہ بن محمد بن عقیل: یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ ہر اعتبار سے ضعیف ہے۔ عبدالرحمٰن نے اپنے باپ کے حوالے سے کہا کہ وہ کہتے ہیں عبداللہ بن محمد بن عقیل قوی نہیں اور اس کی حدیث قابل حجت ہی نہیں۔ سفیان نے کہا کہ ابن عقیل کی قوت حافظہ میں کچھ گڑ بڑ بھی ہے میں ان سے حدیث لینے سے کراہت محسوس کرتا ہوں۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم)

ابن معین سے ایک جماعت نے روایت کیا کہ ابن عقیل بالکل ضعیف ہے۔ ابن حبان نے کہا اس کا حافظہ ردی ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں میں ان سے روایت لینے سے نفرت کرتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید نے کہا کہ ابن عقیل سے حدیث نہ لی جائے۔ (میزان الاعتدال)

یعقوب نے کہا کہ ابن عقیل کی حدیث میں شدید ضعف ہے۔ مفضل بن غسان نے کہا کہ ابن عقیل عاصم بن عبداللہ کے ساتھ ضعف میں متشابہ ہے (تہذیب الکمال)

(۲) اسماعیل بن ابان الغنوی الکوفی: یحییٰ بن معین نے اس کی تکذیب کی ہے۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ ہم نے اسے موضوع حدیث روایت کرنے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ احمد بن حنبل اور لوگوں نے بوجہ موضوع حدیث کے نقل کرنے کے چھوڑ دیا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال) ابن معین نے بھی یہی کہا کہ اسماعیل بن ابان حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

(معجم کبیر، سلیمان بن احمد بن ایوب ابوالقاسم الطبرانی ۳۶۰ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت؛ الجرح والتعدیل، ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی ۳۲۷ھ، ہندوکش دارالمعارف۔؛ میزان الاعتدال، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی ۷۴۸ھ، دارالمعروف بیروت؛ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، یوسف بن عبدالرحمٰن المزی، ۷۴۲ھ، موسسۃ الرسالہ بیروت)

فصل ثالث:

مبحث شریف میں وہ مردود روایات جن کی سند ہی کوئی نہیں

تعارف فصل ثالث

قارئین محترم! آپ پہلی روایات کی اسناد کا جائزہ فرما چکے ہیں کہ تمام اسناد کے رواۃ مجروح ہیں متکلم فیہ ہیں بعض شدید ضعیف ہیں وغیرہ اب اس فصل میں ان روایات کا ذکر ہے جن کی سند ہی کوئی نہیں۔

مبحث شریف میں بے سند روایات

۱۔ حدیث پانزدہم ابو نعیم حلیہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشیت الٰہی نے میرے چچا عباس کا مسلمان ہونا چاہا اور میری مشیت نے میرے چچا ابو طالب کا مسلمان ہونا چاہا۔ پس اللہ تعالیٰ کی مشیت غالب آگئی۔ اس روایت سے کفر ابی طالب پر استدلال کیا گیا ہے۔ صاحب مبحث شریف نے اسے ابو نعیم کے حوالہ سے نقل کیا۔

جواب: صاحب مبحث شریف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حلیہ ابو نعیم کے حوالے سے نقل کیا مسکین نے حلیہ شریف کے کئی نسخے دیکھے مگر یہ روایت نہ مل سکی۔ آخر کار میں نے فتاویٰ رضویہ شریف کی انتیسویں جلد دیکھی تو اس کا اصل ماخذ مل گیا۔ حاشیہ میں ابو نعیم کی جگہ کنز العمال دکھائی دیا۔ حدیث نمبر ۳۴۳۹۹ ہے۔ پھر میں نے اصل کنز العمال کے کئی نسخے دیکھے۔ کسی بھی نسخے میں اس روایت کی کوئی سند نہیں مل سکی۔ بار بار کوشش کے بعد کہیں بھی اس روایت کی سند نہیں ملی۔ عمر بھر تلاش جاری رہے گی۔ اگر کسی صاحب کو ملے تو مجھ مسکین پر احسان فرما دے۔ اطلاع کردے تاکہ میں اس کی سند کے رواۃ کا علمی جائزہ لے سکوں۔

۲۔ اس مبحث شریف میں کفر ابی طالب کو ثابت کرنے کے لیے ایک اور روایت کتاب الخمیس فی احوال أنفس النفیس کے حوالے سے درج کی گئی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے: حدیث کا ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے جسم پر اپنا نبوی ہاتھ پھیرا مگر پاؤں پر ہاتھ پھیرنا بھول گئے۔

بعد میں استدلال کرتے ہوئے کفر ابی طالب کا یہ جملہ جڑ دیا "ولذا ینتعل بنعلین من النار" اسی وجہ سے ان کے پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔ کیونکہ ان کے پاؤں پر نبوی ہاتھ پھیرنا نبی بھول گئے۔

جواب:۔ اس مذکورہ روایت کا میں نے بہت ساری کتب حدیث میں سراغ لگایا مگر یہ روایت کہیں بھی نہیں ملی۔ صرف اس کا بھی تراشا تاریخ کتاب الخمیس میں ملا مگر اس کی سند کہیں بھی نہیں ملی۔ نہ ہی کتاب مذکورہ میں۔

قارئین محترم! یہ تھا اہلِ علم کا تکفیری افسانہ نہ کسی پیش کردہ آیت کی دلالت قطعی ہے نہ کسی روایت کی سند صحیح بلکہ بے سند روایات بھی اس اختراعی نظریے میں موثر مانی گئیں۔ نعوذ باللہ۔ یہ حرمِ نبوت پر کائنات کا بدترین جھوٹ اور ظلم ہے۔

خلاصہ کلام

قارئین محترم! آپ نے کفر ابی طالب میں پیش کردہ آیات اور روایات کا اجمالاً علمی جائزہ ملاحظہ فرمایا۔ یقیناً آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا کفر وشرک کا بیہودہ الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ اس کی کوئی دینی علمی حقیقت نہیں۔ نہ تو کسی آیت کی دلالت کفر ابی طالب میں قطعی ہے اور نہ کسی روایت کا ثبوت قطعی ہے۔ بعض روایات ایسی ہیں جن کا مبدأ روایت ہی کوئی نہیں جیسے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کیونکہ یہ دونوں وفاتِ ابی طالب کے وقت اس مبصر محسوس وقوعہ کے وقت وہاں موجود ہی نہ تھے۔ خصوصاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو اس وقت یمن میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ وقوعہ کے دس سال بعد یہ مدینہ آئے اور پھر سیدھے خیبر چلے گئے۔ دوسیوں کے ساتھ وہاں جا کر قبول اسلام فرمایا۔ باقی تمام روایات کی اسناد ضعیف ہیں بلکہ بعض روایات کی سند ہی کوئی نہیں۔ آیات میں غور کرنے سے پتہ چلا کہ ان کا اس وقوعہ سے تعلق ہی نہیں بلکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے تو بالکل تعلق نہیں بنتا۔ رہا معاصر اہل علم کا یہ واویلا کہ مقتدر مفسرین نے اور قدآور محدثین نے ان آیات کو اس ضمن میں بیان کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی مفسر نے کسی بھی محدث نے اپنی بیان کردہ دلیل کی قطعیت پر کوئی قطعی یقینی دلیل ہی نہیں دی۔ نہ ان کے پاس کوئی مفید یقین دلیل ہے۔ آ جا کے یہی روایات ہیں ان کے بارے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ واہی روایات ہیں۔ ان سے علم یقینی قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ علم ظنی بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تمام روایات مردود ہیں۔ ان کے رواۃ مجروح ہیں ضعیف ہیں بعض متروک ہیں۔ تفصیلات ان کی آگے آ رہی ہے یہاں صرف اجمالاً عرض کیا تھا کہ عبوری خاکہ ذہن میں آ جائے۔ روایات کو آیات سے تقدیماً اس لیے بیان کیا ہے کہ یہی روایات ہیں جن کے ضمن میں آیات کو بیان کیا گیا ہے۔ انہی روایات میں آیات کا ناجائز استعمال ہوا ہے۔ اب جب روایات کی حقیقت آپ کے سامنے آ گئی تو آیات کے ناجائز استعمال کی حقیقت آپ کے سامنے خود بخود بڑی آسانی سے آ جائے گی۔ یہ تھی اجمالی تحقیق اب آپ بالتفصیل تحقیق کو مکمل استیعاب کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

باب نمبر ۳

آئینۂ حقیقت

تاجدارِ عزیمت وفضیلت سید بطحاء محسن اسلام وبانیٔ اسلام
حضرت ابوطالب علیہ السلام کی
جعلی تکفیر پر قرآن کریم کی جعلی تفسیر پر اجمالی تبصرہ

تاجدارِ عزیمت وفضیلت سید بطحاء محسنِ بانیٔ اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر پر مشتمل آیات کی جعلی تفسیر کا مختصر تحقیقی جائزہ

محسنِ ملتِ اسلامیہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر محض ایک افسانوی ڈراما ہے۔ اس ڈرامائی تکفیر کے بنیادی کرداروں کا جب علمی تعین اور تجزیہ کیا گیا تو یہ الف سے یے تک ایک مصنوعی کہانی لگی اور یقیناً ایسا ہی ہے کیونکہ پورے ذخیرۂ علم میں اس مصنوعی ڈرامے کی کوئی یقینی تصدیق کسی کے پاس نہیں۔ اس ڈرامے سے منسلک روایات میں جتنے بھی راوی ہیں کوئی ایک راوی بھی وفات ابی طالب علیہ السلام کا عینی شاہد نہیں نہ ہی کسی راوی کے پاس تفویض شدہ کوئی عینی شہادت ہے۔ نہ ہی کوئی راوی صاحبِ وحی ہے۔ نہ ہی صاحبِ وحی کی طرف سے کسی یقینی ثبوت کے ساتھ اس ضمن میں کوئی وضاحت ہے۔ نہ ہی پورے قرآن میں اس حوالے سے کوئی منصوص من اللہ وضاحت ہے۔ یہ محض بعد کے اہل علم کا ذہنی، استقرائی اور بلادلیل مخمصہ ہے تو ایسے مخمصے کا علمی مقام یہی ہے کہ اسے محض مصنوعی ڈراما کہا جائے اور بس۔

تاہم اس مصنوعی ڈرامے میں قرآن کریم کی چار آیات کا مصنوعی استعمال کیا گیا ہے لہٰذا مسکین نے چاہا کہ اس مصنوعی استعمال کی تحقیق آپ کے سامنے رکھوں۔

۱۔ جن روایات میں ان چار آیات کا مصنوعی استعمال ہوا ہے ان روایات میں کوئی ایک بھی روایت ایسی نہیں جس کی سند مفید یقین ہو بلکہ مفید ظنی بھی نہیں کیونکہ ان کی تمام اسناد میں رواۃ متکلم فیہ ہیں، مجروح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔

۲۔ بعض روایات کو خود مکفرین نے واہی اور بیہودہ کہا۔

۳۔ بعض روایات کی اسناد بھی منظر عام سے غیب ہیں۔

۴۔ ان روایات میں آیات کا استعمال قطعاً مصنوعی ہے بنا بریں یہ الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اور حرم نبوت پر براہِ راست حملہ ہے۔

تفصیل

اب آیئے ذرا تفصیل میں اُترتے ہیں:

ا۔ تاجدارِ عزیمت وفضیلت افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت اہل علم نے پورے قرآن مجید سے صرف چار آیتوں کا مصنوعی استعمال کیا ہے۔

ا۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر 26۔

"وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ"

ترجمہ:۔ کفارِ مکہ نبی سے نفرت کرتے ہوئے خود بھی ان سے دور رہتے ہیں اور لوگوں کو بھی اُن سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ا: اس آیت کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ضعیف قول کے مطابق اہل علم نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت نازل مانا ہے اور یہی مصنوعی ڈراما ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ کہ قول ابن عباس کی سند ہی صحیح نہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ آیت چار سن نبوی کے بعد نازل ہوئی۔ ابن عباس چھ سال بعد پیدا ہوئے نہ یہ وفاتِ ابی طالب کے عینی شاہد ہیں نہ نزولِ آیت کے شاہد ہیں۔ اس شانِ نزول کے بیان کرنے کے شرعاً مجاز ہی نہیں۔ حیرت ہے نزولِ آیت کے وقت جو صحابہ موجود تھے بالغ النظر بھی تھے نزولِ قرآن اُن کے سامنے ہوتا رہا کسی ایک صحابی نے بھی اس آیت کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حق میں نہیں مانا حتی کہ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں مانا حالانکہ ان کی بابت تو زبان نبوت نے مکمل وضاحت فرمادی ہے کہ پورا قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہیں۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا دعویٰ بھی ہے کہ میں پورے قرآن کی تمام آیات کی بابت جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئیں کیوں نازل ہوئیں؟ بولیے جناب کہاں گئی علوی بصیرت اس آیت کی بابت؟ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما جو وفاتِ ابی طالب کے عینی شاہد ہیں انھیں بھی اس آیت کے علم نزولی سے محروم رکھا گیا ہے۔

۲۔ نزولِ وحی کے بعد مرحلہ ہے ابلاغ وحی کا ہے۔ چونکہ نزولِ وحی مسلسل ۲۳ سال تک جاری رہا اس لیے ابلاغ وحی میں اکثر اوقات نبوی معمول یہ رہا کہ جونہی وحی نازل ہوتی صاحب وحی ﷺ اس کو پہنچاتے ہیں تاخیر نہیں فرماتے۔ فوراً اس کا ابلاغ اور تبلیغ فرمادیتے کئی سالوں کا انتظار نہیں فرماتے۔ جیسا کہ یہاں مانا گیا ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ چار سن نبوی میں سورۂ حجر نازل ہوئی اس کے فوراً بعد سورۂ انعام نازل ہوئی جناب۔ ابن عباس 10 سن نبوی میں شعب ابی طالب

میں پیدا ہوئے نزولِ آیت کے بعد قریباً چھ سال بعد سن تیرہ (13) نبوی کو ہجرت ہے۔ اب یہ عرصہ نو سال کا بنا اس عرصہ میں حضرت ابن عباس شیر خوار تھے۔ بعد ازاں آٹھ ہجری کو فتح مکہ ہوا صاحب وحی وارد مکہ ہوئے نزولِ آیت کو سترہ سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اب ایسا تو نہیں فتح مکہ کے فوراً بعد صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلا کام یہ کیا ہو کہ ابن عباس کو ان کی کم سنی میں قریباً دس گیارہ سال کی عمر میں اپنی گھریلو کمزوری سے آگاہ کیا ہو اس آیت کا مزعومہ شانِ نزول بیان فرمایا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد فتوحات کے معاملات سے نبرد آزما ہونا ایک بدیہی بات ہے اس دوران کہیں بھی ثابت نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو صاحب وحی نے اس آیت کریمہ کی بطور خاص تعلیم فرمائی ہو۔ اب فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں واپسی ہوئی۔ مزید غزوات درپیش تھے اور ریاستی اُمور مدِ نظر تھے تکمیل شریعت کے مراحل سامنے تھے قیامت تک مسلمہ اُصولوں کا تسلسل موجود تھا۔ کونسے فرصت کے لمحات ایسے تھے جن میں صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو سترہ سال پہلے ہونے والی وحی کی اس خصوصیت سے آگاہ کیا ہو کہ یہ ابوطالب کے کفر کی بابت نازل ہوئی۔ اہل علم ان لمحات کی نشاندہی فرمائیں۔ اگر کوئی مسلکی برقعہ پوش یہ کہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ فتح مکہ کے بعد نزولِ وحی مزید دو سال تک جاری رہا۔ جب اُس کا ابلاغ ہو سکتا ہے تو اس کا ابلاغ کیوں نہیں؟ جی ہاں اگر آپ کی بات مان لی جائے تو پھر شانِ نبوت پر براہِ راست اٹھارہ سال تک کتمانِ علم و وحی کا الزام آتا ہے آخر کیا حکمت تھی کہ اس آیت کا نزول نبی کریم نے تمام صحابہ بلکہ اہلبیتِ نبوت خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس بن عبدالمطلب یہ عینی شاہد تھے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عقیل بن عبدالمطلب، حضرت فضل بن عباس، حضرت اُم الفضل حضرت سیدہ زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ وحضرت فاطمہ اور دیگر اہلبیتِ نبوت صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین سے ہی راز چھپائے رکھا اور صرف اس کا اہل ابن عباس ہی کو سمجھا؟ دانستہ وحی چھپائی؟ پوری اُمت میں کسی کو بھی اٹھارہ سال تک یہ وحی اس حوالے سے نہ پہنچائی؟ حتیٰ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ بھی جو کفرابی طالب پر مشتمل روایات و آیات بیان کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ان کو بھی صاحب وحی نے یہ وحی نہیں پہنچائی حالانکہ ان کے علم میں یہ ایک نیا اضافہ تھا؟

اہل علم کی اگر مذکورہ مصنوعی ڈرامائی تفسیر قول ابن عباس کی بابت مان لی جائے تو درج ذیل شدید دینی نقصانات سامنے آتے ہیں؟

۱۔ سب سے پہلا نقصان یہ ہے کہ اس تفسیر کی بنا پر منصب نبوت براہِ راست زد میں آتا ہے کہ نبی نے وحی اٹھارہ سال تک چھپائے رکھی حالانکہ ذاتِ نبوت سے ایسا رویہ محال ہے۔ حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عباس اور اہلبیت نبوت علیہم

الرضوان کو دانستہ محروم رکھا۔

۲۔ **دوسرا دینی نقصان** یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جب زندگی بھر اس آیت کی یہ تفسیر نہیں فرمائی نہ ہی کسی دوسرے صحابی سے منقول ہے نہ ہی اہلبیتِ نبوت کے کسی فرد سے منقول ہے حتی کہ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہی سے بھی منقول نہیں تو سترہ سال بعد ایک کم سن تک یہ تفسیر کیسے پہنچائی گئی؟ کیا وقوعہ کے عینی شاہدوں پر صاحب وحی ﷺ کو یقین نہیں تھا؟

۳۔ **تیسرا دینی نقصان** یہ ہے کہ یہ مصنوعی تفسیر پورے قرآن کے تمام مضامین سے براہِ راست متصادم ہے۔ بنا بریں مسترد ہے۔

۴۔ **چوتھا دینی نقصان** یہ ہے کہ مذکورہ تفسیر مزعومہ قول کی بناء پر ایک عظیم تواتر کے خلاف ہے وہ ہے کردار سید البطحا، اور مزید بداہتِ عقل کے بھی خلاف ہے۔ کہ ایک عظیم الشان منصب کا مالک کمسنوں کو ایسی ہولناک باتیں بتائے۔

میرے ایک وقیع مطالعہ میں اور بھی بہت ساری وجوہات نقصان ہیں جن کو اگلی مجلدات میں بالتفصیل بیان کیا جائے گا تاہم اگر صرف مذکورہ وضاحت میں ہی غور کیا جائے تو یقیناً یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ڈرامائی تفسیر بے علمی نہیں۔ کیونکہ ڈرامائی الزامات میں ڈرامائی تفاسیر ہی چل سکتی ہیں علمی تفاسیر میں ایسی حماقت کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں ابن عباس کی طرف منسوب قول کی جا بجا اپنی کتاب میں وضاحت کر چکا ہوں کہ یہ ان کا قول ہی نہیں۔ تفصیلات اگلی مجلدات میں ملاحظہ فرمائیں۔ رہا حضرت ابن عباس کا ذاتی اجتہاد تو وہ قرآن کے مدمقابل قبول نہیں۔ نظم قرآن کی قطعیت کے خلاف بے سند قول کی کوئی حیثیت نہیں۔

آیت نمبر ۲ کی جعلی تفسیر

سید البطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ڈرامائی تکفیر پر مزید ایک اور ڈرامائی تفسیر ملاحظہ ہو۔ سورہ قصص کی آیت نمبر 56

"اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ"

اے حبیب آپ جسے پسند فرماتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ صحیح مسلم میں درج حدیث جناب ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا کہ کلمہ پڑھو میں آپ کی شفاعت کروں گا تو انھوں نے انکار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اس روایت میں درج الفاظ "قال قال رسول اللہ ﷺ لعمہ" یعنی حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے چچا سے۔

اب پورے جملے کا ظاہر مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ بھی جائے وقوعہ پر موجود تھے اسی لیے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔ ورنہ وہ کہتے "قال لی ، اخبرنی رسول اللہ ، یا سمعت عن رسول اللہ " وغیرہ۔ لیکن مذکورہ روایت میں ایسا نہیں بلکہ قال قال ہے اس صورت میں جناب ابوہریرہ کا وفاتِ ابی طالب کے وقت مکہ میں ہونا متوہم ہے۔ بلکہ متیقن ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ حضرت ابوہریرہ اس وقت یمن میں رہتے تھے طلوع اسلام کے بیس سال بعد وفاتِ ابی طالب کے گیارہ سال بعد اسلام لائے اس وقت کونسا ذریعہ علم ایسا تھا کہ ان کو اپنی حالت کفر میں یہ سب کچھ نظر آ گیا؟ اور وہ بھی ہزاروں میل دور یمن میں؟

اس بابت معاصر اہل علم پر چند ایک سوالات ہیں

ا۔ مذکورہ آیت کریمہ گیارہ سال تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعوذ باللہ تمام صحابہ سے حتیٰ کہ اہلبیتِ نبوت سے چھپائے رکھی اس کا اہل محل یمن کے باشندے کو ہی جا نا وہ بھی گیارہ سال بعد تک۔ حالانکہ یہ مشاہدہ زاں وقت کا تھا اور مکہ سے ہزاروں میل دور تھا۔ اور اس روایت میں ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے ہی کہہ رہے ہیں اس میں "اخبرنی، انبانی، قال لی، سمعت " کے الفاظ جو روایت کی علمی تقویم میں موزوں اور موضوع ہیں کوئی ایک بھی لفظ نہیں آیا۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ آیت کے زمانہ نزول سے سات سن ہجری تک اس کی وضاحت ابوطالب کی بابت کیوں چھپائے رکھی؟ حالانکہ زاں وقت جید صحابہ موجود تھے

۲۔ حرم نبوت کے تمام نفوسِ قدسیہ جو وفاتِ ابی طالب کے وقت وہاں موجود تھے جن میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس بن عبدالمطلب عینی شاہد تھے۔ حضرت حمزہ بن عبدالطلب، حضرت عقیل بن عبدالمطلب، حضرت فضل بن عباس، حضرت اُم الفضل حضرت سیدہ زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ و حضرت فاطمہ اور دیگر اہلبیتِ نبوت صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اور اسی کاشانہ نبوت میں قرآن نازل ہوا۔ حیرت ہے جس گھر میں قرآن نازل ہوا ان میں سے کسی ایک کو بھی اس آیت کریمہ کے مزعومہ شان نزول کا علم نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ خود صاحب وحی کو بھی اس بابت یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ آیت ابوطالب کی مذمت میں نازل ہوئی ہے۔ جبکہ یمن میں بیٹھے ہوئے شخص کو معلوم ہو گیا کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوطالب کی بابت ہوا؟ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً صاحب وحی کی نبوی ذمہ داری تھی کہ اسے پوری منصوص عظمت سے بیان فرماتے یہ حرم نبوت کا معاملہ تھا کم از کم باسیان حرم نبوت کو اس حادثہ سے ضرور آگاہ کیا جاتا۔ حرم نبوت کے کسی بھی فردِ عظمت کا اس آیت کو کفر ابی طالب میں بیان نہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آیت کا تعلق حضرت ابوطالب سے ہرگز نہیں۔ گھر میں رہنے

والے اہل خانہ کو گھر میں ہونے والے حادثے کا علم نہ ہو ہزاروں میل دور یمن میں رہنے والے کو اس حادثے کا علم ہو یہی ڈرامائی تفسیر ہے۔

نوٹ:۔ صاحب وحی ﷺ نے زندگی بھر اس آیت کو جناب ابوطالب علیہ السلام کی بابت نصاً کبھی بیان نہیں کیا بنا بریں میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں یہ سب فراڈ اور ڈراما ہے۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں قرآن کی ہر ہر آیت کی بابت جانتا ہوں کہاں نازل ہوئی؟ کیوں نازل ہوئی؟ اب میرا اہل علم سے سوال ہے کہ یہ بتائیں کہ مذکورہ آیت کی بابت زندگی بھر کبھی مولائے کائنات نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت میرے باپ کے خلاف نازل ہوئی ہے۔؟ یہاں دو ہی باتیں سامنے آتی ہیں

(۱) یا حضرت علی دانستہ اس معاملے کو دبا گئے کہ اس میں میرے باپ کی خفت ہے۔

(۲) یا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی سب کچھ اپنے خیال سے کہا ہے۔ یہ اہل علم ہی بتا سکتے ہیں حقیقت حال کیا ہے؟ یا نبی ﷺ نے شانِ نزول دبائے رکھا؟ (استغفر اللہ)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قلم دوات لے کر سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کی تفسیر کرنے اپنی پیدائش سے چھ سال پہلے پہنچ گئے مگر سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 جو ان کی پیدائش کے بعد نازل ہوئی اس کی تفسیر کرنے نہیں پہنچ پائے؟ حالانکہ حبر الامۃ آپ کا منصب ہے اس آیت کریمہ پر بھی خامہ فرسائی فرما دیتے تا کہ ابو ہریرہ کی تفسیر باوثوق ہو جاتی اور مزید اپنی والی تفسیر سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کی تفسیر باوثوق ہو جاتی حالانکہ قرآن کی تاویل کی مہارت بھی آپ کو میسر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نہ یہاں بولے ہیں نہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 جو ان کی پیدائش کے نو دس سال بعد نازل ہوئی خصوصاً غزوہ تبوک کے بعد کا نزول تو متحقق ہے وہ ۹ سن ہجری ہے اس طرح بارہ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ معاصر اہل علم ہی بتا سکتے ہیں مجھے تو یہ سب فراڈ نظر آیا ہے۔ اسی لیے میں نے اس تفسیر کا نام ڈرامائی تفسیر رکھا ہے۔ اور جس روایت میں یہ آیت مذکور ہے اس کے دو راوی مجروح ہیں۔ مزید یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا زمانۂ نزول ۹ ہجری کو ہی مانا ہے مگر اس کا مقامِ نزول عسفان مانا ہے۔ اور وہ بھی والدۂ مصطفیٰ ﷺ کو مشرک بنانے کی خاطر مانا ہے۔ العیاذ باللہ۔ دیکھیے (درمنثور سیوطی)

<u>نوٹ: یہ روایات ان بزرگوں نے بیان نہیں کیں بلکہ مخالفین نے ان کے کھاتے میں ڈال دی ہیں۔</u>

ڈرامائی تفسیر آیت نمبر 3

سورہ توبہ کی آیت نمبر 113

" مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ "

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اپنے مشرک قرابتداروں کے لیے مغفرت کی دعا کریں خصوصاً جب یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ جہنمی ہیں۔

قارئین کرام! آیت کریمہ کو ایک ڈرامائی تمثیل جو کفرِ ابی طالب پر مشتمل ہے کے تناظر میں بطور شانِ نزول بیان کر کے اس کی ڈرامائی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ تفصیلات تو آپ کتاب ہذا میں پڑھیں گے یہاں نہایت اختصار ملحوظ ہے اس آیت کو وفاتِ ابی طالب سے منسلک کیا جاتا ہے۔

نوٹ:۔ صحیح بخاری میں اس ڈرامے کے سکرپٹ کو تقریباً چھ طرق سے بیان کیا گیا ہے اور ان چھ طرق میں مذکور راویوں میں سے مجموعی طور پر کل گیارہ راوی ہیں جو متکلم فیہ ہیں مجروح ہیں اور ضعیف ہیں۔ ابن حجر کے مطابق 80 سے زائد رواۃ بخاری ضعیف ہیں۔ چلیں مجھے ان سے کیا لینا دینا میں قرآن کی ڈرامائی تفسیر کی نقاب کشائی کر رہا ہوں۔ اس تفسیر کے مفسر اول بخاری کے مطابق حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہیں۔ آیت کی ڈرامائی تفسیر میں مفسر موصوف فرماتے ہیں حضرت ابوطالب فوت ہو رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کلمہ پڑھنے کو کہا ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی نے انھیں کلمہ پڑھنے سے روکا کہ اے ابوطالب تیرا باپ دادا اس دین پر نہیں مرے تو تُو کیوں اس دین پر مرنا چاہتا ہے؟ اپنے باپ دادا کے دین پر مرو۔ چنانچہ ابوطالب نے کہا میں اپنے باپ دادا کے دین پر ہی مروں گا۔ پھر مر گئے۔ اس پر نبی علیہ السلام نے کہا میں ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ روک نہیں دیتا اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اور مزید گذشتہ آیت سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 نازل ہوئی۔ مکفرین ابی طالب کی سب سے بڑی دلیل یہ روایت ہے۔

ڈرامائی تفسیر پر نقد و تبصرہ

سب سے پہلے ہم مفسر موصوف سے عرض پرداز ہیں کہ حضور والا یہ تفسیر آپ نے کس زاویۂ علم سے کی ہے آپ کے پاس ذرائع علم تفسیر میں سے کتنے علومِ تفسیر ہیں؟

۱۔نزول آیت بالاتفاق وفاتِ ابی طالب کے بارہ سال بعد ہوا کیا آپ کے پاس اپنی تفسیر کی توثیق کے لیے کوئی اور آیت بھی ایسی ہے جس کا نزول واقعہ کے بارہ سال بعد اور اس میں طلب مغفرت سے ممانعت کا مضمون ملتا ہو؟ قیامت تک کوئی جواب نہیں۔

۲۔حضور والا واقعہ مکہ میں ہوا نزول آیت مدینہ میں ہوا وہ بھی بارہ سال بعد۔آپ نے یہ منظر مکہ میں دیکھا یا مدینہ میں دیکھا؟ حالانکہ آپ کا بیان کردہ منظر نامہ آپ نے خود سے کہیں بھی نہیں دیکھا۔ان دیکھی غیر واقعاتی حقیقت آپ نے کس شرعی حیثیت سے بیان فرمائی؟ جب آپ نے دیکھا ہی کچھ نہیں تو نزول آیت کی تفسیر اس ان دیکھے واقعہ کے ساتھ کس حیثیت سے کردی کیا وحی آپ پر نازل ہوئی؟ قیامت تک جواب نہیں۔آپ کے زمانہ کفر میں نبی آپ کو بتانے آئے؟

۳۔وفاتِ ابوطالب جب ہورہی تھی آپ کہاں تھے؟ اور آپ کی اپنے بیان کردہ دو سلطانی گواہوں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ سے اس ضمن میں کب ملاقات ہوئی؟ اور آپ نے انھیں وہاں پر بیٹھے ہوئے کیسے دیکھ لیا؟ اگر آپ وہاں موجود ہی نہیں تھے تو یہ سارا منظر نامہ آپ کو کس نے تفویض کیا؟

۴۔آپ طلوع اسلام کے 21 سال بعد ایمان لائے۔وفاتِ ابی طالب کے گیارہ سال بعد ایمان لائے۔21 سالہ کفر میں آپ کو قرآن فہمی کی لیاقت کیسے آئی؟ حالانکہ آپ قرآن سننا ہی پسند نہ کرتے تھے جب آپ قرآن فہمی کی اس وقت نہ صلاحیت رکھتے تھے نہ وہاں موجود تھے نہ ہی آپ کو کسی نے یہ سب بتایا تو پھر یہ سب آپ کس ذریعۂ علم سے بیان فرما رہے ہیں؟

نوٹ:۔بعض اہل علم یہ جواب تراشتے ہیں کہ یہ صحابی ہیں صحابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست یا بالواسطہ روایت کرسکتا ہے ارسال بھی کرسکتا ہے۔بالاتفاق کرسکتا ہے قبول ہے بالاتفاق

الجواب

شخص مذکور 21 سال تک کافر رہا اس کی حالت کفر میں وفاتِ ابی طالب ہوئی۔قرآن کا نزول صاحب قرآن پر ہوا نہ کہ مسیب پر۔حضرت مسیب اس وقت قرآن کا بھی دشمن تھا اور صاحب قرآن کا بھی۔اور یہ بھی کہتا تھا کہ نزول آیت اسی وقت ہوا جیسا کہ روایت کا مقتضیٰ ہے۔ایسی حالت میں معاصر اہل علم فرمائیں کہ اگر ایسا ہی ہوا ہے جیسا راوی کہتا ہے تو راوی جو غیر موجود تھا اس کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ اگر اہل بیت نبوت نے بتایا ہے تو یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ اہلبیت نبوت نے اس کے خلاف گواہی دی ان کی روایت میں کسی آیت کا ذکر تک نہیں بلکہ کلمہ کے ورد کا ذکر مضبوط ذرائع شہادت سے ہے عینی مشاہدہ ہے اور

اگر صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تو یہ اس سے بھی بڑا جھوٹ ہے کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ نبی اپنے اور قرآن کے دشمنوں کو اپنی گھریلو کمزوریاں بتائے۔ اور کسی کافر کو اس طرح کی روایت کرے۔ مزید یہ کہ راوی کہتا ہے کہ نزول اسی وقت ہوا جبکہ پوری اُمت کہتی ہے کہ بارہ سال بعد مدینہ میں تبوک سے واپسی پر ۹ سن ہجری کو ہوا۔ وہاں نہ ابوطالب کا تذکرہ تھا اور نہ ہی کوئی اور بات تھی۔ یہ مکمل سورہ کفار کی بدعہدیوں کی بابت بائیکاٹ کے حوالے سے نازل ہوئی یکبارگی کے ساتھ۔ بنابریں اس روایت کی صورت میں یہ شان نزول وتفسیر محض مصنوعی اور ڈرامائی ہے۔

نوٹ:۔ اس بابت حضرت علی کی طرف منسوب روایت کو خود مکفرین باطل کہتے ہیں تبصرے کی ضرورت ہی نہیں تفصیل کتاب کے اندر موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن ہیں انھوں نے بھی مذکورہ آیت کا شانِ نزول وفات ابی طالب کو بیان نہیں کیا حالانکہ یہ مسیب سے زیادہ مضبوط مفسر ہیں مجتہد بھی ہیں۔ یہ صرف مسیب ہی کی خیالی تفسیر ہے کائنات کے کسی صحابی نے نہ یہ واقعہ بیان کیا نہ اس کی یہ تفسیر وشان نزول بیان کیا ہے۔ رہا اتقان میں سیوطی علیہ الرحمہ کا یہ قول کہ بعض علماء نے اس کا نزول مکی مانا ہے یہ محض خیالی رائے ہے۔ نہ تو بعض کی امام سیوطی نشاندہی کر پائے تاکہ ان کی علمی بصیرت کا اندازہ ہو اور نہ ہی ان کی طرف سے کسی دلیل کا تذکرہ کیا تاکہ دلیل کے ثبوت ودلالت کا علمی جائزہ لے سکیں بنابریں یہ قول قابلِ اعتناء ہی نہیں۔ جب پوری اُمت نزول مدنی مانتی ہے تو مسیب اور بعض علماء کے شذوذ پر کون یقین کرے؟ مذکورہ آیت کے دیگر چودہ شانِ نزول ہیں اور ان کے مؤیدات بھی ہیں مگر پھر بھی اہل علم کے جتھے جناب ابوطالب علیہ السلام چڑھ گئے لیکن اب ایسا نہیں ہوگا کیونکہ بوطلبی بیدار ہو چکے ہیں خوب تعاقب کریں گے۔

آیت نمبر 4 کی ڈرامائی تفسیر

مذکورہ آیت سورۂ انفال کی آیت نمبر 72 ہے اس کی مصنوعی تفسیر کی بابت خود صاحب بحث مان گئے ہیں یہ روایت میں راوی کا ذاتی اضافہ ہے روایت کا حصہ ہی نہیں تبصرے کی ضرورت ہی نہیں۔

ڈرامائی تکفیر کی ڈرامائی تفسیر کا مجموعی تصور

اس ڈرامائی تکفیر کے مجموعی کرداروں پر جب غور کیا جائے گا تو تفسیر کا ڈرامائی ڈراپ سین جلد ہی آپ کو نظر آئے گا۔

ا۔ ان مذکورہ چار آیتوں میں الگ الگ راوی ہیں مگر مضمون سب کا ایک ہے وہ ہے تکفیر ابی طالب گذشتہ بیان میں ثابت ہو چکا ہے ان آیات وروایات کے اصل راویوں کے پاس نہ عینی مشاہدہ ہے اور نہ ہی کسی نے ان کو اپنا عینی مشاہدہ تفویض کیا

ہے اور نہ ان روایات و آیات کو نبی کریم ﷺ نے ان راویوں سے بیان کیا ہے پورے ذخیرۂ علم میں اس کا کہیں کوئی یقینی وجود نہیں۔ کائنات کی کسی تفسیر میں یا حدیث کی کتاب میں کوئی ایک جملہ بھی کسی یقینی ثبوت کے ساتھ میسر نہیں ہو سکا۔ جس میں بطورِ نص صاحب وحی ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ یہ آیتیں کفرابی طالب میں نازل ہوئی ہیں۔ مذکورہ راویوں میں کوئی ایک راوی بھی ایسا نہیں جو جائے روایت پر موجود ہو یا نزول آیت کے وقت مقام نزول پر موجود ہو حالانکہ یہ سب ثبوتِ الزام میں دینی اور شرعی ضرورت ہے۔ ان لوازمات کے بغیر الزام ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔ جب ایسا ہے تو بعد کے اہل علم کو کس نے حق دیا ہے کہ ان ڈرامائی روایات اور تفسیرات کو موثر دلیل بنا کر تکفیرابی طالب کا ڈرامار چائیں۔ کوئی شخص علم میں کتنا ہی مقتدر کیوں نہ ہو وہ نہ تو دلیل دین بن سکتا ہے نہ ہی دلیل شرعی۔ یہ لوگ خود محتاج دلیل ہیں خود کیسے دلیل بن سکتے ہیں۔ رہا اہل علم کا وضعی قواعد میں استقراء تو یہ استقراء خود ظنی چیز ہے ہر اہل علم کے وضعی قواعد میں استقراء دوسرے سے مختلف ہے یہ اہل علم ایک دوسرے کے استقراء کو نہیں مانتے تو میں اس ظنی صورت پر یقین کیسے کروں ہاں جس استقراء کی قوت میں مؤثر کوئی یقینی دلیل ہے تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

۲۔ معاصر اہل علم سے گزارش ہے کہ پہلے اپنے وضعی اسالیب کا تحقیقی جائزہ لیں اپنے وضعی قواعد کو یقینی دلائل سے مُبرہَن کریں بعد ازاں مجھ سے معارضۃً بات کریں۔ چند اصولی اصطلاحات کا مجھ پر رعب نہ ڈالیں۔ گھر بیٹھ کر فضول مفتی نہ بنیں میری طرح میدانِ تحقیق میں ذرا آبلہ پائی کی لذت لیں پھر سامنے آئیں میں حاضر ہوں۔

۳۔ تکفیرابی طالب علیہ السلام سے متعلق ان چار آیتوں پر مشتمل ذخیرۂ علم میں جتنے بھی مفسرین نے خامہ فرسائی کی ہے نقل روایت سے آگے نہ بڑھ سکے۔ نہ تو کسی روایت کی صحت پر کوئی مستقل یقینی دلیل دی نہ ہی ڈرامائی تفسیر کی توثیق کے لیے کوئی قطعی ثبوت مہیا کیا ہے نہ ہی مصنوعی روایات سے سقم کا ازالہ کیا بس اندھا دھند نقل سے ہی کام چلایا۔ یا اپنے سے بڑے مقتدر صاحب علم کی اندھی تقلید کو ہی کافی جانا۔ کوئی چھان بین نہیں کی تو ایسے فضول تصورِ علم کو تحقیق نہیں مانتی ثبوتِ الزام میں تو ہرگز نہیں مانتی۔ اور پھر الزام بھی حرمِ نبوت کے تقدس پر ہو تو یہ نری بیہودگی ہے۔ نہ ہی وجہ ترجیح قائم کی شانِ نزولوں کی نہ ہی دلیلِ ترجیح دی۔

۴۔ میں اہل محبت سے احتیاطی تدبیر عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ معاصر اہل علم آپ پر اپنا اور اپنے سے پہلے علمی لوگوں کا رعب ڈالیں گے کہیں گے کہ اتنے فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین کفرابی طالب پر متفق ہیں خصوصاً اہلسنت کا معروف مذہب ہی یہی ہے جیسا کہ روح المعانی میں مذکور ہے تو اہل محبت گھبرائیں نہیں۔ صرف اتنا کہہ دیں کہ ان تمام محدثین، مفسرین، مجتہدین نے مصنوعی روایات کو ہی دلیل بنایا ہے مسئلہ تکفیرابی طالب میں کسی ایک روایت کا ثبوت قطعی ثابت کر

دیں کفر ابی طالب میں اور کسی ایک آیت کی دلالت قطعی ثابت کر دیں۔ یہ معاصر اہل علم قیامت تک نہیں کر پائیں گے پھر بھی کوئی ضد کرے تو اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں میں تسلی کرادوں گا۔ ان شاء اللہ

مکفرین کا مقتدر رواۃ پر الزام

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک باطل روایت منسوب ہے اس میں صرف سورۂ توبہ کی ایک آیت نمبر 113 کا ذکر ہے وہ بھی وفات ابی طالب کے کئی روز بعد کا نزول مانا گیا ہے باقی تمام آیات سے حضرت علی کو بے خبر رکھا گیا ہے۔ یعنی دوسری کوئی آیت اس ضمن میں ان سے منسوب نہیں۔ حالانکہ حضرت علی پورے قرآن کی بابت جانتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں وقت، فلاں جگہ فلاں حوالے سے نازل ہوئی۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف صرف ایک آیت منسوب ہے۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 باقی تمام آیات سے اس مفسر قرآن کو محروم رکھا گیا حالانکہ تاویل قرآن اور تفقہ فی الدین ان کو عطا کیا گیا تھا۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صرف ایک آیت کا علم ہے اس ضمن میں سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 ہے باقی تمام آیات سے ان کو لاعلم رکھا گیا محروم رکھا گیا۔ حالانکہ کثیر الروایہ ان کا علمی تشخص ہے۔

۴۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس صرف دو آیتیں ہیں توبہ کی آیت نمبر 113 سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 باقی آیات سے ان کو نابلد رکھا گیا۔ حالانکہ یہ تمام راوی ہم عصر ہیں باہمی ملاقات بھی ہے علمی افادہ استفادہ بھی ہے بعض کا بعض سے مذکورہ روایتوں کا نہ تو باہمی تبادلۂ خیال ہوا نہ ہی کسی کے پاس کسی توثیق کا کوئی حوالہ ہے۔ یہ سب مدینے میں اکٹھے بھی رہے ہیں اس موضوع کو کبھی موضوعِ سخن نہیں بنایا تاکہ نفس مسئلہ کی تنقیح ہو سکے گویا کسی بھی اعتبار سے نہ کسی کے پاس یقینی علمی تصدیق ہے نہ تحقیق ہے تو ایسی صورت میں صرف ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ یہ ان روایات کا مذکورہ راویوں کے ساتھ کوئی یقینی علمی تعلق نہیں یہ روایات محض ان کی طرف منسوب ہیں اور غلط منسوب ہیں بنابریں اُمت اس ڈرامائی تکفیر کا فوری انکار کردے۔ جب الزام ڈرامائی تکفیر ہے تو ثبوت میں بھی ڈرامائی تفسیر ہے۔ یہ بیہودہ الزام محض محض محض کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔

باقی رہے بعد کے مقتدر اہل علم تو وہ صرف ناقل ہیں شاہد نہیں ناقل کی نقل کا کوئی یقینی اعتبار نہیں اگر معاصر اہل علم اپنے مقتدر پیشواؤں کا علمی تجمر منوانا ہی چاہتے ہیں تو اس ضمن میں نقل کر کے ان کے دلائل میں قطعیت کا زور پیدا کریں مفید یقین دلائل کی جستجو کریں تاکہ مذکورہ بیہودہ دلائل بھی مفید یقین ہو سکیں۔

مکفرین کا صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام

سید بطحاء حضرت ابو طالب کی ڈرامائی تکفیر کی بابت چار قرآنی آیات کی ڈرامائی تفسیر کی صورت میں خود صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام آتا ہے۔

ا۔ یہ چاروں آیتیں پیکر نبوت پر نازل ہوئیں اس بابت ان کی وضاحت وتفسیر کا اور شانِ نزول کے تعین کا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو ہے اور کسی کو نہیں۔ مگر ۲۳ سالوں میں ایک جملہ بھی نصاً پوری کائنات سے کوئی نہیں ثابت کر سکتا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ یہ آیات یا ان میں ایک فلاں آیت کفر ابی طالب میں نازل ہوئی۔

۲۔ چاروں راویوں نے بھی زندگی بھر کسی سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے ان آیات کا شانِ نزول زبانِ رسالت سے سنا ہے اور وہ فرما رہے ہیں کہ یہ ابو طالب کے کفر میں نازل ہوئی ہیں۔ ورنہ "اخبرنا" "انبأنا" "قال لنا" "سمعنا" وغیرہ کے الفاظ بولتے۔ رہا انکا ذاتی حوالہ کہ وہ خود سے کہہ رہے ہیں یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ قرآن مجید ان میں سے کسی پر بھی نہیں اُترا۔ اس کے علاوہ تصدیق کی اور کوئی یقینی صورت ہی نہیں آجاکے عینی مشاہدہ ہے وہ بھی ان کے پاس نہیں اور نہ ہی کسی عینی شاہد نے ان کو اپنا عینی مشاہدہ تفویض کیا ہے گویا حصولِ روایت کا کوئی یقینی ذریعۂ علم ان کے پاس نہیں تو پھر یہ درآمدی روایات کیسے تشکیل پائیں؟ ان کا یقینی ثبوت مکفرین ابی طالب کے ذمے ہے۔

۳۔ جس طرح وفائے نبی کا کردار سید بطحاء ابو طالب علیہ السلام کا ایک عظیم تواتر سے ثابت ہے اس طرح وفات کا سانحہ بھی تواتر سے ہی ثابت ہونا چاہیے کیونکہ ان کی سیرت وکردار خود معیارِ تواتر ہیں تو پھر ان کی تکفیر کے ضمن میں اترنے والی آیات کا ثبوت بھی بداہۃً متواتر ہونا چاہیے تھا نہ کہ گیارہ سال بعد یمن کا باشندہ یہ بات کرتا۔ یا 32 سال بعد حضرت مسیب بن حزن کرتے یا پیدائش سے چھ سال قبل اَن دیکھے وقوعہ کو حضرت ابن عباس بیان کرتے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ طلب مغفرت کا ناجائز کام نبی مسلسل بارہ سال کرتے رہے؟ اللہ تعالیٰ کو بھی بارہ سال بعد ہی اس کام کے عدمِ جواز پر فیصلے کا خیال آیا؟ مزید حیرت والی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکفیر ابی طالب پر مبنی چار آیات کو الگ الگ راویوں کو الگ الگ اوقات میں بیان فرمائیں۔ سورہ انعام کی آیت نمبر 26 ابن عباس کو عالم ارواح میں ہی رسول بتا رہے تھے کہ کیونکہ اس کے نزول کے وقت تو وہ پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یہ راز والی خاص بات پوری کائناتِ صحابہ سے فقط انھی کو بتائی؟ وہ بھی عالم ارواح میں کیونکہ عالم شہادت میں بتانے کا کسی کے پاس کوئی یقینی حوالہ ہے ہی نہیں۔ تو پھر لامحالہ عالم ارواح میں ہی جانا پڑے گا تا کہ کفر ابی طالب میں شک نہ رہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسے ہی سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 کا حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یمن میں ہی جا کر بتایا ہوگا ورنہ گیارہ سال تک وحی کے چھپانے کا الزام نبی علیہ السلام کو اپنے سر لینا ہوگا۔(استغفر اللہ) ایسے ہی حضرت ابن عباس والی آیت کا معاملہ ہے۔ پانچ سن نبوی میں نازل ہونے والی آیت کو سترہ سال بعد عالم شہادت میں ابن عباس کو ہی بتایا ہے اور کسی کو بھی نہیں بتایا نہ ہی کسی نے اس کا یہ شان نزول بیان کیا ہے۔ اب اس صورت میں وحی چھپانے کی مدت کا الزام سترہ سال کا دورانیہ بنتا ہے ایسے ہی مسیب بن حزن والی آیت سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کا نزول مدینہ میں ہوا بارہ سال بعد یا نبی ﷺ کے نزول آیت سے گیارہ سال پہلے بغیر نزول کے آیت مذکور مسیب بن حزن کو تھما دی تاکہ حرم نبوت کا خوب مذاق اڑایا جائے؟ ایک کافر حالت کفر میں یہ تماشا کرتا ہے یا پھر اسی آیت کو گیارہ سال تک چھپائے رکھا تاکہ نبوت پر کتمانِ علم کا الزام آسکے۔ اب اہل علم کے پاس صرف دو ہی راستے ہیں:

(۱) شانِ نبوت پر کتمانِ علم کا الزام صحیح مان لیں کہ نبی نے علم چھپایا گیارہ سال اور سترہ سال جیسا اوپر مذکور ہوا۔(استغفر اللہ)

(۲) یا مذکورہ روایات وآیات کی ڈرامائی تشکیل وتفسیر سے میری طرح جان چھڑا لیں تاکہ وقارِ نبوت بھی بحال رہے اور حرم نبوت کا تقدس بھی بحال رہے۔ اور کوئی راستہ ہی نہیں اگر ان آیات کا مصداق جناب ابوطالب ہیں تو یقیناً نبی ﷺ کتمانِ علم کے الزام کی زد میں آتے ہیں۔ حالانکہ اس بارے سخت وعید حدیث میں آئی ہے۔ جس نے کتمانِ علم کیا قیامت کے دن اس کے منہ پر آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ نبی ﷺ کی بابت کتمانِ علم کا سوچنا ہی بدترین کفر ہے۔ بروقت حق گوئی نبوی فطرت ہے۔ اب معاصر اہل علم کوئی ایک راستہ چن لیں تاکہ میں کلام کا آغاز کروں۔

ڈرامائی تکفیر میں بخاری و مسلم میں درج حضرت مسیب کی روایت کی جزوی تحقیق

ڈرامائی تفسیر میں ڈرامائی تکفیر کا ایک ڈرامائی حوالہ اس روایت کو بنایا گیا ہے یہ اہل علم کا تجاہل عارفانہ ہے۔ یا فضول جبری حکم ہے۔ بہر حال اس روایت کو تکفیر ابی طالب میں بطور موثر دلیل ماننا انتہائی ظلم ہے۔

۱۔ اولاً روایت کی سند ہی متصل نہیں۔ ثانیاً تمام طرق سے گیارہ راوی مجروح ہیں بنابریں یہ روایت مسترد ہے۔

۲۔ اس روایت میں دو آیات کا استعمال ہوا ہے اور یہ نہایت قبیح ہے کیونکہ ان آیات کا مضمون روایت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مضمون روایت وفاتِ ابوطالب کا ہے جس میں انھیں کلمے کے تکلم سے محروم رکھا گیا ہے اور دانستہ رکھا گیا ہے۔ یہی جبر ہے۔

۳۔ مذکورہ روایت کا راوی نہ جائے روایت پر موجود ہے نہ نزولِ آیت کے وقت وہاں موجود ہے۔ نہ اس وقت مسلمان ہے نہ

کسی مسلمان نے ان کو مذکورہ تشکیلی روایت بیان کی۔ روایت میں درج آیات کے نزول کے دو اعتبار قائم کیے گئے ہیں:
(۱) یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ (۲) وفات ابی طالب کے 12 برس بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ مگر ہر ایک نزول کا راوی صرف مسیب بن حزن ہے۔ یہی اس روایت کا سقم ہے۔ حالانکہ سورہ قصص بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی اس کا وفاتِ ابی طالب سے کوئی تعلق نہیں۔

زمانۂ نزول مکی مانا جائے تو اس کی صورتِ علمی کیا ہوگی؟

اگر زمانہ نزول مکی مانا جائے تو درج ذیل سقم سامنے آتے ہیں۔
پہلا سقم:۔ یہ ہے کہ وفاتِ ابوطالب دس سن نبوی کو ہوئی مذکورہ راوی اس وقت کافر بھی تھا اور صاحب قرآن کا دشمن بھی۔ نزولِ آیات حرم نبوت میں ہوئیں جبکہ یہ راوی وہاں موجود نہ تھا۔ اگر آیات مذکور کا نزول مکہ میں ہوا تو مذکورہ راوی نہ سماعِ قرآن کا اہل تھا نہ روایت قرآن کا اہل تھا اور نہ ہی فہم قرآن کی لیاقت تھی۔ بنابریں عدم اہلیت کی بنیاد پر یہ روایت مسترد ہے۔
دوسرا سقم:۔ وفاتِ ابوطالب کے عینی شاہدین میں سے کسی ایک شاہد نے بھی اُس وقت ان آیات کو اس ضمن میں اُترتا محسوس نہیں کیا نہ ہی پوری زندگی ان آیات کو اس ضمن میں کبھی بیان کیا گویا عینی شاہدوں کے مطابق وفاتِ ابوطالب پر ایسا کچھ نازل نہیں ہوا۔ بنابریں یہ روایت مسترد ہے۔
تیسرا سقم:۔ اگر کوئی یہ کہے کہ راوی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر پھر بھی کسی عینی شاہد سے سُن لیا ہوگا یا خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بتایا ہوگا کیونکہ صحابیؓ ہیں؟
جواب:۔ یہ ہے کہ یہ ہر دو اعتبار سے جھوٹ ہے بلا دلیل ہے۔ عینی شاہد مسلمان ہیں جب کہ اس وقت مسیب کافر ہیں اور طلوعِ اسلام سے مسلسل 21 سال کافر رہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان اپنے نبی کے گھر کی کمزوری نبی کے دشمن خدا کے دشمن، قرآن کے دشمن اسلام کے دشمن مسلمانوں کے دشمن کو جا کر بتائے اور اپنا پیٹ کسی دشمن کے سامنے ننگا کرے؟ آخر اس کی مجبوری کیا ہوسکتی ہے کیا کسی مسلمان پر شرعاً فرض ہے کہ وہ دشمنِ اسلام کو بانی اسلام کی گھریلو کمزوریاں بتائے۔ کیا کوئی خالص مؤمن ایسی حرکت کرسکتا ہے کہ کافروں کو حرم نبوت کے ذاتی راز بتائے۔
پہلی بات تو یہ ہے کہ جو وقوعہ مسیب نے بنایا یہ سراسر جھوٹا ہے ان کے پاس اس وقوعے کی کوئی یقینی تصدیق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس جھوٹے وقوعے سے متعلق آیات کا نزول مذکورہ اعتبار سے صراحتاً جھوٹ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو

عینی شاہدوں میں یہ بات معروف ہوتی خواہ وہ باہمی تبادلہ خیال کی صورت میں ہوتی یا کسی دوسرے مکی مسلمان جو اس وقت وفات ابی طالب کے وقت موجود نہ تھے۔ ان تک اس بات کو عینی شاہدین روایت کرتے یا خود صاحب وحی ﷺ "لتبین للناس" کے حکم کے مطابق اپنے منصبی حوالے سے آگے ابلاغ رسالت کرتے جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا چونکہ حرم نبوت میں کچھ ایسا ہوا ہی نہیں بنابریں نہ اسے کسی عینی شاہد نے بیان کیا نہ خود صاحب قرآن نے کسی مکی مسلمان سے بیان کیا۔ اہل علم کا یہ استقراء قطعاً غلط ہے کہ مسیب صحابی ہیں صحابی عادل ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اس کا قول حدیث ہی ہوتا ہے لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسیب نہ صحابی تھے اس وقت نہ مسلمان تھے بلکہ مسلسل 21 سال سے پکے کافر تھے آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ بنابریں اس روایت کا سماع اُس وقت کسی مسلمان سے یا نبی ﷺ سے مسیب کا ہو ہی نہیں سکتا جو مذکورہ سماع کا قول کرتا ہے وہ نہایت جھوٹا ہے اگر ہمتِ غیرت ہے تو اس روایت کے زمان وقت سماع کی مسیب کے حوالے سے یقینی دلیل مہیا کرے۔ قیامت تک وقت ہے۔

چوتھا سقم:۔ اس روایت میں جن آیات کا نزول مانا گیا ہے صاحب وحی نے زندگی بھر اس مجوزہ تشکیل کے ساتھ کائنات کے کسی شخص سے بطور نص صریح اس کا ذکر تک نہیں کیا کیونکہ یہ سب کچھ صراحتاً جھوٹ تھا اس لیے نبوی زبان پر نہیں آیا۔

رہی حضرت مسیب کی کہانی تو یہ خودساختہ ہے خانہ ساز ہے کیونکہ یہ بات نبوی غیرت و اخلاق کے ہی خلاف ہے کہ نبی اپنی گھریلو کمزوریاں کسی دشمن خدا، دشمن اسلام وقرآن دشمن رسول تک ایسی وضع اور جھوٹی کہانیاں سناتے۔ آخر ایسا کرنے کی نبوی ضرورت اور مجبوری کیا تھی؟ یہ ڈرامائی روایت جو حضرت مسیب کی طرف منسوب ہے انتہائی گھٹیا اور جھوٹی ہے بنابریں مسترد ہے۔

پانچواں سقم:۔ یہ ہے کہ اس روایت میں جن دو آیات کا ذکر ہے یہ دو الگ الگ سورتوں کی آیتیں ہیں پہلی آیت سورہ توبہ کی 113 ہے اور دوسری سورہ قصص کی آیت نمبر 56 ہے۔ ان ہر دو سورتوں کا نزول تھوڑا تھوڑا کر کے نہیں بلکہ یکبارگی ہوا ہے۔ اب حضرت مسیب کو اپنی تراشی ہوئی کہانی میں صرف یہی دو آیات ہی نازل ہوتی دکھائی دی ہیں؟ باقی آیات کیوں نظر نہیں آئیں؟ سورہ توبہ کی 128 آیات نظر نہیں آئیں سورہ قصص کی 87 آیات نظر کیوں نہیں آئیں؟ حالانکہ معمول نبوت یہ تھا جو سورتیں دفعتہً یکبارگی نازل ہوتیں۔ نزول سورہ کے بعد اس کی رسول اللہ ﷺ من وعن مکمل تلاوت فرماتے۔ جن سُوَرِ مقدسہ کا مضمون عوامی سطح کا ہوتا یعنی ان میں مصالح عامہ پر احکام وقصص ہوتے تو اسے مجمع عام میں بیان کیا جاتا سب حاضرین سماعت کرتے جیسا کہ ان دو سورتوں کی بابت ہوا۔ ان کو عمومیت مضمون کی بناء پر مجمع عام

میں بیان فرمایا گیا۔ حیرت ہے ان دو آیتوں کی دور رس بنے والے ایک کافر کو تو سمجھ آ گئی مگر جانثاران نبوت جو مجمع میں موجود بھی تھے کسی ایک کو بھی سمجھ نہ آسکی کہ یہ کفر ابی طالب میں نازل ہوئیں۔ یہی ڈرامائی فراڈ ہے کہ کافر قرآن سمجھ سکتے ہیں اور وقت کے مسلمان بچاروں کو قرآن سمجھ نہیں آیا؟ اس روایت میں یہی فضول جبری تحکم ہے۔

چھٹا تحکم :۔ مذکورہ روایت میں یہ آیات دس سن نبوی کو مکہ میں وفات ابی طالب کی بابت نازل ہوئیں ان کے ذریعے سے نبی علیہ السلام کو ابو طالب کے لیے مغفرت کی دعا سے روک دیا گیا۔ مگر پھر آیت توبہ اس ضمن میں بارہ سال بعد مدینہ میں نازل مانی گئی۔ جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ اب اس صورت میں دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) مکی نزول کے بعد نبی نے نزول وحی کے بعد بھی مغفرت کی دعاء جاری رکھی اور مکی نزول وحی کو نہیں مانا وحی تو ذکر مسلسل بارہ سال وحی کے خلاف چلتے رہے نعوذ باللہ۔ مذکورہ آیت سے بارہ سال بعد دوبارہ پھر اس ناجائز عمل سے نبی علیہ السلام کو روکا گیا۔ (استغفر اللہ)

(۲) اگر نزول آیات کا مکہ میں نازل ہونا نہ مانا جائے اور انکار کر دیا جائے تو مقتضائے روایت ہی فوت ہو جائے گا کیونکہ روایت کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ یہ آیات وفات ابی طالب کے ہی وقت نازل ہوئی تھیں۔ سیوطی بھی یہی کہتے ہیں۔

نوٹ :۔ مذکورہ ہر دو صورتوں میں نقصان روایت گروں کا ہی ہے پہلی صورت میں نبی علیہ السلام پر مسلسل بارہ سال تک نافرمانی کا الزام آتا ہے دوسری صورت میں یہ روایت مسیب کے ہاتھوں سے نکلتی نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس آیت کو بمعہ مکمل سورہ توبہ نبی علیہ السلام نے مجمع عام میں بیان فرمایا جس کا ہر صحابی گواہ ہے۔ حضرت مسیب کے علاوہ سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کا شان نزول ہزاروں صحابہ میں سے کسی ایک بھی صحابی نے خواہ وہ شاہدین وفات ابی طالب ہوں نہیں بیان کیا نہ روایت کیا۔ حضرت علی سے منسوب روایت کو خود منکفرین باطل کہتے ہیں حوالہ کتاب میں مذکور ہے۔ اب معاصر اہل علم ہی روایت گروں کو بچا سکتے ہیں ورنہ یہ مشکل میں پھنسے رہیں گے۔

اگر زمانۂ نزول مدنی مانا جائے تو اس کی علمی صورت کیا ہوگی؟

مکی دور نبوت کے حالات اور اس کے نفسیات مدنی حالات سے انتہائی مختلف تھے۔ بنابریں آیات قرآنیہ کا اسلوب بھی تنوع پذیر رہا۔ مدنی حالات میں غزوات فتوحات اور اسلام کا عمرانی نظام قومی و بین الاقوامی امور مزید سیاسی معاملات قرآنی آیات کا موضوع رہے۔ یہاں وفات ابی طالب کی بحث کو چھیڑا ہی نہیں گیا۔ کہ اس ضمن میں کوئی آیت نازل ہوئی ہو جاتی۔ تاہم کفار کی جانب سے جہاں جہاں بد عہدیاں رونما ہوئیں ان کا آخری حل بائیکاٹ ہی مانا گیا۔ جیسا کہ سورہ

توبہ کی آیات سے اسے صریح نصوص میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی بائیکاٹ میں ان سے ہر طرح کا بائیکاٹ کیا گیا ہے حتیٰ کہ ان کے مرنے والے کے لیے مغفرت کی دعا سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اہلِ علم سے میرا سوال یہ ہے کہ مجھے بتایا جائے کہ سید بطحا، افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کفارِ مکہ سے مل کر یا کفار میں رہ کر کونسا عہد توڑا ہے؟ کفار کی حمایت کی ہے؟ نبی علیہ السلام کی مخالفت کی ہے؟ جس بنا پر انھیں نبوی دعائے مغفرت سے محروم رکھا گیا ہے۔ چار آیتیں ان کی مذمت میں اہلِ علم نے چسپاں کر دی ہیں۔ حالانکہ سید بطحا نے عمر بھر نبی علیہ السلام سے عہدِ وفا نبھایا ہے۔ جس کا اعتراف خود نبی رحمت ﷺ نے بھی فرمایا ہے۔ اہلِ علم کو غداری اور وفاداری میں فطری فرق سمجھنا چاہیے۔

اب چلتے ہیں حضرت مسیب کی روایت میں مندرج آیات کی جانب:

ان آیات کی مکی نزولی سورتوں سے قدرے آگہی حاصل ہو چکی اب ان آیات کے مدنی نزول کی طرف آپ کو لاتے ہیں۔ اگر حسبِ روایت ان آیات کا نزول مدنی ہو جیسا کہ پوری اُمت کے اہلِ علم اس نزول پر متفق ہیں سوائے امام سیوطی علیہ الرحمہ کے بعض علماء جن کا شاید خود موصوف سیوطی کو بھی علم نہ ہو ورنہ ان کا نام ضرور لیتے تاہم الحکم للاکثر کے تحت ہم نے مان لیا کہ ان آیات کا نزول مدینہ میں ہی ہوا ہے اس پر بہت سارے علمی مؤیدات ہیں۔ جن پر اگلی مجلدات میں مکمل علمی بحث ہوگی۔ انتظار فرمائیں۔ پہلا مؤید یہ ہے کہ اس نزول کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے۔ تفسیری اثاثے میں بھی تفصیلات ہیں۔ بہر حال متفق علیہ بات یہ ہے کہ یہ آیت مدینہ میں ہی نازل ہوئی ہیں اس سورت میں اس آیت کا مصداق کسی بھی صورت حضرت ابوطالب نہیں۔

درج ذیل اُمور پر غور فرمائیں:

ا۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد جتنی آیات نازل ہوئی ہیں وہ متعلقہ حالات کو ہی بیان کرتی ہیں چونکہ وفاتِ ابی طالب کا سانحہ مدینہ میں وقوع پذیر ہی نہیں ہوا بنا بریں ان آیات کا تعلق کسی بھی اعتبار سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی معنوی ڈرامائی تکفیر سے نہیں بنتا۔ اس اعتبار سے حضرت مسیب کی طرف منسوب روایت جو بخاری و مسلم میں درج ہے اس کی مکمل چھٹی ہوگئی کیونکہ مکی حالات مدینہ کے ہنگامی حالات میں کبھی زیرِ بحث نہیں آئے۔

۲۔ مذکورہ روایت میں دو آیات کو بطورِ نص بیان کیا گیا ہے۔ قصص کی آیت نمبر 56 توبہ کی آیت نمبر 113۔ سورۂ توبہ کی آیت مدینہ میں نازل ہونے کا اتفاق ہے سورہ کے مضامین اسی کی تائید کرتے ہیں۔ جبکہ قصص کی آیت نمبر 56 یا مکمل سورہ کا نزول مدینہ میں ہرگز بنتا ہی نہیں۔ نہ مضامین کے اعتبار سے نہ محل وقوع کی حالی نفسیات کے اعتبار سے

حالانکہ حضرت مسیب نے ان کا نزول بیک وقت مانا ہے۔ یہی تضاد ہے اس روایت کے مصنوعی ڈرامائی ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت مسیب وفاتِ ابی طالب کے وقت کافر تھے قرآن فہمی تو دور کی بات ہے قرآن سننا ہی گوارہ نہ تھا۔ خود قرآن اس پر ناطق دلیل ہے۔ اگر حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کی تشکیل مدنی مانی جائے تو یہ روایت نرا فراڈ لگتی ہے۔

۳۔ اگر سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کا نزول بالاتفاق مدنی ہی مانا جائے تو ایک نیا فساد سامنے آتا ہے وہ یہ کہ قصص کی آیت کی روایت ان کی حالتِ کفر پر مبنی ہے۔ بارہ سال بعد توبہ کی آیت حالتِ اسلام پر مبنی ہے جسے مجمع عام میں سنایا گیا ہزاروں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ آیت سنی۔ نہ انھوں نے وہاں وفاتِ ابی طالب کا واقعہ بیان کیا نہ دوسری آیت قصص والی کو اس آیت کا تعلق بیان کیا۔ مسیب نے پوری اُمت سے ہٹ کر کس دلیل کے ساتھ اس آیت کا تعلق حضرت ابوطالب سے جوڑا۔ حالانکہ جس واقعہ کو وہ بیان کرتے ہیں اس واقعہ کی ان کے پاس کوئی یقینی دلیل نہیں نہ عینی مشاہدہ ہے نہ کوئی تفو یظی مشاہدہ ہے۔ اب تو بھاگنے کا راستہ ہی مزید بند ہو گیا کیونکہ حضرت مسیب جب اپنی روایت ثابت نہیں کر سکتے تو آیات کو کیسے ثابت کر پائیں گے؟ بنابریں اہل علم کو ماننا پڑے گا کہ یہ تفسیر ڈرامائی ہے۔

۴۔ حضرت مسیب نے اپنی تراشیدہ روایت میں دو سلطانی گواہ قائم کیے ہیں ان گواہوں نے نہ کبھی مکہ میں اس جھوٹے وقوعہ کی گواہی دی نہ مدینہ میں ابوجہل تو بدر میں وفاتِ ابوطالب کے چار سال بعد مارا گیا دوسرا عبداللہ بن ابی امیہ فتح مکہ سے کچھ دن پہلے اسلام لے آیا مگر اس نے بھی اس جھوٹ کو نہ کبھی مکہ میں بیان کیا نہ مدینہ میں۔ مدنی نزول آیت کے اعتبار سے حضرت مسیب کو دو مدنی گواہوں کی ضرورت ہے یہ اشتہار ہے مشتری منادی کہیں سے کوئی مدنی گواہ لا کر جناب مسیب کو پیش کر دے تاکہ ان کی روایت کے کل پرزے سیدھے ہو جائیں۔ اب تو اس مصنوعی ڈرامے کے لیے کسی کے پاس کچھ بچا ہی نہیں کہاں سے لائیں گے لہٰذا تمام اہل بیت اس ڈرامائی تکفیر کا فوراً بائیکاٹ کر دیں اسی میں اُمت کی بھلائی ہے۔ آیت توبہ کا نزول قریباً بارہ چودہ مرتبہ ہوا الگ الگ شانِ نزول کے حوالے سے کفار و مشرکین مکہ ہی اکثر مخاطب آیت بنے جبکہ افضل البشر بعد الانبیاء بالقول الغالب سیدنا ابوطالب علیہ السلام پر آج تک نہ کفر ثابت ہو سکا نہ شرک۔ تو پھر معنی آیت میں بطور مصداقِ آیت جناب ابوطالب علیہ السلام کو کس یقینی دلیل کی بناء پر شریکِ جرم کیا جاتا ہے؟ راوی نے کس روزنِ دیوار سے ان کا کفر و شرک دیکھ لیا؟ غیر محل میں کلامِ الٰہی کو نازل کر دیا جانا محال ہے تو پھر صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے ان بارہ چودہ شانِ نزولوں میں سے اپنی مبحث میں صرف سید بطحاء کو ہی نشانہ کفر و شرک پر رکھا اس بیہودہ ترجیح پر معاصر اہل علم وجہ ترجیح بھی دیں جو یقینی ہو اور دلیل ترجیح بھی دیں ورنہ فقیر کے ساتھ ہمنوائے محبت اہلبیت ہو

جائیں۔ لہٰذا تکفیر سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا مصنوعی ڈراما بند کر دیں۔ شکریہ۔

نوٹ: روایت حضرت مسیب بن حزن میں دو آیات ہیں۔ ایک سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 دوسری سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113۔ ان دونوں کے زمانہ نزول میں تقریباً تیرہ سالوں کا فاصلہ ہے۔ اب معاصر اہل علم ہی کوئی یقینی وضاحت فرمائیں کہ جناب حضرت مسیب نے اتنے طویل عرصے کو یکجا، یک وقتی نزول کی عظمت کیسے بخشی؟ مکی زندگی میں تیرہ سال بعد نازل ہونے والی آیت کو نزول آیت سے تیرہ سال پہلے کیسے معلوم کر لیا؟ یا حالت کفر میں قرآن فہمی کا ملکہ کیسے حاصل کر لیا؟ حالانکہ اس وقت قرآن سننا ہی گوارا نہیں کرتے تھے۔ تیرہ سالہ دوریاں زمانہ کے اعتبار سے اور پھر مکہ مدینہ کے چار سو سے زائد میلوں کا فاصلہ یک لخت کیسے طے فرما لیا؟ مکہ و مدینہ کے قلابے بھی ملا دیے اور تیرہ سال کے طویل عرصے کے فاصلے بھی مٹا دیے وہ بھی حالتِ کفر میں؟

معاصر اہل علم مہربانی فرما کر اپنے وضعی اختراعی نظریے کی حفاظت میں مسکین کو کسی یقینی دلیل سے اس بابت ضرور آگاہ فرمائیں۔ مہربانی۔

باب چہارم:

مقدمہ

ایک تلخ حقیقت

اہلِ علم کا فضول جبری تحکّم

تعارف باب چہارم

یہ باب یعنی مقدمہ، ایک تلخ حقیقت، اہلِ علم کا جبری تحکّم

تین درج ذیل فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول:

مقدمۃ الکتاب، اہل علم کا فضول جبری تحکم اور حرمتِ ابوطالب علیہ السلام

فصل ثانی:

خطبۃ الکتاب

فصل ثالث:

فقیہانِ حرم سے ایک طالب علم کے 21 سوالات؟

فصل اول:

ایک تلخ حقیقت

ایک تلخ حقیقت

قارئین محترم تقدیماً چند معروضات حاضر خدمت ہیں:

سید بطحا، رئیس مکہ بلکہ پناہ گاہِ پیکرِ نبوت حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی بابت کتاب ہذا کو ترتیب دیا گیا ہے خصوصاً ان پر لگائے گئے کفر و شرک کے جھوٹے الزام کا علمی اور تحقیقی محاسبہ کیا گیا ہے۔ اس دوران جو حقائق سامنے آئے انتہائی حیران کن تھے اور ثبوت الزام میں پیش کیے گئے دلائل انتہائی مضحکہ خیز تھے۔ الزام بدترین اور دلائل ناقص ترین ہیں بلکہ بے ہودہ ترین ہیں۔ جتنی آیات پیش کی گئیں کسی بھی آیت کریمہ کی حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت دلالت قطعی نہیں بلکہ ظنی بھی نہیں تھی اور جتنی بھی روایات پیش کی گئیں کسی ایک کا بھی ثبوت یقینی اور قطعی نہیں بعض روایات بالکل بے اصل، بعض ضعیف، بعض تو نری بے ہودگی پر مبنی تھیں۔ شرم آتی ہے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے مگر علمی مجبوری ہے۔ مردود، مصنوعی اور واہی روایات سے تکفیری افسانہ تراشا گیا جو انتہائی افسوس ناک ہے۔

(۱) صحیح بخاری و مسلم کی روایت جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بڑے طمطراق اور اعتماد سے پیش کی جاتی ہے مسکین نے جب اس کے پس منظر اور پیش منظر کے اعتبار سے علمی جائزہ لیا تو اس روایت کی کہیں سے بھی کوئی یقینی اصل نہیں ملی۔ اس روایت کے سرچشمہ علم کے اعتبار سے کوئی بھی ذریعہ علم ایسا نہیں ملا جس پر یقینی اعتماد کیا جا سکے کہ اس روایت کی کوئی دینی، علمی اور یقینی حقیقت ہے۔ اس روایت کا راوی طلوع اسلام کے 21 سال بعد اسلام لاتا ہے اور اپنے اسلام لانے سے 11 سال پہلے کا ایک وقوعہ بیان کرتا ہے۔ جس کا نہ یہ عینی شاہد ہے نہ ہی کسی نے اسے اپنی عینی شہادت تفویض کی۔ نہ اس کے پاس وحی آئی۔ نہ ہی صاحب وحی ﷺ نے اسے بالتفصیل یہ وقوعہ بیان کیا اور نہ ہی انھوں نے صاحب وحی سے براہ راست یہ سب سماع کیا۔ کیونکہ اس کا کہیں بھی کسی کے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں۔ مزید ظلم یہ کیا گیا کہ اس روایت پر قرآن کریم کی دو آیات کا ناجائز اور بلا دلیل قطعی استعمال کیا گیا۔ جب روایت کی اپنی ذاتی یقینی کوئی اصل نہیں تو اس میں آیات کہاں سے گھسیڑ دی گئیں ستم بالا ستم یہ کہ اس بے ہودہ روایت کو بلا دلیل صحت صحیح کا درجہ دیا گیا نعوذ باللہ یہ سب سے بڑا شرمناک معاملہ ہے تفصیلات کتاب ہذا کے اندر موجود ہیں۔

(۲) اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لائی گئی اس میں بھی سورہ قصص کی ایک آیت کا ناجائز استعمال کیا گیا یہ روایت تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی زیادہ سطحی ہے۔ کیونکہ حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وفات ابی طالب علیہ السلام کے وقت یمن میں زندگی گزار رہے تھے اُن تک وفات ابی طالب علیہ السلام کی صورتِ حال کس ذریعۂ علم سے پہنچی؟ کسی کے پاس اس کا کوئی قطعی یقینی ثبوت نہیں۔ رہا اُن روایات کا معاملہ کہ ان میں قرآن کریم کی دو آیات یعنی سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 سورہ قصص کی آیت نمبر 56 کا مسلسل در آمدی استعمال ہے۔ تو ان کے بارے میں اتنا عرض ہے حقیقت یہ ہے کہ اس معنی میں ان کی کوئی حقیقت نہیں نہ ہی کسی کے پاس کوئی یقینی دلیل ہے کہ یہ جناب ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ جن روایات کے ضمن میں ان کو لکھا جاتا ہے یا بیان کیا جاتا ہے جب ان کی اپنی کوئی علمی یقینی اصل نہیں تو ان آیات کی ابوطالب علیہ السلام کی بابت اصل کیا ہو سکتی ہے؟ حضرت مسیب بن حزن کی روایت کے طرق میں گیارہ راوی مجروح اور متکلم فیہ ہیں جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے دو راوی مجروح اور ضعیف ہیں بنابریں یہ روایات سند کے اعتبار سے مردود ہیں متن ویسے ہی واہی ہے بے اصل ہے۔

رہا اہل علم کا انھیں استعمال کرنا بیان کرنا یہ بلا دلیل ہے اور بلا دلیل دعویٰ باطل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاری و مسلم علیہما الرحمہ کے پاس بھی ان روایات کی صحت کی کوئی دلیل نہیں بلکہ صاحبِ بخاری نے تو اپنی شرائط کو توڑ کر اس روایت کو اپنی کتاب میں متعدد بار تحریر فرمایا ہے۔ کسی بھی جگہ اس کی سند کا اتصال نہیں بیان کیا تبھی تو اہل علم نے اس پر مرسل کا حکم لگایا ہے بنابریں یہ روایات قابل اعتماد ہی اور مفید یقین نہیں۔

اہلِ علم کا جبری تحکم

اہل علم ان ہر دو بیہودہ روایات میں مندرج آیات کو لے کر اہل محبت پر جبری علمی تسلط قائم کرتے ہیں اور اپنا علمی رعب ڈالتے ہیں مگر ان روایات کے مفیدِ یقین ہونے کی نہ دلیل دیتے ہیں نہ ہی ان کی قطعیت کا قول کرتے ہیں مگر ان بیہودہ روایات کو آڑ بنا کر کفر ابی طالب علیہ السلام کے عقیدے کا یقین دلاتے ہیں۔ دلائل غیر یقینی لیکن مطالبہ یقین کا کیا جاتا ہے۔ یہی جبری تحکم ہے۔

اہل علم کا ژولیدہ تسامح

اہل علم کے سامنے سیدنا عباس بن عبد المطلب علیہما السلام والی عینی مشاہدے پر مبنی روایت جس میں کلمہ شہادت کا مستقل حوالہ ہے کہ سیدِ بطحاء ابوطالب علیہ السلام نے یہ کلمہ بوقت وفات پڑھا ہے رکھی جاتی ہے تو فوراً سیخ پا ہو جاتے ہیں اور اس روایت کی سند میں عَنْ بَعضِ اَھلِہ کے جملے سے وہم میں پڑ جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت اس بنا پر منقطع ہے۔

جناب! یہ روایت منقطع نہیں بلکہ صحیح لذاتہ ہے عینی مشاہدے پر مبنی ہے۔ عن بعض اہلہ کے مصداق اہلِ بیت نبوت ہیں معاملہ بھی اہلِ بیتِ نبوت کا ہے مکہ یا مضافات مکہ کے کسی گمنام گوشے میں رہنے والے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا نہیں اور نہ ہی ہزاروں میل دور یمن کے رہنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان کو کہاں سے وحی ہوئی کہ کاشانۂ نبوت میں کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ نہ ہی ان کے پاس نبوی وضاحت ہے۔ بلکہ یہ خود اس وقت حالت کفر میں تھے سات ہجری کو اسلام لائے۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ آٹھ ہجری کو اسلام لائے۔

اہلِ علم کا ایک سطحی معارضہ

اہلِ علم معارضۃً کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ والی روایت کے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی راوی ہیں اور وہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود نہیں تھے کیونکہ وہ ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے لہٰذا یہ حدیث غیر صحیح ہے۔

عالیجناب! ایسا ہی ہے مگر یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب نہیں بلکہ خود حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہم السلام کی طرف منسوب ہے وہ وہاں موجود بھی تھے اور عینی شاہد بھی اور اہلبیتِ نبوت کے فردِ عظیم بھی اور یہ روایت کاشانۂ نبوت میں معروف بھی تھی۔ اسی تسلسل کے ساتھ عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب علیہم السلام تک پہنچی۔ اہلِ علم کا معارضہ ختم ہو گیا۔ مزید تحقیق آگے کتاب میں موجود ہے۔

اہلِ علم پر مسکین فریدی کا معارضہ

اہلِ علم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عدم موجودگی کو اپنے حق میں نعمت جانا اور خوش فہمی کا شکار ہو گئے۔ حدیث حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو رد کرنے کے حوالے سے مگر ان کو یہ یاد نہیں رہا کہ حدیث حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ جو بخاری و مسلم میں درج ہے جس کو منکرین ابی طالب علیہ السلام بڑی شان سے کفر ابی طالب علیہ السلام میں استعمال کرتے ہیں اس کا اصل راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نہ وفاتِ ابی طالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود تھا اور نہ ہی اس وقت مسلمان تھا۔ طلوعِ اسلام کے 21 سال بعد اسلام لایا۔ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام سن 10 نبوی کو ہوئی۔ اس کے گیارہ سال بعد ان کا اسلام ثابت ہے۔ ایسے ہی صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اسی مضمون پر مشتمل روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت مکہ میں تھے ہی نہیں بلکہ یمن میں زندگی بسر کر رہے تھے اور نہ ہی یہ اس وقت مسلمان تھے۔ وقوعہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام مُبصر محسوس تھا اس کے لیے عینی

شہادت ضروری تھی اور نبوی وضاحت ضروری تھی۔ علاوہ ازیں شہادت علی الشہادت ضروری تھی مگران ہر دوراویان کے پاس ان کے حقائق سے متعلق کچھ بھی نہیں تھا حتی کہ یہ دونوں اس وقت مسلمان بھی نہیں تھے۔ اب اہلِ علم کا منصبی فرض ہے کہ وہ وفات ابی طالب علیہ السلام کے وقت ان کا وہاں موجود ہونا بھی ثابت کریں اور ان کا مسلمان ہونا بھی۔ قیامت تک وقت دیا جاتا ہے۔ ان کے مدِ مقابل جناب سیدنا حضرت عباس بن عبد المطلب علیہما السلام کی ذات والا صفات ہے۔ ان کا قدیم الاسلام ہونا بھی واضح ہے اور وقوعہ کا عینی شاہد ہونا بھی واضح تر ہے۔ پھر ان کا شخصی تقدس ان ہر دو راویوں سے کہیں بلند و بالاتر ہے۔

ہاں جبری تحکّم اور بات ہے مگر تحقیق ایسی عصبیت قبول نہیں کرتی ہاں اگر اہلِ علم حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانے میں اور ثابت کرنے میں تل چکے ہیں تو پھر ہمت کر کے اپنے دیے گئے دلائل میں قطعیت تو پیدا کریں کیونکہ انھی علم والوں نے یہ قاعدہ وضع کیا ہے کہ ثبوتِ عیب اور الزام کو ثابت کرنے کے لیے قطعی اور یقینی دلائل ہی قابلِ قبول ہیں۔ ظنی دلائل سے نہ عیب ثابت ہوتا ہے نہ ہی الزام ثابت ہوتا ہے۔ نجانے اپنے طے شدہ ضابطے کے خلاف اہل علم نے کس مجبوری کے تحت یہ اقدام کرلیا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر کر ڈالی جو کسی بھی طرح برداشت نہیں۔ یا تو اس بابت قطعی دلائل مہیا کریں یا تکفیرِ ابی طالب علیہ السلام سے توبہ کریں۔ کیونکہ یہ کام قلبِ نبوت کی اذیت کا باعث ہے۔ اس لیے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ "اَلْعَمُّ صِنْوُ اَبِیْ" چچا بھی باپ کی طرح قابلِ احترام ہوتا ہے جو ذاتِ نبوت کے لیے قابلِ احترام ہو اس کی تکفیر کرنا بدترین جرم ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اُمت اس محسن ملتِ اسلامیہ کی عظمتوں کے گن گاتی ان کے تقدس کے زمزمے بولتی ان کے احسانات کی ممنونِ احسان رہتی مگر ہائے افسوس کہ اُمت نے اس نفسِ محترم کے تقدس کو پامال کرنا شروع کر دیا اور ان کی عظیم قدروں کا بے دریغ قتل کیا۔ ان کی نیک تمناؤں کا قتل کیا۔ ان کی عظیم وفاؤں کا قتل کیا پھر اس جبر و استبداد کو اپنے مذہب کا معروف ٹائٹل قرار دیا (العیاذ باللہ) میری اس تلخ نوائی پر بہت سی طبیعتیں انقباض کا شکار ہوں گی مگر میرے لیے حرمِ نبوت کا تقدس ان نازنین طبائع سے زیادہ محترم ہے۔ مجھے ان نازنینوں کی نہ پہلے کبھی پرواہ رہی نہ اب ہے۔ تحقیق کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں دلیل کی قوت کو مانتا ہوں شخصیت پرستی سے نفرت ہے۔

ہاں اہل علم کا احترام میرا خمیر ہے میرا وظیفہ ہے۔ اس عنوان میں کائنات کا کوئی بھی صاحبِ علم میرا فریق نہیں اور نہ ہی میں کسی کا فریق بننا پسند کرتا ہوں۔ میری ساری گفتگو کا مرکز و محور مجوزہ دلائل ہیں میں نے اُن دلائل کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ میرا علمی حق ہے۔ جس موقف کے دلائل میں جان ہی نہ ہو اس موقف کو قبول کرنا ایک ناتواں تحقیق کے طالب علم کے لیے ناممکن ہے۔

یہاں معاملہ حرمِ نبوت کا ہے کسی بھی علمی شخصیت کا تبحرِ علمی اور روحانی تقدس بعد میں ہے۔ حرمِ نبوت کا تقدس پہلے ہے کیونکہ یہ منصوص من اللہ ہے۔ کائنات کا بڑے سے بڑا عالم علم میں ضرور یگانہ روزگار ہو سکتا ہے مگر دلیل دین نہیں بن سکتا کیونکہ وہ خود محتاج دلیل ہے۔ اس لیے مجھے یہ نہ کہا جائے کہ فلاں اتنا بڑا عالم فاضل فقیہہ ہے محدث ہے، مجدد ہے تم ان کے مقابلے میں کون ہو؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ میں کسی بھی مقتدر علمی شخصیت کا مدِ مقابل نہیں بلکہ خوشہ چین ہوں مگر عظمت دلیل پر یقین کرنا میری علمی تحقیقی مجبوری ہے اگر کسی کے من میں مجھ سے الجھنے کا شوق انگڑائی لے تو بسم اللہ۔ علمی میدان بھی حاضر ہے۔ فقیر مسکین بھی حاضر ہے۔ مگر علم کی زبان میں کسی فحش گو کے لیے نہ میرے پاس وقت ہے نہ میں اسے منہ لگانا پسند کرتا ہوں۔ خصوصاً مسلکی برقعہ پوش مجھ سے دور رہیں شکریہ۔

میں اپنی پوری کتاب میں ایک بات کو دوہرا رہا ہوں کہ کفر ابی طالب علیہ السلام میں دیے گئے دلائل مفید یقین نہیں نہ دلائل ثبوتیہ تو میں کفر ابوطالب علیہ السلام کا کیونکر یقین کروں اور نہ ہی کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ اگر اہل علم نے کفر ابوطالب علیہ السلام کے عقیدے کو کہیں باور کرانا ہی ہے تو ان کی منصبی ذمہ داری ہے کہ وہ سنجیدگی سے دیے گئے دلائل میں قطعیت کا رنگ پیدا کریں ورنہ چپ سادھ کے گھر بیٹھ جائیں۔ تحقیق کی سنگلاخ وادیوں میں کہیں آبلہ پا نہ ہو جائیں۔ مسکین کا یہ کام بارہ (۱۲) مجلدات پر محیط ہے یہ پہلا حصہ بطور ٹیسٹ کیس پیش کیا ہے۔ تاکہ جان پاؤں اہلِ علم کے پاس اس کا معقول علمی جواب کیا ہے؟ اگر تو بار دیگر بھی یہی دلائل سامنے آئے تو یقیناً قابلِ التفات ہی نہیں ہوں گے کیونکہ مسکین نے انہیں ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔ اگر اہلِ علم کے خزانہ علم میں کوئی مزید اور نئے دلائل ہوئے تو جواب الجواب پر مسکین بہرحال حاضر ہے۔ پابند ہے مگر متانت پہلی شرط ہوگی۔ معاملہ اعتقاد کا ہے بنابریں گفتگو قطعیات کی روشنی میں ہوگی۔ آیت وہی قابل قبول ہوگی جس کی دلالت کفر ابی طالب علیہ السلام میں قطعی ہو۔ روایت وہی قابلِ قبول ہوگی جس کا ثبوت یقینی اور قطعی ہو۔ اخبار احاد سے گفتگو نہیں کی جائے گی۔ بے سند اور واہی روایات کو سنا ہی نہیں جائے گا جس معاصر اہل علم کے پاس مطلوبہ دلائل کا سرمایہ ہوگا وہ مسکین کے ساتھ گفتگو کرنے کا مجاز ہوگا۔

ضحضاح (پتلی آگ) والی روایات

۱۔ عموماً ان روایات کا بڑا شور مچایا جاتا ہے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو آگ کی جوتیاں پہنائی جاتی ہیں یہ سراسر لغو ہے اور بیہودگی ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ سے یہ بات محال ہے کہ وہ بے محل کلام فرمائیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام محل

فضحاح ہی نہیں رہے اُن پر کلمہ نہ پڑھنے کا الزام قطعاً غلط ہے جھوٹا ہے تو پھر ضحضاح (پتلی آگ) یا آگ کے جوتے پہنانے کا کیا مطلب؟

۲۔ ان روایات کی سند میں بہت سارے راوی مجروح ہیں متکلم فیہ ہیں سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی وفاؤں کے عظیم تواتر سے معارضہ نہیں کر سکتیں۔ رسولِ دو عالم ﷺ اور سید بطحا علیہ السلام کی باہمی محبت اور ان کے باہمی اعتماد کے تواتر کے سامنے ان روایات کی کوئی حقیقت وحیثیت نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس روایت میں کلمہ نہ پڑھنے کا فسانہ تراشا گیا ہے وہ روایت اصلاً مردود ہے کیونکہ اس کے راوی بوقت تحمل روایت بوقت وفاتِ ابوطالب علیہ السلام نہ ان کے قریب تھے اور نہ ہی مسلمان تھے نہ یہ صاحبِ وحی تھے اور نہ ہی انہیں صاحبِ وحی ﷺ نے مذکورہ واقعہ کی کوئی خبر دی۔ اس روایت کے حصول کے ذرائع علم ہی مخدوش اور معدوم ہیں اور نہ ہی یہ روایت مفیدِ یقین ہو سکتی ہے۔ اب جب وجہ ضحضاح ہی نہیں رہی تو ضحضاح کا یقین کیونکر کیا جائے۔

عظمتِ یقینِ ابی طالب علیہ السلام کی عینی شہادت

سید بطحا و رئیس مکہ ماوئ پیکرِ نبوت حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان پر دلیل طلب کرنا فرسودہ خیالی ہے۔ ان کی پیکرِ نبوت سے روشن محبتیں بلا دلیل عظیم حقیقت یقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر کامل اعتماد ایک اضافی شان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ان پر کامل اعتماد ان کی عظمتِ یقین کا سورج سے بھی زیادہ روشن باب ہے اور یہ عظمتیں صرف متواتر ہی نہیں بلکہ عظمتِ تواتر ہیں تاہم ایک عظیم عینی شہادت ہے سیدنا عباس کے حوالے سے کہا اُنھوں نے کلمۂ شہادت کا تکلم کرتے ہوئے سیدِ بطحاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس پر اہلِ علم اُن پر الزام لگا کر اس روایت کا انکار کر دیتے ہیں کہ اس وقت یہ مسلمان نہیں تھے وغیرہ۔ عالی جناب! یہ اہلِ علم کا وہم ہے اور ذاتی اختراع ہے بلا دلیل ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے ان کا مکمل ریکارڈ کتاب ہذا میں موجود ہے۔ میرا کائنات بھر کے اہلِ علم سے سوال ہے خصوصاً معاصر اہلِ علم سے جو کفرِ ابی طالب علیہ السلام کا عقیدہ رکھتے ہیں ذرا بتایئے تو سہی کہ جو روایات کفرِ ابی طالب علیہ السلام میں اہلِ علم پیش کرتے ہیں اور ساتھ آیات بھی ملاتے ہیں۔ ذرا ان روایات کے بنیادی راویوں کا بھی ریکارڈ چیک کر کے دیکھ لیں یہ وفاتِ ابی طالب علیہ السلام کے وقت مسلمان تھے؟ نہیں بلکہ کافر تھے گیارہ سال بعد ان کا ایمان ثابت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا دس سال بعد ثابت ہے جبکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ایمان تو ان سے سالوں پہلے کا ثابت ہے۔ اپنے ضمیر سے انصاف کا فیصلہ لیجیے۔

اہلِ علم کا دوہرا معیار

اہل علم کو جب حسب ذوق کوئی حوالہ ملے تو فوراً اسے شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے خواہ وہ حوالہ اپنی سطحیت میں کتنا ہی گراہوا ہو۔ انھیں کوئی بھی اپنا بنایا ہوا معیار نظر نہیں آتا اور اگر کوئی حوالہ اپنے وضعی ذوق کے مطابق نہ ہو تو اس کا پوری جارحیت کے ساتھ انکار کیا جاتا ہے خواہ وہ حوالہ کتنا ہی بلند ہو۔ اہلِ علم کے اس دوہرے معیار پر قربان جائیں جب ان کا مبلغ علم اپنی انتہاء کو پہنچے فریق مخالف کے ساتھ بے بس ہوں تو جبری تحکّم شروع کر دیتے ہیں اور کچھ نہ بن پڑے تو فریق مخالف پر الزام لگانا شروع کر دیتے ہیں کہ شیعہ ہے رافضی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے مسئلہ میں ہوا۔ درج ذیل اس کی صورتیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ کفر اور شرک کائنات کا بدترین الزام اور جرم ہے اس کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس قطعی اور یقینی دلائل درکار ہیں اور یہ الزام کائنات کی عظیم ترین ذات پر ہے اور جواب میں ہمیں مردود روایات تھما دی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ آیات کو بھی نتھی کر دیا جاتا ہے۔ جب ان کے لگائے گئے الزام کے جواب میں صحیح روایات پیش کی جاتی ہیں کہ یہ عینی مشاہدہ ہیں تو جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ اس کا راوی بوقت تحمل روایت مسلمان نہیں تھا۔

پھر ہم جواباً کہتے ہیں کہ عالی جناب آپ کی پیش کردہ مردود روایات کے راوی بھی تحمل روایت کے وقت مسلمان نہ تھے بلکہ کافر تھے۔ ایک گیارہ سال بعد مسلمان ہوئے (مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ) اور دوسرے دس سال بعد مسلمان ہوئے (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ)۔

پھر غصے میں بھرائی آواز نکالتے ہیں کہ اصل اعتماد ادائے روایت کا ہے۔

پھر ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ ادائے روایت میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی مسلمان تھے بلکہ عظمت اسلام تھے ان کی محبت کے بغیر تو کسی کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہوسکتا۔

پھر ہمیں ڈانٹ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت متصل نہیں منقطع ہے۔

ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ عن بعض اھلہ کا جملہ باعثِ انقطاع نہیں بلکہ مستقل مسلسل سلسلۂ روایت ہے کبھی بھی قابلِ اعتراض نہیں رہا۔ کیونکہ اس کے مصداق سارے دار الفقہاء کے فقیہہ حضرات ہیں۔ جن میں عبداللہ بن معبد بن عباس ہیں عبداللہ بن عباس ہیں ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب علیہم الرضوان ہیں اور یہ تمام کاشانہ نبوت کے نفوسِ قدسیہ ہیں اور عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس تابعی آخری راوی جناب عباس اول راوی ہیں۔ حبر الامہ

عبداللہ بن عباس اس روایت میں شامل عظمت ہیں اور تمام ثقہ ہیں۔ تو اس پر اہلِ علم سیخ پا ہو جاتے ہیں غضبناک ہو کر فرماتے ہیں کہ یہ شیعہ کی روایت ہے۔ عالی جناب فرمایئے ان راویوں میں سے کونسا راوی شیعہ ہے۔ محمد بن اسحاق صاحب سیرت ابن اسحاق یا عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن معبد ابراہیم بن عبداللہ بن معبد۔ فرمایئے کس کو آپ شیعہ کہیں گے؟ یہ سب اہلِ بیت نبوت ہیں اگر اہل بیت نبوت شیعہ ہیں تو پھر کائنات میں سنی کہیں بھی نہیں ملے گا۔

اب اہلِ علم کی سانسیں پھولنا شروع ہو جاتی ہیں۔ سکتے کی حالت میں بولتے ہیں اوے بے وقوف دراصل اس روایت کا ایک راوی عبداللہ بن عباس ہے وہ وقت وفاتِ ابی طالب علیہ السلام وہاں موجود نہیں تھا بلکہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس لیے یہ روایت قبول نہیں۔

عالی جناب! ایسا ہی ہے مگر آپ کی روایات جو کفرِ ابی طالب علیہ السلام میں مؤثر مانی گئی ہیں ان کے اصل راوی بھی تو وہاں موجود نہیں تھے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نجانے مکہ یا مضافات مکہ کے کسی گمنام گوشے میں تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مکہ سے ہزاروں میل دور یمن میں اس وقت افلاس کی پُر خار وادیوں کو عبور کر رہے تھے۔ اگر عینی شہادت والی روایت قبول نہیں تو یہ مردود روایات جن کا حقیقت اور مشاہدہ راوی سے کوئی تعلق نہیں بولیے یہ بیہودہ روایات کیسے قبول کی جائیں؟ جب اہلِ علم بے بس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں اوں ہوں یہ ہرگز قبول نہیں۔ کیونکہ اس سے شیعہ ایمان ابی طالب علیہ السلام کا استدلال کرتے ہیں لہٰذا قابلِ قبول ہی نہیں۔ عالی جناب اگر یہی آپ کا معیارِ علم اور مبلغ علم ہے تو معارضۃً کہیں گے کہ شیعہ کعبہ کی طرف منہ کر کے بھی نماز پڑھتے ہیں آپ قبلہ بدل لیں۔ ہم اس روایت سے استدلال چھوڑ دیں گے۔ اہلِ علم کا یہ کیسا دوہرا معیار ہے کہ شیعہ کو محض اس بنا پر کافر کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرام کو تبرا بولتے ہیں میں کہتا ہوں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو تبرّا بولنے والے کے لیے کفر کا فتویٰ بھی بہت چھوٹا ہے تبرّائی غلاظت سے بھی کہیں زیادہ غلیظ ہے۔ نجس العین ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ نجس ہے۔

مگر آیئے اے اہلِ علم ذرا اس طرف بھی توجہ دیں جو ملعون اہلبیت کو گالی دے سب و شتم کرے لوگوں سے جبری یہ کام کروائے ان نفوسِ قدسیہ کو قتل کرے نبوت کے منبر پر مسجدِ نبوی کے مقدس ماحول میں اہلبیتِ نبوت کو جبراً پاس بٹھا کر تاجدارِ ولایت حضرت علی المرتضیٰ کو غلیظ گالیاں دے، کعبہ کو آگ لگائے، مدینہ طیبہ میں عصمت مآب دس ہزار سے زائد خواتین کی عصمت دری کا مرتکب ہو، بزرگ صحابہ کو سفید ریشوں سے پکڑ پکڑ کر انھیں زمین پر گھسیٹے، بے گناہ ہزاروں صحابہ کو قتل کرے اور اہلبیت نبوت کو گالیاں نہ نکالنے والے کو بے دریغ قتل کرے۔ تم اس ظلم و بربریت کو اجتہاد کا نام دیتے ہو؟ ایسے کمینہ سرشتوں کو امیر

مدینہ امیر المومنین ظل اللہ کا تمغہ دیتے ہو؟ ایسے بدحواسوں کو روایان حدیث مانتے ہو؟

کہاں گئی تمہاری علمی وجاہت؟ اب فقاہت کیوں گونگی ہو گئی؟ اب محدثین کی علمی جولانیاں کہاں غرق ہو گئیں؟ مفتیوں کے فتوے اب کیونکر دم توڑ گئے؟ اب اہل علم کا علم کیوں اندھا ہو گیا؟ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام نے تو کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جو اُموی غنڈوں نے کیا پھر بھی تکفیر ابوطالب علیہ السلام کی؟۔ فقیہانِ حرم کے نزدیک مذکورہ بالا بربریت نہ کوئی گناہ ہے نہ ہی جرم کیونکہ ان کے قلم اموی بادشاہوں کے متلوّن مزاجوں کی خدمت میں ایستادہ ہیں اس لیے حق لکھنا ان کے بس کی بات نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

میں نے کبھی بھی کسی صاحب علم کو نہیں دیکھا کہ اُس نے حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینے والے کو کبھی بُرا کہا ہو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہو؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابی نہیں؟ منبعِ ولایت نہیں؟ اعتمادِ رسول ﷺ نہیں؟ کیا ان پر درود پڑھنا قرآنی واجب نہیں؟ کیا حضرت علی اہلبیتِ نبوت کی شان نہیں؟ بولیے جناب اب منہ کو تالا کیوں لگ گیا؟ اُموی جارحیت کو اجتہاد کا درجہ دیا جائے ہم ایسے اجتہاد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جس میں اُموی غنڈہ گردی کا جواز تلاش کیا جائے۔ جس شریعت میں قاتلوں کو اعزاز اًمدینے کا گورنر بنایا جائے بعد میں امیر المومنین بنایا جائے اور حرمِ نبوت کی توہین کی جائے ہم اس دوہرے معیار کو مسترد کرتے ہیں۔

اصل بات

سیدِ بطحاء محسن اسلام میزبان رسالت مآب حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر کیوں کی جاتی ہے؟ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے پیغمبر نبوت تاجدارِ رسالت کو جہاں پناہ دی ہوئی تھی وہاں حفاظت کی ذمہ داری بھی لی ہوئی تھی کفار مکہ بالعموم اور بنوامیہ بالخصوص اس عہد وفا پر نالاں تھے جس پر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کفار مکہ کی مذمت بیان فرمائی وہاں اس وقت کے اموی غنڈوں کی بھی خوب اشعار میں چھترول کی تھی۔ دراصل یہ اُموی انتقام ہے۔ اور اسی کا تسلسل آج تک جاری وساری ہے۔ رہا ذخیرۂ علم میں ان کے خلاف بیہودہ مردود روایات کا استعمال اور قرآن کی مقدس آیات کا ناجائز استعمال بالکل بے اصل ہے۔ تفصیلات حصہ حدیث وتفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

معاصر اہلِ علم کا جبری تحکّم

معاصر اہلِ علم سے جب اس عنوان پر بات ہوتی ہے تو فوراً مشتعل ہو جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں تم کون ہو یہ بات کرنے والے حالانکہ بڑے بڑے مجتہدین، مفسرین، محدثین، مجددین علیہم الرحمہ ابوطالب علیہ السلام کو کافر لکھتے ہیں ان کے کفر میں

اپنی اپنی تحقیق دیتے ہیں من مسکین انھیں عرض کرتا ہے کہ مجھے انہی اہل علم نے بتایا ہے کہ جو دلیل مفید یقین نہ ہو اس پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ اصول فقہ اصول حدیث اصول تفسیر کی تمام کتابوں میں یہی کچھ لکھا ہے ان میں میری ایک بھی کتاب نہیں یہ سب علمائے اہل سنت کی لکھی ہوئی ہیں اس صنف میں میرے پاس ہزاروں کتابیں موجود ہیں جنھیں میں بالاستیعاب پڑھتا رہتا ہوں۔ اب ایک ہی صورت ہے یا تو ان کے وضع منضبط استقرائی قواعد غلط ہیں یا پھر کفر ابی طالب علیہ السلام کا استدلال غلط ہے۔ اہل علم کی طرف سے مجھے قطعیات پر یقین کرنے کا پابند بنایا گیا ہے واہی اور ظنی دلائل پر یقین کرنے کا پابند نہیں بنایا گیا۔ بنابریں میں حسب وعدہ پابند ہوں معاصر اہل علم کفر ابی طالب علیہ السلام میں قطعیات پیش کریں واہی اور ضعیف بلکہ اضعف بے سند روایات پر یقین کرنے سے مجھے میرے اسلاف نے سخت منع کیا ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں بیہودہ واہی باتوں پر یقین کرنے سے روکا گیا ہے آپ ہی بڑوں کو سمجھائیں کہ وہ مجھے اجازت دے دیں کہ میں بیہودہ واہی روایات پر یقین کروں تاکہ آپ کو ٹھنڈک ملے۔۔۔

خاص بات

کفر ابی طالب علیہ السلام کی بابت میں نے بہت ساری کتابیں پڑھیں مگر مجھے مربوط مطالعہ مبحث شریف میں ہی ملا سو میں نے اس میں مندرج دلائل کا علمی قانونی جائزہ لیا قانون شریعت پر اور قانون روایت ودرایت پر ان تمام روایات کو پرکھا کہیں بھی کوئی ایسی یقینی دلیل نہیں ملی جو مفید یقین ہو سکے۔ واہی اور غیر متصل روایات کے ضمن میں بیان کی جانے والی آیات کا تعلق کسی بھی اعتبار سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ نہیں۔ ذکر کردہ آیات میں سے کسی ایک آیت کی دلالت کفر ابی طالب علیہ السلام میں قطعی نہیں اور بیان کردہ روایات میں سے ایک بھی ایسی روایت نہیں جس کا ثبوت یقینی ہو بلکہ بعض روایات تو ایسی ہیں جن کی اصل بالکل ہی نہیں۔ بے سند روایات بھی موجود ہیں تو ایسی دلیلیں جن کا اپنا وجود یقینی نہیں تو بے یقینی دلیلوں پر کیونکر یقین کریں؟

نوٹ

جہاں تک صاحب مبحث کی ذات کا معاملہ ہے وہ یقیناً میرے لیے پہلے بھی قابل صد احترام تھے اب بھی ہیں اور تاحیات رہیں گے۔ اس مقالے میں نہ وہ میرے مخاطب ہیں نہ فریق ہیں نہ ان سے کوئی کسی قسم کا ذاتی اختلاف میری ساری گفتگو کا مرکز و محور دیے گئے دلائل ہیں ان کا تدریجی تسلسل کیا ہے؟ قانون میں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
میں تحقیق کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں اصولوں کے تناظر میں دلیل کی چھان بین میری علمی مجبوری ہے اور علمی حق ہے۔ دلیل

کی قوت پر کامل یقین رکھتا ہوں نہ خوشامد پسند ہوں نہ خوشامد کرتا ہوں سچائی اور احقاق کی جستجو میرا منشور اور میری منزل ہے نہ فرقہ پرست ہوں نہ فرقہ پرستوں پر اعتماد کرتا ہوں سچائی جہاں سے ملے حاصل کر لیتا ہوں بشرطیکہ وہ سچائی مشیت ایزدی کے مطابق ہو اور مزاج نبوت کے مطابق ہو اور بس۔

سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر محض بے حقیقت افسانہ نگاری ہے

حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا کفر و شرک کا الزام محض افسانوی ڈرامہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اہل تحقیق غور فرمائیں گے تو حقیقت حال سامنے آجائے گی۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت علی کی طرف ایک روایت منسوب ہے کہ انھوں نے جا کر بارگاہِ نبوی میں عرض کی کہ آپ کا گمراہ چچا مر گیا اس پر جواب میں فرمایا گیا کہ جاؤ اس کو مٹی میں داب دو۔ اس روایت کا ظاہری مقتضاء یہ ہے کہ اس معاملے پر بارگاہِ نبوت کی شدید نفرت کا اظہار کیا گیا ہے جبکہ دوسری طرف کتاب الخمیس سے ایک روایت نقل کی گئی ہے وفات ابوطالب علیہ السلام کی اطلاع نبی رحمت و شفقت ﷺ کو پہنچی تو آپ کمال شفقت سے تشریف لائے اور جسمِ ابی طالب علیہ السلام پر نبوی شفقت کا ہاتھ پھیرا مگر پاؤں مبارک پر ہاتھ پھیرنا بھول گئے۔ (مبحث المطالب)

ہاتھ نہ پھرنے کی توجیہہ یہ کی گئی کہ پیروں نے جہنم میں جانا تھا اس لیے ان پر ہاتھ نہیں پھیرا گیا مزید توثیق کے لیے امام سہیلی علیہ الرحمہ کا قول بھی نقل کر دیا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا سارا وجود نبوی عظمتوں کے تابع تھا پاؤں کفر پر ڈٹے رہے اس لیے ان میں آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ نکلا یہ سارا وجود تو اتباع نبوی کے باعث جنت میں رہے گا صرف پاؤں کفر میں جمے رہنے کی وجہ سے پتلی آگ میں رہیں گے۔ اس آگ کا اثر دماغ تک پہنچے گا دماغ ابل کر پاؤں میں آ پڑے گا گویا جہنم کا اثر جنت میں بھی ضرور پہنچے گا کیونکہ باقی سارے وجود کو جنت میں نہ مانا جائے تو اتباع رسول اور دست شفقت رسول ﷺ کی برکتوں کو معطل ماننا پڑے گا جو کہ محال ہے کیونکہ قرآن کریم نے ان عظمتوں کی دعوت دی ہے اس پر عمل کا نتیجہ جنت بیان فرمایا ہے اس اعتبار سے مذکورہ پہیلی نما روایتوں کا فکری نتیجہ یہ نکلا کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا وجودِ اقدس تقسیم ہو گیا سارا وجود تو اتباع اور لمس دستِ نبوت کی وجہ سے جنت میں ہوگا صرف پاؤں مبارک جہنم کی پتلی آگ میں ہوں گے۔ العیاذ باللہ اہل علم نے ان روایتوں کو بھی تکفیر ابی طالب علیہ السلام میں موثر دلیل مانا ہے۔ پورے اعتماد سے اپنی مصنفات میں تحریر کیا ہے۔ اسی کو افسانوی ڈرامہ کہا جاتا ہے۔

(۲) صحیح مسلم و بخاری کی ایک روایت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے اس کا مختصر مضمون یہ ہے کہ

حضرت ابو طالب علیہ السلام اپنے سانسوں کی خیرات دے رہے تھے نبی اکرم ﷺ نے انھیں تلقین کلمہ فرمائی وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے تھے انھوں نے مزاحمت کی اور ابو طالب علیہ السلام سے کہا کہ اپنے باپ دادا کا دین کفر شرک نہ چھوڑیے۔ ان کی بات پر حضرت ابو طالب علیہ السلام نے آخری بات یہی کہی کہ میں انہی کی ملت پر ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا حتی کہ مجھے اللہ تعالی روک دے۔ اس پر دو آیتیں نازل ہوئیں پہلی آیت سورۂ توبہ کی کی آیت نمبر 113 ہے جس کا ترجمہ یہ کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان کے انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں دوسری آیت سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 ہے جس کا ترجمہ: اے حبیب آپ جس کو پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ لیکن اللہ تعالی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

اسی عنوان پر قدرے اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت ہے اس میں صرف سورۂ قصص کی آیت کا ذکر ہے توبہ کی آیت کا ذکر نہیں مزید ایک روایت قدرے مختلف مضمون کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے مگر اس میں سورۂ قصص کی آیت کا ذکر نہیں توبہ کی آیت نمبر 113 کا ذکر ہے مگر یہی روایت مولا علی ایک مسلمان لڑکے کے حق میں مانتے ہیں جب وہ اپنے مشرک باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگ رہا تھا آپ نے ٹوکا کہ مشرک کے لیے دعا کیوں مانگتے ہو حالانکہ وہ مشرک تھا اس پر شخص مذکور نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مشرک باپ کے لیے مغفرت کی دعاء مانگی ہے۔

مقدمہ دربار نبوت میں پیش کیا گیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوگئی کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا نہ کی جائے یہی آیت گیارہ مرتبہ پھر نازل ہوئی۔ ان میں ایک مرتبہ آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے دوران نازل ہوئی جب رسالت پناہ ﷺ نے اپنی والدہ کریمہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی آخری بار اس کا نزول مدینہ طیبہ میں نو ہجری کے آخیر ذیقعدہ میں تبوک سے واپسی پر کفار سے بائی کاٹ کی بابت نازل ہوئی۔ آخری نزول متفق علیہ ہے حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کافر بنانے کے لیے یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی۔

سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 مکی سورۃ کی آیت ہے لیکن اسے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بغیر عینی تصدیق کے گیارہ سال بعد اپنی روایت کا حصہ بنا رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں دو آیتوں کا ذکر کیا انھوں نے بغیر دیکھے ان آیتوں کو نازل ہوتا دیکھ لیا۔ جبکہ حضرت ابو ہریرہ کو یمن میں بیٹھے ہوئے حالت کفر میں صرف ایک آیت قصص والی نظر آئی حالانکہ اس

ضمن میں بقول مسیب بن حزن دو آیتیں نازل ہوئی ہیں ایسے ہی حضرت علی کی روایت ہے اس میں صرف ایک آیت کا ذکر ہے سورۂ توبہ والی آیت نمبر 113 اور سورۂ قصص والی روایت حضرت علی کو نازل ہوتی نظر نہیں آئی صرف حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو نظر آئی۔ تمام اہلِ علم نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 میں پورے مکہ سے کفر اور شرک کے الزام میں صرف دو ملزموں کو نامزد کیا ہے اور کسی کو بھی نامزد نہیں کیا وہ نامزد مزملزمان یہ ہیں:

(۱) محسنۂ عالمین مخدومۂ کائنات ام محمد حضرت بی بی آمنہ سلام اللہ علیہا۔

(۲) محسنِ اسلام و بانیٔ اسلام سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام۔

پوری کائنات میں اہلِ علم کو کوئی کافر اور مشرک ایسا نظر نہیں آیا جس کو اس آیت کے ضمن میں بطور کافر و مشرک ملزم و مجرم نامزد کیا جائے۔ اُلٹی گنگا یہ چلائی کہ جن نفوسِ قدسیہ نے زندگی بھر کبھی شرک کیا ہی نہیں ان کو مقدمہ شرک میں نامزد کر دیا اور جو لوگ شرک کے ترجمان رہے شرک کی حمایت میں خون ریزیاں کرتے رہے شرک پر مرے ان کو نامعلوم کھاتے والی ایف آئی آر میں ڈال کر مقدمہ گول مول کر دیا۔ یہ ہے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے تکفیری ڈرامے کا سکرپٹ جو کسی گمنام گوشے میں بیٹھ کر تیار کیا گیا۔ ان پہیلی نما روایات کی یقینی تصدیق کہیں نہیں ملی نہ مل سکتی ہے کیونکہ منصۂ شہود میں اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اب اس افسانوی تکفیر کی حقیقت حال کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حقیقتِ حال

ابتداءً ہم ان روایات کے راویوں سے عرض مدعا کرتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے عرض کرتے ہیں حضورِ والا فرمایئے جب وفات ابوطالب علیہ السلام ہو رہی تھی تو آپ کہاں تھے؟ کوئی پتہ نہیں پورا ذخیرہ علم خاموش ہے۔ صاحب فتح الباری کا ڈھکوسلہ نہیں چلے گا کیونکہ ذاتی اندازہ بے بلا دلیل ہے کہ ابوجہل اور عبداللہ مخزومی تھے اور مسیب بھی مخزومی ہونے کے حوالے سے ہو سکتا ہے کہ مسیب وہاں موجود ہوں۔ کتنی بودی بات ہے۔ الزام کفر و شرک اور دلیل نری فضول وہ بھی بغیر کسی دینی تصدیق کے یہی جبری تحکم ہے (فریدی)

(۲) حضورِ والا فرمایئے وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کا منظر نامہ آپ نے آنکھوں سے دیکھا؟ کوئی پتہ نہیں۔

(۳) اس منظر نامے کے کسی عینی شاہد نے آپ کو بتایا؟ کوئی پتہ نہیں۔

(۴) آپ کی روایت میں دو آیتیں مندرج ہیں کیا آپ پر نازل ہوئیں؟ استغفر اللہ۔

(۵) کیا صاحب وحی ﷺ نے آپ پر اس منظر نامے کی بابت یہ دو آیتیں بیان فرمائیں اس تشکیل کے ساتھ؟ کوئی پتہ نہیں۔
(۶) آپ کے قائم کردہ دو سلطانی گواہ ہیں اس روایت میں بولیے انھوں نے آپ کو روایت کیا؟ کوئی پتہ نہیں۔
(۷) آپ تحمل روایت کے وقت مسلمان تھے؟ نہیں۔
(۸) تحمل روایت کی شرعی اہلیت آپ کے پاس تھی؟ کوئی پتہ نہیں۔
نوٹ: (الف) حضرت جی بتایئے سورۂ توبہ اور قصص یکبارگی میں نازل ہوئیں۔ اس حوالے سے آپ کو صرف ان دو آیات کا ہی نزول نظر آیا باقی آیات کیوں نظر نہ آسکیں؟
(ب) حضرت جی آپ مکی زندگی میں اکیس سال کا فرر ہے کیا صاحب وحی نے اپنے گھر کا بھید آپ کی حالت کفر میں آپ کو تفویض کیا؟ اس حوالے سے آپ اس سماع کا ثبوت دیں۔ یا یہ بھید اور گھریلو کمزوری صاحب وحی نے آپ کو حالات اسلام مدینہ تو ہجری ذیقعدہ میں دی حالانکہ سورہ توبہ کا نزول کاملاً یکبارگی مدینہ میں ہوا اور صاحب وحی ﷺ نے اسے مجمع عام میں بیان فرمایا۔ ذرا بتایئے کہ ابو طالب کی بابت ان آیات کا نزول صرف آپ ہی کو نظر آیا۔ بھرے مجمع میں ہزاروں کی تعداد میں کسی صحابی کو یہ حقیقت نظر نہ آسکی۔ نہ ہی صاحب وحی کو نظر آئی۔ وہ اس بابت خود ان آیات کا نزول ابوطالب کی بابت بیان فرما دیتے۔ کمال ہے آپ کی بصیرت پر یا یہ فرمایئے کہ نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ سے ہٹ کر صرف آپ سے ہی سرگوشی فرمائی؟
(۹) وقوعہ کے عینی شاہد نے تو ان آیات کا ذکر نہیں کیا (حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ) تو پھر آپ کو یہ آیات کائنات کے کس گوشے میں کس ذریعۂ علم سے پہنچائی گئیں؟ کوئی پتہ نہیں۔
سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ کا نزول وفاتِ ابی طالب علیہ السلام کے بارہ سال بعد ہوا (بالاتفاق) اس نزول کے وقت آپ کہاں تھے جب مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کے جم غفیر میں اسے سنایا گیا مولائے کائنات کو یہ آیات سپرد کر کے مکہ میں بھیجا گیا۔ کیا اس وقت دس سالہ پرانا منظر آپ کے سامنے آ گیا جو دیگر صحابہ نہ دیکھ سکے؟ بہر حال ہزاروں علمی سوال ہیں آپ پر اور آپ کی اس اکلوتی روایت پر اور اس کی ترسیل کرنے والوں پر جن کے جوابات کے لیے قیامت تک اہل محبت انتظار کریں گے۔ یہی سوالات ہم سیدنا ابو ہریرہ کے حضور عظمت میں کرتے ہیں کہ حضور والا وفات ابوطالب علیہ السلام کے وقت حضرت مسیب بن حزن تو مکہ یا مضافات مکہ کے کسی گمنام گوشے میں تھے مگر آپ تو اس وقت یمن میں حالات سے نبرد آزما تھے دس سال بعد آپ خیبر آئے۔ مسلمان ہوئے کیا آپ کو آتے ہی کاشانہ نبوت کا بھید بتا دیا گیا تھا؟ حضرت مسیب بن حزن کہتے ہیں دو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ یہ مکہ میں تھے جبکہ آپ یمن میں تھے آپ نے ایک

آیت کو تسلیم کیا ہے۔ فرمایئے 10 سال پہلے نازل ہونے والی آیت کا یمن میں آپ کو کس نے پتہ بتایا؟
حالانکہ آپ کی روایت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپ بالکل مکہ میں حرم نبوت میں تشریف فرما ہیں اس لیے آپ نے قال قال رسول اللہ صلعم کہا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ آپ اس وقت یمن میں تھے کیا جناب جبریل یہ آیت لے کر یمن میں آپ کے پاس گئے یا خود صاحب وحی ﷺ اس واقعہ فاجعہ کی خبر دینے یمن میں اسپیشل آپ کے پاس پہنچے؟ اگر ایسا کچھ نہیں یقیناً کچھ نہیں تو پھر آپ تک قصہ وفات ابو طالب علیہ السلام کیسے پہنچا؟ اس ذریعہ علم کی نشاندہی کرنا آپ کا منصبی فرض ہے۔ کیونکہ معاملہ حرم نبوت کا ہے اور سنگین ترین الزام ہے یقین کے لیے قطعی و یقینی شواہد کی ضرورت ہے۔ حضرت علی کی روایت پر تبصرہ اس لیے نہیں کیا کہ یہ روایت مکفرین ابی طالب کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔ نیز یہ روایت اپنے تمام طرق سے باطل ہے۔ دیکھئے نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ (تبیان)

قارئین محترم: جب الزام پر مبنی بے اصل روایات کو موثر دلیل بنا کر حرمِ نبوت پر حملہ کیا جائے تو امت امت کے مبارک تشخص سے کیسے آشنا ہو سکے گی۔ اسی لیے مسکین نے ان روایات کا علمی جائزہ لیا اور مقتدر اہلِ علم کے وضعی استقرائی قواعد علم کی روشنی میں لیا تو یہ روایات داستان سرائی کے علاوہ کچھ نہیں یہ خانہ ساز روایات اُمت کے عظیم بزرگوں سے منسوب کر کے ان کے گلے مڑھ دی گئیں پھر مکھی پر مکھی مارنے کی ریت قائم کر دی گئی۔ اس سے حرمِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ کی جگ ہنسائی کی گئی ہے۔ قدرت کے غضب نے اس بے حرمتی کی بناء پر اُمت سے اُمت کا ٹائٹل چھین لیا اُمت تقسیم در تقسیم ہو چکی مزید ہو رہی ہے۔ کہیں مذہبوں کا الاؤ جل رہا ہے کہیں مسلکوں کی بروکری جاری ہے۔ صورتِ حال یہی رہی تو کچھ بھی نہیں بچے گا۔

معاصر اہلِ علم کی متوقع تلخی

اہلِ علم جو تحقیق کی پرخار وادیوں میں کبھی جادہ پیما نہیں ہوئے وہ اپنے نظریے کے خلاف بات سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ احقاق حق کے دلائل میسر نہ ہو سکیں تو اپنی جذباتیت میں مشتعل نظر آتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تحقیق تحقیق ہوتی ہے جنونی اشتعال چیزے دیگر۔ تاہم مسکین ہر حال میں حاضر ہے کیونکہ میرے لیے ہر اہلِ علم انتہائی قابلِ قدر ہے واجب التعظیم ہے۔ خواہ کسی کے قلب و روح میں نبوی علم کا ایک حرف ہی کیوں نہ ہو میں اس کے مدِ مقابل فقط ایک حرف غلط ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ جہاں تک کتاب ہذا کا تعلق ہے یہ محض ایک تحقیقی مقالہ ہے اس پر اہلِ علم کی تلخی کی ایک متوقع صورت یہ نظر آ رہی ہے کہ یہ روایات بخاری و مسلم کی ہیں اکابر نے انھیں قبول کیا ہے ان سے کفر ابی طالب علیہ السلام کا استدلال کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہی ہے مگر میں نے بھی اکابر ہی کے علم سے خوشہ چینی کی ہے ان کے وضعی اصول کی روشنی

میں چلا ہوں کوئی الگ سے قاعدہ قانون وضع نہیں کیا۔

رہا بخاری و مسلم میں ان روایات کا درآنا تو یہ ان کی قطعیت کا باعث قطعاً نہیں کیونکہ بخاری و مسلم نہ تو منزل من اللہ ہیں اور نہ ہی ان کی عصمت کی کسی کے پاس کوئی یقینی دلیل ہے یہ دیگر کتب حدیث کی طرح حدیث کی کتابیں ہیں ان کی روایات کی چھان بین اسی طرح جائز ہے جس طرح دوسری حدیث کی کتابوں کی روایات کی چھان بین جائز ہے۔ میرے مخاطب آئمہ حدیث نہیں بلکہ یہ روایات ہیں جن کا علمی مقام ظنی بھی نہیں بنتا مگر ان سے استدلال قطعیات کے مرتبے کا کیا جاتا ہے جو کسی بھی طرح جائز نہیں۔ یہ بات میں خود سے نہیں کر رہا بلکہ آئمہ اُصول کے وضعی اسالیب کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ اگر کوئی معاصر اہل علم مجھ پر اپنا غصہ جھاڑنا چاہے تو ابتداء ان علماء سے کرے جنھوں نے اُصول وضع کیے ہیں۔ یا قرآن وسنت کے ان یقینی دلائل پر غصہ جھاڑے جن دلائل کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ثبوت عیب والزام میں ٹھوس یقینی قطعی شواہد کی ضرورتی ہوتی ہے نہ کہ بے اصل ضعیف خانہ ساز عبارات وروایات کی روشنی میں کسی عصمت مآب پر رکیق الزام لگایا جائے جیسا کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا ہے یہ محض احسان فراموشی ہے جو کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

اہلِ علم سے میرا مطالبہ

وہ اہل علم جو تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ آگے بڑھیں میری گفتگو میں تحقیقی مطالعہ کریں میری علمی خامیوں کی نشاندہی فرمائیں تاہم کسی غیر تحقیقی صاحب علم نے کفرابی طالب علیہ السلام کو ثابت کرنے کا شوق پورا کرنا ہی ہے تو کم از کم اپنے پیش کردہ دلائل میں قطعیت کا زور پیدا کرے۔ مبحث شریف جیسے دلائل ہرگز پیش نہ کرے کیونکہ ان کی دینی قانونی شرعی کوئی حیثیت نہیں اُصولِ روایت ودرایت کے مطلوبہ یقینی معیار پر یہ ہرگز پورا نہیں اتر سکتے۔ ان میں ایک آیت ایسی نہیں جس کی دلالت کفرابی طالب علیہ السلام میں قطعی ہو اور ان پندرہ روایات میں ایک بھی روایت ایسی نہیں جس کا ثبوت یقینی ہو اور مُفید یقین ہو سکے بلکہ تمام روایات تو درجہ ظن کے بھی اہل نہیں مفید یقین کیسے ہو جائیں۔

کلام ابوطالب علیہ السلام کی بابت ایک بات

کتاب ہذا میں سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے قلبی روحانی ارمانوں کو خصوصاً بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس کلام کی توثیق خود زبان نبوت نے فرمائی ہے اور صاحب بخاری علیہ الرحمہ نے پوری سند کے ساتھ اسے نقل کیا ہے اس کلام کی تردید کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں بنابریں اسے حصہ کتاب بنایا گیا ہے۔ سردست ان سینکڑوں اشعار کا سادہ ترجمہ ہوگا شرح کے لیے الگ سے دو جلدیں تیار ہو رہی ہیں۔ کتاب ہذا کے عنوان کی مناسبت سے متعلقہ اشعار پر مضمون شعر کی نشاندہی کر دی گئی

ہے۔ فرصت ملتے ہی پورے دیوان کی شرح قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں وسیع علمی ذخیرے کی صورت میں پیش کردی جائے گی۔

آخری بات

میرا یہ مقالہ نہ تو کسی مذہب و مسلک کے ایما پر لکھا گیا ہے نہ ہی کسی کی مخالفت میں لکھا گیا ہے نہ ہی میں ایسی آلودگی کو پسند کرتا ہوں تحقیق کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں افتراق امت میں موثر پیچیدہ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں احقاق حق کی نشاندہی کرکے امت کے فطری اعتدال کو بحال کرنا چاہتا ہوں افتراق و انتشار سے سخت نفرت ہے معتدل اہل علم سے علمی معاونت کا خواستگار ہوں ملک وملت کی سالمیت اولین ترجیح ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم



فصلِ ثانی:

خطبۃ الکتاب

خطبۃ الکتاب

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اٰبَآءِ سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی اُمَّهَاتِ سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ خُصُوْصًا اَفْضَلَ الْمُحِبِّیْنَ وَاَفْضَلِ النَّاصِرِیْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ دَفَّاعِ النَّوَائِبِ عَنِ النَّبِیِّ الْغَالِبِ کُلَّ مَغَالِبِ حَضْرَۃِ اَبِیْ طَالِبٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَعِتْرَتِہٖ وَعَشِیْرَتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔"

محترم قارئین! فقیر جس اہم ترین موضوع پر قلم اٹھا رہا ہے وہ اہلِ علم کے ہاں انتہائی حساس تر ہے مگر میرے لیے انتہائی حسین بھی ہے اور عظیم بھی ہے۔ اس لیے اس تحریر کے لیے جو وقت منتخب ہوا وہ بھی بڑا حسین ہے اور عظیم بھی ماہِ رمضان المبارک ستائیسویں شب جو شبِ قدر کے نام سے معروف ہے رات کے قریباً دو بج چکے ہیں تہجد و سحری کا آغاز ہو چکا ہے۔ وقت اپنی روحانی عظمتوں میں بھیگا ہوا ہے نور و نکہت کا سماں ہے۔ "هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ" کی دلنواز صدائیں عرشِ عظیم کا مالک لگا رہا ہے بخشش اور مغفرت کے نور سے کائنات کو بھر دیا گیا ہے حواسوں پر ایک نورانی کیف و سرور چھایا ہوا ہے۔ ایک دیرینہ تمنا کی تکمیل ہونے جا رہی ہے اسی لیے یقینی ولولوں میں جوش ہے بے تاب ارمان پورے ہو رہے ہیں۔ ایک ایسی ہستی کی دہلیز عظمت پر جبیں سائی کا موقع مل رہا ہے جو محسنِ ملت اسلامیہ کے نام سے جانے جاتے ہیں اور محسنِ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

جن کے نفسِ گرم کی برکت سے مکہ کی سنگلاخ سرزمین پر شجرِ اسلام کی حفاظت ممکن ہوئی۔ جس کی ہمت مردانہ نے پورے کفر کا غرور خاک میں ملائے رکھا جو تن تنہا ضعف العمری کے باوجود جہدِ مسلسل سے پورے کفر سے ٹکراتا رہا جن کی جرأتِ اعجازی نے اسلام اور عظمتِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا عظیم فریضہ نبھایا۔ آج بھی اور صدیوں پہلے بھی بلکہ تا قیامِ قیامت عقلِ انسانی محوِ حیرت ہے کہ ایسا کیونکر ممکن ہو پایا کہ ایک ناتواں بابا عالمِ کفر کے جری جوانوں کو پچھاڑ رہا ہے، مات دے رہا ہے اور بے بس کر رہا ہے۔ کبھی حکمت و تدبر سے تو کبھی جوشِ ایمانی و ایقانی سے، کبھی پُر اثر تقریر سے تو کبھی پُر مغز شاعری سے۔ حیرت ہے کہ ایک مضمحل جسم سدِ سکندری بنا ہوا ہے۔

اس ساری صورتِ حال کے پیشِ نظر ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہی "وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" کی عملی تفسیر ہے۔۔۔۔

یہ کوئی ملکوتی طاقت ہے ورنہ ایک بوڑھے جسم سے اتنا کچھ کیسے ممکن ہے؟ عظمت یقین خود انگشت بدنداں ہے! مگر قرآن کریم بولتا ہے کہ حیران ہونے کی کوئی بات نہیں یہ نفسِ محترم قدرتِ الٰہی کا مظہر ہے۔۔۔۔"اِنَّ اللهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ" کی تفسیر ہے۔۔۔۔ یہ شخص معظم "اِنْ تَنْصُرُوا اللهَ یَنْصُرْکُمْ" کا اُسوہ اوّل ہے۔۔۔۔ "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ" کا پہلا اُلوہی اعتماد ہے۔۔۔۔"اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" کا نقش اولین ہے۔۔۔۔ "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" کا مظہر اتم ہے۔۔۔۔ اور رب العالمین کا رحمۃ للعالمین ﷺ کے لیے یہ وجودِ اقدس سب سے پہلا اعتماد ہے۔۔۔۔ اور کامل اعتماد ہے۔۔۔۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم انتخاب ہے۔۔۔۔ بزم امکاں کے اندر اس کی داستانِ ایثار ایک ضرب المثل ہے۔۔۔۔ اسکی وفا آئین وفا کا معیار ہے۔۔۔۔ اس کی جرأت رجبِ شہادت کے لیے ایک کامل اُسوہ اور آئینہ ہے۔۔۔۔ بقائے دین کے لیے اس کی جہد مسلسل مشعل راہ ہے۔۔۔۔ اس کی غیرت ایمانی کا تسلسل حمیتِ اسلام کے لیے ایک مؤثر اثاثہ ہے۔۔۔۔ اس کے خلوص کا تقدس اہلیانِ اسلام کے لیے وقار کا شفاف آئینہ ہے۔۔۔۔ اس کا حسنِ تدبر اسلامی دانائی کا لباس ہے۔۔۔۔ اس کی معتدل شخصیت اسلام کی لوحِ جبیں کا زیور ہے۔۔۔۔ اس کی بانیٔ اسلام ﷺ سے بے لاگ والہانہ محبت ہر مؤمن کی ایمانی میراث ہے۔۔۔۔ اس کی خاندانی حمیت اسلام کی غیرت ہے۔۔۔۔ اس کی غیرتِ ایمانی قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی حفاظت کی کامل ضمانت ہے۔۔۔۔ یہ وہ کامل واکمل پیکرِ وفا انسان ہے۔۔۔۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اللہ ہو کر اعتماد فرمایا ہے۔۔۔۔ اور رسول اللہ ﷺ نے صاحب وحی رسول ہو کر اس گوناں گوں عظمتوں کے مالک پر مکمل اعتماد فرمایا ہے۔۔۔۔ یہی وہ عظیم اعتماد ہے جس کی طاقت نے کفار کو پیش قدمی سے روکے رکھا۔۔۔۔ یہی عظیم القدر فردِ بشر ہے جس کی عظمتِ یقین نے کفارِ مکہ کی طاغوتی زنجیروں کو ٹوٹنے پر مجبور کر دیا۔۔۔۔ بلکہ ان کا یقین کفار کے دلوں میں ہیبت بن کر یوں اُترا کہ کفار ان کا سامنا کرنے سے کتراتے بھی تھے اور گھبراتے بھی تھے۔۔۔۔ بارہا ایسا ہوا جب یہ بابائے ملتِ اسلامیہ جلال میں آتا تو کفار بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔۔۔۔ یہ وہ تقدس مآب شخصیت ہے جس کا ہر سانس غلبۂ اسلام کی طاقت بنا، ان کے ایثار و وفا کے جذبے قیامت تک آنے والے اہلِ ایمان کے لیے مشعلِ راہ بنے۔۔۔۔ کامل اُسوہ بنے۔۔۔۔ اسی ہمہ صفت موصوف شخصیت سید البطحاء، محسن ملت اسلامیہ محسن رسول اعظم ﷺ سیدنا وطجانا قبلۂ عاشقان، کعبۂ اہلِ وفا، میزبانِ رسول، صھر بنتِ رسول والدِ زوج بتول، دانائے اسرارِ رسول، حضور سیدی، سندی آقائے نعمت کا نام نامی اسم گرامی حضرت ابوطالب علیہ السلام ہے۔

مگر افسوس! جس اُمت کو ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے تھا وہی اُمت ان کے مؤمن ہونے میں پس و پیش کر رہی ہے۔ ان کو صاحب ایمان ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جس اُمت نے ان کے مرقدِ منور پر پھولوں کی بارش کرنی تھی وہی اُمت اُن پر کفر کے

فتووں کی بارش کر رہی ہے۔ جس اُمت نے عقیدتوں کے گجرے پیش کرنے تھے وہی اُمت ان کا نام لینے میں عار محسوس کر رہی ہے۔ جس اُمت نے انھیں مخدومِ اُمم احترام سے ماننا تھا وہی اُمت ان کے خلاف بیہودہ روایتیں تراش رہی ہے۔ جس اُمت نے ان کے آستانِ عظمت پر عقیدتوں کا خراج پیش کرنا تھا قرآن خوانی کرنی تھی اعراس منانے تھے وہی اُمت منبروں پر بیٹھ کر ان کی توہین کرنا اپنا معروف مذہب بناتی پھرتی ہے۔ غضب خدا کا جہاں ہدایہ و نیاز پیش کیے جانے تھے وہاں نفرتوں کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہود بے بہبود اور ان کے آلہ کار بنو اُمیہ کے غنڈوں کو خوش کرنے میں اُمت مست ہے۔ خانہ ساز روایتوں کو حقیقت کا روپ دیا جا رہا ہے۔ اس سارے تسلسل کا نتیجہ ہر دور میں اُمت نے ابتری ہی کی صورت میں دیکھا ہے اگر اُمت نے ہوش کے ناخن نہ لیے حرمِ نبوت کا تقدس اس اُمت کا دین نہ بنا تو یقیناً یہ اُمت اُمت کی تشکیل میں کبھی کامیاب نہیں رہے گی کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ترجمہ: بے شک اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تین حرمتیں ہیں جو ان حرمتوں کی حفاظت کرے گا قدر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بھی فرمائے گا اور قدر بھی فرمائے گا اور جو ان حرمتوں کی حفاظت نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے ضائع کر دے گا۔ بزم امکان میں اس کی عظمتوں والی شناخت برباد ہو جائے گی۔ اور وہ یہ تین حرمتیں ہیں:

(۱) "حُرْمَتِیْ" میری حرمت

(۲) "وَحُرْمَةُ الْاِسْلَامِ" اسلام کی حرمت

(۳) "وَحُرْمَةُ اَهْلِ بَيْتِیْ" میرے اہلبیت کرام کی حرمت۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام حرمِ نبوت اہلِ بیتِ نبوت کا ایک عظیم رُکن رکین ہیں ان کی توہین کرنے والا حرمِ نبوت کی توہین کرنے والا ہے۔ حرمِ نبوت کی توہین کرنے والا کیسے فردِ اُمت ہو سکتا ہے۔ اسی لیے فقیر ناچیز نے تشکیل اُمت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منتخب حرمتوں کی تکریم کا جذبہ از سر نو اُمت میں بیدار ہو جائے۔ اُمت صحیح معنوں میں اُمت کی فطری تقویم میں اُتر کر اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرے۔ زیبِ نظر کتاب عرفان ابوطالب علیہ السلام اور قرآن عظیم کا وقتِ نظر سے جب آپ مطالعہ فرمائیں گے تو یقیناً آپ کے اندر سے آواز آئے گی کہ احترامِ حرمِ نبوت ہی ایمان ویقین کے نور کی اصل روح ہے۔

فصل ثالث:

فقیہانِ حرمِ سے
ایک طالب علم کے اکیس سوالات

فقیہانِ حرم سے ایک طالب علم کے اکیس سوالات

قارئین کرام! مسکین ناچیز اہلِ علم سے بے حد پیار کرتا ہے اور حد سے بھی زیادہ اہلِ علم کا احترام کرتا ہے۔ چالیس سال سے زائد عرصہ گزر گیا ہے علم اور اہلِ علم کی خدمت کرتے ہوئے خود کو فقیر اہلِ علم کی جوتیوں کے تلوؤں سے لگنے والی دھول کے برابر بھی نہیں سمجھتا مگر جو اہلِ علم حرمِ نبوت میں نقب زنی کا ارتکاب کرتے ہیں اور عصمت وعفت مآب حرمِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ کے خلاف اگر ہرزہ سرائی کرتے ہیں تو پھر سگ حرمِ نبوت ہونے کی حیثیت سے میرا فرض بنتا ہے کہ میں ایسے عالموں کا علمی تعاقب کروں اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچاؤں۔ ابھی حال ہی میں آقا علیہ السلام کے پیارے والدین کریمین علیہما السلام کے تقدس کا علمی دفاع کرتے ہوئے فقیر نے 2700 صفحات پر ایک مستقل چار جلدوں میں کتاب لکھی ہے اب روئے زمین پر ان نفوسِ قدسیہ کے خلاف علمی اعتبار سے کبھی بھی روایت کا کوئی استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ مسکین نے ان روایات کی دھجیاں اڑا دی ہیں الحمد للہ علی ذلک۔ ان کے خلاف بناوٹی وقوعہ جات کے تارپو بکھیر دیے ہیں اور تمام مزعومہ دلائل "هَبَآءً مَّنْثُوْرًا" ہو چکے ہیں خصوصاً وہ واقعہ جو محسنہ عالمین مخدومہ کائنات حضرت بی بی سیدہ آمنہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے لیے طلبِ استغفار کی اجازت مانگی گئی مگر نہ ملی وغیرہ۔ تو فقیر پر تقصیر نے اس وقوعہ کی علمی جغرافیائی تحقیق کی بلکہ جائے وقوعہ پر جا کر تحقیق کی۔ سینکڑوں ہزاروں میل کا عرب شریف میں سفر کیا۔ تقریباً کئی مقامات مثلاً ابوا، کذی، کدا، آجحون، رائعہ، عسفان، مقابرہ، الحجون وغیرہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں محسنہ العالمین سلام اللہ علیہا کے مزارِ رحمت کی اہلِ علم نے نشان دہی کی ہے ہر مقام پر ایک الگ راوی کو نامزد کیا گیا ہے ہر روایت کا منظرنامہ مختلف ہے۔ طرزِ روایت مختلف ہے ان مختلف مقامات کے درمیان تین تین اڑھائی اڑھائی، ڈیڑھ ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ ہے بلکہ ایک مقام کا نو سو میل کا فاصلہ ہے۔ اتنے اتنے فاصلوں پر ایک ہی وقوعہ سرزد ہوا ہے۔ اس کے ضمن میں سورۃ توبہ آیت نمبر 113 اُتاری گئی ہے۔ جس میں عدمِ استغفار کا حکم اُلوہی صادر ہوا اور وہ بھی قریباً دو سال بعد جبکہ وقوعہ دو سال پہلے تشکیل دیا گیا۔ اکابر صحابہ کی طرف روایات منسوب کر دیا گیا ہے سینکڑوں حدیث کی کتابوں اور ہزاروں تفاسیر کی کتب اور کتب سیر میں اس کو نقل کیا گیا ہے گویا بڑے مربوط پیرایہ میں اسے بیان کیا گیا ہے تا کہ مفید یقین ہو سکے مگر جب اس پر محققانہ غور کیا گیا تو یہ وقوعہ کائنات کا بدترین جھوٹ نکلا۔ خاندانِ نبوت کے خلاف ایک گھناؤنی سازش نکلی۔ عین ایسے ہی محسنِ اسلام سید بطحاء، سردارِ قریش حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف لگائی

کی کفر اور شرک کی تہمت بھی کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔آج تک کائنات کا کوئی بڑے سے بڑا عالم یہ نہیں ثابت کر پایا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کبھی شرک کیا ہے؟ اور نہ ہی محسنہ عالمین مخدومہ کائنات حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کوئی ایسی سنگین بات ثابت ہے۔ یہ وہ بلند ترین ہستیاں ہیں جن کے حضور خود رفعت عظمت اپنے وجود کی بھیک مانگ رہی ہے اس حرم سرائے اقدس میں محوطواف ہے۔اس لیے میں اُمت کے سادہ لوح مسلمانوں سے گزارش کروں گا کہ ان مذکورہ نفوسِ قدسیہ کے خلاف کاٹی گئی جھوٹی ایف۔آئی آر کا مکمل فوراً بائیکاٹ کریں اور اپنی محبتوں کا قبلہ ان نفوسِ قدسیہ کی عظمتوں کو بنائیں۔ بلکہ گھر گھر ان نفوسِ قدسیہ کا عرس مبارک منائیں۔تاکہ ان کے خلاف کیے گئے زہریلے پروپیگنڈے کا جواب بن پائے۔

آیئے اب ہم فقیہانِ حرم کے ضمیروں پر دستک دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کیوں ان قدسی لوگوں پر جھوٹا الزام لگایا۔ان کا قصور کیا ہے؟ صرف یہی کہ یہ امام الانبیاء ﷺ کے لیے قابلِ احترام تھے؟ ایک والدہ مکرمہ ہیں اور دوسرے باپ کی جگہ وفادار چچا۔

نوٹ:۔ مجھے کامل یقین ہے کہ فقیہانِ حرم کے پاس میرے سوالوں کا صحیح قیامت تک کوئی جواب نہیں مگر میں سوال اس لیے کر رہا ہوں کہ فقیہانِ حرم کچھ جڑ کٹی سازشی بیہودہ روایات کا سہارا لے کر تقدس مآب حرمِ نبوت پر حملہ آور ہیں اپنی فرسودہ فکری جارحیت کو بچانے کے لیے ان روایات کا اور اس ضمن میں آیات کا سہارا لیتے ہیں۔ان کا ناجائز استعمال کرتے ہیں اُمت کے سادہ لوح مسلمانوں کو دبوچ لیتے ہیں۔میں یہ سوالات اُمت کو دے رہا ہوں اور اس لیے دے رہا ہوں کہ اُمت کے ہر فرد کو حق ہے کہ وہ حرمِ نبوت پر لگائے گئے بیہودہ من گھڑت بے اصل سازشی الزامات اور جھوٹے بہتان کی بابت سوال کرے کہ اے فقیہانِ حرم بتایئے ان الزامات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ الزام ہیں یا بہتان؟ اگر الزام ہیں تو ثبوت الزام کے لیے شرعاً کس درجے کی دلیل کی ضرورت ہے؟ پہلے اپنے دیے گئے دلائل کا ذرا شرعی قانونی اخلاقی جائزہ تو لیں؟ کیا آپ ان دلائل کی قطعیت قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت کر سکتے ہیں؟ آپ کے دیے گئے دلائل کی ذاتی شرعی اُصولی حیثیت کیا ہے؟ آپ کو ان دلائل کے ثبوت ودلالت کے اعتبار سے قطعیت کا یقین کب اور کیسے آیا؟ کیا آپ کو کوئی عینی شاہد ملا ہے جس نے ہر دو وقوعہ جات کی قطعی یقینی ٹھوس عینی شہادت دی ہو؟ کیا آپ نے اس عینی شاہد کا کسی ٹھوس قطعی یقینی دلیل سے تزکیۂ الشہود کی صورت میں تزکیہ کر لیا ہے؟ کیا آپ اور آپ کا عینی شاہد صاحبِ وحی ہیں؟ کیونکہ وحی الٰہی بھی علمِ یقینی کا ایک کامل ذریعہ ہے کیا آپ نے یا آپ کے عینی شاہد نے صاحبِ وحی ﷺ سے آپ کے تشکیل کردہ وقوعہ جات کی تصدیق کرالی ہے؟ کیونکہ وقوعہ آپ ﷺ کے گھر کا ہے اور آپ کے بقول آپ ﷺ بھی وہاں موجود اور تشریف فرما ہیں۔کیا آپ

ﷺ نے زندگی بھر کبھی بھی اس تشکیل کے ساتھ جو تشکیل بخاری و مسلم میں موجود اور اس پر قرآن کریم کی دو آیات کا ناجائز استعمال بھی موجود ہے کبھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے؟ جیسا کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے حالانکہ آپ ﷺ کی نبوی ذمہ داری تھی کہ ایسا بیان فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پابند حکم فرمایا ہے

"وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ" (سورۂ نحل آیت: 44۔

اور ہم نے آپ پر نصیحت آموز قرآن نازل فرمایا تاکہ آپ اسے تمام کائنات کے لوگوں کو بیان کریں۔

پھر اگر ان میں ایسا کچھ بھی نہیں تو آپ کو حرمِ نبوت پر الزام لگانے کا کس نے حق دیا ہے؟ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث ملاحظہ فرمائی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کو کافر کہتا ہو حالانکہ وہ شخص حقیقتاً کافر نہ ہو تو اس کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کی منصبی ذمہ داری ہے کہ اپنے بیان کردہ الزام کو جو آپ کی تشکیلی روایات میں آیا ہے قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ دلائل کے ساتھ ثابت کریں۔ چونکہ اس الزام کا معاملہ عالم شہادت، مبصرات اور محسوسات سے متعلق ہے۔ مسموعات سے متعلق ہی نہیں۔ اس کو بیان کرنے والے راوی مخبر کا عینی شاہد ہونا ضروری ہے ورنہ الزام کے جھوٹا ہونے میں کوئی شک نہیں رہے گا خبرِ واحد غیر محتف بالقرائن ظنی الاصل ہوتی ہے وہ بھی یہاں نہیں چلے گی آپ کو صبح قیامت تک مہلت بھی ہے چیلنج بھی ہے کہ پورے قرآن سے کوئی ایک آیت ایسی پیش کر دیں جس کی دلالت حضرت ابوطالب علیہ السلام اور محسنہ عالمین، مخدومہ کائنات حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی بابت منصوص قطعی ہو اور کوئی ایک روایت ذخیرۂ حدیث میں دکھا دو جس کا نفوسِ قدسیہ کی بابت ثبوت قطعی ہو؟ جب تک ٹھوس، قطعی اور یقینی ثبوت نہ ہو چھوٹے سے چھوٹا الزام بھی ثابت نہیں ہوتا تو کفر و شرک کا بد سے بدتر الزام کیونکر ثابت ہوگا؟ جب ایسا ہے تو فقیہان حرم سے گزارش ہے کہ ضد چھوڑ کر ان پاکوں کے درِ اقدس پر نیاز مند بن کر آئیں۔ ان کے خلاف فضول مفتی نہ بنیں۔

آیئے سوالات کی طرف بڑھتے ہیں:

فقیہانِ حرم سے پہلا سوال

(۱) جی آپ کے ہاں الزام کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے ثابت کرنے میں ثبوت و شواہد کی نوعیت کیا ہوگی؟

(۲) کس درجے کی دلیل ثبوتِ الزام میں درکار ہے؟ دلائل شرعیہ سے واضح کریں۔ ظاہر ہے جس نوعیت کا الزام ہو اسی نوعیت کے ثبوت و شواہد ہوں گے۔

مثلاً الزام عام نوعیت کا ہے تو دلیل بھی اس کے درجے کی ہوگی اور اگر الزام سنگین قسم کا ہے مثلاً زنا کا الزام ہے اس کے

ثبوت کے لیے شرعاً چار عینی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے اور ان کا کیفیتِ زنا کے تمام مُبصر محسوس حالات کا عینی مشاہدہ کرنا ضروری ہے۔ اگر کہیں ادنیٰ سے ادنیٰ سی بھی اونچ نیچ ہوگی تو الزام ثابت نہ ہوگا۔ الزام لگانے والوں پر حدِ قذف نافذ ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل کی شفافیت ہے۔ یہ الزام عمل و کردار پر مشتمل ہے۔ جبکہ الزام کفر وشرک عظمتِ یقین کا خاتمہ کرتا ہے۔ عظمتِ ایمان ویقین ہی مؤمن کے اسلامی تشخص کی سب سے پہلی اکائی ہے۔ اگر کوئی اس مقدس تشخص کو برباد کرتا اور الزام لگاتا ہے تو بولیے جناب اس کو ثابت کرنے کے لیے کس درجہ کی دلیل کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس سے بڑا کائنات میں نہ کوئی جرم ہے اور نہ ہی ظلم ہے۔ قرآن مجید بھی اسے ظلم عظیم کہتا ہے بولیے جناب اس بدترین الزام کو ثابت کرنے کے لیے دلیل کس نوعیت کی ہونی چاہیے۔ دلائلِ شرعیہ سے ثابت کریں۔

دوسرا سوال

الزام لگانے والے کی ذاتی حالت کیسی ہونی چاہیے؟ یعنی اس کی اہلیت کا شرعی تعین فرمائیں۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی مخدوش حالت پر بھی نظرِ ثانی فرمائیں۔

تیسرا سوال

الزام لگانے والا مخبر ہوتا ہے ایک وقوعہ کی خبر دیتا ہے۔ اہلیتِ مخبر کیا ہونی چاہیے۔ کیفیت مخبر کیا ہونی چاہیے؟ جس وقوعہ کی وہ خبر دے رہا ہے کیا وہ اس وقوعے کا عینی شاہد ہے؟ یعنی اس نے وقوعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ اگر یہ الزام لگانے والا جائے وقوعہ پر موجود ہی نہ ہو تو کیا یہ اس اَن دیکھے وقوعہ کی خبر دے سکتا ہے؟ اگر دے سکتا ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ قبولِ خبر جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ خصوصاً جب خبر وقوعہ کے تیس سال بعد دی ہو۔؟

چوتھا سوال

اگر الزام لگانے والا جائے وقوعہ پر نہ ہو وقوعہ آنکھوں سے دیکھا بھی نہ ہو کوئی اسے آکر نہ بتائے اس وقوعہ کی بابت اس شہادت کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ اور اس خبر پر عمل کی صورت کیا ہوگی؟

پانچواں سوال

الزام لگانے والا جائے وقوعہ پر موجود ہی نہ ہو اور کسی نے آکر اسے تفویضِ شہادت بھی نہ کی ہو اگر پھر بھی وہ ایسی انہونی خبر

دے تو ایسے مخبر کا شرعی مواخذہ کیا ہوگا؟ جبکہ خبر دینے والا صاحب وحی بھی نہ ہو کہ اسے علم یقینی حاصل ہو اور اسے صاحب وحی نے بتایا بھی نہ ہو کہ مفید یقین ہو سکے تو پھر ایسے مخبر کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ اور اس کی خبر کی کیا حیثیت ہے؟

چھٹا سوال

اگر الزام لگانے والا مخبر ایسے وقوعہ کی خبر دے جس وقوعہ کا نہ تو عینی شاہد ہے اور نہ ہی اسے کسی نے تفویض شہادت کی ہے اور وقوعہ کے روز سے لے کر تقریباً گیارہ سال تک کافر ہے اور اس نے اس دوران کسی سے وقوعہ کا ذکر تک نہیں کیا بعد ازاں مسلمان ہوا اسلام لانے اور وقوعہ کے روز سے لے کر خبر دینے تک قریباً تیس بتیس سال کسی کو اس وقوعہ کی بھنک تک نہ لگنے دے۔ اس عرصہ دراز کے بعد صرف اپنے بیٹے کو بتائے اور کسی کو بھی نہ بتائے حالانکہ اس کا باپ وقوعہ کے روز سے پندرہ سال تک اس کے ساتھ رہے بھائی بھی ساتھ رہے تو وہ مخبر اپنے سگے باپ سے وقوعہ کا ذکر کرے اور نہ ہی اپنے سگے بھائی سے اور نہ ہی اپنے دوست واحباب میں سے کسی کو خبر دے اور نہ اس وقت کی سوسائٹی سے اس وقوعہ کا ذکر کرے فقط۔ تیس بتیس سال بعد اپنے بیٹے سے ذکر کرے تو ایسی خبر کی شرعی حیثیت کیا ہوگی اور اس مخبر پر اعتماد کیسا ہوگا؟ حالانکہ درج بالا حالات میں کئی شکوک وشبہات محسوس ہوتے ہیں۔ فقیہانِ حرم قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کریں۔

ساتواں سوال

مخبر وقوعہ کے روز کافر ہے۔ قرآن کریم کا مخالف ہے۔ سننا ہی گوارا نہیں کرتا۔ جائے وقوعہ پر موجود نہیں۔ وقوعہ سے متعلقہ مخصوص طور پر آیت بارہ سال بعد نازل ہوتی ہے۔ مگر مخبر ایسی حالت کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ آیت وقوعہ کے روز وقوعہ کے بعد وقوعہ سے متعلق نازل ہوئی۔ ابھی آیت اُتری نہیں نزول سے قریباً بارہ سال پہلے مخبر دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ مخبر نہ تو صاحب وحی ہے اور نہ صاحب وحی سے اس وقت اس کی ملاقات ہوئی۔ نہ ہی قرآن فہمی کی لیاقت رکھتا ہے۔ پھر بھی بضد ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ بولیے جناب ایسی خبر کی حیثیت شرعی کیا ہوگی؟ خاص کر جب یہ خبر کائنات کے بدترین الزام پر مشتمل ہے۔ اس خبر میں تشکیلی روایت بتیس سال بعد اپنے بیٹے سے بیان کرتا ہے۔ اب اس مخبر کا دینی تشخص کیا ہوگا؟ خبر کی حیثیت کیا ہوگی؟ ٹھوس یقینی دلیل سے ثابت فرمائیں۔

آٹھواں سوال

اس روایت کے ضمن میں جسے راوی نے بضد ہو کر بیان کیا ہے اپنے اس غیر معقول غیر شرعی، غیر قانونی اور غیر اخلاقی بیان کی

توثیق کے لیے قرآن کی آیت کا ناجائز استعمال کیا ہے حالانکہ وقوعہ سے بارہ تیرہ سال بعد نزول آیت پر آئمہ مفسرین و محققین کا اتفاق ہے کیا کائنات کے اس حساس ترین مقدمہ کے علاوہ کسی اور مقدمہ میں بھی ایسا ہوا ہے؟ کہ کوئی حساس ترین مقدمہ ہوا ہو وقوعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد بارہ، تیرہ سال بعد اس عمل سے اللہ تعالیٰ نے علکتا روکا ہو؟ فقیہان حرم سے گزارش ہے کہ وہ اس وقوعہ کی نشاندہی کریں اور اس پر مشتمل آیت کی بھی نشاندہی فرمائیں تاکہ ہم سمجھیں۔ بیان کردہ وقوعہ کو باور کریں کہ یہ وقوعہ مسلم و بخاری میں بیان کردہ حضرت مسیب بن حزن کی توثیق کے لیے کافی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اتنی تاخیر کا ہونا ضروری ہے جتنی تاخیر مسیب بن حزن رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ وقوعہ میں ہے تاکہ ہر دو وقوعہ جات میں مناسبت معقول ہو ورنہ عدم مناسبت کی وجہ سے حضرت مسیب بن حزن کے بیان کردہ وقوعہ کو خود ساختہ غیر شرعی غیر قانونی اور غیر اخلاقی سمجھ کر مسترد کر دیا جائے گا کیونکہ اس وقوعہ میں بیان کردہ الزام کے لیے جو شرعی دلائل قانونی کوائف اخلاقی اقدار کا ہونا ضروری تھا نہیں پائے گئے۔ بنابریں یہ وقوعہ اور الزام سراسر ہی جھوٹا ہے۔ حرم نبوت پر جارحانہ بہتان ہے بلکہ حرم نبوت کو آگ لگانے کے مترادف ہے جو کہ حرام ہے۔

مختصراً بات یہ ہے کہ اس وقوعہ کی نظیر توثیق کے لیے قرآن کریم سے درکار ہے ورنہ وقوعہ جھوٹا متصور ہوگا۔

نواں سوال

امام بخاری و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اہلِ علم سے درجہ بدرجہ اس روایت کو نقل کیا ہے مثلاً امام بخاری محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ نے امام اسحاق بن راہویہ سے انھوں نے معمر بن راشد سے انھوں نے مسلم بن شہاب زہری سے انھوں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے انھوں نے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس سلسلۂ سند کے اصل راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہیں ان کی روایت کردہ حدیث تو قانونِ شریعت، قانونِ شہادت، قانونِ روایت اور قانونِ درایت کے مطابق لگائے گئے الزام میں موثر شرعی، موثر علمی اور موثر دینی کے اعتبار سے کسی بھی صورت کارآمد ثابت نہیں ہوسکی۔ بلکہ مسترد ہو چکی ہے کیونکہ مذکورہ روایت کسی بھی شرعی دینی، قانون، روایتی اور درایتی الغرض کسی بھی معیار پر پورا نہیں اُتر سکی بنابریں یہ روایت الزام کو ثابت کرنے میں کسی بھی صورت قابل قبول نہیں بلکہ حقیقتاً اگر دیکھا جائے تو یہ روایت بے ہودہ ترین روایت ہے۔ واہی رویت ہے۔ بخاری و مسلم میں نقل ہونے سے یہ کوثر و سلسبیل میں دھلی ہوئی نہیں بن سکتی۔

میں یہ بات علیٰ وجہ البصیرہ کہہ رہا ہوں اور ان شاء اللہ اسے قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت کر کے رہوں گا۔ میرا سوال یہ ہے

کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے اصل راوی ہیں۔ ان کی یہ روایت روایت کہلانے کی حق دار ہی نہیں یعنی اس کو روایت کہنا بھی نفسِ روایت کی بدترین توہین ہے۔ کیونکہ اس کے مندرجات خود بول رہے ہیں یہ روایت سننے کے اہل ہی نہیں تاہم میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس روایت کے سلسلہ سند میں حضرت مسیب بن حزن کے علاوہ جتنے بھی ناقل ہیں مثلاً امام بخاری و مسلم، اسحاق بن راہویہ معمر بن راشد بن شہاب زہری، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ وغیرہ کیا ان کا تجر علمی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اوپر لگائے گئے کفر و شرک کے الزام میں موثر شرعی ہو سکتا ہے؟ جبکہ ان کی تو پیدائش ہی صدیوں بعد ہے۔ فقیہانِ حرم اس کا جواب شرعی قانونی، اخلاقی دلائل سے عطا فرمائیں۔

فقیر صبح قیامت تک انتظار کرے گا۔ اگر ان کا تجر علمی، موثر شرعی و قانونی نہیں ہو سکتا تو پھر اس بدترین الزام کا ذمہ دار کون ہے؟ کیونکہ ناجائز الزام لگایا گیا ہے اور الزام لگانے والے ذمہ داران کا شرعی، قانونی اور اخلاقی مواخذہ کیا ہوگا؟ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی وقوعہ کا عینی شاہد نہ تھا بلکہ اصل راوی حضرت مسیب بن حزن خود بھی عینی شاہد نہ تھے نہ ہی ان کو کسی عینی شاہد نے خبر دی۔ صاحب روایت وقوعہ کے وقت بھی کافر تھے۔ وقوعہ کے گیارہ سال بعد مسلمان ہوئے۔ بینوا و توجروا۔ قاعدہ یہ ہے کہ مُسْتَر محسوس وقوعہ کی عینی شہادت ضروری ہے۔

دسواں سوال

حضرت مسیب والی روایت میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ کو بطور خاص استعمال کیا گیا اور حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگائے گئے کفر و شرک کے گھناؤنے الزام میں موثر شرعی مانا گیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں اے فقیہانِ حرم اس کی تمہارے پاس شرعی دلیل کیا ہے؟ قانونی دلیل کیا ہے؟ جبکہ نزولِ آیت کے وقت اول راوی جو بیان کنندہ ہے اس کا وہاں موجود ہونا ضروری ہے اور ضرورت شرعی ہے حالانکہ مسیب وہاں موجود ہی نہ تھے تو پھر ان کو کس نے حق دیا ہے وہ اس کو بیان کریں جو حقیقت میں اصل ہی نہیں رکھتی شرعاً نہ تو ان کو اس روایت کے بیان کرنے کا حق ہے اور نہ ہی اس آیت کے ناجائز استعمال کا حق ہے ظلم کی بات یہ ہے کہ اس بے ہودگی کو بہت سارے اہل علم نے نقل کیا ہے۔

جبکہ اہل علم کا علمی فریضہ تھا کہ ایسی بے ہودہ روایت کی قانونی شرعی، دینی اور اخلاقی چھان بین کرتے اس اندھے اعتماد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُمت پارہ پارہ ہو گئی۔ اب خطۂ ارض پر اُمت اُمت رہی ہی نہیں۔ گروہ بن گئے تفرقے بن گئے اور من حیث الوجہ ایک دوسرے کی تکفیر بھی کر چکے ہیں۔ یہ نحوست ہے حرم نبوت کے تقدس کو پامال کرنے کی العیاذ باللہ۔ ذمہ دار کون ہے؟

گیارہواں سوال

سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کو سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگائے گئے کفر وشرک کے الزام کی قوت میں بطور دلیل ناجائز طور پر استعمال کیا گیا ہے جس کی فقیہان حرم کے پاس دلیل ہی کوئی نہیں۔ اس پر دو ہی باتیں سمجھ میں آتی ہیں: کیونکہ کثیر اہل علم نے اس بیہودہ روایت پر اندھا یقین کر لیا ہے اور وہ دو باتیں یہ ہیں:

۱۔ یا تو اہل علم نے ان کو صاحب وحی یقین اور تسلیم کر لیا ہے اسی لیے اس روایت کو پوری طمانیت قلب کے ساتھ قبول کر کے کفر ابی طالب علیہ السلام پر نادر کتب تصنیف فرمائیں جو کہ سراسر غلط ہے اور دانستہ جبر ہے۔

۲۔ یا پھر صاحب وحی حضرت محمد ﷺ نے بطور خاص حضرت مسیب بن حزن کو گھر جا کر بتایا ہو کہ تم تو اس وقوعہ پر پہنچ نہیں سکے میں نے بہتر یہی سمجھا کہ جاؤں ایک کافر کے پاس اسے اس عظیم الشان حادثے کی خبر دوں تا کہ اہل کفر کا کلیجہ ٹھنڈا ہو اور مشرکین مکہ کو خوشی کا موقعہ میسر ہو اور وہ شادیانے بجائیں جو ابوطالب علیہ السلام پورے عالم کفر کے سامنے سد سکندری بنا ہوا تھا۔ رکاوٹ اور دیوار بنا ہوا تھا۔ گلے کی پھانس بنا ہوا تھا ایک روڑا بنا ہوا تھا وہ خود کفر وشرک پر مر گیا ہے۔ اسلام پر اور بانی اسلام پر حملہ آور ہو کر خاتمہ کر دیں اسلام اور بانی اسلام کا۔ (العیاذ باللہ)

فقیہان حرم پابند ہیں علمی طور پر کہ وہ ان باتوں کو کسی ٹھوس قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیل سے ثابت کریں تا کہ اُن کی نقل کردہ بے ہودہ روایت اعتناء کے قابل ہو سکے۔

بارہواں سوال

بخاری ومسلم میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی طرف سے نقل کردہ درآمدی غیر مسند غیر مرفوع غیر متصل خانہ ساز سازشی روایت کی بابت فقیر کا سوال پورے ذخیرۂ حدیث وروایت میں یہ اکلوتی روایت ہے اور اکلوتے ہی راوی ہیں نہ ہی اس تشکیل کی کوئی اور روایت ہے اور نہ ہی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور راوی۔ آخر کیا وجہ ہے ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اس تشکیل کے ساتھ پورے ذخیرۂ حدیث میں کسی بھی صحابی سے کسی طرح بھی یہ تشکیلی روایت بیان نہیں کی گئی اور اس پر مستزاد یہ کہ حضرت مسیب بن حزن سے بھی صرف ان کے اپنے بیٹے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے ہی روایت کیا ہے اور کسی نے بھی روایت نہیں کیا کہیں اُن بزرگوں کی طرف بلا دلیل منسوب تو نہیں؟ حالانکہ جائے وقوعہ پر نہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ موجود تھے نہ اس کا باپ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ موجود ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ تو پیدا ہی اس وقوعے کے اٹھارہ سال بعد ہوئے کچھ تو گڑبڑ ہے ناں؟ مگر اس کی علمی دینی شرعی

وضاحت فقیہانِ حرم کی ذمہ داری ہے کیونکہ کفرِ ابی طالب موقف اُن کا ہے میرا نہیں۔ بنابریں یہ بیان بین فقیہانِ حرم کی ہی ذمہ داری ہے اور منصبی فریضہ ہے۔

تیرھواں سوال

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات اور ان کا وقت احتضار یعنی نزعی حالت پر ان کے اہل خانہ کا موجود ہونا ایک بدیہی امر ہے بلکہ رسالت پناہ عالم ﷺ کا وہاں تشریف فرما ہونا ہر دو اعتبار سے یقینی ہے۔ بخاری و مسلم کی درآمدی روایت جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے اس کا خاندانِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ سے روایت ہونا اس تشکیل سے زیادہ موزوں تھا اور قابل قبول تھا مگر اس تشکیل کے ساتھ ان میں سے کسی بھی نفسِ محترم نے بیان نہیں کیا چونکہ یہ وقوعہ جھوٹا ہے اور عصمت مآب نفوسِ قدسیہ سے جھوٹ کو بولا جانا ممکن ہی نہیں۔ حالانکہ یہ تمام لوگ عینی شاہد تھے۔ نجانے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو گھر بیٹھے کیسے خواب آ گیا وہ بھی قرآنی آیت کے ساتھ۔ نعوذ باللہ۔ فقیہانِ حرم وضاحت کریں ایسا کیوں ہوا؟

چودھواں سوال

بخاری و مسلم کی درآمدی سازشی روایت میں بیان کردہ وقوعہ کا اگر واقعی کوئی وجود ہوتا تو یقیناً امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ اسے ضرور اپنی نبوی زبان سے اس تشکیل میں یا اس تشکیل سے زیادہ واضح کسی تشکیل میں بیان فرماتے۔ درج ذیل وجوہات کی صورت میں اہل علم غور فرمائیں۔

۱۔ رسولِ رحمت ﷺ کے کاشانہ رحمت کا یہ وقوعہ تھا۔۔۔۔۔۔

۲۔ خود رسولِ رحمت ﷺ کو اس وقوعہ کا عینی شاہد مانا گیا ہے اور کلمہ پر اصرار کرنے والا مانا گیا ہے اس لیے یہ نبوی ذمہ داری تھی کہ احقاقِ حق کی صورت میں اسے بیان فرماتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

۳۔ اس جھوٹے وقوعے کے ساتھ قرآن کریم کی آیت کو منسلک کیا گیا ہے حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ خود صاحب وحی ہیں اور "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" کا حکم ربی بھی آپ کو ہے کہ آپ اپنی حق آگاہ زبانِ اقدس سے بیان فرمائیں۔ بولیے اے فقیہانِ حرم کائنات علم کے کسی گوشے میں آپ ﷺ نے بخاری و مسلم کی تشکیلی روایت کی کہیں وضاحت فرمائی ہے؟ اگر زبان نبوت نے اس تشکیل کے ساتھ پورے ذخیرہ علم میں کہیں نہیں بیان فرمایا حالانکہ آپ ہی پر قرآن نازل ہوا آپ ہی کے گھر کا معاملہ ہے آپ ﷺ کو ہی حق تھا اسے بیان کرنے کا مگر کہیں بھی کوئی ایسا سراغ ملا نہیں جس میں اس تشکیل کے

ساتھ نبوی زبان نے اسے بیان فرمایا ہو؟ یا یہ بھی نبوت پر الزام ہوگا کہ نبی ﷺ نے دانستہ حق کو چھپایا؟ نعوذ باللہ۔

(۱) حضرت مسیب بن حزن جب وقوعہ کے عینی شاہد ہی نہیں اور

(۲) نہ ہی کسی نے ان کو تفویض شہادت کا حق سونپا ہے؟

(۳) نہ ہی اس وقت کوئی سٹیلائٹ سسٹم تھا جس سے گھر بیٹھے ہوئے انکو وقوعہ کا یقینی علم ہو گیا اور

(۴) نہ ہی جبریل علیہ السلام بھول کر صاحب وحی کی بجائے ان کو وحی کر گئے ہوں۔

(۵) نہ ہی جائے وقوعہ پر یہ پہنچے۔

(۶) نہ ہی انھوں نے براہ راست یہ وقوعہ نبی علیہ السلام سے سنا۔

(۷) نہ ہی صاحب وحی ﷺ نے ان کو اس تشکیل کے ساتھ وقوعہ بیان کیا۔

(۸) اور نہ ہی کسی صاحب ایمان نے اسے یوں بیان کیا ان کو۔

(۹) اور نہ ہی کسی کافر نے یہ ہوائی چھوڑی۔

(۱۰) اور نہ ہی ان کے قائم کردہ دو سلطانی گواہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے ان کو بتایا۔

(۱۱) اور نہ ہی کسی اور کو انھوں نے زندگی بھر بتایا۔

(۱۲) راوی خود اس وقت حالتِ کفر میں ہیں تحملِ روایت اور قبول آیت کی اصلاً صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے۔

(۱۳) نہ ہی کسی جن بھوت نے آ کر ان کو بتایا اور نہ ہی کوئی ایسی سرگوشی پائی گئی جس سے ان کو اندازہ ہو گیا ہو۔

(۱۴) آخر وہ کونسا ذریعۂ علم ہے جس سے راوی کو وقوعہ کا یقین ہوا اور اس نے روایت کو حرم نبوت میں آگ لگانے کے گناہ عظیم میں بھرپور شرکت فرمائی اُمت کے ریزہ ریزہ ہونے کے باعث بنے۔ فقیہانِ حرم سے سوال ہے کہ اس یقینی ذریعۂ علم کی نشاندہی کریں جس سے راوی کو وقوعہ کے حقیقی ہونے کا یقین ہوا ہے اور اسے بلا سوچے سمجھے بغیر دلیل کے بیان کر دیا ہے۔

پندرھواں سوال

حضرت مسیب بن حزن کی بیان کردہ روایت بحوالہ مسلم و بخاری جو ذخیرۂ علم حدیث میں مروی ہے اس روایت کے ضمن میں قرآن کریم کی سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۱۳ " مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ "

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں واضح ہو چکا کہ وہ دوزخی ہیں
یہ آیت کریمہ مشرکینِ مکہ کے خلاف نازل ہوئی مگر کسی ایک مشرک کا نام نہیں لیا گیا حالانکہ ان میں شرک کے بڑے بڑے سرغنے موجود ہیں۔ شرک کی خاطر پیکرِ نبوت کا خون بہانے کے لیے تلے ہوئے تھے بلکہ بعض مقامات پر خون بہایا بھی ہے بدر وحنین اُحد کے غزوات اس بات کے گواہ ہیں شرک کی حمایت کرتے ہوئے ان ملعونوں نے کئی ایک صحابہ کرام کو قتل کیا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان شرک کی مخالفت میں شدید زخمی بھی ہوئے شہید بھی ہوئے حتی کہ کاشانۂ نبوت کے بڑے بڑے عظیم سرخیل جیسے حضرت امیر حمزہ، جعفر طیار، مولائے کائنات ودیگر احباب اکابر نفوسِ قدسیہ بھی شہید ہوئے رضی اللہ عنہم۔ مگر ان کو شہید کرنے والے کافر و مشرک تھے۔ زیرِ بحث آیت کے ضمن میں کسی بھی کافر کو نامزد نہیں کیا گیا اگر مذکورہ آیت و روایت میں نامزد کیا گیا ہے تو اس شخص کو کیا گیا ہے جو ساری عمر شرک سے لڑتا رہا۔ اہلِ شرک سے اُلجھتا رہا۔ کلمہ طیبہ کا دفاع کرتا رہا۔ شرک سے نفرت کرتا رہا۔ کسمپرسی میں اہلِ اسلام کا میزبان رہا۔ رسولِ توحید کا حامی رہا ناصر رہا خادم رہا پوری کائنات سے بڑھ کر محبت کرنے والا رہا۔ اپنے خاندان کے نوجوانوں کی اسلام کی حمایت کی خاطر قربانیاں دینے والا رہا پچاس سال تک جسد نبوت سے پیوستہ رہا اسلام کی شمشیر بے نیام رہا کفر کا منہ کالا کرنے والا رہا محسنِ اسلام بانیٔ اسلام کا ٹائٹل اپنے نام لگانے والا رہا اپنے کائناتی ہر اعزاز میں پوری کائنات سے منفرد رہا اور امام رہا، صاحب اُسوۂ حسنہ محبت رسول رہا غمگسار پیکرِ نبوت رہا دلدار حسن رسالت رہا جن کے احسانات کا شکر یہ اُمت قیامت تک نہیں ادا کر سکتی وہ محسنِ عظمت رہا یہ ساری عظمتیں تواتر سے ثابت ہیں بولیے فقیہانِ حرم تمہارے راوی کی کونسی عظمت تواتر سے ثابت ہے۔ ان کے اس وقت کے کفر کا تو ہر ایک نے قول کیا ہے فتح مکہ میں ان کے اسلام کا قول کیا جاتا ہے وہ بھی صدیوں بعد بعض اہلِ علم نے اپنی اپنی مصنفات میں ان کے اسلام کے بلا دلیل اقوال نقل کیے ہیں ان بلا دلیل اقوال پر یقین کے لیے کیسے پابند ہوا جا سکتا ہے؟
معارضۂ میرا آپ سے مطالبہ ہے کہ اس بیہودہ روایت کے راوی کا کسی تواتر کے ساتھ ثبوت دیں کہ ان کا اسلام کس تواتر سے ثابت ہے؟ ان کی صحابیت کس تواتر کے ساتھ ثابت ہے؟ ان کی دینی علمی عظمت و شہرت کس تواتر کے ساتھ ثابت ہے؟ کیا ان کا اسلام قرآن کی کسی آیت میں منصوص ہے؟

کیا ان کی صحابیت کسی متواتر حدیث کے ساتھ منصوص ہے؟

کیا ان کی علمی صلاحیت کسی تواتر کے ساتھ منصوص ہے؟

زمانہ کفر میں قرآن فہمی نزولِ قرآن سے پہلے قرآن فہمی کس تواتر کے ساتھ ثابت و منصوص ہے؟

ان کے خود ساختہ وقوعہ کی تصدیق کس دلیل شرعی اور تواتر کے ساتھ ثابت و منصوص ہے؟

یقیناً نہیں تو پھر ان کو الزام پر مبنی روایت، روایت کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟
فقیہانِ حرم کی علمی، دینی ذمہ داری ہے کہ مذکورہ راوی کا پیدائش سے لے کر وفات تک مکمل عدالت کا ریکارڈ مہیا کریں۔ اہلیتِ روایت کا شرعی تعین کریں خود نفسِ روایت کا شرعی تعین کریں۔ کیا یہ ثبوت الزام کفر میں کافی ہے؟
آیئے جناب آپ ثابت کریں ان کا علمی مقام صحابہ کرام میں کتنا متعارف ہے؟ ان کی اسلام کی ترویج واشاعت میں کس قدر سرگرمیاں ہیں جو قابل ذکر ہیں؟ کسی تابعی کا باپ ہونا وجہ عظمت ہے تو بہت سارے کفار کو مسلمان ماننا پڑے گا یہ آپ کی مجبوری ہے۔
جب آپ کے پاس تزکیۃ الشہود کے لیے اس راوی کے حق میں کوئی قطعی یقینی دلیل ہی نہیں تو اس کی روایت کو قبول کر کے حرمِ نبوت کو آگ لگانے کا جواز آپ کو کس نے دیا ہے؟ قلبِ نبوت پر ضرب کاری لگانے کا آپ کو کس نے حق دیا ہے؟ اہلِ محبت اہلِ بیت نبوت کی روحوں کو زخمی کرنے کا آپ کو کس نے حق دیا ہے؟
بعض اہلِ علم نے اسے مرسل کہا ہے مگر میں اسے مرسل بھی تسلیم نہیں کرتا کیونکہ مرسل روایت وہ ہوتی ہے جس میں ارسال کرنے والا اپنے اوپر والے راویوں کو چھوڑ کر براہ راست حضور علیہ السلام سے یا صحابی سے روایت کرے یعنی مرسل مُرسَل کے درمیان کوئی نہ کوئی راوی ضروری ہوتا ہے جسے ارسال کرنے والا چھوڑ دیتا ہے مگر یہاں تو ایسا ہرگز نہیں جناب حضرت مسیب بن حزن کا اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی دوسرا راوی اصلاً ہے ہی نہیں۔ پورا راوی ہضم کر لیا گیا ہے پھر بھی روایت روایت ہے نعوذ باللہ۔ دورِ مکی میں تو ایسا ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ 21۔ سالہ کفر میں اٹے ہوئے تھے اور مدنی دور میں اس لیے ممکن نہیں کہ مذکورہ آیت مجمع عام میں بیان فرمائی گئی ہزاروں میں سے کسی ایک نے بھی اس آیت کی بابت یہ وقوعہ نہیں تراشا۔
رہا ان کا صحابی ہونا تو میں معارضۃً اس پر دلیل چاہتا ہوں جو ٹھوس بھی ہو قطعی بھی ہو یقینی بھی ہو۔ جو ان کے اسلام لانے اور صحابی ہونے کو بیان کرے اور نصاً بیان کرے۔ مجھے ان کے اسلام لانے کی نبوی تصدیق درکار ہے اور الوہی تصدیق درکار ہے اہلِ علم کی صدیوں بعد لکھی جانے والی مصنفات میں جو ان کا تذکرہ ملتا ہے وہ کسی دینی تفصیل کے ساتھ نہیں بعض اہلِ علم کے ذاتی اندازے ہیں اور بلا دلیلِ شرعی ہیں لہٰذا ضروری سمجھتے ہیں ان کے تقدس کو ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی شرعی دلیل ضرور ہونی چاہیے تاکہ ہم ان کی بیان کردہ روایت کو اس قابل سمجھیں کہ اس پر غور کیا جائے ورنہ تو ان کی روایت کسی بھی اعتبار علمی سے اس لائق ہی نہیں کہ اس کو روایت شمار کیا جائے۔
میں بارے دیگر عرض پرداز ہوں منکرین ابوطالب علیہ السلام سے پہلے اپنے ایمان کی منزل من اللہ، منصوص من اللہ تصدیق

لے آؤ۔ یا ارشاد نبوی کا حوالہ پیش کرو اور وہ تمہارے ایمان میں نص ہو کیونکہ تم نے بھی تو اہلِ بیت نبوت سے محبت کرنے والوں سے امام العاشقین امام الواصلین محسنِ ملت اسلامیہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان پر دلیل طلب کرتے ہو بنابریں اہلِ محبت بھی تم سے یہی تقاضا کرتے ہیں ہمیں راوی کی مکمل دینی تفصیل دلائل شرعیہ کی روشنی میں چاہیے باقی رہا اس بیہودہ روایت کا بخاری و مسلم میں در آنا تو یہ نہ تو کوئی دینی معیار ہے اور نہ ہی علمی معیار ہے کیونکہ بخاری و مسلم کی بہت ساری روایات متکلم فیہ ہیں اور ان کے بہت سارے راوی مجروح ہیں متکلم فیہ ہیں ضعیف ہیں اس بحث میں ہماری گفتگو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت سے ہے۔ یہ باتیں میں نے معارضۃً کی ہیں ثبوت اہلِ علم کے ذمے ہے۔ ورنہ میں ان کی ہر عظمت کا قائل ہوں مگر مجوزہ روایت جو ان کی طرف منسوب ہے وہ انتہائی بیہودہ ہے۔

سولہواں سوال

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کا ناجائز استعمال کیا گیا ہے خصوصاً حرمِ نبوت کے خلاف حرمِ نبوت کے دو نفوسِ قدسیہ ایسے ہیں جن کے خلاف اس آیت کریمہ کو بڑی مہم جوئی کے ساتھ غلط استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں پہلا نفسِ رحمت، محسنِ اسلام، بانیٔ اسلام، حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں۔ اور دوسرے محسنہ عالمین مخدومہ کائنات مبدۂ پیکر نبوت، طیبہ طاہرہ، زکیہ، تقیہ، نقیہ نعیمہ مخزنہ نورِ نبوت حضرت بی بی آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا و ابیہا و امھا الی ماینہا یہ افضل صلوٰۃ، اکمل السلام سلام اللہ تعالیٰ الی یوم القیامۃ و الی یوم الابد۔ ہیں۔

پورے عالم کفر میں دو نفوسِ قدسیہ ہیں جن کو اس آیت کے ضمن بطور کافر و مشرک نامزد کیا گیا ہے باقی کسی کو بھی نامزد نہیں کیا گیا آخر کیوں؟

حالانکہ مکہ میں بڑے بڑے کفر و شرک کے ترجمان سرغنے فرعون موجود تھے۔ کسی کی بھی تکفیر پر نہ تو کسی فقیہ حرم کو کتاب لکھنا یاد رہا نہ ان کے واضح کفر پر افسانے لکھنا یاد رہا بس بجلی گرائی بھی تو کاشانۂ نبوت پر گرا دی۔ پھر کلمہ بھی پڑھنا شروع کر دیا اے فقیہانِ حرم کتنی عجیب بات ہے کلمہ بھی اسی نبی کا پڑھتے ہو اور اس نبی کے ماں باپ کو گالی بھی دیتے ہو اور وہ بھی کفر و شرک کی۔ اس زیادتی پر دلیل دیں؟

ایک طرف کہتے ہو کہ نبی علیہ السلام نے ایک سوکھی ہوئی لکڑی پر ایک سیکنڈ کے لیے ہاتھ پھیرا تو وہ لکڑی نور برسانے لگ گئی اندھیروں میں صحابہ کرام کی گھروں میں واپسی کے لیے راہنما بن گئی فلاں کے چہرے پر نبوت کا ہاتھ اتفاقاً لگ گیا وہ چہرہ نور سے روشن ہو گیا وغیرہ وغیرہ اور دوسری طرف اسی قلم سے لکھتے ہو کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پچاس سال تک مسلسل وجود

نبوت سے لپٹتے رہے مگر کلمہ نہ پڑھ سکے ان کے اندر ایمان کا نور نہیں آیا اس دوہرے علمی معیار کو کون مانے گا جو مانے گا برباد ہو جائے گا۔ بھئی اس طرح تو تم نبوت پر الزام لگا رہے ہو کیونکہ نبوت کا فیض بار ہونا نبوت کی فطرت ہے مگر پچاس سال کی صحبتوں کے باوجود نبوت فیض بار فیض رساں نہ ہو سکی؟ نعوذ باللہ۔ کیا یہی فقہی بصیرت ہے۔

میرا آپ سے علمی مطالبہ ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ جو مشرکین مکہ کے خلاف نازل ہوئی آپ نے ان کے بارہ (۱۲) شانِ نزول کا تعین کیا ہے بعض نے چھ کا بعض نے پانچ کا بعض نے چار کا کسی نے اختصار سے کام لیا کسی نے تفصیل سے۔ ان بارہ یا چودہ شان نزولوں میں سے آپ نے کس دلیل شرعی سے تاویل کر کے محسنِ اسلام حضرت ابو طالب علیہ السلام اور محسنہ عالمین مخدومہ کائنات حضرت بی بی آمنہ سلام اللہ علیہا کو اس جھوٹی ایف آئی آر میں نامزد کیا ہے وہ دلیل سامنے لائیں؟ یا دلیل ترجیح دیں کیونکہ ترجیح بلا مرجح علمی جرم ہے۔ سامنے آیئے ہم انتظار میں ہیں صبح قیامت تک۔

فقیر فریدی کا فقیہانِ حرم کو کھلا ہوا چیلنج ہے

آیئے فقیہان حرم آپ حضرت ابو طالب علیہ السلام اور محسنہ العالمین مخدومہ کائنات اُم محمد حضرت بی بی آمنہ سلام اللہ علیہا کے نفوس قدسیہ کی پوری حیاتِ عصمت میں ایک لمحہ کے لیے بھی کسی ٹھوس قطعی یقینی دلیل سے ثابت کر دو کہ انھوں نے پوری حیاتِ عصمت میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی شرک کیا ہو کفر کیا ہو؟ ہم اپنا قلم روک لیں گے۔

سترہواں سوال

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کے مسکین کے جزوی مطالعہ اور استقراء کے مطابق اس کا نزول چودہ مرتبہ ہوا ہے۔ مختلف وقوعہ جات کو اس آیت کے ضمن میں مختلف راویوں نے روایت کیا ہے اور اس کا شانِ نزول اپنے بیان کردہ واقعہ کے حق میں مانا ہے۔ ان شان نزولوں میں ایک شانِ نزول حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا ہے ان کی بیان کردہ روایت نہ تو سنداً مرفوع ہے نہ متصل ہے نہ ہی مسند ہے۔ میرے مطابق مرسل بھی نہیں کیونکہ اس کا ایک پورا راوی ہضم کر لیا گیا ہے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کسی یقینی دلیل سے حضرت ابو طالب علیہ السلام کی پچاس سالہ زندگی کا ایک لمحہ بھی کسی طرح مشرک نہ ثابت کر سکا ہے۔ اور نہ ہی کوئی محقق ایسا کر سکتا ہے جس کا حوالہ مسیب دیتے جبکہ دیگر شانِ نزولوں میں راوی بھی ان سے مضبوط ہیں، روایات بھی متصل ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر علمی شواہد بھی ان کے حق میں بولتے ہیں باوجود اس کے بھی انھوں نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کفر و شرک میں بلا دلیل نامزد کر دیا ہے اور فقیہانِ حرم نے بھی مکھی پر مکھی ہی ماری ہے نہ انھیں اصول روایات یاد رہا نہ اصول درایت ملحوظ رہا۔ نہ ترجیح بلا مرجح کا جرم یاد رہا نہ ہی دلیل ترجیح قائم کی نہ کوئی علمی قواعد کی

پاسداری کی نجانے ان کو کونسا خیال دامن گیر رہا۔ اپنے وضعی استقرائی قواعد کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ اہل علم وجہ ترجیح قائم کریں اور دلیل ترجیح بھی دیں۔

اٹھارہواں سوال

حضرت مسیب بن حزن نے اپنی تشکیل شدہ روایت میں دو سلطانی گواہ قائم کیے ہیں:

(۱) ابوجہل عمر بن ہشام (۲) عبداللہ بن ابی امیہ

ان دونوں کو انھوں نے عینی شاہد مانا ہے بلکہ اس واقعہ کی تشکیل کے بنیادی عناصر مانا ہے کہ وہ کہتے رہے کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے منہ نہ پھیرنا۔ بالآخر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے ان کے بھرم کو نہیں توڑا ان کے کہنے پر کفر پر مرے وغیرہ نعوذ باللہ من ذالک البہتان۔ میں فقیہانِ حرم سے پوچھتا ہوں کیا ابوجہل کفر کا سرغنہ نہیں تھا؟ ضرور تھا۔

کیا اس کے لیے رسولِ دو عالم ﷺ کو ستانے کا موقع اس سے اچھا کوئی اور تھا؟ کیا یہ وہی ابوجہل نہیں جس کو عظمت معراج برداشت نہیں ہوئی تھی اس نے حرمِ کعبہ میں تالیاں بجا بجا کر نبیٔ رحمت کا مذاق نہیں اڑایا تھا؟ اب کی بار مذاق کیوں نہ اُڑایا؟ کیوں نہیں کہا کہ لوگو یہ محمد ﷺ ہیں جو اپنے چچا جو سب سے بڑا ان کا حامی تھا اس کو ہدایت نہیں دے پایا ہم کو کیسے ہدایت دے پائے گا؟ ابوجہل نے یہ کیوں نہ کہا کہ لوگو اگر محمد حق پر ہوتے تو ان کو انکا بہترین ساتھی، حامی و ناصر نہ مان لیتا؟ لہٰذا وہ حق پر نہیں ہیں اس لیے ان کو وفاداری کے باوجود ابوطالب علیہ السلام نے نہیں مانا۔

ابوجہل کے لیے شور شرابے کا بہترین موقع تھا ابنِ اُمیہ نے اسے کیوں گنوایا؟ ابوجہل کیوں نہیں بولا وہ کافر تھا مگر جھوٹ کو برا جانتا تھا کیونکہ اہلِ عرب جھوٹ کو عادتاً برا جانتے تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے خلاف نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں جھوٹ اس لیے نہیں بولا کہ اُسے جھوٹا نہ کہا جائے۔ چونکہ ابوجہل بھی اس وقوعہ کو جھوٹا جانتا تھا اس لیے بھی وہ عناداً بھی اسے کسی کے سامنے عمر بھر بیان نہیں کر سکا اور جھوٹے وقوعہ کے تقریباً چار سال بعد غزوہ بدر میں مارا گیا اس عینی شاہد نے کسی سے ذکر تک نہیں کیا کہ ایسا ہوا ہے۔ دوسرا عینی شاہد بھی بدترین دشمن اسلام تھا رسولِ دو عالم ﷺ کے قتل کے منصوبے بنایا کرتا تھا فتح مکہ کے کچھ عرصہ قبل مسلمان ہوا۔ مگر اس نے بھی اس جھوٹے وقوعہ کی بابت کچھ بھی کبھی نہیں بتایا۔ اگر ان کے نزدیک اس جھوٹے وقوعے کی کوئی حقیقت ہوتی تو یقیناً عناداً ہی سہی مگر کسی نہ کسی سے اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان سلطانی گواہوں نے بھی کبھی اصل مدعی مقدمہ ہذا کو اپنی چشم دید گواہی سے آگاہ نہیں کیا اور نہ ہی یہ کبھی انھوں نے کہا کہ ہم اس مقدمہ میں چشم دید گواہ ہیں۔ چونکہ یہ مقدمہ سرے سے ہی بوگس اور جھوٹا تھا لہٰذا اس کے ثبوت میں کہیں سے بھی کوئی

شہادت کسی کو نہ مل سکی رہا مسلم و بخاری میں اس کا درج ہو جانا تو یہ بات اس جھوٹ کو سچ بنانے میں کافی نہیں ہاں اگر بخاری و مسلم اس کو سچ ثابت کرنا چاہیں یا ان کا کوئی حامی ایسا کرنا چاہے تو میدان بھی حاضر ہے فقیر بھی۔

مگر بات یہ ہے کہ گفتگو علم کی روشنی میں ہو اس جھوٹے الزام کو ثابت کرنے کے لیے اگر کسی کے پاس ٹھوس قطعی الدلالہ قطعی الثبوت دلائل موجود ہیں تو لے آئے ہم تحقیقی طالب علم ہیں۔ دلیل کی قوت پر یقین رکھتے ہیں مگر سطحی ظنی، خود ساختہ شواہد پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ہی اس مقدمہ میں وہ مطلوب و مقبول ہیں اس سوال کے آخر میں میں حضرت مسیب بن حزن کے حضور دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ آپ ہی اپنی بیان کردہ روایت میں اپنے مقرر کردہ عینی گواہوں کو اپنے حق میں بلوا لیجیے تاکہ آپ کی روایت کے کل پرزے سیدھے ہو جائیں اور آپ کا اور آپ کی روایت کا بھرم بھی رہ جائے ہم اپنا معارضہ واپس لے لیں مگر مجھے یقین ہے کہ آپ کے گواہ آپ کے حق میں نہ کبھی پہلے بولے ہیں اور نہ ہی کبھی بعد میں بولیں گے بلکہ قیامت کے دن بھی وہ آپ کے حق میں بولیں ایسا لگتا ہی نہیں اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ آپ فوراً اس جھوٹے مقدمے سے الگ ہو جائیں جو آپ کے گھر تیار کیا گیا ہے۔ یا آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ثبوتِ الزام کے لیے ٹھوس، قطعی، یقینی شواہد کی شرعاً، قانوناً، روایتاً اور درایتاً اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اندازوں سے الزام ثابت نہیں ہوتا۔ یہ قانونِ قدرت بھی ہے قانونِ عدالت بھی۔ بلکہ کائنات بھر کے لوگ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کی عدالتیں آج بھی ٹھوس شواہد کی روشنی میں الزام کو ثابت مانتی ہیں اور فیصلہ دیتی ہیں ان عدالتوں کو دیے گئے شواہد میں ادنیٰ سی جھول نظر آئے یا دلیل مشکوک ہو تو شک کا فائدہ دے کر قاتلوں کو بھی رہا کر دیتی ہیں جبکہ آپ کی بیان کردہ روایت ہر لحاظ سے مشکوک ہے۔ روایتاً درایتاً بھی شرعاً بھی قانوناً بھی بلکہ آپ کی روایت کے مندرجات خود بول رہے ہیں کہ ان کا نہ کوئی علمی وجود ہے نہ دینی وجود ہے نہ شرعی۔ باقی میں دیگر اہلِ علم جو اس بیہودہ روایت کو لے کر حرمِ نبوت پر حملہ آور ہوتے ہیں ان سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ وہ توبہ کر لیں اگر آپ بضد ہیں کہ اس جھوٹے مقدمہ کو بہر صورت ثابت کرنا ہی ہے آیئے ہم حاضر ہیں آپ کے دیگر وضعی دلائل کا بھی وہی حشر کریں گے جیسا آپ کی اس جعلی ایف۔ آئی۔ آر کا حشر کیا ہے۔ یہ روایت جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذخیرۂ علم میں موجود ہے اور اس کے ساتھ قرآن کریم کی دو آیات کا غلط ناجائز بلا دلیل استعمال کیا گیا فقیر پورے علمی دلائل سے بفضل تعالیٰ یہ ثابت کرے گا کہ یہ روایت جعلی خود ساختہ سازشی کے علاوہ کچھ نہیں۔ جو محترم بزرگوں کی طرف منسوب کر دی گئی ہے تاکہ بنواُمیہ کے بہیمی جذبوں کی تسکین ہو سکے۔ اس کے علاوہ نہ اس کی کوئی علمی حیثیت ہے نہ شرعی، نہ قانونی۔ روایتاً یہ متصل نہیں درایتاً یہ صحت کی عظمت سے عاری ہے آپ کے ہی اہلِ علم نے اصول وضع کیا ہے کہ امر حسی سے متعلق خبر کا مخبر واقعہ کا عینی شاہد ہو۔ واقعہ کی تمام جزئیات کے سمجھنے میں کامل دسترس رکھتا ہو مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ بس ایک

ناکام سی کوشش بعض اہلِ علم نے کی ہے کہ چونکہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ جو وقوعہ کے عینی شاہد ہیں وہ بھی مخزومی تھے اور راوی بھی مخزومی تھا یعنی قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق کی بنا پر ممکن ہے کہ راوی وہاں موجود ہو یہ کتنا بھونڈا استدلال ہے مجھے تو شرم آرہی ہے کہ میں اس اس پر کوئی نقد و تبصرہ کروں کیا مخزومی ہونا اگر جائے وقوعہ پر موجود ہونے کی دلیل ہے تو پھر پورے قبیلے ہی کو مخزومی ہونے کی بناء پر جائے وقوعہ پر موجود تسلیم کرلیا جائے۔ مقدمہ کائنات کے بدترین الزام پر مشتمل ہے اور کائنات کے عظیم ترین انسان کے خلاف ہے اور ثابت دلیل کی بجائے ذہنی اندازوں سے کیا جارہا ہے یہ کتنی شرمناک بات ہے۔

انیسواں سوال

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کو جب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے اپنی بیان کردہ روایت میں بلا دلیل شامل کیا تو کچھ اہلِ علم نے علمی اعتراض کیا کہ وقوعہ دس سنِ نبوی کا ہے نزولِ آیت نو سنِ ہجری کو ہے درمیان میں بارہ سال کا دورانیہ بنتا ہے اتنی تاخیر سے نزولِ آیت کا روایت سے کوئی تعلق نہیں لگتا اس کی علمی مناسبت کی صورت میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی؟ اس علمی اعتراض پر اہلِ علم سیخ پا ہوگئے؟ اس خانہ ساز روایت کے حق میں بولنے لگے طرح طرح کی تاویلات کرنے لگے سب کے لیے جو تاویل مناسب حال اور مقبول گردانی گئی وہ امام واحدی کی تاویل ہے جس کو انھوں نے "یَحْتَمِلُ" کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے آپ ﷺ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے دن سے لے کر نزولِ آیت بارہ سال تک مسلسل دعائے استغفار فرماتے رہے ہوں لہٰذا آیت اور روایت میں تاخیر کے بعد بھی اگرچہ تاخیر بارہ سال سے زائد عرصہ پر ہی مشتمل ہے علمی مناسبت قائم ہوگئی۔ اس پر بھی خال خال لوگ مطمئن نہ ہوئے تو ہمارے ایک بر صغیر کے عظیم بزرگ ہیں انھوں نے غصہ میں آکر فرمایا تم واحدی کی احتمالی تاویل کو دل سے نہیں مانتے تو میں تمہیں نصِ حدیث سے ہی اتنی تاخیر ثابت کردوں گا فرمایا مَالَمْ أُنْهَ کا جملہ بذاتِ خود اس تاخیر کو بیان کر رہا ہے جب تک میں روکا نہ جاؤں میں مسلسل حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لیے طلبِ استغفار کرتا رہوں گا۔ یہ فاضل بزرگ اپنی تحکمانہ عظمت کو حدیث کے ضمن میں منوا کر خوش ہوگئے کہ ابوطالب علیہ السلام اب مضبوط شکنجے میں پھنس گئے۔ اب کہاں نکل کر جائیں گے ورنہ ان کو کیا ضرورت تھی کہ اتنی بڑی دلیل کا سہارا لیتے۔ بلکہ اس غصے کی توثیق کے لیے ایک پوری کتاب لکھ ماری۔ جسے میں نے 14 مرتبہ پڑھا اور اٹھائیس مرتبہ ہنسا کہ کیا خوب حصہ ڈالا ہے موصوف نے چلو ہم مانتے ہیں ان ہر دو بزرگوں کی توجیہ کو مان لیا کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ مگر یہ ان کا اپنا خیال ہے اور بلا دلیل ہے تحقیق کے لیے اندازے نہیں ٹھوس دلیل کی ضرورت ہے اور دلیل بھی ایسی جو دو جمع دو برابر چار کا نتیجہ دے۔ احتمالات کی روشنی میں دلیل قائم ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ ہر احتمال کا مدِّ مقابل

موجود ہے یعنی احتمال امکان اور عدم امکان کے درمیان دائر ہے یہ تو مفیدِ ظن بھی نہیں مفیدِ یقین کیسے ہو پائے جو مفیدِ ظن بھی نہیں اس پر اعتماد کیسا؟

اب ہم ان کی بارگاہِ عظمت وجلال میں عرض کرتے ہیں حضور والا اس حوالے سے آپ کی بارگاہ میں نہایت ادب سے چند سوالات ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام سے لے کر نو ہجری تک آپ ﷺ نے مسلسل بارہ سال تک ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی حتی کہ آیت نازل ہوگئی۔ یہ نکتہ حدیث کی نص سے آپ نے ثابت فرمایا حالانکہ یہ وضاحت آپ کے اپنے ہی روحانی ذوق کے ہی مخالف ہے کیونکہ آپ نے اپنی کتاب حدائق بخشش میں واضح فرمایا ہے کہ

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
اٹھی جو دعاء بن کر صدائے محمد
زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ عرشِ بریں زیرِ پائے محمد

بولیے جناب اب پہلے والا بیان صحیح ہے یا بعد والا۔ اگر پہلے والا صحیح ہے تو یقیناً بعد والا غلط ہے اُمت کو اس غلطی سے روکنا آپ کا منصبی فرض ہے۔ اگر بعد والا کلامیہ بیان درست ہے پھر پہلے والا یقیناً غلط ہے اگر دونوں غلط ہیں یہ انتفائے نقیضین ہے جو کہ محال ہے اگر دونوں صحیح ہیں تو یہ اجتماعِ نقیضین ہے یہ بھی محال ہے۔

اگر کسی کی رگِ ہستی پھڑ پھڑائے کہ جناب اتنی بڑی شخصیت کے خلاف معارضہ کر ڈالا یہ بڑی جسارت ہے جناب میں بڑوں کا احترام کرنا اپنا ایمانی فریضہ سمجھتا ہوں۔ مگر حرم نبوت کے بعد۔ حرمِ نبوت کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کا تعاقب کرنا میرے ایمان کی مجبوری ہے۔ تاہم مذکورہ معارضہ تو ایک۔۔۔ جواب کی صورت میں نہایت ادب کے ساتھ تھا اب تحقیقی معارضہ حاضرِ خدمت ہے۔ اس بزرگ موصوف کی علمی جلالت برصغیر میں مسلم ہے ہی مگر ان کا علمی تشخص دلیلِ شرعی ہرگز نہیں بن سکتا شرعی احکام کے لیے دلائلِ شرعیہ پر ہی اعتماد ہوتا ہے نہ کہ کسی شخصیت پر

دوسرا سوال:۔ جناب والا آپ کی شانِ مجددیت نے کبھی آپ کی توجہ اس طرف نہیں دلائی کہ حدیثِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت غیر صحیح ہے غیر متصل ہے غیر مرفوع ہے غیر مسند ہے بعض اہل علم کے نزدیک مرسل ہے جبکہ فقیر کے نزدیک تو مرسل بھی نہیں کیونکہ اس کا ایک راوی ہضم کر لیا گیا ہے۔ یہ وقوعہ مصر محسوس نوعیت کا تھا اس کی خبر دینے والے راوی کا جائے وقوعہ پر ہونا شرعی ضرورت ہے۔ وقوعہ ایک گھناؤنے الزام کی بابت بیان کیا گیا ہے لہٰذا اس کے

ثبوت کے شواہد کا قطعی اور یقینی ہونا لازمہ شریعت ہے۔ ثبوت الزام کے لیے دلائل کا قطعی ہونا انتہائی ضرورت شرعیہ ہے۔ نزول آیت کی خبر دینے والے کا جائے نزول پر حاضر ہونا شرعاً ضروری ہے ورنہ وہ نزول آیت کے حالات کو بیان کرنے کا مجاز ہی نہیں ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے وقت جائے وقوعہ پر حاضر ہونا وقوعہ کا عینی مشاہدہ کرنا کسی بھی صورت میں ثابت نہیں اور نزول آیت کے وقت جائے نزول پر ان کا حاضر نہ ہونا بالکل واضح ہے۔ نزول آیت کا مشاہدہ انھوں کس صورت میں کر لیا تھا؟ اس صورتحال کی علمی یقینی نشاندہی کرنا آپ کے ذمہ ہے پھر ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ ان کو صاحب وحی مان لیا جائے تو پھر اس روایت کے کل پرزے سیدھے ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

ظلم پر ظلم یہ ہے کہ اس خانہ ساز روایت میں قرآن کریم کی دو آیات کا ناجائز استعمال کیا گیا ہے ایک سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 دوسری سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113۔ حیرت اس بات پر ہے کہ سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 چھ یا سات سن نبوی میں نازل ہوئی کیونکہ اس سورۂ کا نزول یکبارگی ہوا۔ یہ وفات ابوطالب علیہ السلام کے وقوعہ سے تین چار سال پہلے نازل ہوئی جبکہ سورۂ توبہ بھی یکبارگی 9 سن ہجری ذیقعدہ کے مہینے میں یعنی دس سن ہجری کے قریب نازل ہوئی۔ وقوعہ کے بارہ، تیرہ سال بعد نازل ہوئی ایک سورۂ مکہ میں سات سن نبوی کے قریب قریب نازل ہوئی نہ اس کا تعلق وفات ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ ہے اور نہ ہی سورۂ توبہ کی 113 نمبر والی آیت کا تعلق کسی بھی طرح دس سن نبوی میں ہونے والے وقوعہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نہ تو آیت قصص کے نزول کے وقت وہاں موجود تھے کیونکہ وہ اس وقت پکے کافر تھے قرآن سننا ہی گوارا نہیں کرتے تھے قرآن کی اور صاحب قرآن کی بھرپور مخالفت کرتے تھے اور نہ ہی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ وفات ابوطالب علیہ السلام کے وقت ان کے ہاں حاضر و موجود تھے نہ ہی وقوعہ کے عینی شاہد تھے اور نو سن ہجری کے اخیر میں وہ نزول سورۂ توبہ کے وقت بھی وہاں موجود تھے جبکہ ہر سہ مقامات پر ان کا حاضر ہونا شرعاً ضروری تھا اگر ایسا ہی ہوتا یعنی یہ ہر تین مقامات پر موجود ہوتے تو اس روایت کو روایت کرنے کے شرعاً مجاز تھے جب یہ طے ہے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ان تینوں مقامات پر موجود نہ تھے اور انھوں نے یہ مناظر نہ اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اور نہ ہی کسی دیکھنے والے سے براہ راست سنے۔ چونکہ معاملہ حرم نبوت کا تھا رسول دو عالم ﷺ کو اس روایت کا عینی شاہد مانا گیا ہے جس تشکیل کے ساتھ اسے بخاری و مسلم میں بیان کیا گیا ہے پورے ذخیرۂ حدیث میں کوئی ایک روایت متصل اور مرفوع سند کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے کہیں بھی بیان فرمائی ہو ان ہر دو آیات کی اس وقوعہ کی بابت نشاندہی کی ہو یا کسی اور راوی نے اس تشکیل کے ساتھ اسے روایت کیا ہو تو ہم قبول کرنے کے لیے حاضر ہیں اپنا قلم روکنے کے پابند ہیں حسب وعدہ پھر اگر ایسا کچھ

بھی نہیں اور یقیناً نہیں ہوا تو پھر اہل علم کیوں بضد ہیں حرم نبوت کو آگ لگانے کے لیے۔ امت کو برباد کرنے کے لیے۔
حضرت مجدد شرعی کوائف مہیا فرمائیں تا کہ روایت صحیح ہو جائے۔

آیئے ایک چھوٹی سی معارضی عرض کیے دیتا ہوں؟

سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 میں شانِ نزول کی کل تعداد بارہ ہے ان بارہ روایات میں سے چار روایتیں حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ محسنہ عالمین مخدومہ کائنات حضرت بی بی آمنہ سلام اللہ علیہا کی بابت ان کے خلاف بیان کی گئیں اور یہ آیت ہر روایت میں بیان کی گئی ہے روایت اور آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ سیدہ عالمین بی بی آمنہ سلام اللہ علیہا مشرکہ تھیں (نعوذ باللہ) صورت اس کی یہ بیان کی گئی کہ سیدِ عالم ﷺ اپنی والدہ کریمہ کے مزار اقدس پر پہنچے اور آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا فرمایا کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنا نبی کے لیے جائز ہی نہیں۔ اس پر آپ روئے پھر صحابہ کرام کو آپ نے بذات خود وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ اب ان چاروں بیان کردہ روایات کے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت سے امتیازات عرض خدمت ہیں۔

(۱) ان روایات میں ایک روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں دوسری روایت کے راوی حضرت بُریدہ اسلمی ہیں۔
تیسری کے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ چوتھی روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

نوٹ:۔ یہ تمام راوی علمی اعتبار سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ بلند ہیں ان میں اکثر مجتہد ہیں جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا مجتہد ہونا تو دور کی بات ہے ان کو تو صحابہ کرام میں سادہ عالم ماننے کے لیے بھی کوئی تیار نہیں۔

اب وجہ ترجیح خود ظاہر ہے مجتہد صحابی اور غیر مجتہد صحابی کی روایات میں تعارض ہو تو ترجیح مجتہد صحابی کی روایت کو ہوگی بنا بریں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی اور ان کی روایت کی پہلے ہلے ہی چھٹی ہو گئی۔ اب بولیے حضرت جی آپ نے دعائے رسول ﷺ کی بارہ سال طوالت کو، "مَاکَانَ" سے ثابت کیا آپ کا پورے غصہ کے ساتھ ٹل لگا کر ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنا کدھر گیا؟ آپ کی مؤید روایت تو ہوا میں اُڑ گئی جو بڑی دلیل تھی آپ کی جس کو آپ نے بڑی شدومد کے ساتھ مبحث شریف میں بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ مضبوط ترین دلیل کے سامنے غیر ثابت دلیل کی کوئی حیثیت ہی نہیں جب مسیب والی روایت روایت ہی نہیں تو آپ نے اسے دلیل کیونکر بنایا وہ بھی مضبوط دلائل کے مقابلے میں؟ مذکورہ روایات بھی اُسی آیت کے شانِ نزول کو بیان کرتی ہیں۔

دوسرا امتیاز: مذکورہ چار احادیث کے تمام راوی وقوعہ کے عینی شاہد ہیں نزول آیت کے بھی عینی شاہد ہیں کیونکہ اس آیت کی بابت خود ان کو اس روایت کے ضمن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ یہ آیت میری والدہ کریمہ کی بابت عدم استغفار کے لیے نازل ہوئی جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس ایسی کوئی وضاحت نہیں بلکہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہی ہوسکتا ہے اور بس۔

تیسرا امتیاز: یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کریمہ کے خلاف آنے والی روایات کے راوی کثیر ہیں اور کثرت رواۃ صحت حدیث کی قوت کا باعث بنتا ہے۔ حدیث اگر ضعیف بھی ہو تو کثرت رواۃ کی برکت سے ضعف جاتا رہتا ہے۔ جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت اپنی غرابت میں واضح ہے کیونکہ اس کو فقط حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے ہی روایت کیا ہے اس روایت میں وہ متفرد ہیں۔ بعد ازاں ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے سعید بھی متفرد ہیں حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ تفرد راوی حدیث کو غریب بنا دیتا ہے۔ مگر یہاں تو ایک کی بجائے دو تفرد ہیں۔ ایک حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا تفرد اور ایک ان کے بیٹے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا تفرد۔ کیا غریب حدیث کسی صحیح مسند مرفوع متصل حدیث کا معارضہ کر سکتی ہے؟ ایک گونہ یہ روایت شاذ لگتی ہے کیونکہ حضرت مسیب نے اپنے سے اوثق راویوں کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کریمہ کی عدم استغفار کی بابت ہے مگر حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کی بابت ہے۔ حضرت مسیب کی ثقاہت ابن مسعود بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ضابطہ یہ ہے کہ ثقہ اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی بیان کردہ روایت شاذ کہلاتی ہے۔ اور شذوذ صحت حدیث میں رکاوٹ ہے۔ گویا اس اعتبار سے بھی حضرت مسیب کی روایت صحیح نہیں۔ آپ نے حضرت مسیب والی روایت کو اپنی مبحث میں ترجیحاً کفر ابی طالب میں بیان کیا ہے نہ وجہ ترجیح بیان کی ہے نہ ہی دلیل ترجیح دی۔ یہ آپ کے ذمے قرض ہے۔ دلیل کے ساتھ جواب آپ کے ذمے ہے۔ شاید آپ کے ہاں معاملہ ہوسکتا ہو دلیل کی بھی ضرورت نہ ہو جیسا کہ آپ نے خود کیا ہے آپ نے صحیح ترین احادیث کے ساتھ احیائے ابوین والی ضعیف ترین حدیث کے ساتھ معارضہ کیا ہے بلکہ اس کو ناسخ مانا ہے صحیح ترین احادیث پر دلیل یہ دی ہے کہ احیائے ابوین والی حدیث موخر ہے موخر مقدم کی ناسخ ہوسکتی ہے حالانکہ بچہ بچہ جانتا ہے نسخ احکام میں جاری ہوتا ہے نہ کہ اخبار میں جبکہ آپ نے اخبار میں نسخ مانا ہے جو اصلاً صحیح نہیں آپ اپنی شمول الاسلام کتاب پر نظر ثانی ضرور فرمائیں ورنہ آپ کو ایک اور نسخ ماننا پڑے گا اور وہ یہ ہے جس طرح احیائے ابوین کی بابت حدیث ہے اگرچہ ضعیف ہے عین اسی طرح حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت بھی ایک

حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو بھی اور جناب عبد المطلب کو بھی زندہ فرمایا اور کلمہ پڑھایا اور ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ بولیے جناب اس کو بھی حسب ضابطہ ناسخ مان لیجیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت اپنی علمی حیثیت کھو چکی ان کا بیان کردہ مضمون کسی بھی طرح ثابت نہیں جناب کتنا آسان ہے اس کا معارضہ کرنا زندہ کرنے والی ایمان دینے والی حدیث سے یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر مدِ مقابل تو ایسی حدیث ہے جس کی علمی کوئی حیثیت ہی نہیں محض ایک واہی حدیث ہے روایت ہے جب کہ معارضے والی حدیث حدیث تو ہے نا اگرچہ ضعیف ہے۔ احیائے ابوین والی حدیث کے مدِ مقابل تو صحیح ترین احادیث ہیں۔ یہاں معارضہ ذرا مشکل ہو جائے گا آپ آسان معارضہ کی طرف لوٹ آیئے اور مبحث شریف سے رجوع فرمالیجیے ورنہ آپ کی نقل کردہ دیگر موید روایات کا حشر بھی وہی ہوگا جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کا ہوا ہے۔ کیا یہ بات واضح تر نہیں کہ جس سازشی ایف۔ آئی آر کا متن ہی اڑا دیا گیا ہو بے وقعت کر دیا گیا ہو جب اصلی روایت مرتبۂ روایت سے ہٹ گئی تو اس کی مؤیدات کی بھی کوئی حقیقت نہیں رہے گی زمینی حقائق خود بولتے ہیں۔ جواب آپ کے ذمہ عظمت پر ہے۔

ایک چھوٹی سی معارضی اور قبول فرمایئے

سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ کا نزول

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات حسرت آیات ۱۰ سن نبوی کو ہوئی جبکہ نزولِ آیت ۹ سن ہجری کو ہوا درمیانی عرصہ بارہ سال بنتا ہے۔ بارہ سال تک مسلسل رسولِ رحمت ﷺ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت دعائے مغفرت فرمائی آپ کے بقول اجابت خود گلے سے لگاتی ہے دعائے محمد ﷺ کو قبولیت خود جھک کر دعائے محمد ﷺ کو گلے سے لگاتی ہے جب بھی دعائے محمد ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ کوئی شرط نہیں کس کے لیے نکلے کب نکلے کیسے نکلے جب بھی نکلتی ہے اجابت قبولیت اسے جھک کر گلے لگاتی ہے تو میرا آپ سے سوال ہے کہ جب ایک لمحہ کی دعا کی یہ شان ہے تو مسلسل بارہ سال کی مانگی ہوئی پُرعظمت دعاؤں کی کیا شان ہوگی۔ اللہ اکبر۔ آپ کے بقول اجابت وقبولیت جھکنے میں تاخیر نہیں کرتی فوراً صدا اٹھنے پر اجابت وقبولیت بلاحجاب تکریم نبوت کے لیے دعاء کو قبولیت جھک کر اپنی آغوش میں لے لیتی ہے پیار سے گلے لگاتی ہے یہ ایک لمحے کی دعا کا وقار ہے ہونا بھی ایسا ہی چاہیے کیونکہ خاتم نبوت کی دعا ہے جس کا ایک لمحہ اتنا عظیم ہے تو بارہ سال کی مسلسل دعائے مغفرت کتنی عظیم دعا ہوگی۔ میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ آپ کے مطابق جب بھی لب نبوت دعا کے لیے حرکت فرماتے ہیں اجابت وقبولیت فوراً گلے

لگانے کے لیے جھک جاتی ہوگی یہ حقیقت ہے۔ آپ بارہ سال کے لمحات گنیے، شمار کیجیے ہر لمحہ کی دعاء کا مقام و مرتبہ قبولیت
ذہن میں رکھیے کل کتنے لمحات بنتے ہیں؟ بارہ سال کے شب و روز میں تو جتنے لمحات آپ شمار فرمائیں گے ہم من وعن ان کا یقین
کریں گے۔ مگر مسکین کے ہاتھ کیلکولیٹر موجود ہے ابھی ہم ضرب تقسیم لگا کر آپ پر واضح کر دیتے ہیں 365 دن ایک سال
کے بنتے ہیں ان کو بارہ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب 4380 دن بنتے ہیں ہر دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں ہر گھنٹے میں
60 منٹ ہوتے ہیں ہر منٹ میں ساٹھ سیکنڈ ہوتے ہیں ہر سیکنڈ میں قریباً 60 یا 100 لمحہ ہوتا ہے۔ اب بتایئے کتنے ارب
لمحات ہیں ہر لمحے پر صدائے محمد ﷺ ہر صدائے محمد ﷺ پر دعا محمد ﷺ اب جتنے ارب لمحات ہیں بارہ سال کے مکمل دورانیے
میں اتنے ہی ارب مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ نے سید بطحاء سردار قریش حضرت ابو طالب علیہ السلام کے لیے
دعائے مغفرت فرمائی ہوگی اور آپ کے بقول اتنی ہی مرتبہ اجابت و قبولیت نے جھک کر گلے سے لگایا ہوگا۔ گویا اس اعتبار سے
آپ کے بقول کئی ہزار ارب مرتبہ جناب حضرت ابو طالب علیہ السلام کی مغفرت ہو چکی ہوگی۔ کیونکہ اس بارہ سال کے عرصہ
میں جتنے ارب مرتبہ آپ نے دعا فرمائی ہوگی اتنی ہی مرتبہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی مغفرت ہو چکی ہوگی۔ کیونکہ
پورے ذخیرہ علم میں کہیں ایک بھی ایسا قطعی یقینی حوالہ نہیں ملے گا جس میں یہ درج ہو کہ بارہ سال کے طویل عرصہ میں کوئی ایک
پل ایسا بھی ہے جس میں دعا قبول نہ ہوتی ہو۔ اگر آپ کے پاس کوئی حوالہ ہے تو لے آئیں ہم تسلیم کر لیں گے اور ضابطہ یہ ہے
کہ جس کی ایک مرتبہ بخشش ہو چکی ہو تو دوبارہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ مگر یہاں تو حضرت ابو طالب علیہ السلام کی اربوں
مرتبہ بخشش ہو چکی ہے ایک مرتبہ کی بخشش کے بعد جتنی مرتبہ بھی بخشش کا اعلان کیا جاتا ہے وہ اعلان بلندی درجات کے اعتبار
سے متصور ہوتا ہے وارے نیارے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے کہ ایک مرتبہ بخشش کی دعاء کرنے سے تو ایک مرتبہ ان کی
بخشش ہو چکی باقی جتنی اربوں مرتبہ ان کی بخشش کا اعلان کیا گیا ہوگا اتنے ہی اربوں درجات ان کے بلند ہو گئے ہوں
گے۔ اب وہ اس بلندی پر تشریف فرما ہیں کہ اہل علم کی نگاہوں میں آ ہی نہیں سکتے اس لیے ان کی نگاہوں کو تھک ہار کر ان ہی کی
طرف لوٹنا پڑتا ہے پھر یہ اپنی چندھیائی نگاہوں سے تھکی نظروں سے جب عالم خاک میں ان کے خلاف کوئی ثبوت تلاش
کرتے ہیں تو ان کی نظر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت پر ہی پڑتی ہے وہ روایت خود بغیر پروں کے پرندہ
ہے جو اوپر جانے سے خود قاصر ہے تو ان کو کیسے لے جائے۔ آخر کار تھک ہار کر یہ اپنا غصہ خالی اوراق کالے کرنے پر لگا
دیتے ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پرندہ میں نے تمثیلاً کہا ورنہ یہ مردہ روایت اس قابل بھی نہیں یہ محض ایک مرکب جھوٹ ہے
جو بولا گیا ہے اور حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے گلے مڑھ دیا گیا یہ خود ساختہ روایت ہے بے حقیقت ہے۔

جس شخص کی آپ کے بقول ارب مرتبہ بخشش ہو چکی ہو اس کو بلا دلیل کافر کہنا کیسا ہے؟ فتویٰ کفر سے بڑا فتویٰ کوئی نہیں

لہٰذا دلیل بھی اتنی بڑی ہو کہ اس سے بڑی دلیل ہی کوئی نہ ہو یہ دلیل آپ کے ذمہ قرض ہے۔

ایک اور چھوٹی سی معارضی پیش خدمت ہے

آپ کے بقول بارہ سال تک مسلسل نبی رحمت ﷺ نے عین خلوص پیکر نبوت سے صاحب وفا حضرت ابو طالب علیہ السلام کے لیے نبوی زبان سے نبوی خلوص سے نبوی بھرم سے مغفرت کی دعائیں مانگیں جو قبول ہوئی ہیں اگر ایسا ہی ہے تو درج ذیل امور پر غور فرمائیں:

۱۔ نبی علیہ السلام نے جب کسی عمل کو بلا ترک عمل مسلسل کیا ہو تو وہ شرعاً فرض قرار پاتا ہے۔

۲۔ اگر بیان جواز کے لیے کبھی اسے چھوڑا ہو تو وہ سنت قرار پاتا ہے۔

۳۔ اب اس صورت میں اگر آپ ﷺ نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے لیے دعاؤں میں تسلسل کو برقرار رکھا جیسا کہ آپ کا ذہن مبارک ہے تو پھر یہ دعا قاعدہ کے مطابق فرض قرار پائی۔ امت پر بھی فرض تھی تو کس کس نے یہ فریضہ ادا کیا ہے؟ اور اگر اس کو کبھی بیان جواز کے لیے ترک فرمایا ہو تو پھر بھی کم از کم یہ دعا سنت ضرور قرار پائی ہے فرض کی ادائیگی بھی آپ کو محبوب تر تھی اور سنت بھی۔ تو گویا اس اعتبار سے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے حق میں مغفرت کی دعا سرکار دو عالم ﷺ کو یقیناً محبوب تر تھی اور محبوب کی محبوب چیز بھی محبوب ہی ہوتی ہے۔ پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا قلبی ذوق اور شوق ہوا کرتا تھا کہ آپ ﷺ کی کامل اطاعت کی جائے اور انھوں نے ایسا کر دکھایا کائنات اس کی گواہ ہے اس بدیہی بات سے یہ صورت لازماً سامنے آتی ہے کہ حضرت اقدس ﷺ کے کسی عمل میں تسلسل کو دیکھ کر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام اس عظمت سے پیچھے رہ گئے ہوں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ جو صحابی صیام وصال کو ترک کرنا پسند نہ کریں کیسے ممکن ہے کہ انھوں نے بارہ سال کے نبوی تسلسل کو ترک کرنا کیسے پسند کیا ہوگا۔

اب طے یہ ہوا کہ جملہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی حضرت ابو طالب علیہ السلام کے لیے دعائے مغفرت مسلسل بارہ سال تک کم از کم مانگی ہوگی۔

الف۔ اس دعائے مغفرت کا آغاز دو طرح سے متصور ہو سکتا ہے (۱) اللہ تعالیٰ کے امر سے۔ ۲۔ نبی علیہ السلام کے اپنے اجتہاد سے۔

اگر یہ امر ربی تھا تو روکنے کا کوئی مقصد نہیں بنتا۔ اور اگر نبوی اجتہاد سے ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر نبوی اجتہاد صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ اسے جاری رکھنے کا امر فرماتا ہے ورنہ اسے اجتہاد سے فوراً منع کیا جاتا ہے۔ بارہ سال کا انتظار نہیں کیا جاتا اور بارہ

سال کے طویل عرصہ تک اس غیر موزوں عمل کی اجازت نہیں دی جاسکتی نہ ہی اس کی کائنات میں نظیر ملتی ہے۔ اور نہ ہی قرآن و سنت میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ اور یہ بھی ایک غیر معقول بات ہے کہ نبی اپنی نبوی جہد مسلسل میں ایک فضول کام کو دو عمل کرے اور اس پر مسلسل بارہ سال کا وقت برباد کرے جہاں تک بارہ سال کے بعد دعائے مغفرت سے روکنے کا معاملہ ہے یہ سب کچھ بلا دلیل ہے۔ اور بلا دلیل دعویٰ باطل ہوا کرتا ہے۔ اس طرح کے بلا دلیل دعوے کرنے سے اپنی ہی شامت اعمال پر جگ ہنسائی کا باعث بنتے ہیں آج بھی غیر مسلم طنزیہ کہتے ہیں یہ کیسا اسلام ہے کہ اپنے وفاداروں کے لیے جہنم بناتا ہے اور غداروں کے لیے جنتی محل بناتا ہے۔ میں گزارش کروں گا اہل علم سے کہ تمہارے اجتہاد کردہ موقف میں کوئی صداقت نہیں لہٰذا آپ اپنی ضد کو چھوڑ کر حرم نبوت کی ٹھنڈی چھاؤں میں پناہ لیجیے۔ اب آپ پر علمی فریضہ ہے کہ آپ واضح کریں اس بارہ سال کے نبوی تسلسل میں اس بابت صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طرز عمل کیا رہا نبوی اطاعت میں مانگی گئی دعاؤں کا کیا بنا۔ اگر قبول ہوئی تھیں تو ان کا اثر کیا رہا اگر رد ہی کرنی تھیں تو بارہ سال کی مشقت میں ان کو کیوں ڈالا گیا؟ خود نبوی دعائیں کہاں گئیں رد ہوئیں یا قبول؟

اہل علم ان کو یقینی دلائل سے واضح فرمائیں۔ کیونکہ الزام کفر اہل علم ہی کی طرف سے ہے ثبوت بھی یقیناً انھی کے ذمہ ہے۔

بیسواں سوال

حضرت مسیب بن حزن کی روایت کے تمام مندرجات قبول کرنے سے دینی نقصان بھی ہے۔ شرعی اخلاقی گراوٹ بھی ہے سماجی بے حسی بھی ہے باقی تمام مندرجات سے قطع نظر کر کے صرف ایک مندرجے پر ذرا غور فرمائیں اس روایت میں دو سلطانی گواہ بنائے گئے۔

(۱) ابوجہل عمر بن ہشام (۲) عبداللہ ابن اُمیہ

یہ دونوں اس وقت اسلام اور بانی اسلام کے سخت دشمن تھے مگر حیرت ہے اس روایت میں ان کی موجودگی کو بڑی تفصیل کے ساتھ مانا گیا ہے جب کہ دیگر کسی بھی فرد عظمت کا ذکر تک نہیں نہ عباس بن عبدالمطلب کا نہ علی المرتضیٰ کا نہ بنات کریمہ کا یہ کیسی جارحیت ہے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کو تو ایسے نازک ترین حالات میں بولنے کی اجازت ہے جو عمر بھر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دشمن رہے مگر اجازت نہیں تو سگے لخت جگر بیٹے مولائے کائنات کو نہیں اور نہ ہی حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اور نہ ہی کسی گھریلو فرد عظمت کو حتیٰ کہ کلمہ تلقین تک ان سے چھین لیا گیا ہے۔

ابوجہل عبداللہ بن ابی امیہ حضرت ابوطالب علیہ السلام سے اصرار کر رہے ہیں کہ تم کلمہ نہ پڑھو، بغیر کلمہ کے مرو اور تم اپنے آباء و

اجداد یعنی عبدالمطلب کی ملت پر دین پر مرو۔ ہاشم کی ملت پر مرو۔ عبدالمناف کے دین پر مرو۔ روایت کا یہ مندرجہ بتاتا ہے کہ پورے عرب میں سب سے زیادہ تحقیق ابوجہل کی تھی یا اس کے ساتھی کی تھی وہ پورے یقین سے کہہ رہے ہیں چونکہ عبدالمطلب ہاشم عبدمناف کفروشرک پر مرے ہیں لہٰذا اے ابوطالب تم بھی ان کی ہی ملت پر مرو۔ اس پر ابوطالب علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں ان کے مذہب وملت پر ہی مرتا ہوں اور پھر مر گئے۔

ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ چونکہ خود کافرومشرک تھے اور کفروشرک کے ترجمان بھی تھے محافظ وطرفدار بھی تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ابوطالب علیہ السلام کلمہ طیبہ نہ پڑھیں کافرومشرک ہی مریں۔ اپنے حوالہ کفروشرک کی بابت انھوں نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سامنے ان کے آباواجداد رکھ دیے کیونکہ ان کے یقین میں یہ تھا کہ ہماری سوسائٹی کے لوگ تھے۔ جس طرح ہماری ملت، ملت کفروشرک ہے ایسے ہی عبدالمطلب، ہاشم، عبدالمناف کی ذوات قدسیہ کافرومشرک ہی ہو گزرے ہیں اس اعتبار سے ابوطالب علیہ السلام ان کے ملی اعتماد کی بنا پر خود کو کلمہ طیبہ سے دور رکھے گا کافرومشرک ہی مرے گا وغیرہ۔ یعنی اس روایت میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کی نشاندہی پر پتہ چلا کہ آباء ابی طالب علیہ السلام کافر تھے مشرک تھے اور کافرو مشرک ہی مرے۔ اسی لیے ان کے کفروشرک پر مرنے کے حوالے سے ابوطالب علیہ السلام کو ذمہ داری سونپی گئی اکسایا گیا اصرار کیا گیا کہ وہ ان کے دین وملت پر مرے نہ کہ کلمہ پڑھ کر مرے۔

مجھے حیرت ہوئی انتہائی افسوس ہوا اہل علم کی بے حسی پر سفا کی پر کہ انھوں نے اس روایت پر اندھا دھند اعتماد کر کے ابو طالب علیہ السلام کو کافر بنانے کے شوق میں اس مسئلے میں ابوجہل وعبداللہ بن ابی امیہ کو اپنا مقتداء مان کر ابوطالب علیہ السلام کے آباء کریمہ کے کفر کے قائل ہو گئے۔ کیونکہ اس کے بغیر ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ کیونکہ آبائے ابی طالب علیہ السلام کامل مؤمن تھے نہ کہ کافر۔ اور اگر اہل علم آبائے ابی طالب علیہ السلام کو مؤمن مانتے تو ابوطالب علیہ السلام کی موت انکی ملت پر ہونے کی صورت میں ابوطالب علیہ السلام کی موت کو ایمان پر ماننا ان کی مجبوری بن جاتا۔ اس لیے انھوں نے ان کے بزرگوں کا پھندہ کھینچ دیا ان کے ایمان کے منکر ہو گئے اتنے اندھے ہو گئے اہل علم حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانے میں پورے خاندانِ نبوت کے کفر کے قائل ہو گئے اور وہ بھی ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کے کہنے پر۔

ہر محدث نے اس روایت کو قبول کیا۔ ہر مفسر نے قبول کیا بلکہ توثیق کی کسی ایک نے بھی یہ بات کہنا پسند نہ کی کہ ہم ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ کی گواہی ان کے کافر ہونے کی بناء پر نہیں مانتے بلکہ مسترد کرتے ہیں۔ جبکہ اس بابت عباس بن عبدالمطلب کا کفر اہل علم کو ہر لمحہ یاد رہا کیونکہ ان کی عینی شہادت سے انکار کرنا تھا ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانے کا

جادو اہل علم کے سر چڑھ کر بولتا رہا۔ بلکہ تمام اہل علم نے حلوے سے بھی زیادہ میٹھا سمجھ کر قبول فرمایا ہے اور اس کے تمام مندرجات پر کامل یقین فرمایا ہے نعوذ باللہ۔
حالانکہ میں کئی بار وضاحت کر چکا ہوں کہ ان سلطانی گواہوں نے زندگی بھر اس وقوعے کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا اور نہ ہی راوی کو یہ وقوعہ بتایا جبکہ راوی بھی اس وقت خود کافر و مشرک تھا اور گواہ بھی کافر و مشرک تھے۔ ہم نوالہ تھے ہم پیالہ تھے مگر ان کا کہیں بھی کسی علمی حوالے سے سراغ نہیں مل سکا کہ ان گواہوں نے زندگی بھر کسی کو یا روایت کرنے والے کو بتایا ہو چونکہ کافروں نے کافر ہو کر وقوعے کو کبھی بھی بیان نہیں کیا۔ حالانکہ یہ روایت کے مطابق وقوعہ کے وقت موجود تھے اور اصرار کرتے رہے تھے کہ لیکن مسلمان جب تک اس جھوٹے وقوعے کو بیان نہ کریں تو ان کی سچائی پر کوئی یقین نہیں کرتا اور انہیں اپنے معروف مذہب کا ٹائٹل نہیں ملتا۔ العیاذ باللہ۔

مدعی سے چند سوالات

محترم قارئین! اس مقدمہ کے مدعی سے آپ درج ذیل سوال کریں اور پوچھیں کہ مقدمہ رپورٹ کرانے پر یا روایت کرنے میں آپ نے کیا سوچا؟

۱۔ کیا آپ نے یہ وقوعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا؟
۲۔ کیا آپ کو کسی عینی شاہد نے اس وقوعہ کی اطلاع دی؟
۳۔ کیا آپ وقوعہ کے روز جائے وقوعہ پر موجود تھے؟
۴۔ کیا آپ کو آپ کے قائم کردہ گواہوں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے بتایا؟
۵۔ کیا انھوں نے اس وقوعہ کو کسی اور شخص سے رسماً ذکر کیا؟
۶۔ کیا آپ نے سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 کو نازل ہوتے دیکھا؟
۷۔ کیا آپ اس کے نزول کے وقت وہاں موجود تھے؟
۸۔ کیا آپ نے سورۂ توبہ کی آیت 113 کو اترتے دیکھا؟
۹۔ کیا آپ نزولِ آیت کے وقت وہاں موجود تھے؟
۱۰۔ کیا آپ کو صاحبِ وحی نے ان آیات کے نزول کا یہ سبب بیان کیا؟
۱۱۔ کیا آپکی بیان کردہ روایت آپ نے نبی اکرم سے خود سنی؟

۱۲۔ کیا آپکو نبی رحمت ﷺ نے اس تشکیل کے ساتھ واقعہ کی خبر دی؟
۱۳۔ کیا آپ نے یہ روایت براہ راست رسول کریم ﷺ سے سنی؟
۱۴۔ کیا یہ روایت آپ نے کسی صحابی سے سنی؟
۱۵۔ کیا آپ کو کسی صحابی نے یہ روایت سنائی؟
۱۶۔ کیا آپ کے علاوہ کسی اور صحابی نے اس روایت کو بیان کیا؟
۱۷۔ کیا آپ نے وقوعہ کے فوراً بعد اس کا تذکرہ اپنے باپ حزن سے کیا؟
۱۸۔ کیا آپ نے وقوعہ کے فوراً بعد اس کا تذکرہ اپنے کسی رشتہ دار سے کیا؟
۱۹۔ کیا آپ نے وقوعہ کے فوراً بعد اس کا تذکرہ اپنے کسی سنگی ساتھی سے کیا؟
۲۰۔ کیا آپ نے اس روایت کو بتیس سال بعد روایت کیا اور کیوں کیا؟
۲۱۔ آپ نے اپنے بیٹے سعید کے علاوہ کسی اور کو روایت کیوں نہ کیا؟
۲۲۔ کیا آپ کے پاس روایت کے صدق کی کوئی تصدیق ہے؟
۲۳۔ کیا آپ کے پاس روایت کے صدق کا کوئی علمی تاریخی ثبوت ہے؟
۲۴۔ کیا آپ کے پاس اس روایت کے بیان کا کوئی دینی جواز ہے؟
۲۵۔ کیا آپ کے پاس کوئی علمی اخلاقی جواز ہے؟
۲۶۔ کیا آپ کے پاس کوئی شرعی جواز ہے؟
۲۷۔ اگر آپ کے پاس ہے ہی کچھ نہیں اور یقیناً کچھ نہیں تو اسے روایت کیوں کر ڈالا؟
۲۸۔ آپ کے پاس کون سا ذریعۂ علم تھا؟ وحی تھی؟ کس ذریعے سے آپ کو اس وقوعہ کا علم ہوا؟

یہی سوال آپ مسلم و بخاری سے کریں۔ اسحاق بن راہویہ سے کریں۔ معمر بن راشد سے کریں ابن شہاب زہری سے کریں ۔حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ علیہم الرضوان سے کریں حالانکہ یہ راوی نہیں ناقل ہیں۔ جواب ندارد ہی ملے گا۔ مذکورہ روایت کا مضمون چونکہ ایک گھناؤنے ترین الزام پر مبنی تھا اور یہ گھناؤنا ترین الزام کائنات کی عظیم ترین شخصیت حضرت ابو طالب علیہ السلام کی ذات قدسیہ پر تھا ہر اہلِ علم کا علمی دینی، مذہبی اور اخلاقی فرض تھا کہ اس الزام کی علمی، دینی شرعی، اخلاقی روایتاً درایتاً چھان بین کرتے مگر مجھے تو یوں لگا کہ اہلِ علم نے ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنے میں کوئی دیرینہ شوق پورا کیا ہے۔ نجانے کس تمغے کے لالچ میں یہ سب کچھ کر گزرے ہیں۔ آپ پر اب واضح ہو چکا کہ جس روایت کا سب کو نشہ تھا وہ

روایت روایت کہلانے کی بھی حق دار نہیں چہ جائے کہ اس سے کسی کریم النفس انسان پر کوئی گھناؤنا الزام ثابت کیا جائے بلکہ مجھے تو یوں لگا کہ یہ روایت نہیں بلکہ اک بیہودہ سازشی جھوٹی خودساختہ فسادی ایف آئی۔آر ہے۔ یہ ایف آئی آر بیہودہ اس لیے ہے کہ اس سے محسنِ ملت اسلام پر ایک رکیک الزام لگانے کی ناکام کوشش کی گئی۔

یہ ایف آئی آر سازشی اس لیے کہ اس سے خاندان نبوت کے بزرگوں کو ثابت کیا جائے کہ وہ بے ایمان تھے کافر ومشرک تھے۔ وہ بھی ابوجہل کے کہنے پر۔ یہ ایف آئی آر جھوٹی اس لیے ہے کہ کائنات علم میں اس کو ثابت کرنے کے لیے کوئی ٹھوس یقینی قطعی ثبوت نہیں ملا۔ جو ثبوت دیے گئے وہ یاوہ گوئی کے علاوہ کچھ نہیں۔ بے محل بے تکلے غیر علمی غیر شرعی اور غیر اخلاقی ہیں یہ روایت خودساختہ اس لیے ہے کہ کاشانۂ نبوت میں اس قسم کا کوئی واقعہ یا وقوعہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔ جو بیان کیا گیا وہ سب جھوٹ ہے۔ فراڈ ہے۔ فساد ہے۔ خاندانِ نبوت سے کھلی دشمنی ہے۔ یہ روایت فسادی اس لیے ہے کہ اس سے کائنات بھر میں اہل محبت اہلِ بیتِ نبوت کو جبر وتشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ محبانِ اہلبیتِ نبوت کے قلب وروح زخمی ہوئے۔ ایک کامل وفا کے اُسوہ کو پس منظر میں ڈال کر اُمت کو ایک عظیم دینی راہنمائی سے محروم رکھا گیا۔

نوٹ:۔ اگر کسی کو یہ شوق بے قرار کرے اس روایت کو روایت ثابت کرنے کا فقیر حاضر ہے۔ فقیہانِ حرم دیے گئے سوالات کا ٹھوس دلائل سے جواب دیں علمی رعب نہیں چلے گا۔ یقینی دلیل لے کر آئیں استقبال کروں گا۔

حدیثِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے دینی نقصانات

قارئین کرام! حدیث بخاری ومسلم میں جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے ایک درآمدی روایت ہے یہ روایت ایک ریت کا بنایا ہوا تصوراتی محل تھا جسے الحمدللہ گرا دیا گیا ہے اس کی علمی، دینی، شرعی، اخلاقی اور مذہبی حیثیت ختم ہو چکی ہے اب اس کی حقیقت ایک جھوٹے فسانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مگر میں جانتا ہوں مکفرین ابی طالب علیہ السلام پر یہ بات بجلی بن کر گرے گی۔ وہ اٹھیں گے چیخیں گے بڑبڑائیں گے سر لیں گے، میرا تعاقب کریں گے پر یقینا منہ کی کھائیں گے۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ ان کو اور امت کے دیگر لوگوں کو اس روایت کے دینی اخلاقی نقصانات سے آگاہ کروں۔

پہلا دینی نقصان

خاندانِ نبوت پر کائنات کا بدترین جھوٹا الزام ہے۔ خصوصاً حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تقدس مآب شخصیت کا مذاق اڑایا گیا ہے اور ان پر کائنات کا بدترین بہتان باندھا گیا ہے جو کہ بدترین گناہ ہے اس روایت کو صحیح ماننا گویا بہتان لگانے والوں کے ساتھ شریک گناہ ہوتا ہے۔ صحت حدیث کے لیے اتصال سند پہلی شرط ہے مگر آج تک اسے صریحاً کوئی بھی متصل ثابت نہیں کر

سکا۔ اُصول روایت ودرایت میں یہ روایت روایت ہی نہیں بن سکتی۔ لہٰذا خواہ مخواہ بہتان طرازوں کے ساتھ شریک گناہ ہونا بھی دینی نقصان ہے۔

دوسرا دینی نقصان

کسی کی عزتِ نفس کا قتل بدترین گناہ ہے اور عصمت مآب حرمِ نبوت کے بزرگوں کی عزتِ نفس کے قتل اور ان کے دینی وقار کو مجروح اور تباہ کرنا تو کائنات کا بدترین گناہ ہے قبول روایت میں براہِ راست اس گناہ عظیم میں ملوث ہونا یہ سب سے بڑا دینی نقصان ہے۔

تیسرا دینی نقصان

کافر کبھی بھی اہل شہادت نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً جب اس کی شہادت میں الزام کا مفہوم ومضمون ہو اس کی شہادت ابتداء ہی مسترد ہے۔ جبکہ وہ مدِ مقابل سے عناد بھی رکھتا ہو دشمنی بھی ہو تو اس کی شہادت پر اعتماد کرنا انصاف کا قتل ہے اور انصاف کا قتل بدترین دینی نقصان ہے یہ روایت مسیب کے زمانۂ کفر کا قول ہے اور بس۔ کیونکہ حضرت مسیب تحمل روایت کے وقت کافر تھے۔ اگر اس وقوعہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو خاندانِ نبوت کو اس کا یقیناً علم ہوتا کیونکہ وہ تمام عینی شاہد تھے۔

چوتھا دینی نقصان

جھوٹ کو سچ ماننا اور سچ کو جھوٹ کہنا یہ بھی بدترین گناہ ہے اور اس روایت میں سب کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ اگر کسی کے پاس اس جھوٹے وقوعہ کو سچ ثابت کرنے کے قطعی، علمی، قانونی اور شرعی اخلاقی شواہد ہیں تو سامنے آئے۔ اس روایت میں بیان کردہ واقعہ کو اگر کسی نے ثابت کرنا ہے تو آئے اور اس کی بابت ٹھوس، قطعی اور یقینی دلائل لے آئے ہم حاضر ہیں۔ جب یہ وقوعہ سرے سے ہی جھوٹا ہے تو پھر بضد ہو کر اسے سچ ماننا یہی بدترین جرم ہے اور دینی نقصان ہے۔

پانچواں دینی نقصان

اس روایت کو صحیح ماننے سے کفر کی تائید ہوتی ہے جس طرح ابوجہل عمر بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ کی گفتگو اور کلمہ نہ پڑھنے کا اصرار جبکہ کفر کی کسی بھی طرح تائید بہت بڑا دینی نقصان ہے۔

چھٹا دینی نقصان

اس روایت کو صحیح ماننے سے نبوت کی تذلیل و توہین ہوتی ہے۔ کفار اپنا زور لگاتے رہے کلمہ نہ پڑھنے کا اور نبی ﷺ اپنا زور لگاتے رہے اصرار کرتے رہے آخرکار نبوت کے مقابلے میں کفر جیت گیا اور نبوت ہار گئی نعوذ باللہ۔ اس اعتبار سے تو دین بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے جب یہ کہا جائے نبوت بے بس رہی کلمہ پڑھا نہ سکی؟ کفر نے میدان مار لیا۔

ساتواں دینی نقصان

اہلِ علم نے اس روایت کو قبول کر کے یقین کر لیا ہے کہ نبوت فیض رسانی کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی اسی لیے ناکام رہی جبکہ مد مقابل کفر اپنی پوری شیطانی طاقت کے ساتھ نبوی طاقتوں پر غالب رہا اور کلمہ نہ پڑھنے دیا۔

نوٹ:۔ یہاں اہلِ علم تقدیر کو بدنام کر دیتے ہیں اور اس کی ادھوری تشریح کر دیتے ہیں۔ بھئی تقدیر میں اگر یہی لکھا ہے کہ حق مات کھا جائے تو حق کو قدرت نے نازل کیوں فرمایا؟ اس کی حمایت کیوں کی؟ اور کیوں کہا "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" حق آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے۔ خواہ میدان کوئی بھی ہو۔ میدانِ کارزار ہو، میدانِ علم و حکمت ہو، میدانِ جدل و مناظرہ ہو، تمہارے بقول یہاں بھی یہی معرکہ تھا۔ ایک طرف ابوجہل اور عبداللہ ابن ابی امیہ باطل کے سرغنے تھے دوسری طرف حق کا تاجدار تھا۔ مقابلہ شروع ہوا خاکم بدہن تمہارے بقول ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ جو باطل کے سرغنے تھے جیت گئے اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے اور محمد ﷺ ہار گئے۔ نبوی کوششیں باطل کے سامنے نعوذ باللہ دم توڑ گئیں۔ العیاذ باللہ۔ نقل کفر، کفر نباشد۔ یہ ہے تمہاری روایت پرستی کا دینی نقصان۔

اپنی جھوٹی انا کی بابت تقدیر کو بدنام کرنا اچھا نہیں کہ ابوطالب کی تقدیر میں عظمتِ ایمان لکھی ہی نہیں تھی جناب تم میں سے کون ہے جو لوحِ تقدیر کو آنکھوں سے تک رہا ہے۔ کتنی شرمناک بات ہے کہ ایک جھوٹی خود ساختہ روایت کے کل پرزے سیدھے رکھنے کے لیے اپنی امامت کا ٹائٹل بچانے کے لیے کتنا بڑا فساد، ڈرامہ بنایا گیا اور فراڈ رچایا گیا۔ حرمِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ کا ذرا بھر بھی احترام ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس سے بڑی اور کیا محرومی ہو سکتی ہے۔

آٹھواں دینی نقصان

نبی علیہ السلام کو مختارِ کل کا عقیدہ رکھنے والے اس روایت میں ان کے نبوی اختیار کو معطل کر دیتے ہیں۔ زورِ نبوت فیضانِ نبوت کو بے بس معطل سمجھتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ یا عقیدہ بدل لیں یا رویہ بدل لیں۔ اس روایت پر نظرِ ثانی فرمائیں ورنہ

آپ ہی کا عقیدہ بے محل قرار پائے گا۔

نوٹ:۔ بعض اہلِ علم ایک چالاکی دکھاتے ہیں کہ حدیثِ مسیب رضی اللہ عنہ صحیح ہے مگر صحت حدیث کی دلیل دینے سے قطعاً قاصر ہیں۔ صحت حدیث کی پہلی شرط ہی اتصال سند ہے جو کہ یہاں بالکل مفقود ہے۔ مگر ضد کا کوئی علاج نہیں۔ وقوعہ محسوس ہے عینی مشاہدہ ضروری ہے۔

نوٹ:۔ بعض اہلِ علم حدیثِ مسیب کی بابت کہتے ہیں کہ یہ مرسل ہے اور مرسل صحابی قبول ہے۔ بات یہ ہے کہ خبر کی اہل اصول نے دو قسمیں کی ہیں۔

(۱) خبر مقبول (۲) خبر مردود

خبر مقبول کی پہلی شرط سند کا متصل ہونا ہے دوسری شرط راوی کا عادل ہونا ہے۔ تام الضبط ہونا وغیرہ۔ جس حدیث کی ایک شرط بھی مفقود ہو تو خبر مردود کہلاتی ہے یہاں بھی پہلی شرطِ اتصال مفقود ہے۔ بنا بریں ابتداء! روایت مسیب اصلاً مردود ہے۔ مردود روایت سے کفر و شرک جیسا گھناؤنا الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کے پاس کوئی دینی شرعی اور اخلاقی ثبوت ہے تو لے آئے ہم انتظار کریں گے۔ رہا یہ کہ مرسل صحابی قبول ہے مطلقاً تو یہاں میرا سوال یہ ہے کہ کیا صحابی قانون شریعت سے مستثنیٰ ہے اگر مستثنیٰ ہے تو دلیلِ استثنا، کسی ٹھوس حوالے سے لے آئیں۔ ہم قبول کریں گے۔ یہاں معاملہ کائنات کے بدترین الزام کا ہے اور کائنات کے عظیم ترین انسان کے تقدس کا ہے۔ کوئی معمولی بات نہیں۔ کیا مرسل صحابی سے کائنات کا بدترین الزام کائنات کے عظیم ترین انسان پر ثابت کیا جا سکتا ہے؟ اگر کیا جا سکتا ہے تو دلیل سے ثابت کریں حالانکہ صاف ظاہر ہے مجوزہ روایت کسی بھی جہتِ علم سے نہ روایت ہے جو ثبوت الزام میں مؤثر ہے اور نہ ہی اس کے مندرجات قابلِ فہم ہیں۔ بلا تصدیق شرعی کسی صحابی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی عصمت مآب شخصیت پر کفر کا الزام لگائے۔ اگر پھر بھی کوئی بضد ہے تو قواعدِ شرعیہ کے مطابق اُصولِ روایت کے دینی تصور کے مطابق اُصول درایت کے مذہبی اخلاقی تصور کے مطابق کسی یقینی قطعی الدلالۃ قطعی الثبوت منصوص دلیل کے مطابق یہ الزام ثابت کر دے ہم رجوع کر لیں گے۔ ہم صبح قیامت تک انتظار میں ہیں۔ ہمارے مرنے کے بعد اہل محبت اس تحریر کی روشنی میں اہل علم سے ثبوت الزام کی بابت دلائل قطعیہ کا تقاضا کرتے رہیں گے۔ کیونکہ ظنی دلائل سے کوئی سنگین ترین الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر بالفرض حدیث صحیح بھی ہو متصل سند مرفوع ہو تو بھی خبر واحد ہونے کے حوالے سے ظنی ہے۔ ثبوت الزام میں غیر مؤثر ہے مگر یہاں تو متصل ہونے کی بجائے مرسل بھی نہیں کیونکہ اس روایت میں ایک پورا راوی ہضم کر لیا گیا ہے۔ یہ واہی روایت یقینی کیسے ہو سکتی ہے؟ اہل علم اس روایت کو مفید یقین ثابت کر دیں۔ ثبوت دلائل اہل علم

کی ذمہ داری ہے کیونکہ کفر ابی طالب علیہ السلام موقف ان کا ہے میرا نہیں۔ اس روایت کو مفید یقین ثابت کرنا اہل علم کے ذمہ مسکین کا اور اُمت کا قرض ہے۔

اکیسواں سوال

کیا اہل علم نے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت کا علمی موازنہ کیا؟ اگر کیا ہے تو کس نوعیت کا کیا ہے اگر ان ہر دو روایات کے اندر منصفانہ ترازو کیا جاتا تو یقین کیجیے اُمت میں یہ فساد پیدا نہ ہوتا۔ تفصیل اگلی فصل میں ملاحظہ فرمائیں۔



باب پنجم:

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی افسانوی تکفیر پر ایک معروضی جائزہ

تعارف باب

اس باب کو بھی تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول:

حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہما السلام اور حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی شخصیات اور ان کی روایات کا علمی تقابلی وجائزہ

فصل ثانی:

روایتِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے بنیادی کرداروں کا شرعی اور قانونی تعین

فصل ثالث:

افسانوی تکفیر پر مختصر تفسیری نمونے

فصل اول:

حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہما السلام اور حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی شخصیات اور ان کی روایات کا علمی و تقابلی جائزہ

معروضی مطالعہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا مختصر مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے ساتھیوں کی نیرات دے رہے تھے جب وفات کا وقت قریب ہوا تو رحمت عالم ﷺ تلقین کلمہ طیبہ کے لیے آئے اور تلقین فرمائی۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے بڑے اور دیکھا تو ابوطالب علیہ السلام کے دونوں ہونٹ حرکت کر رہے ہیں آپ نے اپنا کان ان کے قریب کیا تو خود اپنے کانوں سے سنا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کلمہ طیبہ جس کی تلقین رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فوراً عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے جس کلمہ طیبہ کی تلقین حضرت ابو طالب کو فرمائی تھی وہ کلمہ ان کے لبوں سے نکلتا میں نے اپنے کانوں سے سنا آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا۔ یہاں تک عباس کی روایت کا مضمون ہے۔

ذرا جناب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کا مضمون ملاحظہ فرمائیے وہ فرماتے ہیں:

ابوطالب علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ ان کے قریب بیٹھے تھے رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور انھیں کلمہ طیبہ کی تلقین کرنے لگے۔ اس پر ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا اے ابوطالب کیا تم اپنے باپ دادا کے دین سے منہ پھیرو گے جبکہ رسول کائنات ﷺ برابر انھیں کلمہ توحید کی تلقین فرماتے رہے۔ آخر کار ابوطالب علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنے آباؤ کے دین پر ہی مروں گا۔ اس پر سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ روک نہ دے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی نبی اور مومنوں کے لیے کسی صورت جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ اگرچہ مشرکین ان کے انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی کہ اے حبیب ﷺ آپ جس کو پسند فرماتے ہیں انھیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں ہدایت اسے ملتی ہے۔

قارئین محترم! یہ ہر دو روایات اپنے اپنے مضمون میں مختلف ہیں۔ عباس کی روایت کا مقتضی یہ ہے کہ کلمہ پڑھا گیا ہے۔ مگر مسیب کی روایت کا مقتضی یہ ہے کہ کلمہ نہیں پڑھا گیا۔ بنابریں اہل علم بھی مختلف ہو گئے مگر حضرت مسیب بن حزن کی روایت پر زیادہ اعتماد ہونے لگا پھر اسی روایت کو یقینی بنانے کے لیے مویدات تلاش کیے گئے۔ حالانکہ جناب عباس کی روایت بھی

مشاہدے پر مبنی ہے جبکہ مسیب کی روایت مشاہداتی نہیں۔

طرفین میں ہلکا سا تناؤ بھی ہوا اگر حضرت مسیب بن حزن والی روایت بخاری و مسلم کی زینت بنی تو پھر اسے چار چاند لگ گئے چونکہ یہ نصابی کتب تھیں ہر طالب علم نے پڑھیں ہر عالم انہیں کے گرد گھومتا رہا۔ اس طرح یہ روایت مشہور و معروف بھی ہوئی اس تک رسائی بھی ہر ایک کے لیے ممکن بنی۔ گویا یہ روایت کفر ابی طالب علیہ السلام کی بنیادی گواہی بنی۔ اس پر ایک مذہب قائم ہو گیا کتابیں لکھی گئیں۔ فریق مخالف پر لفظی یلغار بھی چلتی رہی۔ بلکہ کبھی کبھی جارحانہ تحکم بھی سامنے آیا۔ بڑے بڑے مقتدر اہل علم نے اس مسئلے میں خوب طبع آزمائی فرمائی حتی کہ اگر کسی نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کلمہ گو کہنے کی جسارت کی تو اسے ہر لحاظ سے خوب کوسا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ جو ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کا گمان کرتا ہے وہ یقیناً رخنہ انداز ہے بد مذہب ہے اسے اپنی وضعی فکر سے ہی خارج کر دیا گیا۔ تحقیق کے ساتھ مذاق کیا گیا۔ جارحانہ مذہبی جذبات کی تسکین کی گئی۔ فریق مخالف کے موقف کو سننا ہی گوارا نہیں کیا گیا۔ بس رسمی لفظوں سے اس بیچارے پر چڑھ دوڑے۔

ایسی بدحواسی چھائی کہ جو کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا وہ سب کچھ کہہ دیا گیا۔ حالانکہ کائناتی اُصول ہے کہ جس پر الزام لگایا گیا ہو اس کو بھی الزام کی صفائی کا موقع ملنا چاہیے۔ مگر ہٹ دھرمی کی انتہاء ہے یک طرفہ ٹریفک چلی اور اُمت میں حادثہ رونما ہو گیا۔ ایک خلیج پیدا ہو گئی اس طرح ایک عظیم محسن کے پاکیزہ اور مسلم کردار کو مسخ کیا گیا۔ اُمت ایک عظیم روشنی سے محروم ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُمت اُمت ہونے کا بھی ٹائٹل اپنے نام قائم نہ رکھ سکی۔ اس جارحیت کی نحوست سے اب تک دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔

حالانکہ رسول خدا ﷺ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا جب اُمت کا شیرازہ بکھرنے لگے تو میرے اہل بیت کے حرم میں اُمت پناہ لے لے کیونکہ

"وَاَهْلُ بَيْتِيْ اَمَانٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ مِنَ الِاخْتِلَافِ"

کہ میرے اہل بیت تقسیم اُمت کے وقت اختلاف اُمت کے وقت جائے پناہ ہیں۔ امان ہیں اختلاف کے وقت۔

مگر افسوس اُمت نے اس فرمان عالیشان کو اہمیت ہی نہیں دی۔ اسی لیے رسوائی ان کا تعاقب کر رہی ہے۔ اگر اُمت اس فرسودہ خیالی سے باہر نہ آئی تو یقیناً رسوائی ان کا مقدر ہی رہے گی۔ اب آیئے اب ہم ہر دو روایات کا علمی موازنہ کرتے ہیں:

سب سے پہلے ہم ان ہر دو روایات کے راویوں کے درمیان تقابلی جائزہ پیش کریں گے بعد ازاں ان روایات کا تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔

ا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات کا مکمل واضح ریکارڈ ملتا ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا سوانحی ریکارڈ بالکل مبہم ہے۔

۲۔ حضرت عباس وقتِ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے تمام حالات کے عینی شاہد ہیں۔ عینی شاہد کے مطابق حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کلمہ پڑھ لیا تھا جبکہ حضرت مسیب بن حزن نہ تو عینی شاہد ہیں وقوعہ کے اور نہ ہی انھیں کسی نے وقوعہ کے وقوع کی خبر دی اور نہ ہی انھیں نبی کریم ﷺ نے ان کو ایسے غیر واقعاتی وقوعہ کی خبر دی۔ اور نہ ہی حضرت مسیب بن حزن صاحب وحی ہیں۔ اس تشکیل کے علاوہ پورے ذخیرہ حدیث میں اس تشکیل کی کسی اور راوی سے روایت مروی نہیں۔ نجانے حضرت مسیب بن حزن کے پاس یہ روایت کہاں سے آئی یا اس نفس محترم کی طرف منسوب کی گئی۔ نجانے بخاری و مسلم نے اس جعلی سازشی واہی روایت سے اپنی مصنفات کو کیوں آلودہ کیا اور وہ بھی اپنی شرائط جو قائم کردہ تھیں نقل حدیث کی ان کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ بلا دلیل اس کی صحت پر مطمئن ہو گئے۔

۳۔ حضرت عباس قدیم الاسلام ہیں ہجرت سے پہلے ان کا اسلام مسلم ہے اور اسلام کی طرف سے پہلے مخبر مقرر ہو گئے۔ اللہ تعالٰی کے رسول مقبول ﷺ نے ان پر بھرپور اعتماد فرمایا جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام ہیں ان کے اسلام پر جو قریب الفہم قول ہے وہ فتح مکہ کا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اسلام ان سے قریباً گیارہ، بارہ سال پہلے کا ہے۔ صلح حدیبیہ کے قول کو مانا جائے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا اسلام ۹ سال پہلے کا ہے۔ اگر فتح خیبر کا قول لیا جائے تو پھر عرصہ آٹھ سال بنتا ہے۔ بہرحال صورت کوئی بھی ہو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا اسلام حضرت مسیب بن حزن کے اسلام سے سالوں پہلے کا ہے۔ اگر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا اسلام غزوہ بدر کے اعتبار سے مانا جائے تو پھر بھی فتح مکہ آٹھ ہجری کو ہوا غزوہ بدر سے چھ سال بعد ہوا اس حوالے سے بھی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں ان کا اسلام سات سال قبل کا ہے۔ خیبر کے اعتبار سے چھ سال قبل کا ہے اور حدیبیہ کے اعتبار سے پانچ سال قبل کا ہے گویا ہر اعتبار سے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا اسلام حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے سالوں پہلے کا مسلم ہے۔

اہل علم کا کتنا شرمناک رویہ ہے کہ قدیم الاسلام شخص کی روایت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے کہ وقوعہ کے وقت یہ مسلمان نہ تھے بلکہ کافر تھے۔

میرا اہل علم سے سوال ہے مجھے بتایئے کیا وقوعہ کے وقت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ مسلمان تھے؟ نہیں بلکہ کافر تھے اور کفر کے حمایتی تھے وقوعہ کے گیارہ سال بعد ایمان لائے وقوعہ کے تیس سال بعد انھوں نے اپنے بیٹے سے اس غیر واقعاتی وقوعہ جو سراسر جھوٹا ہے کی خبر دی جبکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی خبر اس سے تیس سال پہلے کی ہے؟ ادائے روایت میں جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت تیس سال بعد کی ہے۔

نوٹ:۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ کی عظمتوں کا یقین تو اس وقت ہی حاصل ہو گیا تھا جب آپ پنگھوڑے میں تھے اس کی صورت یہ تھی کہ جب آپ پنگھوڑے میں ہوتے آپ کا پنگھوڑا حرکت کرتا اور آپ اس میں جھولے لیتے۔ آپ کا دایاں دست رحمت اکثر اوپر اٹھا ہوتا اور اس کی شہادت کی انگلی الگ سے ایستادہ ہوتی پنگھوڑے کی حرکت سے آپ کے وجود اقدس کو حرکت ہوتی اور آپ کی انگشت شہادت بھی حرکت کرتی جدھر جدھر آپ کی انگلی ہلتی اُدھر اُدھر ہی چاند ایک خاص اسلوب سے حرکت کرتا گویا یوں لگتا کہ چاند آپ کے اشاروں پر شعار اطاعت میں وجد کناں ہے۔ بس اسی وقت سے آپ ہماری عقیدتوں، محبتوں اور یقین کی عظمتوں کا قبلہ بنے۔

قارئین محترم! اگر صورت حال ایسی ہی ہے تو بولیے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے کتنے زیادہ قدیم الاسلام ہیں یہ عرصہ تقریباً پچاس سال سے بھی زائد بنتا ہے۔ آپ صرف ان صحبتوں کا موازانہ کریں کہاں دو سال کی نبوی صحبتیں وہ بھی کبھی کبھی ہمہ وقت نہیں اور کہاں پچاس سال کی مسلسل صحبتیں اللہ اکبر۔

جناب عباس کا اسلام ابتدائے اسلام سے ہی ثابت ہے تفصیلات ان کے سوانحی خاکے میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حرم نبوت کے فرد ہیں معتمد علیہ شخصیت ہیں۔ وقوعہ بھی حرم نبوت کا ہی ہے اور یہ اس کے عینی شاہد ہیں جبکہ جناب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی ایسی عظیم نسبت موجود نہیں نجانے یہ کہاں تھے اور کہاں بیٹھ کر یہ غیر واقعاتی وقوعہ تشکیل دے دیا یا ان کی طرف منسوب کر دیا گیا جس کی نہ کوئی تصدیق کی علمی صورت ہے نہ اس کے وجود کی کوئی دینی و علمی حقیقت و شہادت ہے۔

۵۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ایک معروف شخصیت تھے اپنی دینی قدامت کے اعتبار سے بھی روحانی اور اخلاقی عظمت کے اعتبار سے بھی اور نبوی اعتماد کے اعتبار سے بھی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرماتے وقت ان سے فرمایا تھا کہ آپ ہمارے ساتھ ہجرت نہ فرمائیں بلکہ یہاں مکہ میں رہ کر کفار مکہ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا اور اسلام کے خلاف مشرکین مکہ کی سرگرمیوں سے ہمیں خطوط کے ذریعے آگاہ رکھنا۔ رہا ان کا غزوہ بدر میں لشکر کفار کے ساتھ مل کر میدان بدر میں تشریف لانا اس کی وضاحت خود رسول خدا ﷺ نے فرمادی تھی صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ چچا عباس کفار مکہ کے ساتھ جبراً لائے گئے ہیں لہٰذا ان کو جنگ کے دوران کچھ نہ کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گویا گوناں گوں عظمتوں سے معمور ذات کے مدِ مقابل حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو ایسی منفرد کوئی فضیلت حاصل نہیں جسے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مدِ مقابل مانا جائے اور ترجیحاً

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی نا قابل یقین روایت پر یقین کیا جائے۔

۶۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے انفرادی مناقب زبان نبوت نے بیان فرمائے ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں تک فرمایا جن کے دل میں عباس کی محبت نہیں ان کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی بابت ایسا کچھ نہیں بلکہ میں معارضۃً عرض کرتا ہوں کہ ان کے ایمان اور صحابیت کے لیے بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے ہم میری طرف یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ میں ان کو مومن یا صحابی تسلیم نہیں کرتا ایسا ہرگز نہیں بلکہ میری تو ساری گفتگو ان کے بیان کردہ یا ان کی طرف منسوب کردہ دعویٰ کہ ابوطالب علیہ السلام کافر مرے، کے بطلان پر ہے۔ یہ دعویٰ باطل ہے فضول ہے بیہودہ ہے۔ کیونکہ اس دعویٰ کے ثبوت میں کسی کے پاس کوئی یقینی دلیل نہیں۔

رہا جناب عباس کی روایت میں فنی اور علمی سقم تو وہ قابل اعتنا ہی نہیں کیونکہ پوری سند کے درمیان ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا مگر راوی موجود ضرور ہے "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کا جملہ اس بات کی تصدیق ہے۔ بداہت عقل اس بات کی موید ہے۔ اس روایت میں عباس بن معبد سے عن بعض اہلہ کا جملہ بذات خود صحت حدیث کی دلیل ہے۔ کیونکہ ان کے کاشانہ عظمت کے اکثر لوگ صحابی تھے۔ مثلاً فضل بن عباس، عبد اللہ بن عباس، عبید اللہ بن عباس، قثم بن عباس، ام الفضل اور خود راوی حدیث حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، معاملہ بھی انہی کے گھر کا تھا اور گھر میں معروف تمام لوگ عینی شاہد بھی تھے تفصیل آگے آ رہی ہے۔ یہ روایت صحیح لذاتہ ثابت ہو چکی ہے حصہ حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

ویسے بھی ہلکے پھلکے سقم والی روایات کو اہل علم مناقب و فضائل میں قبول فرما لیتے ہیں۔ مگر ثبوت الزام میں اہل علم ایسی روایات کو احتیاطاً قبول نہیں کرتے اس روایت میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کی فضیلت ایمانی کو بیان کیا گیا ہے جو ہر صورت قبول ہے۔ جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت جو بخاری و مسلم میں ہے۔ جس وقوعہ کو وہ بیان کرتی ہے اس وقوعہ کا اصلاً کوئی وجود ہی نہیں نہ شرعاً نہ روایتاً نہ درایتاً کیونکہ روایت کنندہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نہ تو وقوعہ کے روز جائے وقوعہ پر موجود تھے نہ وہاں موجود اشخاص نے ان کو اس جھوٹے وقوعہ کی خبر دی۔ چونکہ وقوعہ حرم نبوت کا تھا کسی بھی حرم نبوت کے فرد نے اس وقوعہ کو کبھی بھی اس تشکیل کے ساتھ اپنی زبان سے بیان نہ فرمایا تھا۔ اس روایت میں قرآن کریم کی دو آیات کا ناجائز استعمال ہوا ہے۔ اگر اس جھوٹے وقوعہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوی ذمہ داری تھی "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" کے مطابق اس تشکیل کے ساتھ ضرور بیان فرماتے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ جس ذات پر قرآن نازل ہو رہا ہے اس ذات نے زندگی بھر کبھی بھی اس تشکیل کے ساتھ اس جھوٹے وقوعے کا ذکر تک نہیں کیا جو اپنے حرم سرائے اقدس میں موجود بھی تھے اور سب کچھ نبوی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ مگر

نجانے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے وقوعہ کی کب اور کیسے وحی ہو گئی۔ العیاذ باللہ۔

نجانے بخاری و مسلم کو اس فراڈ مقدمے کی کہاں سے تصدیق ہو گئی۔ بنا بریں یہ مقدمہ یہ دعویٰ یہ الزام یہ بدترین بہتان ہے سراسر جھوٹ ہے۔ فساد فی الارض ہے فراڈ فی الارض ہے بیہودہ سازشی ہے۔ اگر کسی کو شوق ہو کہ وہ اس بدترین جھوٹ کو سچ ثابت کرنا چاہتا ہے تو فقیر حاضر ہے۔ میدان بھی حاضر ہے۔ یہ الزام لگانے والے بہتان لگانے والے سازشی عناصر آج تک محسن ملت اسلامیہ سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام پر پوری ان کی پچاسی سالہ حیات عصمت کا ایک لمحہ بھی شرک سے آلودہ ثابت نہیں کر سکے۔ اور نہ محسنہ عالمین اُمِ محمد حضرت آمنہ علیہا السلام کے وجود اقدس پر کسی شرک کے دھبے کی نشاندہی کر سکے۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو کبھی بھی محل شرک نہیں رہے۔ مگر جفا کیشوں نے ان کو آلودہ کرنے کی ناکام کوشش کی اور اس نشے میں انہیں کچھ یاد نہیں رہا۔ کچھ نہیں سوجھا۔ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا رسول خدا پر بہتان باندھا۔ حرم نبوت پر بہتان لگایا۔ قرآن کریم کو بھی نہیں چھوڑا تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کیسے بچ سکتے تھے۔ جبکہ نبی ﷺ کی والدہ کریمہ بھی نہ بچ سکیں۔ العیاذ باللہ۔ پھر کہہ دیا کہ ابوطالب علیہ السلام کا مسئلہ کوئی ضروریات دین سے نہیں جناب من اگر یہ ضرورت دین سے نہیں تو پھر اس پر آپ نے کیوں شوق پورا کیا؟ آپ نے تو ان کے خلاف ایک مبرھن کتاب لکھ ماری؟ اور ان کو کافر ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ایسا کس ضروریات کے تحت کیا؟ حالانکہ آپ کی بیان کردہ روایت جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے متعارف ہے آج تک کوئی محدث، مفسر، مفکر، مجتہد اس روایت کی سند کا اتصال ہی ثابت نہیں کر سکا جب کہ اتصال سند پہلی شرط ہے۔ صحت روایت کے لیے کیا یہ جڑ کٹی روایت اہلِ علم کے خود ساختہ تکفیری افسانے کو ثابت کر سکتی ہے؟ نہیں نہیں ہر گز نہیں تو پھر اہلِ علم کو بہترین مشورہ ہے وہ اپنی اس فرسودہ بیہودہ خیالی سے توبہ کر لیں۔ آخر حرمِ نبوت ہے یہ کوئی گلی بازار نہیں، شارع عام نہیں۔ جس کا جب دل چاہے منہ اٹھائے اور بڑبڑاتا ہوا گزرے۔

محترم قارئین! حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری بڑے شوق سے متعدد مرتبہ، اپنی صحیح بخاری میں قریباً پانچ مرتبہ درج فرمایا ہے اور امام مسلم نے بھی اس بہتی گنگا میں تیراکی فرمائی ہے۔ اپنی صحیح مسلم میں مستقل باب باندھا ہے پھر اسے روایت فرمایا ہے۔ مگر کسی نے بھی محدثانہ ذمہ داری نہیں نبھائی نہ اتصال سند کا لحاظ رکھا جو پہلی شرط تھی صحت حدیث کی۔ اور نہ اس میں مندرج مضمون کی علمی کمزوریوں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ نہ ہی اپنی قائم کردہ شرائط نقل حدیث کا خیال رکھا۔ نجانے کس ذوق سے سرشار ہو کر اپنی اپنی مصنفات کو آلودہ کر ڈالا۔ بہر حال فقیر مسکین ناچیز نے بحمد اللہ تعالیٰ اکیس (۲۱) جہات سے اس بیہودہ روایت کے معارض سوالات کیے ہیں گویا اس اعتبار سے میرے یہ 21 سوالات علمی معارضے ہیں جو میں نے قائم کیے ہیں۔ جو میرا علمی حق تھا اب میں تا حیات اور میرے بعد

محبانِ اہلبیت نبوت صبح قیامت تک ان علمی معارضوں کے علمی جوابات کے منتظر رہیں گے۔

اس روایت کے سینکڑوں معارضہ جات ابھی قلب و روح میں مچل رہے ہیں۔ سر دست ان اکیس سوالات پر اکتفا اس لیے کیا ہے کہ مدِ مقابل اپنے ترکش سے کیا تیر نکالتے ہیں تاکہ جواب الجواب کی صورت میں حرم نبوت پر لگنے والے اس علیہ الزام کا جواب ان معلوم معارضہ جات سے کیا جا سکے۔

دوسری وجہ اس اکیس کے عدد کی ایک روحانی بھی ہے وہ یہ ہے کہ فقیر نے ماہ رمضان المبارک کی ستائیس ویں شب جو شب قدر سے متعارف ہے کو اس مقدس مشن کا آغاز کیا مگر اس مقدس مشن کا فیصلہ اکیس ویں شب رحمت کو ہوا۔ کیوں کہ اکیسویں رمضان المبارک کو تاجدارِ ہل اتیٰ، جانشینِ مصطفیٰ، مبدء ولایت پیکر حرمت و عصمت سید العرب، تاجدار اولیاء، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا یوم شہادت ہے۔ اس عظیم موقع پر مسکین خطاب کر رہا تھا دورانِ خطاب ضمناً محسن اسلام حضرت ابو طالب علیہ السلام کا ذکر خیر آیا چند سطحی الفاظ ان کی شان میں بولنے سے شرم آئی کہ یار اتنی بڑی عظیم ذات اور حسین ذات پیکر کرم اور ہمارا یہ رویہ؟ آخر ان کا جرم کیا ہے؟ اُمت ان سے سوتیلے پن کا رویہ کیوں اپناتی ہے۔ جارحانہ لفظوں سے ان کو یاد کرتی ہے ایسا کیوں ہے۔ جب مسکین نے ان کی بابت مسلمہ ذخائر علم کا مطالعہ کیا تو ہر طرف آگ ہی نظر آئی۔ رسول اللہ ﷺ کے پیارے والدین کریمین طیبین طاہرین کی بابت ان کی خدمت اقدس میں چار جلدوں پر مشتمل کتاب لکھ کر نذر کی جا چکی ہے وہ جلدیں الحمد للہ منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اہل محبت انھیں حرز جاں بنائے ہوئے ہیں۔

بنابریں فقیر نے طے کیا کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بارگاہِ عظمت و شفقت میں بھی کوئی گلدستہ نذر کروں جس میں ان پر لگائے گئے کفر و شرک کے جھوٹے الزام کا تعاقب کروں۔ جب میں نے اس کام میں قرآن مجید کو کھولا احادیث کے ذخائر کی ورق گردانی کی تو الحمد للہ ان کی حمایت میں قرآن کریم کی بہت ساری آیات نغمہ سرا ہیں سینکڑوں احادیث ان کے مناقب کا عنوان پیش کر رہی ہیں۔ مگر جو آیات اور احادیث ان پر لگائے گئے الزام میں استعمال ہوئی ہیں جب ان کا علمی تحقیقی جائزہ لیا تو ہر طرف خیانت ہی نظر آئی جس کے تانے بانے اموی غنڈوں تک پہنچتے ہیں۔ جب یہ ڈانڈے آپس میں ملائے تو بیہودگی عصبیت ہی سامنے آئی پھر میں نے ضروری سمجھا کہ اس ناسور کا خاتمہ میرے ایمان کی مجبوری ہے۔ مگر حد سے زیادہ افسوس اس بات پر ہوا کہ ہمارے بہت سارے بزرگ اس آگ میں کودے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی بیہودہ روایت پر بخاری و مسلم میں آ جانے کی وجہ سے اندھا دھند اعتماد کر بیٹھے ہیں۔ اس مکھی پر مکھی مارنے کا تسلسل آج تک جاری و ساری ہے۔ نعوذ باللہ۔ جبکہ ہمارے بہت سارے اسلاف نے قدرے اس فرسودہ فکر کا تعاقب بھی کیا ہے اور اس جرم میں وہ ابھی تک معتوب بھی ہیں۔ تاہم میری یہ ادنیٰ سی غیر جانبدارانہ کاوش صرف اور صرف حرم نبوت کے تقدس کی بابت ہے۔ اس

مسئلے میں نہ میں کسی کا مدِّ مقابل ہوں اور نہ ہی کسی کو اپنا مدِّ مقابل سمجھتا ہوں۔ ہاں اگر کوئی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کا پجاری پھڑ پھڑائے تو فقیر حاضر ہے۔

نوٹ:۔ میں نے اس بیہودہ روایت کی بابت بہت مرتبہ لفظ بیہودہ استعمال کیا ہے ظاہر ہے یہ اس روایت کے پجاریوں جغادریوں کو بہت برا لگے گا اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حرم نبوت پر لگائے گئے الزام کو بیہودگی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ میرے نزدیک یہ کائنات کی بدترین بیہودگی ہے کیونکہ اس روایت کے ذریعے لگایا گیا الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ جس کی معروضی صورت حال میں نے کیے گئے سوالات میں پیش کر دی ہے۔ اہل علم ان سوالات کا بار بار علمی جائزہ لیں حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ لفظ میرا ذاتی لفظ نہیں بلکہ یہ لفظ میں نے دنیائے علم وحکمت کے عظیم شاہسوار محمد الطاہر بن محمد بن الطاہر بن عاشور التیونسی متوفی ۱۳۹۳ھ سے عاریتاً لیا ہے۔ ادھار لیا ہے جو انھوں نے اپنی معروف زمانہ تفسیر التحریر والتنویر میں سورۂ توبہ کی آیت 113 کی تفسیر میں اسی عنوان کے ضمن میں لکھا ہے۔ حوالہ کے طور پر اس تفسیر کی اصلی عبارت حاضر خدمت ہے۔

"وَأَمَّا مَا رُوِيَ فِي أَسْبَابِ النُّزُولِ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي اسْتِغْفَارِ النَّبِيءِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي طَالِبٍ، أَوْ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي سُؤَالِهِ رَبَّهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِأُمِّهِ آمِنَةَ حِينَ زَارَ قَبْرَهَا بِالْأَبْوَاءِ فَهُمَا خَبَرَانِ وَاهِيَانِ لِأَنَّ هَذِهِ السُّورَةَ نَزَلَتْ بَعْدَ ذَلِكَ بِزَمَنٍ طَوِيلٍ"

ترجمہ: اور بہر حال جو روایت کیا گیا ہے اسباب نزول قرآن کی بابت سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کے حوالے سے کہ یہ نازل ہوئی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے عدم استغفار کے لیے اور یہ نازل ہوئی ہے محسنہ عالمین حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے عدم استغفار کے لیے سو یہ ہر لحاظ سے بیہودہ ہے۔ دونوں روایتیں بیہودہ ہیں واہی ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں جس آیت کے ضمن میں بطور شانِ نزول سبب نزول کے اعتبار سے بیان کی گئیں ہیں یہ سراسر غلط ہے کیونکہ اس مذکورہ آیت کا نزول ان روایتوں کی تشکیل کے بہت طویل عرصہ بعد ہوا جبکہ ان روایتوں کی تشکیل بہت عرصہ پہلے ہے۔ لہٰذا اس آیت اور ان بیہودہ روایتوں کا باہمی کسی بھی اعتبار سے کوئی تعلق نہیں۔

بنابریں میں علمی جغادریوں سے کہوں گا کہ اس لفظ کی بنا پر میری گرفت نہ کرنا اگر گرفت کا شوق پورا کرنا آپ کی مجبوری بن جائے تو آپ مذکورہ مفسر کی گرفت کرنا کیونکہ میں نے تو صرف ان کا لفظ استعمال کیا ہے اور بس۔

روایتِ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور روایتِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے درمیان علمی و تقابلی موازنہ

۱۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف راوی کا نام نہیں لیا گیا مگر راوی ہے ضرور۔ جبکہ مسیب بن حزن کی روایت میں مکمل راوی ہضم ہے۔

۲۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی روایت مکمل شرعی کوائف کے مطابق ہے کیونکہ راوی عینی شاہد ہے جبکہ مسیب بن حزن کی روایت میں ایسا کچھ نہیں نہ علمی عظمت ہے نہ یقینی قوت ہے۔

۳۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو وقوعہ ہوا اسے من وعن بیان کیا گیا ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں وقوعہ کا وجود ہی ثابت نہیں جو وقوعہ ہوا ہی نہیں اسے بیان کیا گیا ہے۔ بے اصل ہے۔

۴۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی روایت میں قرآنی آیات کا ناجائز استعمال نہیں ہوا جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں قرآنی آیات کا مسلسل ناجائز استعمال ہوا جو کہ سراسر ظلم عظیم ہے۔ اگر یہ آیات حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے تو اور بات تھی کیونکہ وہ وقوعہ کے عینی شاہد تھے۔ حیرت ہے عینی شاہد کو آیات نظر نہیں آئیں اور جو عینی شاہد نہیں انہیں سب کچھ نظر آ گیا یہی فراڈ ہے اور جھوٹ ہے۔

۵۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی روایت میں کلمہ پڑھنے کی تصدیق ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں کلمہ پڑھنے کی تکذیب ہے جو سراسر جھوٹ ہے۔ رہا تلقین کے بعد رسول دو عالم ﷺ تک ان کے کلمہ پڑھنے کی آواز کا نہ پہنچنا وہ ان کے کفر کی کسی بھی طرح دلیل نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو سرکار دو عالم ﷺ خود صاحب شریعت تھے فوراً فرما دیتے کہ یہ کافر مرا۔ مگر ایسا ہرگز نہیں فرمایا اور زندگی بھر کبھی نہیں فرمایا۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی صحیح لذاتہ روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وضاحت آگے آ رہی ہے۔

۶۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی روایت بداہت عقل کے خلاف نہیں بلکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت بداہت عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کی روایت کے مضمون کی کوئی حقیقت ہوتی تو وہاں جتنے لوگ موجود تھے کوئی تو ان کے حق میں بولتا؟ حیرت ہے صاحب وحی نے حضرت مسیب کو تو بتا دیا مگر عینی شاہدوں کو کچھ نہیں بتایا؟ اسے صاف جھوٹ کہتے ہیں۔ جبکہ مسیب اس وقت کافر تھا۔

دوسری دلیل یہ ہے اگر بات سچی ہوتی تو کبھی تو رسولِ خدا ﷺ کے سامنے اسے بیان کیا جاتا یا خود رسول خدا اس کا حوالہ

دیتے۔ جبکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ والی روایت کا سارا معاملہ آقا علیہ السلام کے سامنے ہوا اور آپ ﷺ نے حسب حال فرمایا کہ میں تو سن نہیں پایا۔ صاحب عظمت بھی ہے۔ عینی شاہد بھی ہے ہر اعتبار سے ان کی روایت معقول بھی ہے۔ مقبول بھی ہے۔ جو اسے قبول نہیں کرتے وہ اپنے حواس کا علاج کروائیں۔ عن بعض ابلہ کی تحقیق ہو چکی ہے حصہ حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ حدیث صحیح لذاتہ ثابت ہو چکی ہے۔ حیرت ہے کہ عینی شاہد کی بات نہیں مانی جاتی اور غیر عینی شاہد کی بات فوراً قبول کی جاتی ہے یہی انصاف کا قتل ہے اور عینی شاہد بوقتِ شہادت مسلمان بھی ہے جبکہ غیر عینی شاہد زاں وقت مسلمان نہیں تھا۔

۷۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوت کے عظیم فرد ہیں ان کو اس وقت کے حالات کا زیادہ اندازہ ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا اس وقت کسی قسم کا کاشانہ نبوت کے ساتھ تعلق ہے نہ وابستگی بلکہ دشمنی معروف ہے کفر معروف ہے بوقت تحمل روایت۔ ذرا تفصیل سے گفتگو آگے آرہی ہے۔

"فانتظروا انی معکم من المنتظرین" فقیہان حرم ہر دو روایات کا دلائل سے موازنہ کریں پھر قبول کریں۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف درج کی گئی بوگس بیہودہ سازشی ایف۔آئی۔آر کا

تحقیقی جائزہ، تفصیلات، ایک عبوری خاکہ

قارئین محترم! ہم پہلے اس بوگس ایف۔آئی۔آر کے بنیادی کرداروں کو واضح کریں گے بعد ازاں ان کا تحقیقی جائزہ لیں گے۔ آسانی کے لیے ہم اس کو ایک مقدمہ کی صورت میں درج کریں گے کہ اس الزام کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

۱۔ مدعی مقدمہ:۔ حضرت مسیب بن حزن بن وہب المخزومی ہیں

۲۔ مدعیٰ علیہ: یعنی جس پر الزام کا دعویٰ کیا گیا ہے الزام علیہ سردار قریش سید بطحا محسنِ ملت اسلامیہ سیدنا حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب علیہما السلام ساکن مکہ۔

۳۔ جائے وقوعہ:۔ حرم نبوت۔

۴۔ گواہان مقدمہ:۔ (۱) ابوجہل عمر بن ہشام ساکن مکہ (۲) عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی ساکن مکہ۔

۵۔ الزام بعنوان: کفر اور شرک ابوطالب۔

۶۔ اندراج مقدمہ ہذا:۔ صحیح بخاری و مسلم میں

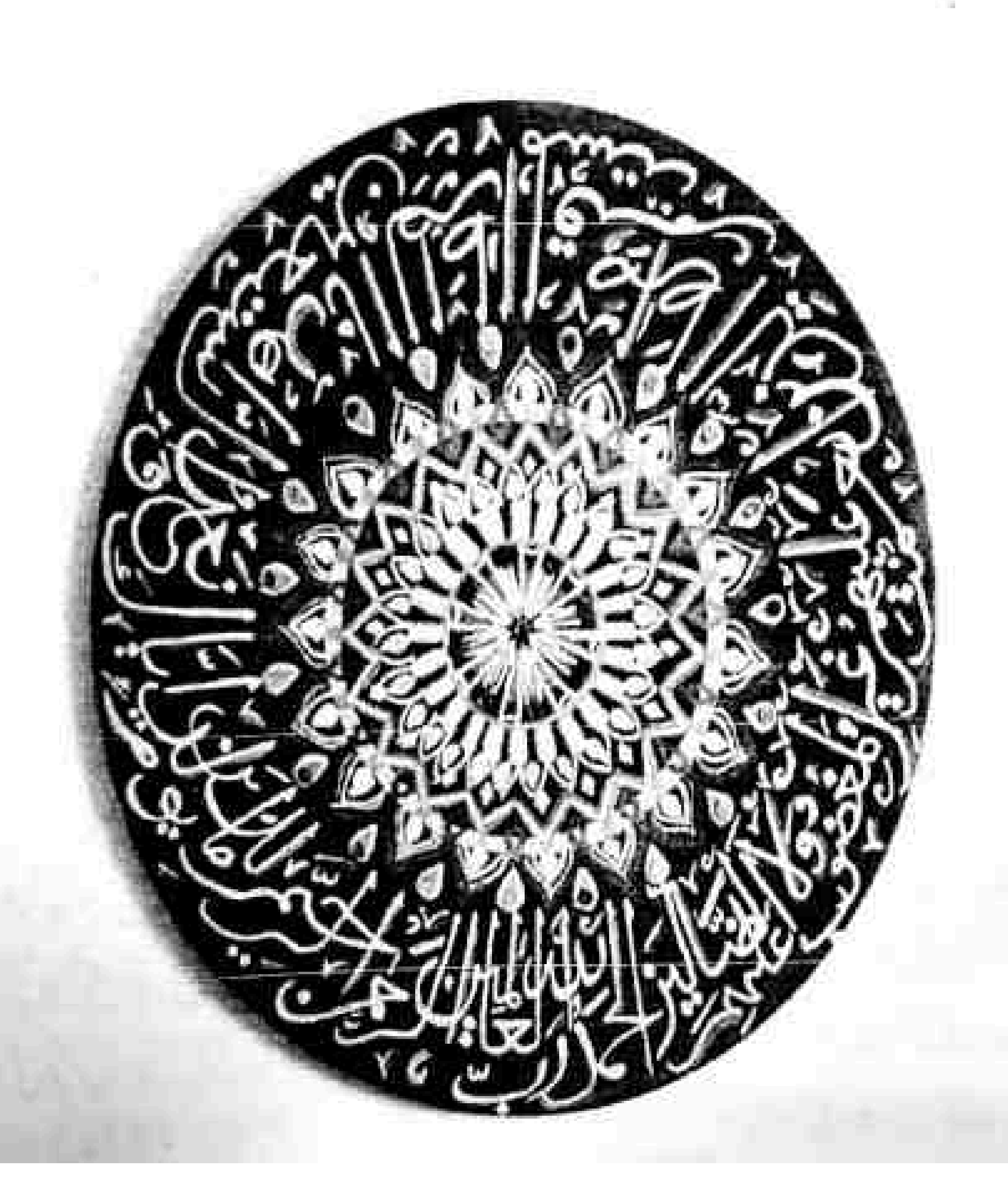
۷۔ اس بیہودہ سازشی بوگس ایف۔آئی۔آر کا مضحکہ خیز متن۔

۸۔ اس جھوٹی ایف آئی آر کے مندرجات اور ان کا قانونی شرعی اور علمی جائزہ۔

۹۔ اس فحش ایف آئی آر میں قرآنی آیات کے ناجائز استعمال کا علمی جائزہ۔

۱۰۔ اس ناجائز ایف۔ آئی آر پر اُمت کے اندھے اعتماد کے حوالے سے ہونے والے نقصانات کا گراف اور تاریخی جائزہ۔

۱۱۔ اس جھوٹے الزام کے نتیجے میں اہل بیت نبوت کے نفوسِ قدسیہ کی ہتکی پر اہل محبت کے زخموں پر نمک پاشی کے بھیانک نتائج اور اہلیان اسلام کے مذہبی دینی نقصان کا ایک معروضی جائزہ۔



فصل ثانی:

روایتِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے بنیادی کرداروں کا شرعی اور قانونی تعین

پہلا کردار مدعی مقدمہ

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا شخصی تعارف

قارئین محترم! حضرت مسیب بن حزن کی شخصیت کی بابت تاریخ سیرت اور کتب اسماء الرجال میں جو معروف ترین کتب ہیں ان میں جزوی اعتبار سے ان کا تذکرہ ملتا ہے تاہم چند ایک معتبر کتب سے ان کے حالات کا مختصر جائزہ پیش کرتا ہوں۔ ان میں سرفہرست کتب یہ ہیں: رجال صحیح مسلم، ۲۔ رجال صحیح بخاری۔ ۳۔ طبقات خلیفہ۔ ۴۔ تاریخ الدرر۔ ۵۔ الکاشف فی معرفۃ اصحاب ۶۔ اسد الغابہ فی معرفۃ صحابہ۔ ۷۔ الاستعیاب فی معرفۃ اصحاب۔ ۸۔ ثقات ابن حبان۔ ۹۔ تاریخ الکبیر البخاری۔ ۱۰۔ معرفۃ یعقوب۔ ۱۱۔ معجم الطبرانی الکبیر۔ ۱۲۔ رجال البابلی۔ ۱۳۔ علل احمد وغیرہ۔

ہر ایک کتاب کی عربی عبارت کو خوف طوالت سے ترک کیا جاتا ہے ان کا ترجمہ پوری علمی دیانت کے ساتھ پیش خدمت ہے خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

نام: المسیب بن حزن بن ابی وھب عمر بن عائد بن عمر بن مخزوم بن یقظہ مخزومی قرشی مدنی۔

کنیت: ابوسعید۔ بیٹے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بن حزن کے حوالے سے۔

یوم پیدائش:۔ تمام کتب سیر، تاریخ، اسماء الرجال خاموش ہیں

جائے پیدائش: تمام کتب سیر، تاریخ، اسماء الرجال خاموش ہیں، مکہ میں ہے یا نواح مکہ میں۔

بچپن کے حالات:۔ تمام کتب سیر، تاریخ، اسماء الرجال خاموش ہیں۔ جوانی کی بابت بھی خاموش ہیں۔ شادی کی بابت بھی خاموش ہیں۔ علمی لیاقت اخلاقی عظمت کی بابت بھی خاموش ہیں۔

قبولِ اسلام: اس کی بابت تین مذہب ہیں۔

پہلا مذہب:۔ 6 ہجری بیعت رضوان کے موقع پر۔

دوسرا مذہب: فتح خیبر 7 ہجری کے موقع پر۔

تیسرا مذہب:۔ فتح مکہ کے موقع پر۔

تفصیل:۔ پہلے مذہب کے داعی حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بن حزن ہیں جو موصوف کے بیٹے ہیں۔ دوسرے مذہب کے داعی امام ذہبی ہیں "اَسْلَمَ بَعْدَ خَیْبَرَ" کے لفظ انھوں نے لکھے ہیں۔ تیسرے مذہب کے داعی مصعب الزبیری ہیں اور کہتے ہیں ہمارے تمام اصحاب علم کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ فتح

مکہ 8 ہجری میں اسلام لائے۔

ترجیح:۔ ہر سہ اقوال میں ترجیح کس قول کو ہوئی دلیل سے ملاحظہ فرمائیں۔

ترجیح کی پہلی صورت

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بن حزن کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بتایا کہ میں بیعت رضوان میں اس مقدس درخت کے نیچے موجود تھا جس کے نیچے بیعت لی گئی تو اس صورت میں باقی دو اقوال کی تردید ہوگئی۔ اس کو ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے ترجیحاً بیان فرمایا اپنی تہذیب التہذیب تقریب التہذیب میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے مقام پر موجود تھے۔ اس میں واقدی اور مصعب الزبیری کا رد ہے جن کا خیال تھا کہ مسیب بن حزن فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔

ترجیح کی دوسری صورت

استیعاب میں ہے کہ "هَاجَرَ مَعَ أَبِيهِ حَزَنَ بْنِ أَبِي وَهَب" کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کی۔ حدیبیہ میں شامل ہوئے۔ شجرہ طیبہ کے نیچے بیعت کی اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہجرت کر کے بیعت رضوان میں شامل ہوئے ہیں پھر اسلام کا لانا بیعت رضوان سے پہلے متوہم ہوتا ہے تو پھر حدیبیہ کے مقام پر اسلام لانے کا کیا معنی بنے گا کیونکہ کوئی کافر ہجرت کیونکر کرے گا۔ حالانکہ ان کے باپ حزن بن ابی وہب کے متعلق واضح طور پر الکاشف فی معرفۃ اصحاب والوں نے لکھا ہے کہ وہ فتح کے دن ایمان لائے اور وہ طلقاء میں سے تھے۔ جن پر رحمتِ عالمین ﷺ نے فتح مکہ کے دن رحم فرمایا تھا معاف فرمایا۔ ان کی چیرہ دستیوں کا مؤاخذہ نہیں فرمایا تھا۔ اب اس صورت میں دو باتیں ذہن میں آتی تھیں۔ اگر باپ بیٹا ہجرت کر کے حدیبیہ پہنچے تو بیٹے نے بیعتِ اسلام کر لی مگر باپ اس وقت محروم رہا یا پھر ہجرت کا قول ہی لغو ہے اور اور اگر ہجرت کا قول لغو ہے تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ حدیبیہ کب آئے اور کیسے آئے اور اگر حدیبیہ کسی طرح آ گئے مسلمان ہو گئے تو فتح خیبر تجدید اسلام کی خاطر اسلام لانے کا تکلف کیوں فرمایا؟ اس صورت میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فقیہ مدینہ کی علمی ذمہ داری بنتی ہے وہ ان حالات کی وضاحت فرمائیں کیونکہ بیعت رضوان پر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا قول اور مذہب ان کا ہے مگر فقیہ ہونے کی ذمہ داری انھوں نے نہیں نبھائی یہ مسئلہ الجھا ہوا چھوڑ کر تشریف لے گئے۔

قول ثالث پر ترجیح کے دلائل

امام واقدی اور امام مصعب الزبیری ابو احمد العسکری کے قول کے مطابق حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا اسلام فتح مکہ کے دن ثابت ہے دلیل ان کی یہ ہے کہ یہ طلقاء میں سے ہیں اور طلقاء کا ایمان فتح مکہ سے پہلے متحقق نہیں۔ یہ اسی دن دائرہ اسلام میں آئے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پناہ عطا فرمائی۔ ان پر رحم فرمایا۔ رہا ان کا ہجرت کرنا تو وہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ بنابریں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا اسلام اپنے باپ کے ساتھ لانا ثابت ہے الگ سے نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے بھائی حکیم بن حزن بھی اسی دن ایمان لائے ان تینوں کا ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانا ثابت نہیں اور الگ سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے سفر کہیں نہیں کیا۔ رہا ہجرت کا معاملہ تو فتح مکہ کے بعد اعلان کر دیا گیا تھا کہ اب ہجرت کبھی نہیں ہوگی مکہ سے جب ہجرت کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا ہے تو پھر ان باپ بیٹے نے ہجرت کدھر کب اور کہاں کی؟ رہا فتح مکہ سے قبل ہجرت کرنا وہ کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں بہر حال صورت کوئی بھی ہو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا اسلام بیعت رضوان کے وقت ہو یا فتح خیبر کے موقع پر ہو یا پھر فتح مکہ کے دن ہو ان کا ایمان وفات ابو طالب علیہ السلام کے سالوں بعد ہے ان کے وقت احتضار میں یقیناً یہ کافر تھے چاہے ان کا ایمان بیعت رضوان میں ثابت ہو فتح خیبر کے دن ثابت ہو فتح مکہ کے دن ثابت ہو فرق صرف اتنا ہے پہلی صورت میں فاصلہ نو سال کا بنتا ہے دوسری صورت میں دس سال کا اور تیسری صورت میں گیارہ سال بارہ سال کا بنتا ہے۔ اور یہ سب سے طویل عرصہ ہے۔ اور قرائن فتح مکہ کے دن اسلام لانے کی توثیق کرتے ہیں۔

وفاتِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی وفات کے حوالے سے قطعی طور پر کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ان کے لیے مشکل ہے۔ تاہم کچھ ذہنی اندازے ہیں

روایتِ حدیث

اہل علم نے ان کی روایت حدیث کی بابت صرف اتنا بیان فرمایا ہے کہ ان کی روایات کی کل تعداد صرف سات ہے تین صحیح بخاری اور باقی دیگر کتب حدیث میں ہیں۔ اگر ان کی روایات ایسی ہی ہیں جیسی حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت ہے تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ (فقیر فریدی) امام ابن حبان نے ان کا شمار تابعین میں کیا ہے لیکن یہ اپنے قول میں متفرد ہیں۔ جس طرح

تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ حضرت ابوطالب علیہ السلام والی روایت میں متفرد ہیں عین ایسے ہی اس حدیث میں ان کے بیٹے حضرت سعید بن حضرت مسیب رضی اللہ عنہ بھی متفرد ہیں۔ گویا پورے ذخیرہ حدیث میں یہ حدیث اپنے علمی اعتبار سے غیر متصل بھی ہے غیر معقول بھی ہے اور اکلوتی بھی ہے۔

نوٹ:۔ اس اکلوتی روایت پر گفتگو کرنے سے قبل چاہتے ہیں کہ نفس روایت کے چند اصول ومبادی عرض کر دیے جائیں تاکہ روایت سمجھنے میں آسانی ہو۔ ویسے تو روایت دانی روایت فہمی کا ایک مستقل فن ہے اسے اُصول حدیث کے فن کے نام سے معنون کیا جاتا ہے اور اس پر ہزاروں کتابیں ورطہ تحریر میں آچکی ہیں روایت کی بہت ساری جہات کا تعین کر کے ہر جہت کو الگ طور پر موضوع بنایا گیا ہے۔ مکمل استقراء کیا گیا۔ ہر استقراء کے منضبط قاعدے ہیں۔ ہر قاعدے پر موزوں اور حسب حال قرآن وسنت سے دلائل دیے گئے ہیں۔

مختلف طبقات اہل علم نے علوم وضع کیے ہیں بہت گہرائی تک اترے ہیں بہت کچھ بیان کیا ہے۔ روایت کے درجات کا تعین کیا ہے۔ اس کے موثر ہونے کے ضابطے تحریر کیے ہیں ضعف اور قوت کے اعتبار سے توازن قائم کیا ہے۔ مسائل کی تدریج کے اعتبار سے دلائل کی تدریج کو ملحوظ رکھا ہے۔ معارضے کی گنجائش کا تصور بھی قائم ہے رد وقبول کے ضابطے بھی ترتیب دیے ہیں اس لیے بیان کردہ روایت جس میں خاص کر کسی واقعہ سے متعلق خبر ہو اسے دو اعتبار سے بیان کیا ہے۔ ا۔ خبر مقبول ۲۔ خبر مردود۔ پھر اس کی تقسیم بھی کوائف کی صورت میں ہے۔ جو روایات احکام سے متعلق ہوں اُن کے لیے الگ سے ضابطے ہیں اور ان ضابطوں کے پس منظر کو دلائل سے مزین کیا ہے گویا یہ ایک بے کنار سمندر ہے۔ اس میں اتر کر اہل علم نے خوب غواصی بھی کی ہے اور تیراکی بھی۔ اس سمندر سے چمکدار جواہر نکال کر اُمت کے لیے حدیث فہمی میں ایک سہولت میسر فرمائی ہے۔

سب سے پہلے ان ضابطوں میں یہ ضابطہ تشکیل دیا ہے کہ روایت پر غور سے قبل یہ معلوم کیا جائے کہ یہ روایت درجہ قبولیت کا اعزاز پاتی ہے تو کس درجہ کی قبولیت ہے۔ کیا اس کو قبول کرنے سے عظمت یقین نصیب ہوتی ہے کہ نہیں۔ یعنی یہ مفید علم یقین ہے یا نہیں یا اس سے طمانیتِ قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے یا نہیں۔ یا اس سے صرف ظنی علم نصیب ہوتا ہے۔ جس طرح درجہ قبولیت کے درجات ہیں اسی طرح ردِّ روایت کے بھی درجات ہیں اگر یہ روایت مردود ہے تو کس درجہ کی مردود ہے لائق اعتناء ہے یا نہیں اگر ہے تو کس اعتبار سے ہے اگر نہیں تو کس اعتبار سے نہیں؟ ان سارے معیارات کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ اس روایت پر غور کیا جائے اور اخذ مسائل کیا جائے استدلال کیا جائے اور استشہاد کیا جائے۔

تاہم فقیر فریدی کسی گہرائی میں اترنے کی بجائے اپنے عنوان کی طرف لوٹتا ہے بحمد للہ تعالیٰ فقیر کے پاس اس وقت فقط اُصولِ حدیث کی سب سے مختصر متداول کتب جو ہر طالب علم مدارس دینیہ میں پڑھتا ہے اُن کا نام ہے

(۱) شرح نخبۃ الفکر (۲) مقدمہ ابن الصلاح۔

یہ کتب متداول بھی ہیں مستعمل بھی ہیں عام فہم بھی ہیں ہر ایک کی دسترس میں بھی ہیں۔ ہاں اگر خال خال کہیں دیگر کتب اصول حدیث جو امہات الکتب ہیں اور اصل ماخذ ہیں ان سے استفادہ چونکہ میری علمی مجبوری ہے اگر ان کا حوالہ آئے تو محسوس نہ کریں اگر آپ کی دسترس میں ہے تو سبحان اللہ ورنہ فقیر پر طوعاً و کرہاً اعتماد فرمانا ان سے استفادہ ان شاء اللہ العزیز پوری ذمہ داری سے ہوگا۔ ماہرین اصول حدیث نے ہم تک وصول حدیث کے دو اعتبار قائم کیے ہیں:

۱۔ علم الحدیث بحسب الروایۃ

۲۔ علم الحدیث بحسب الدرایۃ

اعتبارِ اول کا معنی یہ ہے کہ ہم تک جس ذریعہ سے حدیث پہنچی کتنے افراد اس کے سلسلہ سند میں شامل ہیں اس سلسلہ سند میں راویوں کا تسلسل مسلسل قائم ہے یا درمیان میں شروع میں آخر میں کوئی راوی موجود نہیں؟ اس کو علم اصول حدیث بحسب روایت کہتے ہیں۔

اور اعتبار دوم کا معنی یہ ہے کہ علم حدیث جو ہم تک پہنچا جس سلسلہ سند کے ساتھ اُس سلسلہ سند کے تمام رواۃ راویان حدیث فہم حدیث میں کتنے پختہ تھے؟ ان کے اندر اخلاقی عظمتیں کس قدر موجود تھیں؟ علمی صلاحیتیں کس قدر مسلم تھیں؟ انکا کردار کتنا بلند تھا؟ تحمل حدیث یعنی حصول روایت کے وقت ان کی عمر کتنی تھی؟ فکری صلاحیت اس قابل تھی کہ یہ عنوان حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھ سکیں اور قلب و روح میں محفوظ کر سکیں؟ ادائے حدیث کے وقت پورے ضبط کے ساتھ سامع کو منتقل کر سکیں؟ پوری بصیرت کے ساتھ حق روایت ادا کر سکیں؟ کب پیدا ہوا کہاں رہا؟ علم کتنا اور کہاں سے حاصل کیا؟ زندگی کے اطوار میں کیسا رہا؟ علم میں دلچسپی کتنی رہی؟ دین سے کتنی وابستگی رہی؟ حدیث کے متن کی صورت کیا ہے؟ اس پوری چھان بین کے نام کو علم الحدیث بحسب الدرایت کہتے ہیں۔

دوستانِ من! روایت راہ جاتے ہوئے روایت نہیں بنتی بلکہ پوری چھان بین کی جاتی ہے بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے ہوش رُبا حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ تب جا کے مزاج نبوت کے جلووں سے رعنائی حاصل ہوتی ہے۔ تاہم اب ذرا ماہرین علوم حدیث کی اصطلاحات کی طرف چلتے ہیں جس سے روایت کی بطور روایت شناخت ہوتی ہے سب سے پہلے سند حدیث کی روایت پر کلام کرتے ہیں:

سلسلہ سند کے اعتبار سے روایت دو قسم پر ہے

روایت باعتبار تعلق واقعہ دو قسم پر ہے

۱۔ روایت کا تعلق کسی حقیقت کی بابت ہو جس کا تعلق امر حسی سے نہ ہو جیسے آسمان دنیا سے اوپر کے عالم غیب کے حقائق چونکہ ان کو انسانی حواس نہ محسوس کر سکتے ہیں اور نہ معلوم کر سکتے ہیں۔ نظر دیکھ نہیں سکتی کان سن نہیں سکتے ہاتھ چھو نہیں سکتے لہٰذا عالم بالا کے روحانی حقائق کے معلوم کرنے کا فقط ایک ذریعہ ہے وہ ہے وحی الٰہی۔ اس کا براہ راست اہل صرف نبی ہوتا ہے۔ ان کو علمی زبان میں سماعی حقائق کہا جاتا ہے مسموعات کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اسے صاحب وحی بیان کرے اور دوسرے لوگ سنیں اور یقین کریں۔ یہی یقینی علم کا ذریعہ ہے۔ رہا غیر نبی پر الہام ہونا تو وہ الہام صاحب الہام کے لیے تو یقین کا باعث ہو سکتا ہے دوسرے لوگ اس کے یقین کی قطعیت کے پابند نہیں۔ کیونکہ وحی جو قطعی علم اور یقینی علم پر مشتمل ہوتی ہے اس کا اہل صرف صاحب نبوت ہی ہو سکتا ہے دوسرا نہیں۔

۲۔ روایت کا تعلق کسی ایسی حقیقت سے ہو جو امرِ حسی ہے۔ انسانی حواس کی اس تک رسائی آسان ہو ان کو علمی زبان میں مبصرات ومحسوسات کہا جاتا ہے۔ روایت بیان کرنے والا اگر کسی حسی محسوس کی بابت خبر دے رہا ہو تو اس کے لیے شرعاً ذاتی ضروری ہے کہ راوی نے اُس امرِ حسی کا عینی مشاہدہ کیا ہو۔ اور پورے دھیان سے اس نے اس واقعہ کو بنظر غائر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یہ مشاہدہ اس روایت کی بنیادی اولین شرط ہے ورنہ وہ راوی روایت کا اہل ہی نہیں کہ روایت کرے۔ ہاں ایک صورت ہے وہ یہ کہ متعلقہ وقوعہ کا کوئی عینی شاہد آئے اور مذکور راوی کو بیان کرے پورے اہتمام کے ساتھ وقوعہ کے تمام خدوخال من وعن بیان کرے اور اُسے حق روایت تفویض کرے تب جا کر راوی روایت بیان کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

روایت باعتبار ردّ وقبول

(۱) مقبول روایت کے بنیادی شرائط اور صحتِ حدیث کے لازمی شرائط یہ ہیں کہ روایت کی سندِ متصل ہو ابتدائے سند سے انتہائے سند تک۔

(۲) راوی کامل اور تام الضبط ہو۔ یعنی روایت حاصل کرنے سے لے کر آگے بیان کرنے تک مسلسل حاصل کردہ روایت کا تکرار جاری رکھے۔ الفاظ ومعانی سے اس کا ذہن ایک لحہ بھی ادھر اُدھر نہ ہو اس کی یاداشت تادمِ روایت تازہ ترین اور یکساں ہو۔ متعصب بھی نہ ہو ورنہ اس کے مخالف کے خلاف یہ روایت قابل قبول نہ ہوگی۔

۳۔ راوی کا کردار بے حد پاکیزہ ہو کبائر سے مکمل اجتناب ہو صغائر سے بھی بچتا ہو اصرار نہ کرنے والا ہو اسے عدالتِ راوی کہتے ہیں۔

(الف) حفظ واتقان میں بھی ماہر ہو۔ تب جا کے روایت قبولیت کے درجے کو پہنچتی ہے

(ب) مردود روایت کا تعارف

مذکورہ چاروں شرائط میں کوئی ایک شرط مفقود ہو یعنی سندِ متصل نہ ہو، ضبط روایت میں نقص ہو، عدالت راوی نہ ہو، حفظ واتقان میں کمی ہو مذکورہ بالا نقائص میں کوئی بھی نقص پایا گیا ہو تو روایت مردود ہو گی قابل قبول نہ ہو گی۔ راوی کا مسلمان ہونا بھی شرط روایت ہے۔

مقبول روایت کی اقسام

روایت باعتبار تعدادِ راوی

۱۔ اگر روایت کرنے والے کثیر تعداد میں راوی ہیں جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو تو اس کا نام فنی علماء متواتر رکھتے ہیں اور یہ قرآن کی آیت کا درجہ رکھتی ہے اس سے علم یقینی نصیب ہوتا ہے۔ یہ روایت اپنی قوت میں قطعیت کا کمال رکھتی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ لازم الیقین ولازم العمل ہے۔ یہ کثرت دس سے ستر تک مانی گئی ہے۔

۲۔ اگر روایت کرنے والے متواتر روایت کی تعداد سے کم ہوں اور ان کی تعداد دو سے زیادہ ہو تو اس روایت کو مشہور کہتے ہیں یہ بھی طمانیتِ قلب کا باعث ہے یعنی دل اس کی سچائی کے یقین پر مطمئن ہو جاتا ہے یہ عمل کو واجب کرتی ہے اور اس سے ظن غالب کا اعتماد ملتا ہے۔

۳۔ اگر روایت کرنے والے دو راوی ہوں یا ایک راوی سے کئی لوگ روایت کریں یا ایک راوی کئی لوگوں سے روایت کرے تو اس روایت کو ماہرین فن حدیث خبر واحد کا نام دیتے ہیں یہ صرف مفید ظن تو ہو سکتی ہے مگر مفیدِ یقین نہیں۔ ہاں اگر اس خبر کے علاوہ اس کے دوسرے علمی شواہد جو اس کے مؤید ہوں قرائن جو اس کے مضمون کو اپنی قوت کے ساتھ بیان کرتے ہوں یعنی یہ محتف بالقرائن ہو تو مفیدِ یقین ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

مردود روایت کی اقسام

۱۔ اگر راوی اپنے سے اوپر کے راوی کو چھوڑ کر رحمت عالم ﷺ سے روایت کرے یا صحابی سے روایت کرے یا تابعی حضور اکرم ﷺ سے روایت کرے تو اس روایت کو مرسل کہتے ہیں۔

۲۔ اگر یہ انقطاع درمیان سند سے ہو تو روایت کو منقطع کہتے ہیں۔

۳۔ اگر سند سے دو راوی گر جائیں تو اس کو معضل کہتے ہیں۔
۴۔ اگر صفات راوی میں نقصان ہو تو اسے ضعیف کہتے ہیں۔

نوٹ:۔ ہماری گفتگو ایک مردود روایت کی بابت ہے جو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیحین میں درج ہے چونکہ اس کی سند میں کسی بھی صورت میں اتصال سند کا شہود کہیں نہیں مل سکا بنابریں اسے خبر مردود میں شمار کیا جائے گا۔ رہا یہ سوال کہ اگر یہ روایت سندِ متصل کے ساتھ روایت نہیں مگر یہ مرسل صحابی ہونے کی وجہ سے مقبول ہے۔

جانِ من اس پر مکمل بحث تو تفصیلا اس کے مقام پر ہی ہوگی تاہم مختصراً عرض یہ ہے کہ اس کا مضمون ایک سنگین ترین الزام پر مشتمل ہے کائنات کے عظیم ترین انسان کی بابت ہے قانونِ شریعت کا ضابطہ ہے کہ الزام کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس، قطعی اور تیقنی شواہد کی ضرورت ہوتی ہے یہ تقاضائے شریعت بھی ہے اور قانون عدالت بھی۔ ضابطۂ معاشرت بھی اصول پنچایت بھی، اصول روایت بھی ہے مگر مذکورہ روایت تو ظنی روایت بھی نہ بن سکی نہ صریحاً نہ حکماً جو دیگر قرائن کے پائے جانے کی وجہ سے مفید یقین ہو سکے اور جب تک دلائل مفید یقین نہ میسر آئیں الزام نہ شرعاً ثابت ہوتا ہے نہ قانوناً نہ یقیناً نہ درایتاً۔ بنابریں مرسل روایت کسی بھی صورت میں مقبول نہیں بلکہ مردود ہے۔

رہا مضمونِ الزام پر مشتمل صحابی کی روایت تو اس کی بابت یہ ذہن میں رہے کہ کائنات کا کوئی شخص خواہ صحابی ہی کیوں نہ ہو وہ قانون شریعت سے بالاتر نہیں اور نہ ہی مستثنیٰ ہے۔ ورنہ ان پر حدود نافذ نہ ہوتیں۔ ہاں اگر کسی صاحب علم کو ہماری علمی تحقیقی گفتگو پسند نہ آئے تو ایسی دلیلِ شرعی پیش کرے جس سے یہ ثابت ہو کہ صحابی شریعت سے مستثنیٰ ہیں قانون روایت سے مستثنیٰ ہیں ضابطہ اخلاق کے پابند نہیں۔ جس پر جب چاہیں کوئی گھناؤنا الزام لگا سکتے ہیں قانونِ شریعت توڑ سکتے ہیں۔ دلیل معترض کے ذمہ ہے۔ جواب کے لیے فقیر حاضر ہے۔

حسب ضابطہ طے یہ ہوا کہ حدیثِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ بالکل مردود ہے اس سے کفر ابی طالب علیہ السلام پر استدلال کرنا مردود تر ہے۔ اس میں بغیر تحقیق کے قرآنی آیات کا ناجائز استعمال حد سے زیادہ مردود ہے۔

اب اس اُصولی گفتگو کے بعد ہم چاہیں گے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف درج کی گئی بوگس ایف آئی آر کا اصل متن پیش کیا جائے۔

روایتِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا متن

صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے کیونکہ پاکستان میں ذریعہ تعلیم بھی اردو ہی ہے اصل عربی مواد بھی ان شاء اللہ العزیز

حسب موقع بھرپور پیش کیا جائے گا۔ متن ایف آئی آر:

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام سے نزع کے وقت فرمایا اے چچا محترم لا الٰہ الا اللہ کلمہ پڑھ لیں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی بابت حجت قائم کروں گا یعنی آپ کی بخشش کی تمنا کروں گا۔ اتنے میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بولے اے ابوطالب کیا آپ اپنے باپ دادا عبدالمطلب ہاشم عبدمناف کے دین سے ملت سے منہ موڑ لو گے؟

راوی کہتے ہیں یہ دونوں مسلسل ابوطالب علیہ السلام سے ملتِ عبدالمطلب پر مرنے کا اصرار کرتے رہے نبی کریم ﷺ کلمہ پڑھنے کا تقاضا کرتے رہے اور یہ اصرار و تکرار مسلسل جاری رہا حتیٰ کہ ابوطالب علیہ السلام کا آخری کلام یہ تھا کہ میں اپنے آباؤ اجداد عبدالمطلب ہاشم عبدمناف کے دین پر ہی مروں گا۔ اس پر سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کے حق میں مغفرت کی دعاء کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے روک دیا جائے تب میں رک جاؤں گا ورنہ مسلسل طلبِ استغفار کرتا رہوں گا۔ آپ ایسا کرتے رہے حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آیت نازل ہوگئی جس میں حکم دیا گیا کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ مشرکین انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ خصوصاً جب یہ ظاہر ہو جائے وہ جہنم میں ہی جائیں گے۔ یعنی ان کی موت کفر و شرک پر ہو۔ راوی کہتا ہے یہ آیت بھی نازل ہوئی: اے محبوب آپ جس کو محبوب جانتے ہوئے اسے ہدایت دینا چاہو تو آپ ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا ہدایت اسے دے گا۔

(سورۂ قصص: 56۔ صحیح مسلم و بخاری)

الجواب بعون الوہاب

حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کے بنیادی کرداروں کا تعین

قارئین محترم! اس سازشی ایف۔ آئی۔ آر کا متن آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس میں درج ذیل اُمور قابل توجہ ہیں

۱۔ کیا اس ایف۔ آئی۔ آر کا درج کنندہ شرعاً اس روایت کا اہل تھا؟ کہ وہ اس کو بیان کرے۔

۲۔ کیا اس ایف۔ آئی۔ آر کو بیان کرنے والا اُصولِ روایت و درایت کے مطابق اس کا اہل تھا کہ وہ ایسا کرے حالانکہ وہ تحمل روایت کے وقت خود کافر تھا؟

۳۔ کیا اس ایف۔ آئی۔ آر میں قائم کردہ دو سلطانی گواہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ گواہی کی شرعاً اہلیت رکھتے تھے؟ حالانکہ

اس وقت یہ دونوں کافر تھے اور شدید کافر تھے۔ وقوعہ کے وقت ابو طالب کے قریب مانے گئے ہیں؟

۴۔ کیا ان سلطانی گواہوں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے مدعی مقدمہ کو وقوعہ کی خبر دی؟ یا تا حیات کسی اور شخص کو اس وقوعہ کی اطلاع دی تھی؟ یا باہمی تبادلہ خیال کیا؟ مذکورہ بالا مطلوبہ کوائف میں سے کوئی بھی ثابت نہیں یہ سب کچھ مصنوعی ہے۔

۵۔ کیا اس وقوعہ کے وقت حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اہل خانہ مثلاً حضرت عباس بن عبدالمطلب، اُم فضل زوجہ حضرت عباس، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام، حضرت عقیل بن ابی طالب علیہ السلام، حضرت ابو طالب کی زوجہ کریمہ سیدتنا بی بی فاطمہ بنت اسد، بنات رسول ﷺ، سیدتنا حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُم کلثوم، حضرت فاطمۃ الزہراء اور خود رسول کائنات صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین موجود تھے؟ یا نہیں؟ یقیناً تھے اور وقوعہ کے عینی شاہد تھے کیا انھوں نے اس وقوعہ کو مجوزہ ایف۔ آئی۔ آر کی تشکیل میں کبھی بیان فرمایا؟ پورے ذخیرۂ علم میں کسی کو اس حوالے سے کہیں بھی کچھ بھی نہیں ملے گا۔ حالانکہ خود رسول رحمت ﷺ وقوعہ کے وقت وہاں موجود تھے اور صاحب وحی ہیں۔ حقیقت کو چھپانا آپ کے منصبی مقام و مرتبہ کے سراسر خلاف ہے۔ کائنات بھر کے اہل علم زور لگالیں کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

۶۔ اس وقوعہ میں تشکیل کردہ ایف۔ آئی۔ آر کا متن بول رہا ہے کہ اس جھوٹے وقوعہ کی تائید میں قرآن کریم کی دو آیات بھی نازل ہوئیں سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 سورۂ قصص کی آیت نمبر 56۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان زمانۂ نزول کے اعتبار سے تقریباً چودہ سال کا فاصلہ ہے جبکہ نزول آیات میں تفصیل یہ ہے کہ سورۂ قصص وفاتِ حضرت ابو طالب علیہ السلام سے عرصہ پہلے نازل ہوئی اور سورۂ توبہ وفاتِ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے بارہ سال بعد نازل ہونا متفق علیہ ہے۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دونوں سورتیں نجماً نجماً نازل نہیں ہوئیں بلکہ یکبارگی نازل ہوئیں سورہ توبہ نو (۹) ہجری کے اختتام پر ذیقعدہ کے مہینے میں نازل ہوئی غزوہ تبوک سے واپسی پر جسے مجمع عام میں سنایا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر حج بنا کر پہلے روانہ کیے گئے بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یہ سورہ دے کر بھیجا گیا اس میں کفار مکہ کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کا اعلان تھا۔ سوا لاکھ صحابہ میں سے کسی کو بھی علم نہ ہو سکا کہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 حضرت ابو طالب علیہ السلام کے خلاف نازل ہوئی۔ نجانے مسیب بن حزن کو یہ ڈراؤنا خواب کیسے آگیا حالانکہ وہ تحمل روایت کے وقت شرعاً اہل ہی نہ تھے کیونکہ ایک وہ کافر تھے دوسرا وہ جائے وقوعہ پر موجود ہی نہ تھے۔ اور نجانے ان کی عمر تحمل روایت کے وقت قبول روایت کے مطابق تھی یا نہیں؟ غالب گمان یہ ہے کہ بیہودہ روایت ان کے نام منسوب کر دی گئی ہے۔

نوٹ: بعض اہل علم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا نزول دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ مکہ اور ایک مرتبہ مدینہ میں یہ دعویٰ بلا دلیل

ہے اور بلا دلیل دعویٰ باطل ہوتا ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔

۷۔ کیا یہ درست ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایک مرتبہ مکہ میں نازل ہوئی دوسری مرتبہ بارہ سال بعد مدینہ میں نازل ہوئی جبکہ مضمون آیت صیغہ نہی کو متضمن ہے۔ یعنی اس میں اللہ تعالیٰ نے حکماً اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت سے منع فرمایا ہے اگر اس کا نزول اولاً مکہ میں مانا جائے تو مطلب یہ بنے گا کہ وفات ابوطالب کے وقت آپ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں جب تک روک نہ دیا جاؤں تب تک میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا۔ سو فوراً اللہ تعالیٰ نے آپکو سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کے ذریعے حکماً روک دیا مگر پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بضد رہے نعوذ باللہ۔ مسلسل بارہ سال تک ابوطالب کے لیے دعا کرتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ کو پھر خیال آیا کہ میرا محبوب مسلسل بارہ سال سے ایک ناجائز اور غلط کام میں مبتلا ہے جس کا انجام بہت بھیانک ہے اس لیے اسے ایک مرتبہ پھر خدائی آرڈر سے سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کے ذریعے روک دوں؟ کیونکہ دونوں مرتبہ اس آیت کا سبب نزول اہل علم نے ابوطالب علیہ السلام کے حق میں مانا ہے۔ ورنہ یہ کبھی نہ کہتے جب کسی نے اعتراض کیا کہ جناب وقوعہ دس سن نبوی کا ہے نزول آیت ۹ سن ہجری ذیقعدہ کا ہے درمیانی عرصہ بارہ سال بنتا ہے بنا بریں آیت و روایت میں مناسبت نہیں تو اس پر تکفیری افسانہ نگار اہل علم چین بجبیں بھی ہوئے، نالاں بھی ہوئے اور طیش میں آکر فرما دیا نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ واحدی کہتے ہیں محتمل احتمال ہے کہ وقتِ وفات سے مسلسل نزول آیت ۹ ہجری تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کی ہوگی اس پر مستزاد یہ ہے کہ ہمارے برصغیر کے ایک عظیم عالم دین اپنی عظمت میں وہ مجدد بھی کہلائے امام اہلسنت کے ٹائٹل کے ساتھ بھی معنون ہیں وہ بولے احتمال کا ہے کا۔ جب حدیث ہی گواہ ہے کہ مَالَم اُنہَ میں بارہ سال کی مسلسل مدت متضمن ہے اور تسلسل پذیری کی دلالت موجود ہے۔ واہ واہ!۔ کیا خوب استدلال کیا ہے؟

قارئین محترم! اگر کوئی مست ملنگ موصوف حضرت صاحب سے پوچھ لے کہ حضرت! یہی آیت بارہ سال پہلے بھی اسی بارے میں نازل ہوئی تھی پھر بھی صاحب وحی نے مسلسل بارہ سال تک سابقہ وحی کو توڑا اس کے خلاف کرتے رہے؟ اگر نعوذ باللہ ایسا ہی ہے تو کیا منصب نبوت سن وعن قائم رہا یا کوئی فرق آیا؟ اگر سن وعن قائم رہا تو پھر اس آیت کا جواب کیا دو گے جو تیسرا پارہ سورہ آل عمران رکوع ۱۶، آیت نمبر ۸۲ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق فرمایا جو بہت ہی مشہور ہے اس لیے تفصیل میں نہیں گیا۔ جب طرفین اپنی اپنی شہادتوں کے ساتھ وعدہ کناں ہو گئے اقرار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی شان جلالت سے فرمایا

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

یعنی جو اس وعدہ میثاق سے سرتابی کرے گا وہی فاسقوں سے ہوگا۔ (العیاذ باللہ)

بولیے! جناب ادھر تو وعدہ میثاق سے سرتابی کرنے والے کو فاسق بنانے کی دھمکی دی جارہی ہے اُدھر حکم ربی کو توڑنے والے کا کیا حشر ہوگا؟ آیئے ذرا! ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجات طیبات سے سورۂ احزاب کی آیت نمبر 30 میں فرمایا جارہا ہے اے نبی کی بیویو! تم سے اگر کوئی واضح فحاشی والی بات سرزد ہوئی تو یاد رکھنا پھر "یُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ" "تمہیں عذاب بھی دوگنا ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ "لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ" "تم اپنی منصبی عظمت میں عام عورتوں کی طرح نہیں ہرگز ہرگز نہیں ہو بلکہ تم امہات المومنین ہو۔ گویا جس طرح تمہارا منصب بہت بڑا ہے ایسے ہی احکام خداوندی کے خلاف کرنے سے عذاب بھی دوگنا چوگنا ہوگا۔

بولیے ادھر ادھر یہ کرنے سے یہ ہوگا ادھر بارہ سال تک مسلسل حکم عدولی کرنے سے کیا ہوگا؟ فیصلہ آپ فرمالیں۔ منصبی عظمت کا لحاظ نہ کرنے والے سے کیا رویہ ہوسکتا ہے؟ آپ نے قرآن سے مختصراً دو حوالے ملاحظہ فرمائے اب اسی ضابطے کو ذرا ملحوظ رکھ کر آیئے امام الانبیاء خاتم المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منصبی عظمت پر۔ اس منصب سے بڑا منصب صرف ایک ہی کائنات میں وہ ہے خدا تعالیٰ کا منصبِ خدائی۔ اگر اتنے بڑے منصب والی ذات نے بارہ سال اللہ تعالیٰ کے فرمانِ عالیشان کے حکم خلاف مسلسل عمل کیا ہو بقول آپ کے تو بولیے اس پر مواخذہ کتنا شدید ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ حضور والا! اگر آپ کے تحکمانہ تکفیری افسانے کو مانا جائے تو دعائے مغفرت کے بارہ سالہ تسلسل والے عمل کی پاداش میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی بچ نہیں پائیں گے۔ آپ نے حضرت ابو طالب کی تکفیر کر کے اپنا شوق پورا کر لیا مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبتلائے عذاب وعتاب کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی مبحث شریف میں ہر دو روایات کو بطور دلیل کفر ابی طالب پر بڑی شد و مد کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ایک روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حوالے سے اور ایک روایت کو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ وحی توڑنے کے جرم میں نبوت کا مواخذہ جو ہوگا اس کے ذمہ دار صاحب مبحث ہیں۔

۸۔ بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے کیا اپنی محدثانہ ذمہ داری نبھائی؟ کیا انھوں نے اس روایت کی دینی، شرعی اور اخلاقی و مذہبی تحقیق کی؟

۹۔ کیا سورۂ توبہ و قصص کی ہر دو آیات کا اس سازشی روایت کے ساتھ تعلق علمی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو کیسے اگر نہیں ہوسکتا تو کیسے؟

۱۰۔ کیا ان آیات کا تعلق صرف ابو طالب علیہ السلام سے ہی ہے؟ یا کسی اور سے بھی ہے؟

۱۱۔ اس بوگس ایف آئی آر کے ذریعے حضرت ابو طالب کو ہی نامزد کیا گیا اور کیوں کیا گیا؟ خود ابو طالب علیہ السلام سے

تفصیلی گفتگو ہوئی؟ الزام علیہ کو کسی نے سنا؟ مزید برآں حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ محسنہ عالمین، مخدومہ کائنات حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کو سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کے ذریعہ نامزد کیا گیا حالانکہ ان نفوس قدسیہ سے کبھی بھی کفر وشرک سرزد نہیں ہوا اور نہ ہی آج تک کوئی مائی کا لال ان نفوس رحمت وعصمت میں کفر وشرک ایک لمحہ کے لیے ثابت کرسکا۔

نوٹ

یہ کل گیارہ کردار ہیں۔ اس جعلی جزئی بیہودہ سازشی بوگس آیف۔ آئی۔ آر کے جو درج ہیں۔ صحیح بخاری ومسلم میں درج ہیں۔ اب ہم ہر ایک کردار کا جائزہ لیں گے تحقیقی اور تفتیشی انداز سے تاکہ قارئین کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ لیکن اہل علم سے گزارش ہے کہ مذہبی تعصب سے شخصی پوجا پاٹ سے طرف داری کے رویوں سے ہٹ کر مطالعہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے آپ کا انشراحِ صدر ہوگا۔ احقاقِ حق کے آپ یقیناً قریب ہوں گے۔ ساتھ یہ بھی گزارش کردوں کہ یہ کتاب اہل محبت کے لیے جہاں ارمغانِ ذوق ہے وہاں اہل تحقیق کے لیے بھی ایک خوش گوار علمی اضافہ ہے۔ رہے معاصر اہل علم اگر ان میں تحقیقی ذہن ہوا تو یقیناً وہ اس سے مستفیر ہوں گے۔

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعینہ کرداروں کی تحقیق وتفتیش کے مختلف احوال

پہلا کردار

قارئین محترم! اس روایت کا پہلا کردار خود راوی مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے مختصر حالات تو آپ نے بیان سابق میں ملاحظہ فرما لیے مگر یہاں روایت سے متعلق کرداروں کی وضاحت کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ان کے حالات زندگی میں یوم پیدائش کا کہیں ذکر نہیں۔ موہوم ہے ولادت کب کہاں ہوئی؟

۲۔ تحمل روایت یعنی روایت حاصل کرنے کی عمر کا کہیں بھی اندازہ نہیں ہوسکا آیا وہ اس اہل تھے یا نہیں؟ مگر تحمل روایت کے وقت وہ کافر تھے۔

۳۔ ان کی علمی لیاقت بھی مخدوش ہے کیونکہ کسی بھی طرف سے ان کے علمی مقام کی کوئی شہادت نہیں ملی۔ صرف سات روایتوں

کی روایت کا ٹائٹل ہے ان کے پاس۔ جن کی پہلی روایت کا حشر آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔

۴۔ جس وقوعہ کو یہ بیان کرتے ہیں وہ سراسر جھوٹا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقوعہ کی ان کے پاس کوئی علمی، دینی، شرعی، مذہبی اور اخلاقی تصدیق نہیں۔ محض روایت کا جوڑ توڑ الزام ثابت نہیں کر سکتا۔ حصول روایت کا ذریعہ علم ہی نہیں۔

۵۔ حالات وواقعات کے اعتبار سے یہ وقوعہ مُبصَر بھی ہے محسوس بھی ہے۔ اس کو صرف عینی شاہد ہی بیان وروایت کر سکتا ہے۔ جبکہ مسیب بن حزن اس وقوعہ کا نہ عینی شاہد ہے اور نہ ہی اس کو کسی عینی شاہد نے بتایا ہے اور نہ ہی حق شہادت وروایت ان کو کسی نے تفویض کیا ہے۔ حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نہ ان کو بیان وروایت فرمایا اور نہ ہی کسی کو عمر بھر میں یہ واقعہ بیان فرمایا۔ کیونکہ اس وقوعہ کی حقیقت ہی کوئی نہیں یہ سراسر جھوٹا ہے۔ اسی لیے زبان نبوت پر کبھی بھی نہیں آیا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کبھی کسی سے بیان فرمایا حتیٰ کہ خود صاحب روایت سے بھی کبھی بیان وروایت نہ فرمایا۔ کہیں بھی کوئی علمی، یقینی دلیل میسر نہ ہو سکی۔ نہ تصدیقِ یقینی ہو سکی۔

نوٹ:۔ قانون شریعت کے مطابق بھی یہ واقعہ جھوٹا اور باطل ہے۔ قانونِ شہادت کے مطابق یہ وقوعہ غیر ثابت ہے باطل ہے جھوٹا ہے۔ قانونِ روایت کے مطابق بھی یہ وقوعہ غیر ثابت جھوٹا اور باطل ہے۔ قانونِ درایت کے مطابق بھی یہ وقوعہ غیر ثابت جھوٹا اور باطل ہے کیونکہ راوی کے پاس اس وقوعہ کی نہ عینی شہادت ہے نہ علمی شہادت نہ یہ وقوعہ کے وقت وہاں موجود تھے اور نہ ہی کسی عینی شاہد نے اسے یہ وقوعہ اس تشکیل سے بیان کیا نہ ہی جائے وقوعہ کی کوئی ٹھوس قطعی یقینی شہادت ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے جب راوی خود جائے وقوعہ پر گیا ہی نہیں تو اسے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ کیسے نظر آ گئے۔ ان کا تکرار واصرار کیسے نظر آ گیا؟ اگر راوی کے زعم باطل کے مطابق یہ دو لوگ وہاں موجود تھے تو انھوں نے زندگی بھر نہ راوی کو بتایا نہ ہی کسی اور کو بتایا حالانکہ یہ وقوعہ اگر وقوع پذیر ہوتا تو ابوجہل کے لیے بہت بڑی نعمت قرار پاتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلانے کے لیے۔

قانون شریعت وروایت کے بنیادی تقاضے

قانونِ شریعت میں قانونِ شہادت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کسی بھی الزام کا فیصلہ شہادت وگواہی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہے۔ بہت ساری قرآنی آیات اس پر گواہ ہیں بے شمار احادیث اس پر گواہ ہیں بلکہ اسلام نے قانونِ شہادت کو ایک نظام کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔ تمام کتب حدیث وفقہ تفسیر میں اس کے لیے بڑے طویل ابواب قائم

گئے ہیں۔ تمام جزئیات پر بحث و تمحیص موجود ہے۔ تحمل شہادت اور ادائے شہادت پر ہزاروں مسائل و کوائف ترتیب دیے گئے۔ بے شمار دلائل سے اس نظام کو مزین کیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر متواتر حدیث عرض کیے دیتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِی وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ"

مدعی یعنی دعویٰ کرنے والا خواہ کسی حق کا دعویٰ کرے یا کوئی الزام بیان کرے قانونی طور پر شرعی طور اس پر فرض ہے لازم ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کرے۔ (دعویٰ جس نوعیت کا ہوگا گواہوں کی تعداد بھی اس کے مطابق ہوگی مگر کسی دعویٰ میں دو سے کم گواہ قبول نہ ہوں گے) بہر حال عادل گواہوں کا دعویٰ کی قوت میں ہونا لازمہ شریعت ہے۔ ورنہ دعویٰ باطل اور جھوٹا قرار پائے گا۔ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو "وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ" جس پر دعویٰ کیا گیا ہے وہ قسم دے دے اس کی قسم سے مدعی کا دعویٰ باطل قرار پائے گا۔ اور وہاں گواہوں کا عینی شاہد ہونا از حد ضروری ہے ورنہ گواہی باطل قرار پائے گی۔ گواہوں کا عادل ہونا بھی شرطِ شہادت ہے۔ ذوی عدل قرآنی نص ہے غیر عادل شہادت و گواہی کا اہل ہی نہیں۔ قرآن و سنت اس پر گواہ ہیں۔ مسلمان ہونا بھی شرطِ شہادت ہے۔

آیئے اب اس آئینے میں ذرا مسیب بن حزن والی جھوٹے الزام پر مبنی روایت کو دیکھیے اور فیصلہ کیجیے حق کیا ہے؟

۱۔ جب وفاتِ ابوطالب علیہ السلام والا وقوعہ رونما ہو رہا تھا کیا مقدمہ کا مدعی یا راوی اس وقت خود عادل تھا؟ نہیں بلکہ کافر تھا۔

۲۔ کیا جائے وقوعہ پر موجود تھا؟ نہیں۔ کیا اس نے وقوعہ کا عینی مشاہدہ کیا تھا؟ نہیں۔

۳۔ جن دو گواہوں کو اس روایت میں نامزد کیا گیا ہے ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی اُمیہ کیا یہ گواہ عادل تھے؟ نہیں۔ ایک فرعون اُمت تھا اور دوسرا بھی اس وقت شدید دشمن تھا۔ فتح مکہ سے کچھ قبل یہ ایمان لایا جبکہ ابو جہل کافر ہی مارا گیا۔ جب یہ دونوں عادل نہیں تو ان کو گواہ بنانا کیسا ہے؟

۴۔ کیا ان غیر عادل کافر گواہوں نے زندگی بھر راوی کو یا کسی بھی اور شخص کو اس وقوعہ کی خبر دی؟ نہیں۔ کسی عدالت میں پیش ہو کر گواہی دی؟ نہیں جب ایسا کچھ نہیں تو پھر یہ اس بیہودہ روایت کا حصہ کیسے بنے؟ کیوں بنایا گیا؟ کس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ بہتان باندھا گیا؟

خاص بات

اس روایت میں بیان کردہ دونوں گواہوں نے یعنی ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی اُمیہ نے کافر ہو کر بھی یہ واقعہ بیان نہ کیا۔ کیونکہ

ان کے نزدیک ایک ایسے وقوعہ کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ ہی وجود ہے۔ اس لیے انھوں نے باوجود دشمن ہونے کے یہ واقعہ کبھی بھی نہ راوی سے ذکر کیا نہ ہی کسی اور سے مگر راوی اب بھی بضد ہے۔ روایت گر بھی بضد ہیں۔ اہل علم بھی بضد ہیں یہ جھوٹ بولنے کو اپنا معروف مذہب گردانتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اگر کسی کے پاس اس جھوٹے وقوعہ کے عینی ثبوت ہیں لے آئے ہم قبول کریں گے۔

مجھے حیرت ہے یہاں دو باتوں پر

پہلی بات:۔ کافر نے کافر ہو کر بھی یہ واقعہ بیان نہیں کیا۔ بحسب روایت ان کو نامزد بھی بطور گواہ کیا گیا ہے مگر آہ افسوس مسلمان اس جھوٹ کو حدیث بنا کر بول رہے ہیں۔ اس جھوٹ کو دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس واضح جھوٹ کو سچ کرنے کے لیے کئی اور بوگس روایات تراش رہے ہیں بلکہ اس ظلم پر ظلم یہ ہے کہ اس جھوٹ کی تائید میں سچے قرآن کی دو مقدس آیات کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ حیرت ہے آج تک کسی کافر نے کافر ہو کر مسلمان کو کافر نہیں کہا مگر یہ مسلمان اب کافروں کو کافر کہنے کے بجائے مسلمانوں کو کافر کہہ بھی رہے ہیں بنا بھی رہے ہیں۔ شاید اسی لیے کسی قلندر نے یہ قلندرانہ بات کہہ دی

؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ترجمہ: جب حرمِ کعبہ سے ہی کفر اُبھرنا شروع ہو جائے تو پھر مسلمانی کہاں رہے گی؟

دوسری بات: آغازِ اسلام سے آج تک کفر اسلام کے ساتھ مزاحم رہا ہے۔ اسلام سے ٹکراتا رہا ہے۔ اسلام کے خاتمے میں اپنی بھرپور کوشش بروئے کار لاتا رہا ہے۔ شاید صبح قیامت تک ایسا ہی کرتا رہے لیکن اس پورے تسلسل میں کہیں بھی آپ کو نظر نہیں آئے گا کہ کسی بھی کافر نے حرم نبوت پر حملہ کیا ہو؟ کسی رسول زادی سے بدتمیزی کی ہو؟ اہلبیت نبوت کے کسی معصوم کو نیزوں پر چڑھایا ہو؟ مگر یہ شرف مسلمانوں کو صرف خاص رہا ہے حرم نبوت کو آگ لگانا اس کے معصوم باسیوں کے ٹکڑے کرنا انھیں زہر دینا انہیں ستانا رسول زادیوں کو قیدی بنانا ان کے سروں سے عصمت کی چادریں نوچنا ان کی توہین کرنا مدینہ منورہ کو آگ لگانا مسجد نبوی میں گھوڑے باندھنا حرم نبوت کے معصوم کو برسرِ منبر غلیظ گالیاں دینا بلکہ ان گالیوں کو اسلامی ریاست کا قانون بنانا گالیاں نہ دینے والوں کو قتل کر دینا مدینہ طیبہ میں دس ہزار سے زائد عورتوں کی عصمت دری کرنا کعبۃ اللہ کو توپوں کے گولوں سے منہدم کرنا، غلافِ کعبہ کو جلانا، معصوم صحابہ کرام کی سفید داڑھیاں نوچنا، حصولِ اقتدار کے لیے ہزاروں بے گناہ صحابہ کو قتل کرنا خلافت کے نظام کو توڑ دینا۔ قرآن کی توہین کرنا، میدان جنگ میں قرآن کو نیزوں پر لٹکانا۔ قرآن سے نفرت کرنا۔ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پینے کا کہنا۔ محبانِ حرم نبوت کو بے دریغ قتل

کرنا یہ سب کام کلمہ پڑھنے والوں نے کیے ہیں۔ کسی کافر و مشرک نے نہیں۔

مگر۔۔۔۔ اے فقیہانِ حرم۔۔۔۔۔ تمہارے لیے تمہارے نزدیک یہ سب کچھ اجتہاد ہے ناں؟ کیونکہ تم نے اپنی قلموں سے انھیں مجتہد لکھا ہے اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر یہ اُمور جن کو بیان کیا گیا ہے ان میں اُن سے غلطی بھی ہوئی ہو تو بھی ان مجتہدین کو ان کے اس ظالمانہ اجتہاد پر ثواب ضرور ملے گا کیونکہ حدیث میں ہے مجتہد خطا بھی کرے تو اس کو اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔ گویا آپ کے اس ملعون فتویٰ کی بنیاد پر طے یہ پایا کہ حرم نبوت کو آگ لگانا ثواب ہے۔ پاسبانِ نبوت کی توہین کرنا ثواب ہے۔ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ثواب ہے۔ رسول زادیوں سے کمینی حرکتیں کرنا ثواب ہے۔ ان کے ڈوپٹے چھین لینا ثواب ہے۔ بے گناہ ہزاروں صحابہ کو قتل کرنا ثواب ہے۔ بزرگ بڑھاپے والے سفید ریش صحابہ کی داڑھیوں کو نوچنا ثواب ہے۔ مسجد نبوی میں خچر باندھنا ثواب ہے مدینہ طیبہ کی عصمت مآب عورتوں سے جبراً زنا کرنا ثواب ہے۔ اس جبر و بربریت کے اصل موجد کو معصوم سمجھنا ثواب دارین ہے؟ تو پھر ایسے بے بصر فقیہانِ حرم کے لیے ابو طالب علیہ السلام کو کافر کہنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے؟

نوٹ

قارئین کرام! اس بہتی گنگا میں حضرات محدثین کرام نے بھی خوب طبع آزمائی فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ امام بخاری و مسلم نے بھی حصہ بقدر جثہ ڈالا ہے۔ اپنی اپنی مصنفات میں مذکورہ سفاکوں کو بڑی شان والا راوی حدیث مانا ہے اور ان سے کثیر تعداد میں حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔ خصوصاً حدیث ضحضاح بھی یعنی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو طالب کو پتلی آگ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ حدیث بھی اُموی حکمرانوں کی نعمتوں سے ایک نعمت سمجھ کر امام مسلم علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح مسلم میں خصوصی باب قائم فرما کر ترجمۃ الباب کی پہلی حدیث کے طور پر نقل فرما کے اُمت پر احسان فرمایا ہے۔ راوی کا مکمل نام محمد بن عبد الملک بن مروان الاموی بیان فرمایا ہے بڑے ہی احترام سے راوی کا نام لیا اور اس کے باپ کا نام لیا حتیٰ دادا کا نام بھی لیا قبیلہ کا تو ذکر بڑے احترام سے کیا تا کہ ان کے حضورِ عظمت میں باریابی کی راہ ہموار ہو؟ مروان بن حکم ملعون زبانِ نبوت ہے امام بخاری کے عظیم اور معتمد علیہ راوی ہیں دیکھیے رجال بخاری فقیر ان شاء اللہ العزیز اس عنوان پر ایک ضخیم کتاب لکھے گا۔ دعا فرمائیں۔ بعض اُموی غنڈے راویانِ حدیث کیسے بنے؟ کتاب کا عنوان ہو گا۔

محدثین کرام علیہم الرحمہ سے ایک سوال

حضور والا! جہاں آپ نے جمع و تدوینِ حدیث میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں وہاں آپ نے اُصول حدیث میں بھی

بہت مسلم کام کیا صحتِ حدیث کے قواعد استقراء کر کے وضع کیے جس سے میرے جیسے اندھوں کو خوب روشنی ملی آپ کا شکریہ۔ آپ نے صحتِ حدیث کی پہلی شرط اتصالِ سند قائم کی دوسری شرط عدالتِ راوی قائم کی۔ عدالتِ راوی کا آپ نے یہ تعین فرمایا کہ راوی نے کبیرہ گناہ نہ کیا ہو صغیرہ سے بھی بچے خصوصاً صغیرہ پر اصرار نہ کرے وغیرہ کبیرہ گناہ کرنے والا صغیرہ پر اصرار کرنے والا آپ کے نزدیک روایت حدیث کے اہل ہی نہیں حتیٰ کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کی بابت تو یہاں تک مشہور ہے کہ انھوں نقلِ حدیث میں حد درجے کی احتیاط فرمائی۔ اگر کسی سے روایت حدیث حاصل کرنے اس کے ہاں پہنچے اور اسے دیکھا کہ وہ اپنے بھاگے ہوئے گھوڑے کو بلا رہا ہے مگر اس کی جھولی خالی ہے اس میں کوئی دانہ دنکا نہیں مگر وہ دکھا رہا ہے گھوڑے کو کہ بھئی آجاؤ میری جھولی میں دانے ہیں امام بخاری نے اس شخص راوی سے کہا یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میں اپنے گھوڑے کو بلا رہا ہوں اس پر امام بخاری نے کہا کہ آپ کی جھولی میں کچھ بھی نہیں پھر یہ گھوڑے کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو؟ اس پر امام بخاری نے یہ کہہ کر اس راوی کو مسترد کر دیا کہ آپ جب ایک جانور سے سچ نہیں بول رہے تو رسولِ رحمت پر کیسے سچ بول سکتے ہو؟ حدیث لیے بغیر واپس لوٹ آئے۔ گویا آپ کے نزدیک یہ بھی کبیرہ گناہ تھا یا صغیرہ پر اصرار تھا۔ بنا بریں آپ نے اس روایت کو مسترد کر دیا۔ واہ سبحان اللہ! کیا ہی احتیاط تھی محدثِ کبیر کی مگر یہی محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنھوں نے اپنی صحیح بخاری میں دیگر محدثین کی طرح ایسے راویوں سے بھی بڑے شوق سے روایات لیں اور بہت زیادہ لیں جن کے دامن ہزاروں معصوم صحابہ کے خون سے تر بتر تھے گاجر مولی کی طرح ان حضرات نے صفین میں ان عصمت مآب نفوسِ قدسیہ کو کاٹا۔ اقتدار کے مزے اڑانے کے لیے خلافت کے عظیم نظام کو برباد کیا پھر امارت ایسے شخص کے سپرد کی جو شرابی بھی ہے۔ پھر اس نے کربلا میں اپنے بقیہ ارمان بھی پورے کیے ہوں فاسق و فاجر بھی ہو وغیرہ اسی طرح مروان بن الحکم کو کون نہیں جانتا نبوت کے منبر پر بیٹھ کر خود ملعونِ زبانِ نبوت ہے مگر کل ایمان کو مسجد نبوی میں منبر نبوی پر بیٹھ کر غلیظ گالیاں نکالتا ہے۔ حسنین کو سامنے بٹھاتا ہے ان کے سامنے ان کے والد گرامی کو گالیاں بکتا ہے پھر بھی امیر مدینہ ہے۔ بعد ازاں امیر المومنین ہے اس سب کچھ کے باوجود صحیح بخاری کا بڑا عظیم راوی ہے۔ اسی طرح دیگر اُموی حکمران ہیں جن کے پیکر ہر بدی سے مملو ہیں خصوصاً حرم نبوت کی توہین تو ان کا خاندانی شوق ہے مگر پھر بھی صحیح بخاری کے معتمد راوی ہیں۔ لگتا ہے امام بخاری علیہ الرحمہ کے ہاں اُموی بربریت کوئی گناہ نہیں۔ اسی لیے صحیح بخاری و مسلم کے عظیم راوی ہیں جب کہ وہ گھوڑے والا خواہ کتنا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو اس کو امام بخاری نے صرف اس لیے رد کر دیا کہ اس نے اپنے گھوڑے کو خالی جھولی آہ آہ کر کے بلایا واہ کیا انصاف ہے کیا معیار ہے نقلِ حدیث کا؟ قتل۔۔۔ جبر۔۔۔ شراب نوشی۔۔۔ فساد فی الارض۔۔۔ مدینہ کو تباہ کرنا۔۔۔ اہل مدینہ کو برباد کرنا۔۔۔ دس ہزار صحابہ کو قتل کرنا۔۔۔ غلاف کعبہ جلانا۔۔۔ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھنا۔۔۔ بوڑھے صحابہ کی سفید ریشوں کو نوچنا۔۔۔

لوٹ مار کرنا پھر بڑی موج سے حدیث کا راوی بن جانا۔۔۔ محدثین کا بطیب خاطر انھیں قبول کرنا۔۔۔ کیا یہی عدالت راوی ہے۔۔۔؟ لگتا ہے یہ سب کچھ محدثین کے ہاں نہ کبیرہ گناہ ہے اور نہ ہی صغیرہ گناہ ہے۔ تبھی تو ان پاک دامن راویوں کو محدثین نے بمعہ مسلم و بخاری بڑے شوق سے قبول فرمایا ہے اور اپنی کتابوں کی زینت بنایا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے اموی راویوں پر کوئی اتنی بخاری پر جرح نہیں تعدیل ہی تعدیل ہے۔ مگر گھوڑے والا غریب ہتھے چڑھ گیا عمر بھر کے لیے مجروح قرار پایا۔ ظلم و بربریت کے رسیا لوگوں کو حدیث کا راوی ماننا قبول کرنا، نقل کرنا کیسا ہے میں آج کے اہل علم سے پوچھتا ہوں بتایئے حضور والا حق کیا ہے؟ اگر محدثین کے ہاں اُموی جارحیت عدالت ہے تو پھر فرعون، نمرود، شداد اور ہامان وغیرہ کو کیوں ڈانٹ پلائی جاتی ہے؟ واہ رے انصاف اگر کوئی کلمے کی آڑ لے کر ہر ظلم کر گزرے ہر جبر کو شوق سمجھے ہر بربریت کو اپنی عزت جانے تو پھر بھی وہ ایک انسان ہے مؤمن بھی ہے مجتہد بھی ہے۔ صاحبِ فضیلت بھی، صاحبِ وقار بھی۔ امیر المؤمنین بھی ہے۔ بڑی شان والا بھی ہے۔

اور دوسری طرف اگر کوئی پچاس سال کلمہ کی حفاظت بھی کرے۔۔۔ نصرت بھی کرے۔۔۔ حمایت بھی کرے۔۔۔ خدمت بھی کرے۔۔۔ کلمہ کو بچانے کے لیے اپنی جان بھی دے۔۔۔ اپنی تین نسلوں کی قربانی بھی دے۔۔۔ جو کچھ میسر ہو عمر بھر کی ساری کمائی اقامتِ دین کے لیے نچھاور بھی کرے۔۔۔ اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھے۔۔۔ ہر چیز قربان کر دے۔۔۔ پھر بھی وہ کافر ہے۔۔۔؟ واہ رے واہ! علمی انصاف اب تو بھی عافیت اس میں ہے کہ حرم نبوت کی پناہ میں آ جاؤ۔ یہ بڑے ہی کریم ہیں عفو و درگزر کرنا ان کا خمیر ہے۔ معاف کر دینا دریا دلی ان کی فطرت ہے۔ خود ساختہ جھوٹے فتوؤں سے رجوع کر لو۔ ایک ہندو عورت جس کا نام رانی روپ تھا اُس نے ہندو ہو کر شہید کربلا کی عظمت میں یوں سلام پیش کیا

اے ابن علی تو اگر ہند میں آتا تو پردے میں اُتارا جاتا
یوں قمرِ بنی ہاشم دھوکے سے نہ مارا جاتا
یوں نہر نہ بند ہوتی ۔ یوں ہاتھ نہ کاٹے جاتے
پیاسوں کا سواگت کرنے جمنا کا کنارہ جاتا
ہر روز جبینیں جھکتیں ہر روز سے پوجا ہوتی
اس دیش کی بھاشا میں تجھے بھگوان پکارا جاتا

دوستانِ من! دیکھیے ایک ہندو کافرہ ہے وہ کافرہ ہو کر حرم نبوت کے احترام میں کس قدر اپنی محبت کے جذبات کا اظہار کر رہی ہے مگر دوسری طرف دیکھو امیر المؤمنین کہلانے والوں نے حرم نبوت کا اور اس کے مقدس باسیوں کا کیا حشر کیا؟ لیکن پھر بھی وہ

پاکباز ہیں۔ مجتہد بھی ہیں، مکرم ومحترم بھی ہیں؟ واہ واہ کیا انصاف ہے؟

نوٹ: بعض اہل علم نے شہادت اور روایت میں قدرے فرق بیان کیا ہے اور یہ فرق علمی نوعیت کا ہے۔ شہادت میں ایک خاص نصاب ہے جبکہ روایت میں نصاب کی پابندی نہیں تاہم ثبوت الزام میں شہادت وروایت یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ جیسے شہادت میں عینی مشاہدہ ضروری ہے۔ ویسے ہی روایت میں مبصر محسوس معاملات میں راوی کا عینی شاہد ہونا ضروری ہے۔ ورنہ روایت وشہادت قبول نہیں ثبوت الزام میں اگر قطعیت اور عینی شہادت کو لازم نہ قرار دیا جائے تو پوری کائنات کا نظام درہم برہم ہوجائے جب جس کا جی چاہے کسی پر الزام لگا کر اسے برباد کردے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نظام شہادت میں کڑی شرائط ارشاد فرمائیں۔ اسی سے محدثین نے اصول روایت اخذ کیا ہے۔ خصوصا ثبوت الزام کی بابت۔ بنابریں فقیر پورے وثوق سے کہتا ہے اور علی وجہ البصیرت کہتا ہے کہ جناب سیدنا حضرت ابوطالب پر لگایا گیا الزام کائنات کا بدترین بیہودہ ترین جھوٹ ہے۔ کیونکہ روئے کائنات کا کوئی شخص خواہ صحابی ہو، تابعی ہو آج تک نہ کسی نے کہا ہے اور آئندہ کوئی کہہ سکتا ہے قیامت تک شہادت کی صورت میں "اَشْھَدُ" کی صورت میں "رَاَیْتُ مَاتَ اَبُو طَالِبٍ عَلَی الْکُفْرِ عَلَی الشِّرْکِ" کہ میں گواہی دیتا ہوں یا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ابوطالب کفر وشرک پر مرے۔ چیلنج ہے اگر ان جملوں کے ساتھ کسی کے پاس کوئی قطعی ثبوت ہے تو لائے۔ میں قلم روک دوں گا۔

دوسرا کردار

ضابطۂ روایت ودرایت

قانون روایت ودرایت ہے عام اصولیین اس بات پر متفق ہیں کہ روایات دوقسم کی ہیں۔

(۱) سماعی روایات (۲) قیاسی روایات۔

ایک دوسری تقسیم بھی ہے۔ (۱) مسموعات (۲) مبصرات۔

مسموعات کا تعلق صرف سماع سے ہے مشاہدہ وہاں نہیں مگر مبصرات یعنی دیکھی جانے والی حقیقتیں ان کا تعلق مشاہدہ سے ہے نفس مضمون میں روایت مسیب بن حزن کا تعلق مبصرات ہے بنابریں اس کو وہی بیان کرسکتا ہے جس کا ان حالات کا اپنا ذاتی مشاہدہ ہو جس نے مبصرات کا مشاہدہ نہیں کیا وہ اس کو روایت کرنے کا اہل ہی نہیں۔ بنابریں ثابت ہوا کہ حضرت مسیب بن حزن کا چونکہ اس واقعہ کا اپنا عینی مشاہدہ نہیں۔ لہٰذا بربنائے حقیقت اس موصوف کو نہ شرعاً حق ہے کہ نہ روایتاً نہ درایتاً کیونکہ بربنائے اُصول وہ اس کے اہل ہی نہیں۔ (کتب عامہ اصول حدیث)

رہی دیگر علمی صورتیں وہ بھی ان کو حاصل نہیں۔ بنا بریں یہ ہرگز اس کو روایت نہیں کر سکتے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

۱۔ کیا ان کو کسی عینی شاہد نے یہ معاملہ بتایا یا شہادت علی الشہادت کی صورت میں کسی نے ان کو تفویض شہادت کی؟ نہیں ہرگز نہیں۔

۲۔ حضور نبی رحمت ﷺ کی موجودگی اس روایت میں بیان کی گئی ہے کیا انھوں نے اس راوی کو بیان کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیا خود راوی نے آپ سے سنا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس کی کہیں بھی علمی تصدیق نہ ہو سکی۔ آج تک اس کی تصدیق کا انتظار ہے۔ کوئی قطعی یقینی شواہد نہیں ملے۔

۳۔ کیا کسی اور راوی نے اس تشکیل کی روایت کہیں اور بیان کی روایت کی؟ جی نہیں۔ پورے ذخیرہ علم میں کہیں بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملی۔

جب اکیلے مسیب ہی اس روایت کے راوی ہیں اور وہ بھی بغیر مشاہدے کے بغیر کسی تصدیق علمی کے تو یہ غیر متصل روایت قابل استدلال ہی نہیں بلکہ اس کا نام مردود ہے۔ کیونکہ ثبوت الزام میں ثبوتوں کی قطعی اور یقینی ہونا بہت ضروری ہے۔ ظنی ثبوت سے الزام ثابت نہیں ہوسکتا شرعاً نہ قانوناً نہ روایتاً و درایتاً۔

خصوصاً ثبوت الزام میں تو ہرگز قابل قبول نہیں؟ جبکہ اس روایت میں دھکے شاہی کر کے ایسا کر لیا گیا ہے۔ اپنے وضعی اصول کو محدثین نے توڑ کر ایسا کیا ہے نجانے کیوں کیا؟ اور بلا دلیل کیا ہے۔ ان کے لیے ایسا مناسب نہ تھا۔

حضرت مسیب بن حزن کی روایت کو بعض اہل علم نے حدیث مرسل کہا ہے تمام طرق سے اور حدیث مرسل کی حجیت پر دلائل دیے ہیں؟

جواب: جناب من حدیث مرسل کی حجیت اور عدم حجیت پر بحث تو بعد میں ہوگی پہلے اسے مرسل تو ثابت کرو۔ میرے نزدیک یہ حدیث مرسل بھی نہیں کیونکہ مرسل وہ حدیث ہوتی ہے جس میں راوی اپنے سے اوپر کے راوی کو کسی وجہ سے چھوڑ دے اور اُس سے اوپر کے راوی سے روایت کرے۔ یعنی راوی اور مروی عنہ کے درمیان کوئی نہ کوئی راوی ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں ایسا کچھ نہیں راوی اور مروی کے درمیان نہ کوئی راوی ہے نہ ہی واسطہ حدیث ہے بلکہ یہ مسیب بن حزن کے زمانہ کفر کا قول ہے اس کے علاوہ اس روایات کی نہ کوئی علمی حیثیت ہے نہ شرعی حیثیت ہے اور نہ ہی فنی حیثیت ہے بلکہ یہ حدیث ہے ہی نہیں۔ صرف حرم نبوت کے خلاف ہرزہ سرائی ہے جو مسیب بن حزن کے گلے مڑھ دی گئی ہے یا منسوب کر دی گئی ہے۔ کیونکہ محدثین نے اس کے حدیث ہونے کے کہیں بھی دلائل قائم نہیں کیے۔ رہی وہ روایات جو اس کے مضمون کو پختہ کرنے کی غرض سے لائی جاتی ہیں وہ اس لائق نہیں کہ اس جھوٹ کو ثابت سچ کر سکیں جب وجہ صحت ہی نہیں رہی تو صحاح کا تصور خام خیالی ہے۔ اسی طرح دیگر روایات کا حال ہے ان کی علمی قانونی تفصیلات اپنے اپنے مقامات پر آئیں گی وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ قانونِ روایت بھی اس کو روایت کے طور پر تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی قانونِ درایت اسے قبول کرتا ہے اگر کسی کے پاس یقینی ثبوت ہیں تو لے آئیں ہم انتظار کریں گے۔ صرف بخاری ومسلم میں اس روایت کے درآنے سے یہ روایت کا مقام حاصل نہیں کر سکتی۔ نہ ہی بخاری ومسلم منزل من اللہ ہیں نہ ہی ان کی عصمت میں کوئی دینی دلیل ہے۔ نہ ہی ان کا خلاف التزام کفر کا باعث ہے۔ حدیث کی صحت کا معیار کتاب نہیں ہوتی بلکہ سندِ حدیث ہی صحتِ حدیث کا باعث ہے کتاب خواہ کوئی ہو۔

نوٹ:۔ اگر کوئی اسے مرسل کہنے پر بضد ہے تو وہ ثابت کرے کہ ایسی مرسل جس کا راوی جائے وقوعہ پر بھی نہ ہو۔ نہ اسے کسی عینی شاہد نے بتایا ہے نہ وہ صاحبِ وحی ہو نہ اسے صاحبِ وحی نے بتایا ہو اور نہ ہی اس نے خود صاحبِ وحی یا عینی شاہد سے سنا ہو اور اس روایت میں مضمون بھی بدترین الزام پر ہو۔ کیا اس غیر شرعی غیر قانونی غیر اخلاقی روایت و بات پر کوئی اعتماد کر سکتا ہے نہ ہی کوئی دنیا کی عدالت نے ایسی بیہودہ بات پر کبھی کوئی فیصلہ کیا ہے نہ اعتماد کیا ہے اس پر کوئی بھی اعتماد نہیں کرتا ہے چہ جائے کہ کسی مقدس ہستی کے خلاف اسے قبول کیا جائے۔ یہ تو عام آدمی کے خلاف بھی قابل قبول نہیں۔ حرم نبوت کے تقدس کے خلاف اسے کیونکر قبول کیا جائے۔ اہل علم کا قبول کرنا بلا دلیل ہے۔ اہل علم پہلے اسے قطعی الثبوت تو بنا کر دکھائیں۔ پھر کفرِ ابی طالب کی بابت سوچیں؟

تیسرا کردار

اس روایت میں تیسرا کردار رحمتِ عالم ﷺ کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوطالب کو کلمہ طیبہ کی تلقین فرما رہے تھے۔ اور مسلسل اصرار فرما رہے تھے مگر ابوجہل عبداللہ بن ابی اُمیہ اس کے خلاف حضرت ابوطالب کو اُکساتے رہے حتیٰ کہ ابوطالب نے کلمہ طیبہ کا انکار کر دیا اور ابوجہل وغیرہ کے اصرار کو مان لیا بغیر کلمہ کے فوت ہو گئے کفر و شرک پر مرے۔ وغیرہ۔

اس پر رحمتِ عالمین ﷺ نے فرمایا "اَنَا اَسْتَغْفِرُ لَكَ مَا لَمْ اُنْهَ بِهٖ" کہ میں آپ کے لیے مسلسل مغفرت چاہتا رہوں گا تا آنکہ مجھے روک دیا جائے۔ اس پر سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو طلب مغفرت سے روک دیا گیا اور کہا گیا کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا آپ کے لیے جائز نہیں اور نہ ہی مومنین کے لیے جائز ہے اگرچہ وہ انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

قارئین محترم! درج بالا بیان کی صورت میں چند امور زیرِ غور اور زیرِ تفتیش ہیں

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کی جائے وقوعہ پر موجودگی مسیب بن حزن نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ؟ ہرگز نہیں کیونکہ وہ خود وہاں موجود ہی نہ تھے۔

۲۔ ان کو کسی عینی شاہد نے آ کر بتایا؟ ہرگز نہیں کیونکہ اس جھوٹ کا کوئی عینی شاہد ہے ہی نہیں۔

۳۔ نبی کریم ﷺ نے مسیب بن حزن کو خود بتایا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

۴۔ مسیب بن حزن نے خود رسولِ کائنات ﷺ سے سنا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

پھر روایت کیسے بنی یہ مسیب بن حزن سے پوچھو۔

۵۔ کیا نبی کریم ﷺ نے زندگی بھر کبھی بھی اس تشکیل کے ساتھ اس وقوعہ کو بیان فرمایا؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ نبی کی زبان حق ترجمان سے نہ کبھی فضول بات نکلی ہے اور نہ ہی جھوٹی بات نکل سکتی ہے۔ نبی جو بھی بولتے ہیں وحی الٰہی کی روشنی میں بولتے ہیں۔ پورے قرآن کریم میں کہیں بھی سیدنا ابوطالب کو بطور نص نہیں بھی کفر و شرک کے اعتبار سے بیان نہیں کیا گیا جن آیات کو روایات کے ساتھ ملا کر الزام لگایا گیا ہے وہ سو فیصد سے بھی زیادہ فیصد جھوٹ ہے فراڈ ہے فساد ہے۔ غیر ثابت بے لوگوں کے ذاتی اندازے ہیں کوئی قطعی یقینی دلیل اس کائنات میں کسی کو نہیں ملے گی۔ اگر معاذ اللہ اس میں ایک فیصد بھی سچائی ہوتی تو یقیناً سیدِ دو عالم ﷺ ضرور کہیں نہ کہیں اسے پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے۔ پورے ذخیرہ علم میں نبوی زبان سے اس تشکیل کے ساتھ کہیں بھی نہیں ملے گا حالانکہ "لِتبین للناس ما نزل" تاکہ آپ پورے قرآن کو کھول کر بیان فرمائیں کے مطابق آپ کی نبوی ذمہ داری تھی کہ آپ اس واقعہ کو ضرور بیان فرماتے۔ مگر زندگی بھر کبھی بھی آپ نے اس بابت کوئی واقعہ بیان نہیں کیا۔ اگر کسی کے علم میں نبوی زبان حق ترجمان سے بیان کردہ یہ وقوعہ اس تفصیل کے ساتھ مذکور ہے تو برائے مہربانی ہمیں ضرور اطلاع دیں مگر تا قیامت اہل علم ایسا نہیں کر سکتے بلکہ یہ ایک کاشانۂ نبوت پر بہتان ہے۔ استغفر اللہ۔ اس کردار کے اعتبار سے بھی یہ روایت سچی نہیں بلکہ جھوٹی ہے۔

چوتھا کردار

اس روایت میں چوتھا کردار ابوجہل عمر بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ کا ہے۔ اب اس بابت بھی آپ درج ذیل اُمور پر غور فرمائیں۔

۱۔ کیا مسیب بن حزن اپنے ان سلطانی گواہوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ ان کا اپنا وہاں موجود ہونا کسی بھی ٹھوس دلیل سے ثابت ہی نہیں۔ کچھ لوگوں نے اس بیہودہ روایت کے کل پرزے سیدھے کرنے کے لیے

ذہنی اندازے لگائے مگر وہ تحقیقی اعتبار سے جھوٹ ثابت ہوئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

۲۔ کیا ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے زندگی میں کبھی بھی مسیب بن حزن کو اس وقوعہ کی خبر دی؟ نہیں ہرگز نہیں اس کا ثبوت کہیں بھی نہیں۔

۳۔ کیا ابوجہل نے اور عبداللہ بن ابی امیہ نے زندگی بھر اس وقوعہ کو اپنے یار دوست سنگی ساتھی یا کائنات کے کسی شخص سے کبھی ذکر کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کائنات میں اس کا کبھی بھی کسی کو کوئی بھی علمی یقینی قطعی ثبوت نہ ملے گا وجہ اس یہ ہے کہ یہ وقوعہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔

نوٹ:۔ اگر اس جھوٹے وقوعہ میں کوئی ذرا سی بھی صداقت ہوتی تو ابوجہل جیسا فرعون امت کیسے اسے ہضم کرسکتا تھا فوراً شور شرابا ڈالتا کہ لوگو محمد اگر سچے ہوتے تو یقیناً ان کا سب سے بڑا حمایتی ان کی بات مان لیتا اور کلمہ پڑھ لیتا۔ اس لیے وہ سچا نہیں تبھی تو ابوطالب نے ہمارے کہنے پر کفر و شرک پر مرنا پسند کیا ہے کلمہ پر مرنا پسند ہی نہیں کیا۔ اس کردار کے اعتبار سے بھی روایت بچی نہ بن سکی۔ بداہت عقل اسے مردود کہتی ہے بلکہ بداہت عقل کے خلاف تو خبر واحد بھی مردود ہے چہ جائے کہ یہ بیہودہ خانہ ساز روایت مقبول ہو۔

پانچواں کردار

اس روایت میں پانچواں کردار قرآن کریم کی دو آیات کو بیان کیا گیا ہے گہرے غور و خوض کے بعد یقینی طور پر معلوم ہوا کہ جس طرح مذکورہ روایت بالکل بے اصل ہے ہر اعتبار سے عین ایسے ہی ان ہر دو آیات کا تعلق جوڑنا اس روایت سے قطعاً غلط ہے بلا دلیل ہے بلکہ سراسر حرم نبوت پر ظلم ہے۔ نہ قرآن مانتا ہے نہ حدیث مانتی ہے۔ نہ ہی زمینی حقائق ماننے پر آمادہ ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جو کچھ اس روایت میں ترکیب کیا گیا ہے اس کا علم اور دیانت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک جعلی مرکب جھوٹ تیار کیا گیا ہے اور بزرگوں کے نام تھوپ دیا گیا ہے۔ بعد ازاں مکھی پر مکھی مارنے کی روایت قائم کی گئی جو آج تک جاری و ساری ہے۔ کسی نے بھی جھوٹ پر علمی تجزیہ کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اگر کہیں جزوی طور پر جوڑ توڑ ہوا تو اسے حکیمانہ انداز میں دبا دیا گیا فریق ثانی کی بات کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ اس فرسودہ فکر کے پیچھے پوری اُمویت اور یہودیت قوت بن کر ایستادہ ہے تاہم اللہ تعالیٰ کی طاقت کی اپنی شان ہے۔ آیئے ذرا نفس مسئلہ کی طرف چلتے ہیں۔ اس حوالے سے چند اُمور پر غور فرمائیں: ترتیب وار آپ کا دھیان ان کی طرف مبذول کراتا ہوں۔

۱۔ چار سن نبوی کو سورہ حجر کا نزول ہوا اور یکبارگی ہوا۔ اس میں ایک آیت اس طرح ہے

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ" اے محبوب پہلے آپ خفیہ تبلیغ دین فرماتے رہے اب اعلانیہ اس عظیم مشن کا آغاز کرو۔ کھل کر حق بیان فرماؤ اور مشرکین سے تعلق یکسر ختم کر لو۔

جناب من مشرکین سے مکمل قطع تعلق کے اعلان کی وحی نازل ہونے کے بعد نبی پابند ہو گئے اور آپ نے حسب وحی من وعن وحی پر عمل کیا۔ جناب ابوطالب علیہ السلام مشرکین کی جماعت کے کسی بھی طرح فرد ہوتے تو یقیناً ابتداء ہی اس بائیکاٹ کی زد میں آتے۔ مگر اپنی وفات تک مسلسل جناب ابوطالب نبی پاک ﷺ کے ساتھ رہے اور خود صاحب وحی مسلسل ان کے ساتھ رہے بلکہ ان کی عاطفت کی چھاؤں میں رہے۔ نصرت کے سائبان میں رہے حمایت کے پہلو میں رہے۔ محبت کی بانہوں میں رہے۔ ان کی پناہ عظمت میں رہے۔ حفاظت میں رہے بولیے جناب! یہ کیا ہے کیا نبی مسلسل چھ سال تک وحی کی خلاف ورزی کرتے رہے؟ اگر نعوذ باللہ ایسا ہی تھا تو قدرت نے عتاب کیوں نہ فرمایا؟ شرک کی نجاست کے قریب خود کو کیوں رکھا؟ اللہ تعالیٰ نے استثناء کیوں نہ فرمایا کہ اے حبیب اس مشرک سے کیوں دور نہیں ہوئے؟ نفرت کر لو اس سے کیونکہ یہ مشرک ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوطالب کو اپنے عظیم ترین احسانات میں ایک عظیم ترین احسان قرار دیا اور حضور ﷺ کو اس کی یاددہانی کرادی۔ فرمایا "اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" میرے حبیب ہمارے اس احسان کو یاد فرماؤ جب ہم نے آپ کو یتیم پایا تو آغوشِ ابوطالب کو آپ کے لیے جائے پناہ بنایا۔ منکرین ابی طالب کو بھی اس احسان کو یاد رکھنا چاہیے۔ میں پھر یاددہانی کرا رہا ہوں کہ اگر ابوطالب نعوذ باللہ مشرک ہوتے، شرک کی پلیدی سے ان کا دامن آلودہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو کبھی اپنا احسان نہ فرماتے اور نہ ہی اپنا پاکیزہ ترین محبوب عطا فرماتے کیونکہ پاکیزگیاں ابتدائے خلق سے آپ ﷺ کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہیں۔ اگر ابوطالب (نعوذ باللہ من ذالک) مشرک ہوتے تو اللہ تعالیٰ یقیناً حضور ﷺ کو ان کو الگ سے چھوڑ دینے کا ضرور فرماتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کیسے برداشت کر پائے کہ میرا محبوب کسی مشرک کا ممنون احسان رہے۔ وہ اہل علم جن کا عقیدہ ہے کہ آقا علیہ السلام عالم "مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ" ہیں ان کو تو حضرت ابوطالب کو مشرک ہرگز نہ کہنا چاہیے ورنہ ماننا پڑے گا کہ حضور ﷺ عالم "مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ" نہیں کیونکہ نزول آیت سے لے کر مسلسل چھ سال تک آقا ﷺ جناب ابوطالب کے سایہ عاطفت ونصرت میں رہے۔ سایہ محبت وشفقت میں رہے، سایہ حفاظت وصیانت میں رہے۔ مگر آپ ﷺ کو ان کے شرک کا علم تک نہ ہوا۔ اور یہ سب کچھ اعلان نبوت کے بعد ہے۔ یہاں فرعون والا بہانہ نہیں چلے گا کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے اعلان نبوت کے فوراً بعد ان سے الگ ہو گیا تھا بلکہ دشمن بن گیا تھا مگر ابوطالب تو عمر بھر محسن رہے

۲۔ سورہ حجر کے بعد سورہ انعام نازل ہوئی تقریباً نبوت کے پانچویں چھٹے سال یہ بھی یکبارگی ہی نازل ہوئی بعد ازاں سورہ قصص نازل ہوئی یہ بھی یکبارگی کی صورت میں نازل ہوئی۔ بعض اہل علم کا ذہن ہے کہ اس کی کچھ آیات جحفہ کے مقام پر

نازل ہوئیں تاہم اس سورہ کا زیادہ نزول مکہ میں ہوا۔ اس لیے اس کا نام مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی بنا بریں یہ سورہ مکمل مکی ہے۔

اس کی آیت نمبر 56 " اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ "

کا نزول حضرت ابوطالب کے خلاف ہوا جس کی نشاندہی نہ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی نہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام نے اس تشکیل کے ساتھ فرمائی جس تشکیل کے ساتھ مسیب بن حزن نے فرمائی نہ کسی فرشتے نے فرمائی نہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ نجانے حضرت مسیب بن حزن نے کس شوق سے فرمادی۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 " مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی "

ترجمہ: نبی اور مومنوں کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان کے انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

اس آیت کا نزول وفات ابوطالب کے بارہ سال بعد ہوا۔ حیرت ہے کہ وقوعہ ہوا ہی نہیں مگر ان دونوں آیات کا تعلق بناوٹی وقوعے کے ساتھ راوی نے جوڑ دیا؟ کائنات میں ایسی ذہانت کی کہیں کوئی مثال نہیں ۔۔۔۔۔۔ میرا یہ سوال ہے ۔۔۔ دس سن نبوی کو حضرت ابوطالب کا وصال ہوا اس وقت حضرت مسیب بن حزن نجانے کس عمر کے تھے تحمل روایت کی اہلیت تھی یا نہیں؟ یہ الگ بات اور بحث ہے لیکن یہ تو یقینی حقیقت ہے کہ وہ تھے تو اس وقت مکمل کافر اس میں تو کوئی شک نہیں اور نہ ہی کوئی دو رائے ہے۔ آیئے ذرا ہم قرآن حکیم سے پوچھتے ہیں کہ اے کتاب الٰہی تو صدق کا اعلیٰ معیار ہے ذرا ہمیں بتایئے تو سہی کہ کفار مکہ کی بابت آپ کیا فرماتے ہیں کہ کفار مکہ کا اعتقادی نظریاتی فکری مزاج اور رویہ آپ کی بابت کیا تھا تو قرآن کریم نے اپنی شان وعظمت کے ساتھ فرمایا

" وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ "

ترجمہ: تمام کفار مکہ نے کہا کہ لوگو اس قرآن کو ہرگز نہ سنو بلکہ اتنا شور شرابا کرو غل غباڑ مچاؤ بیہودگی پھیلاؤ کہ کسی کے کانوں تک قرآن کی آواز پہنچ نہ پائے یہی تمہارے غلبے کی ایک صورت ہے۔

دیکھئے جناب! کفار مکہ قرآن کی بابت اس وقت یہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے نہ قرآن خود سننا پسند کرتے تھے نہ کسی کو سننے دیتے تھے تو ایسے میں کوئی کافر کیسے اندازہ کرسکتا ہے کہ فلاں سورۃ کا نام کیا ہے اور اس کی فلاں نمبر آیت کس بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت مسیب بن حزن بھی انھی میں شامل تھے۔ اگر کسی اہل علم کے ذہن میں کوئی کھجلی ہو کہ شاید ہوسکتا ہے کہ مسیب بن حزن ان میں شامل نہ ہوں تو مسکین اسے چیلنج کرتا ہے کہ وہ اہل علم قیامت تک اس عموم کی تخصیص بیان

کرے اور بتائے کہ اس کو کون سا مخصص لاحق ہوا ہے اور دلیل تخصیص بھی مہیا کرے۔ لیکن ذہن میں یہ ضرور رکھے کہ میری بیان کردہ دلیل ثبوت و دلالت میں قطعی ہے اس کا مخصص بھی قطعی ہی ہو سکتا ہے۔ ظنی نہیں۔ صبح قیامت تک کائنات کے اہل علم کو چیلنج ہے۔

۳۔ حضرت مسیب بن حزن والی روایت بول رہی ہے کہ نزول جائے وقوعہ پر فوری ہوا جبکہ زمینی حقائق بولتے ہیں کہ ایسا نہیں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ سورہ توبہ ۹ سن ہجری میں ذیقعدہ کو ہوا بولیے جناب! راوی ہر دو آیات کے نزول کے وقت کہاں تھے؟ کیونکہ قانون ہے کہ راوی اسباب نزول بیان کرنے والا نزول آیت کے وقت جائے نزول پر ضرور موجود ہو اور ان قرائن کا عینی شاہد ہو جو نزول آیت کے وقت ظہور پذیر ہوئے ہیں ورنہ وہ راوی شان نزول بیان کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ (اتقان، اسباب نزول)

اب بولیے جناب اس قانون کے مطابق تو حضرت مسیب بن حزن شرعاً، قانوناً، روایتاً اور درایتاً اس شانِ نزول کے بیان کرنے کا اہل ہی نہیں رہا۔ نجانے روایت گروں نے یہ گرم مسالہ کیوں مرکب کیا؟ جواب لاؤ فقیر حاضر ہے۔ اس روایت کے دونوں مواقع کے ایک ہی راوی ہیں جو دس سن نبوی اور آخر نو ہجری کو بارہ سال بعد اور کوئی نہیں جبکہ دونوں مواقع پر وقوعہ کے وقت کہیں بھی موجود نہیں۔

۴۔ ہر دو آیات میں بارہ چودہ سال کا عرصہ ہے کیا راوی پہلی آیت کے نزول کے بعد اس انتظار میں رہا کہ آیت توبہ بعد از ۱۲ سال نازل ہوگی اور یہ ہوگی لہٰذا نزول آیت سے بارہ سال قبل ہی بیان کر دوں؟ بارہ سال کسی چلے میں رہا روایت کی تکمیل کے شوق میں؟ مکفرین کی ذمہ داری ہے نشاندہی کرنا اور بتانا کہ اس دورانیے میں راوی کی سرگرمیاں کیا رہیں کہاں رہیں کیسے رہیں کیوں رہیں؟

ورنہ جناب روایت اٹھاؤ بھاگ جاؤ تمہاری اس روایت میں اہل محبت کے ہاں کوئی جگہ نہیں۔

ایک سنجیدہ سوال

یہ ہر دو آیات جو انتہائی سنگین الزام پر مشتمل ہیں جس ذات پر نازل ہوئیں ان کو زیادہ پتہ ہے یا غیر موجود راوی کو؟ حیرت ہے جس حرم میں قرآن نازل ہوا اس میں ان آیات کا علم کسی کو نہ ہو سکا مگر حضرت مسیب رضی اللہ عنہ جوزاں وقت کفر کے گرداب میں تھے جائے وقوعہ پر موجود بھی نہ تھے۔ اسے علم ہو گیا؟ یہ فریب سمجھ میں نہیں آیا؟ نہ وحی پر ایمان تھا نہ وحی سنتا گوارا تھا پھر بھی راوی؟

اگر صاحب وحی پر نازل ہوئیں تو پھر ان کی بابت بات کرنا صرف ان کا حق تھا۔ ان کا علم قطعی اور یقینی ہے۔ کیونکہ وحی الٰہی پر مشتمل ہے اگر انھوں نے زندگی بھر کسی بھی موقع پر ان کو اس شانِ نزول میں کبھی بھی بیان نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک اس شان نزول کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو پھر اس غیر موجود راوی کو کس نے حق دیا ہے کہ انہونی حقیقت تراشے اور دے مارے؟ منکرین ابی طالب کا علمی فرض بنتا ہے کہ وہ اس روایت کے کل پرزے سیدھے کرنے کے لیے کسی ماہر روایت تراش روایت گر اور روایت ساز کے پاس جائیں اور کسی ٹنک طریقے سے روایت سازی کروائیں پھر اس کی قطعیت کے لیے کوئی علمی میٹریل اس کے ساتھ جوڑائیں پھر ابی طالب کی تکفیر کا سوچیں۔

۵۔ وفاتِ ابی طالب کا وقوعہ 10 سن نبوی مکہ میں ہوا مگر روایت کی تشکیل میں راوی نے بارہ سال برباد کیے۔ اور روایت کی ترسیل پر بتیس (۳۲) سال لگا دیے۔ صورت اس کی یہ بنی:

زمانہ کفر میں روایت کو سوچا، گیارہ سال بعد مسلمان ہوئے مرتبہ عدالت حاصل کیا پھر وقوعہ کے سترہ سال بعد ایک بیٹا جنم دیا اور بعد ازاں اسے پڑھایا وافر علم حاصل کرایا جب وہ سمجھ دار ہو گئے تو اپنے پاس بتیس سال کی سوچی ہوئی ایک روایت رکھی تھی اس کے سامنے بیان کی اور ان میں دو آیتیں ملا دیں مگر یہ وضاحت نہ کی کہ یہ آیتیں میں نے اس وقت کی ملا رکھی ہیں جب میں قرآن سے نفرت کرتا تھا نہ خود سنتا تھا نہ کسی کو سننے دیتا تھا۔ قرآن سے مخالفت کے باوجود بھی میں قرآن سمجھتا تھا۔ قرآن سننے کے بغیر بھی میں نے قرآن سن لیا جان لیا کہ یہ آیتیں جناب ابوطالب کی تکفیر میں نازل ہوئیں۔ نعوذ باللہ غیر متعصب اہل علم کو دعوت فکر ہے؟

ایک اور سنجیدہ سوال

میں دنیائے کائنات کے اہل علم سے عرض کرتا ہوں کہ اس روایت کی بابت مجھے یہ بتائیں کہ صاحب روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس اس روایت کے حصول کے لیے ذریعہ علم کون سا تھا؟

الف۔ کیا یہ راوی صاحب وحی تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

ب۔ کیا صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں خبر دی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ کائنات میں جتنے بھی ذخائر علم ہیں کہیں بھی موجود ہیں سائنسی دسترس میں ہیں یا انفرادی اعتبار کسی کے پاس محفوظ ہیں کہیں اس کی نشاندہی نہیں۔ اگر کسی کے پاس یہ نشاندہی ہے تو وہ مجھ پر احسان فرمائے تا کہ میں قلم روک لوں۔ لکھنے کی اذیت نہ اٹھاؤں۔ لیکن یہ نشاندہی واضح نص کی صورت میں ہو۔ آئیں بائیں شائیں چونکہ، چنانچہ، والی نشاندہی بالکل قابل قبول نہیں۔

ج۔ کیا صاحب روایت نے کسی ذریعہ، روایت سے اسے روایت کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو ذریعہ روایت واضح فرمائیں۔ اس درمیانی راوی کی نشاندہی کریں کیونکہ بعض اہل علم نے اس روایت کو تمام طرق سے مرسل مانا ہے اس میں قاضی شوکانی صا

حب فتح القدیر اور علامہ بدر الدین عینی صاحب عمدۃ القاری رحمۃ اللہ علیہما پیش پیش ہیں دیکھیے متعلقہ مقامات پر اور یہ نشاندہی منکرین ابوطالب پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔

و۔ کیا صاحب روایت مسیب بن حزن نے نزول آیات کو اپنی آنکھوں سے نازل ہوتے ہوئے دیکھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس کا کائنات میں کوئی ثبوت نہیں۔ کیا وفات ابی طالب کے وقت عالم نزع میں حضرت مسیب بن حزن وہاں موجود تھے؟ کوئی یقینی ثبوت نہیں، غلطی پھر کہاں سے ہوئی؟

و۔ کیا وفات ابوطالب کے وقت جتنے لوگ وہاں موجود تھے ان میں سے کسی شخص نے آکر مسیب بن حزن والی سورت حال سے آگاہ کیا؟ اگر ایسا ہے تو شخص مذکور کی نشاندہی کرنا حضرت مسیب بن حزن کی بھی دینی، اخلاقی ذمہ داری ہے اور منکرین ابی طالب کی بھی۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا اہلِ بیتِ نبوت نے حضرت مسیب کو ان کی حالت کفر میں اپنے گھر یا کمزوری بیان کی؟ پوری کائنات میں کوئی ثبوت نہیں۔

و۔ مذکورہ روایت میں دو سلطانی گواہ قائم کیے گئے ہیں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ کیا انھوں نے حضرت مسیب صاحب کو بیان کیا گیا اپنا مشاہدہ یا زندگی بھر کسی بھی شخص کو بیان کیا؟ اگر ایسا ہے تو واضح دلیل کے ساتھ ثابت کریں۔

ایک اور سنجیدہ سوال

بعض اہل علم بڑے پھدک کر اپنے گلے کو پھاڑ پھاڑ کر بولتے ہیں کہ حضرت مسیب بن حزن صحابی تھے اور صحابی براہ راست روایت کر سکتا ہے۔ جی ہاں ایسا ہی ہے مگر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ آپ زحمت فرمائیں گے کہ میاں جی پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کب صحابی بنے۔ اعلان نبوت سے 21 سال بعد وہ صحابی بنے وہ بھی طلقا میں سے ہیں۔ جن کی صحابیت مسلم نہیں ہے۔ بشرطیکہ ان کا ایمان فتح مکہ کے دن مانا جائے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ پورے 21 سالہ دور جاہلیت کے دورانیے میں انھیں صرف حضرت ابوطالب کا ہی واقعہ وفات درپیش آیا؟ اور کچھ نہیں؟ جس کو ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی علمی یا مشاہداتی ثبوت ہی نہیں۔ بلا دلیل دعویٰ بہرحال باطل ہے۔ چلو تیرہ سالہ مکی زمانہ نبوت میں تبلیغ دین کے اعتبار سے بہت سے نشیب و فراز سے اہل اسلام کو گزرنا پڑا۔ بیشمار واقعات رونما ہوئے۔ تبدیلیاں رو پذیر ہوتی رہیں قرآن مجید نازل ہوتا رہا اگر یہ زمانہ کفر میں ابوطالب کے خلاف دو آیتیں یاد رکھ سکتے تھے تو باقی تیرہ سال قرآن مجید نازل ہوتا رہا کوئی ایک آدھی اور آیت کریمہ بھی یاد کر لیتے تاکہ ان کی قرآن فہمی کا یقین ہوتا مگر ان دو آیات کے علاوہ تو کچھ بھی قرآن کی بابت ان سے منقول نہیں۔ اور ان دو آیتوں کی بابت اس سبب نزول کے اعتبار سے کسی اور صحابی سے کچھ منقول ہی نہیں۔ حقیقت کی نشاندہی منکرین ابی طالب کی منصبی ذمہ داری ہے کہ دونوں آیتیں بیک وقت مسیب کے علاوہ کسی اور صحابی نے بیان کی ہیں؟ اور یہ کہانی ساری راوی کے زمانہ کفر کی ہے۔

ایک اور سنجیدہ سوال

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے دو ادوار ہیں پہلا دور حالت کفر پر آغاز اسلام سے لیکر 21 سال تک مسلسل کافر رہے۔ دوسرا دور فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ زمانہ نبوت تک دو سال صحبت نبوی میں گزرے۔ یہیں تک نزول وحی کا زمانہ ہے۔ زمانہ نبوت کے بعد سلسلۂ وحی ختم ہوگیا۔ اب ان ہر دو ادوار کے اعتبار سے روایت کی بھی دو صورتیں ہیں

(۱) حالت کفر میں روایت کی تشکیل۔ (۲) حالت اسلام کی تشکیل۔

اگر اس مذکورہ روایت کا اعتبار حالت کفر کا یقین کیا جائے تو خلاف اصل ہے کیونکہ کافر قرآن فہمی کا اہل ہی نہیں ہوتا اگر قرآن فہمی کا اہل ہوتا تو یقیناً دولتِ اسلام و یقین سے مالا مال ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ قرآن کریم نے اسے یوں بیان فرمایا

"جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا"

محبوب ہم نے ان بدحواس کفار سے قرآن فہمی کی صلاحیت کو ختم کر دیا ہے۔ ان کے دل بند کر دیے ہیں اور ان کے کانوں کی سماعت گرانی سے مسدود کر دی ہے۔ (الانعام: ۲۵)

وجہ اس کی یہ ہے کہ

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ"

کفار بداطوار نے کہا کہ قرآن بالکل نہ سنا جائے بلکہ شور و غل کیا جائے یہی غلبہ کی صورت ہے۔ بلکہ یہ بداطوار کہتے ہیں

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ

وہ قرآن کی بابت طنزیہ کہتے تھے کہ یہ تو محض پہلے لوگوں کی قصہ کہانیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ)

تو طے یہ ہوا کہ کافر نہ قرآن سنتا ہے نہ سمجھتا ہے کیونکہ اس کے معاندانہ رویہ کی بنا پر قدرتِ الٰہی نے اس سے سننے سمجھنے کی لیاقت ہی سلب کر لی ہے۔ بولیے جناب جب وفاتِ ابوطالب کا واقعہ ہوا تھا تو مسیب بن حزن کون تھے؟ یقیناً کافر تھے۔ اور جب یہ کافر تھے تو بقول قرآن کریم کافر قرآن سننے اور سمجھنے کی لیاقت ہی نہیں رکھتا تو پھر مسیب بن حزن نے یہ دو آیتیں کیسے سن لیں سمجھ لیں؟ اور وہ بھی کفر ابی طالب کی بابت؟ حالانکہ وہ بہر اعتبار حضرت ابوطالب کے واقعہ کو جانتے تک نہ تھے کیونکہ ان کے پاس اس واقعہ کے جاننے کا کوئی ذریعہ علم نہ تھا اور اگر ایسا ہے تو اہل علم نے ان سے منسوب اس بیہودہ روایت کو کیونکر تسلیم کیا اور جہد مسلسل سے اسے پھیلایا۔ حضرت مسیب بن حزن قرآنی وضاحت کے بعد یعنی کوئی کافر قرآنی آیات کا ادراک حاصل کر ہی نہیں سکتا یہ نہ تو آیات کے بیان کرنے کے اہل رہے اور نہ ان آیات کے ساتھ بناوٹی واقعہ کو بیان کرنے کی اہلیت رکھتے تھے کیونکہ ان کے پاس کسی بھی ذریعہ علم سے کوئی یقینی معلومات نہ ہیں۔ وفاتِ ابی طالب کی بابت اگر کسی صاحب علم کے پاس ایسے یقینی ذرائع علم ہیں جن سے وہ ثابت کرے کہ واقعہ وفاتِ ابی طالب کے مکمل کوائف جناب مسیب بن حزن کے پاس تھے تو لائے ہم تسلیم کر لیں گے مگر شرط یہ ہے کہ وہ ذرائع علم یقینی و ٹھوس ہوں۔ ان من شن نہ

ہوں۔ نبوی غیرت نے یہ کیسے برداشت کیا کہ ایک کافر دشمن کو اپنے گھر کی سبکی بیان کرے؟ اب اس اعتبار سے قرآن کے مطابق روایت مسیب کی مکمل چھٹی ہوگئی۔

دوسری صورت یا دوسرا دور حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا دور اسلام ہے۔ اگر اس دور کی بات کی جائے تو ان کا زمانہ نبوی کا اسلام دو سالہ ہے۔ اگر مذکورہ روایت اس دور کی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ خود رسول کریم ﷺ نے ان کو بیان فرمایا ہو یا انھوں نے خود حضور ﷺ سے سنی ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ روایت کسی عینی شاہد صحابی سے سنی ہو یا ان کی اپنی بیان کردہ ہو۔

بہر دو صورت مردود ہے کیونکہ پہلی صورت تو کسی بھی اعتبار سے ثابت نہیں یعنی نہ تو خود رسول کریم ﷺ نے انھیں بیان فرمایا نہ انھوں نے آپ سے سنا کیونکہ یہ صورت کسی بھی اعتبار سے ثابت ہی نہیں۔ بنا بریں یہ روایت مردود ہے۔ رہی کسی عینی شاہد صحابی سے سنی تو یہ بھی ثابت نہیں۔ رہا ان کا اپنا بیان کر دینا تو یہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ مدینہ میں بیٹھ کر وہ بھی تو ہجری کے زمانہ میں گیارہ سال پہلے کا واقعہ جو دس سن نبوی کو رونما ہوا تھا بغیر کسی علمی تصدیق کے بغیر کسی عینی شہادت کے بیان کرنا بہر لحاظ مردود ہے۔ نہ اسے قانون مانتا ہے نہ اسے شریعت مانتی ہے اور نہ ہی قانونِ روایت و درایت مانتا ہے۔ رہا ان کی صحابیت کا تقدس تو اسے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ بسا اوقات ایسے بزرگوں کی طرف ایسی روایات منسوب کر دی جاتی ہیں۔ اور ایسا بار ہا ہوا ہے ورنہ اصول حدیث کا فن ایجاد نہ ہوتا۔ تاہم سورہ توبہ کی آیت کا نزول تمام صحابہ کو مجمع عام میں سنایا گیا نہ تو صاحب وحی نے اور نہ ہی کسی صحابی نے اس شانِ نزول کی نشاندہی کی۔ حضرت مسیب کو مصنوعی آئینہ کیسے نظر آ گیا کہیں تو کوئی علمی یقینی عینی تصدیق نہیں ہوئی۔ بنا بریں منکرین کی یہ مضبوط وکٹ بھی گر گئی۔ الحمد للہ

نوٹ:۔ بعض اہل علم ابن عساکر کے حوالے سے حضرت علی کرم وجہہ الکریم کا سہارا لیتے ہیں کہ انھوں نے خود رسول پاک ﷺ سے جا کر کہا کہ آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اسے دفن کر دو بعد ازاں آپ غمزدہ ہو گئے گھر میں بیٹھے رہے کئی دن تک معاملہ یونہی رہا تا آخر یہ آیت نازل ہوئی۔ سردست اتنا عرض ہے کہ منکرین ابی طالب نے اس روایت کی بابت خود اعتراف کیا ہے کہ یہ ضعیف ہے دیکھئے تبیان القرآن کی تفسیر علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ انعام کی آیت نمبر کے تحت یہ لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ مزید نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ میں یہ وضاحت آگئی ہے کہ حدیث علی ہذا من طرق باطل۔ یہ حدیث تمام طرق سے باطل ہے۔ جھوٹی ہے۔ (کتاب الجنائز، نصب الرایہ)

نوٹ:۔ اگر منکرین ابی طالب اسے ضعیف قرار نہ دیں تو بھی روایت بہت سارے مسائل کے حوالوں سے جو اسی عنوان پر مشتمل ہیں ان کے گلے کی پھانسی بن جائے گی جو کبھی نہ نکل سکے گی۔ شاید بعض علماء ایک خیال ظاہر کرتے ہیں زمانہ کفر کا دیکھا ہوا منظر راوی زمانہ اسلام میں روایت کر سکتا ہے اس پر تفصیل تو بہت ہے مگر یہاں صرف ایک بات ہی عرض کر دیتا ہوں کہ اگر ایسا ہی ہے تب بھی اس روایت میں مفید نہیں ہو سکتا وجہ اس کی یہ ہے کہ مسیب بن حزن نے وفات ابی طالب کا منظر دیکھا ہی نہیں تو روایت کیسے کر سکتے ہیں۔ تفصیلی گفتگو مناسب مقام پر ہوگی۔ مد مقابل عباس بن عبد المطلب والی روایت صحیح لذاتہ ہے اسی کیفیت کے ساتھ اس میں کلمہ پڑھنے کی تصدیق ہے اور یہ روایت عینی مشاہدے پر مبنی ہے۔

اہل علم سے ایک اہم ترین علمی اور سنجیدہ سوال

حضرت مسیب بن حزن کی طرف منسوب کردہ روایت جو صحیح مسلم و بخاری کے اندر درج ہے اس میں دو قرآنی آیات کا ناجائز استعمال ہے۔ جس کی تفصیلات آپ پہلے ملاحظہ فرما آئے ہیں۔ ایک آیت سورہ قصص کی آیت نمبر 56 ہے اور دوسری سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 ہے حیرت اس بات پر ہے کہ جو آیت پہلے نازل ہوئی بقول بعض اہل علم کے اس کو روایت کا حسن بننے کی ابتداء عظمت نہ ملی بلکہ انتہاء عظمت ملی اور جو بعد میں نازل ہوئی سورہ توبہ کی آیت اُسے اس روایت کے اندر شرف تحریر ابتداء عطا کیا گیا گویا راوی کفرابی طالب کے بیان کرنے کے شوق میں ترتیب نزول آیات بھی بھول گئے۔ تاہم سر دست ہم اس وقت سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 پر گفتگو کر رہے ہیں یہ آیت مبارکہ مسکین کے جزوی استقراء کے مطابق قریباً چودہ مرتبہ نازل ہوئی جس کا مصدقہ ریکارڈ مسکین کے پاس تفسیری اثاثے کی صورت میں قریباً چھ سو عربی تفاسیر میں موجود ہے۔ جب جس کا دل چاہے دیکھ سکتا ہے۔ تاہم چند ایک مسلم معروف تفسیری حوالے حاضر خدمت ہیں۔ مگر میرا سوال اہلِ علم پر یہ ہے مجھے بتایا جائے کہ چودہ اسباب نزول شانِ نزول سے صرف ایک ہی روایت کو موضوع سخن کیوں بنایا گیا؟ اور وہ روایت مسیب بن حزن والی روایت ہے جس میں تکفیر ابوطالب کا مضمون بیان کیا گیا ہے جس کا علمی تجزیہ میں کر چکا ہوں۔

پورے ذخیرے تفسیر میں مختلف روایات اور راویوں کے اعتبار سے اس آیت پر مشتمل جتنے بھی شان نزول ہیں مشرکین مکہ کی عدم استغفار کی بابت ان میں سے صرف دو نفوسِ قدسیہ کو نامزد کیا گیا حالانکہ ان میں کفر و شرک کے بڑے بڑے سرغنے موجود ہیں۔ مگر کسی ایک کا بھی نام نہیں لیا گیا۔ حیرت در حیرت ہے یہاں نامزد بھی کیا گیا تو ان نفوسِ قدسیہ کو جن پر ایک لمحہ کے لیے بھی قیامت تک کوئی مائی والا لال شرک ثابت نہیں کر سکتا اور نہ ہی آج تک کوئی کر سکا ہے۔ وہ نامزد ملزمان کائنات بھر کے محسن ہیں پوری کائنات کے لوگ قیامت تک ان کے ممنون احسان ہیں۔ تو بھی ان کا احسان نہیں اتار سکتے ان کا نام نامی اسم گرامی محسن ملت اسلامیہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور محسنہ عالمین مخدومہ کائنات اُم محمد حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حیرت در حیرت ہے جب ان سے شرک سرزد ہوا ہی نہیں تو ان کو خانہ ساز روایات سے مشرک کیسے بنایا گیا؟ یہ نفوسِ قدسیہ محل شرک ہی نہیں تو ان کو مشرک کیوں کہا جاتا ہے؟ اور اگر روایات کا تدریجی تقابلی جائزہ لیا جائے تو قوت و ضعف کے اعتبار سے سب سے زیادہ ضعیف روایت مسیب بن حزن کی ہے اصولی طور پر روایت بنتی ہی نہیں دھکے شاہی سے روایت بنائی گئی مگر انتہائی افسوس ہے اہل علم پر کہ چودہ اسباب نزول میں سے سب سے زیادہ جس سبب کو زیر بحث لایا گیا وہ مسیب بن حزن والی روایت کو لایا گیا یہ محض تعصب اور عناد ہے اس وقوعہ کا تو سرے سے وجود ہی نہیں مگر اسے اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا کہ اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ حضرت ابوطالب کی خدمات کی روشنی میں ان کا احترام کرنے والوں کو بدمذہب ہونے کے طعنے دیے گئے۔ اپنے مذہب سے نکالنے کے فتوے جاری کیے گئے وغیرہ۔ مگر اب تحکم نہیں چلے گا اہلبیتِ نبوت سے محبت کرنے والا اب ہشیار ہو چکا ہے۔ اختراعی قاعدے نہیں مانتا وضعی مسلک نہیں مانتا اگر کسی میں علمی غیرت ہے تو یقینی قطعی

دلائل سے اس وقوعہ کو ثابت کر کے دکھائے۔ آمدم برسر مطلب زیر بحث آیت کریمہ حضرت ابوطالب کی توہین تو کی ہی گئی ہے مگر بدفہموں نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کریمہ کو بھی نہیں چھوڑا حالانکہ یہ سب سے بڑا بدترین سفید جھوٹ ہے اور میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہہ رہا ہوں چونکہ مسکین نے اس عنوان پر 2700 صفحات کا مقالہ لکھا ہے جس کی دو جلدیں بحمد اللہ تعالیٰ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں اہل علم اہل عرفان اہل محبت محظوظ ہوں باقی دو جلدیں چھپنا باقی ہیں قارئین دعا بھی فرمائیں اور توجہ بھی فرمائیں۔ ان مجلدات کی تفصیل یہ ہے۔

پہلی جلد وجاہتِ والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن عظیم ہے۔

دوسری جلد عصمتِ والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن عظیم ہے۔ دونوں چھپ چکی ہیں۔

تیسری جلد حرمت والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن عظیم ہے۔

چوتھی جلد عظمت والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن عظیم ہے۔ دونوں زیر ترتیب و زیر طبع ہیں قارئین کرام! ضرور توجہ فرمائیں۔

بہرحال ان چودہ اسباب نزول میں سے صرف اور صرف اہلبیت نبوت کو شرک کے الزام میں نامزد کرنا بدترین دین دشمنی ہے۔ اور اصل مشرکین پر کتابیں نہ لکھنا اور ان کے شرک کو ننگا نہ کرنا یہ در پردہ شرک کی حمایت ہے۔ میں پھر اپنے سوال کو دوہراتا ہوں کہ حضرت مسیب بن حزن والی روایت جس کا نہ علمی وجود ہے نہ شرعی وجود۔ غیر ثابت روایت اور غیر ثابت وقوعہ میں قرآن عظیم کی آیت کا غلط استعمال کیوں ہوا؟ پھر اس پر ظلم یہ ہے کہ اسی غیر ثابت اور جھوٹے وقوعے کو اتنا اچھالا گیا کہ کفرابی طالب کو ایک معروف مذہب کی شناخت قرار دیا؟ اور کہا گیا کہ یہ اہل حق کا معروف مذہب ہے نعوذ باللہ۔ دیکھئے تفسیر روح المعانی کو اس آیت کے حوالے سے۔

میں اپنے سوال میں جواب کی صورت میں چاہتا ہوں کہ بارہ چودہ شانِ نزولوں سے جو شانِ نزول آپ کو پسند آیا آخر اس پسندیدگی کی وجہ کیا ہے؟ اور دلیل ترجیح کیا ہے؟ حالانکہ اس شانِ نزول کی کوئی علمی شرعی اصل ہی نہیں تو پھر آپ نے اپنی ایڑی چوٹی کا اتنا زور کیوں لگایا؟ جس روایت مسیب بن حزن کو آپ نے بنیاد بنا کر کفرابی طالب کا مذہب گھڑا اس روایت کی حیثیت تو فقط ایک جھوٹی بوگس بیہودہ سازشی ایف آئی آر کی ہے جس کا سارا متن ہی جھوٹ پر مبنی ہے اس جھوٹ کو آڑ بنا کر حرم نبوت کو آگ لگانے کا تمہیں کس نے حق دیا ہے؟ یاد رہے آپ کی دیگر چند روایات جن کو آپ اسی جھوٹی ایف آئی آر کی تائید میں بیان کرتے ہیں وہ اس لیے آپ کو کارآمد نہیں ہو سکتیں کہ آپ کی ایف آئی آر کا متن ہی جھوٹا ہے اور سراسر جھوٹا ہے۔ اور جب جس ایف آئی آر کا متن جھوٹا ہو دیگر قرائن اس کو کیسے سچا کر سکتے ہیں۔ رہا ضحضاح والی روایات کا معاملہ تو جب آپ سے وجہ ضحضاح ہی ثابت نہ ہو سکی یعنی روایت مسیب بن حزن جس بنا پر حضرت ابوطالب کے لیے ضحضاح کا حکم سنایا گیا کلمہ نہ پڑھنے کی صورت میں تو ضحضاح کو کس کھاتے میں ڈالو گے؟ یعنی حضرت ابوطالب پر الزام تھا کہ انھوں نے کلمہ نہیں پڑھا اس لیے انھیں ضحضاح یعنی جہنم کی سب سے ہلکی آگ پر رہنے کا حکم سنایا گیا۔ جب الزام ہی سراسر جھوٹا ہے تو سزا کس بات کی؟

پوری کائنات کا عدالتی نظام گواہ ہے الزام کو ٹھوس قطعی یقینی ثبوتوں سے ثابت کیا جاتا ہے پھر جا کر جج صاحبان سزا کا حکم سناتے ہیں جب تک ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ الزام ثابت نہ ہو تب تک کائنات کا کوئی بھی منصف مزاج جج حکم سزا نہیں سناتا۔ اگر سنائے تو اسے فوراً معزول کر دیا جاتا ہے۔ یا مرتبہ کم کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہاں اُلٹی گنگا میں اہل علم نہا رہے ہیں۔ الزام بھی ثابت نہیں کر رہے کیونکہ ان کے پاس قطعی الدلالۃ قطعی الثبوت یقینی شواہد ہی نہیں ہیں پھر بھی بغیر ثبوت الزام کے کائنات کی بزرگ ترین شخصیت محسن اسلام و اہل اسلام کو جہنم کی سزا سنا رہے ہیں۔ اور اس نشے میں ہر حد پار کر رہے ہیں حالانکہ خود صاحب روایت مسیب بن حزن کے پاس بھی ثبوت الزام کے لیے نہ کوئی قطعی دلیل ہے نہ کوئی ٹھوس ثبوت اور نہ ہی کسی صحابی کی طرف سے اس نوعیت کا کہیں کوئی الزام ثابت ہے۔ نہ ہی کبھی کسی صحابی نے اس جھوٹے مقدمہ کو سچ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی جیسا کہ سینکڑوں سال بعد میں آنے والے صاحبان علم کر رہے ہیں۔ پوری مہم جوئی کے ساتھ کفر ابی طالب پر نعوذ باللہ مستقل کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ بہر حال مسکین فریدی حسب وعدہ ان شان نزولوں کی نشاندہی اگلی فصل میں کر رہا ہے آپ غور فرمائیں گے تو یقیناً حقیقت واضح ہو جائے گی۔

فصل ثالث:

افسانوی تکفیر پر مختصر تفسیری نمونے

افسانوی تکفیر پر مختصر تفسیری نمونے

افسانوی تکفیر پر مختصر چند ایک تفسیری نمونے پیش خدمت ہیں۔ دنیائے تفسیر کے عظیم امام محمد بن جریر الطبری اپنی تفسیر طبری میں بڑے خوبصورت انداز میں اس آیت کی تفسیر میں محتمل شانِ نزولوں کی نشاندہی فرما رہے ہیں۔

نوٹ: مکمل تفسیری اثاثے کی تفصیلات اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں مختصراً تین تفسیریں جو معروف ہیں پیش کروں گا۔

"الْقَوْلُ فِي تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ} (التوبہ: 114) يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ: مَا كَانَ يَنْبَغِي لِلنَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا. يَقُولُ: أَنْ يَدْعُوا بِالْمَغْفِرَةِ لِلْمُشْرِكِينَ، وَلَوْ كَانَ الْمُشْرِكُونَ الَّذِينَ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُمْ أُولِي قُرْبَى، ذَوِي قَرَابَةٍ لَهُمْ. {مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ} (التوبہ: 113) يَقُولُ: مِنْ بَعْدِ مَا مَاتُوا عَلَى شِرْكِهِمْ بِاللَّهِ وَعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، لِأَنَّ اللَّهَ قَدْ قَضَى أَنْ لَا يَغْفِرَ لِمُشْرِكٍ فَلَا يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَسْأَلُوا رَبَّهُمْ أَنْ يَفْعَلَ مَا قَدْ عَلِمُوا أَنَّهُ لَا يَفْعَلُهُ فَإِنْ قَالُوا: فَإِنَّ إِبْرَاهِيمَ قَدِ اسْتَغْفَرَ لِأَبِيهِ، وَهُوَ مُشْرِكٌ. فَلَمْ يَكُنِ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا لِمَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ {فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ} (البقرۃ: 259) وَعَلِمَ أَنَّهُ لِلَّهِ عَدُوٌّ خَلَّاهُ وَتَرَكَ الِاسْتِغْفَارَ لَهُ، وَآثَرَ اللَّهَ وَأَمْرَهُ عَلَيْهِ، فَتَبَرَّأَ مِنْهُ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ أَمْرُهُ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ التَّأْوِيلِ فِي السَّبَبِ الَّذِي نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِيهِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَزَلَتْ فِي شَأْنِ أَبِي طَالِبٍ عَمِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ. فَنَهَاهُ اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ."

"ذِكْرُ مَنْ قَالَ ذَلِكَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَوْرٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ. فَقَالَ: يَا عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ لَهُ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَنَزَلَتْ {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ

آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبہ:113) وَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ (القصص:56)"

"حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ: ثَنَا عَمِّي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: ثَنِي يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً (ص:21) أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللَّهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبہ:113) وَأَنْزَلَ اللَّهُ فِي أَبِي طَالِبٍ. فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ...﴾ (القصص:56) الآيَةَ"

"حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: ثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، قَالَ: ثَنَا عِيسَى، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، "﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبہ:113) قَالَ: يَقُولُ الْمُؤْمِنُونَ أَلَا نَسْتَغْفِرُ لِآبَائِنَا وَقَدِ اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ كَافِرًا. فَأَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ﴾ (التوبہ:114) الآيَةَ"

"حَدَّثَنِي الْمُثَنَّى، قَالَ: ثَنَا أَبُو حُذَيْفَةَ، قَالَ: ثَنَا شِبْلٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرِكٌ. فَلَا أَزَالُ أَسْتَغْفِرُ لِأَبِي طَالِبٍ حَتَّى يَنْهَانِي عَنْهُ رَبِّي فَقَالَ أَصْحَابُهُ: لَنَسْتَغْفِرَنَّ لِآبَائِنَا كَمَا اسْتَغْفَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبہ:113) إِلَى قَوْلِهِ: ﴿تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (التوبہ:114)"

"حَدَّثَنَا ابْنُ وَكِيعٍ، قَالَ: ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ: " لَمَّا حَضَرَ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ أَتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعِنْدَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ وَأَبُو جَهْلِ بْنُ هِشَامٍ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيْ عَمِّ إِنَّكَ أَعْظَمُ النَّاسِ عَلَيَّ حَقًّا وَأَحْسَنُهُمْ عِنْدِي يَدًا. وَلَأَنْتَ أَعْظَمُ عَلَيَّ حَقًّا مِنْ وَالِدِي. فَقُلْ كَلِمَةً تَجِبُ لِي بِهَا الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ثَوْرٍ وَقَالَ آخَرُونَ: بَلْ نَزَلَتْ فِي سَبَبِ أُمِّ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَلِكَ أَنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهَا فَمُنِعَ مِنْ ذَلِكَ. ذِكْرُ مَنْ قَالَ ذَلِكَ"

"حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، قَالَ: ثَنَا فُضَيْلٌ، عَنْ عَطِيَّةَ، قَالَ: "لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَقَفَ عَلَى قَبْرِ أُمِّهِ حَتَّى سَخِنَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ رَجَاءَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ فَيَسْتَغْفِرَ لَهَا، حَتَّى نَزَلَتْ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى} (التوبہ:113) إِلَى قَوْلِهِ: {تَبَرَّأَ مِنْهُ} (التوبہ:114)"

"قَالَ: ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، قَالَ: ثَنَا قَيْسٌ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى رَسْمًا قَالَ: وَأَكْثَرُ (ص:23) ظَنِّي أَنَّهُ قَالَ قَبْرًا - فَجَلَسَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ يُخَاطِبُ، ثُمَّ قَامَ مُسْتَعْبِرًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا رَأَيْنَا مَا صَنَعْتَ قَالَ: إِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ (١) أُمِّي فَأَذِنَ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ (٢) فِي الِاسْتِغْفَارِ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِي فَمَا رُؤِيَ بَاكِيًا أَكْثَرَ مِنْ يَوْمَئِذٍ" (٣)

"حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: ثَنِي أَبِي قَالَ: ثَنِي عَمِّي، قَالَ: ثَنِي أَبِي، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَوْلَهُ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا} (التوبہ:113) إِلَى: {أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ} (التوبہ:113) أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِأُمِّهِ، فَنَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: وَإِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ اللهِ قَدِ اسْتَغْفَرَ لِأَبِيهِ فَأَنْزَلَ اللهُ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ} (التوبہ:114) إِلَى: {لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ} (التوبہ:114) وَقَالَ آخَرُونَ: بَلْ نَزَلَتْ مِنْ أَجْلِ أَنَّ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ كَانُوا يَسْتَغْفِرُونَ لِمَوْتَاهُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَنُهُوا عَنْ ذَلِكَ. ذِكْرُ مَنْ قَالَ ذَلِكَ"

(1) في المطبوعة: "أتى رسما - وأكبر ظني أنه قال: قبرا". غير ما في المخطوطة، والصواب ما فيها لأنه ذكر المضاف "أتى رسم" ثم فصل وقال: "قبر". فيما رجح من ظنه يعني: "رسم قبر". على الإضافة.

(2) في المخطوطة: "ثم قام مستغفرا". والصواب ما في المطبوعة، وتفسير ابن كثير 4: 250، نقلا عن هذا الموضع من تفسير أبي جعفر.

(3) الأثر: 17330 - "علقمة بن مرثد الحضرمي". ثقة، روى له الجماعة، مضى برقم: 11330.

و"سليمان بن بريدة بن الحصيب الأسلمي". ثقة، روى عن أبيه ثقة، مضى برقم: 11330.

وأبوه "بريدة بن الحصيب الأسلمي". صحابي أسلم قبل بدر، ولم يشهدها. فهذا خبر صحيح الإسناد وذكره ابن كثير في تفسيره 4: 35، بهذا اللفظ.

ورواه أحمد في مسنده 5: 359، من طريق حسين بن محمد، عن خلف عن خليفة، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه بغير هذا اللفظ مطولا، ورواه من طريق محارب بن دثار، عن ابن بريدة عن أبيه (5: 355)، ثم من طريق القاسم بن عبد الرحمن عن أبي بريدة، عن أبيه (5: 356)

وقال آخرون: بل نزلت من أجل أن قومًا من أهل الإيمان كانوا يستغفرون لموتاهم من المشركين، فنهوا عن ذلك. ذكر من قال ذلك

"حَدَّثَنِي الْمُثَنَّى، قَالَ: ثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: ثَنِي مُعَاوِيَةُ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَوْلَهُ: " {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} [التوبة: 113] .. [ص: 24] الْآيَةَ. فَكَانُوا يَسْتَغْفِرُونَ لَهُمْ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ. فَلَمَّا نَزَلَتْ أَمْسَكُوا عَنِ الِاسْتِغْفَارِ لِأَمْوَاتِهِمْ، وَلَمْ يُنْهَوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْأَحْيَاءِ حَتَّى يَمُوتُوا. ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ} [التوبة: 114] . الْآيَةَ

"حَدَّثَنَا بِشْرٌ، قَالَ: ثَنَا يَزِيدُ، قَالَ: ثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، قَوْلَهُ: " {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} [التوبة: 113] .. الْآيَةَ. ذُكِرَ لَنَا أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّ مِنْ آبَائِنَا مَنْ كَانَ يُحْسِنُ الْجِوَارَ، وَيَصِلُ الْأَرْحَامَ، وَيَفُكُّ الْعَانِيَ، وَيُوفِي بِالذِّمَمِ، أَفَلَا نَسْتَغْفِرُ لَهُمْ؟ قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بَلَى وَاللَّهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لِأَبِي كَمَا اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ» قَالَ: فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} [التوبة: 113] .. حَتَّى بَلَغَ: {الْجَحِيمِ} [التوبة: 113] ثُمَّ عَذَرَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ} [التوبة: 114] . قَالَ: وَذُكِرَ لَنَا أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ: أُوحِيَ إِلَيَّ كَلِمَاتٌ، فَدَخَلْنَ فِي أُذُنِي وَوَقَرْنَ فِي قَلْبِي، أُمِرْتُ أَنْ لَا أَسْتَغْفِرَ لِمَنْ مَاتَ مُشْرِكًا، وَمَنْ أَعْطَى فَضْلَ مَالِهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ، وَمَنْ أَمْسَكَ فَهُوَ شَرٌّ لَهُ، وَلَا يَلُومُ اللَّهُ عَلَى كَفَافٍ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعَرَبِيَّةِ فِي مَعْنَى قَوْلِهِ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} [التوبة: 113] [ص: 25] فَقَالَ بَعْضُ نَحْوِيِّي الْبَصْرَةِ: مَعْنَى ذَلِكَ: مَا كَانَ لَهُمُ الِاسْتِغْفَارُ، وَكَذَلِكَ مَعْنَى قَوْلِهِ: {وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ} [يونس: 100] وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ الْإِيمَانُ {إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ} [يونس: 100] وَقَالَ بَعْضُ نَحْوِيِّي الْكُوفَةِ: مَعْنَاهُ: مَا كَانَ يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ. قَالَ: وَكَذَلِكَ إِذَا جَاءَتْ أَنْ مَعَ كَانَ. فَكُلُّهَا بِتَأْوِيلِ يَنْبَغِي {مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ} [آل عمران: 161] مَا كَانَ يَنْبَغِي لَهُ لَيْسَ هَذَا مِنْ أَخْلَاقِهِ. قَالَ: فَلِذَلِكَ إِذَا دَخَلَتْ أَنْ تَدُلُّ عَلَى الِاسْتِقْبَالِ، لِأَنَّ يَنْبَغِي تَطْلُبُ الِاسْتِقْبَالَ وَأَمَّا قَوْلُهُ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ} [التوبة: 114] فَإِنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ اخْتَلَفُوا فِي السَّبَبِ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ. فَقَالَ بَعْضُهُمْ: أُنْزِلَ مِنْ أَجْلِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ كَانُوا يَسْتَغْفِرُونَ لِمَوْتَاهُمُ الْمُشْرِكِينَ ظَنًّا مِنْهُمْ أَنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ الرَّحْمَنِ قَدْ فَعَلَ ذَلِكَ

حِينَ أَنْزَلَ اللهُ قَوْلَهُ خَبَرًا عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: {سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا} [مريم: 47] وَقَدْ ذَكَرْنَا الرِّوَايَةَ عَنْ بَعْضِ مَنْ حَضَرَنَا ذِكْرُهُ. وَسَنَذْكُرُهُ عَمَّنْ لَمْ نَذْكُرْهُ"

"حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، قَالَ: ثنا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: "سَمِعْتُ رَجُلًا، يَسْتَغْفِرُ لِوَالِدَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ، فَقُلْتُ: أَيَسْتَغْفِرُ الرَّجُلُ لِوَالِدَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ؟ فَقَالَ: أَوَلَمْ يَسْتَغْفِرْ إِبْرَاهِيمُ [ص:26] لِأَبِيهِ؟ قَالَ: فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ} [التوبة: 114].. إِلَى {تَبَرَّأَ مِنْهُ} [التوبة: 114]"

"حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: ثنا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَلِيٍّ: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ، حَتَّى نَزَلَتْ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ} [التوبة: 114] إِلَى قَوْلِهِ: {تَبَرَّأَ مِنْهُ} [التوبة: 114]" وَقِيلَ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ} [التوبة: 114]، وَمَعْنَاهُ: إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَوْعِدَةٍ، كَمَا يُقَالُ: مَا كَانَ هَذَا الْأَمْرُ إِلَّا عَنْ سَبَبِ كَذَا، بِمَعْنَى: مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ السَّبَبِ أَوْ مِنْ أَجْلِهِ. فَكَذَلِكَ قَوْلُهُ: {إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ} [التوبة: 114] مِنْ أَجْلِ مَوْعِدَةٍ وَبَعْدَهَا وَقَدْ تَأَوَّلَ قَوْمٌ قَوْلَ اللهِ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى} [التوبة: 113].. الْآيَةَ، أَنَّ النَّهْيَ مِنَ اللهِ عَنِ الِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِينَ بَعْدَ مَمَاتِهِمْ، لِقَوْلِهِ: {مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ} [التوبة: 113] وَقَالُوا: ذَلِكَ لَا يَتَبَيَّنُهُ أَحَدٌ إِلَّا بِأَنْ يَمُوتَ عَلَى كُفْرِهِ، وَأَمَّا هُوَ حَيٌّ فَلَا سَبِيلَ إِلَى عِلْمِ ذَلِكَ، فَلِلْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ [ص:27] ذِكْرُ مَنْ قَالَ ذَلِكَ"

خلاصہ تفسیر طبری

یہ ہے کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کے تین تفسیری احتمال قائم کیے ہیں۔ اور کہا ہے کہ اس کی تاویل میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں اختلاف ہو وہاں توسّع ہوتا ہے مگر منکرِین ابی طالب نے اس قاعدہ کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ اہل علم اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں:

۱۔ بعض اہل علم نے اس آیت کا شانِ نزول حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت حضرت مسیب رضی اللہ عنہ والی روایت کو مانا ہے۔ جس کا فقیر فریدی نے بھرپور رد کر دیا ہے۔ جو آپ پڑھ آئے ہیں۔

۲۔ بعض اہل تفسیر و تاویل نے آیت کا شانِ نزول سببِ نزول حضور ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت عدم استغفار کے حوالے سے

مانا ہے۔ فقیر مسکین فریدی نے ان حاشیہ نشینوں کو بھی الحمد للہ دھول چٹا دی ہے۔ اس کا مکمل علمی رد آپ کو فقیر کی تصنیف کردہ چار ضخیم جلدوں میں ملے گا۔ جن میں

۱۔ وجاہت والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم۔ چھپ چکی ہے

۲۔ عصمتِ والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم۔ چھپ چکی ہے۔

۳۔ حرمتِ والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم۔ زیر تدوین ہے اور زیر طباعت ہے توجہ بھی فرمائیں اور دعا بھی فرمائیں۔

۴۔ عظمتِ والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم۔ زیر ترتیب ہے۔ ان کو ضرور پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ آپکو خیر و برکت سے نوازے گا۔ یقیناً

۳۔ بعض اہل تفسیر و تاویل نے اس آیت کریمہ کا شان نزول مشرکین مکہ اور کفارِ مکہ کا بتایا ہے۔

میرا سوال یہ ہے

جن نفوس قدسیہ کے نزدیک کبھی شرک کی جھنک تک نہیں کوئی ثابت کرسکتا ان کو پہلی فرصت میں اہل علم نے مشرک ثابت کر دیا ہے بعض اہل علم نے احسان کرتے ہوئے احیائے ابوین کی کہیں سے کوئی روایت تلاش کر کے ابوین کریمین کی بابت ذرا ہاتھ ہولا رکھا مگر جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام پر وہ بھی بے تحاشا چڑھ دوڑے۔ ان کا قدرے احترام کرنے والوں کا بھی ولیہ بنا ڈالا۔ مگر ان عاشقان کی ہمت مردانہ بھی مشرکین مکہ کا واضح نام لینے سے گھبرا گئی کبھی کسی عاشق کو توفیق نہیں ملی کہ وہ بغت المطالب کی طرز کی کتاب ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید بن مغیرہ دیگر کفار و مشرکینِ مکہ کے شرک کی وضاحت کے لیے کوئی ضخیم کتاب ترتیب دے مگر نجانے بڑے بڑے قد آور اہلِ علم ایسا کرنے سے کیوں گھبرا گئے۔

ترجیحاً حرم نبوت کو نشانہ بنایا گیا۔ پوری کائنات کے اہلِ علم کے پاس کفرِ ابی طالب علیہ السلام کی بابت اس روایت کو قطعی بنانے کے لیے کہیں بھی کوئی دلیل میسر نہیں۔ اور نہ ہی اس روایت کی بابت دیگر شان نزول کے اعتبار سے کوئی قاعدہ ترجیح ہے اور نہ ہی دلیل ترجیح ہے نہ ہی دلیل تاویل ہے پھر بھی حرم نبوت کو ہی تر نوالہ سمجھا ہپ ہپ کر کے کافر بنا ڈالا۔ مجھے کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے اہل علم کی قلمی جولانیوں پر جب فقہی فروعات کا میدان لگتا ہے تو فریق مخالف کی متواتر حدیث کے مدمقابل خبر واحد کو کھڑا کر دیتے ہیں اور جب فریق مخالف ان کی قائم کردہ کسی دلیل پر علمی معارضہ کرتا ہے تو جھٹ سے الجھ کر کہہ دیتے ہیں جناب خبر واحد متواتر حدیث کے معارض آنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔

مسکین کے ساتھ بھی بارہا ایسا ہوا جب میں کسی دلیل سے مدمقابل کا معارضہ کرتا ہوں تو کہہ دیتے ہیں تم سے پہلے عظیم علماء نے تو

ایسا نہیں کیا تم نے کیوں یہ جرم کر ڈالا؟ جواباً میں کہتا ہوں کہ بھائی جان دلیل کا جواب دلیل سے ہوتا ہے دھینگا مشتی سے نہیں اس پر یہ لوگ سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ اب آپ کے سامنے امام ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔

نوٹ: تفصیلات آخر میں عرض کروں گا۔

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝

قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ (1) دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ. فَقَالَ: "أَيْ عَمِّ، قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. كَلِمَةٌ أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ". فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ، أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ قَالَ: فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ، حَتَّى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ: عَلَى (2) مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. (3) فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ". فَنَزَلَتْ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ} قَالَ: وَنَزَلَتْ فِيهِ: {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ} [الْقَصَصِ: 56] أَخْرَجَاهُ. (4)

وَقَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ، وَهُمَا مُشْرِكَانِ، فَقُلْتُ: أَيَسْتَغْفِرُ الرجل لأبويه وهما مشركان؟ فقال: أو لم يَسْتَغْفِرْ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ؟ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَتْ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} إِلَى قَوْلِهِ: {فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ} قَالَ: "لَمَّا مَاتَ". فَلَا أَدْرِي قَالَهُ سُفْيَانُ أَوْ قَالَهُ إِسْرَائِيلُ أَوْ هُوَ (5) فِي الْحَدِيثِ "لَمَّا مَاتَ". (6)

قُلْتُ هَذَا ثَابِتٌ عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا مَاتَ.

وَقَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا زُبَيْدُ بْنُ الْحَارِثِ الْيَامِيُّ (7) عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَهُ قَرِيبٌ مِنْ أَلْفِ رَاكِبٍ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ، فَقَامَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وفداه بِالْأَبِ وَالْأُمِّ، وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَكَ؟ قَالَ: "إِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي الِاسْتِغْفَارِ لِأُمِّي، فَلَمْ يَأْذَنْ لِي،

فَدَمِعَتْ عَيْنَايَ رَحْمَةً لَهَا مِنَ النَّارِ، وَإِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ: نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا لِتُذَكِّرَكُمْ زِيَارَتُهَا خَيْرًا، وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ بَعْدَ ثَلَاثٍ، فَكُلُوا وَأَمْسِكُوا مَا شِئْتُمْ، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فِي الْأَوْعِيَةِ، فَاشْرَبُوا فِي أَيِّ وِعَاءٍ (1) وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا". (2)

وَرَوَى ابْنُ جَرِيرٍ، مِنْ حَدِيثِ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى رَسْمَ قَبْرٍ، فَجَلَسَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ يُخَاطِبُ، ثُمَّ قَامَ مُسْتَعْبِرًا. فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا رَأَيْنَا مَا صَنَعْتَ. قَالَ: "إِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّي، فَأَذِنَ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الِاسْتِغْفَارِ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِي". فَمَا رُئِيَ بَاكِيًا أَكْثَرَ مِنْ يَوْمَئِذٍ. (3)

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ، فِي تَفْسِيرِهِ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ خِدَاشٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ هَانِئٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا إِلَى الْمَقَابِرِ، فَاتَّبَعْنَاهُ، فَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ إِلَى قَبْرٍ مِنْهَا، فَنَاجَاهُ طَوِيلًا ثُمَّ بَكَى فَبَكَيْنَا لِبُكَائِهِ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَدَعَاهُ ثُمَّ دَعَانَا، فَقَالَ: "مَا أَبْكَاكُمْ؟" فَقُلْنَا: بَكَيْنَا لِبُكَائِكَ. قَالَ: "إِنَّ الْقَبْرَ الَّذِي جلست عِنْدَهُ قَبْرُ آمِنَةَ، وَإِنِّي استأذنت رَبِّي فِي زِيَارَتِهَا فَأَذِنَ لِي" (4) ثُمَّ أَوْرَدَهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ، ثُمَّ ذَكَرَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَرِيبًا مِنْهُ، وَفِيهِ: "وَإِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي الدُّعَاءِ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِي، وَأَنْزَلَ عَلَيَّ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى﴾ فَأَخَذَنِي مَا يَأْخُذُ الْوَلَدَ لِلْوَالِدَةِ، وَكُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ". (5)

حَدِيثٌ آخَرُ فِي مَعْنَاهُ: قَالَ الطَّبَرَانِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْمَرْوَزِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الدَّرْدَاءِ عَبْدُ الْعَزِيزِ (6) بْنُ مُنِيبٍ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وَسَلَّمَ لَمَّا أَقْبَلَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوكَ وَاعْتَمَرَ، فَلَمَّا هَبَطَ مِنْ ثَنِيَّةِ عُسْفَانَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ: أَنِ اسْتَنِدُوا إِلَى الْعَقَبَةِ حَتَّى أَرْجِعَ إِلَيْكُمْ. فَذَهَبَ فَنَزَلَ عَلَى قَبْرِ أُمِّهِ، فَنَاجَى رَبَّهُ طَوِيلًا ثُمَّ إِنَّهُ بَكَى فَاشْتَدَّ بُكَاؤُهُ، وَبَكَى هَؤُلَاءِ لِبُكَائِهِ، وَقَالُوا: مَا بَكَى نَبِيُّ اللَّهِ بِهَذَا الْمَكَانِ إِلَّا وَقَدْ أُحْدِثَ فِي أُمَّتِهِ شَيْءٌ لَا تُطِيقُهُ. فَلَمَّا بَكَى هَؤُلَاءِ، قَامَ فَرَجَعَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: "مَا يُبْكِيكُمْ؟". قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، بَكَيْنَا لِبُكَائِكَ، فَقُلْنَا: لَعَلَّهُ أُحْدِثَ فِي أُمَّتِكَ شَيْءٌ لَا تُطِيقُهُ، قَالَ: "لَا وَقَدْ كَانَ بَعْضُهُ، وَلَكِنْ نَزَلْتُ عَلَى قَبْرِ أُمِّي

(1) في ت، ك، أ: "أي وعاء شئتم".

(2) المسند (355/5).

(3) تفسیر الطبری (512/14) ورواه البیہقی فی دلائل النبوة (189/1) من طریق سفیان عن علقمة بن مرثد به نحوه.

(4) ورواه الحاکم فی المستدرک (336/2) ومن طریقه البیہقی فی دلائل النبوة (189/1) من طریق بحر بن نصر عن ابن وهب به نحوه.

(5) وأصل الحدیث رواه مسلم فی صحیحه برقم (976) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: زار النبی صلی الله علیه وسلم قبر أمه فبکی وأبکی من حوله. فقال: "استأذنت ربی فی أن أستغفر لها فلم یؤذن لی، واستأذنته فی أن أزور قبرها فأذن لی، فزوروا القبور فإنها تذکر الموت".

(6) فی ت" :أبو الدرداء عن عبد العزیز ".فَدَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يَأْذَنَ لِي فِي شَفَاعَتِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَبَى اللَّهُ أَنْ يَأْذَنَ لِي، فَرَحِمْتُهَا وَهِيَ أُمِّي، فَبَكَيْتُ، ثُمَّ جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ} :وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ{ فَتَبَرَّأْ أَنْتَ مِنْ أُمِّكَ، كَمَا تَبَرَّأَ إِبْرَاهِيمُ مِنْ أَبِيهِ، فرحمتها وَهِيَ أُمِّي، وَدَعَوْتُ رَبِّي أَنْ يَرْفَعَ عَنْ أُمَّتِي أَرْبَعًا، فَرَفَعَ عَنْهُمُ اثْنَتَيْنِ، وَأَبَى أَنْ يَرْفَعَ عَنْهُمُ اثْنَتَيْنِ: دعوتُ رَبِّي أَنْ يَرْفَعَ عَنْهُمُ الرَّجْمَ مِنَ السَّمَاءِ والغَرَقَ مِنَ الأَرْض، وألا يلبسهم شیعا، وألا یذیق بعضهم بَأْسَ بَعْضٍ، فَرَفَعَ اللَّهُ عَنْهُمُ الرَّجْمَ مِنَ السَّمَاءِ، وَالْغَرَقَ مِنَ الْأَرْضِ، وَأَبَى اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَ عَنْهُمُ الْقَتْلَ وَالْهَرْجَ". وَإِنَّمَا عَدَلَ إِلَى قَبْرِ أُمِّهِ لِأَنَّهَا كَانَتْ مَدْفُونَةً تَحْتَ كَداء (1) وَكَانَتْ عُسْفَانُ لَهُمْ. (2) وَهَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَسِيَاقٌ عَجِيبٌ. وَأَغْرَبُ مِنْهُ وَأَشَدُّ نَكَارَةً مَا رَوَاهُ الْخَطِيبُ الْبَغْدَادِيُّ فِي كِتَابِ "السَّابِقِ وَاللَّاحِقِ" بِسَنَدٍ مَجْهُولٍ، عَنْ عَائِشَةَ فِي حَدِيثٍ فِيهِ قِصَّةٌ أَنَّ اللَّهَ أَحْيَا أُمَّه فَآمَنَتْ ثُمَّ عَادَتْ. (3) وَكَذَلِكَ مَا رَوَاهُ السُّهَيْلِيُّ فِي "الرَّوْضِ" بِسَنَدٍ فِيهِ جماعة مَجْهُولُونَ: أَنَّ اللَّهَ أَحْيَا لَهُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ (4) فَآمَنَا بِهِ. (5)

وَقَدْ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ دِحْيَةَ: هَذَا الْحَدِيثُ مَوْضُوعٌ يَرُدُّهُ الْقُرْآنُ وَالْإِجْمَاعُ. قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: {وَلا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ} [النِّسَاءِ: 18]. وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْقُرْطُبِيُّ: إِنَّ مُقْتَضَى هَذَا الْحَدِيثِ... وردَّ عَلَى ابْنِ دِحية (6) فِي هَذَا الِاسْتِدْلَالِ بِمَا حَاصِلُهُ: أَنَّ هَذِهِ حَيَاةٌ جَدِيدَةٌ، كَمَا رَجَعَتِ الشَّمْسُ بَعْدَ غَيْبُوبَتِهَا فَصَلَّى عَلِيٌّ الْعَصْرَ. قَالَ الطَّحَاوِيُّ: وَهُوَ حَدِيثٌ (7) ثَابِتٌ، يَعْنِي: حَدِيثَ الشَّمْسِ.

قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: فَلَيْسَ إِحْيَاؤُهُمَا يَمْتَنِعُ عَقْلًا وَلَا شَرْعًا. قَالَ: وَقَدْ سَمِعْتُ أَنَّ اللَّهَ أَحْيَا عَمَّهُ أَبَا طَالِبٍ، فَآمَنَ بِهِ. (8) أَنْزَلَ اللَّهُ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ الآيَة.

(1) فی ت أ: "کذا و کذا". وفی ك: "کذا و کذا".

(2) المعجم الکبیر (374/11).

(3) ساقه القرطبي في: التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة (ص 16) وقال: خرجه أبو بكر أحمد بن علي الخطيب في كتاب السابق واللاحق، وأبو حفص عمر بن شاهين في الناسخ والمنسوخ ولا يصح الحديث، لمخالفته ما في صحيح مسلم برقم (976) من حديث أبي هريرة قال: زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال: "استأذنت ربي في أن أستغفر لها فلم يأذن لي واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي فزوروا القبور فإنها تذكر الموت" ولضعف إسناده.

(4) في ت: "وآمنة".

(5) الروض الأنف (113/1).

(6) زيادة من نسخة أ.

(7) زيادة من نسخة أ.

(8) التذكرة (ص 17). وما ذكره القرطبي لا يصح، أما إحياؤهما وإيمانهما فلا يمتنع عقلا، وأما خبر عائشة فقد جاء في صحيح مسلم من حديث أنس، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أين أبي؛ قال: "في النار" فلما قفا دعاه وقال: "إن أبي وأباك في النار" ومنع النبي صلى الله عليه وسلم من الاستغفار لأمه. وهذا المنع متأخر بخلاف من قال بأن ما جاء في أحياء أبوي النبي صلى الله عليه وسلم - في النار منسوخ بحديث عائشة الذي رواه الخطيب. فإن دعوى النسخ غير قائمة ولا تعتمد على أصل. وأما قول القرطبي بأنه سمع أن الله أحيا عمه أبا طالب... إلخ فهذا أبعد عن الصحة، فإن في الصحيح من حديث أبي سعيد، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم شفع له عند الله فهو في النار يجعل ضحاح من نار تحت قدميه يغلي منها دماغه وفي صحيح مسلم مرفوعا: "أهون أهل النار عذابا أبو طالب" فمن يكون في النار كيف يقال: إنه آمن في قبره!

وقال قتادة في الآيَةِ: ذُكِرَ لَنَا أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنَّ مِنْ آبَائِنَا مَنْ كَانَ يُحْسِنُ الْجِوَارَ وَيَصِلُ الْأَرْحَامَ وَيَفُكُّ الْعَانِيَ وَيُوفِي بِالذِّمَمِ أَفَلَا نَسْتَغْفِرُ لَهُمْ. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «بَلَى وَاللَّهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ لِأَبِي كَمَا اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ» فَأَنْزَلَ اللهُ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ حتى بلغ قوله الْجَحِيمِ ثم عذر الله تعالى إبراهيم عليه السلام. فقال: وَما كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ الآية. قَالَ: وَذُكِرَ لَنَا أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ: «قد أوحى اللهُ إِلَيَّ كَلِمَاتٍ فَدَخَلْنَ فِي أُذُنِي وَوَقَرْنَ فِي قلبي: أمرت أن لا أَسْتَغْفِرَ لِمَنْ مَاتَ مُشْرِكًا. وَمَنْ أَعْطَى فَضْلَ مَالِهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ، وَمَنْ أَمْسَكَ فَهُوَ شَرٌّ لَهُ. وَلَا يَلُومُ اللَّهُ عَلَى كَفَافٍ 1

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَاتَ رَجُلٌ يَهُودِيٌّ وَلَهُ ابْنٌ مُسْلِمٌ فَلَمْ يَخْرُجْ مَعَهُ. فَذُكِرَ ذَلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: فَكَانَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ وَيَدْفِنَهُ وَيَدْعُوَ لَهُ بِالصَّلَاحِ مَا دَامَ حَيًّا. فَإِذَا مَاتَ وَكَلَهُ إِلَى شَأْنِهِ. ثُمَّ قَالَ: وَما كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ- إلى قوله- تَبَرَّأَ مِنْهُ لم يدع

«2»وَيَشْهَدُ لَهُ بِالصِّحَّةِ مَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وغيره عن علي رضي الله عنه. لَمَّا مَاتَ أَبُو طَالِبٍ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ. قَالَ:

»اذْهَبْ فَوَارِهِ وَلَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي «3» «فذكر تمام الحديث. وروى أنه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَّتْ بِهِ جنازة عمه أبي طالب قال: »وصلتك رحمة يا عم« وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ: مَا كُنْتُ لِأَدَعَ الصَّلَاةَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ، وَلَوْ كَانَتْ حَبَشِيَّةٌ حُبْلَى مِنَ الزِّنَا، لِأَنِّي لَمْ أَسْمَعِ اللَّهَ يَحْجُبُ الصَّلَاةَ إِلَّا عَنِ الْمُشْرِكِينَ، يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ الْآيَةَ.

وَرَوَى ابْنُ جَرِيرٍ ، «4»عَنِ ابْنِ وَكِيعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عِصْمَةَ بْنِ زَامِلٍ عَنْ أَبِيهِ. قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا اسْتَغْفَرَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ وَلِأُمِّهِ. قُلْتُ وَلِأَبِيهِ. قَالَ لَا. قَالَ إِنَّ أَبِي مَاتَ مُشْرِكًا. وَقَوْلُهُ: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا زَالَ إِبْرَاهِيمُ يَسْتَغْفِرُ لِأَبِيهِ حَتَّى مَاتَ. فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ. وَفِي رِوَايَةٍ لَمَّا مَاتَ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ. وَكَذَا قَالَ مُجَاهِدٌ وَالضَّحَّاكُ وَقَتَادَةُ وَغَيْرُهُمْ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَقَالَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وَسَعِيدُ بن جبير: إنه يتبرأ منه يوم القيامة حتى يلقى أباه. وعلى وجه أبيه القترة والغبرة. فَيَقُولُ: يَا إِبْرَاهِيمُ إِنِّي كُنْتُ أَعْصِيكَ وَإِنِّي اليوم لا أعصيك. فيقول أي رب ألم تعدني أن لا تخزني يوم يبعثون. فأي خزي

(1)انظر تفسير الطبرى. 489 /6

(2)انظر تفسير الطبرى. 491 ،490 /6

(3)أخرجه أبو داود فى الجنائز باب ،66والنسائى فى الطهارة باب ،127والجنائز باب ،84وأحمد فى المسند ،97 /1 ،103 ،130 ،131

(4)تفسير الطبرى. 491 /6

أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ، فَيُقَالُ انْظُرْ إِلَى مَا وَرَاءَكَ فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُتَلَطِّخٍ ، «1»أي قد مسخ ضبعا ثُمَّ يُسْحَبُ بِقَوَائِمِهِ وَيُلْقَى فِي النَّارِ.

وَقَوْلُهُ: إِنَّ إِبْراهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ: عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ الْأَوَّاهُ الدَّعَّاءُ. وَكَذَا رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ: عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ. وَقَالَ ابْنُ جَرِيرٍ «2»حَدَّثَنِي الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ منهال. حدثني عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَهْرَامٍ. حَدَّثَنَا شَهْرُ بْنُ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ قَالَ:

رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْأَوَّاهُ؛ قَالَ: »الْمُتَضَرِّعُ« قَالَ: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ عبد الحميد بن بهرام به. ولفظه قال الأواه الْمُتَضَرِّعُ الدَّعَاءُ.

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ مسلم البطين عن أبي الغدير. أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ مَسْعُودٍ عَنِ الْأَوَّاهِ فقال هُوَ الرَّحِيمُ. وَبِهِ قَالَ مُجَاهِدٌ وَأَبُو مَيْسَرَةَ عمر بن شرحبيل والحسن البصري وقتادة وغيرهما أي الرحيم أَيْ بِعِبَادِ اللهِ.

(1) الذبح بكسر الذال: ذكر الضباع. وذبح متلطخ: أي متلطخ برجيعه أو بالطين.
(2) تفسير الطبري 6/ 498.

خلاصہ تفسیر ابن کثیر

امام ابن کثیر اکثر مکاتب فکر کے درمیان جانے بھی جاتے ہیں اور مانے بھی جاتے ہیں۔ انھوں نے نفس مسئلہ میں اس آیت کریمہ کی وضاحت میں سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کے شان نزول کی تعداد میں خاص ترتیب رکھی ہے ان کے ہاں تقریباً اس آیہ کریمہ کے شان نزول کی تعداد ۸ یا ۹ ہے ملاحظہ فرمائیں

پہلا شانِ نزول

حسب عادت مفسرین، آپ نے بھی حضرت مسیب رضی اللہ عنہ والی روایت کو بیان کیا ہے جس کا مختصراً حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔
جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ کے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے پاس ابوجہل، عبداللہ بن ابی اُمیہ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا آپ لا الہ الا اللہ کلمہ پڑھ لیں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی حجت بیان کروں۔ یعنی آپ کو نجات دلاؤں گا۔ اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بولے اے ابوطالب آپ ملت عبدالمطلب سے روگردانی نہ کریں۔ یہ مسلسل اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ جو کلام ابوطالب علیہ السلام نے آخری فرمایا کہ میں ملت عبدالمطلب ہی کو پسند کرتا ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ضرور ضرور آپ کے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے روک نہ دے۔ بس فوراً یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ مشرکین ان کے انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں اور یہ بھی نازل ہوئی بے شک جسے آپ پسند فرماتے ہیں انھیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔

دوسرا شانِ نزول

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کر رہا تھا حالانکہ وہ دونوں یعنی شخص مذکورہ کے والدین مشرک تھے۔ پس میں نے اس شخص سے کہا تو ان کے لیے مغفرت کی دعاء کر رہا ہے حالانکہ وہ دونوں مشرک ہیں؟ اس پر وہ شخص بولا حضور والا ذرا غور تو فرماؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا فرمایا کرتے تھے حالانکہ ان کا چچا بھی تو مشرک تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سارا ماجرا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہہ سنایا۔ ابھی بات ہو رہی تھی کہ فوراً یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی کہ نبی اور ایمان والے مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا نہ کریں۔

نوٹ:۔ غور کیا جائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ساتھ بیتنے والا واقعہ بیان کیا اور آیت کا نزول شخص مذکور مانا۔ جبکہ مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو تو کوئی واقعہ درپیش ہی نہیں آیا لیکن انھوں نے مولائے کائنات کے والد گرامی پر یہ آیت تھوپ دی کیا یہی انصاف ہے؟ اہلِ علم وقت نظر سے غور کیوں نہیں فرماتے۔

تیسرا شانِ نزول

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھاٹی میں اُترے اور آپ کے ہمراہ ہم ایک ہزار کے قریب سوار تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں ادا فرمائیں پھر ہماری طرف چہرہ مبارک فرمایا۔ صورت حال یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے عرض کی ہمارے ماں باپ آپ پر قربان معاملہ کیا ہے؟ فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ مکرمہ کی خاطر طلبِ مغفرت کی اجازت چاہی تو مجھے میرے رب نے اجازت نہیں دی۔ اس لیے مجھے رونا آ گیا۔ اپنی ماں مبارکہ پر شفقت رحمت کے حوالے سے اور آگ کے حوالے سے۔ بیشک میں نے تمہارے لیے منع کیا تھا کہ زیارتِ قبور سے اور تین چیزوں سے منع کیا تھا۔ زیارت قبور سے پس اب اجازت دیتا ہوں تا کہ قبروں کو دیکھ کر عبرت ونصیحت ملے اور بھلائی ملے میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو تین دن کے بعد تک جمع رکھنا منع کیا تھا پس رکھ سکتے ہو یعنی تین دن سے زیادہ روک سکتے ہو گوشت اپنے پاس اور کھاؤ جتنا تمہارا جی چاہے میں نے تمہیں منع کیا تھا ان برتنوں کے استعمال سے جن سے عموماً شراب پی جاتی ہے۔ مگر اب ان میں پانی وغیرہ پی سکتے ہو۔ اور کوئی نشہ آور چیز استعمال نہ کرنا۔

اسی طرح ایک اور روایت میں بھی حضرت بریدہ اسلمی سے روایت ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ

میں تشریف لائے تو اپنی والدہ کریمہ سلام اللہ علیہا کی قبر پر آ کر بیٹھ گئے اور ان کی طرف مخاطب ہوئے پھر اٹھے اور عبرت والی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طاری تھی ہم نے عرض کی حضور کیا معاملہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب سابق فرمایا کہ میں نے اپنی ماں کے لیے طلب مغفرت کی اجازت مانگی مگر نہ ملی میرے رب سے۔ اس روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن سے زیادہ کبھی نہیں روئے۔ یعنی آپ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور کثرت سے روتے رہے۔

چوتھا شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبرستان کی طرف نکلے ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے نکلے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قبرستان کی قبور میں سے ایک قبر پر بیٹھ گئے اور بہت طویل مناجات فرمائیں۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر روئے ہم بھی زاروقطار روئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر ہمیں بھی بلایا پھر فرمایا تم لوگوں کو کس چیز نے رلایا ہے ہم نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رونے نے ہمیں رُلایا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کریمہ کے لیے مغفرت کی دعا مانگی اور طلب مغفرت کی اجازت چاہی مگر میرے رب نے قبر پر جانے کی اجازت دے دی لیکن طلب مغفرت کی اجازت نہیں دی اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی نبی (ترجمہ) اور مومنوں کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ مشرکین ان کے انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ پس میں غمزدہ ہو گیا جس طرح ایک بیٹا اپنی والدہ کے لیے غمزدہ ہوا کرتا ہے۔ میں نے تمہیں زیارت قبور سے روکا تھا اب حکم دیتا ہوں بے شک زیارت قبور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

پانچواں شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے جب واپس تشریف لائے اور عمرہ ادا فرمایا جب وادی عسفان میں اترے تو اپنے اصحاب سے فرمایا: کہ تم اس گھاٹی میں ٹھہر کر سستا لو اتنی دیر تک یہیں رہنا ہے جتنی دیر تک میں لوٹ کر واپس نہیں آجاتا پس چلے اور اپنی اماں کریمہ سلام اللہ علیہا کی قبر مبارک پر تشریف فرما ہوئے۔ وہاں آپ نے بڑی لمبی دعائیں اپنے رب سے مانگیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حد سے بڑھ کر روئے جب آپ کا رونا شدت اختیار کر گیا تو تمام لوگوں نے بھی رونا شروع کر دیا لوگوں نے گمان کیا کہ اس جگہ کوئی بھاری حکم آپ کی اُمت پر نازل کر دیا گیا ہے۔ جس کی آپ کی امت طاقت نہیں رکھتی بس جب اس حوالے سے سب لوگ زاروقطار روئے اتنے میں آپ واپس لوٹ آئے فرمایا تم

لوگ کیوں زاروقطار رو رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کی یا نبی اللہ ہم تو آپ کی شدت بکاء کی وجہ سے روئے ہیں۔ شاید آپ کی اُمت پر کوئی بھاری بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ جس کی طاقت آپ کی امت نہیں رکھتی فرمایا نہیں ایسا نہیں اصل بات یہ ہے کہ میں اپنی والدہ مبارکہ کی قبر انور پر حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے قیامت کے دن کے لیے ان کے حق میں حق شفاعت عطا فرمائے مگر اللہ تعالیٰ نے اس بات کا انکار کر دیا ہے پس مجھے رحم آیا آخر وہ میری ماں ہے اس وجہ سے میں پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ پھر جبریل علیہ السلام آ گئے انھوں نے مجھے کہا ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مغفرت ان کے چچا کے لیے ایک وعدے کی صورت میں تھی اور کچھ نہیں۔ پھر جب ظاہر ہو گیا کہ ان کا چچا کافر ہی مرا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا چھوڑ دی اور چچا سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ پس آپ پر بھی یہی لازم ہے کہ آپ بھی اپنی والدہ محترمہ سے بیزاری کا اظہار فرما دیں۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا نہ مانگیں۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا آپ ویسا ہی کریں۔ پس مجھے اپنی والدہ پر شدید رحم آیا کیونکہ وہ میری سگی ماں تھی۔ بعد ازاں میں نے اپنے رب سے چار چیزوں سے متعلق سوال کیا کہ یا اللہ میری اُمت سے ان چار چیزوں کو اٹھا لے پس دو چیزیں اٹھا لی گئیں اور دو چیزوں کو جوں کا توں رہنے دیا۔

۱۔ میں نے عرض کی مولا میری اُمت پر آسمان سے کبھی پتھروں کی بارش نہ کرنا فرمایا قبول ہے۔

۲۔ میں نے عرض کی مولا میری اُمت کو مجموعی طور پر غرق نہ کرنا فرمایا قبول ہے۔

۳۔ میں نے عرض کی مولا میری امت میں قتل و غارت گری نہ ہو۔ اسے قبول نہیں کیا گیا۔

۴۔ میں نے عرض کی مولا میری اُمت کو مصیبتوں سے دوچار نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ نے انکار کر دیا۔

راوی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی والدہ کریمہ کی قبر مبارک کدآء میں ہے۔ ایک روایت میں ہے عسفان میں ہے مسکین نے ہر دو مقام پر پہنچ کر پتہ کیا مگر وہاں نہیں تھی بلکہ ابواء شریف میں ہے جو عسفان سے جانب شمال مشرق 148 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے تفصیل کے لیے مسکین کی حرمت والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم کا مطالعہ مفید رہے گا۔

چھٹا شانِ نزول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کریمہ کی قبر پاک کی زیارت فرمائی۔ پس آپ روئے اور آپ کے اردگرد کے لوگ بھی روئے پھر آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی مغفرت کی اجازت چاہی مگر مجھے طلب مغفرت کی دعا کی اجازت نہ ملی ہاں قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ میں نے تمھیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا اب حکم دیتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہے (صحیح مسلم)

ساتواں شانِ نزول

حضرت علی بن طلحہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے شانِ نزول کی بابت بیان فرماتے ہیں کہ اہلِ اسلام اپنے مشرکین آباؤ اجداد کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی مخالفت کے لیے یہ آیت نازل ہو گئی۔ پس جب آیت نازل ہو گئی تو تمام مسلمان دعائے مغفرت سے رُک گئے جو مشرکین آباء اجداد کی بابت کیا کرتے تھے مگر زندہ مشرکین کے لیے مغفرت سے نہیں روکا گیا (کیونکہ اس دعا سے اُمید ایمان ہے) ہاں جب کوئی مشرک ہی مرے گا تو اس کے لیے مغفرت کی دعا نہیں۔

آٹھواں شانِ نزول

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کچھ اصحاب نے عرض کی یا نبی اللہ بے شک ہمارے آباء میں سے کچھ لوگ بڑے نیک سیرت ہو گزرے ہیں وہ ہمسائے سے نیک برتاؤ کرتے تھے۔ رشتوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے۔ مشکل میں پھنسے لوگوں سے تعاون کرتے تھے۔ ان کی مشکل کشائی کرتے تھے۔ محروم طبقات سے بھلائی کرتے تھے۔ کیا ہم ان کے لیے مغفرت کی دعا کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں کیوں نہیں۔ ضرور کرو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں بھی ضرور اپنے باپ چچا کے لیے مغفرت کی دعا ضرور کروں گا۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ یہاں تک کہ الجحیم تک تلاوت فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اصل وجہ بتائی کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی بابت جو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بھی اپنے چچا مشرک کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی دراصل انھوں نے اپنا کیا ہوا ایک وعدہ نبھایا تھا مگر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ چچا نے شرک پر ہی مرنا پسند کیا ہے تو اس وقت جناب ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے اور مغفرت کی دعا کو ترک فرما دیا۔ یہی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام فرماتے تھے کہ مجھے اس بات کی وحی کی گئی ہے جو میرے قلب و روح میں رچ بس گئی ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو مشرک مرے اس کے لیے مغفرت کی دعا نہ کروں جس نے زائد مال خیرات کیا وہ اس کے لیے بہتر ہے اور جس نے اسے روکے رکھا وہ اس کے لیے شر ہے کفایت شعاری کے مطابق گزر اوقات کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ملامت نہیں۔

نواں شانِ نزول

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ جب ابوطالب علیہ السلام کا وصال مبارک ہوا تو میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کر دی اے اللہ کے نبی آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے تو آپ نے فرمایا جاؤ اسے دفناؤ اور کسی سے بات نہ کرنا جب تک تم میرے پاس آ نہیں جاتے۔ اگلا حصہ دوسرے ماخذ سے عرض ہے۔ فرمایا میں نے ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں بارگاہِ رحمت میں حاضر ہوا ماجرا سنایا۔ اس پر آپ نے بہت دعائیں دیں اور غمزدہ ہو گئے۔ کئی دن تک گھر میں ہی رہے حتی کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔ نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگر چہ انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

نوٹ:۔ یہ روایت صدق نبوت سے بھی گری ہوئی ہے اور عظمتِ ولایت سے بھی گری ہوئی۔ اس کی پوری تحقیق اس کے مناسب مقام پر پیش کی جائے گی۔ تاہم یہ روایت روایت ہی نہیں۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو آیتیں ہیں اس روایت میں ایک آیت ہے توبہ کی۔ سورہ قصص کی آیت نہیں ہے۔ جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سورۃ قصص کی آیت ہے توبہ کی نہیں۔ ان تینوں روایات میں واضح تضاد ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ دلائل میں جب تضاد آ جائے تو دلائل غیر موثر ہو جاتے ہیں۔ یہ ہر سہ روایات باہم متضاد ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ کفرِ ابی طالب علیہ السلام میں کیسے مانی جا سکتی ہیں؟

تبصرہ ملاحظہ فرمائیے

(۱) تفسیر ابن کثیر نے نو (۹) مرتبہ شانِ نزول کو مانا ہے۔ آپ اُصولِ تفسیر کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں کسی بھی کتاب میں آپ کو اتنی مرتبہ شانِ نزول کا کوئی ضابطہ یا استقرائی قانون نہیں ملے گا۔ بلکہ کہیں بھی نہیں ملے گا۔ پورے قرآن کریم کی ہر ہر آیت کی بابت آپ جائزہ لے لیں۔ پورے قرآنِ مجید میں اس آیت کے علاوہ کوئی بھی ایسی آیت کریمہ نہیں ملے گی جس کا اتنی مرتبہ الگ الگ شانِ نزول کسی کو میسر ہو۔ آخر اس آیت کریمہ میں اتنے اسبابِ نزول اور شانِ نزول در آئے اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ اہل علم کی علمی ذمہ داری ہے کہ وہ ان وجوہات کی جستجو کریں اور بتائیں کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟

۲۔ تمام اسباب نزول کے ساتھ الگ الگ واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ تمام واقعات بیک وقت رونما ہوئے یا الگ الگ رونما ہوئے؟ اگر بیک وقت رونما ہوئے تو ایک جگہ پر ایک مقام پر یا الگ الگ مقامات پر؟ ظاہر ہے کہ ایک جگہ پر رونما ہونا بداہت عقل کے خلاف ہے۔ جبکہ الگ الگ رونما ہونا موجود بھی ہے۔ ممکن ہے اس پر مستزاد یہ ہے کہ ہر مقام کا راوی الگ ہے اور جب ایسا ہے تو واقعات بھی مختلف ہیں۔ مقامات

بھی مختلف ہیں۔ ظاہر ہے نزول آیت بھی مختلف اوقات اور مختلف مقامات کے اعتبار سے ہوگا بنا بریں اس آیت کا شان نزول متعدد مرتبہ ہوا اس تفسیر ابن کثیر کے اعتبار سے نو مرتبہ ہوا۔ ہر مرتبہ میں مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا نہ کرنے کی بابت ہوا۔ اب اگر ایسا ہی ہے اور واقعہ کے مطابق ہے تو ماننا پڑے گا کہ صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم از کم آٹھ مرتبہ وحی کی خلاف ورزی کی ہے۔

صورت اس کی یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ نزول وحی ہوئی تو اب نبوی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس وحی پر بھرپور جتنی اس پر عزم استقامت کے ساتھ عمل کرے تاکہ نبوی اعزاز پر حرف نہ آئے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے کہ پہلی مرتبہ نزول کے بعد نبی علیہ السلام نے آٹھ مرتبہ وحی کو توڑا ہے۔ خاص کر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت تو دو مرتبہ نزول وحی کو مانا گیا ہے علم قدرت نے ہر مرتبہ وحی کو توڑنے کے بعد پھر وحی نازل فرمائی تاکہ بار بار تاکید بھی ہوتی رہے۔ اس طرح ایک عظیم بالشان امر عدم استغفار للمشرکین تکمیل پذیر ہو سکے۔ نعوذ باللہ من ذالک الشر۔

نوٹ:۔ یہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ اسباب نزول آیت میں مختلف شخصیات اور مختلف مقامات کا ذکر ہے لہذا مختلف شخصیات اور مقامات کی بابت ایسا ہونا ممکن بھی ہے موزوں بھی اور بدیہی بھی ہے۔ جان من ایسی تجاہل عارفانہ ہے دیکھئے اگر ہر شخصیت کے لیے الگ سے شانِ نزول مانا جائے تو لازم آئے گا کہ مشرکین مکہ جتنے اشخاص ہیں ہر شخص کے لیے الگ سے نزول آیت ہوا ہے۔ اس اعتبار سے تو لاکھوں مرتبہ نزولِ آیت کو ماننا مجبوری بن جائے گا جو کہ خلاف اصل اور خلاف عقل ہے۔

غور فرمائیں عقل ٹھکانے آجائے گی حضرت ابوطالب علیہ السلام ایک الگ شخصیت ہیں ان کے لیے دو مرتبہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے مانی گئی حالانکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا نہ کفر و شرک سے کوئی تعلق ہے نہ ہی کفار و مشرکین سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہے۔ پھر بھی یار لوگوں نے ان کو شامل کر لیا ہے۔ اگر ان کا معروف ہونا باعث الزام ہے پھر کتنے لوگ گزرے ہیں کم از کم معروف شخصیات کفر کے اعزاز میں ہر ایک کے لیے اس آیت کا نزول الگ ماننا بڑا ضروری ہے۔ ورنہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی معروفیت کو بہانہ بنانا کائنات کی بدترین علمی خیانت متصور ہوگی۔

بہترین مشورہ

بہترین مشورہ یہی ہے کہ نزول آیت کو اس سادہ عظمت میں رہنے دیا جائے۔ جن کے اندر کفر و شرک کی نحوست ہے ان کے لیے اس کا شان نزول مانا جائے۔ حرم نبوت کے نفوسِ قدسیہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور محسنۂ عالمین مخدومۂ کائنات حضرت آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا کو اس آیت کے ضمن میں نہ گھسیٹا جائے کیونکہ ان کو کافر و مشرک کہنا کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔

آج تک کوئی مائی کا لال ان نفوسِ قدسیہ کا کفر وشرک نہ ثابت کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔ ذخیرۂ علم تفسیر میں یا حدیث میں ڈرامہ رچایا گیا۔ یہ الزام جھوٹ، فراڈ اور فساد ہے۔ اگر ہم نے اس ذخیرۂ علم کی الٹی گنتی شروع کر دی تو بہت کچھ اُدھڑ جائے گا۔ بھلائی اسی میں ہے کہ حرمِ نبوت کا احترام بہر صورت قائم رکھا جائے۔ اس سے اہل علم کا بھرم بھی رہے گا اور علمی تحقیق تو تیں بھی برقرار رہیں۔

۳۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ سورہ توبہ مکمل مدینہ طیبہ میں ذیقعدہ نو ہجری میں یکبارگی نازل ہوئی اور اس میں مشرکین مکہ سے قطع تعلق کا مکمل مضمون ہے۔ اب جتنے واقعات اس کے ساتھ منسلک ہیں ان میں سے کسی واقعہ کے وقوع کا تاریخ میں کوئی تعین نہیں کون سا واقعہ کس سن نبوی کو ہوا یا سن ہجری کو ہوا سوائے ابوطالب علیہ السلام کے ان کی بابت اتنا معلوم ہوا ہے کہ یہ دس سن نبوی کو مکہ میں فوت ہوئے یا محسنہ عالمین مخدومہ کائنات کی بابت معلوم ہوا ہے فتح مکہ کے بعد آقا علیہ السلام ان کی قبر اور پر تشریف لے گئے باقی مشرکین کی بابت جتنے واقعات ہیں ان کے وقتِ وقوع کا کوئی تاریخی تعین نہیں چونکہ کفار مکہ کے متعدد واقعات ہیں ان میں تدریج لازمی امر تھا کہ پہلے کونسا واقعہ رونما ہوا دوسرا کب ہوا؟ تیسرا کس وقت ہوا وغیرہ۔ اب متعینہ اور غیر متعینہ واقعات کا تقابل کیا جائے تو ترجیحاً متعینہ واقعات ہی اصل قرار پائے۔ غیر متعینہ واقعات کی بابت ذہن ان کی سچائی کی طرف جلدی مائل نہیں ہوتا جبکہ متعینہ واقعات میں رونما ہونے والے واقعات کی طرف ذہن جلد متفق ہو جاتا ہے۔ نیز اسے طمانیت قلب میسر آتی ہے۔ اب اس ترجیحی اعتبار سے یہ لگتا ہے کہ یہ مذکورہ آیت متعینہ اوقات میں رونما ہونے والے واقعات کے مناسب حال ہے لہٰذا معنی آیت کے اعتبار سے متعینہ اوقات میں رونما ہونے والے واقعات ہی اصل شانِ نزول قرار پائے۔

جب ایسا ہے تو طے یہ ہوا کہ اس آیت کریمہ کا مصداق اوّل ابوطالب علیہ السلام قرار پائے اور مصداق ثانی حضرت بی بی آمنہ۔ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ بات ترجیحاً ہے تو اس اعتبار سے دیگر کفار و مشرکین مکہ ابتداءً اس آیت کے مصداق بننے سے ہٹ گئے مگر مذکورہ دونوں نفوسِ قدسیہ مفسرین اور محدثین کے ہتھے چڑھ گئے اسی لیے انھوں نے ان نفوسِ قدسیہ کے خلاف خوب سیر حاصل بحث کی۔ انھیں کافر ثابت کرنے کے لیے مستقل کتابیں لکھیں۔ اس سے حرم نبوت کا تقدس پامال ہوا۔ اس کی عظمت کو آگ لگی مگر پھر بھی مذکورہ مفسرین، محدثین اس امت کے امام ہیں۔ ماشاء اللہ مجدد ہیں محدث ہیں۔ اب ان مفسرین اور محدثین کی علمی کاوشوں نے طے کیا کہ ان دونوں نفوسِ قدسیہ کے علاوہ نہ تو کوئی کافر تھا نہ مشرک۔ چونکہ یہ دونوں کافر تھے اور مشرک بھی۔ اسی لیے محل آیت بنے۔ سبب نزول آیت بنے۔ اس لیے ہم نے ان کو ترجیحاً آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ کیا خوب اندھی تحقیق ہے۔

نوٹ:۔ جب ان محدثین ومفسرین سے چیلنج کے طور پر مطالبہ کیا جاتا ہے آپ نے جن مقدس نفوس قدسیہ پر کفروشرک کا الزام لگایا ہے کیا آپ کسی قطعی یقینی دلیل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ انھوں نے کبھی زندگی میں کسی ایک لمحہ کے لیے بھی کفروشرک کا ارتکاب کیا ہے تو تمام مفسرین محدثین اس مطالبے پر سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے طبلہ نواز آئیں بائیں شائیں صفائی دینا شروع کر دیتے ہیں میدان میں کھڑے ہو کر جواب دینے سے گریز کرتے ہیں۔

پھر سوال کرتے ہیں

اگر آپ ان نفوس قدسیہ پر کفروشرک کا الزام کسی قطعی یقینی دلیل سے ثابت نہیں کر سکتے تو آیت کا مصداق کس کو بناؤ گے؟ کیونکہ دوسرے کفارو مشرکین کو تو آپ نے مرجوحاً اس آیت کے مصداق بننے سے دور ہٹائے رکھا نہ ان پر ان کے کفر کی بابت کوئی مستقل کتاب لکھی نہ تفصیلی تبصرے کیے نہ وضاحتیں کیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اور جب ایسا ہے تو آیت کا نزول بے محل ہے۔ کیونکہ ان دونوں نفوس قدسیہ پر آپ الزام ثابت نہ کر سکے دیگر کفار مکہ کو آپ نے آیت کا مصداق ہونے سے ہٹائے رکھا پہلی صورت تو آپ کی مجبوری تھی کہ آپ نے ان پر کچھ ثابت نہ کیا دوسری صورت آپ کا شوق تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ یقیناً کفار مکہ کے بدیہی کفر پر ضرور ضخیم کتابیں لکھتے۔

بہر حال غور وفکر آپ کے ذمے رہا۔ حرم نبوت کے نفوسِ قدسیہ ابوطالب علیہ السلام اور محسنہ عالمین سلام اللہ علیہا پر کفروشرک کا الزام تو نری بکواس ہے اس کا کہیں کوئی یقینی وجود نہیں یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ہم اسی آیت میں ہی غور کر لیتے، اس آیت کریمہ کا کسی بھی اعتبار سے ان نفوس قدسیہ سے کوئی تعلق نہ ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں۔

محسنۂ عالمین کی بابت بیان کردہ روایات کا علمی جائزہ

مکمل تفصیلات کو آپ فقیر مسکین کی کتاب حرمتِ والدین مصطفیٰ اور قرآن عظیم میں ہی پڑھ سکیں گے تاہم جزوی مطالعہ کے مطابق محسنہ عالمین کی قبر مبارک کتنے مقامات پر ہے مسکین نے خود جا کر ان مقامات کی زیارت کی۔ ان مقامات کی کل تعداد قریباً آٹھ ہے۔ ۱۔ ابواء۔ ۲۔ عسفان۔ ۳۔ ربیع الحجون۔ ۴۔ کدآء۔ ۵۔ کدئی۔ ۶۔ دار رائعہ۔ ۷۔ کدئی ۸۔ مقابرہ۔ ہر ایک مقام سے متعلق ایک مستقل روایت ہے۔

زیر بحث آیت کو اس روایت کا حصہ بنایا گیا ہے یہی کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ بعض روایات میں واقعہ کا ذکر ہے مگر آیت کو اس ضمن میں بیان نہیں کیا گیا اور بعض روایات میں واقعہ بھی ہے ساتھ آیت بھی منسلک ہے۔

حیرت در حیرت ہے کہ جہاں اصل مدفن شریف ہے وہاں آیت نہیں اور جہاں آیت ہے وہاں مدفن نہیں۔ یہ کیسا انوکھا جھوٹ

ہے جو ظاہر ہے مگر ظاہر کیا نہیں۔

۲۔ روایت کرنے والے کل راویوں کی تعداد کتنی ہے یہ تعداد صرف تفسیر ابن کثیر کے اعتبار سے ہے۔ کل راویوں کی تعداد پانچ ہے تفصیل ان کی یہ ہے۔

(الف) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انھوں نے اپنی روایت میں مدفن شریف کا مقام المقابرہ کا تعین کیا ہے نجانے کس شہر قریہ کا یہ مقابرہ (قبرستان) ہے۔ اس روایت کے ساتھ آیت بھی منسلک ہے۔ غالباً مکہ ہے کیونکہ کتب سیر میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(ب) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انھوں نے مدفن شریف کا مقام عسفان کو قرار دیا ہے یہ مکہ سے جانب مدینہ قریباً اسی کلومیٹر دور ہے الحمدللہ میں یہاں تین مرتبہ گیا ہوں۔

(ج) حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ انھوں نے ابن کثیر کے مطابق کسی مقام کا تعین نہیں کیا دوسری تفاسیر میں کدئی کا مقام متعین ہے۔ ان کی ایک روایت میں عسفان ہے۔

(د) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی روایت بیان کی مگر مقام کا تعین نہیں کیا نہ ان کی روایت میں آیت ہے۔

(و) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حجون کے مقام کو مدفن بیان کیا ہے مگر اس میں احیائے ابوین والی روایت ہے۔

مقامِ حیرت ہے

صحیح حدیث کے مطابق محسنہ عالمین کا مرقدِ منور ابوا شریف میں ہے جو ساحل سمندر قریہ مستورہ طریق ینبع البحر میں واقع ہے جو مکہ سے 275 کلومیٹر دور ہے۔ مدینہ منورہ سے 250 کلومیٹر دور ہے اور عسفان سے 160 کلومیٹر دور جانب شمال مشرق ہے مقابرہ اگر مکہ میں ہے تو اس سے 275 کلومیٹر دور ہے۔ کداء سے 300 کلومیٹر دور ہے الحجون سے 900 کلومیٹر دور ہے ربع الحجون سے 275 کلومیٹر دور ہے۔ کدئی سے 300 کلومیٹر دور ہے۔

یہ عرش نشان مرقد اتنی دوریوں پر واقع ہے روایات اور آیت میں بیان کردہ دیگر مقامات اتنی دوریوں میں واقع ہیں مگر رحمت عالم ﷺ کی موجودگی ہر جگہ بتائی گئی ہے یہاں احتمال ہے کہ موجودگی بیک وقت کی ہے کہ مختلف اوقات کی۔ اگر بیک وقت کی موجودگی کا تصور ہے تو جبریل علیہ السلام کو مذکورہ آیتِ کریمہ لے کر چار مرتبہ بیک وقت نازل ہونا پڑا۔ اتنی اتنی دوریوں پر پانچویں مرتبہ مدینہ طیبہ میں ۹ ہجری ذیقعدہ کو حاضر ہونا پڑا۔ جبکہ ان وقوعہ جات کی تاریخ فتح مکہ ہے جو آٹھ ہجری کو ہے اس میں کسی بھی صورت نہ علمی مناسبت ہے نہ جغرافیائی مناسبت ہے اور اگر جملہ مقامات میں الگ الگ اوقات میں موجودگی ہے تو

پھر نزول آیت کی تعداد میں اور اضافہ ہے۔اب تعداد چودہ سے بڑھ کر اٹھارہ مرتبہ ہو جائے گی جو نہایت عجیب ہے۔
اگر مفسرین کی رائے جو اتفاقاً ہے ۹ ہجری کے آخیر ذیقعدہ کی بابت ہے تو پھر مذکورہ وقوعہ جات سے آیت کا تعلق
کیونکہ جبریل امین علیہ السلام تو مدینہ طیبہ میں یہ آیت لے کر آئے ہیں جو متفق علیہ ہے۔سورہ بھی مدنی ہے
حدود مدینہ میں ہی نہیں بلکہ مکہ اور اردگرد کے علاقہ سے ہیں۔حیرت ہے کہ نبی ان چار مقامات پر ہوں اور جبریل امین ان چار
مقامات کے علاوہ صرف مدینہ میں ہو اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ ان چار مقامات پر جبریل علیہ السلام
بیک وقت آئے تھے حکم ربی آیت کی صورت میں پیش کر گئے تھے تو مدینہ طیبہ میں بقول تمام مفسرین کیا لینے
پونے دو سال بعد ان واقعات کے؟

کیا تجدید عہد کے لیے آ گئے تھے یا ابوطالب علیہ السلام کے کفر کی یاد دہانی کرانے گئے تھے۔یہ اہل علم ہی بتا سکتے ہیں
بھی امام واحدی سے کہا جائے کہ جناب بولیے آپ کے بولنے کا وقت آ گیا ہے فرما دیجیے کہ "محتمل"
رحمت دو عالم ﷺ آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے دوران والدہ کریمہ کی قبر پر آٹھ مقامات ہوں ہر مقام پر طلب مغفرت کی
اجازت چاہی ہر مقام پر قدرت نے انکار کر دیا ہو۔آیت نازل فرمائی ہو۔تئیس ماہ بعد جبریل علیہ السلام مدینہ ہی میں دوبارہ
حاضر ہوئے ہوں اور نزول آیت کے ذریعے طلب استغفار سے نبی اکرم ﷺ کو روک دیا گیا ہو۔ہوسکتا ہے کہ قبر انور پر
حاضری سے لے کر مسلسل تئیس ماہ تک مسلسل آپ ﷺ نے اپنی والدہ کریمہ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی ہو اور مسلسل
فرماتے رہے ہوں تا آنکہ جبریل علیہ السلام نے اس تسلسل کو کئی ماہ بعد آ کر توڑ دیا ہو جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت ابو
طالب علیہ السلام کی بابت کی جانے والی نبوی دعاء کے تسلسل کو تیرہ سال بعد آ کر توڑ دیا تھا۔حالانکہ تیرہ سالہ تسلسل توڑنے کی
بنسبت تئیس ماہ کا تسلسل توڑنا زیادہ آسان تھا۔یا ہمارے برصغیر پاک و ہند کے عظیم مجدد دین و ملت ہی ھانہ انہ کی طرح کوئی
وضاحت ہی فرما دیں مگر وہ یہاں ایسا نہیں کر سکتے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے شمول الاسلام نامی
کتاب لکھ کر آقا علیہ السلام کی والدہ کریمہ کی تکریم میں اپنی مودبانہ حاضری لگوا دی ہے۔

تاہم یہ بات۔۔۔ان کو ملحوظ رکھنی چاہیے تھی کہ جن روایات میں حضور ﷺ کی والدہ کریمہ کی عظمتوں کے خلاف مضمون ہے وہ
روایات متصل بھی ہیں مرفوع بھی ہیں مسند بھی ہیں اور ان روایات میں راوی بھی کثیر ہیں۔یہ دونوں علمی تو تیں حضرت مسیب
رضی اللہ عنہ والی روایت میں نہیں ہیں جب ایسا ہے اور یقیناً ہے تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے تکفیری افسانے والی کتاب
نہ لکھوں۔میرا ظن غالب یہی کہتا ہے کہ اگر ہمارے بزرگ موصوف علیہ الرحمہ نے یہ سوچا ہوتا تو یقیناً یہ کتاب کبھی نہ لکھتے
کیونکہ حرم نبوت سے محبت ان کے لیے ایمانی معراج ہے تبھی تو اپنے ذوق عظمت سے فرمایا:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

طے یہ ہوا کہ رحمت عالم ﷺ کی والدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی بابت یہ۔۔۔۔۔۔ جھوٹ من گھڑت کہانی ہے۔ بے محل روایات اس پر آیت قرآنی کا ناجائز استعمال یہ سب فراڈ ہے۔ بے حقیقت گھناؤنی سازش ہے۔ اتنی تو انڈیا بم پر گولہ باری نہیں کرتا جتنی روایت گروں نے روایت سازوں نے حرم نبوت پر روایتوں کی سنگ باری کر دی ہے۔ حرم نبوت کو آگ لگانے کی کوشش کی ہے۔

الحمد للہ افقیر مسکین نے تمام روایتوں کا رُخ روایت گروں ہی کی طرف موڑ دیا ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل کتاب حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے تقدس میں لکھی ہے اہل محبت ان کی طرف رجوع کریں حرمت والدین مصطفیٰ اور قرآن عظیم میں ناچیز نے انھی فراڈ روایات کا جواب دیا ہے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اسے منظر عالم پر لانے کی توفیق بخشے آمین۔

روایت گروں کی دادا گیری اور حقیقتِ حال

آج تک کسی بھی روایت گر نے یہ نہیں سوچا کہ شہنشاہ دو عالم حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام شفاعت عطا فرمایا ہے کہ شفاعت کبریٰ بھی آپ کے نام کر دی۔ جس کا فیض پوری انسانیت کو پہنچے گا بروز قیامت ہر کافر اور مشرک مسلم وغیر مسلم سب کو اس شفاعت کے نور سے نوازا جائے گا بلکہ تمام انسانیت اس وقت کریم آقا علیہ السلام کی بارگاہ رحمت سے شفاعت کی بھیک مانگے گی۔ مگر یہ کسی روایت میں نہیں آیا کہ سید عالم ﷺ اس وقت اللہ تعالیٰ سے طلب اذن شفاعت کریں گے۔

یا اللہ اگر اجازت ہو تو میں ان کی شفاعت آپ کی بارگاہ عظمت میں کروں؟ بلکہ اس وقت نبوی زبان حق ترجمان پر وجاہت کے مقام کے لحاظ سے ہوگا "اَنَا لَہَا" ہاں! آج یہ میری ہی شان ہے کہ میں تمام انسانیت کے لیے شفاعت کروں گا حالانکہ ان انسانی افراد ہی میں بڑے بڑے فراعنہ ہوں گے۔ نمرود، ہامان، شداد، ابو جہل، شیبہ، ولید بن مغیرہ اور اخنس بن شریک جیسے متکبر ہوں گے مگر شانِ شفاعت کا فیض انہیں ابتداءً ملے گا۔ یہ بات تمام مکاتب فکر کے ہاں مسلم ہے وہاں "اَنَا لَہَا" کی شان کا اظہار ہوگا۔

حیرت اس بات پر ہے کہ کائنات کے کسی بھی فرد کے لیے طلب شفاعت کی اجازت نبی نہیں مانگتے خواہ کوئی ہو مگر جب اپنی والدہ کریمہ کی شفاعت کا خیال آیا تو قانون طلب اجازت حرکت میں آ گیا؟ نبی مغفرت کی دعاء کی اجازت چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتا؟ آج خسیس سے خسیس انسان بھی شفاعت کی امید لگائے بیٹھا ہے۔ دعائیں کر رہا ہے لیکن نبی میرے لیے تو شفاعت کا بازو دراز فرما دیں اور اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ چاہیں مگر جیسے ہی اپنی محسنہ ماں کی مغفرت کا خیال

آ ئے تو اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگنے کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ آیت کریمہ نازل کردے کہ یہ مشرکہ ہیں ان کے لیے مغفرت کی دعاء نہ مانگیں۔ کہیں نظام قدرت میں خلل نہ ہو۔ نعوذ باللہ۔

اس روایت کے مطابق تو اللہ تعالیٰ کی پوری کائنات میں کوئی بھی مشرک نظر نہیں آیا سوائے اپنے محبوب مکرم ﷺ کی والدہ کریمہ کے۔ استغفر اللہ۔ پورے اہتمام کے ساتھ پوری آیت نازل فرمادی۔ یہ ہے روایت گروں کی واداگیری اور حرم نبوت کے ساتھ کی گئی جارحیت و بربریت۔

اب ذرا ان روایات کی جزوی تفصیل میں اُترتے ہیں کل آٹھ مقامات ہیں۔ جہاں رحمت عالم ﷺ کی والدہ کریمہ کو دفن کیا گیا ہے۔ یہ کتنا بڑا مذاق ہے روایت گروں کا؟ آخری قبر حجون میں ہے جس سے ان کو نکال کر زندہ کیا گیا۔ کلمہ پڑھایا گیا پھر دوبارہ قبر میں داخل کردیا گیا۔ یہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

روایت گروں کا بھولا پن

نبی رحمت ﷺ چھ سال کے تھے۔ والدہ کریمہ کا وصال ہوگیا۔ عمر مبارک چالیس تک پہنچی تو اعلان نبوت فرمایا۔ اعلان نبوت کے اکیس سال بعد نبی کریم کو اپنی ماں مبارکہ کی مغفرت کا خیال آیا۔ یہ وہی نبی ہیں جنھیں پیدا ہوتے پہلے دن، پہلے لمحے اُمت کے خیال نے بے قرار کردیا۔ فوراً سر سجدے میں رکھا اور طلبِ مغفرت کے لیے حضورِ صمدیت الٰہی میں گڑگڑائے پوری حیاتِ عصمت میں یہ تسلسل جاری رہا۔ قبر میں اترتے وقت بھی یہی بات رہی۔ اب بھی اسی جذبے سے روضہ انور میں دعائیں مانگ رہے ہیں۔ آغازِ قیامت تک یہ تسلسل جاری رہے گا۔ قیامت کے بعد تو تاج شفاعت پہنے تشریف لائیں گے یہی ہوگا صرف اس سارے عرصے میں سب یاد رہے اگر نہیں یاد تو اپنی ماں یاد نہ اپنا باپ۔ جن کی بابت فرمایا "اَنَا مُصْطَفٰی مِن مُصْطَفَیِیْن" میں دو مصطفاؤں سے مصطفیٰ ہوں۔ (البحرالمدید)

ہے کائنات میں کوئی جسے کوئی اعزاز ملے وہ اپنے ماں باپ کو اس موقع پر بھول جائے۔ ہر بیٹے کے ارمان ہوتے ہیں کہ میری ہر شان کو میرے ماں باپ دیکھیں لطف اندوز ہوں خوشی سے نہال ہوں مزید دعائیں دیں۔ مگر روایت گروں نے رسول اللہ ﷺ کو یکسر ان ارمانوں سے دور رکھا۔ ان محبت بھرے لمحات سے الگ رکھا۔ ایسی زہر افشانی کی کہ حقیقت شرما گئی۔ عظمت کو پسینہ آگیا۔ محبتوں میں کڑواہٹ آگئی۔ کلمہ بھی اسی نبی کا پڑھتے ہیں اور اسی نبی کی ماں کو کفر و شرک کی گالیاں بھی دیتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ روایت گروں کے یہ کرتب ہیں ایسے تو شعبدہ باز بھی نہیں کرتے جیسے یہ روایت گر کر گزرے ہیں حرم نبوت کو کبھی کسی کافرنے کافر ہو کر ماں کی اس طرح گالی نہیں دی جو کلمہ پڑھ کر روایت گر گالی دے رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

روایت گروں کا تجاہل عارفانہ

تمام روایت گروں کی دانستہ جہالت کا حال دیکھو کہ سینکڑوں میل دور رسول دو عالم ﷺ کو مدینہ طیبہ سے لے گئے فتح مکہ کے دن محسنۂ عالمین مخدومہ کائنات کے مزار پرانوار پر وہاں لے جا کر کہا کہ نبی نے اپنی ماں کی مغفرت کی دعا کی اجازت چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے سختی سے روک دیا اور کہا مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کرنی۔ یہ روایت گر کتنے ہوشیار ہیں نبی کریم ﷺ کو کھینچ کر اتنی دور لے گئے اور سب ڈرامہ رچایا مگر نبی کریم ﷺ کو اپنے پیارے والد گرامی محسن عالمین مخدوم کائنات حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر مبارک پر جانے کی اجازت نہیں دی۔ حالانکہ ان کی قبر مبارک مدینہ طیبہ میں کاشانہ نبوت کے بالکل قریب ہے۔ صرف چند قدم کا فاصلہ ہے۔ (اب وہ جنت البقیع میں آرام فرما ہیں) مگر پھر بھی روایت گر اس بات پر بضد ہیں "اَبِیْ وَ اَبَاكَ فِی النَّارِ" کیا ہوش ربا مکاری ہے۔ رسول ﷺ دس گیارہ سال مدینہ میں نہ تو والد گرامی کی قبر پر گئے اور نہ ہی ان کے ساتھ 14 محترم صحابہ کرام کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ حالانکہ آپ کا معمول رہا ہفتہ وار سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر جانے کا۔ مگر روایت گروں کی موج ہے جہاں ان کا دل چاہے وہاں رسول کو جانے دیں جہاں دل نہ کرے نہ جانے دیں۔ تھوڑی سی تفصیل میں اترتے ہیں۔

اُمورِ معلومہ میں غور کیجیے

ا۔ یہودیوں کی پروردہ سعودی حکومت کا دماغ بھی ویسے ہی خراب ہے جیسے روایت گروں کا خراب ہے۔ نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ کی قبر مبارک کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ ابواء شریف میں مگر جب مسجد نبوی شریف کی توسیع کرتے ہیں تو دیگر صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی محسن عالمین مخدوم کائنات حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام کا جسدِ اقدس بھی مع ان کے ساتھ برآمد ہوتا ہے جس سے خوشبوؤں کے غلے اٹھتے ہیں اور سارا مدینہ معطر ہو جاتا ہے پھر انھیں جنت البقیع میں سپردِ رحمتِ الٰہی کیا جاتا ہے۔ یہ عظیم منظر سعودیہ کی بدحکومت غاصب حکومت اپنی آنکھوں سے تکتی ہے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے فضائے مدینہ بھی گونجتی ہے۔ مگر پھر بھی مسلم شریف میں درآمدی جملے ابی و اباک فی النار کا راگ الاپا جاتا ہے اس کے چند سال بعد یہ ملعون حکومت وہاں کے پلید ملاں ازم کے کہنے پر ابواء شریف میں والدہ مصطفیٰ ﷺ کے روضہ عرش نشاں کی توہین کر دیتے ہیں قبر مبارک مسمار کر دیتے ہیں۔ یہ کیسا دوہرا معیار ہے یہ کیسی دانستہ جہالت ہے؟ یہ فراڈ اور فساد روایت گروں کی داداگیری کا ہے۔

حقیقتِ حال پر غور فرمائیں

ا۔ صحیح مسلم میں دو روایتیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں عدم استغفار کے حوالے سے۔ نبی کی ماں کے لیے دعا مغفرت کی دعا کی اجازت نہیں ملی۔ مگر اس روایت میں قبر انور کے محل وقوع کا کہیں ذکر نہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس حوالے سے مقام کا تعین کوئی مقابرہ ہے نجانے کہاں کا مقابرہ ہے۔ قبرستان ہے سیرت نگاروں نے اس سے مکہ کا قبرستان مراد لیا ہے۔ (شرف المصطفیٰ)

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے حوالے سے مقام کا تعین عُسفان ہے جو کہ اسی میل جانب مدینہ ہے۔

۴۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق مقام روایت عسفان ہے مگر یہاں ہزار سواروں کا اضافہ ہے۔

۵۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بسند ضعیف احیائے ابوین کی روایت میں مقام روایت الحجون ہے۔

۶۔ ایک روایت میں ہے "ھِیَ مَدفُونَۃٌ تحت کَدَاء"۔

۷۔ ایک روایت میں ہے "ھِیَ مَدفُونَۃٌ تحت کِدٰی" ہے۔

۸۔ ایک روایت میں ہے "ھِیَ مَدفُونَۃٌ تحت کُدٰی" ہے۔

۹۔ ایک روایت میں ہے "ھِیَ مَدفُونَۃٌ تحت دارِ رائِعہ" ہے۔

۱۰۔ ایک روایت میں ہے "ھِیَ مَدفُونَۃٌ ربع الحجون" ہے۔

۱۱۔ ایک صحیح حدیث کے مطابق مدفن مبارک ابواء شریف ہے۔ (مزید تحقیق جاری ہے)۔ ایک روایت میں وذان ہے تاہم ان گیارہ مقامات میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا گیا ہے ظاہر ہے ہر مدفن پر حضور ﷺ پہنچے ہوں گے دعا کی ہو گی مگر اجازت نہ ہو گی۔ کیونکہ ہر راوی نے اپنا مشاہدہ یہی بیان فرمایا ہے کہ اجازت نہیں ملی۔ آیت کے ذریعے روک دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک قبر پر رحمت عالم ﷺ نے بار بار اصرار کیا۔ دعا میں تضرع زاری کی مگر پھر بھی اجازت نہ ملی بلکہ رسول دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ دیا اور بہت زیادہ ڈانٹا "فَزُجِرتُ زجراً" کے الفاظ ملتے ہیں۔ پھر بارہویں مرتبہ تاکید اجبریل علیہ السلام یہی آیت لے کر مدینہ منورہ میں ۹ ہجری کو آ گئے۔ اب تو اس آیت کا نزول چھبیس مرتبہ ماننا پڑے گا؟ معاملہ کتنا شدید تھا۔ بڑے اہتمام کے ساتھ ان کے لیے دعائے مغفرت سے روکنا پڑا۔ اگر بات اتنی ہی سنگین تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ماں اپنے محبوب کو کیوں دی؟ کوئی اچھی ماں دے دیتا تاکہ اتنا تردد نہ کرنا پڑتا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

قارئین محترم یہ ہے روایت گروں کی قلابازیاں ایک جھوٹ چھپانے یا ثابت کرنے کے لیے مزید سو (100) جھوٹ بولے

گئے۔ قرآنی آیات کا مذاق اڑایا گیا۔ قلب محمد کو زخمایا گیا ہم پھر بھی امام ہیں محدث ہیں مجدد ہیں فقیہہ ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

نوٹ:۔ جب رسول دو عالم ﷺ کے ماں باپ بھی روایت گروں کی زد سے نہیں بچے تو جناب ابوطالب علیہ السلام کا بچنا کیسے ممکن تھا۔

نوٹ: مکمل تفصیلات کے لیے مسکین کی کتاب حرمت والدین مصطفیٰ اور قرآن عظیم کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

دادا گیر روایت گروں کی ابوطالب علیہ السلام پر یلغار

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کا تو آپ نے مکمل تحقیقی جائزہ ملاحظہ فرمالیا۔ جس طرح والدہ رسول ﷺ کو کافر و مشرک بنانے کے لیے دادا گیری کرنے والے روایت گروں نے متعلقہ آیت توبہ کا نزول چھبیس مرتبہ مان لیا ہے عین ایسے ہی حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر و مشرک ثابت کرنے کے لیے بھی روایت سازوں نے اس آیت کو کئی مرتبہ نازل کر لیا ہے مگر جس طرح وہاں ناکام رہے یہاں بھی بفضل تعالیٰ ناکام ہی رہیں گے۔

پہلی مرتبہ انھوں نے اس آیت کا نزول اس وقت مانا ہے جب حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنی سانسوں کی خیرات تقسیم فرما رہے تھے۔ وصال مبارک کے چند روز بعد ہی اس کا نزول مان لیا۔ بطور حوالہ پہلے حضرت مسیب کو لائے جب بات نہ بن پائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو سامنے لا کھڑا کیا۔ ساتھ ہی کہہ دیا کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کے صحیح ماننے سے یہ خود اہل محبت کے نرغے میں پھنسے ہوئے نظر آئے پھر انھوں نے حضرت مسیب بن حزن کی روایت ہی میں چھپ جانا اپنی عافیت سمجھی۔ اگر کسی نے گرفت کی کہ وقوعہ کے وقت سے لے کر ذیعقدہ نو ہجری تک بارہ سال کا دورانیہ بنتا ہے نزول آیت کا تو پھر دور از کار تاویلات کے دامن میں چھپنے میں ہی عافیت سمجھی مگر فقیر پر تقصیر نے انھیں وہاں سے نکال لیا ہے۔ اب ان کے پاس بھاگ جانے کا راستہ ہی کوئی نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنا علمی رعب مجھ پر ڈالیں۔ مگر اب یہ بھی نہیں چلے گا۔ زمانے کی آنکھیں چار ہوگئی ہیں علمی ذخائر ہر ایک کے سامنے آگئے ہیں۔ رہا صحیح مسلم میں ضحضاح والی روایات تو وہ صرف فضول ہیں کیونکہ اب وجہ ضحضاح ہی نہیں رہی تو ضحضاح کیسا؟ اب اگر پھر بھی بضد ہیں تو روایات ضحضاح کا بھی کچا چٹھا ہم ضرور کھولیں گے ان کا حشر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی سازشی روایت سے بھی زیادہ عجیب ہوگا۔ وہ بھی قرآن و سنت کی روشنی میں۔ انتظار فرمایئے تاہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ صحیح مسلم میں ضحضاح پر مبنی چار روایات ہیں۔

۱۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے حوالے سے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے۔

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے۔
۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے۔

تفصیل

۱۔ پہلی روایت میں ایک راوی محمد بن عبدالملک بن مروان بن الحکم الاموی ہے دشمن اہلبیت نبوت ہے یا ان سے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ متعصب راوی کی روایت اس کے مخالف کے خلاف قابلِ قبول ہی نہیں کیونکہ راوی کا تعصب ہی اس کی روایت کا سقم ہے۔ مزید عقل میں خلل ان پر الگ جرح ہے۔

۲۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھاگ کر قبول کیا جاتا ہے جو کہ قابلِ قبول ہی نہیں تو اس روایت کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا جس میں ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا یا رسول اللہ ﷺ ابوطالب علیہ السلام کی خدمت کا آپ انھیں کیا صلہ دو گے تو آپ ﷺ نے فرمایا "کُلّ خیر" میں اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دامن کو خیر سے بھر دوں گا۔ بولیے جناب اس معارضے کا جواب کیا دو گے؟ تمام تفصیلات اپنے اپنے مقام پر پیش کروں گا (فریدی)

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کی بابت صرف اتنا کہوں گا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سات سن ہجری محرم خیبر کے دن اسلام لائے۔ یہ تو مکہ گئے ہی نہیں ان کو وقوعہ کا علم کہاں سے آ گیا ہے۔ وہ ذریعہ علم کی نشاندہی فرما دیں ہم مان لیں گے ورنہ ان کا یہ اپنا ذاتی قول ہے۔ اور بلا سند ہے۔ ثبوتِ الزام میں کسی بھی طرح قطعاً قابلِ قبول ہی نہیں مکمل تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۴۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کی مکمل تفصیل تو مناسب مقام ہی پر پیش کی جائے گی۔ سردست اتنا عرض ہے کہ ثبوت الزام میں لائق اعتناء ہی نہیں۔ وجہ صحاح ہی نہیں رہی تو اب صحاح کی کیا حقیقت ہے۔ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دو راوی ضعیف ہیں متکلم فیہ ہیں قابلِ اعتناء ہی نہیں تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے تین راوی مجروح ہیں یہ تو مفید ظن بھی نہیں ہو سکتی۔

امام مفسرین حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی معروف زمانہ تفسیر درِّ منثور کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

"أخرج ابن أبي شيبة وأحمد والبخاري ومسلم والنسائي وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم وأبو الشيخ وابن مردويه والبيهقي في الدلائل عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب

الْوَفَاة دخل عَلَيْهِ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَعِنْده أَبُو جهل وَعبد الله بن أبي أُميَّة فَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَي عَم قل لَا إِلَه إِلَّا الله أحاج لَك بهَا عِنْد الله

فَقَالَ أَبُو جهل وَعبد الله بن أبي أُميَّة: يَا أَبَا طَالب أترغب عَن مِلَّة عبد الْمطلب وَجعل النَّبِي يعرضها عَلَيْهِ وَأَبُو جهل وَعبد الله يعاودانه بِتِلْكَ الْمقَالة فَقَالَ أَبُو طَالب آخر مَا كَلمهمْ: هُوَ على مِلَّة عبد الْمطلب وَأبي أَن يَقُول لَا إِلَه إِلَّا الله فَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: لأَسْتَغْفِرَن لَك مَا لم أَنه عَنْك

فَنزلت {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا للْمُشْرِكين} الْآيَة

وَأنزل الله فِي أبي طَالب فَقَالَ لرَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم {إِنَّك لَا تهدي من أحببت وَلَكِن الله يهدي من يَشَاء} (الْقَصَص الْآيَة 56

وَأخرج الطَّيَالِسِي وَابْن أبي شيبَة وَأحمد وَالتِّرْمِذِيّ وَالنَّسَائِيّ وَأَبُو يعلى وَابْن جرير وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم وَأَبُو الشَّيْخ وَالْحَاكِم وَصَححهُ وَابْن مرْدَوَيْه وَالْبَيْهَقِيّ فِي شعب الإِيمان والضياء فِي المختارة عَن عَليّ قَالَ: سَمِعت رجلا يسْتَغْفر لِأَبَوَيْهِ وهما مُشْرِكَانِ فَقلت: تستغفر لِأَبَوَيْك وهما مُشْرِكَانِ فَقَالَ: أَو لم يسْتَغْفر إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ فَذكرت ذَلِك للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَنزلت {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا للْمُشْرِكين} الْآيَة

وَأخرج ابْن جرير وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم وَابْن مرْدَوَيْه من طَرِيق عَليّ بن أبي طَلْحَة عَن ابْن عَبَّاس قَالَ: كَانُوا يَسْتَغْفِرُونَ لَهُم حَتَّى نزلت هَذِه الْآيَة فَلَمَّا نزلت امسكوا عَن الاسْتِغْفَار لأمواتهم وَلم ينهوا أَن يَسْتَغْفِرُوا للأحياء حَتَّى يموتوا ثمَّ أنزل الله تَعَالَى {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ} الْآيَة

يَعْنِي اسْتغْفر لَهُ مَا كَانَ حَيا فَلَمَّا مَاتَ أمسك عَن الاسْتِغْفَار

وَأخرج ابْن أبي حَاتِم وَأَبُو الشَّيْخ عَن مُحَمَّد بن كَعْب قَالَ: لما مرض أَبُو طَالب أَتَاهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَقَالَ الْمُسلمُونَ: هَذَا مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يسْتَغْفر لِعَمِّهِ وَقد اسْتغْفر إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ فاستغفروا القراباتهم من الْمُشْركين

فَأنْزل الله {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا للْمُشْرِكين} ثمَّ أنزل الله تَعَالَى {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدها إِيَّاه} قَالَ: كَانَ يرجوه فِي حَيَاته {فَلَمَّا تبين لَهُ أَنه عَدو لله تَبرأ مِنْهُ}

وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق شبْل عَن عَمْرو بن دِينَار أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: اسْتغْفر

إبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرِكٌ فَلَا أَزَالُ اسْتَغْفِرُ لِأَبِي طَالِبٍ حَتَّى يَنْهَانِي عَنْهُ رَبِّي

وَقَالَ أَصْحَابُهُ: لَنَسْتَغْفِرَنَّ لِآبَائِنَا كَمَا اسْتَغْفَرَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لِعَمِّهِ فَأَنْزَلَ الله {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} إِلَى قَوْلِهِ {تَبَرَّأَ مِنْهُ} فَذَكَرَ نَحْوَ مَا تَقَدَّمَ

وَأخرج ابْن جرير عَن قَتَادَة قَالَ: ذكر لنا أَن رجَالًا من أَصْحَاب النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالُوا: يَا نَبِي الله إِن من آبائنا من كَانَ يحسن الْجوَار ويصل الرَّحِم ويفك العاني ويوفي بالذمم أَفلا نَسْتَغْفِر لَهُم فَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَالله لأَسْتَغْفِرَن لأبي كَمَا اسْتغْفر إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ فَأنْزل الله {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين} الْآيَة ثمَّ عذر إِبْرَاهِيم عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام فَقَالَ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدهَا إِيَّاه} إِلَى قَوْله {تَبرأ مِنْهُ} وَذكر لنا أَن نَبِي الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: أوحى إِلَيّ كَلِمَات قد دخلن فِي أُذُنِي ووقرن فِي قلبِي أمرت أَن لَا أسْتَغْفر لمن مَاتَ مُشْركًا وَمن أعْطى فضل مَاله فَهُوَ خير لَهُ وَمن أمسك فَهُوَ شَرّ لَهُ وَلَا يلوم الله على كفاف

وَأخرج ابْن سعد وَابْن عَسَاكِر عَن عَليّ قَالَ أخْبرت رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِمَوْت أبي طَالب فَبكى فَقَالَ: اذْهَبْ فاغسله وكفنه وواره غفر الله لَهُ وَرَحمه

فَفعلت وَجعل رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَسْتَغْفِر لَهُ أَيَّامًا وَلَا يخرج من بَيته حَتَّى نزل جِبْرِيل عَلَيْهِ السَّلَام عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْآيَة {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين}

وَأخرج ابْن سعد وَأَبُو الشَّيْخ وَابْن عَسَاكِر من طَرِيق سُفْيَان بن عُيَيْنَة عَن عَمْرو قَالَ: لما مَاتَ أَبُو طَالب قَالَ لَهُ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم رَحِمك الله وَغفر لَك لَا أَزَال أسْتَغْفر لَك حَتَّى يَنْهَانِي الله فَأخذ الْمُسلمُونَ يَسْتَغْفِرُونَ لمَوْتَاهُم الَّذين مَاتُوا وهم مشركون فَأنْزل الله {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين} الْآيَة

فَقَالُوا: قد اسْتغْفر إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ فَنزلت {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدهَا إِيَّاه} الْآيَة

قَالَ: فَلَمَّا مَاتَ على كفره تبين لَهُ أَنه عَدو الله

وَأخرج إِسْحَق بن بشر وَابْن عَسَاكِر عَن الْحسن قَالَ: لما مَاتَ أَبُو طَالب قَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَن إِبْرَاهِيم اسْتغْفر لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرك وَأَنا أسْتَغْفر لعمي حَتَّى أبلغ فَأنْزل الله {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذين آمنُوا أَن

يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى} يَعْنِي بِهِ أَبَا طَالِب فَاشْتَدَّ عَلَى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَقَالَ الله لنَبيه {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدها إِيَّاهُ} يَعْنِي حِين قَالَ (سأستغفر لَك رَبِّي إِنَّه كَانَ بِي حفيا) (مَرْيَم الْآيَة) (47 فَلَمَّا تبين لَهُ أَنه عَدو لله} يَعْنِي مَاتَ على الشّرك {تَبرأ مِنْهُ}

وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق عَطِيَّة الْعَوفِيّ عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا} الْآيَة قَالَ أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَرَادَ أَن يسْتَغْفر لِأَبِيهِ فَنَهَاهُ الله عَن ذَلِك قَالَ فَإِن إِبْرَاهِيم قد اسْتغْفر لِأَبِيهِ فَنزلت {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ} الْآيَة

قلت إِن هَذَا الْأَثر ضَعِيف مَعْلُول فَإِن عَطِيَّة ضَعِيف وَهُوَ مُخَالف لرِوَايَة عَليّ بن أبي طَلْحَة عَن ابْن عَبَّاس السَّابِقَة وَتلك أصح وعَلى ثِقَة جليل

وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَابْن مرْدَوَيْه من طَرِيق عِكْرِمَة عَن ابْن عَبَّاس أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لما أقبل من غَزْوَة تَبُوك اعْتَمر فَلَمَّا هَبَط من ثنية عسفان أَمر أَصْحَابه أَن يستندوا إِلَى الْعقبَة حَتَّى أرجع إِلَيْكُم فَذهب فَنزل على قبر أمه آمِنَة فنَاجى ربه طَويلا ثمَّ انه بَكَى فَاشْتَدَّ بكاؤه فَبكى هَؤُلَاءِ لبكائه فَقَالُوا: يَا نَبِي الله بكينا لبكائك

قُلْنَا لَعَلَّه أحدث فِي أمتك شَيْء لم يطقه فَقَالَ: لَا وَقد كَانَ بعضه وَلَكِنِّي نزلت على قبر أُمِّي فدعوت الله تَعَالَى ليأذن لي فِي شفاعتها يَوْم الْقِيَامَة فَأبى أَن يَأْذَن لي فرحمتها وَهِي أُمِّي فَبَكَيْت ثمَّ جَاءَنِي جِبْرِيل عَلَيْهِ السَّلَام فَقَالَ {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدها إِيَّاهُ} الْآيَة

فتبرأ أَنْت من أمك كَمَا تَبرأ إِبْرَاهِيم من أَبِيه فرحمتها وَهِي أُمِّي فدعوت رَبِّي أَن يرفع عَن أمتِي أَرْبعا فَرفع عَنْهُم اثْنَتَيْنِ وأبى أَن يرفع عَنْهُم اثْنَتَيْنِ

دَعَوْت أَن يرفع عَنْهُم الرَّجْم من السَّمَاء وَالْغَرق من الأَرْض وَأَن لَا يلبسهم شيعًا وَأَن لَا يُذِيق بَعضهم بَأْس بعض فَرفع الله عَنْهُم الرَّجْم من السَّمَاء وَالْغَرق من الأَرْض وأبى أَن يرفع عَنْهُم الْقَتْل والهرج

قَالَ: وَإِنَّمَا عدل إِلَى قبر أمه لِأَنَّهَا كَانَت مدفونة تَحت كدي وَكَانَت عسفان لَهُم وَبهَا ولد النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم

وَأخرج ابْن أبي حَاتِم وَالْحَاكِم وَابْن مرْدَوَيْه وَالْبَيْهَقِيّ فِي الدَّلَائِل عَن ابْن مَسْعُود قَالَ خرج رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَوْمًا إِلَى الْمَقَابِر فاتبعناه فجَاء حَتَّى جلس إِلَى قبر مِنْهَا فناجاه طَويلا ثمَّ بَكَى فبكينا

لبكائه ثمّ قامَ فقامَ إليهِ عمر فدعاهُ ثمّ دعانا فقالَ: مَا أبكاكم قلنا: بكينا لبكائك
قالَ: إن القبر الّذِي جلست عندهُ قبر آمنة وإني استأذنت ربّي في زيارتها فأذن لي وإني استأذنت ربّي في
الاستغفار لها فلم يأذن لي وأنزل عليّ (مَا كَانَ للنّبِي وَالّذين آمنوا أن يستغفرُوا للمُشركين ولو كانُوا أولي
قربى) فأخذني مَا يأخذ الوَلد للوالدة من الرقة فذَلِك الّذِي أبكاني

وأخرج ابن مردويه عَن بُرَيْدَة قَالَ كنت مَعَ النّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذْ وقف على عسفان فَنظر يَمِينا
وَشمالا فأبصر قبر أمه آمنة ورد المَاء فَتَوَضَّأ ثمّ صلى رَكْعَتَيْنِ ودعا فَلم يفجأنا إِلَّا وَقد علا بكاؤه فعلا
بكاؤنا لبكائه ثمّ انْصَرف إِلَيْنَا فَقَالَ: مَا الّذِي أبكاكم قَالُوا: بَكَيْت فبكينا يَا رَسُول الله

قَالَ: وَمَا ظننتم قَالُوا: ظننا أَن الْعَذَاب نَازل علينا بِمَا نعمل

قَالَ: لم يكن من ذَلِك شَيْء

قَالُوا: فظننا أَن أمتك كلفت من الْأَعْمَال مَا لَا يُطِيقُونَ فرحمتها

قَالَ: لم يكن من ذَلِك شَيْء وَلَكِن مَرَرْت بقبر أُمِّي آمِنَة فَصليت رَكْعَتَيْنِ فاستأذنت رَبِّي أَن أستغفر لَهَا
فنهيت فَبَكَيْت ثمَّ عدت فَصليت رَكْعَتَيْنِ فاستأذنت رَبِّي أَن أسْتَغْفر لَهَا فزجرت زجرا فعلا بكائي ثمَّ
دَعَا براحلته فركبها فَمَا سَار إِلَّا هنيئة حَتَّى قَامَت النَّاقة لثقل الْوَحْي فَأنْزل الله (مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين
آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين) الْآيَتَيْنِ

وَأخرج ابْن الْمُنْذر وَالطَّبَرَانِيّ وَالْحَاكِم وَصَححهُ وتعقبه الذَّهَبِيّ عَن ابْن مَسْعُود رَضِي الله عَنهُ قَالَ جَاءَ ابْنا
مليكَة - وهما من الْأَنْصَار - فَقَالَا: يَا رَسُول الله إِن أمنا كَانَت تحفظ على البعل وتكرم الضَّيْف وَقد
وئدت فِي الْجَاهِلِيَّة فَأَيْنَ أمنا فَقَالَ: أمكما فِي النَّار

فقاما وَقد شقّ ذَلِك عَلَيْهِمَا فدعاهما رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَرَجَعَا فَقَالَ: أَلا أَن أُمِّي مَعَ أمكما
فَقَالَ مُنَافِق من النَّاس: أما مَا يُغني هَذَا عَن أمه إِلَّا مَا يُغني ابْنا مليكَة عَن أمهما وَنحن نطأ عَقِبَيْهِ
فَقَالَ شَاب من الْأَنْصَار لم أر رجلا أَكثر سؤالا لرَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مِنْهُ: يَا رَسُول الله وأَين
أَبَوَاك فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: مَا سألتهما رَبِّي فيطيعني فيهمَا

وَفِي لفظ: فيطعمني فيهمَا وَإِنِّي لقائم يَوْمئِذٍ الْمقَام الْمَحْمُود فَقَالَ الْمُنَافِق للشاب الْأنْصَارِيّ: سَله وَمَا
الْمقَام الْمَحْمُود قَالَ: يَا رَسُول الله وَمَا الْمقَام الْمَحْمُود قَالَ: ذَاك يَوْم ينزل الله فِيهِ على كرسيه يئط به

كما ينط الرحل الجديد من تضايقه وهو كسعة ما بين السماء والأرض ويجاء بكم حفاة عراة غرلا
فيكون أول من يكسى إبراهيم
يقول الله: اكسوا خليلي
فيؤتى بريطتين بيضاوين من رياط الجنة ثم اكسى على أثره فأقوم عن يمين الله مقاما يغبطني فيه
الأولون والآخرون ويشق لي نهر من الكوثر إلى حوضي قال: يقول المنافق: لم أسمع كاليوم قط لقلما
جرى نهر قط إلا في إحالة أو رضراض فسله فيم يجري النهر إليهم قال: يقول المنافق: لم أسمع كاليوم
قط
والله لقلما جرى نهر قط إلا كان له نبات فسله هل لذلك النهر نبات فقال الأنصاري: يا رسول الله هل
لذلك النهر نبات قال: نعم
قال: ما هو قال: قضبان الذهب
قال: يقول المنافق: لم أسمع كاليوم قط والله ما نبتت قضيب إلا كان له ثمر فسله هل لتلك القضبان
ثمار فسأل الأنصاري قال: يا رسول الله هل لتلك القضبان ثمار قال: نعم اللؤلؤ والجوهر
فقال المنافق: لم أسمع كاليوم قط فسله عن شراب الحوض فقال الأنصاري: يا رسول الله ما شراب
الحوض قال: أشد بياضا من اللبن وأحلى من العسل من سقاه الله منه شربة لم يظمأ بعدها ومن حرمه
لم يرو بعدها
وأخرج ابن سعد عن الكلبي وأبي بكر بن قيس الجعفي قالا: كانت جعفي يحرمون القلب في الجاهلية فوفد
إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان منهم قيس بن سلمة وسلمة بن يزيد وهما أخوان لأم فاسلما
فقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم بلغني أنكما لا تأكلان القلب
قالا: نعم
قال: فإنه لا يكمل إسلامكما إلا بأكله
ودعا لهما بقلب فشوى وأطعمه لهما
فقالا: يا رسول الله إن أمنا مليكة بنت الحلو كانت تفك العاني وتطعم البائس وترحم الفقير وإنها
ماتت وقد وأدت بنية لها صغيرة فما حالها فقال: الوائدة والموءودة في النار

فقاما مغضبين

فَقَالَ: إِلَيَّ

فارجعا فقَالَ: وَأمي مَعَ أمكُمَا

فأبيا ومضيا وهما يَقُولَانِ: وَالله إِن رجلا أطعمنَا الْقلب وَزعم أَن أمنا فِي النَّار لأهل أَن لَا يتبع وذهبا

فلقيا رجلا من أَصْحَاب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَعَه إبل من إبل الصَّدَقَة فأوثقاه وطردا الإبل

فَبلغ ذَلِك النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فلعنهما فِيمَن كَانَ يلعن فِي قَوْله: لعن الله رعلاً وذكوان وَعصية

ولحيان وَابْنِي مليكَة من حَرِيم وحران

وَأخرج ابْن الْمُنْذر عَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا فِي قَوْله (وَقضى رَبك أَن لَا تعبدوا إِلَّا إِيَّاه) (الإسراء الآيَة 23) إِلَى قَوْله (كَمَا ربياني صَغِيرا) قَالَ: ثمَّ اسْتثْنى فَقَالَ (مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفرُوا لِلْمُشْرِكين) إِلَى قَوْله (عَن موعدة وعدها إِيَّاه)

وَأخرج ابْن جرير وَابْن أبي حَاتِم عَن قَتَادَة رَضِي الله عَنهُ فِي قَوْله (فَلَمَّا تبين لَهُ أَنه عَدو لله) قَالَ: تبين لَهُ حِين مَاتَ وَعلم التَّوْبَة قد انْقَطَعت عَنهُ"

خلاصہ تفسیر سیوطی

امام سیوطی علیہ الرحمہ نے کل بارہ (۱۲) شانِ نزول کی نشاندہی فرمائی۔ جن میں ۹ شانِ نزول تو آپ ابن کثیر کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں یہاں بھی تھوڑے فرق کے ساتھ وہی ہیں۔

۱۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت ۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت جس میں آپ نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں باپ کے حق میں دعاء کرتے دیکھا۔۔۔الخ

۳۔ علی بن طلحہ کی روایت جس میں مجموعی طور پر مسلمانانِ مکہ نے اپنے مشرک آباء واجداد کی بابت دعائے مغفرت کی بعد میں روک دیے گئے اور رُک گئے۔

۴۔ محمد بن کعب کی روایت سے جب وہ بیمار ہوئے (ابوطالب علیہ السلام) ان کے پاس سید عالم ﷺ تشریف لائے (اس میں ابوجہل، ابن امیہ کا ذکر نہیں) اہل اسلام نے کہا محمد ﷺ تو اپنے چچا کے لیے استغفار کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے دعا کی آپس میں کہنے لگے چلو تم بھی اپنے قرابت داروں کے لیے دعاء کرو جو مشرک

ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو استغفار سے روکنا ایک وعدہ تھا۔

۵۔ عمر بن دینار سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم نے اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا، مانگی ہے تو میں بھی مسلسل مانگوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے روک دے۔ اس پر تمام اصحاب رسول نے کہا ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔۔۔۔ الخ

۶۔ کچھ احباب آئے عرض کی یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے آباؤ اجداد اچھے لوگ تھے۔ ہمسائے سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ صلہ رحمی کرتے۔ مشکل میں پھنسے کی مدد کرتے تھے کیا ہم ان کے لیے استغفار کریں؟ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں ایسا ہی کروں گا اپنے باپ چچا کے لیے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اپنے چچا کے لیے۔

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خبر دی اپنے باپ کے فوت ہونے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ اسے غسل دو کفن پہناؤ دفن کا انتظام کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اُن پر رحم فرمائے۔ پس میں نے ایسا ہی کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا کرنا شروع کر دی پس چند ہی دن گزرے تھے کہ وحی آ گئی کہ ایسا نہ کرو۔۔۔ الخ

۸۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے حضرت عمر سے روایت کیا حسب سابق۔

۹۔ ابن عساکر نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم نے اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی میں بھی یقیناً ایسا ہی کرنے والا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۰۔ عطیہ کوفی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں مذکورہ آیت کے تحت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تھا دعا کرنے کا مگر اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دیا۔

۱۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عسفان والی روایت حضور کی والدہ کی قبر والی روایت بیان کی مگر اس میں عمرے کا ذکر فرمایا یہ اضافہ ہے۔ یہ غزوہ تبوک کی واپسی پر واقعہ ہوا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ والدہ کریمہ کی قبر پر جانا تمام روایات میں فتح مکہ کے حوالے سے ہے اور وہ آٹھ ہجری کو ہوا۔ جبکہ غزوہ تبوک نو ہجری کو ہوا۔ آیت واپسی پر ذی قعدہ میں نازل ہوئی گویا کوئی مناسبت نہیں طویل حدیث ہے۔ اس میں کدی مدفن بتایا گیا۔

۱۲۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں مقام مقابرہ گمنام بتایا۔ بریدہ اسلمی نے عسفان کی وادی کے نام کا اضافہ حسب سابق روایت بیان کی مگر اس میں ایک قبر پر آپ نے بار بار دعا کی ہر مرتبہ روکے گئے نہ رُکے آخر کار آپ کو ڈانٹا گیا۔ استغفر اللہ۔

خلاصۂ کلام

آپ نے تفسیری روایات کا جزوی مطالعہ فرمایا تمام روایات ایک دوسرے کے ساتھ تضاد اور ٹکراؤ رکھتیں ہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ "اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا" جب دو مختلف دلیلیں ٹکرا جائیں تو دلیل ہونے کے مرتبہ سے بالکل گر جاتی ہیں۔ کسی مسئلے کی قوت میں بطور دلیل کام نہیں دے سکتیں تاہم بعض بعض سے قوت میں کبھی کبھی فائق نظر آتی ہیں۔ مثلاً ایک کی سند متصل نہیں جیسے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت لہٰذا یہ دلیل صحت سے بالکل عاری ہے اس لیے اصولاً مردود کی اقسام سے ہے۔ دوسری دلیل :۔ کی سند متصل ہے جیسے حضرات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مسعود، بریدہ اسلمی، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات۔ یہ قوت میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت سے فائق ہیں ان میں ایک اضافی قوت بھی ہے اور وہ ہے کہ یہ ایک مضمون پر چار روایتیں ہیں اور مختلف راویوں سے ہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ کثرت رواۃ یعنی جس روایت کے راوی زیادہ ہوں وہ روایت قوت میں اور بڑھ جاتی ہے۔ اگر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کے معارض بھی آجائیں یا لائے جائیں تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ کفر ابی طالب کے اندر بالکل موثر علمی نہیں رہے گی وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ہر دو طرح کی روایات ایک ہی آیت کے ضمن میں بیان ہوئی ہیں۔ مگر ترجیحاً چار راویوں والی روایات کا مضمون ہی مصداق آیت بن سکتا ہے کیونکہ یہ روایات متصل الاسناد بھی ہیں اور کثیر الرواۃ بھی ۔جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت تفرد راوی کی بنیاد پر غریب بھی ہے اور غیر متصل ہونے کی بنیاد پر غیر صحیح بھی جو کہ مردود کی اقسام سے ہے۔ دیکھیے اصول حدیث کی کتب کم از کم شرح نخبۃ الفکر اور مقدمہ ابن الصلاح ہی دیکھ لیجیے۔

اُصولِ تفسیر کا قاعدہ بھی ملحوظ رہے

اصول تفسیر کی معروف ضخیم کتاب الاتقان، البرہان کے ابواب اسباب النزول کو پڑھیں۔ سوئی ہوئی آنکھیں کھل جائیں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اصول تفسیر الاتقان میں فرماتے ہیں جب آیت ایک اور اسباب نزول دو ہوں تو دونوں اسباب نزول کی قوت کو دیکھا جائے دلالت اور ثبوت کے اعتبار سے جس روایت کا ثبوت اور دلالت دوسری روایت سے زیادہ مضبوط ہو تو ترجیحاً شان نزول کا سبب اسی روایت کو قرار دیا جائے گا۔ اس قاعدے کی رو سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت بالکل مرجوح قرار پائے گی کیونکہ ایک تو اس کی سند متصل نہیں اور دوسرا قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے۔ جبکہ دوسری روایات چار راویوں سے منقول ہیں ان کی اسناد بھی متصل مرفوع ہیں ترجیحاً مصداق آیت عدم استغفار للمشرکین ہی روایات کے اس اعتبار سے بابائے ملت اسلامیہ سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی کفر و شرک سے جان چھوٹ گئی مگر یہاں گنگا الٹی بہہ رہی ہے۔

خود امام سیوطی علیہ الرحمہ نے قاعدہ وضع کیا اور خود ہی اس کے خلاف چلے۔ سات رسالے والدین مصطفےٰ ﷺ کے حق میں لکھے اس آیت پر اپنی تفسیر درمنثور میں تمام روایات لکھیں مگر رسالوں میں ترجیح حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کو دے ڈالی؟ وہاں دیگر روایات کو بلا دلیل ترجیح مرجوح قرار دے دیا جبکہ تفسیر درمنثور میں ایسا نہیں۔ اب معاملہ گھمبیر ہو گیا۔

امام سیوطی کے ہاں حضرت سیدہ آمنہ پر مشتمل روایات اس آیت کا مصداق نہیں اور فقیر فریدی کے ہاں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کسی بھی طرح مصداقِ آیت نہیں۔ تحقیق آپ کے سامنے گزر چکی ہے۔ اب ان پر دو خیالوں میں تطبیق کی ایک ہی صورت ہے کہ نہ تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کو مصداق آیت مانا جائے اور نہ ہی حضور ﷺ کی والدہ کریمہ کے حوالے سے روایات کو مانا جائے۔ وجہ تطبیق یہ ہے ان دونوں نفوسِ قدسیہ سے کبھی بھی کسی بھی صورت میں شرک صادر نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ دونوں نفوسِ قدسیہ شرک سے بالکل پاک ہیں تو یہ اس آیت کے افراد کیسے بن سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں بن سکتے۔ ان پر لگایا گیا شرک کا الزام سراسر جھوٹا ہے تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

حضور ﷺ کے والدین کریمین کی تکریم میں فقیر نے امام سیوطی علیہ الرحمہ سے خوشہ چینی کرتے ہو چار ضخیم کتابیں لکھیں دو چھپ چکی ہیں دو باقی چھپنے والی ہیں۔ دعاء بھی فرمائیں تو جہ بھی فرمائیں۔

باقی رہا حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کی بابت میرا اہل علم سے اختلاف ہے۔ خصوصاً امام سیوطی علیہ الرحمہ سے اختلاف ہے۔ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے اختلاف کر سکتا ہوں۔

آپ نفس اختلاف کی بجائے مسکین کے دلائل کا جائزہ لیں۔ پھر فیصلہ کریں اس بابت میری تحقیق کو دقت نظر امعانِ نظر سے پڑھیں گے خود بخود آپ کو اندازہ ہو جائے گا بلا وجہ حلف دینا میری عادت میں شامل نہیں۔ دلائل کی قوت سے تحقیق چلتی ہے۔ اندازوں سے نہیں۔ آپ مسکین کے تجزیاتی دلائل کا مطالعہ ضرور کریں۔

نوٹ:۔ جب دونوں روایات آیت کا مصداق نہیں تو پھر مصداق آیت کون بنے گی؟ بھئی سیدھی سی بات ہے جس نے شرک کیا وہی مصداق آیت ہے اور اسی میں آیت نص ہے۔

جس نے شرک نہیں کیا وہ مصداق آیت نہیں متعدد مرتبہ وضاحت ہو چکی ہے کہ کائنات کا کوئی علمی حوالہ ایسا نہیں جس میں بطور نص قطعی یقینی یہ مضمون ملتا ہو کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور محسنۂ عالمین، مخدومۂ کائنات حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے زندگی میں ایک لمحہ کے لیے بھی شرک کیا ہو؟ قطعی تو دور کی بات ہے ظنی حوالہ بھی ایسا کسی کے پاس نہیں۔ نہ ہی کوئی عینی شہادت ہے نہ علمی شہادت۔ تو پھر الزام کیوں؟ ربطِ کلام الٰہی بھی اس بات کی تائید کر رہا ہے۔ پوری سورہ میں چونکہ مقاطعۂ کفارِ مکہ سے ہے بائیکاٹ مشرکین مکہ سے ہے لہٰذا مصداق آیت بھی یقیناً وہی ہیں نہ کہ حرم نبوت کے نفوسِ قدسیہ یعنی

حضرت ابو طالب علیہ السلام اور سیدہ آمنہ ان کی عظمتوں کے خلاف جہاں کہیں جتنی بھی روایات ہیں وہ روایت سازوں اور روایت گروں کی ذہنی اختراع اور فراڈ ہے۔ بے حقیقت اور بیہودہ روایات کی کچھ تشخیص ہو چکی اور باقی مزید ہو رہی ہے۔ اہل محبت تسلی رکھیں۔

چھٹا کردار خود سیدنا حضرت ابو طالب علیہ السلام

اس روایت میں چھٹا کردار خود ابو طالب علیہ السلام ہیں۔ حیرت اس بات پر ہے پوری کائنات میں یہ ضابطہ موجود ہے جب بھی کسی پر الزام لگایا جاتا ہے تو الزام لگانے والے سے الزام کو ثابت کرنے کے لیے شواہد و دلائل طلب کیے جاتے ہیں بعد ازاں ملزم کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ مدعی کے قائم کردہ شواہد و دلائل کی تردید میں اور اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے؟ ملزم مدعی کی طرف سے قائم کردہ دلائل وشواہد کا جواب دیتا ہے اگر مدعی کے قائم کردہ دلائل وشواہد کی ملزم کسی معقول دلیل سے تردید کر دے تو مقدمے کا توازن کیا جاتا ہے۔ طرفین کے دلائل کا توازن کیا جاتا ہے اگر مدعی کے قائم کردہ دلائل وشواہد میں ثبوت کے اعتبار سے قوت زیادہ ہے تو حسب الزام الزام علیہ پر سزا کا حکم سنایا جاتا ہے اور اگر الزام علیہ کی طرف سے تردیدی دلائل میں قوت زیادہ ہو تو مدعی کا لگایا ہوا الزام مسترد کر دیا جاتا ہے۔ مدعی کو ناجائز الزام لگانے کی پاداش میں سزا دی جاتی ہے۔ کیونکہ اب یہ الزام الزام نہیں رہا بلکہ بہتان ہے اور بہتان لگانے والے پر ہر قوم و مذہب کا الگ الگ مواخذہ ہے مثلاً اسلام بہتان لگانے والے کو اسی کوڑے کی سزا سناتا ہے باقی دیگر مذاہب و اقوام کا اپنا اپنا قائم کردہ سزاؤں کا نظام ہے۔ پھر ایک مرتبہ یاد رہے کہ جس پر الزام لگایا گیا اس کو اپنی صفائی کا موقع ضرور دیا جاتا ہے یہ پوری کائنات کے اندر طریقہ رائج ہے۔ صفائی دینا اس کا انسانی اخلاقی دینی حق ہے مجھے حیرت ہے کہ ہر ایک ملزم کو حق دیا گیا مگر جناب ابو طالب علیہ السلام کو یہ حق کیوں نہیں دیا گیا۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جناب وہ زندہ رہتے تو ان کو حق صفائی دیا جاتا وہ تو مر گئے اور الزام بھی ان کی موت کے وقت کا ہے جی ہاں ایسا ہی ہے مگر یہاں ظلم ہوا۔ میں آپ کو اصول حدیث کے ایک ضابطے کی روشنی میں عرض کرتا ہوں کیونکہ گفتگو بھی روایات واحادیث ہی کی بابت ہے بنابریں میں آپ کو اسی اصول کی روشنی میں سمجھاؤں گا حقیقت کیا ہے؟

پہلے اصول سمجھنے کی کوشش کریں بھی اصول حدیث کے ماہرین کا یہ استقرائی ضابطہ ہے کہ صحت روایت کو پرکھنے کا پہلا مرتبہ اتصال سند کا ہے دوسرا مرتبہ عدالت راوی ہے یعنی راوی کا اخلاقی اعتبار سے کامل ہونا اگر کسی راوی کی بابت روایت کے اعتبار سے مکمل کوائف معلوم نہ ہو سکیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس کی دیگر روایات میں اس کی عدالت، ضبط اور اتقان تسلیم کردہ ہے تو اس دوسرے اعتماد کے حوالے سے کہا جائے گا کہ اس روایت میں بھی اعتماد کر لیا جائے گویا راوی کا پرانا اعتماد ہی دوسری جگہ

اعتماد کا باعث بنتا ہے جب یہ طے ہے تو اب مسئلہ واضح ہو جائے گا اگر ابو طالب علیہ السلام پر موت کے وقت کا لگایا ہوا کفر و شرک کا الزام ہے تو اس کی صفائی کے لیے اُن کے پرانے اعتماد کو دیکھا جائے گا۔ اگر ان کے پرانے کردار پر کہیں کفر و شرک کا دھبہ ہے تو گویا وہ حسب عادت کفر و شرک پر ہی مرے اور اگر ایسا نہیں بلکہ یقیناً نہیں تو ان پر بوقت وصال لگایا گیا الزام نہایت غلط اور جھوٹا ہے۔

نوٹ: سابقہ گفتگو میں اس جھوٹ کا پردہ چاک کیا جا چکا ہے۔ اب آیئے ان سے براہ راست گفتگو کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ تمثیلی گفتگو محض عنوان کو قریب الفہم کرنے کے لیے ہے۔

سوال: حضور والا آپ کی بابت یہ مشہور ہے کہ آپ کفر و شرک پر مرے کیا یہ سچ ہے؟

جواب: جی نہیں یہ سراسر غلیظ جھوٹ ہے اگر کسی کے پاس مجھے کافر و مشرک کہنے کے لیے کوئی یقینی قطعی ثبوت ہے تو لے آؤ۔

سوال: حضور والا! آپ پر الزام لگانے والے ایک سچے صحابی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہیں اور بڑے مربوط انداز میں انھوں نے آپ پر الزام لگایا ہے اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

جواب: جی ہاں میرے پاس بڑا معقول جواب ہے۔ جی فرمایئے۔

جواب یہ ہے کہ جس شخص نے مجھ پر الزام لگایا ہے وہ بذاتِ خود آغازِ اسلام سے لے کر 21 سال تک مسلسل کافر رہا اس کافر کو کیا پتہ کہ اسلام کیا ہے اور جب یہ فتح مکہ کے دن مجبوراً اسلام میں آیا تو میرے وصال کو گیارہ برس گزر چکے تھے۔ اس کو میرے وصال کے حالات کی کہاں سے وحی ہوئی؟ جبکہ یہ خود اس زمانے میں کافر بھی تھا اور جائے وقوعہ پر موجود ہی نہیں تھا۔

سوال: حضور والا یہ تو آپ کے کفر میں بطورِ دلیل قرآن کریم کی دو آیات پیش کرتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! یہ دو آیات کو میرے کفر میں پیش کرتے ہیں مگر یہ صاحب خود اُس وقت قرآن کی مخالفت کرنے والوں سے ہیں اور جو خود قرآن کا مخالف ہو اسے کیا علم قرآن کیا ہے اس اس کی شان و عظمت کیا ہے۔

سوال: حضور والا! یہ ساتھ دو گواہ بھی لاتے ہیں اپنے روایت میں ابو جہل عمر بن ہشام اور عبداللہ بن ابی اُمیہ۔

جواب: جی کبھی اس کے لائے گئے گواہ میرے خلاف بولے؟ گواہی دی؟ یا انھوں نے اس کو بتایا؟ ہرگز نہیں۔ بیٹے یہ شریروں کا گروہ تھا جس کا کام ہی نبی کریم ﷺ کو ستانا تھا قرآن کریم اور دین کی مخالفت میں ہر حد کو توڑنا تھا اور بس۔ ابو جہل میدان بدر میں واصل جہنم ہوا اور جو باقی شریر کافر تھے انھوں نے انتقاماً حرم نبوت پر الزام لگانے شروع کر دیے۔

نوٹ:۔ اگر حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی بابت یہ کہا جائے کہ ان کو یہ روایت ان کی مکی زندگی میں میسر آئی تو یہ نرا جھوٹ ہے

کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی غیرت مند مسلمان اپنے نبی کے گھریلو حالات کی کمزوریاں کسی کافر کو بتائے۔ اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایت مدینہ منورہ میں ان کو میسر آئی تو یہ اس سے بھی بڑا جھوٹ ہے کیونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ پوری جماعت صحابہ میں سے ان کو الگ طور پر صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گھریلو باتیں بتانا شروع کر دی ہوں۔ آخر کونسی ایسی نبوی مجبوری تھی جس بناء پر صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آ کر دس سالہ پرانا قصہ دوہرایا ہو اور ساتھ قرآن مجید کی دو آیات بطورِ تصدیق بیان کی ہوں اور پھر اس قصۂ پارینہ کو تمام صحابہ سے حتی کہ مقرب ترین صحابہ سے اس حقیقت سے چھپائے رکھا ہو؟ مزید اہل بیت نبوتِ سے بنی ہاشم سے جو وقتِ وفات ابی طالب وہاں موجود تھے اور عینی شاہد تھے چھپا لیا ہو۔ اسپیشل جناب مسیب رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا گیا ہو بہر حال زمینی حقائق اور بداہتِ عقل اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ روایت سراسر مصنوعی اور جھوٹ کا پلندہ ہے کائنات میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس روایت کی یقینی تصدیق کرے۔ (فریدی)

باب ششم:

حصہ تفسیر

قرآنی آیات کے ناجائز استعمال کی تفصیلی تحقیق

تعارف باب ششم:

قرآنی آیات کے ناجائز استعمال کی تفصیلی تحقیق

اس باب میں قرآنی آیات کا کُفرِ ابی طالب علیہ السلام میں ناجائز غیر علمی غیر اخلاقی استعمال کا بیان ہے جس کا مکمل مدلل جواب دیا گیا ہے۔ یہ باب درج ذیل چار فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول:

سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 سے کُفرِ ابی طالب کا استدلال کا ناجائز، غیر علمی اور غیر اخلاقی ہے

فصل ثانی:

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 سے کُفرِ ابی طالب کا ناجائز استدلال۔

فصل ثالث:

سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 سے کُفرِ ابی طالب کا ناجائز غیر علمی استدلال

فصل رابع:

حضرت ابوطالب علیہ السلام اور کفار مکہ کے رویوں کا تقابلی جائزہ

قرآنی آیاتِ کے ناجائز استعمال کی تحقیق

محترم قارئین! اس باب میں سید بطحاء سردارِ مکہ اعتمادِ خدا پناہ گاہ مصطفی ﷺ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت پورے قرآن کریم میں تین آیات قرآنیہ کا ناجائز استعمال کیا جاتا ہے۔ ان آیات کو اہل علم بڑی دھوم دھام سے کفر ابی طالب کے موقف میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ ظلم و بربریت قرآن کریم کے ساتھ تاریخی تسلسل میں صدیوں پر مشتمل ہے۔ جناب ابو طالب علیہ السلام کے خلاف ان آیات کا استعمال سراسر ناجائز ہے۔ کسی بھی اعتبار سے ان آیات کا کوئی علمی تعلق ابو طالب علیہ السلام سے نہیں ہے۔ نہ ربط کلام الٰہی کی کسی بنیاد پر ہے نہ نزول آیت کے اعتبار سے۔ نہ اسباب نزول کے اعتبار سے نہ علمی اعتبار سے تاہم یہ ناانصافی ایک دیرینہ تسلسل کی بنیاد پر ہوئی۔ جانے انجانے میں بہت سارے اہل علم شریک جرم بنے۔ میں نے چھ سو سے زائد تفاسیر کا مطالعہ کیا مکھی پر مکھی مارنے کی ریت کہیں کم ہی ٹوٹی ہے۔ بے حقیقت اندازے سامنے آئے دل غم سے پارہ پارہ ہو گیا آنکھیں پتھرا گئیں۔ اہل علم اپنے ترتیب دیے گئے علم سے باہر نہیں نکلے پھر جب ان کے علم کو ان کے وضعی قاعدوں میں دیکھا تو نری بے قاعدگیاں دیکھیں۔ کہیں منضبط قاعدے غلط تو کہیں قاعدوں کی روشنی میں بیان کیے گئے مسائل غلط۔ بنابریں محسوس کیا کہ اس مسئلے کو ان اہلِ علم کے منضبط قواعدِ استقرائی کی روشنی میں دیکھوں تو پتہ چلا کہ قواعد اور اخذِ مسائل میں بہت زیادہ منافات ہے اس لیے میں قرآن کریم کی سادہ عظمت میں اتر گیا تو یقین ہوا کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی شخصیت کا جارحانہ گھیراؤ کیا گیا ہے۔ نفس مسئلہ میں غور کرنے کے بجائے ہر شخص نے اپنے اپنے پسندیدہ منتخب کردہ امام کی امامت کا ٹائٹل بچانے کے لیے امام کے قول کو نہیں چھوڑا۔ سچی روایت اور آیت سے روگردانی کرنا آسان سمجھا۔ اسی لیے امت تقسیم در تقسیم ہو چکی ہے مزید ہو رہی ہے۔

پیش آئندہ مسئلہ کو ہم نے تین فصول اور ایک خاتمہ میں منحصر کیا ہے۔

پہلی فصل میں ہم سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کا علمی جائزہ لیں گے اس کو اولاً حضرت ابو طالب علیہ السلام کے خلاف استعمال کیا گیا۔

دوسری فصل میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 جو ابو طالب علیہ السلام کے خلاف استعمال کی گئی ہے اس کی حقیقت کو بیان کریں گے۔

تیسری فصل میں آیت کریمہ سورۂ قصص آیت نمبر 56 کو بھی حضرت ابو طالب علیہ السلام کے مخالف ذکر کیا گیا ہے۔ اب ہم بفضل تعالیٰ ہر آیت کے الگ الگ تجزیے کا اہتمام کرتے ہیں۔

فصل اول:

سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 سے کُفرِ ابی طالب کا استدلال ناجائز، غیر علمی اور غیر اخلاقی ہے

مختصر تعارف سورۂ انعام

سورۂ انعام مکیہ ہے۔ یکبارگی نازل ہوئی۔ ہزاروں فرشتے اس کی تکریم میں اُترے۔ زمین فرشتوں کے نور سے بھر گئی۔ سورۂ حجر کے بعد نازل ہوئی۔ سورۂ حجر چار سن نبوی کو نازل ہوئی۔ گویا یہ سورہ چار سن نبوی کے اواخر میں اور پانچویں سن نبوی کے اوائل میں نازل ہوئی۔

مضامین: یہ سورہ عموماً کفار و مشرکین مکہ کے معاندانہ رویّوں کے جواب میں نازل ہوئی۔ مشرکین مکہ کا اسلام سے تعصب صرف جہالت پر مبنی تھا اور بلا دلیل تھا۔ یہ لوگ ہٹ دھرمی میں اتنے آگے چلے گئے کہ بنیادی عقائد توحید و رسالت، آخرت، قرآن مجید اور ملائکہ کی سچائی کا بھی انکار کر دیا بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ ان حقیقتوں کا مذاق بھی اڑایا کرتے۔ بے جا، بے تکے سوالات کرتے، حلال و حرام کا ذاتی معیار قائم کرتے دین حقہ پر طرح طرح کے بیہودہ سوالات کر کے وقت برباد کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان متانت کے ساتھ ان کے بڑے ہی معقول جواب ارشاد فرمائے۔ مگر افسوس کہ مسلم اہل علم نے یکسر پانسہ پلٹا جو آیات کفار و مشرکین کے جاہلانہ رویّوں کی مذمت میں نازل کی گئیں وہ آیات اُٹھا کر بلا ثبوت جناب ابوطالب علیہ السلام کے سر مڑھ دیں۔ وفادار اور غدار کا امتیاز یکسر ختم کر دیا گیا گویا مقصود قرآنی سے ہٹ کر حرم نبوت کو آگ لگانے کے در پے ہو گئے اور پوری ناکام مہم جوئی کے ساتھ یہ سفاکی کر ڈالی مگر اس کو سنوارنے کی بجائے اس پر مزید حاشیہ آرائی شروع کر دی یوں لگا کر اہل علم کفر کے فریق نہیں بلکہ حرم نبوت کے فریق ہیں۔

اب ہم کفار و مشرکین کے جاہلانہ معاندانہ رویّوں کا مختصر گراف پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم خصوصاً سورۂ انعام کی آیات کی روشنی میں
کفار و مشرکین مکہ کے جاہلانہ رویّوں کا مختصر گراف

۱۔ توحید باری تعالیٰ کا انکار۔
۲۔ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار۔ ان سے خود کو دور رکھنا اوروں کو بھی دور رکھنا۔
۳۔ یوم آخرت کا انکار۔
۴۔ قرآنی عظمتوں کا انکار۔

۵۔مرنے کے بعد جی اٹھنے کا استہزا انکار۔

۶۔بے محل معجزات کا مطالب۔

۷۔ہر سچائی کے قبول کرنے سے استہزاءانکار۔

۸۔کتابی صورت میں نزول قرآن اور نزول وحی پر جاہلانہ اصرار۔

۹۔فرشتوں کا انکار۔

۱۰۔کامل معجزات کا انکار۔پانچ سو سال پہلے مرنے والوں کو زندہ کرنے کا ناجائز مطالبہ۔

۱۱۔من پسند چیزوں کو حلال کرنا ناپسند چیزوں کو اپنی مرضی سے حرام قرار دینا گویا ہر طرح کی من مرضی کرنا۔

۱۲۔نبوی عظمتوں پر طنز و مزاح کرنا وغیرہ۔

یہ سورہ کل 165 آیات پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکیمانہ شان و عظمت کے ساتھ ان کے تمام استہزاءات کا جواب دیا ہے اوران کے ان سفاکانہ جاہلانہ رویّوں کا ردّ بھی فرمایا اور مذمت بھی فرمائی ہے۔اگر ان تمام رویّوں کو باتفصیل آیات کی روشنی میں بیان کیا گیا اور ان کے رویّوں کی مذمت پر مشتمل پوری تفصیلات ذکر کی گئیں تو کتاب ہذا میں مزید تین جلدوں کا اضافہ کرنا پڑے گا۔اس طوالت اور مشقت میں ہم آپ کو نہیں ڈالنا چاہتے اگر کسی نے اپنا شوق پورا کرنا ہو تو اس سورہ کی تفسیر کسی بھی تفسیر کی کتاب سے پڑھ لے۔سر دست ہم اپنے مطلوبہ عنوان کی وضاحت کی طرف بڑھتے ہیں۔مذکورہ بالا جن رویّوں کا ذکر کیا گیا اور اُن کی مذمت کی گئی ہے بھیانک نتائج کی دھمکی بھی ہے۔مگر یہ سب کچھ ان کفار کے لیے ہے جن کے اندر مذکورہ خباثتیں ہیں لیکن افسوس صد افسوس یہ ہے کہ اہلِ علم نے ان ساری مذمتوں کو خواجہ بطحاء ابوطالب علیہ السلام کے گلے مڑھ دیا ہے اور بلا وجہ بلا دلیل۔آخر ان کا قصور کیا ہے؟ جرم کیا ہے؟

جناب ابوطالب علیہ السلام کا قصور یہ ہے کہ انھوں نے پوری زندگی کفار مکہ کے مذکورہ رویّوں کی مذمت کی ہے اور نزول قرآن سے بھی پہلے ان رویّوں کی مذمت کی ہے۔اور بھرپور مذمت کی ہے۔گویا قرآن کریم جناب ابوطالب علیہ السلام کی تائید میں ہی بولتا نظر آتا ہے۔جو انھوں نے اپنے اشعار میں کہا وہی قرآن نے اپنی آیات میں کہا یا جو قرآن نے اپنی آیات میں کہا وہی سید بطحاء نے اپنے اشعار میں کہا۔نجانے اہل علم کو کہاں سے خواب آ گیا کہ انھوں نے قرآن میں بیان کردہ کفار کی مذمت پر مشتمل آیات کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کھاتے میں ڈال کر ان کو بھی کفار مکہ کے ساتھ ملا دیا۔حالانکہ کائنات بھر کی عظمتوں کی نگاہیں گواہ ہیں نبوت کی نگاہیں گواہ ہیں صحابہ کرام کی نگاہیں گواہ ہیں۔خود اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور گواہ ہے۔جناب ابوطالب علیہ السلام نہ کبھی کفار کے ساتھ پہلے رہے اور نہ ہی بعد میں بلکہ زمانہ نبوت میں تو پورے کر

کے خلاف سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور حمایت رسالت میں فروغ عقیدۂ توحید میں انھوں نے تین نسلیں قربان کر دی ہیں۔
اور پچاس سال کی نبوی صحبتوں کی عظمت فقط انھیں کے پاس ہے۔ اہل علم میں اگر اخلاقی اور علمی جرأت ہے تو سامنے آئیں۔
ان جیسا کوئی شخص روئے کائنات میں تلاش کر کے لائیں جن کے دامن میں ساری عظمتیں ہوں۔

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾"

یہ حقیقت ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔

آیئے ذرا تفصیل میں اُترتے ہیں

سورہ انعام کی آیت نمبر 26 کی بابت مفسرین کرام کے دو خیال ہیں۔ پہلا خیال یہ ہے کہ یہ آیت کفار و مشرکین مکہ کی بابت نازل ہوئی۔ اُن کے جاہلانہ معاندانہ رویوں کی مذمت میں نازل ہوئی۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے رویے کی مذمت میں نازل ہوئی۔ آیت کریمہ یہ ہے۔

"وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾"

پہلی صورت کے اعتبار سے ترجمہ: اور وہ تمام کفار و مشرکین اتنے بد بخت ہیں کہ وہ خود بھی رسول پاک سے نفرت کرتے ہیں اور ان کے قریب نہیں جاتے اور لوگوں کو بھی ان سے دور ہٹاتے اور نفرت دلاتے ہیں۔
مگر یہ بات یہ رویہ ان کی اتنی سنگین ہلاکت ہے انھیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

دوسری صورت کا ترجمہ: کہ وہ خود تو لوگوں کی اذیت دینے سے ان کی حفاظت کرتے لوگوں کو انھیں اذیت نہیں پہنچانے دیتے مگر خود ان سے دور رہتے ہیں۔ ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ اس ترجمہ کی بابت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب علیہ السلام کی مذمت میں نازل ہوئی۔ کیونکہ وہ خود تو حضور ﷺ کا دفاع کرتے تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ آقا علیہ السلام سے شدید محبت کرتے تھے مگر ان قربتوں کے باوجود بھی وہ ان سے دور رہتے تھے ہدایت قبول نہ کرتے۔

اب ان ہر دو مختلف خیالوں میں ترجیح کس خیال اور شانِ نزول کو دی جائے؟

وضاحت: قاعدہ اُصول تفسیر یہ تھا کہ جب سبب نزول دو ہوں آیت ایک ہو تو اس صورت میں ترجیح اس سبب نزول کو ہو گی جس میں ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قوت زیادہ ہو گی جس سبب نزول میں ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے ضعف ہو گا یا مد مقابل کے اعتبار سے قوت کم ہو تو اس سبب نزول کو مرجوح قرار دے کر ترک کر دیا جائے گا۔ (اتقان سیوطی اسباب نزول)

اب اس قاعدہ کی رو سے ہم نے ہر دو اسباب کا جائزہ لینا ہے کہ قوی تر سبب نزول کونسا ہے؟

ا۔ سبب اول کی قوت کے ذرائع

الف۔ پہلے سبب نزول کے مصداق آیت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

ب۔ پہلے سبب نزول کے مصداق آیت ہونے میں ربط آیات دوسری اہم دلیل ہے۔

ج۔ پہلے سبب نزول کے مصداق آیت کے ہونے میں مضمون آیت تیسری اہم دلیل ہے سیاق وسباق آیت کے حوالے

د۔ پہلے سبب نزول آیت کا مصداق آیت ہونا تمام مفسرین کے ہاں ظاہر تر ہے۔

ہ۔ اس میں عطف ہے ہر دو فعلوں کے فاعلوں میں مغایرت ہے مگر رویّے کے اعتبار سے مغایرت نہیں وہ فعل ہے نفرت

نفرت یہاں ہر دو اعتبار سے یکسانیت میں موجود ہے۔ یعنی وہ کفار مکہ خود بھی نفرت کرتے اور لوگوں کو بھی نفرت دلاتے

مگر ابوطالب نبی کریم ﷺ سے شدید محبت کرتے ہیں جو کہ یکسر خلاف ہے کفار کے رویّے سے۔

و۔ نظم قرآنی بھی پہلے سبب نزول کی تائید کرتا ہے اور اگر دوسرا سبب نزول مانا جائے تو قرآن کا نظم ٹوٹتا ہے۔ نظم قرآن قطعی ہے

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما ظنی ہے ظنی قطعی کا معارض نہیں ہو سکتا۔ اس قول کی سند مجروح ہے بنا بریں یہ ظنی بھی نہیں ہو

سکتا۔ کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے جہالت راوی کے حوالے سے۔ سند میں عمن سمع کے الفاظ سند کا سقم ہیں۔

ز: پہلا سبب نزول مصداق آیت بننے میں اس لیے قریب تر ہے کہ جملہ کفار مکہ کے جاہلانہ رویوں کی قرآن کریم نے مذمت

بیان فرمائی۔ اس سورہ مبارکہ میں ہر رویّے پر الگ ایک آیت مبارکہ ہے۔ مذموم رویّے کی نوعیت کے اعتبار سے

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت ایسا کہیں بھی کچھ نہیں کیونکہ کفار کا کوئی رویہ ان میں کبھی نہیں پایا گیا۔

وضاحت نمبر ۲

اس آیت کے سبب نزول کے اعتبار سے ایک نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں۔ وجہ اس کی یہ

کہ وہ خود تو لوگوں کو روکتے تھے کہ نبی ﷺ کو اذیت نہ دو جبکہ خود ان سے دور رہتے ہدایت کے اعتبار سے۔ یعنی ہدایت حاصل

نہیں کرتے تھے۔ اس نظریے کے علمبردار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کی طرف منسوب ہے کہ ان کا یہ

ہے۔ اس خیال کے ضعف کے درج ذیل کوائف ہیں۔

ا۔ پہلا ضعف یہ ہے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی تھی تو اس وقت تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پیدا ہی نہیں ہو

تھے۔ اگر پیدائش مان بھی لی جائے تو وہ اتنے چھوٹے بچے تھے کہ تحمل آیت وروایت کی اہلیت ہی نہیں رکھتے

کیونکہ ان کی پیدائش ایک قول کے مطابق شعب ابی طالب علیہ السلام میں ہوئی یا ابوطالب علیہ السلام کے وصال کے بعد ہوئی۔ یا اس درمیانی مدت کے درمیان ہوئی۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ شان نزول یا سبب نزول وہی راوی بیان کرسکتا ہے جو نزول آیت کے وقت خود موجود ہو جو وقوعہ کے وقت بنفس نفیس موجود ہو مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہیں۔ گویا نزول آیت کا بیان کرنا مشروط ہے عینی شہادت پر مگر راوی یہاں ابھی پیدا ہی نہیں ہوا اور روایت کر ڈالی۔ ان کے پاس نبوی وضاحت بھی نہیں۔ (الاتقان فی اسباب النزول)

۱۔ مذکور راوی کا والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب وقت وفات ابی طالب علیہ السلام وقوعہ کے عینی شاہد ہیں اور راوی سے کتنا پہلے قرآن سے وابستہ ہیں۔ نازل ہوتا تکتے ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا سارا مطالعہ رکھتے ہیں انھوں نے تو زندگی بھر اس آیت کو کبھی بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مذمت میں بیان نہیں کیا۔ بلکہ عینی شہادت دی کہ ان کا وصال کلمہ شریف کی عظمت کے ساتھ ہوا۔ (سیرت ابن اسحاق)

۱۔ انھوں نے رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصدیق بھی کرائی۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب علیہ السلام آپ کے خدمت گار رہے ان کی ان خدمات کا آپ کیا صلہ عطا فرمائیں گے؟ فرمایا "ارجو کُلَّ خَیرٍ مِن ربی" مجھے کامل امید ہے اپنے رب سے کہ وہ انھیں تمام بھلائیاں عطا فرمائے گا۔ (طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۱۸)

۲۔ نوٹ: صحیح مسلم میں چند روایات جو در آئی ہیں جناب ابوطالب علیہ السلام کے خلاف ان کی مکمل تحقیق تو مناسب مقام پر ہوگی ان کی بابت اتنا عرض ہے کہ ان کی دینی و یقینی حیثیت ہی نہیں وجہ یہ ہے کہ پہلی روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے مگر اس میں ایک راوی انتہائی متعصب ہے اور اموی ہے۔ فاطر العقل ہے ذہبی کے مطابق قاعدہ یہ ہے کہ متعصب راوی کی مخالف کے خلاف روایت تعصب کی بناء پر قطعاً قبول نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت تو اس کا راوی نہ تو وقوعہ کا عینی شاہد ہے اور نہ ہی اس روایت کو رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتا ہے گویا یہ روایت راوی کا ذاتی خیال ہے اور بلا دلیل ہے۔ ثبوت الزام میں شرعاً قبول ہی نہیں باقی تفصیلات اس کے اپنے مقام پر

۳۔ باب مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم دعویٰ فرماتے ہیں کہ میں قرآن کی ہر ہر آیت سے واقف ہوں کہاں نازل ہوئی کب نازل ہوئی کیسے نازل ہوئی اور کیوں نازل ہوئی؟ بولیے جناب مذکورہ آیت اس دعویٰ کے ضمن میں ہے یا مستثنیٰ ہے۔ اگر ضمن میں ہے تو ان کا منصبی حق بنتا ہے کہ اس آیت کو ابوطالب علیہ السلام کے حق میں ان کی مذمت میں اترتا بیان کریں اگر یہ حقیقت ہے؟ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور اگر مستثنیٰ ہے تو دلیل استثناء آپ کے یعنی اہل علم کے ذمے ہے۔ حالانکہ مولائے کائنات تو مسلسل نزول قرآن کے اوقات میں خصوصاً ابوطالب علیہ السلام کے

تمام حالات میں مسلسل نبوی صحبتوں میں رہے اگر اس آیت کریمہ کا ذرا سا بھی تعلق ابوطالب علیہ السلام کے کسی معاملہ میں ہوتا تو یقیناً حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اسے ضرور بیان فرماتے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان نازک ترین حالات میں صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس آیت کی بابت نہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بیان کیا نہ جناب صدیق اکبر کو، نہ فاروق اعظم اور دیگر اجلہ صحابہ جو مکہ میں تھے خصوصاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب والد ہیں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے۔ کسی کو بھی اس آیت کا شان نزول نہ بتایا نہ خود بیان کیا مگر نجانے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے یا ہو چکے مگر انتہائی چھوٹے ہیں کو کیسے بیان فرمایا؟ کہ یہ ابوطالب علیہ السلام کی مذمت میں نازل ہوئی۔

۴۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پر پورا قرآن نازل ہوا انھوں نے زندگی بھر کبھی بھی اس آیت کے شان نزول سبب نزول کی بابت یہ نہیں فرمایا کہ یہ ابوطالب علیہ السلام کی مذمت میں نازل ہوئی۔ ویسے بھی ضُعفِ سند کی بنا پر یہ قول مردود ہے۔ کیونکہ جہالتِ راوی اس کا ستم ہے۔

۵۔ یہ آیت دراصل کفار و مشرکین مکہ کے سفاکانہ رویّوں کی مذمت میں نازل ہوئی۔ ربط آیت بھی سیاق و سباق بھی، مضمون آیات بھی اور تمام ظاہری اعتبارات بھی حتیٰ کہ زمینی حقائق بھی اسی حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں اور تائید کر رہے ہیں نہ کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وجہ اس کی یہ ہے کہ کفارِ مکہ کے بہیمانہ رویّوں کے بارے میں سینکڑوں آیات بطور نص بول رہی ہیں۔ ان میں رتی برابر بھی کوئی ایسا رویہ ہو جس کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ذات اقدس میں کبھی بھی محسوس کیا جا سکے۔ قیامت تک چیلنج ہے کوئی سر پھرا ایک رویہ ہی ان میں ثابت کر دے مگر ایسا کبھی بھی ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ملجائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ناصر اسلام ہیں۔ عظمت اسلام پر سب کچھ قربان کرنے والے ہیں بلکہ کر چکے ہیں ایسے نفوسِ قدسیہ کی قرآن مذمت نہیں کرتا بلکہ مدحت کرتا ہے۔ اس صورت میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کردہ قول جس میں جناب ابوطالب علیہ السلام کو نامزد کیا گیا بالکل بے حقیقت ہو گیا ہے بلکہ تفسیری اثاثے میں ایک وضعی تکلف ہے اور بے حقیقت ہے۔ اور مزید یہ کہ یہ قول سند کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے اور جہالتِ راوی کی وجہ سے شدید ضعیف ہے۔ اس کے تمام طرق میں مذکور جہالت راوی واضح ہے مزید تفصیل کی ضرورت ہی نہیں ایک مجہول روایت لے کر اور ضعیف قول کو بہانہ بنا کر حرم نبوت کے تقدس کو پامال کیا محض فضول جبری تحکم ہے اور ظلم عظیم ہے۔

عقلی دلیل

"وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ" میں دونوں صیغے جمع کے ہیں اگر صرف حضرت ابوطالب مراد ہوتے تو صیغہ واحد کا ہوتا اس لیے کہ یہ دونوں فعل کفار کے ہیں۔ خود بھی آقا ﷺ سے دور رہتے ہیں اور لوگوں کو بھی دور رکھتے ہیں۔ دونوں فعلوں کا مفعول یہ آقا ﷺ ہیں لیکن دونوں فعلوں کا فاعلی کے اعتبار سے اثر مختلف ہے یعنی ابتداء پلیدی تو کفار مکہ کی ہے مگر ان کے نفرت دلانے سے کوئی اور نفرت کرے تو یہ دوسرا فاعلی قرار پایا لیکن ابوطالب علیہ السلام دو مختلف فعلوں کے ایک ہی فاعل بنائے گئے ہیں اس طرح دو نقیضین یکجا کردی گئیں جو کہ عقلاً محال ہے۔

صورت اس کی یہ ہے کہ پہلی حالت میں جناب ابوطالب علیہ السلام آپ ﷺ سے شدید محبت کرتے ہیں اس بنا پر آپ لوگوں کو روکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہ دو یہ سرکار دو عالم ﷺ سے شدید محبت کا اظہار ہے۔ آپ دفاع کرتے ہیں کفار مکہ سے الجھ جاتے ہیں انجام کی پرواہ کیے بغیر۔ گویا آپ کا پہلا عمل آقا علیہ السلام کی واضح محبت کا ثبوت ہے۔ اور دوسرا عمل یعنی "وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ" کہ آپ ﷺ سے دور بھاگتے ہیں یعنی اتباع نہیں کرتے دین کے اعتبار سے۔ اب اس صورت میں دور بھاگنا نفرت کا اظہار ہوتا ہے اور "عنہ" کی صورت میں اس فعل کے فاعل ابوطالب علیہ السلام قرار پائے۔ اور مفعول بہ کے اعتبار سے خود آقا علیہ السلام ہیں اس اعتبار سے شدید محبت بھی کرتے ہیں اور شدید نفرت بھی۔ گویا ایک ہی وجود سے نفرت بھی اور محبت بھی ہے۔ نفرت اور محبت یکجا ہو نہیں ہوسکتیں کیونکہ جس طرح آگ اور پانی ایک وقت میں ایک ہی جگہ جمع نہیں ہوسکتے ایسے ہی ایک وجود میں شدید محبت اور شدید نفرت ایک وقت، ایک اعتبار سے ایک ہی شخص میں جمع نہیں ہوسکتے۔ بنابریں طے یہ ہوا ابوطالب علیہ السلام جیسے عظیم مدبر دانشور سے اس طرح کا دوہرا معیار ممکن ہی نہیں۔

حیرت تو اس بات پر ہے کہ "حُبًّا شَدِيدًا" کی عظمت میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کی محبتیں حضور ﷺ سے اور حضور ﷺ کی شدید محبتیں ابوطالب علیہ السلام سے پورے تواتر سے ثابت ہیں۔ اس بات کا اعتراف خود دشمن بھی کرتے ہیں اور یہ تواتر ہمارے تسلسل کے ساتھ آج تک معروف ہے۔ رہا نفرت کا معاملہ تو وہ کسی ظنی سے بھی زیادہ ظنی دلیل سے آج تک ثابت ہی نہیں کیا جاسکا۔ کسی میں ہمت ہی نہیں کہ ایسا کرسکے جو روایات اس سلسلے میں تشکیل دی گئیں تھیں ان کا علمی وجود بھی کوئی نہیں۔ حضرت مسیب والی روایت کا حشر آپ کے سامنے ہے تو پھر خواہ مخواہ محسن اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کفر و شرک کی دلدل میں بلا دلیل گھسیٹنا ہی بہیمی جارحیت ہے اور ناقابل برداشت ہے۔

قارئین محترم! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو نہ ان کے والد عباس بن عبدالمطلب مانتے ہیں نہ وہ مانتے ہیں جن کی

بابت زبانِ رسالت نے فرمایا "اَلْعَلِیُّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَ الْقُرْاٰنُ مَعَ الْعَلِیِّ" علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔
"لَنْ یَّفْتَرِقَا" یہ ہرگز ہرگز قیامت تک جدا نہیں ہو سکتے۔

اور نہ ہی خود صاحبِ وحی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانتے ہیں اور نہ ہی قرآنی سیاق و سباق آیات اور نہ ہی مضمون قرآن نہ ہی زمینی حقائق اور نہ ہی بداہت عقل مانتے ہیں۔ اس قوی تر دلیل و حجت کے مدمقابل ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی کوئی شرعی دینی مذہبی اخلاقی سماجی اور معاشرتی حیثیت نہیں رہی۔ بلکہ میرا غالب گمان ہے یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے ہی نہیں بس ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ مفسرین نے بلا تحقیق اندھا دھند نقل کر دیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک ذمہ دار، باوجاہت فقیہہ ہیں وہ ایسی غیر ذمہ دارانہ باتیں نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود اس روایت میں شریک ہیں جس میں ان کے والد گرامی جناب عباس کلمہ طیبہ پڑھے جانے کے عینی گواہ ہیں اور خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ روایت صحیح لذاتہ ہے ایک صحیح لذاتہ روایت کا معارضہ متفرد قول نہیں کر سکتا۔ اور اس قول میں ایک راوی مجہول ہے بنابریں یہ قول روایتاً بھی ضعیف ہے درایتاً غیر معقول و غیر مقبول ہے مفید یقین نہیں ہو سکتا۔ تمام تحقیق آگے آ رہی ہے۔

تمام مفسرین نے بھی قول اول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے اور "وَالْاَظْهَرُ الْاَوَّلُ" کہ کفارِ مکہ کا مصداق آیت ہونا ظاہر تر ہے۔ بس اب اس ترجیح کے بعد شور شرابے کا جواز ہی ختم ہو گیا۔ اب اس قول کو دلیل کفرِ ابی طالب علیہ السلام بنانا نہایت ہی بھونڈی بات ہے، بچگانہ حرکتیں ہیں یا نرا تعصب۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

اب آیئے ذرا تفسیری اثاثے کی طرف چلتے ہیں تفاسیر زیرِ مطالعہ تو بہت ساری ہیں مگر یہاں صرف چند ایک معروف تفاسیر کو بطور نمونہ عرض کیے دیتا ہوں۔

نوٹ: تفاسیر کا ترجمہ صرف خلاصہ کی صورت میں پیش کیا جائے گا کیونکہ طوالت آڑے ہے۔ مگر شدتِ ضرورت کے تحت کہیں کہیں تفصیل بھی ضرور ہو گی۔

ذخیرہ تفاسیر ملاحظہ ہو

دنیائے تفاسیر کی ایک مسلم شناخت ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر ابن کثیر اس مسئلہ میں رقم طراز ہیں:

"[سورۃ الأنعام (6): الآیات 22 الی 26]

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ

قَالُوا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

يَقُولُ تَعَالَى مُخْبِرًا عَنِ الْمُشْرِكِينَ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَيَسْأَلُهُمْ عَنِ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْدَادِ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَهَا مِنْ دُونِهِ قَائِلًا لَهُمْ أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ كقوله تعالى في سورة القصص وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ القصص: [62وقوله تعالى: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ أَيْ حُجَّتُهُمْ وَقَالَ عطاء الخراساني عنه: أَيْ مَعْذِرَتُهُمْ. وَكَذَا قَالَ قَتَادَةُ. وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَيْ قِيلُهُمْ وَكَذَا قَالَ الضَّحَّاكُ وَقَالَ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ بَلِيَّتُهُمْ حِينَ ابْتُلُوا إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ.

وَقَالَ ابْنُ جَرِيرٍ: وَالصَّوَابُ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ قِيلُهُمْ عِنْدَ فِتْنَتِنَا إياهم. اعتذارا عما سَلَفَ مِنْهُمْ مِنَ الشِّرْكِ بِاللَّهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ.

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ: حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الرَّازِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الْمِنْهَالِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابن عباس رضي الله عنهما قال: أتاه رجل فقال:

يا ابْنَ عَبَّاسٍ، سَمِعْتُ اللَّهَ يَقُولُ وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ قَالَ أَمَّا قَوْلُهُ وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ فَإِنَّهُمْ رَأَوْا أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ، إِلَّا أَهْلُ الصَّلَاةِ، فَقَالُوا: تَعَالَوْا فَلْنَجْحَدْ فَيَجْحَدُونَ. فَيَخْتِمُ اللَّهُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتَشْهَدُ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ. وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا. فَهَلْ فِي قَلْبِكَ الْآنَ شَيْءٌ؟ إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ القرآن إلا ونزل فيه شَيْءٌ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ وَجْهَهُ.

وَقَالَ الضَّحَّاكُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: هَذِهِ فِي الْمُنَافِقِينَ، وفيه نَظَرٌ. فَإِنَّ هَذِهِ الْآيَةَ مَكِّيَّةٌ، وَالْمُنَافِقُونَ إِنَّمَا كَانُوا بِالْمَدِينَةِ، وَالَّتِي نَزَلَتْ فِي الْمُنَافِقِينَ آيَةُ الْمُجَادَلَةِ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعاً فَيَحْلِفُونَ لَهُ المجادلة: [18الآية. وَهَكَذَا قَالَ فِي حَقِّ هَؤُلَاءِ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ كقوله ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا غافر: [74-73الآية.

وَقَوْلُهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْراً وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا

يُؤْمِنُوا بِهَا أي يجيئون ليستمعوا قِرَاءَتَكَ، وَلَا تُجْزِى عَنْهُمْ شَيْئًا لِأَنَّ اللَّهَ جَعَلَ عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَيْ أَغْطِيَةً لِئَلَّا يَفْقَهُوا الْقُرْآنَ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا أَيْ صَمَمًا عن السماع النافع لهم. كما قَالَ تَعَالَى: وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً البقرة: [171 الآية. وَقَوْلُهُ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا أَيْ مَهْمَا رَأَوْا مِنَ الْآيَاتِ وَالدَّلَالَاتِ والحجج البينات والبراهين. لَا يُؤْمِنُوا بِهَا فَلَا فَهْمَ عِنْدَهُمْ وَلَا إنصاف، كقوله تَعَالَى: وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ الأنفال: [23 الآية.

وقوله تعالى: حَتَّى إِذَا جَاؤُكَ يُجَادِلُونَكَ أَيْ يُحَاجُّونَكَ وَيُنَاظِرُونَكَ. فِي الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ. يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ أَيْ مَا هَذَا الَّذِي جِئْتَ بِهِ. إلا مأخوذا مِنْ كُتُبِ الْأَوَائِلِ، وَمَنْقُولٌ عَنْهُمْ.

وَقَوْلُهُ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ فِي مَعْنَى يَنْهَوْنَ عَنْهُ قَوْلَانِ، أَحَدُهُمَا: أَنَّ الْمُرَادَ أَنَّهُمْ يَنْهَوْنَ النَّاسَ عَنِ اتِّبَاعِ الْحَقِّ وَتَصْدِيقِ الرسول والانقياد للقرآن، وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ أي ويبعدونهم عَنْهُ. فَيَجْمَعُونَ بَيْنَ الْفِعْلَيْنِ الْقَبِيحَيْنِ، لَا يَنْتَفِعُونَ ولا يدعون أحدا ينتفع. قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عباس وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ يردون النَّاسَ عَنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. أن يؤمنوا به. وقال محمد ابن الْحَنَفِيَّةِ: كَانَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ لَا يَأْتُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ. وَ كَذَا قال قتادة ومجاهد وَالضَّحَّاكُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ وَهَذَا الْقَوْلُ أَظْهَرُ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ. وَهُوَ اخْتِيَارُ ابْنِ جَرِيرٍ وَالْقَوْلُ الثَّانِي رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَمَّنْ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ فِي قَوْلِهِ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ قَالَ: نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ. كَانَ يَنْهَى النَّاسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤْذَى، وَ كَذَا قَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُخَيْمِرَةَ، وَحَبِيبُ بْنُ أَبِي ثابت، وعطاء بن دينار، وغيره. إِنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي هِلَالٍ: نَزَلَتْ فِي عُمُومَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا عَشَرَةً. فَكَانُوا أَشَدَّ النَّاسِ مَعَهُ فِي الْعَلَانِيَةِ، وَأَشَدَّ النَّاسِ عَلَيْهِ فِي السِّرِّ. رَوَاهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ. وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ الْقُرَظِيُّ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ أي ينهون الناس عن قتله. وقوله وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ أَيْ يَتَبَاعَدُونَ مِنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيْ وَمَا يُهْلِكُونَ بِهَذَا الصَّنِيعِ، وَلَا يَعُودُ وَبَالُهُ إِلَّا عَلَيْهِمْ. وهم لا يشعرون۔"

خلاصہ تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات بینات میں کفارِ مکہ کے ظالمانہ رویّوں کو بیان فرمایا۔ بعدازاں ان کے دنیوی اور اُخروی مواخذے کا

ذکر فرمایا۔ یہ بد طینت انسان قرآن کریم کو گزری ہوئی بیہودہ جھوٹی کہانی سے تشبیہ دیتے پھر سید عالم ﷺ سے خود بھی نفرت کرتے تھے اور لوگوں کو بھی نفرت دلایا کرتے تھے۔ قدرت نے فرمایا یہ لوگ اتنی بدترین ہلاکت میں گریں گے کہ جس کا انھیں اندازہ ہی نہیں ہو پائے گا یہ پہلا ان آیات کا سبب نزول ہے شان نزول کی بابت یہی کہا ہے۔ " وھٰذا القولُ الاظھر " اور اسی کو قول اظہر کہا ہے یعنی ظاہر تر قول کہا ہے۔ اس پر اعتماد کیا ہے اور دوسرا قول جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔

ا۔ یہ کہ یہ آپ ﷺ کے تمام دس چچاؤں کی بابت ہے۔

۲۔ یا صرف حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت ہے۔

صورت اول کی طرف زیادہ لوگ گئے ہیں جبکہ ابوطالب علیہ السلام کی طرف صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے حوالے سے چند اہل علم آئے ہیں۔ تاہم مکفرین ابی طالب علیہ السلام کی کونسی ایسی مجبوری ہے کہ وہ قول ظاہر تر کو چھوڑ کر ایک مرجوح قول کی طرف لپکیں اور ترجیح بلا مرجح کے علمی جرم کے مرتکب ہوئے۔ اس مرجوح تر قول کو سامنے رکھ کر کفر ابی طالب علیہ السلام پر مستقل کتابیں لکھیں جو کہ بالکل بلا جواز ہیں کیونکہ اس قول کے علمی مؤیدات کہیں نہیں ملتے جبکہ پہلے سبب نزول کے علمی مؤیدات ہزاروں تو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ احادیث کے اندر مؤیدات کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ باقی تفصیلات خلاصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ عربی عبارات میں خط کشیدہ الفاظ پر خود غور فرمائیں۔

دنیائے تفسیر کے ایک عظیم نام معقول و منقول کی جامع شخصیت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر مفاتیح الغیب سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

سورة الأنعام(6) آية 25

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (25)

اعْلَمْ أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا بَيَّنَ أَحْوَالَ الْكُفَّارِ فِي الْآخِرَةِ أَتْبَعَهُ بِمَا يُوجِبُ الْيَأْسَ عَنْ إِيمَانِ بَعْضِهِمْ فَقَالَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَفِي الْآيَةِ مَسَائِلُ

الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَضَرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو سُفْيَانَ وَالْوَلِيدُ بن المغيرة والنضر بن الحارث وعقبة وَعُتْبَةُ وَشَيْبَةُ ابْنَا رَبِيعَةَ وَأُمَيَّةُ وَأُبَيٌّ ابنا خلف والحرث بْنُ عَامِرٍ وَأَبُو جَهْلٍ وَاسْتَمَعُوا إِلَى حَدِيثِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا لِلنَّضْرِ مَا يَقُولُ مُحَمَّدٌ فَقَالَ لَا أَدْرِي مَا يَقُولُ لَكِنِّي أَرَاهُ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ

وَيَتَكَلَّمُ بِأَسَاطِيرِ الْأَوَّلِينَ كَالَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ بِهِ عَنْ أَخْبَارِ القرون الأولى وقال أبو سفيان إني لا أرى بعض ما يقول حقًا فقال أبو جهل كلا فأنزل الله تعالى وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ والأكنة جمع كِنَانٍ وَهُوَ مَا وَقَى شَيْئًا وَسَتَرَهُ، مِثْلُ عِنَانٍ وَأَعِنَّةٍ، وَالْفِعْلُ مِنْهُ كَنَنْتُ وَأَكْنَنْتُ وَأَمَّا قَوْلُهُ أَنْ يَفْقَهُوهُ فقال الزجاج مَوْضِعُ أَنْ نَصْبٌ عَلَى أَنَّهُ مَفْعُولٌ لَهُ وَالْمَعْنَى وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً لِكَرَاهَةِ أَنْ يَفْقَهُوهُ فلما حذفت (اللَّامُ) نُصِبَتِ الْكَرَاهَةُ، وَلَمَّا حُذِفَتِ الْكَرَاهَةُ انْتَقَلَ نَصْبُهَا إِلَى (أَنْ) وَقَوْلُهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا قَالَ ابْنُ السِّكِّيتِ الْوَقْرُ الثِّقَلُ فِي الْأُذُنِ

الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ احْتَجَّ أَصْحَابُنَا بِهَذِهِ الْآيَةِ عَلَى أَنَّهُ تَعَالَى قَدْ يَصْرِفُ عَنِ الْإِيمَانِ، وَيَمْنَعُ مِنْهُ وَيَحُولُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَهُ، وَذَلِكَ لِأَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ جَعَلَ الْقَلْبَ فِي الْكِنَانِ الَّذِي يَمْنَعُهُ عَنِ الْإِيمَانِ، وَذَلِكَ هُوَ الْمَطْلُوبُ قَالَتِ الْمُعْتَزِلَةُ لَا يُمْكِنُ إِجْرَاءُ هَذِهِ الْآيَةِ عَلَى ظَاهِرِهَا وَيَدُلُّ عَلَيْهِ وُجُوهٌ الْأَوَّلُ أَنَّهُ تَعَالَى إِنَّمَا أَنْزَلَ الْقُرْآنَ لِيَكُونَ حُجَّةً لِلرَّسُولِ عَلَى الْكُفَّارِ لَا لِيَكُونَ حُجَّةً لِلْكُفَّارِ عَلَى الرَّسُولِ، وَلَوْ كَانَ الْمُرَادُ مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ أَنَّهُ تَعَالَى مَنَعَ الْكُفَّارَ عَنِ الْإِيمَانِ لَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَقُولُوا لِلرَّسُولِ لَمَّا حَكَمَ اللَّهُ تَعَالَى بِأَنَّهُ مَنَعَنَا مِنَ الْإِيمَانِ فَلِمَ يَذُمُّنَا عَلَى تَرْكِ الْإِيمَانِ، وَلِمَ يَدْعُونَا إِلَى فِعْلِ الْإِيمَانِ الثَّانِي أَنَّهُ تَعَالَى لَوْ مَنَعَهُمْ مِنَ الْإِيمَانِ ثُمَّ دَعَاهُمْ إِلَيْهِ لَكَانَ ذَلِكَ تَكْلِيفًا لِلْعَاجِزِ وَهُوَ مَنْفِيٌّ بِصَرِيحِ الْعَقْلِ وَبِقَوْلِهِ تَعَالَى لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا الْبَقَرَةِ [286 الثَّالِثُ أَنَّهُ تَعَالَى حَكَى صَرِيحَ هَذَا الْكَلَامِ عَنِ الْكُفَّارِ فِي مَعْرِضِ الذَّمِّ فَقَالَ تَعَالَى وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ فصلت 5 وَقَالَ فِي آيَةٍ أُخْرَى وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ الْبَقَرَةِ [88 وَإِذَا كَانَ قَدْ حَكَى اللَّهُ تَعَالَى هَذَا الْمَذْهَبَ عَنْهُمْ فِي مَعْرِضِ الذَّمِّ لَهُمُ امْتَنَعَ أَنْ يَذْكُرَهُ هَاهُنَا فِي مَعْرِضِ التَّقْرِيعِ وَالتَّوْبِيخِ، وَإِلَّا لَزِمَ التَّنَاقُضُ وَالرَّابِعُ أَنَّهُ لَا نِزَاعَ أَنَّ الْقَوْمَ كَانُوا يَفْهَمُونَ وَيَسْمَعُونَ وَيَعْقِلُونَ

وَالْخَامِسُ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ وَرَدَتْ فِي مَعْرِضِ الذَّمِّ لَهُمْ عَلَى تَرْكِ الْإِيمَانِ وَلَوْ كَانَ هَذَا الصَّدُّ وَالْمَنْعُ مِنْ قِبَلِ اللَّهِ تَعَالَى لَمَا كَانُوا مَذْمُومِينَ بَلْ كَانُوا مَعْذُورِينَ وَالسَّادِسُ أَنَّ قَوْلَهُ حَتَّى إِذَا جَاؤُكَ يُجَادِلُونَكَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُمْ كَانُوا يَفْقَهُونَ وَيُمَيِّزُونَ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ، وَعِنْدَ هَذَا قَالُوا لَا بُدَّ مِنَ التَّأْوِيلِ وَهُوَ مِنْ وُجُوهٍ الْأَوَّلُ قَالَ الْجُبَّائِيُّ إِنَّ الْقَوْمَ كَانُوا يَسْتَمِعُونَ لِقِرَاءَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَتَوَسَّلُوا بِسَمَاعِ قِرَاءَتِهِ إِلَى مَعْرِفَةِ مَكَانِهِ بِاللَّيْلِ فَيَقْصِدُوا قَتْلَهُ وَإِيذَاءَهُ فَعِنْدَ ذَلِكَ كَانَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يُلْقِي عَلَى قُلُوبِهِمُ النَّوْمَ، وَهُوَ الْمُرَادُ مِنَ الْأَكِنَّةِ، وَيُثْقِلُ أَسْمَاعَهُمْ عَنِ اسْتِمَاعِ تِلْكَ الْقِرَاءَةِ بِسَبَبِ ذَلِكَ النَّوْمِ، وَهُوَ الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهِ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَالثَّانِي أَنَّ الْإِنْسَانَ الَّذِي عَلِمَ اللَّهُ

مِنْهُ أَنَّهُ لَا يُؤْمِنُ، وَأَنَّهُ يَمُوتُ عَلَى الْكُفْرِ فَإِنَّهُ تَعَالَى يَسِمُ قَلْبَهُ بِعَلَامَةٍ مَخْصُوصَةٍ يَسْتَدِلُّ الْمَلَائِكَةُ بِرُؤْيَتِهَا عَلَى أَنَّهُ لَا يُؤْمِنُ، فَصَارَتْ تِلْكَ الْعَلَامَةُ دَلَالَةً عَلَى أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ

وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ لَا يَبْعُدُ تَسْمِيَةُ تِلْكَ الْعَلَامَةِ بِالْكِنَانِ وَالْغِطَاءِ الْمَانِعِ، مَعَ أَنَّ تِلْكَ الْعَلَامَةَ فِي نَفْسِهَا لَيْسَتْ مَانِعَةً عَنِ الْإِيمَانِ

وَالتَّأْوِيلُ الثَّالِثُ أَنَّهُمْ لَمَّا أَصَرُّوا عَلَى الْكُفْرِ وَعَانَدُوا وَصَمَّمُوا عَلَيْهِ، فَصَارَ عُدُولُهُمْ عَنِ الْإِيمَانِ وَالْحَالَةُ هَذِهِ كَالْكِنَانِ الْمَانِعِ عَنِ الْإِيمَانِ، فَذَكَرَ اللهُ تَعَالَى الْكِنَانَ كِنَايَةً عَنْ هَذَا الْمَعْنَى

وَالتَّأْوِيلُ الرَّابِعُ أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا مَنَعَهُمُ الْأَلْطَافَ الَّتِي إِنَّمَا تَصْلُحُ أَنْ تُفْعَلَ بِمَنْ قَدِ اهْتَدَى فَأَخْلَاهُمْ مِنْهَا، وَفَوَّضَ أَمْرَهُمْ إِلَى أَنْفُسِهِمْ لِسُوءِ صَنِيعِهِمْ لَمْ يَبْعُدْ أَنْ يُضِيفَ ذَلِكَ إِلَى نَفْسِهِ فَيَقُولُ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

وَالتَّأْوِيلُ الْخَامِسُ أَنْ يَكُونَ هَذَا الْكَلَامُ وَرَدَ حِكَايَةً لِمَا كَانُوا يَذْكُرُونَهُ مِنْ قَوْلِهِمْ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ فصلت (5)

وَالْجَوَابُ عَنِ الْوُجُوهِ الَّتِي تَمَسَّكُوا بِهَا فِي بَيَانِ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ حَمْلُ الْكِنَانِ وَالْوَقْرِ عَلَى أَنَّ اللهَ تَعَالَى مَنَعَهُمْ عَنِ الْإِيمَانِ، وَهُوَ أَنْ نَقُولَ بَلِ الْبُرْهَانُ الْعَقْلِيُّ السَّاطِعُ قَائِمٌ عَلَى صِحَّةِ هَذَا الْمَعْنَى، وَذَلِكَ لِأَنَّ الْعَبْدَ الَّذِي أَتَى بِالْكُفْرِ إِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْإِتْيَانِ بِالْإِيمَانِ، فَقَدْ صَحَّ قَوْلُنَا إِنَّهُ تَعَالَى هُوَ الَّذِي حَمَلَهُ عَلَى الْكُفْرِ وَصَدَّهُ عَنِ الْإِيمَانِ

وَأَمَّا إِنْ قُلْنَا إِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكُفْرِ كَانَ قَادِرًا عَلَى الْإِيمَانِ فَنَقُولُ يَمْتَنِعُ صَيْرُورَةُ تِلْكَ الْقُدْرَةِ مَصْدَرًا لِلْكُفْرِ دُونَ الْإِيمَانِ، إِلَّا عِنْدَ انْضِمَامِ تِلْكَ الدَّاعِيَةِ، وَقَدْ عَرَفْتَ فِي هَذَا الْكِتَابِ أَنَّ مَجْمُوعَ الْقُدْرَةِ مَعَ الدَّاعِي يُوجِبُ الْفِعْلَ، فَيَكُونُ الْكُفْرُ عَلَى هَذَا التَّقْدِيرِ مِنَ اللهِ تَعَالَى، وَتَكُونُ تِلْكَ الدَّاعِيَةُ الْجَازِمَةُ إِلَى الْكُفْرِ كِنَانًا لِلْقَلْبِ عَنِ الْإِيمَانِ، وَوَقْرًا لِلسَّمْعِ عَنِ اسْتِمَاعِ دَلَائِلِ الْإِيمَانِ، فَثَبَتَ بِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْبُرْهَانَ الْعَقْلِيَّ مُطَابِقٌ لِمَا دَلَّ عَلَيْهِ ظَاهِرُ هَذِهِ الْآيَةِ وَإِذَا ثَبَتَ بِالدَّلِيلِ الْعَقْلِيِّ صِحَّةُ مَا دَلَّ عَلَيْهِ ظَاهِرُ هَذِهِ الْآيَةِ، وَجَبَ حَمْلُ هَذِهِ الْآيَةِ عَلَيْهِ عَمَلًا بِالْبُرْهَانِ وَبِظَاهِرِ الْقُرْآنِ، وَاللهُ أَعْلَمُ

الْمَسْأَلَةُ الثَّالِثَةُ أَنَّهُ تَعَالَى قَالَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ فَذَكَرَهُ بِصِيغَةِ الْإِفْرَادِ ثُمَّ قَالَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَذَكَرَهُ بِصِيغَةِ الْجَمْعِ وَإِنَّمَا حَسُنَ ذَلِكَ لِأَنَّ صِيغَةَ (مَنْ) وَاحِدٌ فِي اللَّفْظِ جَمْعٌ فِي الْمَعْنَى

وَأَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ دَلِيلٍ وَحُجَّةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا لِأَجْلِ أَنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَ عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً، وَهَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى فَسَادِ التَّأْوِيلِ الْأَوَّلِ الَّذِي نَقَلْنَاهُ عَنِ الْجُبَّائِيِّ، وَلِأَنَّهُ لَوْ كَانَ

الْمُرَادُ مِن قَوْلِهِ تَعَالَى وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً إِلْقَاءَ النَّوْمِ عَلَى قُلُوبِ الْكُفَّارِ لِئَلَّا يُمْكِنَهُمُ التَّوَسُّلُ بِسَمَاعِ صَوْتِهِ عَلَى وِجْدَانِ مَكَانِهِ لَمَا كَانَ قَوله وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا لَائِقًا بِهَذَا الْكَلَامِ، وَأَيْضًا لَوْ كَانَ الْمُرَادُ مَا ذَكَرَهُ الْجُبَّائِي لَكَانَ يَجِبُ أَنْ يُقَالَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَسْمَعُوهُ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الَّذِي ذَكَرَهُ الْجُبَّائِي إِنَّمَا يَحْصُلُ بِالْمَنْعِ مِنْ سَمَاعِ صَوْتِ الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَّا الْمَنْعُ مِنْ نَفْسِ كَلَامِهِ وَمِنْ فَهْمِ مَقْصُودِهِ، فَلَا تَعَلُّقَ لَهُ بِمَا ذَكَرَهُ الْجُبَّائِي فَظَهَرَ سُقُوطُ قَوْلِهِ وَاللهُ أَعْلَمُ

أَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى حَتَّى إِذَا جَاؤُكَ يُجَادِلُونَكَ فَاعْلَمْ أَنَّ هَذَا الْكَلَامَ جُمْلَةٌ أُخْرَى مرتبة على ما قبلها وَحَتَّى فِي هَذَا الْمَوْضِعِ هِيَ الَّتِي يَقَعُ بَعْدَهَا الجمل، والجملة هي قوله إِذَا جَاؤُكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا، وَيُجَادِلُونَكَ فِي مَوْضِعِ الْحَالِ وَقَوْلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا تَفْسِيرٌ لِقَوْلِهِ يُجَادِلُونَكَ وَالْمَعْنَى أَنَّهُ بَلَغَ بِتَكْذِيبِهِمُ الْآيَاتِ إِلَى أَنَّهُمْ يُجَادِلُونَكَ وَيُنَاكِرُونَكَ، وَفَسَّرَ مُجَادَلَتَهُمْ بِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ قَالَ الْوَاحِدِيُّ وَأَصْلُ الْأَسَاطِيرِ مِنَ السَّطْرِ، وَهُوَ أَنْ يَجْعَلَ شَيْئًا مُمْتَدًّا مُؤَلَّفًا وَمِنْهُ سَطْرُ الْكِتَابِ وَسَطْرٌ مِنْ شَجَرٍ مَغْرُوسٍ قَالَ ابْنُ السِّكِّيتِ يُقَالُ سَطْرٌ وَسَطَرٌ، فَمَنْ قَالَ سَطْرٌ فَجَمْعُهُ فِي الْقَلِيلِ أَسْطُرٌ وَالْكَثِيرِ سُطُورٌ، وَمَنْ قَالَ سَطَرٌ فَجَمْعُهُ أَسْطَارٌ، وَالْأَسَاطِيرُ جَمْعُ الْجَمْعِ، وَقَالَ الْجُبَّائِي وَاحِدُ الْأَسَاطِيرِ أُسْطُورٌ وَأُسْطُورَةٌ وَأُسْطِيرٌ وَأُسْطِيرَةٌ، وَقَالَ الزَّجَّاجُ وَاحِدُ الْأَسَاطِيرِ أُسْطُورَةٌ مِثْلَ أَحَادِيثَ وَأُحْدُوثَةٍ وَقَالَ أَبُو زَيْدٍ الْأَسَاطِيرُ مِنَ الْجَمْعِ الَّذِي لَا وَاحِدَ لَهُ مِثْلُ عَبَادِيدَ ثُمَّ قَالَ الْجُمْهُورُ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ مَا سَطَرَهُ الْأَوَّلُونَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْنَاهُ أَحَادِيثُ الْأَوَّلِينَ الَّتِي كَانُوا يَسْطُرُونَهَا أَيْ يَكْتُبُونَهَا فَأَمَّا قَوْلُ مَنْ فَسَّرَ الْأَسَاطِيرَ بِالتُّرَّهَاتِ، فَهُوَ مَعْنًى وَلَيْسَ مُفَسَّرًا وَلَمَّا كَانَتْ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ مِثْلَ حَدِيثِ رُسْتُمَ وَاسْفَنْدِيَارَ كَلَامًا لَا فَائِدَةَ فِيهِ لَا جَرَمَ فُسِّرَتْ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ بِالتُّرَّهَاتِ

الْمَسْأَلَةُ الرَّابِعَةُ اعْلَمْ أَنَّهُ كَانَ مَقْصُودُ الْقَوْمِ مِنْ ذِكْرِ قَوْلِهِمْ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ الْقَدْحَ فِي كَوْنِ الْقُرْآنِ مُعْجِزًا فَكَأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّ هَذَا الْكَلَامَ مِنْ جِنْسِ سَائِرِ الْحِكَايَاتِ الْمَكْتُوبَةِ، وَالْقِصَصِ الْمَذْكُورَةِ لِلْأَوَّلِينَ، وَإِذَا كَانَ هَذَا مِنْ جِنْسِ تِلْكَ الْكُتُبِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَى حِكَايَاتِ الْأَوَّلِينَ وَأَقَاصِيصِ الْأَقْدَمِينَ لم يكن معجزا خارقا للعادة وَأَجَابَ الْقَاضِي عَنْهُ بِأَنْ قَالَ هَذَا السُّؤَالُ مَدْفُوعٌ لِأَنَّهُ يَلْزَمُ أَنْ يُقَالَ لَوْ كَانَ فِي مَقْدُورِكُمْ مُعَارَضَتُهُ لَوَجَبَ أَنْ تَأْتُوا بِتِلْكَ الْمُعَارَضَةِ وَحَيْثُ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهَا ظَهَرَ أَنَّهَا مُعْجِزَةٌ وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ كَانَ لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُولُوا نَحْنُ وَإِنْ كُنَّا أَرْبَابَ هَذَا اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ إِلَّا أَنَّا لَا نَعْرِفُ كَيْفِيَّةَ تَصْنِيفِ الْكُتُبِ وَتَأْلِيفِهَا وَلَسْنَا أَهْلًا لِذَلِكَ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ عَجْزِنَا عَنِ التَّصْنِيفِ كَوْنُ الْقُرْآنِ مُعْجِزًا لِأَنَّا بَيَّنَّا أَنَّهُ مِنْ جِنْسِ سَائِرِ الْكُتُبِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَى أَخْبَارِ الْأَوَّلِينَ وَأَقَاصِيصِ

الاقدمين - واعلم أن الجواب عن هذا السؤال سيأتي في الآية المذكورة بعد ذلك

سورة الأنعام (6) آية 26

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (26)

في الآية مسائل

المسألة الأولى اعلم أنه تعالى لما بين أنهم طعنوا في كون القرآن معجزا بأن قالوا إنه من جنس أساطير الأولين وأقاصيص الأقدمين بين في هذه الآية أنهم ينهون عنه وينأون عنه، وقد سبق ذكر القرآن وذكر محمد عليه السلام، فالضمير في قوله عنه محتمل أن يكون عائدا إلى القرآن وأن يكون عائدا إلى محمد عليه الصلاة والسلام، فلهذا السبب اختلف المفسرون فقال بعضهم وهم ينهون عنه وينأون عنه أي عن القرآن وتدبره والاستماع...

وقال آ... وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو ہلاکت کی وعید سنائی ہے ان کے ظالمانہ رویوں کی بابت اور وہ شخص محترم کیسے ہ... ہو جائے جو شمع رسالت کی حفاظت فانوس بن کر کرے (واہ سبحان اللہ)

گویا امام فخر الدین رازی نے کھل کر وضاحت کر دی کہ قولِ ابنِ عباس جو مشہور ہے ان کی طرف بالکل بے حقیقت ہے ... ہو ہی نہیں کیونکہ قرآن کریم کا نظم اسے قبول ہی نہیں کرتا۔ مکمل تفصیل آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ کفار کی ہلاکت ہی قرینہ ... ان کے فعل قبیح کی بنیاد پر کہ آیت کے مصداق کفارِ مکہ ہی ہیں نہ کہ ابو طالب علیہ السلام۔

ایک عظیم مفسر جو قدیم وجدید کا حسین امتزاج ہیں اپنی تفسیر الوسیط طنطاوی المؤلف محمد سید طنطاوی مطبع مصر، القاہرہ، میں رقم طراز ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

سورة الأنعام (6): الآيات 22 الى 26]

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (22) ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قالُوا وَاللَّهِ رَبِّنا ما كُنَّا مُشْرِكِينَ (23) انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ ما كانُوا يَفْتَرُونَ (24) وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنا عَلى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذانِهِمْ وَقْراً وَإِنْ يَرَوْا ...

يُقَالُ نَأَى يَنْأَى إِذَا بَعُدَ ثُمَّ قَالَ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، أَيْ وَمَا يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُم بِسَبَبِ تَمَادِيهِمْ فِي الْكُفْرِ وَغُلُوِّهِمْ فِيهِ وَمَا يَشْعُرُونَ أَنَّهُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَيُذْهِبُونَهَا إِلَى النَّارِ بِمَا يَرْتَكِبُونَ مِنَ الْكُفْرِ والمعصية، والله أعلم"

خلاصۂ تفسیر رازی

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف تفسیر کبیر میں تین اہم امور پر گفتگو فرمائی۔

کفار مکہ کی بابت نازل کردہ قرآنی مذمت کی کئی ایک وجوہات بیان کیں

(الف) یہ بدبخت قرآن پر طنز کرتے ہوئے کہتے کہ یہ جھوٹے قصوں کے سوا کچھ نہیں: اس پر قدرت الہیہ نے ا[illegible]

يجادِلونَكَ وينا[illegible]ونك، وَفسّرَ مُجَادَلَتَهُمْ بِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ قَالَ الْوَاحِدِيُّ وَأَصْلُ الْأَسَاطِيرِ مِنَ السَّطْرِ، وَهُوَ أَنْ يَجْعَلَ شَيْئًا مُمْتَدًّا مُؤَلَّفًا وَمِنْهُ سَطْرُ الْكِتَابِ وَسَطْرٌ مِنْ شَجَرٍ مَغْرُوسٍ قَالَ ابْنُ السِّكِّيتِ يُقَالُ سَطْرٌ وَسَطَرٌ، فَمَنْ قَالَ سَطْرٌ فَجَمْعُهُ فِي الْقَلِيلِ أَسْطُرٌ وَالْكَثِيرِ سُطُورٌ، وَمَنْ قَالَ سَطَرٌ فَجَمْعُهُ أَسْطَارٌ، وَالْأَسَاطِيرُ جَمْعُ الْجَمْعِ، وَقَالَ الْجُبَّائِيُّ وَاحِدُ الْأَسَاطِيرِ أُسْطُورٌ وَأُسْطُورَةٌ وَأَسْطِيرٌ وَأَسْطِيرَةٌ، وَقَالَ الزَّجَّاجُ وَاحِدُ الْأَسَاطِيرِ أُسْطُورَةٌ مِثْلَ أَحَادِيثَ وَأُحْدُوثَةٍ وَقَالَ أَبُو زَيْدٍ الْأَسَاطِيرُ مِنَ الْجَمْعِ الَّذِي لَا وَاحِدَ لَهُ مِثْلَ عَبَادِيدَ ثُمَّ قَالَ الْجُمْهُورُ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ مَا سَطَّرَهُ الْأَوَّلُونَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْنَاهُ أَحَادِيثُ الْأَوَّلِينَ الَّتِي كَانُوا يَسْطُرُونَهَا أَيْ يَكْتُبُونَهَا فَأَمَّا قَوْلُ مَنْ فَسَّرَ الْأَسَاطِيرَ بِالتُّرَّهَاتِ، فَهُوَ مَعْنًى وَلَيْسَ مُفَسِّرًا وَلَمَّا كَانَتْ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ مِثْلَ حَدِيثِ رُسْتُمَ وَاسْفَنْدِيَارَ كَلَامًا لَا فَائِدَةَ فِيهِ لَا جَرَمَ فُسِّرَتْ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ بِالتُّرَّهَاتِ

الْمَسْأَلَةُ الرَّابِعَةُ اعْلَمْ أَنَّهُ كَانَ مَقْصُودُ الْقَوْمِ مِنْ ذِكْرِ قَوْلِهِمْ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ الْقَدْحَ فِي كَوْنِ الْقُرْآنِ مُعْجِزًا فَكَأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّ هَذَا الْكَلَامَ مِنْ جِنْسِ سَائِرِ الْحِكَايَاتِ الْمَكْتُوبَةِ، وَالْقَصَصِ الْمَذْكُورَةِ لِلْأَوَّلِينَ، وَإِذَا كَانَ هَذَا مِنْ جِنْسِ تِلْكَ الْكُتُبِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَى حِكَايَاتِ الْأَوَّلِينَ وَأَقَاصِيصِ الْأَقْدَمِينَ لم يكن معجزا خارقا للعادة وَأَجَابَ الْقَاضِي عَنْهُ بِأَنْ قَالَ هَذَا السُّؤَالُ مَدْفُوعٌ لِأَنَّهُ يَلْزَمُ أَنْ يُقَالَ لَوْ كَانَ فِي مَقْدُورِكُمْ مُعَارَضَتُهُ لَوَجَبَ أَنْ تَأْتُوا بِتِلْكَ الْمُعَارَضَةِ وَحَيْثُ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا ظَهَرَ أَنَّهَا مُعْجِزَةٌ [illegible]

مکہ ہی ہیں اسی لیے فرمایا "والقول الاول اشبه لوجهين" پہلا قول یعنی کفار مکہ کا مراد لینا ہی حقیقت کے مشابہ تر ہے دلیل
ترجیح قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ اسکی دو وجوہات ہیں
ا۔آیت مذکورہ کے سیاق وسباق کی آیات کا معنوی نظم ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس آیت سے کفار مکہ ہی کو مراد لیا جائے
نہ کہ ابوطالب علیہ السلام کو۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے طرز عمل کی مذمت بیان فرمائی ہے اگر
انکو مراد نہ لیا جائے تو نظم قرآنی اپنے مقتضیٰ کے مطابق حاصل ہی نہیں ہوتا قرآن کا معنوی نظم قطعی ہوتا ہے۔ جبکہ لوگوں کے
خیالات ظنی (فریدی)
گویا حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مراد آیت لینے سے قرآن کا معنوی نظم ہی نہیں قائم رہ سکتا۔ (لہٰذا یہ در آمدی قول چھوڑنا
ہی ہوگا (فریدی)
دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو ہلاکت کی وعید سنائی ہے ان کے ظالمانہ رویوں کی بابت اور وہ شخص محترم کیسے ہلاک
کیا جائے جو شمع رسالت کی حفاظت فانوس بن کر کرے (واہ سبحان اللہ)
گویا امام فخر الدین رازی نے کھل کر وضاحت کر دی کہ قولِ ابنِ عباس جو مشہور ہے ان کی طرف بالکل بے حقیقت ہے قابل
اعتناء ہی نہیں کیونکہ قرآن کریم کا نظم اسے قبول ہی نہیں کرتا۔ مکمل تفصیل آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ کفار کی ہلاکت ہی قرینہ ہے
ان کے فعل قبیح کی بنیاد پر کہ آیت کے مصداق کفار مکہ ہی ہیں نہ کہ ابوطالب علیہ السلام۔
ایک عظیم مفسر جو قدیم وجدید کا حسین امتزاج ہیں اپنی تفسیر الوسیط طنطاوی المؤلف محمد سید طنطاوی مطبع مصر، القاہرہ، میں یوں
رقم طراز ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

"سورة الأنعام (6): الآيات 22 الى 26]
وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (22) ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلاَّ أَنْ قالُوا وَاللَّهِ رَبِّنا ما كُنَّا مُشْرِكِينَ (23) انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ ما كانُوا يَفْتَرُونَ (24) وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنا عَلى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذانِهِمْ وَقْراً وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لا يُؤْمِنُوا بِها حَتَّى إِذا جاؤُكَ يُجادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هذا إِلاَّ أَساطِيرُ الْأَوَّلِينَ (25) وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلاَّ أَنْفُسَهُمْ وَما يَشْعُرُونَ (26) الحشر: الجمع. والمراد به جمعهم يوم القيامة لحسابهم على أعمالهم الدنيوية.
والمعنى: واذكر لهم أيها الرسول الكريم- ليعتبروا ويتعظوا- حالهم يوم نجمعهم جميعا في الآخرة

لنحاسبهم على أقوالهم وأفعالهم. ثم نسألهم سؤال إفضاح لا إيضاح- كما يقول القرطبي: أين شركاؤكم الذين كنتم تزعمون أنهم شفعاء لكي يدافعوا عنكم في هذا اليوم العصيب.

ويَوْمَ منصوب على الظرفية بفعل مضمر بعده أي: ويوم نحشرهم كان كذا و كذا. وحذف هذا الفعل من الكلام ليبقى على الإبهام الذى هو أدخل فى التخويف والتهويل. وقيل إنه منصوب على أنه مفعول به بفعل محذوف قبله والتقدير. واذكر يوم نحشرهم. أي: اذكر هذا اليوم من حيث ما يقع فيه. والضمير في نَحْشُرُهُمْ للذين افتروا على الله كذبا. أو كذبوا بآياته.

وفائدة كلمة جَمِيعاً رفع احتمال التخصيص. أي: أن جميع المشركين ومعبوداتهم سيحشرون أمام الله للحساب.

وكأن العطف بثم لتعدد الوقائع قبل هذا الخطاب الموجه للمشركين. إذ قبل ذلك سيكون قيامهم من قبورهم. ويكون هول الموقف. ويكون إحصاء الأعمال وقراءة كل امرء لكتابه ... إلخ. ثم يقول الله تعالى- لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا: أَيْنَ شُرَكاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ؟

ووبخهم- سبحانه- بقوله: أَيْنَ شُرَكاؤُكُمْ مع أنهم محشورون معهم. لأنهم لا نفع يرجى من وجودهم معهم فلما كانوا كذلك نزلوا منزلة الغائب كما تقول لمن جعل أحدا ظهيرا يعينه فى الشدائد إذا لم يعنه وقد وقع فى ورطة بحضرته أين فلان؟ فتجعله لعدم نفعه- وإن كان حاضرا- كالغائب (تفسير الآلوسي 3/.121)

ثم أخبر- سبحانه- عما يكون منهم من تخبط وحسرة فقال

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قالُوا وَاللَّهِ رَبِّنا ما كُنَّا مُشْرِكِينَ

الفتنة مأخوذة من الفتن، وهو إدخال الذهب فى النار لتعرف جودته من رداءته، ثم استعمل فى معان أخرى كالاختبار، والعذاب، والبلاء، والكفر والمعنى ثم لم تكن عاقبة كفرهم حين اختبروا بهذا السؤال ورأوا الحقائق، وارتفعت الدعاوى إلا أن قالوا مؤكدين ما قالوا بالقسم الكاذب والله يا ربنا ما كنا مشركين ظنا منهم أن تبرأهم من الشرك فى الآخرة سينجيهم من عذاب الله كما نجا المؤمنين بفضله ورضوانه

قال ابن عباس رضى الله عنهما يغفر الله- تعالى- لأهل الإخلاص ذنوبهم ولا يتعاظم عليه ذنب أن يغفره، فإذا رأى المشركون ذلك قالوا إن ربنا يغفر الذنوب ولا يغفر الشرك، فتعالوا نقول "

"إنا كنا أهل ذنوب ولم نكن مشركين فقال الله- تعالى- أما إذ كتموا الشرك فاختموا على أفواههم، فتنطق

أيديهم وتشهد أرجلهم بما كانوا يكسبون، فعندئذ يعرف المشركون أن الله لا يكتم حديثا، فذلك قوله يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا (تفسیر القرطبی ج 6 ص 401)

ثم قال - تعالى - انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ

والمراد بالنظر هنا التدبر والتفكير

والمعنى انظر - أيها العاقل - وتأمل كيف كذب هؤلاء المشركون على أنفسهم في قولهم والله ربنا ما كنا مشركين، وغاب عن عقلهم ما كانوا يفترونه في الدنيا من الأقوال الباطلة، وما كانوا يفعلونه من جعلهم لله شركاء

قال صاحب الكشاف فإن قلت كيف يصح أن يكذبوا حين يطلعون على حقائق الأمور مع أن الكذب والجحود لا وجه لمنفعته - قلت الممتحن ينطق بما ينفعه وبما لا ينفعه من غير تمييز بينهما حيرة ودهشا ألا تراهم يقولون رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ وقد أيقنوا بالخلود ولم يشكوا فيه وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ وقد علموا أنه لا يقضي عليهم (تفسیر الکشاف ج 2 ص 13)

وبعد أن بين - سبحانه - أحوال الكفار في الآخرة أتبعه بما يوجب اليأس من إيمان بعضهم فقال وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ، وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا

قال ابن عباس إن أبا سفيان بن حرب، والوليد بن المغيرة، والنضر بن الحارث، وعتبة وشيبة ابنا ربيعة، وأمية بن خلف استمعوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقرأ القرآن، فقالوا للنضر يا أبا قتيلة ما يقول محمد فقال والذي جعلها بيته ما أدري ما يقول، إلا أني أرى تحرك شفتيه يتكلم بشيء فما يقول إلا أساطير، مثل ما كنت أحدثكم عن القرون الماضية، وكان النضر كثير الحديث عن القرون الأولى وكان يحدث قريشا فيستملحون حديثه فأنزل الله هذه الآية (تفسیر آلوسی ج 7 ص 125)

والأكنة جمع كنان كغطاء وأغطية لفظا ومعنى والوقر - بالفتح - الثقل في السمع

والمعنى ومن هؤلاء المشركين يا محمد من يستمع إليك حين تقرأ القرآن وقد جعلنا - بسبب عنادهم وجحودهم - على قلوبهم أغطية تحول بينهم وبين فقهه، كما جعلنا في أسماعهم صمما يمنع من سماعه بتدبر وتعقل

قال صاحب المنار وجعل الأكنة على القلوب والوقر في الآذان في الآية من تشبيه الحجب والموانع المعنوية بالحجب والموانع الحسية فإن القلب الذي لا يفقه الحديث ولا يتدبره كالوعاء الذي وضع عليه الكن أو الكنان

وهو الغطاء حتى لا يدخل فيه شيء والآذان التى لا تسمع الكلام سماع فهم وتدبر كالآذان المصابة بالثقل أو الصمم، لأن سمعها وعدمه سواء (تفسير المنار ج 7 ص 347)

وقال بعض العلماء وهنا يسأل سائل إذا كان منع الهداية من الله۔ تعالى۔ بالغشاوة على قلوبهم والختم عليها وبالوقر فى آذانهم فلا يسمعون سماع تبصر فماذا يكون عليهم من تبعة يحاسبون عليها حسابا عسيرا بالعذاب الأليم۔

والجواب عن ذلك أن الله۔ سبحانه۔ يسير الأمور وفق حكمته العلياء فمن يسلك سبيل الهداية يرشده ويبين طريقه ويثيبه، ومن يقصد إلى الغواية ويسير فى طريقها تجيئه النذر تباعا إنذارا بعد إنذار، فإن أيقظت النذر ضميره وتكشفت الغماية عن قلبه فقد اهتدى وآمن بعد كفر ومن لم تجد فيه النذر المتتابعة ولم توقظ له ضميرا ولم تبصره من عمى فقد وضع الله۔ تعالى۔ على قلبه غشاوة وفى آذانه وقرا۔ (مجلة لواء الإسلام لسنة 3 العدد 9 تفسير الآيات الكريمة لفضيلة الأستاذ الشيخ محمد أبو زهرة ا.....١)

ثم صور۔ سبحانه۔ عنادهم وإعراضهم عن الحق مهما وضحت براهينه فقال وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا أى وإن يروا كل آية من الآيات الدالة على صحة نبوتك وصدق دعوتك فلن يؤمنوا بها لاستحواذ الغرور والعناد على قلوبهم۔

"والمراد من الرؤية هنا البصرية، ومن الآيات المعجزات الحسية كانشقاق القمر ونبع الماء من بين أصابعه الشريفة وهذه الجملة الكريمة المقصود بها ذمهم لعدم انتفاعهم بحاسة البصر بعد ذمهم لعدم انتفاعهم بعقولهم وأسماعهم وجمع بكلمة كُلّ لعموم النفى، أى أنهم لا يؤمنون بأية معجزة يرونها مهما وضحت براهينها ومهما كانت دلالتها قاهرة على صدق النبى صلى الله عليه وسلم

ثم بين۔ سبحانه۔ ما كان يجرى منهم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ

الأساطير جمع إسطارة أو أسطورة ومعناها الخرافات والترهات أى حتى إذا ما صاروا إليك أيها الرسول ليخاصموك وينازعوك فى دعوتك فإنهم يقولون لك بسبب كفرهم وجحودهم، ما هذا القرآن الذى نسمعه منك إلا أقاصيص الأولين المشتملة على خرافاتهم وأوهامهم

وفى قوله۔ تعالى۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ إشارة إلى أن مجيئهم لم يكن من أجل الوصول إلى الحق، وإنما كان من

أجل المجادلة المتعنتة مع الرسول الكريم صلى الله عليه وسلم

ثم بين۔ سبحانه۔ أنهم لا يكتفون بمحاربة الدعوة الإسلامية، بل هم لفجورهم۔ يحرضون غيرهم على محاربتها

معهم فقال۔ تعالى۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ، وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ

...في الزجر، والنأي البعد، والضمير هم يعود على المشركين

والمعنى إن هؤلاء المشركين لا يكتفون بمحاربة الحق، بل يزجرون الناس عن اتباعه، ويبعدونهم عن الاستماع

إليه فهم قد جمعوا بين فعلين قبيحين محاربتهم للحق وحمل غيرهم معهم على محاربته والبعد عنه۔ وهم

بهذا العمل الباطل القبيح ما يهلكون إلا أنفسهم ولكنهم لا يشعرون بذلك لانطماس بصيرتهم، وقسوة قلوبهم

وفيه هذا يدل على أنهم كانوا معترفين في قرارة أنفسهم بأن القرآن حق، لأنهم لو كانوا يعتقدون أنه أساطير

الأولين۔ كما زعموا۔ لتركوا الناس يسمعونها ليتأكدوا من أنها خرافات وأوهام، ولكنهم لما كانوا مؤمنين ببلاغة

القرآن وصدقه، فإنهم نهوا غيرهم عن سماعه حتىلا يؤمن به وابتعدوا هم عنه حتى لا يتأثروا به فيدخلوا في دين

الإسلام، ولقد حكى الله عنهم هذا المعنى في قوله۔ تعالى۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (سورة فصلت آیۃ 26)

والضمير في قوله۔ تعالى۔ عَنْهُ يرجع إلى النبي صلى الله عليه وسلم وما جاء به من آيات

ويرى بعض المفسرين أن الضمير هم يرجع إلى عشيرة النبي صلى الله عليه وسلم فيكون المعنى وهم۔ أي أعمام

النبي صلى الله عليه وسلم وعشيرته ينهون الناس عن إيذائه والتعرض له بسوء، ولكنهم في الوقت نفسه ينأون عنه

أي يبتعدون عن دعوته فلا يؤمنون بها، ولعل أوضح مثل لذلك أبو طالب، فقد كان يدافع عن النبي صلى الله

عليه وسلم إلا أنه لم يدخل في الإسلام مع تصريحه بأنه هو الدين الحق

ومما روي عنه في هذا المعنى قوله

والله لن يصلوا إليك بجمعهم	حتى أوسد في التراب دفينا
فاصدع بأمرك ما عليك غضاضة	وابشر بذاك وقر منك عيونا
ودعوتني وزعمت أنك ناصحي	فلقد صدقت وكنت قبل أمينا
وعرضت دينا قد عرفت بأنه	من خير أديان البرية دينا

لولا الملامة أوحذار مسبة لوجدتني سمحا بذاك مبينا

والذي تطمئن إليه النفس أن الرأي الأول هو الأرجح لأن الكلام مسوق في بيان موقف المشركين من النبي صلى الله عليه وسلم، وأنهم قد بلغ بهم السفه والعناد أنهم لا يكتفون بالإعراض عن الحق الذي جاء به محمد صلى الله عليه وسلم بل تعدى شرهم إلى غيرهم، وأنهم كانوا يحرضون الناس على إيذائه وعلى الابتعاد عنه ثم يصور - سبحانه - حالهم عند ما يعرضون على النار، وعند ما يقفون أمام ربهم، وحكى ما يقولونه في تلك المواقف الشديدة"

خلاصہ تفسیر

اس تفسیر میں حضرت مفسر نے بڑی خوبصورت گفتگو فرمائی ہے۔ کفار و مشرکین مکہ کو قدرت نے شان جلالت میں فرمایا: اور ان بھیانک حالات کو سامنے رکھو جب تمھیں گھسیٹ کر میدان حشر میں جمع کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جن کو شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟ آؤ آج تمھارا گھڑا ہوا جھوٹ تمھیں خود نظر نہیں آئے گا۔ جانتے ہو تمھاری ہٹ دھرمی والے رویوں کی بابت ہم نے تم پر تمھاری تمام راہیں مسدود کر دیں جو ہدایت پر مشتمل تھیں۔ اب ہم نے تم سے قبول حق کی صلاحیت ہی چھین لی تمھارے دل بند کر دیے حتی کہ تمہارے کان تک مسدود کر دیے۔ تمھیں اس اہل ہی نہیں چھوڑا کہ تمھیں فہم حق کی کبھی لیاقت آئے۔ وجہ اس کی یہ کہ تم اپنی کمینگی کی انتہاء کو پہنچ گئے ہو۔ جسے میں نے اپنا محبوب بنایا ہے اس سے بلاوجہ نفرت کرتے ہو اور لوگوں کو بھی ان سے دور بھگاتے ہو۔ یہ سراسر تمھاری ہلاکت ہے۔ اس سے بڑی بربادی اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم قرآن جیسی عظیم کتاب کو پرانے لوگوں کی قصہ کہانیاں بتاتے ہو۔ وہ بھی بیہودہ گوئی کے حوالے سے اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ زیر بحث آیت کی بابت مفسر شہیر کہتے ہیں کہ یہ بد بخت صرف اس بات پر اکتفاء نہیں کرتے کہ خود قرآن سے، دین سے اور صاحب قرآن سے نفرت کرتے ہیں بلکہ دیگر لوگوں کو بھی ڈانٹتے کہ محمد ﷺ کے قریب نہ جاؤ۔ قرآن نہ سنو، شور شرابہ کرو کہ تم محمد ﷺ پر غالب آسکو۔ صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ "عنه" کی ضمیر کا مرجع نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور جو آپ ہدایت لے کر آئے وہ بھی اس ضمیر کا مرجع ہے۔ اسی لیے اہل علم اس کی تاویل میں دو باتیں کرتے ہیں کہ مصداق آیت کون ہیں؟

بعض اہل علم نے "هم" ضمیر کا مرجع خاندان نبوت کے افراد کو مراد لیا ہے اور وہ آپ کے دس چچا ہیں یا وضاحت کے ساتھ جناب ابوطالب علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ وہ نبی کریم ﷺ کا دفاع بھی کرتے ہیں مگر ان کے دین کو قبول بھی نہیں

کرتے۔ بطورِ دلیل حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اشعار پیش کرتے ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ

(۱) خدا کی قسم آپ تک کفار کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے جب تک ہم زندہ ہیں۔

(۲) آپ اپنے دین کو کھلے عام بیان فرمائیے اور خود خوش ہوں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا فرمائیں۔

(۳) آپ نے مجھے دعوت حق دی اس یقین کے ساتھ کہ آپ میرے لیے ناصح ہیں بے شک آپ نے سچ کہا کیونکہ میں آپ کی ایمانداری کا خود گواہ ہوں۔

(۴) آپ نے جو دین پیش فرمایا ہے میں جانتا ہوں کہ تمام دینوں سے افضل ہے۔

(۵) اگر مجھے ملامت کی پرواہ نہ ہوتی یا لوگوں کے برا بھلا کہنے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے اعلانیہ حق قبول کرنے والا پاتے۔۔۔۔۔۔اس کے بعد فرماتے ہیں:

فقیر راجح یہ ہے کہ جہاں نفس مطمئن ہوتا ہے وہ قولِ اول ہے یعنی کفار و مشرکین مکہ ہی مراد ہیں نہ کہ جناب ابوطالب۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ سیاق کلام کی آیات کھول کر بیان کر رہی ہیں یہ بدنما چہرہ کفار ہی کا ہو سکتا ہے۔ کمینہ سرشت خود تو دشمنی پیٹتے ہی ہیں یہ اور لوگوں کو بھی اُکساتے ہیں نبی کریم ﷺ کو ایذاء دینے کے لیے۔ مضمونِ قرآن بھی اسی کو ہی بیان کر رہا ہے کہ ابو طالب علیہ السلام کیونکہ وہ خود بھی نبی کریم ﷺ کو ایذا نہیں دیتے تھے اور نہ ہی کسی اور کو ایذائے نبی کی اجازت دیتے تھے۔

وضاحت:۔ اس مفسر نے تو حد کر دی کھلے لفظوں میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کی تردید کر دی کہ یہ مراد نزائی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مضمون قرآنی اس سے مناسبت ہی نہیں رکھتا۔ کلام الٰہی کے اپنے ربط کا حسن ہے وہ کسی قول کے ضمن میں نازل نہیں ہوتا نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کا پابند ہے۔ ویسے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کردہ قول یہاں بے جوڑ جملہ معترضہ کی صورت میں داخل کر دیا گیا۔ سیاق و سباق کلام الٰہی سے اس کا کسی بھی اعتبار سے کوئی علمی تعلق نہیں بنتا یہ بلاوجہ کا تکلف نظر آتا ہے۔ (تفسیر فریدی)

ایک اور عظیم مفسر محمد بن احمد بن مصطفیٰ المعروف ابی زہرہ المتوفی ۱۳۹۴ھ اپنی تفسیر زہرۃ التفاسیر میں فرماتے ہیں:

"ان المشرکین لا یکتفون بالاعراض عن الحجج الثابتة والبینات القاطعة ولا یکتفون بالافتراء علی الآیات تتلی علیهم والاستهانة وقولهم ان هی الاساطیر الاولین لا یکتفون بذلک، بل یتعدی شرهم الی غیرهم فهم ینهون الناس عن اتباع محمد ﷺ والقرآن الکریم هو آیات بینات فهم لا یهتدون و ینعون الهدایة عن غیرهم ینهونهم و یشیرون السخریة علیهم ان اتبعوا الهدی واستقاموا علی

وفی هذا التفسیر یکون الضمیر فی (عنه) فی الحالین یرجع الی النبی ﷺ وما جاء به و

بعض المفسرین التابعین لبعض التابعین جعل الضمیر فی ینهون فی الحالین یعود الی عشیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اعمامه و کانوا عشرۃ، فهم للعصبیة التی کانت قائمة یذبون عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ینهون المشرکین عن ان ینالوہ و فی الوقت ینأون عن اجابته و لعل اوضح مثل لذلك ابو طالب علیه السلام فقد کان یمنع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اذاهم، یمتنع عن اتباعه مع انه فی قرارۃ نفسه کان یظنه علی حق ولقد روی عنه شعر فی ذلك فقد روی انه قال

والله لن یصلوا الیك بجمعهم — حتی او سد فی التراب دفینا

فاصدع بامرك ما علیك غضاضة — و ابشر بذالك وقر منه عیونا

و دعوتی و زعمت انك ناصح — ولقد صدقت و کنت ثم امینا

و عرضت دینا لا محالة انه — من خیر ادیان البریة دینا

لولا الملامة او حذاری سبة — لوجدتنی سمحا بذالك مبینا

و ان الاول هو المقبول المعقول لان القرآن لا ینزل فی حکم الاحاد الا اذا کان یؤدی الی عموم، والاول اظهر و هو عام فیؤخذ به

و انهم فی اصرارهم و عنادهم ولجاجتهم فی کفرهم و نهی الناس عن الاتباع

بل فتنتهم یسیرون فی طریق الفساد و الضلال و لا یهلکون احدا الا انفسهم لان۔"

خلاصہ تفسیر

مفسر ہذا نے بھی کفارِ مکہ کے جزوی حالات کی نقاب کشائی فرمائی ہے۔ کہا ہے کفارِ مکہ کے تعصب کے پردے قبولِ حق سے حاجب بن گئے۔ رکاوٹ بن گئے۔ گویا قبولِ حق کی اُن سے استعداد ہی ختم کر دی گئی۔ انھیں ہر روشن دلیل اندھیرا نظر آئی۔ اسی لیے انتقاماً انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفرت شروع کر دی اور قرآن حکیم سے نفرت کی انتہاء کر دی۔ اسی پر انھوں نے اکتفا نہیں کیا انھوں نے واضح حجتوں کا مذاق اڑایا۔ دلائل قطعیہ کا کھلا انکار کیا۔ خود بھی حق سے دور رہے اوروں کو بھی مزید دور رکھا۔ قدرت نے انھیں گہری ہلاکت میں ڈال دیا جس کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس صاحب تفسیر نے بھی یہی بات کہی کہ اس آیت میں "عنه" کی ضمیر کی دو حالتیں ہیں۔ یہ لوٹتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی اور جو کچھ آپ لے کر آئے (قرآن) کی طرف بھی اور کہتے ہیں بعض تابعی مفسرین نے تاویل کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مراد نبی علیہ السلام کے چچا مراد ہیں جو دس ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بظاہر لوگوں سے دفاع کرتے تھے لیکن بذاتِ خود اتباعِ دین سے دور رہتے تھے۔ خصوصاً ابو طالب علیہ

السلام کے بطور دلیل اور سند یہ اشعار پڑھتے ہیں۔
۱۔ اے محبوب آپ تک کسی بھی کافر کا ہاتھ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہم زندہ ہیں۔
۲۔ آپ اپنے دین کی کھل کر تبلیغ فرمائیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں۔
۳۔ آپ نے مجھے دعوتِ حق دی اس خیال سے کہ آپ مجھے نصیحت کرنے والے ہیں بے شک یہ بات قطعاً سچی ہے کیونکہ میں نے آپ کو مسلسل امین پایا ہے۔
۴۔ اور جس دین کو آپ نے مجھ پر پیش فرمایا ہے وہ یقیناً تمام دینوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر مجھے ملامت کا خوف نہ ہوتا یا گالی گلوچ کا خیال نہ ہوتا مخالفین کی طرف سے تو آپ مجھے اعلانیہ ایمان لانے والا پاتے۔ پھر فیصلہ دیتے ہیں فرماتے ہیں بے شک اول قول یعنی کفارِ مکہ کا مراد ہونا ہی یقینی ہے۔ معقول بھی مقبول بھی۔ اس لیے قرآن کسی ایک کی بابت نازل نہیں ہوتا بلکہ صیغۂ عموم میں سوسائٹی کے تمام افراد مراد ہوتے ہیں۔ اور ظاہر تر قول اول ہی مرادِ قرآنی ہے ہر لحاظ سے لہٰذا اسی سے استدلال کیا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ نظمِ قرآنی کسی ایسے قول کو قبول ہی نہیں کرتا جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ بنابریں اس ضمن میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول جو ان کی طرف منسوب ہے اس کی یہاں گنجائش نہیں کیونکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نہ تو محلِ کفر ہیں نہ ہی محلِ شرک ہیں۔ نہ ان میں کوئی کافرانہ رویہ ہے جب وہ محل ہی نہیں ان پلیدیوں کے تو ان کی بابت یہ کہنا کہ یہ آیت ان کی مذمت میں نازل ہوئی بالکل بے جا اور غلط ہے۔ اگر کوئی بضد ہے کہ ان کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جائے ان پر واجب ہے کہ وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام میں کافروں کے رویے کی کوئی ایک ہی صورت دکھا دے ایک جھلک دکھاوے۔ ہم قبول کرلیں گے۔

رہا یہ کہ انھوں نے کلمہ نہیں پڑھا تو یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ان کا اسلام سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ ان کا کردار ان کے اخلاص کی دلیل ہے۔ ان کا اخلاص اُن کے سچائی کی دلیل ہے، ان کی سچائی ان کے یقین کی دلیل ہے۔ ان کا یقین خود عظمتِ یقین ہے مگر اندھوں کو سورج نظر نہیں آتا تو اس میں سورج کا کیا گناہ ہے۔

دیکھو نبی کریم ﷺ نے اپنے تمام معجزات کفارِ مکہ کو دکھائے ان کے مطالبے پر مگر کفار نے پھر بھی نہ مانا۔ جادوگر کہا، کاہن کہا اور ہر معجزے کو رد کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب ان کو وہ معجزہ دکھاؤ جس کو قیامت تک چیلنج نہ کیا جا سکے عرض کی مولا وہ کون سا معجزہ ہے فرمایا وہ آپ کا ان کے سامنے چالیس سالہ پاکیزہ کردار ہے اس کو یہ چیلنج نہیں کر سکتے۔ انھیں فرمادیں "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" (یونس) یعنی میرا گذشتہ تم میں کردار ہی میری نبوت کی دلیل ہے کفار لاجواب ہو گئے۔ آیئے۔ اب اس دلیل کی روشنی میں 50 سالہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی خدمات، کفالت، نصرت، حفاظت کا کردار ان

کے اسلام کی روشن تر دلیل ہے۔ مزید دلیل طلب کرنا عین جہالت ہے یہ کردار پورے تواتر سے ثابت
کسی غیر ثابت دلیل سے تو لانہیں جا سکتا اس اعتبار سے یہ طے ہوا کہ ان کا اسلام تو بڑے شاندار تواتر سے ثابت
کے لیے کسی کے پاس کوئی ظنی دلیل ہی نہیں جو دلیلیں دی جاتی ہیں ان کی علمی حیثیت ہی کوئی نہیں۔

خلاصہ کلام

محترم قارئین! آپ نے سورۃ الانعام کی آیت نمبر 26 کا مطالعہ تفسیری اعتبار سے فرمایا کوئی مفسر اپنی تفسیر میں ایسا نظر نہیں آیا جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو اہمیت دی ہو ترجیح دی ہو۔ وہ اس لیے کہ ان کے پاس وجہ ترجیح تھی ہی نہیں۔ تو ترجیح کہاں سے دیتے کیونکہ ترجیح بلا مرجح ایک علمی جرم ہے۔ اور اس حوالے سے ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی کو کسی پر ترجیح دی جاتی ہے تو دلیل ترجیح ضرور پیش کی جاتی ہے اور جو ترجیح بلا دلیل ہو وہ فضول شمار کی جاتی ہے رہا ان مفسرین کا اس قول کو نقل کرنا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناقل اس قول کا پابند ہے کہ اُسے حق مانتا ہے۔ بسا اوقات وہ قول اس لیے نقل کیا جاتا ہے کہ اس کی تردید ہو سکے جیسا کہ یہاں ہوا تمام مفسرین کرام نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو نقل کیا بعد ازاں اسے ترجیحاً رد کر دیا اور وجوہات ترجیح کی وضاحت بھی فرما دی کہ اس قول کو قبول کرنے سے نظم قرآنی قائم نہیں رہ سکتا۔ نظم قرآنی قطعی حقیقت ہے اس قول کی حیثیت تو ظنی بھی نہیں بنتی۔ امام رازی نے تو کھل کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت و نصرت قابل مذمت کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ تو قابل مدحت ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص قابل مدحت بھی ہو اور اس لمحے قابل مذمت بھی ہو؟ یہ دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ کائنات کا کوئی فرد خواہ زمینی ہو یا آسمانی کبھی بھی ایک لمحہ کے لیے ثابت نہیں کر سکتا کسی یقینی قطعی دلیل سے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے زندگی بھر ایک لمحہ کے لیے سرکار دو عالم ﷺ سے نفرت کی جبکہ محبت کی داستانیں تو سورج سے بھی زیادہ روشن ہیں۔ ان کا انکار تو کوئی کافر بھی نہیں کر سکتا مسلمان کیسے کر پائے۔ کبھی کبھی ایک شیطانی وسوسہ بعض اہل علم کی طرف سے سامنے آتا ہے کہ جناب یہ محبت طبعی تھی ایمانی نہیں۔ اس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو تو الگ عنوان کی صورت میں ہوگی۔

سر دست اتنا عرض ہے کہ نبی کی طبیعت اور نبوت میں مابہ الامتیاز کائنات میں کوئی علمی حوالہ ہے ہی نہیں جو یہ بتا سکے کہ نبی کی نبوت اور طبیعت باہم مخالف ہیں۔ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ نعوذ باللہ اگر ایسا ہو تو پھر دینی اعتبار کس پر کیا جائے گا۔

جانِ من! نبی کی طبیعت اور نبوت باہم مختلف نہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں جس طرح سورج اور روشنی کبھی الگ نہیں ہو سکتے ایسے ہی وجودِ نبوت اور نبوت کبھی بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ پیکر نبوت کے لیے نور نبوت لازم ہے اور نور نبوت کے لیے پیکر عصمت و نبوت

لازم ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پیکر نبوت ہو مگر نبوت نہ ہو اور یونہی نبوت ہو مگر پیکر نبوت نہ ہو۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا خادمانہ ناصرانہ کردار تو چالیس سال تک پورے تسلسل کے ساتھ جاری وساری رہا ایک لمحہ کے لیے بھی خلا پیدا نہیں ہوسکا۔ اور جیسے اعلان نبوت ہوا تو خدمت ونصرت کے ساتھ ساتھ حفاظت کی ذمہ داریاں اور استعدادیں اور بڑھ گئیں۔ آقا علیہ السلام کی بابت جناب ابوطالب علیہ السلام اور بھی حساس ہو گئے۔ چلو مانا اعلان نبوت سے پہلے طبیعت نبوت پر پہرہ دیتے رہے لیکن جب اعلان نبوت فرمایا تو اب تو ہر دو عظمتوں پر پہرہ شروع ہو گیا۔ اب اہل علم ہی بتا سکتے کہ اعلان نبوت کے بعد نبوت پر پہرہ نہیں اس کو بے آسرا چھوڑ دیا گیا اور طبیعت پر حسب سابق پہرہ جاری رہا۔

دوستو! آپ ایسا کرو کسی صاحب علم کو جب شدت سے پیاس لگے زبان خشک ہو جائے حلق سوکھ جائے اور ری پانی کی بوند بوند کو ترس رہا ہو تو آپ اچانک ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک بڑا گلاس بھرا ہوا اس کے سامنے لائیں اور پوچھیں کہ جناب بتائیے اس میں کیا ہے تو وہ فوراً بولے گا ہیں جی ہیں جی اس میں میٹھا ٹھنڈا مشروب ہے پانی ہے تو آپ کہیں کہ نہیں نہیں یہ گلاس ہے تو جھٹ سے وہ بولے گا جی خدا کی قسم اس میں پانی ہے گلاس تو اس کا ظرف ہے۔ ظرف مکاں ہے تو آپ اس سے کہیے جناب میں اس شیشے کے گلاس کو توڑنا چاہتا ہوں تا کہ پانی آپ کے سامنے بہہ جائے۔ فوراً تڑپ کر بولے گا غضب خدا کا یہ کیا کہہ رہے ہو میں پیاس سے برباد ہو جاؤں گا خدا کے لیے ایسا نہ کرو۔ پانی اللہ کی نعمت ہے۔ نعمت کو ضائع کرنا حرام ہے۔ اب کہیے جناب میں تو صرف گلاس کو ضائع کر رہا ہوں پانی کو تو نہیں کر رہا۔ تو صاحب علم جھٹ اپنی کلغی کو ہلا کر کہیں گے جناب گلاس کے ذریعے سے ہی تو پانی کی حفاظت ہے اور پانی کی وجہ سے ہی تو گلاس کی حفاظت ہے گویا گلاس کی حفاظت ہی دراصل پانی کی حفاظت ہے اور پانی کے لیے ہی تو گلاس کی حفاظت ہے۔ پھر آپ ان صاحب سے کہیں کہ جناب آپ کو شدید پیاس لگی ہے وہ کہے گا جی ضرور ضرور لگی ہے حلق سوکھ رہا ہے۔ زبان خشک ہو چکی ہے۔ اب آنکھیں بھی پتھرا گئی ہیں تو آپ کہیں کہ جناب جی ایسا کرو کہ میں آپ کو صرف گلاس دیتا ہوں مگر پانی نہیں وہ تڑپ کر کہے گا کہ یہ کیسا مذاق ہے یا اس کے برعکس میں گلاس تو نہیں دیتا مگر پانی دیتا ہوں۔ گلاس بمعہ پانی کے اپنے پاس رکھتا ہوں۔ جناب بولیں گے کہ گلاس کے بغیر پانی کیسے پیا جا سکتا ہے تو آپ جھٹ سے اس صاحب کا کان پکڑ لیں اور کہیں جناب جب ایسا نہیں ہوسکتا تو وجود مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کے بغیر نبوت کی حفاظت کیسے ممکن ہے؟ وجود مصطفیٰ ﷺ کی محبت کے بغیر نبوت سے محبت کیسے ممکن ہے۔ اہل علم! تمہاری فلاسفی نے ٹے کیا ہے کہ گلاس کی حفاظت کے بغیر پانی کی حفاظت ممکن نہیں اور پانی کی وجہ سے ہی گلاس کی عزت وحفاظت ہے۔ کیا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی دانش تیری عقل جتنا بھی کام نہیں کر سکتی؟ یہ تو وہ مقدس وجود ہے جن کے قدموں کی دھول پر پوری کائنات کے دانشور قربان کر دیے جائیں تو بھی بہت کم ہے۔ تم ایک لمحہ کے لیے نبی علیہ السلام سے محبت کا اظہار کرو تو اسی

لیے خود کو جنت کا مالک سمجھتے ہو حالانکہ ظاہر طور پر تیرے پاس صحبتِ نبوی کا اعزاز نہیں جبکہ سید بطحا، سردارِ قریش ابوطالب علیہ السلام کی پچاس سالہ صحبتیں کتنے لمحات پر مشتمل ہیں۔ یہاں تو ہندسے خود محوِ حیرت ہیں کیا شمار کیا جائے کہاں اہل علم کا بغلم یقین کہاں سید بطحاء کی عظمت یقین۔

کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

حسنِ نبوت کو کرگسی نگاہ سے دیکھنا اور ہے بوطلبی بے تاب نگاہوں سے دیکھنا اور ہے۔ بھینگی اور ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنا اور ہے۔ چشمِ تمنا سے دیکھنا اور ہے جنھوں نے جس آنکھ سے دیکھا نتیجہ وہی پایا۔ اہل علم نے ٹیڑھی اور بھینگی آنکھ سے دیکھا تو خود لیڑے ہو گئے فرقوں میں بٹ گئے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے عظمتِ یقین کی آنکھ سے دیکھا تو عظمتوں کی معراج پر پہنچے اتنے بلند چلے گئے کہ ملاں ازم ان کی گردِ راہ تک بھی نہ پہنچ پائے اور نہ پہنچ سکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کا علمی محاسبہ

سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کے اسباب نزول کی بابت اہل علم نے دو احتمال قائم کیے ہیں۔

۱۔ کفارِ مکہ کی جاہلانہ روش کی مذمت اور

۲۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان نہ لانے والا اہلِ علم کا زعم باطل۔

پہلے احتمال کی بابت تو تمام اہلِ علم متفق ہیں کہ کفارِ مکہ کے جارحانہ طرزِ عمل کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی۔ ربط کلام الٰہی بھی اسی عنوان کی تصدیق کرتا ہے۔ سیاق وسباق کلام بھی مضمون کلام بھی نظمِ قرآن اس کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ لیکن ایک مبہم سا خیال حضرت ابوطالب علیہ السلام کے طرزِ عمل کی مذمت کا ہے۔ اور اس مبہم خیال کی قوت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول جو ان کی طرف منسوب ہے کو پیش کیا جاتا ہے۔ بنا بریں ہم نے ضروری سمجھا کہ اس قول کی حقیقت واضح کی جائے۔ اس قول کے مضمون کا حوالہ چونکہ ایک گھناؤنے الزام پر مبنی ہے لہٰذا ہم نے اس کا شرعی، قانونی اور اخلاقی جائزہ لینا ہے۔ درج ذیل اعتبارات سے جائزہ لینا ہے۔

۱۔ کیا یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر انہی کا قول ہے تو کیا اجتہادی ہے یا سماعی؟

صورت اول خود واضح ہے کہ یہ ان کا قول ہے ہی نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک مجتہد فقیہ، ذمہ دار عالم دین ہیں زیرک ہیں۔ وہ بلا دلیل اجتہاد نہیں کرتے اور اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ بات ان کے لیے بالکل

ہی ممکن نہیں کیونکہ ان کی بابت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن فہمی کی اور تاویل قرآن کی خصوصی دعا فرمائی ہے۔ وہ ایک مسلم شخصیت ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ایسا قول کریں جس سے نظم قرآنی ہی ٹوٹ جائے۔ ربط کلام الٰہی ہی معطل ہو جائے۔ ایک منضبط ضابطہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ مدعائے قرآن ہی معطل ہو جائے۔ دو ضدیں یکجا ہو جائیں تفصیل گزر چکی ہے۔ اصل مجرم بچ نکلیں اور ایک معصوم محب وفادار، ناصر، خادم ہتھے چڑھ جائے۔ اگر اس آیت میں ان کو نفرت ابوطالب نظر آئی ہے تو دیگر تین آیتوں میں بھی کوئی اس طرح کا قول فرما دیتے حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں۔

اگر اس قول کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس کفار مکہ کی مذمت کو نہیں مانتے اس لیے انھوں نے الگ سے ایک ایسے شخص کا نام لے دیا جو نہ کافر ہے نہ مشرک بلکہ محافظ اسلام ہے۔ یہ "ھم" ضمیر جمع مذکر کی ہے جس سے تمام کفار مکہ جن کا رویہ ظالمانہ رہا فکر کافرانہ رہی عمل مشرکانہ رہا، سوچ معاندانہ رہی، جوش دشمنانہ رہا، ہر لحاظ سے ان کا طرزِ عمل سفاکانہ رہا۔ اس بنا پر قرآن کو ان کی مذمت بیان کرنی بھی چاہیے تھی۔ اب اگر ابوطالب علیہ السلام کو بھی شامل مذمت کرنا ہے تو لامحالہ انھی رویوں کے ضمن میں ان کو شامل مذمت کرنا ہے۔ گویا جو رویئے کفار کے تھے وہی رویئے ابوطالب علیہ السلام کے بھی رہے۔ تبھی تو ان کو کفار کے ساتھ شامل مذمت کیا گیا ہے۔ کیونکہ کفار کی مذمت ان کے غلط رویوں کی بنا پر ہے مذمت میں مشترک ہونے کے حوالے سے ضروری ہے کہ وہ طرزِ عمل میں بھی مشترک ہوں ورنہ مذمت میں اشتراک مشکوک ٹھہرے گا۔

اب منکرینِ ابی طالب علیہ السلام کی منصبی ذمہ داری ہے کہ ابوطالب علیہ السلام کی ذات میں وہی رویئے قطعی دلائل سے ثابت کریں جو رویئے ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید بن مغیرہ، اخنس بن شریک یا دیگر کفار مکہ میں موجود ہیں ورنہ ابوطالب علیہ السلام کو شامل مذمت کرنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی روشنی میں نرا بہتان ہے خدا تعالیٰ پر بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اور سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام پر بھی۔

اس کے برعکس آؤ ہم ثابت کریں گے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے عظیم کرداروں کو فضل واحسان پر مبنی رویوں کو وہ ذات محترم کتنی تقدس مآب تھی جن کی ساری محبتوں کا قبلہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ ان کی بابت حضرت ابوطالب علیہ السلام کی سوچ مدبرانہ تھی۔ عظمت یقین کامل تھی۔ کوشش مخلصانہ تھی۔ طرز زندگی مشفقانہ تھا محبت عاشقانہ تھی چال دلبرانہ تھی حمایت مجاہدانہ تھی۔ نصرت غلامانہ تھی خدمت عاجزانہ تھی صحبت عارفانہ تھی پچاس سال کے مسلسل سفر کی رفاقت حکیمانہ تھی۔

ہے کائنات میں کوئی اتنے بلند نصیبے والا جس کے دامن میں اتنی عظمتیں ہوں پھر بھی ان کو مذمت کیا ہوا گردانتے ہو؟ مجی مذمت شخصیت کی نہیں رویوں کی ہوتی ہے اگر یہ نفسِ محترم تمہارے ہاں قابل مذمت قرآنی ہے تو دراصل مذمت ان کی نہیں ان کے مقدس رویوں کی کر رہے ہو۔ حالانکہ خود قرآن ایسے رویوں کا تقاضا کرتا ہے۔ دعوت دیتا ہے ترغیب دیتا

ہے۔ حکم دیتا ہے۔ سینکڑوں آیات بینات اس پر گواہ ہیں تعجب اس بات پر ہے کہ قرآن جن عظمتوں کی دعوت مذمت کرتا ہے۔ یہ دوہرا معیار اہل علم کا تو ہو سکتا ہے قرآن کریم ایسی پلیدی سے یکسر پاک ہے۔ اگر ابن عباس کے قول کو مان لیا جائے تو انسانیت کے ماحول سے اخلاقی قدریں ہی مسل دی جائیں گی۔ قرآن اس کی ماننا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایسا گھٹیا قول نہیں کر سکتے یہ اہل علم کی ذاتی تراش خراش

رہی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت جس کا مضمون ہے کہ کلمہ نہیں پڑھا گیا تو وہ سفید جھوٹ ہے فقیر نے اس کے بخیے ادھیڑ دیے ہیں اس کو دلیل عدم ایمان ابی طالب بنانا نہایت ہی جہالت ہے۔ مزید بھی آگے چل کر اس پر علمی گفتگو ہوگی۔ سر دست ہم قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری صورت کا علمی جائزہ لیتے ہیں۔

۲۔ کیا ان کا یہ قول کسی علمی دلیل پر ہے یا اپنے اجتہاد پر ہے؟ اس کا تعین تو منکرین ابی طالب کی علمی ذمہ داری ہے مگر میں عرض کرتا ہے کہ یہ ان کا قول ہر دو اعتبار قابلِ قبول ہی نہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی کہیں بھی کوئی علمی تصدیق موجود ہی نہیں۔ اس قول کی تو سند ہی ضعیف ہے جہالت راوی کی وجہ سے۔ رہا ان کی ذات گرامی کا حوالہ اگرچہ بہت بڑی علمی شخصیت ہیں مگر ثبوتِ الزام میں ان کا قول اُن کے تفرد کی بنا پر غرابت کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس آیت کے ضمن میں صرف وہی شخصیت ہیں جنھوں نے آیت میں یہ قول کیا ہے اور کوئی نہیں۔ لہٰذا اس کو عدم قطعیت کی بناء پر مسترد کر دیا جائے گا کیونکہ ثبوتِ الزام میں قطعی، یقینی ٹھوس شواہد کی صورت میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ یہ قول کسی بھی جہت علم کے اعتبار سے دلیلِ قطعی نہیں بن سکتا جبکہ یہاں دلیل قطعی کا ہونا بہت ہی ضروری ہے اور اگر یہ قول ان کا اجتہادی ہے تو یہ ظنی ہونے کے اعتبار سے قابلِ قبول ہی نہیں کیونکہ اجتہاد بذات خود صحت اور عدم صحت کے درمیان دائر ہے اس کا ظنی ہونا بدیہی امر ہے تو ظنی دلیل سے الزام کفر ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ قول نظم قرآن کی قطعیت کے خلاف ہے بنا بریں قبول نہیں۔ مسترد کیا جاتا ہے ثبوتِ الزام میں کافی نہیں۔ مزید یہ کہ یہ قول جہالت راوی کی بناء پر ضعیف ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا علمی جائزہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اگرچہ بیدار مغز اور فقیہ صحابی ہیں۔ مگر صاحب وحی نہیں۔ اس قول کی بابت ہم اس کا علمی جائزہ لیں گے۔ انھوں نے یہ کیوں فرمایا؟ ان کا ذریعہ علم کیا تھا۔ کل ذرائع علم چار ہیں:

پہلا ذریعہ علم وحی ہے۔ کیا وہ صاحب وحی تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

۱۔ دوسرا ذریعہ علم صاحب وحی سے سننا۔ یا ان کا تعلیم فرمانا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے سنا؟ یا آپ ﷺ نے انھیں بیان فرمایا؟ مذکورہ آیت کی تفسیر اس کی سردست کوئی علمی تصدیقی صورت نہیں ہوئی۔ ایسی کہیں کوئی دلیل ہی میسر نہیں۔ اگر کسی کے پاس ہے تو لائے نصاً ہو ہم حاضر ہیں ماننے کے لیے۔

۲۔ تیسرا کسی حقیقت کا خود دیکھنا۔ کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوطالب علیہ السلام کے قابل مذمت رویوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام وفات پاگئے تھے۔

۳۔ کسی دیکھنے والے سے کسی حقیقت کا معلوم کر لینا۔ کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کسی دیکھنے والے سے سنا ہے کہ کوئی ان کو بیان کرے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے قابل مذمت یہ رویئے تھے اس لیے قرآنی نصوص میں ان کی ان الفاظ میں مذمت بیان کی گئی جیسے دیگر کفار کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

حتیٰ کہ ان کے اپنے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کا مکمل مطالعہ کیا تھا خصوصاً خدمات نبوت کے اعتبار سے کیا۔ انھوں نے اپنے باپ سے اس قسم کی کوئی بات سنی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کہیں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

نوٹ:۔ اس آیت سے کفارِ مکہ کا مراد لینا قطعاً متفق علیہ ہے۔ اس پر کوئی دو رائے نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس اتفاق میں حضرت ابن عباس شامل ہیں کہ نہیں۔ اگر شامل ہیں تو مجوزہ قول ان کا نہیں اور اگر شامل نہیں تو مدعائے قرآن کے خلاف ان کا یہ قول قابل قبول نہیں۔

نوٹ:۔ میں نے تفسیری اثاثے میں اس قول کی سند کی بابت غور کیا تو اس قول کے اکثر راوی متکلم فیہ نکلے۔ دوسری اہم کمزوری اس قول کی یہ ہے کہ اس قول کے تمام طرق میں ایک مجہول راوی ہے۔ جہالت راوی روایت کو ضعیف بنا دیتی ہے۔ بنابریں یہ قول ضعیف ہے اور ضعیف روایات سے الزام ثابت کبھی نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں فقیر پُرتقصیر نے قریباً چار سو کے قریب تفسیر کی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ جس تفسیر کی کتاب میں یہ قول آیا ہے پوری سند کے ساتھ تو ابن عباس سے پہلا راوی مجہول ہے۔ اسی لیے تمام اسناد میں عمن سمع کا جملہ ملا ہے۔ جو اس قول کے ضعف کی واضح دلیل ہے۔ بنابریں درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر یہ قول مردود ہے۔

۱۔ جہالت راوی کی بنیاد پر مجہول ہے مردود ہے۔

۲۔ رواۃ کے متکلم فیہ ہونے کی صورت میں مردود ہے۔

۳۔ نظم قرآنی کی مخالفت کی بنیاد پر مردود ہے

۴۔ مضمون قرآنی کی مخالفت کی بنیاد پر مردود ہے۔

۵۔ بداہت عقل کی مخالفت کی بنیاد پر مردود ہے۔

۶۔ سید بطحا، حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے مقدس روئیوں کے عظیم تواتر کے خلاف ہے۔ بنابریں مردود ہے۔ مردود ہے۔ مردود ہے۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت ابن عباس پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ جبکہ نزول آیت کے وقت راوی کا موجود ہونا شرط روایت ہے۔

نوٹ: کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول قرآنی نظم کے خلاف نہیں؟ کیا اہل علم یہ بتا سکتے ہیں کہ نظم قرآنی کی بابت بھی ان کا کوئی تحقیقی قول موجود ہے؟ اگر ہے پھر الگ سے قول کرنے کی کیا ضرورت محسوس کی گئی؟

نوٹ:۔ میں نے اس قول کے تمام طرق کو تلاش کیا ہر ایک طریق کی انتہاء عمن سمع ابن عباس پر ہوتی ہے۔ (کتاب تفسیر) یہ واضح جہالت راوی پر جملہ دلالت کرتا ہے کہ ابن عباس سے کس نے سنا کوئی علم نہیں تمام رواۃ کی تان یہاں آکر ٹوٹ جاتی ہے۔ اب عمن سمع کا مصداق کون ہے کسی کو کوئی علم نہیں جس روایت کی سند میں راوی معلوم ہی نہ ہو وہ روایت جہالت راوی کی بنا پر مردود قرار پاتی ہے بنابریں قول ابن عباس ابتداء مردود مردود ہے اصولاً اور مردود قول سے کفر ابی طالب کا استدلال کرنا انتہائی شرمناک ہے۔ جو دلیل اپنے وجود میں خود مفید یقین نہیں بلکہ اتنی مردود ہے کہ مفید ظن بھی نہیں اُس سے کفر ابی طالب علیہ السلام کا استدلال کرنا نری جہالت وسفاکی ہے مزید یہ قول نظم قرآنی کی قطعیت کے خلاف ہے بنابریں بہر صورت مردود ہے مردود ہے۔ مردود ہے۔ چارسن نبوی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی مکمل سورہ کے ساتھ۔ دس سن نبوی کے قریب ابن عباس پیدا ہوئے۔ 13 سن نبوی کو ہجرت ہوئی۔ 8 سن ہجری کو فتح مکہ ہوا اور اس کے بعد ابن عباس کی 17 سال بعد صاحب وحی سے ملاقات ہے۔ کیا یہ قرآن کے ساتھ فراڈ نہیں کہ سترہ سال پہلے نازل ہونے والی آیت کے سبب نزول، شان نزول کا تعین سترہ سال بعد ایک بے حقیقت ڈرامے کے ساتھ جوڑا جائے؟ اور وہ بھی قرآنی آیات کے مدمقابل؟ یہی جبری تحکم ہے۔

اہل علم کا دوہرا معیار

اہل علم جب کفر ابی طالب کا شوقیہ استدلال حضرت ابن عباس کے مردود قول سے کرتے ہیں تو انھیں عمن سمع کا علمی سقم نظر نہیں آتا؟ اس جہالت کو بھی یقین کا باعث بنا لیتے ہیں۔ اور جب حضرت ابوطالب کے یقینی ایمان پر کوئی یقینی علمی

شہادت میسر آتی ہے تو اس کی سند میں عن بعض اہلہ کا جملہ ہضم نہیں ہوتا۔ کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے حالانکہ عن بعض اہلہ کے مصداق ابن عباس، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد، عبداللہ بن معبد بن عباس، تو براہ راست ہیں اور ان تمام سے حضرت عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب کا سماع بھی براہ راست ثابت ہے اور عن بعض اہلہ مستقل ان کا سلسلہ روایت ہے اور کہیں بھی قابل اعتراض نہیں۔ اہل علم پھر بھی اس ڈرامائی تکفیر پر بضد ہیں اور اگر کچھ نہ مل پائے تو کہہ دیتے ہیں جناب اس وقت عباس بن عبدالمطلب مسلمان نہیں تھے اس لیے ان کی روایت قابل قبول نہیں حالانکہ یہ صراحتاً جھوٹ ہے اس کی کوئی یقینی تصدیق نہیں بلکہ ان کا اسلام ابتداء ہی سے مسلم ہے مزید معارضہ عرض ہے کہ اہل علم کو جناب حضرت عباس کا مزعومہ کفر نظر آ گیا مگر مسیب کا اکیس سالہ کفر نظر نہیں آیا؟ یہی دوہرا معیار ہے۔ یہی جبری تحکم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بہت کچھ سیکھا مگر اس حوالے سے حضرت علی بھی عینی شاہد نہ بھی کوئی ایسی بات جو نشاندہی کر سکے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے قابل مذمت رویوں کی۔ مگر ان کی طرف سے بھی کائنات بھر میں کبھی بھی کہیں کوئی حوالہ علم میسر نہیں آ سکا۔ اگر کسی کے پاس کوئی حوالہ ہے تو لے آئے ہم استقبال کریں گے۔

خود رسول دوعالم ﷺ ہیں جن پر آیات نازل ہوئیں۔ تیئس سال تک آپ نے ان کی تلاوت فرمائی مگر پوری کائنات میں ڈھونڈنے سے بھی ایک جملہ ایسا کسی کو نہیں ملا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ آیتیں حضرت ابوطالب کی مذمت میں اتاری گئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پوری علمی بصیرت کے باوجود بھی اس کی نشاندہی کہیں نہ کر سکے۔ اب آخری صورت اللہ تعالیٰ کی ہے کہ اس نے علیم بذات الصدور ہونے کے باوجود بطور عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالت النص یا اقتضاء النص کبھی نہیں فرمایا کہ ہم نے ان آیات میں ابوطالب کی مذمت بیان فرمائی یا کسی صحابی نے رسول پاک ﷺ یا صحابی سے سن کر انہیں روایت کیا ہو؟ یہ تھے دینی ذرائع علم جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو میسر تھے کسی بھی یقینی ذریعہ علم سے ان کے اس قول کی تائید و تصدیق نہ ہو سکی رہا ان کا ذاتی طور پر یہ قول کرنا تو وہ ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ ایک تو اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا جو ثبوتِ الزام کفر میں علمی مؤثر ہو نزول آیت کے وقت تو یہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے جبکہ ان کا نزول کے وقت جائے نزول پر حاضر ہونا شرعاً ضروری تھا عینی شاہد ہونا ضروری تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ دوسرا یہ قول کسی دینی دلیل پر نہ مبنی ہے نہ مشتمل ہے بلکہ بہت سارے دینی علمی بدیہی حقائق کے خلاف ہے حتیٰ کہ نظم قرآنی کے بھی خلاف ہے جسے علمائے تفسیر واضح کر چکے ہیں۔

میں ان علماء کرام کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں جنھوں نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے کتابیں ضخیم لکھ رہے ہیں وہ میدان میں آئیں اور ان ذرائع علم کی نشاندہی کریں جن کی روشنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ قول کیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عالم ضرور ہیں صاحب وحی نہیں ہیں اگلی بات کریں گے۔

نوٹ

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت قابل قبول ہی نہیں کیونکہ وہ سازشی ایف آئی آر ثابت ہو چکی ہے۔ دوسری ضحضاح والی روایات بھی قابل قبول نہیں کیونکہ بے محل روایات ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام ان روایات کا محل ہی نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ضحضاح تو کلمہ نہ پڑھنے کی وجہ سے تھا۔ جب وجہ ضحضاح ہی بے ہودہ نکلی تو ضحضاح کا محل کہاں رہا؟ ویسے بھی تمام روایات ثبوتاً ظنی ہیں اور ظنی دلائل سے الزام کفر ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض والمحال مان بھی لیا جائے کہ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا ہے تو پھر بھی وہ شرعاً مجاز ہی نہیں کہ وہ قرآنی آیات کی اپنے خیال سے حقائق کے خلاف یوں تشریح کریں۔ کیونکہ نہ تو وہ قانون شریعت سے مستثنیٰ ہیں اور نہ وہ نظام روایت و درایت سے بالاتر ہیں۔ ان کے اقوال کو بھی دیگر اقوال کی طرح اصول وضوابط کی چھلنی سے گزرنا پڑے گا۔ جب خود صاحب وحی حضرت محمد ﷺ خود کو قرآن کے قواعد وضوابط پر پیش کر رہے ہیں فرما رہے ہیں کہ میری ہر بات کو قرآن کریم کے ضابطہ عظمت پر پرکھو۔ اگر میری بات قرآنی قواعد وضوابط کے مطابق ہے تو وہ میری ہے اگر ان کے مطابق نہیں تو وہ میری نہیں۔ میری طرف کسی نے منسوب کی ہے۔ اور جس شخص نے میری طرف کسی ایسی بات کو منسوب کیا جو میں نے نہیں کی "فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ فِي النَّارِ" تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ جنت میں ایسے جھوٹے کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

(الحدیث)

اس حدیث کی روشنی میں ہم حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کو پیش کرتے ہیں۔ اگر قرآن کے مطابق ہو تو فبہا ورنہ حدیث شریف کی روشنی میں اسے مسترد کر دیا جائے گا۔ مزید یہ کہ یہ قول اصلاً مردود ہے جہالت راوی کی وجہ سے۔ نزول آیت اور ابن عباس کا سن شعور میں آنا تقریباً 18 سال تک کا فاصلہ ہے۔ کیا اس سے پہلے تمام صحابہ حتیٰ کہ اہلبیت نبوت اس آیت کے مزعومہ فہم سے بے بہرہ رہے؟ یا نبی علیہ السلام نے ان سب سے 18 سال تک یہ سب کچھ چھپائے رکھا؟ (استغفر اللہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کے مطابق جناب ابوطالب کی ذات بھی قابل مذمت ہے جیسا کہ جملہ کفار مکہ قابل مذمت ہیں بوجہ اس کے کہ ان کے رویے یکساں ہیں کفار مکہ بھی رسول کائنات ﷺ سے نفرت کرتے ہیں اور ابوطالب بھی ان کی اتباع سے نفرت کرتے ہیں۔ بنابریں یہ دونوں فریق اپنے رویوں کی بنیاد پر قرآنی مذمت کے مصداق ہیں۔

قارئین محترم! آیئے اب ہم قرآن کریم سے ہی اس بابت کا فیصلہ لیتے ہیں اور بیان کیے گئے ہر دو فریقوں کے رویوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

فصل اوّل:

حضرت ابوطالب علیہ السلام اور کفارِ مکہ کے رویوں کا تقابلی جائزہ

حضرت ابوطالب علیہ السلام اور کفارِ مکہ کے رویوں کا تقابلی جائزہ

واحدانیت باری تعالیٰ اور کفارِ مکہ

اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا یقین دین اور اسلام کی پہلی اکائی ہے۔ پہلا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں آیات بینات میں عقیدے کی قوت میں بیان فرمائیں۔ سوا لاکھ انبیاء کرام علیہم السلام اس عقیدے کی ترویج و اشاعت کے لیے بھیجے۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں کتنے سادہ الفاظ میں قرآن کریم نے اسے بیان فرمایا: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ "فرما دو اللہ تعالیٰ اپنی شان میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی عظمتوں میں بے نیاز ہے۔ نہ اس کو کسی نے جنم دیا ہے اور نہ اس نے کسی کا جنم لیا ہے وہ اس مجبوری سے قطعاً پاک ہے۔ اس کا کسی بھی اعتبار سے کوئی شریک نہیں۔

محترم قارئین! یہ ہے وہ سچائی جس کا کسی بھی طرح انکار کفر و شرک ہے۔ مشرکین مکہ نے اسی سچائی کو ٹھکرایا۔ 360 بتوں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے لگے قدرت نے کائنات کا بدترین ٹائٹل شرک کا ان کے نام کر دیا۔ ہزاروں آیات میں اس اعتبار سے ان کی مذمت بیان فرمائی۔ یہ ہے اعتقادی رویہ کفارِ مکہ کا۔

اب آیئے سید بطحا، محسن اسلام، سردار قریش، جناب ابوطالب کا اعتقادی رویہ ملاحظہ فرمائیں:

واحدانیت باری تعالیٰ اور سیدنا ابوطالب علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کی توحید کی بابت ابوطالب اپنے یقین کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

مَلِيْكُ النَّاسِ لَيْسَ لَهٗ شَرِيْكٌ
هُوَ الْوَهَّابُ وَالْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ

ترجمہ: توحید باری تعالیٰ کی بابت میری عظمت یقین پر شک کرنے والو! سنو: میں اس رب کی عظمت کا یقین رکھتا ہوں جو پوری کائنات کے باسیوں کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہی حقیقی صاحب عطاء ہے۔ کائنات کو وجودِ اول بھی وہی عطا کرنے والا ہے کائنات کی ہر حقیقت اسی ہی کی طرف لوٹنے والی ہے وہ قادرِ مطلق ہے ہر چیز کو انجام کے طور پر اپنی طرف لوٹانے والا صاحب قدرت وعظمت ہے۔ مزید فرمایا

وَمَنْ تَحْتَ السَّمَآءِ لَهٗ بِحَقٍّ
وَ مَنْ فَوْقَ السَّمَآءِ لَهٗ عَبِيْدٌ

ترجمہ: جو کچھ آسمانوں کے نیچے ہے اسی کے حق میں تسبیح کناں ہے۔ اطاعت شعار ہے اور جو کچھ آسمانوں کے اوپر ہے اس کی بندگی میں سراپا نیاز ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

وَمَا ذَنْبُ مَنْ يَدْعُوْ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ
وَ دِيْنٍ قَدِيْمٍ اَهْلُهٗ غَيْرُ خُيَّبِ

ترجمہ: اے کفار مکہ بتاؤ تو سہی میرے محبوب ﷺ کا گناہ کیا ہے؟ جس کی تم سزاوے رہے ہو؟ یہ تو فقط اس اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی دعوت دیتا ہے جس کا کوئی شریک ہی نہیں اور یہی قدیمی دین ہے جس کے ماننے والے کبھی بھی خسارے میں نہیں رہے۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ نِدًّا وَ اَسْلِمُوْا
وَ اِنَّ طَرِيْقَ الْحَقِّ لَيْسَ بِمُظْلِمِ

پس اے مشرکین مکہ! تم اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ اور اسلام لے آؤ۔ بے شک یہی حقیقت کا حقیقی راستہ ہے۔ اس میں نری روشنیاں ہیں کہیں بھی اندھیرا نہیں۔

تقابلی جائزہ

قارئین محترم! آپ نے ہر دو رویوں کا مطالعہ کیا اور قرآن حکیم کا بھی مطالعہ کیا۔ بولیے قرآن مجید کے مطابق کون ہے اور مخالف کون ہے؟ بت پرست کون ہے بت شکن کون ہے؟ کافر کون ہے مومن کون ہے؟ یہ ہر دو مختلف رویے یکجا کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کافر و مشرک تھے۔ یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے کوئی کہے کہ جناب ابوطالب کافر مشرک تھے نہیں ہرگز نہیں وہ ایک عظیم مومن و موحد تھے جبکہ کفار و مشرکین مکہ کی بابت بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ کون تھے۔

بنا بریں سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کفار کی بابت قرآنی مذمت میں شمار کرنا بدترین علمی خیانت ہے۔ حرم نبوت کو قرآن کا نام لے کر آگ لگانے کے مترادف ہے۔ اتنی بڑی حقیقت کہ مدمقابل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کی کوئی حقیقت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دامن میں صرف دو سالہ نبوی صحبتیں ہیں وہ بھی بچپنے میں

جبکہ سید بطحیٰ، حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دامن میں پچاس سالہ نبوی صحبتیں ہیں وہ بھی شب و روز کی حالات کی سنگینی اضافی امر ہے۔ تو پھر ان ہر دو صحبتوں فرق واضح ہے۔

عقیدۂ رسالت اور کفارِ مکہ

کون نہیں جانتا کہ کفارِ مکہ کا سید العالمین حضرت محمد ﷺ کی بابت کیا رویہ تھا۔ کس قدر دشمنی تھی۔ آپ ﷺ پر ظلم کرنے میں تو حد پار کیے ہوئے تھے۔ ان کی اس شقاوت کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا "(الرعد: ۴۳) کافر بولے کہ اے محمد تم رسول ہو ہی نہیں۔

ہم تجھے رسول مانتے ہی نہیں۔ گویا کھلے عام عظمت رسالت کا صریحاً انکار کر دیا۔ یہ کفار کا رویہ تھا۔ اب ہم آپ کو لے چلتے ہیں سید البطحاء سردارِ مکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بارگاہ میں۔

عقیدۂ رسالت اور حضرت ابوطالب علیہ السلام

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جب سنا کہ کفارِ مکہ نے صریحاً میرے محبوب کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا ہے تو عقیدتِ ہاشمیت و غیرت ایمان و یقین سے گرج کر بولے۔ کون کمینہ کہتا ہے کہ یہ رسول نہیں؟ خدا کی عظمت کی قسم

أَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ اللهِ نَعْلَمُهُ
عَلَيْكَ نُزِّلَ مِنْ ذِي الْعِزَّةِ الْكُتُبُ

آپ ہی تاجدار رسالت و نبوت ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول ہیں ہم اس کا کامل یقین رکھتے ہیں کوئی ہمارے نورِ یقین سے دیکھے تو ضرور آپ اسکو رسول ہی نظر آئیں گے۔ کفر کی گندی آنکھ سے دیکھنے والوں کو کیسے تیرے حسن کے جلوے نظر آئیں؟ آپ ہی وہ ذات ہیں جس پر سب سے زیادہ عزت والی کتاب نازل ہوئی جیسے آپ نبیوں کے سردار ہیں آپ کی کتاب بھی کتابوں کی سردار ہے۔

أَنْتَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ قَرْمٌ أَغَرُّ مُسَوَّدُ
لِمُسَوَّدِيْنَ أَكَارِمٍ طَابُوْا وَ طَابَ الْمَوْلِدُ

اے محمد ﷺ آپ تو تاجدار نبوت ہیں سردار ہیں بزرگ و برتر ہیں کائنات میں آپ ہی کو سرداری عطا کی گئی ہے۔ آپ ہی وہ ذات ہیں جن کو ایسے لوگوں کی سرداری بخشی گئی جو فطرتاً پاک خلقتاً عظیم ہیں۔ آپ لوگوں کے مخدوم ہیں یہ کافر اخبث الناس کیا جانیں کہ آپ کیا ہیں؟ آپ تو اس شان کے مالک ہیں کہ

لَقَدْ اَكْرَمَ اللّٰهُ النَّبِيَّ مُحَمَّدًا فَاَكْرَمُ اللّٰهُ فِي النَّاسِ اَحْمَدُ

وَ شَقَّ لَهُ مِنَ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُوا لْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدُ

اللہ تعالیٰ نے تمام بزرگیاں عظمتیں آپ کے نام کردی ہیں آپ وہ محبوب نبی ہیں جن کی تعریفوں کی کوئی انتہا معلوم ہی نہ کر پائے کائنات کے باسیوں میں صرف آپ ہی ہیں جن کے وجود اقدس نے اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد بیان کی گئی۔ یہی سب سے بڑی بزرگی ہے اور سب سے بڑا شرف ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حمد پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے اپنے نام مبارک سے اپنے محبوب مکرم کا نام مشتق فرمایا۔ کسی غیر کے نام سے اپنے محبوب کے نام کو لینا پسند ہی نہیں کیا۔ کیا خوب فرمایا صاحب عرش اللہ تعالیٰ نے خود تو محمود ہیں جس کی تعریف کی گئی اور یہ محمد ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ اللہ اکبر۔ پھر فرماتے ہیں

"وَ خَيْرُ بَنِيْ هَاشِمٍ اَحْمَدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰى فَتْرَةٍ"

یہ تو معبود برحق اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جب زمانہ فترت تھا تو اس وقت آپ تشریف لائے جب کائنات کو روشنیوں کی اشد ضرورت تھی تو بنی ہاشم سے جو سب سے افضل تھے وہ احمد ہی ہیں انہیں تاجدار رسالت اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ پھر فرمایا

"وَاِنْ كَانَ اَحْمَدُ قَدْ جَآءَهُمْ بِحَقٍّ وَلَمْ يَأْتِيْهِمْ بِالْكَذِبِ"

محمد کریم کا تشریف لانا تو حق ہی کے ساتھ ہے وہ ایک عظیم سچائی (قرآن) لے کر آئے۔ انھوں نے نزول قرآن سے پہلے بھی جھوٹ نہیں بولا نزول قرآن کے بعد کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ قرآن ہی تو سچائی کا سب سے بڑا معیار ہے پھر کفار مکہ کو چیلنج کے طور پر فرمایا:

"اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا نَبِيًّا كَمُوْسٰى خُطَّ فِيْٓ اَوَّلِ الْكُتُبِ"

کیا تم نہیں جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم نے شان والا نبی ہی پایا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے ویسے ہی یہ شان والے نبی ہیں اور میں یہ بات صرف اپنی زبان سے نہیں کررہا بلکہ تسلی کے لیے آپ پہلی کتابوں تورات، زبور اور انجیل، صحف ابراہیم، صحف آدم میں غور سے پڑھو گے تو اس حقیقت کو وہاں بھی لکھا ہوا پاؤ گے۔ یہ تو وہ ذات ہے جس کی محبت کو لوگوں پر فرض قرار دیا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی۔

وَاَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مَحَبَّةً وَلَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِالْحُبِّ

جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب قرار دے اس سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔ یہ بات یقین کرلو اے کفار مکہ یقیناً یقیناً ان کی محبت کائنات کے باسیوں کے دلوں کا نور بن کر رہے گی یہ فطرت ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کون ہے؟ ان سے افضل

یقیناً کوئی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مرکز محبت کے طور پر خاص فرمایا۔

پھر جناب ابوطالب نے انھیں گرج کر کہا

یَنْصُرُہُ اللہُ الَّذِیْ ھُوَ رَبُّہٗ
بِاَھْلِ الْعُقَیْرِ اَوْ بِسُکَّانِ یَثْرِبِ

ہوش کرو کفار مکہ! یہ وہ محمد ہیں جن کی مدد خود اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ وہی اس کا عظیم رب ہے۔ عقیر البحرین سے لے کر یثرب (مدینہ) تک بلکہ پوری کائنات تک یہ منصور من اللہ ہوں گے۔ تمہارے منہ بسورنے سے کچھ بھی نہیں بنے گا۔ پھر فرمایا

وَلَا شَکَّ اَنَّ اللہَ رَافِعُ اَمْرِہٖ
وَ مُعْلِیْہِ فِی الدُّنْیَا وَ یَوْمَ التَّجَاوُلِ

اس میں کوئی شک نہیں رہا بیشک اللہ تعالیٰ محمد کریم اور ان کے دین کو بلندیاں ضرور عطا کرے گا۔ دنیا و آخرت میں ساری بلندیاں ان کا طواف کریں گی۔ تم سے جو ہوتا ہے کر لو (فریدی)

پھر فرمایا شرم کرو ظلم بند کرو

ظُلْمُ نَبِیٍّ جَآءَ یَدْعُوْ اِلَی الْھُدٰی
وَ اَمْرٌ اَتٰی مِنْ عِنْدِ ذِی الْعَرْشِ قَیِّمٌ

تم اس نبی پر ظلم ڈھا رہے ہو جو نور ہدایت کی دعوت دیتا ہے اور اس کا معاملہ دین تو مضبوط عرش عظیم کے مالک کے حضور اقدس سے آیا ہے۔ (حیاء کرو) پھر حضرت ابوطالب علیہ السلام جوش میں آگئے اور کہا بلکہ جوش ایمانی سے کہا

یَا شَاھِدَ الْخَلْقِ عَلَیَّ فَاشْھَدْ اَنِّیْ عَلٰی دِیْنِ النَّبِیِّ اَحْمَدْ
مَنْ ضَلَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنِّیْ مُھْتَدِیْ یَا رَبِّ فَاجْعَلْ فِی الْجِنَانِ مَقْعَدِیْ

اے مخلوق کے پیدا فرمانے والے خالق مجھ پر گواہ ہو جا بے شک میں نبی احمد ہی کے دین پر ہوں اور جو اس دین سے گمراہ ہو گا تو ہوا کرے میں تو ان ہی کے دین پر ہوں بے شک میں اسے پکڑ کر ہدایت کی طرف لاؤں گا اے میرے رب اے میرے رب میرا ٹھکانہ جنت میں بنا دے۔ آمین

پھر کفار مکہ کو للکارا اور کہا او کافرو! اگر تم محمد ﷺ کو اذیت دینے سے باز نہ آئے تو سنو

اُقِیْمُ عَلٰی نَصْرِ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اُقَاتِلُ عَنْہُ بِالْقَنَاۃِ وَالْقَنَابِلِ

اے دنیا والو! بالخصوص کفار مکہ! یاد رکھو کہ اب میں کھڑا ہو گیا ہوں اللہ تعالیٰ کے نبی محمد ﷺ کی مدد و نصرت کرنے۔ اب جس

نے ان کو ستانا ہے اسے میرے دھاردار تیزوں کا سامنا کرنا ہوگا اور میری جفاکش جنگی مہارتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہے کوئی جس میں دم خم ہے تو آؤ میں للکار رہا ہوں

قارئین محترم! یہ ہے جناب ابوطالب کا عقیدہ رسالت اور رویہ حمیت کہاں اہل علم کی متلون مزاجی اور کہاں سیدنا ابوطالب کی دینی غیرت ہے کوئی اہل علم جو ایسے سنگین ترین حالات میں کفار کو یوں للکار کر دکھائے۔ فتویٰ بازی اور شے ہے اور جانگدازی اور شے ہے۔ شاید اسی منظر کو دیکھ کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی روح تڑپی اور برجستہ کہا

چوں گویم کہ مسلمانم بلرزم ۔۔۔۔ کہ دانم مشکلات لا الہ الا اللہ

جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو لرز جاتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں لا الہ الا اللہ پر قائم رہنا مشکلات سے ہی تو گھرا ہے۔ یہ اہل علم کا کام نہیں۔ یہ ابوطالب کی عظیم عزیمت ہی تو ہے جو لا الہ الا اللہ پر مشکلات کا سامنا کر سکتی ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر کربلا تک کون ہے جو کفر سے ٹکرایا؟ جس نے تنہائی کو طعنہ نہیں بننے دیا قلت افراد کو قلت مال کو عزیمت میں آڑ نہیں سمجھا وہ فقط فقط خون بوطلبی ہے۔

عقیدہ رسالت کفار کے نزدیک کیا ہے اور جناب ابوطالب کے نزدیک کیا ہے؟ دونوں رویے آپ کے سامنے ہیں۔ قرآن مجید کس رویے کی مذمت کرتا ہے فرق آپ کے ذمہ ہے۔

قرآن کریم اور کفارِ مکہ کا رویہ وعقیدہ

کفار مکہ کا رویہ قرآن کریم کی بابت کیا ہے؟ ہم قرآن پاک ہی سے پوچھتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:

"وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝" (الانعام:۷)

کفار مکہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ قرآن وحی کی بجائے کتابی شکل میں اترے تو ہم ماننے پر غور کر سکتے ہیں اس پر جواباً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب اگر قرآن ان کے مطالبے کے مطابق کتابی صورت میں بھی ہم نازل کر دیں تو بھی یہ بے ایمان اسے ٹٹولتے رہیں گے آخر میں یہ کفار کہیں گے کہ یہ تو صرف جادو ہی ہو سکتا ہے۔ یا یہ کہیں گے۔۔۔

"اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ" "یہ تو فقط کھلا ہوا جادو ہے۔ بلکہ اس سے بھی چار ہاتھ آگے بڑھ کر یہ کہیں گے۔

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝"

(قرآن سے نفرت کرنے والے کفار نے کہا کہ) قرآن بالکل نہ سنا جائے بلکہ شور شرابا کیا جائے یہی کفر کی کامیابی ہے۔ (حم السجدہ:۲۶)

سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کا عقیدہ و رویہ اور قرآن عظیم

آیئے اب ہم آپ کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کا قرآن کریم کی بابت رویہ عرض کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

اَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَعْلَمُهٗ　　　عَلَيْكَ نُزِّلَ مِنْ ذِی الْعِزَّةِ الْكُتُبِ

یا نبی اللہ آپ کی شان رسالت کا کیا کہنا ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ ہی کے شان والے رسول ہیں تبھی تو اس عظیم السلطان ذات نے آپ کو تمام کتابوں کی سردار عزت والی کتاب سے نوازا ہے۔ پھر فرمایا

اَوْ یُؤْمِنُوْا بِکِتَابٍ مُنَزَّلٍ عَجَبٍ عَلٰی نَبِیٍّ کَمُوْسٰی اَمْ کَذِی النُّوْنِ

یَاتِیْ بِاَمْرٍ جَلِیٍّ غَیْرِ ذِیْ عِوَجٍ کَمَا تَبَیَّنَ فِیْ آیَاتِ یَاسِیْنِ

یا اپنے بخت کو بلند کرنے کے لیے ایمان لاتے ایسی نازل ہونے والی کتاب پر جس کی مٹھاس دلوں کی پنہائیوں میں اتر جاتی ہے۔

یہ کوئی اجنبی کتاب نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی شان والی کتابیں نازل ہوئی ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل ہوئی اور حضرت یونس علیہ السلام پر ان کے صحائف نازل ہوئے۔ یہ کتاب ایک واضح ترین ہدایت پر مبنی مضامین پر نازل ہوئی ہے اس میں کوئی کجی نہیں جسے سورہ یاسین میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

قارئین محترم! اب صاف ظاہر ہو گیا کہ کفار مکہ اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کے رویوں میں واضح فرق ہے۔ زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ پھر بھی اہل علم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب شدہ غیر حقیقی قول کی دھن الاپتے ہیں نجانے ان کی کیا مجبوری ہے۔ انہیں حرم نبوت کا کم از کم حیا ہی کر لینا چاہیے۔

عقیدہ آخرت اور کفار مکہ کے رویے

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جب کفار مکہ کے سفاکانہ رویے حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بطور ترہیب ان کو احوال قیامت و آخرت سے ڈرایا۔ عقیدہ آخرت پر جزا و سزا پر جنت دوزخ پر یقین کرنے کی دعوت دی تو یہ اپنی ہٹ دھرمی میں بپھر گئے۔ بدنواس گدھوں کی طرح دولتیاں مارنے لگے۔ قرآن کریم نے اسے یوں بیان فرمایا:

"کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ" (المدثر: ۵۰) یوم آخرت کے تمام معاملات سے انکاری ہو گئے کہنے لگے "مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ" (یٰسٓ) کہنے لگے گلی سڑی ہڈیوں کو کیسے زندہ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔ وغیرہ۔ گویا کفار مکہ عقیدہ آخرت کے بالکل انکاری تھے۔ قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ خوف

طوالت سے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

عقیدہ آخرت اور جناب ابوطالب علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

" وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ "(البقرہ: ۴،۵)

ترجمہ:۔ محبوب فلاح والے تو وہی ہیں جو قرآن کی عظمت پر یقین رکھتے ہیں اور اس سے پہلی کتابوں پر یقین اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

قارئین محترم! آپ پہلے اوراق پر پڑھ آئے ہیں کہ سیدنا ابوطالب مذکورہ بالا تمام عظمتوں پر کامل یقین رکھتے تھے۔ مزید عقیدہ آخرت کی بابت خود فرماتے ہیں۔

شَرَفُ الْقِيَامَةِ وَالْمَعَادِ بِنَصْرِهٖ   وَيُعَاجِلُ الدُّنْيَا يَحُوْزُ السُّؤْدَدَا

یوم قیامت و آخرت کی بزرگی فقط رسول اللہ ﷺ کی غلامی و نصرت سے ممکن ہے۔ انہی کی برکتوں سے دنیا کی بزرگیاں بھی میسر آتی ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا

وَلَا شَكَّ اِنَّ اللّٰهَ رَافِعُ اَمْرِهٖ   وَمُعْلِيْهِ فِي الدُّنْيَا وَيَوْمَ التَّجَادُلِ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو بہر اعتبار بلندیاں عطاء کرنے والا ہے ان کا معاملہ دین دونوں جہانوں میں بلند کرنے والا ہے۔ اور آخرت کے دن تو اپنے محبوب مکرم کو تمام بزرگیوں کی معراج عطا کرنے والا ہے۔ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا اس میں کوئی شک نہیں۔

قارئین محترم! اس وضاحت کے بعد تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں رہی یہاں ایک نادر اور انوکھی بات یہ فرمائی کہ آخرت کی تمام عظمتوں کا حوالہ صرف مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ یہی ایک کامل مؤمن کی معراج اور شناخت ہے کہ اسے دنیا و آخرت کی تمام خلوتوں جلوتوں میں صرف اور صرف عظمت مصطفیٰ ﷺ ہی کے جلوے نظر آئیں اور بس۔ سبحان اللہ

نوٹ:۔ مکی دور نبوت میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ، رسالت محمدی ﷺ کا یقین، جنت و دوزخ کا یقین، قیامت کا یقین، حشر و نشر کا یقین، قرآن کریم کی عظمتوں کا یقین، پر مشتمل تھا۔ اور یہ ساری یقینی عظمتیں الحمد للہ انہیں یعنی

ابوطالب کو میسر تھیں اور تادم حیات میسر رہی ہیں جبکہ کفار و مشرکین مکہ ان تمام یقینی عظمتوں کا انکار کرتے بلکہ استہزاء و انکار کرتے قرآن کریم نے یقینی عظمتوں کے احترام کرنے والوں کی جا بجا عظمتیں بیان فرمائی ہیں۔ جبکہ ان یقینی عظمتوں پر یقین نہ کرنے والے کفار و مشرکین مکہ کی مذمتیں بیان فرمائی ہیں تو پھر کفار کی مذمت والے رویے اور صاحب عظمت رویے یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں مختلف رویے یکجا ہو کر سورہ انعام کی آیت ۲۶ کا بیک وقت یکساں مصداق کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ تو یوں ہو گیا جیسے کسی نے کسی کو بھونڈا مذاق کرتے ہوئے شراب اور دودھ ملا کر ایک ہی برتن میں ایک ہی مشروب بنا کر پلانے کی جسارت کر ڈالی ہو مگر اللہ تعالیٰ کی شان ایسی بیہودگی سے بالکل پاک ہے کہ وہ کفار و مشرکین مکہ کے ناپاک رویوں کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاکیزہ اور عظیم جذبوں کو ایک حکم میں ملائے اور دونوں کو یکجا کر کے ان کی مذمت کرا لے۔ العیاذ باللہ۔

نوٹ: اسلام کے بنیادی عقائد کی عظمتوں پر یقین کرنے والوں کی قرآن کریم نے جہاں جہاں عظمت بیان فرمائی، مدحت بیان فرمائی، شرافت بیان فرمائی جناب ابوطالب ان سب کا مصداق اول قرار پائے اور ان عظمتوں کا نقش اول قرار پائے۔ کیونکہ ابھی دعوت اسلام شروع ہی نہیں ہوئی حضرت ابوطالب علیہ السلام ان تمام عظمتوں کے نقیب بھی رہے ترجمان بھی۔ بلکہ فضائے مکہ ان کے ان عظیم نغموں سے گونج رہی تھی۔ جن میں عقائد اسلامیہ کا مضمون جا بجا موجود ہے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے مگر ملاں ازم اس سے یکسر بے خبر ہے۔

کفارِ مکہ اور اخلاقی رویے

عقائد اسلام کے بعد مکہ کے ماحول میں دوسرا تقاضائے شریعت اچھے اخلاق کا ہوتا تھا کیونکہ نماز روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت دیر بعد ہوئی پہلے اعلیٰ اخلاق حسنہ کی تعلیم دی گئی کیونکہ اسلام سے قبل پورا مکہ غیر اخلاقی رویوں کی زد میں تھا۔ کفار مکہ غیر اخلاقی رویوں کے رسیا تھے۔ وضاحت کی بھی ضرورت نہیں۔ اور دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف ایک جملہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ جو سیدنا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں بولا۔ جب ابوسفیان ان کے تعاقب میں حبشہ پہنچا اور نجاشی کو ورغلانہ چاہا۔ نجاشی شاہ حبشہ نے جناب جعفر سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے دین اسلام کو کیوں قبول کیا؟ جو کہ مکہ کے ماحول میں ایک نئی صورت تھی۔ اس پر حضرت جعفر طیار نے یہ خوبصورت ترین جملہ بولا: اے شاہ حبشہ اس دین سے پہلے باسیانِ مکہ اخلاق آشنا ہی نہ تھے بس حضور اکرم ﷺ کی اعلیٰ تعلیم نے حسن اخلاق کی بنا ڈالی سو ہم پاکیزہ اخلاق ہو گئے۔ یہ کفار مکہ اعلیٰ اخلاق کی مخالفت کرتے ہیں انسانی اقدار سے کھیلتے ہیں ظلم و بربریت کا شوق رکھتے ہیں۔ فساد فی الارض کے مرتکب ہیں اس

لیے اس نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کی جماعت کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کے مدِمقابل ہیں۔

جناب ابوطالب اور اخلاق حسنہ

قارئین کرام! آپ نے کفارِ مکہ کے اخلاق کی کہانی ملاحظہ فرمائی۔ اب ذرا ماویٰ خلق عظیم کی داستانِ عصمت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ وہ کاشانہ رحمت ہے جہاں اخلاق سیکھے نہیں جاتے بلکہ بنائے جاتے ہیں۔ یہ وہ کاشانہ رحمت ہے جہاں حسن اخلاق کی سبیل لگائی جاتی ہے خیرات دی جاتی ہے ہر حسن خلق یہاں اپنی نمو پاتا ہے۔ یہ مصطفاؤں کی کائنات ہے مرتضاؤں کا ماحول ہے۔ مجتباؤں کا مرکز ہے۔ یہاں نہ تو دلیل کی مجبوری ہے نہ تصدیق کی ضرورت ہے یہاں تو "اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا" کی گواہیاں قرآن عظیم دیتا ہے۔ حبیب اُلوہی چاہت نے طے کرلیا ہے کہ کاشانہ نبوت کے جملہ افراد پاکیزگیوں کی اعلیٰ معراج پر ہوں۔

حمایتِ دین اسلام اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کا رویہ

کون نہیں جانتا کہ کفارِ مکہ کی دشمنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذاتی نہیں بلکہ دین اسلام کی بابت ہے۔ اگر ذاتی دشمنی ہوتی تو کبھی بھی وہ آپ علیہ السلام کو صادق وامین نہ کہتے۔ بلکہ بچپن سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہوتے۔ اس کے برعکس جناب ابوطالب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت ہی سے آپ پر سوجان سے قربان رہتے اور تاحیات یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ بعض اہل علم نے یہاں بدترین علمی ٹھوکر کھائی اور کہہ دیا کہ یہ حمایت تو صرف خونی ہے نسبی ہے خاندانی ہے۔ بھتیجا ہونے کے حوالے سے ہے نہ کہ دینی حمایت، ایمانی حمایت وغیرہ۔ میرے نزدیک یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب حضرت عبدالمطلب علیہ السلام تک پورے تسلسل کے ساتھ بشارات الٰہیہ اس خاندان عظمیٰ میں جاری وساری رہیں۔ آخری بشارت حضرت عبدالمطلب نے جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام کو بوقت وصال تفویض فرمائی اور وصیت بھی فرمائی۔ جناب ابوطالب تمام بشارات الٰہیہ کے آخری حقیقی امین ٹھہرے۔ بعدازاں مسلسل چالیس سال تک معجزات کا مشاہدہ ومطالعہ بچشم خود فرمایا اور پورے عزم ویقین کے ساتھ پچاس سال تک پیکر نبوت کا پہرہ دیا۔ اس پر سب کچھ قربان کرنے کو تلے رہے حتیٰ کہ اپنی سگی اولاد کو بھی قربانی کے لیے تیار فرماتے رہے۔ اعلان نبوت کے بعد تو اس پیار کی حد کردی۔ یہ سب کچھ کے بعد بھی طعنہ دیا جاتا ہے یہ محبت طبعی تھی یہ حمایت ونصرت طبعی تھی۔ دینی نہ تھی۔ استغفر اللہ۔

کیا یہ تجاہل عارفانہ نہیں؟ کہ اہل علم نے نبی کی طبیعت اور نبوت کو ہی مختلف کرڈالا اور ان میں مابہ الامتیاز کوئی علمی حوالہ ہی نہیں۔ یا یہ کتنی شرم ناک بات ہے اور میرے نزدیک یہی جہالت ہے کہ یہ کہا جائے کہ نبی کی نبوت نبی کی طبیعت سے مختلف ہے اور

نبی کی طبیعت نبی کی نبوت سے مختلف ہے۔ یعنی باہم دونوں عظمتوں میں اختلاف ہے۔ بنابریں طبیعت پر تو پہرہ دیا۔ مگر نبوت پر پہرہ نہیں دیا۔ بھئی مجھے بتایا جائے نبوت بغیر پیکر نبوت کے ظہور پذیر ہو سکتی ہے؟ یا طبیعت بغیر نبوت کے اسوہ کاملہ کا معیار بن سکتی ہے؟ بغیر نبوت کے طبیعت پر وحی نازل کی جا سکتی ہے؟ جب طبیعت پر پہرہ دیا جا رہا تھا تو اس وقت نبوت کہاں تھی؟ ظاہر ہے پیکر نبوت میں ہی نبوت تھی اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر طبیعت کے واسطے سے نبوت پر بھی پہرہ ثابت ہوا ورنہ جناب ابوطالب کہہ دیتے کہ اے محمد میرا یقین تو نبوت پر نہیں آپ ایسا کریں کہ اپنی نبوت کو اپنے سے الگ کر لیں کہیں اور رکھ دیں تب ہم آپ کی طبیعت کا پہرہ دیں گے۔ یہ کیا فراڈ تھا؟ جب نبی کی طبیعت اور نبوت میں اختلاف ہو جائے تو نبوت ہی معطل ہو جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنا اعتماد نہیں ٹوٹنے دیتا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی کی نبوت اور طبیعت میں جنگ ہو جائے جیسا کہ اہل علم کا گمان ہے۔ جو انھوں نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حوالے سے گھڑا کہ انھوں نے طبیعت کا پہرہ دیا اور نبوت کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ نعوذ باللہ۔

قارئین کرام! آپ اہل علم کی یاوا گوئی کو چھوڑیں واہی باتوں کو چھوڑیں کسی مورخ کی تاریخی روایت کو چھوڑیں۔ آؤ ہم چلتے ہیں بارگاہ بوطلبی میں اُن سے ہی پوچھتے ہیں حضرت ابوطالب علیہ السلام سے ہی پوچھتے ہیں کہ حضور والا! آپ خود وضاحت فرما دیں کہ آپ رسول خدا ﷺ کا پہرہ کس بنیاد پر دیتے رہے؟ حفاظت کس بنیاد پر کرتے رہے؟ آپ کا حوالہ محبت طبعی تھا یا شرعی؟ تو آپ نے فرمایا۔

مَنَعْنَا الرَّسُوْلَ رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ
بِبِيْضٍ تَلَأْلَأُ لُمَحِ الْبُرُوْقِ

ہم نے تو پہرہ ہی رسول کا دیا ہے اور رسول بھی اللہ تعالیٰ، مالک الملک وحدہٗ لاشریک کے رسول کا دیا ہے۔ سفید دھار دار بجلی کی طرح چمکنے والی تلواروں سے دیا ہے۔

اَذُبُّ وَ اَحْمِىْ رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ
حِمَايَةَ حَانٍ عَلَيْهِ شَفِيْقِ

ہم نے تو مالک الملک کے رسول کا دفاع کیا ہے اور حمایت کی ہے اس لیے کہ ہماری شفقتوں کا قبلہ تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے۔

اُقِيْمُ عَلٰى نَصْرِ النَّبِيِّ مُحَمَّدًا
اُقَاتِلُ عَنْهُ بِالْقَنَاةِ وَالْقَنَابِلِ

ترجمہ: میں تو فقط نبوت کی مدد و نصرت کے لیے کھڑا ہو گیا ہوں قائم و دائم ہوں میری جرأت و محبت نبوت محمدیہ کا پہرہ دے

رہی ہیں میں دشمنوں سے لڑ جاؤں گا اپنے تیز ترنیزوں سے اور سامان حرب سے۔
بولیے جناب! یہ طبیعت پر پہرہ ہے یا نبوت ورسالت پر؟
کتنا بڑا جھوٹ بولا گیا ہے کہ حمایت طبعی تھی شرعی نہ تھی۔ اہل علم نے اپنی جھوٹی روایت کو سچا کرنے کے لیے یہ جھوٹ بولا جو چل سکا۔
قارئین محترم! فقیر نے بحمد للہ تعالیٰ و بنصر محمد ﷺ ہر دو رویوں میں واضح فرق کو بیان کر دیا ہے کفار مکہ کے معاندانہ رویے کیا ہیں اور قرآن ان رویوں کی مذمت کیسے کرتا ہے اور محسن اسلام سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے مخلصانہ رویے کیا ہیں قرآن مجید ان کی بابت کیا فرماتا ہے۔ اب ان ہر دو مختلف رویوں کو یکجا کرنا بد دیانتی ہے۔ تفصیلات تو ایک مستقل باب کی ضخامت کی صورت میں ہی بیان ہوں گی۔ سردست اتنا عرض ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کفار و مشرکین مکہ کے ساتھ شریک مذمت کرنا بدترین علمی خیانت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول سورۂ انعام آیت نمبر 26 کی بابت کہ یہ آیت ابوطالب کی بابت نازل ہوئی یہ کسی صورت میں قابل قبول نہیں۔ نہ ہی اس کی کوئی یقینی حقیقت ہے۔
پہلی صورت تو یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہی نہیں۔ اگر بالفرض والمحال مان ہی لیا جائے کہ انہی کا قول ہے تو بھی قابل قبول نہیں۔ اپنی غرابت کی بنیاد پر۔ دوسری بات یہ کہ یہ قول واضح اور روشن تر حقائق کے مد مقابل ہے۔ اس میں اتنی سکت ہی نہیں کہ نظم قرآن کی قطعیت کا معارضہ کر سکے۔ سیاق وسباق کلام الٰہی کے ربط کا معارضہ کر سکے۔ جب حضرت ابو طالب علیہ السلام کسی کافرانہ رویے کا محل ہی نہیں تو اس کو اس آیت کا مصداق کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جنھیں اپنے اپنے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ مزید یہ کہ یہ قول ایک عظیم حسین تواتر کے خلاف ہے قابل توجہ ہی نہیں وہ تواتر سیرت ابوطالب ہے۔ مزید یہ کہ اس قول کی سند ضعیف ہے جہالت راوی کی بناء پر۔

بُت پرستی سے شدید نفرت

کفار مکہ کی بت پرستی تو اتنی واضح ہے کہ دلیل کی ضرورت ہی نہیں مگر حضرت ابوطالب علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے بت پرستی سے شدید نفرت ہے۔

وَ اِنَّ اشْتِیَاقِیْ عَنْ هَاشِمٍ ۔۔۔ بِمَا اسْتَطَعْتُ فِی الْغَیْبِ وَالْمَحْضَرِ
وَ عَنْ عَائِبِ اللَّاتِ فِی قَوْلِهٖ ۔۔۔ وَلَوْ لَا رِضَا اللَّاتِ لَمْ تُمْطَرِ
وَ اِنِّیْ لَاَشْنَا قُرَیْشًا لَهٗ ۔۔۔ وَ اِنْ کَانَ کَالذَّهَبِ الْاَحْمَرِ

اے لوگو! دھیان سے سنو! میرا تعلق جناب ہاشم علیہ السلام جیسے صاحبِ وقار سے ہے اور میں ہر حال میں اس عظیم نسبت کا لحاظ رکھتا ہوں۔ خواہ وہ منظر غائب ہو یا مشاہدہ پر مبنی ہو۔ اور جن لوگوں کا عقیدہ ہے اگر لات (بت) خوش نہ ہوا تو ہمارے ہاں بارش نہیں ہوگی یہ سفید جھوٹ ہے اور مجھے ایسے بتوں سے اور بت پرستوں سے شدید نفرت ہے۔

بولیے جناب اس عظیم المرتبت فکر اور یقین کا کیا جواب دو گے؟ کیا ابوطالب ابھی بھی مشرک ہیں۔ اہل محبت سے کہوں گا کہ اس جھوٹ ازم سے دور رہیں۔

معجزاتِ نبوت پر کامل یقین

کفارِ مکہ معجزات نبوت کا کھلا ہوا انکار کرتے تھے بلکہ استہزاءً کہتے تھے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ مگر جناب ابوطالب نے بے شمار معجزات دیکھے اور ان کی عظمت پر یقین بھی کیا اور انہیں پوری عظمت کے ساتھ بیان بھی فرمایا۔ نمونہ کے طور پر ایک معجزے کا ذکر کیے دیتا ہوں۔ صورت اس کی یہ ہے۔

ابوجہل نے اپنی کمینگی کا اظہار کرتے ہوئے حالتِ نماز میں آقا علیہ السلام کا سر مبارک پتھر سے کچلنا چاہا۔ بھاری بھرکم پتھر اٹھایا اور آپ ﷺ کے سر پر مارنے لگا۔ غیرتِ خداوندی نے فوراً اس کا ہاتھ سوکھا کر شل کر دیا۔ سید بطحاء نے اسے یوں بیان فرمایا:

وَ اَعْجَبَ مِنْ ذَاكَ مِنْ اَمْرِكُمْ　　عَجَائِب فِی الحجر المُلْصِقِ
بِكَفِّ الذی قَامَ مَن حینه　　الصابر الصادق المتقی
فایبسه اللّٰه فی کفّہٖ　　علی رُغْمَةِ الجائرِ الاحمَق
اُحَیمِق مَخزومِکُم اذغوی　　لَغَیِّ الغواۃ وَ لَم یَصْدُق

بدبخت ابوجہل مخزومی جسے موت اپنی طرف گھسیٹ رہی ہے اس نے اپنا پتھر والا ظالمانہ ہاتھ بلند کیا تو قادرِ مطلق نے اس ظالم بدترین بیوقوف کے پلید ہاتھ ہی کو خشک کر دیا۔ یہ مخزومی جاہل سرکش اپنی گمراہیوں میں بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا اس کا جھوٹ ہی اس کا اس کے گلے کا پھندہ بن گیا اور یہ کمینہ رسوا ہو گیا۔ اُسوۂ صدق و صبر نبی صاحب لقا بحمد اللہ محفوظ رہے۔

بولیے جناب! اب حقیقت واضح ہوئی؟

اہل علم کا دوہرا معیار اور جبری تحکم

قارئین محترم! یہ عنوان ذرا احساس ہے اور انتہائی غور طلب ہے۔ بعض اہل علم نے اپنے اپنے استدلال میں دوہرا معیار اپنایا

ہے۔ جبری تحکمانہ انداز میں اسے منوانے پر بضد رہے اور ہیں۔ ایک سادہ آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ یہ کیا معیارِ تحقیق ہے۔ سو اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو بھی اسی جارحیت کے تسلسل کا شکار ہونا پڑا۔ اہل علم نے جو جی میں آیا کہا حتی کہ اس نفس محترم کے خلاف مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ ایک مستقل محاذ کھڑا کیا گیا یوں لگا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اسلام اور بانی اسلام کے خادم نہیں رہے بلکہ فریق رہے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

ہم نے زیر بحث سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کو ہی سامنے رکھا ہے۔ اس میں کثیر مفسرین نے ہر دو احتمالوں کو بیان کیا بعد ازاں صورت اول کی نشاندہی کر کے ترجیحاً اسے پسند فرمایا۔ مگر دوسرے احتمال کی طرف بھی قدرے ذہن لگایا اور اس کے متعلق تمام علمی کوائف مہیا کیے۔ خصوصاً وہ اشعار جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں ان کو بطور دلیل پیش کیا اور عندیہ دیا کہ ان کی موت نعوذ باللہ اسلام پر نہیں ہوئی اس دوسرے احتمال پر تو مکفرین ابی طالب نے بغلیں بجائیں کہ یہ دیکھو خود ابوطالب نے اپنے اشعار میں اسلام لانے سے واضح انکار کیا ہے۔ ان اشعار کو انھوں نے اپنے حق میں نعمت غیر مترقبہ جانا اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہنے میں مزید مضبوط ہو گئے۔ مگر انھیں کیا پتہ کہ یہ عارضی خوشی بلکہ خوش فہمی انھیں کے گلے پڑ جائے گی۔ تفسیری اثاثے میں یہ اشعار ایک واقعہ کے ساتھ منسلک کیے گئے ہیں۔ وہ واقعہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے نزعی حالت کا ہے کہ انھیں اسلام کی دعوت دی گئی مگر انھوں نے ان اشعار کی صورت میں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔" اشعار یہ ہیں۔

وَاللهِ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ　　حَتَّى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا
فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عليك غضاضة　　وابشر وَ قَرِّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا
وَدَعَوْتَنِي وَعَرَفْتُ أَنَّكَ نَاصِحِي　　وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ أَمِينَا
وَعَرَضْتَ دِينًا قَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّهُ　　مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينًا
لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حَذَارُ مَسَبَّةٍ　　لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بذاك مبينا

یعنی جناب ابوطالب علیہ السلام فرماتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تبلیغ اسلام کھلے عام کرنی ہے کسی کافر سے خوفزدہ نہیں ہونا۔ خدا کی قسم ہمارے جیتے جی یعنی جب تک ہم زندہ ہیں تب تک تو کائنات کا کوئی کافر آپ کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ آپ اپنی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں۔ جو آپ مجھے دعوت دے رہے ہیں دین کی مجھے یقین ہے کہ آپ سچے بھی ہیں مخلص بھی، امانتدار بھی ہیں۔ میرا یقین ہے کہ آپ کا پیش کردہ دین کائنات بھر کے دینوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر مجھے گالی گلوچ یا ملامت کی پرواہ نہ ہوتی تو یقیناً آپ مجھے اعلانیہ دین اسلام قبول کرنے والا پاتے۔ بہت فیاض پاتے۔

محترم قارئین! اس آخری شعر نے منکرین ابو طالب کے لیے بڑی روشنی کا کام دیا۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنے والے تمام اہل علم اس آخری شعر کے گرد گھومتے ہیں اس کا طواف کرتے ہیں۔ پھر شانے ہلاتے ہیں۔ رعونت سے کہتے ہیں کہ دیکھو ابو طالب خود اسلام کا انکار کر رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ کافری فوت ہوئے۔ اہل علم کا خیال ہے کہ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے کلام نہیں فرمایا اور اسی حالت میں آپ کی زندگی کی شام ہوگئی۔

قارئین محترم۔ درج بالا شعر میں محققین نے کہا الحاقی ہے جناب ابو طالب کا شعر ہی نہیں۔

1۔ اس آخری شعر سے پہلے اشعار یقین ابی طالب کی یقینی گواہی ہے اس پر پچاس سالہ کردار ایک متواتر یقینی شہادت ہے۔

2۔ یہ شعر اگر بالفرض ابو طالب ہی کا ہو تو پھر بھی کفر کی کوئی ایسی واضح اور یقینی دلیل موجود ہی نہیں اس میں صرف اعلانیہ ایمان کی بابت مضمون ہے کہ میں اعلانیہ ایمان لے آتا۔ غیر اعلانیہ ایمان ویقین تو آپ کو یقیناً پہلے سے ہے۔ اس کی حضرت عباس نے عینی گواہی دی ہے۔ جس کی تفصیلات گزر چکی ہے۔ اسلوب کلام یہ کہتا ہے کہ اسلام تو یقیناً تھا بس اعلانیہ اظہار بزرگِ مصلحت جانی۔ نبوی حفاظت اپنے ایمان سے بھی افضل جانی۔

3۔ اس شعر کا پہلا حصہ بداہت عقل کے خلاف ہے وہ اس طرح کہ ملامت کا خوف اسے ہو جس نے کوئی برا کام کیا ہو گالی گلوچ وہ کرتا ہے جس کا کسی نے حق مارا ہو۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام ان ہر دو رذائل سے کلیۃً مبرا ہیں۔

4۔ دس سال تک کفار مکہ سے جناب ابو طالب ٹکراتے رہے نہ تو کسی مرد کی ملامت کا خیال آیا اور نہ ہی کسی عورت سے ملامت، گالی گلوچ کا خیال دامن گیر ہوا۔ حالانکہ یہ وقت ہی ایسا تھا کہ ساکنان مکہ کوئی ایسی یاوہ گوئی کرتے مگر ان کی پرواہ کیے بغیر حضرت ابو طالب علیہ السلام جانب منزل جادہ پیما رہے۔ اچانک انھیں وقت وصال یاد آیا کہ لوگ انھیں ملامت کریں گے؟ یہ کس قدر احمقانہ بات ایک شیر دل مجاہد پچاسی سالہ بڑھاپے اور ناتوانی سے گھبرایا نہیں اگر گھبرایا ہی ہے تو عورتوں کے طعنوں سے؟ اس نفس رحمت پر کفر کا جھوٹا الزام تو تھا ہی مگر ناہنجار لوگوں نے بزدلی کا الزام بھی لگا دیا۔

کچھ تو غیرت کرنی چاہیے۔ چلو یہ باتیں تو ضمناً ہو گئیں میری اصل گفتگو اہل علم کے دوہرے معیار سے متعلق ہے۔ جبری تحکم و تسلط کی بابت ہے۔ دیکھو یہ شعر تو اہل علم نے شیر مادر سمجھ کر قبول کر لیا کیونکہ یہ شعر ان کے بھی خیال سے ظاہری طور پر قدرے مناسبت رکھتا ہوگا اور اسے جھٹ مان لیا کہ یہ ابو طالب ہی کا شعر ہے۔ نہ اس کی سند پر گفتگو کی نہ احتمالی مضمون پر۔ نہ بھیانک نتائج سامنے آئے نہ ان کو انقطاع یاد آیا؟ مگر وہ اشعار جن کا مضمون نصاً یقین توحید باری تعالیٰ اور یقین بالرسالت کی کھلی گواہی ہے جس کی عملی تصدیق ان کا 85 سالہ کردار ہے۔ قرآن کریم کی عظمت کا یقین آخرت کا یقین جنت کا یقین وغیرہ۔ عقائد اسلامیہ کے اساسی عناصر کا کامل یقین پھر اس یقین کی عظمت پر مسلسل پہرہ یہ سب کچھ اہل علم کو نظر نہیں آتا کیوں کہ یہ ان کے

بھی ذوق کے سراسر خلاف ہے۔ یہ سینکڑوں اشعار جو توحید باری تعالیٰ کی شہادت پر بولے وہ اشعار جن میں یقین رسالت کی گواہی موجود ہے۔ قرآن کریم کی عظمت ویقین کی گواہی موجود ہے۔ دیگر یقینی قطعی عقائد اسلامیہ کی گواہی پر مشتمل ہیں ان کو اہل علم نے ملحوظ خاطر کیوں نہیں رکھا کیونکہ وہ اشعار ان کے اختراعی نظریے کے یکسر خلاف ہیں اس لیے انہیں قبول نہیں کرتے۔ کیا یہ دوہرا معیار نہیں؟ جو شعر اہل علم کی وضعی مرضی کو پورا کرے وہ یقیناً شعر ہے اور ابوطالب ہی کا شعر ہے اور جو شعر ان کی مرضی کو پورا نہ کرے بلکہ اس کے خلاف ہو تو وہ شعر ہی نہیں بلکہ ابوطالب کا بھی شعر نہیں ان کی سند منقطع ہے۔ قابل قبول ہی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ مجھے حیرت ہوئی اہل علم کے دوہرے رویے پر کہ دیوان حماسہ، دیوان متنبی اور دیگر دور جاہلیت کے کسی دیوان کی کسی سند کا کبھی تقاضا نہ کیا بغیر سند کے ان دیوانوں کو شامل نصاب درس نظامی کرلیا ہے مگر جب افصح العرب کے فیض حسن رحمت سے مستفیض دیوان، دیوان ابی طالب کی باری آئی تو فوراً اہل علم کا ایک عظیم جتھہ میدان میں آجاتا ہے اور یہ شروع کر دیتا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔ یہ ان کا دیوان ہی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ دوغلہ پن اہل علم کا کیوں ہے؟

دیوان ابی طالب کی سند کی عظمت زبان رسالت سے بیان ہوئی جس کی علمی گواہی صحیح بخاری میں باب الاستسقاء میں پوری سند کے ساتھ منقول ہے حالانکہ خود بخاری شریف کے پاس سند کے اعتبار سے اس قسم کی سند کی عظمت موجود نہیں کہ صحیح بخاری کی بابت کبھی رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہو کہ مجھے صحیح بخاری کا فلاں اقتباس سنایا جائے جیسا دیوان ابی طالب کی بابت فرمایا تھا کہ مجھے وہ اشعار سنائے جائیں جو جناب ابوطالب نے مکہ میں استسقاء (طلب بارش) پر بیان فرمائے تھے۔ اہل علم پر مجھے حیرت اور افسوس ہے اور ان کے دوہرے معیار پر از حد افسوس ہے ان کے جبری تحکم پر صد ہزار افسوس ہے جس دیوان کو رسالت پناہ عالم ﷺ قبول فرمائیں خود سنیں سند قبولیت بخشیں اہل علم اس کو منقطع کہیں اور فرمائیں کہ اس کی سند نہیں حالانکہ کہ سند کے ساتھ یہ اشعار صحیح بخاری میں وارد ہوئے۔

بارگاہ نبوت میں جناب ابوطالب کے مقبول ترین اشعار یہ ہیں

"وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ   ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ"

حسن لطافت کی رعنائیوں کی تاب بادل بھی نہ لا سکا۔ رخ والضحیٰ تکتے ہی سینہ کھول دیا درخشندہ چہرے والے کے رخ زیبا کا واسطہ دے کر بارش کی دعا کی جاتی ہے یہ اپنی وسعت رحمت میں اس قدر عظیم ہے کہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کا وارث ہے۔

ہم نے تو ابوطالب کے اشعار کی سند احادیث لکھ دی ہے۔ جب سند موجود ہے تو اہل علم کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اشعار کی سند کا انقطاع سے بیان کریں یا انہیں بے سند کہیں؟ گھر بیٹھ کر فتویٰ لکھنا اور ہے تحقیق کی سنگلاخ

وادیوں میں کوہ پیمائی کرنا اور ہے۔ سر راہ جاتے ہوئے بڑبڑا دینا کہ اشعار ابی طالب کی سند منقطع ہے یہ بغیر تحقیق کے کہنا علمی جرم ہے کائنات میں کتنے دیوان شعری ہیں جن کا ہر شعر مکمل سند کے ساتھ میسر ہے؟ اشعار کی اسناد کا قانونی ضابطہ کس نے ترتیب دیا ہے؟ کتنے لوگ ہیں جو اشعار کو اسناد کے ساتھ پڑھتے ہیں؟ بغیر سند کے شعر کا پڑھا جانا کس نوعیت کا جرم ہے؟

ان تمام امور کی تحقیقی یقینی وضاحت اور ریکارڈ مہیا کرنا اہل علم کی منصبی علمی ذمہ داری ہے۔ جس دن یہ اپنی علمی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گے ہم ان کو اشعار ابوطالب کی اسناد دے دیں گے۔ یہ ڈرامہ بازی، دوہرا معیار، جبری تسلط، علمی خیانت اور بد دیانتی کسی بھی طرح اچھی نہیں۔ خصوصاً اہلبیت نبوت کی بابت تو اور بھی اچھی نہیں اور نہ ہی کسی صاحب علم کے علمی وقار کے لیے اچھی ہے۔ اہل علم کی ایک اور بے اعتدالی ملاحظہ ہو۔

ایک اور دوہرا معیار

جب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت ان کے سامنے آتی ہے تو اسے فوراً شرف قبولیت بخشتے ہیں حالانکہ یہ روایت، روایت کہلانے کی بھی حق دار نہیں۔ یہ کسی بھی معقول منقول، مقبول ذریعہ علم سے نہیں آئی ہے۔ ایک خانہ ساز روایت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ علم دین کے حصول کے عموماً چار ذرائع علم ہیں۔

۱۔ وحی الٰہی۔ ۲۔ صاحب وحی ﷺ کا ارشاد مبارک

۳۔ راوی کا ذاتی عینی مشاہدہ۔ ۴۔ شہادت علی الشہادت اور تفویض شہادت

یعنی کسی عینی شاہد کا مشاہدہ کسی غیر شاہد کے سپرد کر دینا۔

ان ذریعہ علم کے علاوہ اور کوئی ذریعہ علم دینی اعتبار سے قابل قبول نہیں۔ موجودہ ذرائع ابلاغ مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ اس وقت تھے ہی نہیں۔ نہ سٹیلائٹ سسٹم تھا نہ ٹیلی فونک نظام۔ گویا مذکورہ ذرائع علم میں سے کوئی بھی ذریعہ علم حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس نہ تھا۔ جس پر دینی اعتبار کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ آغازِ اسلام سے مسلسل 21 سال تک کافر رہے۔ 21 سال بعد جب فتح مکہ ہوا تو اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کا وقوعہ ان کے اسلام لانے سے گیارہ سال پہلے کا ہے حیرت ہے اس واقعہ کو ان کے علاوہ اس تشکیل کے ساتھ اور کوئی نہیں جانتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ قرآن سننے سمجھنے کی صلاحیت گیارہ سال بعد ہوئی اور نزول بھی واقعہ کے بارہ تیرہ سال بعد ہوا مگر یہ صاحب نزول سے بھی سالوں پہلے قرآن بیان کر رہے ہیں۔ روایت گری کا یہ کیسا فراڈ ہے۔ صاحب وحی ﷺ نے تو یہ واقعہ بیان نہ کیا۔ لیکن یہ تو صاحب وحی کو پیچھے چھوڑ گئے۔ یہ نہ عینی شاہد ہیں نہ ہی کسی نے ان کو عینی شہادت تفویض کی۔

اور اہل علم اسے صدیوں سے نقل بھی کر رہے ہیں اور مصنوعی روایت کی سچائی پر یقین بھی کر رہے ہیں چونکہ حرم نبوت کے خلاف ہے اسی لیے اس کی چھان بین کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ اس راوی نے وقوعہ کے بعد پندرہ سال تک ذکر کیا نہ اپنے سگے بھائی سے ذکر کیا۔ بتیس سال بعد صرف اپنے بیٹے سے ذکر کیا۔ اس کے بیٹے نے اسے نعمت جان کر بغیر تحقیق کے آگے پھیلانے میں اپنا شوق پورا کیا۔ محدثین نے اسے صحیح حدیث کا ٹائٹل دیا۔ اُمت کو حرم نبوت پر حملہ آور ہونے کا علمی مواد فراہم کیا۔ اہل علم نے اسے مربوط انداز میں مذہب بنا ڈالا۔ واہ رے واہ اہل علم تیری دوغلہ پالیسی اور اگر ان علماء کے سامنے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی روایت پیش کی جائے تو بھڑک اٹھتے ہیں۔ مضمون کی عظمت کا جواب نہ بن پڑے تو سند پر برسنا شروع کر دیتے ہیں کہ سند منقطع ہے۔ ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔ جناب ذرا دھیرے دھیرے چلیے اتنی بھی جلدی کیا؟

ذرا غور فرمایئے ٹھنڈے دل سے۔ جس روایت کی سند تمہارے ہاں منقطع ہے وہ انقطاع اتنا خطرناک نہیں جتنا تمہاری قبول کردہ روایت کا انقطاع خطرناک ہے۔ حضرت عباس کی روایت میں تو صرف راوی کا نام نہیں ذکر کیا جا سکا جس سے اس کے اوصاف کی شناخت ہو سکے مگر روایت ہذا میں راوی موجود ضرور ہے یہ انقطاع دور کیا جا چکا ہے س کی تحقیق ہو چکی ہے مگر آپ کی پسندیدہ روایت کا تو پورا راوی ہی غائب ہے۔ چونکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ تو جائے وقوعہ پر تھے ہی نہیں اور پھر 21 سال سے مسلسل کافر تھے۔ انہیں کیا معلوم قرآن کیا ہوتا ہے وحی کیا ہوتی ہے نبوت کیا ہوتی ہے؟ آیات کی عظمت کیا ہوتی ہے ان کو تو 21 سال بعد ہوش آیا اسلام قبول کیا۔ ۹ ہجری کو وحی آئی مگر وقوعے کو تو بارہ تیرہ سال گزر چکے تھے۔ جس کا حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو علم تک نہ تھا۔ چونکہ کسی بھی یقینی ذریعہ علم تک حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی رسائی نہ ہو سکی نہ ہی کہیں اس کا یقینی ثبوت ہے۔ نزول آیت کے وقت بھی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی نزول آیت کے مقام پر موجودگی کی کوئی علمی شہادت نہیں ملتی۔ تو پھر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو کہاں سے یہ الہام ہوا؟ کس ذریعہ علم سے انہیں معلوم ہوا کہ یہ کچھ ہوا ہے اور اس بابت یہ آیت آئی ہے۔ خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روایت کی زندگی بھر یہ صورت بیان نہیں فرمائی نہ کسی صحابی نے حتیٰ کہ خود مولائے کائنات بھی موجود تھے۔ حضرت عباس بھی موجود تھے۔ رسول اللہ کی صاحبزادیاں بھی تشریف فرما تھیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شریکۂ حیات حضرت فاطمہ بنت اسد تو ہمہ وقت موجود تھیں مگر کسی کو بھی یہ حالات نظر نہ آئے۔ حالانکہ یہ تمام نفوس قدسیہ وفات ابوطالب کے تمام لمحات کے عینی شاہد تھے۔ تو پھر اکیلے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کیسے بیان کر ڈالی؟ حالانکہ وہ وہاں موجود ہی نہ تھے ان کے پاس کوئی بھی ذریعہ علم نہ تھا افسوس تو اہل علم پر ہے کہ انہیں بھی یاد نہیں رہا کہ راوی اس وقت کافر بھی ہے غیر حاضر بھی۔ غیر صائع

مقدمہ

بھی۔ ان کے پاس نہ اپنا یقینی علم ہے نہ ہی کسی ذریعہ علم سے علم ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود اندھے پن کا اظہار کر ڈالا۔ اس روایت پر مکمل اعتماد کیا گیا۔ آگے فروغ دیا گیا مزید مرچ مصالحہ اپنی طرف سے ملا دیا ہر رطب و یابس کو ابو طالب کے خلاف جمع کیا اور پھر کتابیں لکھ کر طوفان برپا کر دیا۔ کیا یہ انصاف کا کھلا قتل نہیں؟

جب حضرت عباس کی روایت کی یاد دہانی کرائی جائے تو یہ طبقہ جھٹ بولتا ہے جی وہ تو کافر تھے۔ جناب پھر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اس وقت کونسے مسلمان تھے؟ بلکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا کفر حضرت عباس کے کفر سے طویل مدت کا زیادہ ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت عباس تحمل روایت یعنی روایت حاصل کرتے وقت یقیناً مسلمان تھے تبھی تو انھوں نے اپنی روایت میں یا رسول اللہ کا لفظ استعمال فرمایا حالانکہ کوئی کافر زمانہ کفر میں ایسا لفظ نہیں کہتا۔ حضرت عباس ادائے روایت کے وقت بھی کامل مسلمان تھے اور اسلام کے سرخیل سپاہی تھے۔ رہا ان کا بدر کے قیدیوں کے ساتھ قید ہونا۔ بدر کے بعد مسلمان ہونا یہ اتنا مسلم نہیں جتنا مسلم پہلے مسلمان ہونا ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کے خفیہ مخبر رہے۔ ہجرت نبوی سے پہلے ہی ان کو یہ ذمہ داری سونپی گئی پھر بدر کی لڑائی میں ان کی بابت تمام صحابہ کرام کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ان سے تعرض نہ کرنا ان کو کچھ نہ کہنا یہ کفار کے ساتھ مجبوراً آئے ہیں۔ کفار ان کو زبردستی لے آئے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً یہ کاٹ دیے جاتے۔ بہرحال یہ بات یقینی طور پر طے ہے کہ حضرت عباس کا اسلام حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے سالوں پہلے کا ہے۔ تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔ اہل علم کہاں ہے تمہارا انصاف جو راوی وقوعہ کا عینی شاہد بھی ہو مسلمان بھی ہو اس وقت اسے کس منہ سے کافر کہہ کر اس کی روایت کو مسترد کر دیتے ہو؟ جو راوی وقوعہ کا عینی شاہد بھی نہ ہو اس وقت کافر بھی ہو اسے بہر صورت قبول کر لینے پر دوہرا معیار نہیں تو اور کیا ہے؟ من مانی کرتے ہو وہ بھی دین میں؟ اور حرم نبوت کے تقدس کو پامال کرنے میں؟ کچھ خدا کا خوف کرو۔

نوٹ: بعض اہل علم بغلیں بجاتے ہوئے کہتے ہیں کہ سورہ توبہ کی آیت 113 جو حدیث حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی شارح ہے دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں۔ دیکھو اتقان میں لکھا ہے جناب عالی! اس میں بھی بغلیں بجانے والوں کا ہی گھاٹا ہے اس صورت میں تو نبوت کے مرتبے کے ساتھ مذاق ہے اگر مان لیا جائے۔ تو اس حوالے سے صورت حال یہ بنے گی کہ تیرہ سال قبل نازل ہونے والی وحی پر نبی ﷺ نے اعتماد ہی نہیں کیا اس وحی کو قبول ہی نہیں کیا تبھی تو مسلسل بارہ تیرہ سال تک مغفرت کی دعا کرتے رہے جیسا کہ منکرین ابی طالب کا گمان ہے۔ اس لیے ازسر نو بارہ سال بعد اللہ تعالیٰ کو وحی نازل فرمانے کا پھر سے خیال آیا اور اسے نازل فرمائی جیسا کہ اس کی شان کے مطابق ہے۔ اس صورت میں ضرور یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی ﷺ نے بارہ سال پہلے نازل ہونے والی وحی کو اپنے نبوی ذوق کے نذر کیے رکھا اپنی نبوی

طاقت سے وحی کو معطل کیے رکھا اور مسلسل بارہ سال تک نبی منصب نبوت پر بھی قائم رہا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتے نافرمانی بھی کرتا رہا۔ اس مسلسل نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے کوئی مواخذہ بھی نہیں کیا۔ پھر دھیرے سے کہہ دیا کہ دعا نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نکلا کہ نبی کی جب مرضی ہو وحی کو توڑ ڈالے؟ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ من ذالک۔

رہا امام سیوطی علیہ الرحمہ کا یہ قول کرنا ہزاروں احترام کے لائق ہیں امام سیوطی علیہ الرحمہ۔ مگر ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ مد مقابل تمام مفسرین کا اتفاق ہے جس میں بہت سارے صحابہ تابعین اتباع تابعین علیہم الرضوان ہیں۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے قاعدہ وضع کیا ہے۔ اسباب نزول مختلف ہوں تو تکرار نزول مانا جائے گا نہ کہ سبب ایک ہو اس پر ایک ہی آیت نازل ہو اور بار بار نازل ہو۔ آپ بھی اتقان ہی کا مطالعہ فرمائیں۔ اسباب نزول کے پانچویں مسئلے میں چھٹی حالت میں۔ (اتقان فی علوم القرآن) اس باب میں سیوطی علیہ الرحمہ نے یہ قول بعض علماء کا نقل کیا ہے۔ اب ان کی علمی ذمہ داری ہے کہ ان بعض علماء کی واضح نشاندہی کریں اور ان سے پوچھ کر بتائیں کہ انھوں نے یہ قول کس دلیل سے کیا ہے کہ یہ آیت مکی ہے جبکہ پوری امت کے علماء متفقہ بیان دے چکے ہیں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا مضمون اس پر شاہد و عادل ہے۔ (فریدی)

اہل علم کا ایک اور دوہرا معیار

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت جسے صحیح مسلم و بخاری نے بڑے اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی دو آیات کا بھی ناجائز استعمال کیا گیا ہے اس میں پہلی آیت سورہ توبہ کی مشہور آیت 113 ہے جس میں مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی کھلی ہوئی ممانعت کا ذکر ہے اور اس کا پہلا نشانہ اور ہدف حضرت ابو طالب علیہ السلام کو بنایا گیا ہے۔ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

قارئین محترم! جب ہم اہل علم سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت اور اس آیت کی روشنی میں سید بطحاء پر شرک کا الزام لگایا ہے تو ہمارا آپ سے مطالبہ ہے کہ آپ کسی بھی یقینی دلیل سے ان کے وجود اقدس سے پچاسی سالہ ریکارڈ عظیم زندگی میں ایک لمحہ کے لیے بھی شرک کرنا ثابت کر دیں جو آپ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ پھر جب ہم مطالبہ کرتے ہیں تم ان میں شرک ثابت کرنے میں ناکام رہے تو ان کو مشرکین کے زمرے میں کیوں شمار کرتے ہو؟

کیونکہ زیر بحث آیت مشرکین مکہ کی بابت نازل ہوئی کہ وہ شرک پر مرے ان کے لیے دعائے مغفرت مانگنا نبی کے لیے ممنوع ہے۔ یا تو ابو طالب کے لیے شرک ثابت کرو یا ان کو اس آیت کے زمرے میں بیان کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ محل شرک ہی نہیں۔ پھر ان پر الزام شرک کیسا؟ اگر الزام غلط ہے تو ان کو آیت کے ضمن میں بیان کیوں کیا جاتا ہے؟ جب ہر دو اعتبار سے تم بے بس

ہونے ہوتو بھاگتے ہوئے اپنے بچاؤ کی ایک کمزوری صورت سامنے رکھتے ہواور کہتے ہو کہ جی ہم اُن کو مشرک نہیں کہتے بلکہ کلمہ طیبہ پڑھنے سے انکار کرنے پر ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ بھئی یہ کیسا دوہرا معیارِ علم ہے مشرک تو نہیں مانتے مگر کافر ضرور مانتے ہواور جب ایسا ہے تو پھر شرک کے مضمون والی روایات اور آیات کو اپنی موافقت کی دلیل کیوں بناتے ہو؟ دلیل بھی وہ بناؤ جس کا نصا مضمون کفرہی پر مشتمل ہو۔ مگر ایسا تم کبھی نہیں کر سکتے جو روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت میں وہ تو صراحتاً جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئی اب کوئی نئی روایت بھی تراش لو آیت بھی گھڑ لو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید میں ایسی بے ہودگی کی کوئی گنجائش جو اہل علم کے بیہی جذبات کی تسکین کرے۔

اب بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ سید بطحاء کی عظمتوں رفعتوں اور شرافتوں پر بلا سوچے ایمان لے آؤ ورنہ ہم تمہیں بھاگنے نہیں دیں گے۔ تم سے قطعی ثبوتوں کا تقاضا کرتے رہیں گے۔

اور وہ تمہیں میسر ہی نہیں۔ رہی حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت تو یہ محض مصنوعی ڈراما ہے اور بس۔ کیونکہ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کے ہاں مبداء روایت ہی کوئی نہیں۔

تفصیل:۔ اگر یہ مانا جائے کہ یہ روایت ان کو ان کی مکی زندگی میں ملی تو یہ اصلاً جھوٹ ہے کیونکہ یہ وفاتِ ابی طالب علیہ السلام کے عینی شاہدوں میں سے نہیں ہیں بلکہ 21 سال تک مسلسل کافر رہے۔ طلوعِ اسلام کے بعد جبکہ عینی شاہدوں میں کاشانہ نبوت کے تمام نفوسِ قدسیہ جو عینی شاہد بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ ان میں خود صاحب وحی ﷺ شاملِ عظمت ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ علم نہ ہو سکا کہ یہ آیتیں حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں اور ایک بدو کافر کے بیٹے کو مکہ میں علم ہو گیا کہ یہ آیتیں ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی ہیں؟ یہی فراڈ ڈراما ہے۔ کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ حرمِ نبوت کا کوئی غیور فرد یا خود صاحب وحی ﷺ یا کوئی دوسرا مسلمان ایک کافر دشمنِ خدا و دشمنِ رسول، دشمنِ قرآن، دشمنِ اہلِ اسلام کو اس کے گھر جا کر یا راہ چلتے ہوئے حرمِ نبوت کی کسی کمزوری سے آگاہ کرے۔ یہ بداہت عقل اور زمینی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ اس وقت کے حالات کی سنگینی بھی یہ بات ماننے کو تیار نہیں۔ ہم اس جھوٹ کو کیسے مان جائیں اور اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ آیت کا نزول مدینہ میں ہوا لہٰذا مبداء روایت مدنی قرار پایا اور چونکہ حضرت مسیب اس وقت ہجرت کر کے مدینہ میں تھے تو یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جس سورہ میں یہ آیت نازل ہوئی وہ یکبارگی نازل ہوئی اور اسے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا گیا اکیلے حضرت مسیب کو نہیں سنایا گیا۔

حیرت ہے ہزاروں صحابہ میں یہ راز صرف حضرت مسیب پر ہی کھلا اور کسی پر نہ کھل سکا۔ حالانکہ اس مجمع میں علمی اعتبار سے ممتاز جید صحابہ کرام موجود تھے۔ یہ موصوف اس آیت کا تعلق دس سال پرانے قصے کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ اس قصے کا

ان کے پاس کوئی یقینی بلکہ ظنی علم بھی نہیں۔ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فاطمہ بنت اسد، بنات رسول ﷺ، امیر حمزہ، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین بلکہ خود صاحب وحی ﷺ سے جو وقوعہ کے عینی شاہد ہیں ان کو تو اس آیت کی بابت علم نہ ہو سکا اور نہ ہی انھوں نے کبھی بیان کیا۔ مگر حضرت مسیب یہ سب کچھ جان گئے؟ یہی ڈرامائی فراڈ ہے۔

نوٹ:۔ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معاملہ ہے۔ نزول آیت کے عینی شاہدوں کو حتیٰ کہ خود صاحب وحی ﷺ کو تو مذکورہ آیت انعام کا علم نہ ہو سکا نہ انھوں نے کبھی اس اعتبار سے بیان کیا مگر نزول آیت کے 18 سال بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کی مذمت میں نازل ہوئی؟ اور مذمت قرآنی کا مصداق مانا ہے کہ ابوطالب دین نبوی سے نفرت کرتے تھے۔

میرا ان سے سوال ہے کہ حضورِ والا آپ نے سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کے نفرت آمیز رویوں کا مطالعہ کب فرمایا ہے؟ حالانکہ آپ تو ان کی زندگی میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ ان کی زندگی کی عظمتیں آپ اپنے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیتے یا اپنے استاذ باب علم نبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی پوچھ لیتے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے ان کی زندگی کا مشاہدہ کیا ہے یا آپ خود صاحب وحی ﷺ سے ہی ان کی وفاؤں، محبتوں کا ریکارڈ معلوم کر لیتے۔ یا اپنی امی جان حضرت اُم فضل، چچی فاطمہ بنت اسد سے ہی پوچھ لیتے تاکہ اَن دیکھی حقیقت کے بیان کرنے کی تکلیف گوارا نہ کرتے۔ بہر حال حضرت ابوطالب کے نفرت آمیز رویوں کی مکمل تفصیل پوری یقینی تصدیق کے ساتھ آپ کے ذمے ہے۔ جب آپ یہ یقینی تصدیق فراہم فرما دیں گے ہم آپ کے قول کو بلا چوں وچرا قبول کریں گے۔

حضور والا! ہمیں آپ کے آباؤ اجداد کی طرف سے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابوطالب ظلمتوں کے نور تھے وفاؤں کی کائنات تھے۔ تقوے کا اُسوہ تھے۔ نصرتِ دین نبوی کا نقش اول تھے اُسوۂ کامل تھے حمیت اسلام کے تاجور تھے۔ محبت نبوی میں یکتا تھے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان شہادتوں کو ہم آپ کے ضعیف قول کے معارض لاتے ہیں۔ آپ یا آپ کے اس ضعیف قول کا کوئی پجاری ہمیں اگر بتائے کہ آپ حق پر ہیں یا آپ کے چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم؟ آپ کے قول کی سچائی تو خود قرآن نہیں مانتا ہم کیسے مانیں۔ جبکہ حضرت علی نے خود فرمایا ایسے جذبوں کی قرآن عظیم ترغیب بھی دیتا ہے اور پذیرائی بھی فرماتا ہے۔ (دیوان علی) (فریدی)

نوٹ:۔ شعب ابی طالب میں جناب ابن عباس دس سن نبوی سے پہلے پیدا ہوئے۔ نزول آیت کو تقریباً چھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ 13 سن نبوی میں ہجرت مدینہ عمل میں آئی۔ 8 ہجری کو مکہ فتح ہوا۔ فتح مکہ کے 20 دن بعد مدینہ میں نبوی واپسی ہوئی۔ نزول آیت سے فتح مکہ تک 18 سال کا دورانیہ بنتا ہے اس دورانی عرصہ میں ابن عباس اور صاحب وحی ﷺ کی ملاقات

ہی نہیں ہوئی اور نہ ہی اس دوران راوی کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہے۔ بولیے جناب ابن عباس نے سورہ انعام کی آیت نمبر 26 کا شان نزول کے اعتبار سے ابوطالب کی بابت قول کس علم کی روشنی میں کر دیا؟ اور حیرت ہے کہ اس آیت کی بابت ابن عباس کے علاوہ کائنات کے کسی شخص کو علم نہ ہو سکا حتی کہ نہ اکابر صحابہ کو نہ اہلبیت نبوت کو اور نہ ہی صاحب وحی ﷺ کو نزول وحی سے اٹھارہ سال تک پورا عالم اسلام بمع بانی اسلام اس شان نزول سے بے خبر رہے ورنہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کے پاس دیگر آیات کی طرح اس آیت کے شان نزول کی وضاحت ضرور ہو جاتی۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ راز اٹھارہ سال بعد آ کر نبی علیہ السلام پر کھولا اس سے پہلے یہ راز سربستہ راز تھا۔ استغفر اللہ۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن عباس نے یہ قول خود سے نہیں کیا صاحب وحی ﷺ سے سن کو کیا ہے۔ تو جواب کی پہلی صورت یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا گمان کیا گیا ہے تو پھر 18 سال تک صاحب وحی نے دیگر صحابہ و اہلبیت نبوت کو جو نزول آیت کے عینی شاہد تھے ان کو اس شانِ نزول سے آگاہ کیوں نہیں فرمایا؟ وحی کو نزول کے اعتبار سے 18 سال تک کیوں چھپائے رکھا؟ مجھے حیرت ہے اہل علم پر کہ ایک ضعیف قول کو مقصد برآوری کے لیے ناجائز استعمال کرتے ہوئے یہ سب کچھ برداشت کر رہے ہیں کہ نبی نے علم چھپایا۔ اہلبیت نبوت اور اکابر صحابہ کو بے بہرہ جانا اس آیت کے حوالے سے۔۔۔۔

فصل ثانی:

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 سے
کُفرِ ابی طالب کا ناجائز استدلال کے ردّ میں

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کے ناجائز استعمال کا علمی محاسبہ

قارئین محترم! آپ نے سابق اوراق میں پڑھا کہ سورۂ انعام کی آیت نمبر 26 کا تعلق کسی بھی طرح سید بطحاء کے ساتھ نہیں ہے بین ایسے ہی سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کے ساتھ بھی کسی طرح کا جناب ابوطالب علیہ السلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس آیت کا تعلق ان کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے وہ صرف جبری تحکم بلا دلیل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے آپ سورہ توبہ کے عنوانات کا علمی جائزہ لیں بعد ازاں حضرت ابوطالب علیہ السلام کی دینی، مذہبی، اخلاقی، اعتقادی، نظریاتی، اقدار کا جائزہ لیں پھر غور فرمائیں کسی بھی طرح آیاتِ قرآنی اور کردار حضرت ابوطالب علیہ السلام میں کہیں بھی آپ کو رتی برابر بھی کہیں کوئی مناسبت نہیں ملے گی۔ سورہ توبہ ذی قعدہ نو ہجری کو یک بارگی غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد نازل ہوئی اور اس میں سارا عنوان مشرکین مکہ کے ساتھ بائیکاٹ کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اور مشرکین مکہ کے مذموم رویوں کی مذمت کا بیان ہے۔ کچھ آیتیں منافقین مدینہ کی مذمت میں نازل ہوئیں۔ جناب ابوطالب نہ تو مشرک تھے اور نہ ہی منافق تو پھر آیت نمبر 113 کا محل کیسے قرار پائے؟

دراصل یہ سارا کھیل بنوامیہ اور یہود بے بہبود کی ملی بھگت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تاہم ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اہل علم کا علمی محاسبہ کریں اور احقاق حق کی پوری علمی دیانت داری کے ساتھ کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ اپنے حسن الوہیت کی برکت سے رحمت عالم ﷺ کے وسیلہ رحمت سے احقاق حق کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

علمی تمہید

سب سے پہلے اس بابت ہم ایک علمی تمہید عرض کرنا چاہتے ہیں۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر 113

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝"

ترجمہ: نبی کے لیے اور ایمان والوں کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کی مغفرت کی دعا کریں۔ اگر چہ وہ اُن کے انتہائی قریبی کیوں نہ ہوں۔ خاص کر جب ظاہر ہو جائے کہ وہ جہنمی ہیں (ان کا انجام زندگی شرک پر یقینی ہو)

مذکورہ آیت کریمہ اپنے سیاق و سباق اور ربط کلام الٰہی کے اعتبار سے خالصتاً اُن لوگوں کے لیے نازل ہوئی جن کی موت شرک

پر ہوئی یا کھلے عام وہ شرک کرتے۔ تمام مفسرین کرام نے یہی لکھا ہے کہ یہ آیت چونکہ مشرکین مکہ کی مذمت میں نازل ہوئی اور ان کے ساتھ شدید سختی کی گئی ہے کیونکہ ان کے معاندانہ رویے اسی لائق تھے کہ ان کے ساتھ سختی برتی جائے۔

مشرکین مکہ کے رویوں اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کے رویے میں نہ کبھی مناسبت تھی نہ ہے اور نہ ہی کوئی ثابت کرسکتا ہے۔ تو پھر اس آیت کریمہ کا مصداق حضرت ابوطالب علیہ السلام کو قرار دینا صرف جبری تحکم ہے تاہم اس کا ہم علمی جائزہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم جائزہ پیش کریں گے کہ یہ الزام کس قدر بڑا ہے اور اس کا ثبوت کس نوعیت کا ہونا چاہیے۔

(۱) کفر اور شرک سے بڑھ کر کائنات میں کوئی بدترین الزام نہیں ہر الزام کے ثبوت کے لیے قطعی یقینی شواہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یقینی شواہد کے بغیر نہ الزام ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا وجود شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ شریعت مطہرہ نے الزام ثابت نہ کرنے والے کو سزا کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

(۲) ثبوتِ الزام کے لیے یقینی اور عینی چشم دید شواہد کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگائے گئے کفر اور شرک کے الزامات کی کوئی حقیقت نہیں یہ سراسر جھوٹے، خانہ ساز اور خود ساختہ الزام ہیں۔ کیونکہ اس کو ثابت کرنے کے لیے نہ تو کسی کے پاس عینی مشاہدہ ہے اور نہ ہی یقینی علم ہے۔ تمام راویان حدیث جو اس ضمن میں بولتے ہیں ان کی روایات یا اقوال کی نہ تو کوئی شرعی حیثیت ہے نہ علمی نہ ہی اخلاقی حیثیت ہے۔ یہ تمام روایات اور اقوال ذاتی اندازوں کی ساخت ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان بزرگوں نے خود تشکیل دیے ہوں گے بلکہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ الزامات ان بزرگوں کی طرف منسوب کرکے علمی جرم کیا گیا ہے۔ اور حرم نبوت کے ساتھ کھلی ہوئی جارحیت اور غنڈہ گردی ہے۔ تاہم اہل علم کے حوالے سے یہ منسوب ہیں تو آیئے ہم ان کا علمی جائزہ لیتے ہیں۔

ثبوت الزام کے کل ذرائع علم

ثبوت الزام کے کل ذرائع شرعاً چار ہیں۔

نوٹ:۔ ثبوت الزام کے لیے ذرائع علم کا قطعی اور یقینی ہونا ضروری ہے۔ اگر ثبوت قطعی، یقینی اور ٹھوس نہ ہوں تو الزام ثابت نہیں ہوتا بلکہ الزام لگانے والا ہ قابل مواخذہ ہوتا ہے۔

ذرائع علم

۱۔ وحی الٰہی: وحی الٰہی وہ ٹھوس اور یقینی ذریعہ علم ہے جس میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں ہے اس میں شک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

۲۔ صاحب وحی:۔ کی الزام کے بابت ثبوت میں کوئی وضاحت اور اس کا بھی حصول ہم تک قطعی الدالۃ اور قطعی الثبوت کی صورت میں ہو۔ یعنی اس کا ہم تک پہنچنا بھی پورے تواتر کے ساتھ ہو اور وضاحت بھی الزام میں بطور نص ہو۔

۳۔ الزام لگانے والے کا ذاتی عینی مشاہدہ اور مشاہدہ بھی الزام علیہ پر بالاستعاب ہو۔ یعنی الزام کی بابت مبادیات الزام سے لے کر الزام کے تمام خدوخال تک ہو ذرہ برابر بھی کوئی شک کی گنجائش نہ ہو۔

۴۔ شہادت علی الشہادت ہو۔ یعنی کسی عینی شاہد کا ذاتی بالاستعاب مشاہدہ ہو اور وہ شاہد خود دوسرے کو اپنا مشاہدہ تفویض کرے یعنی سونپ دے اور آگے روایت کرنے کی اجازت دے۔ یعنی حاکم وقت یا کسی کے سامنے بیان کرنے کا حق دے۔

نوٹ:۔ عینی شاہد کا جائے وقوعہ پر ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ مشاہدہ قابل قبول ہے نہ شہادت قابل قبول ہے۔ اور نہ روایت قابل قبول ہے۔ یہ ضابطہ شرعی بھی ہے، اور قانونی، علمی بھی ہے اور حقیقی بھی ہے۔ اصول روایت کا بھی یہی ضابطہ ہے اور اصول درایت کا بھی اسی کو قبول کرتا ہے۔ قانون شریعت بھی اسی کو قبول کرتا ہے۔

اصول تفسیر کی تمام کتب نے اسے بیان کیا ہے اور اصول حدیث کے ماہرین نے بھی بیان کیا ہے۔ قانون اور شریعت کے بھی یہی بنیادی تقاضے ہیں۔ اس بابت

اس ضابطہ سے کم درجے کی دلیل کوئی بھی ہو کسی بھی صورت کی ہو اور کسی بھی حوالے سے ہو تو قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔

خصوصاً الزام کی بابت اور وہ بھی کفر اور شرک جیسے گھناؤنے الزام کی بابت۔

خبر روایت کی ابتداءً دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ مبصرات:۔ یعنی وہ خبر جو مُبصر محسوس حالات پر مشتمل ہو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ایسے حقائق پر مشتمل خبر کے لیے عینی مشاہدہ ضروری ہے۔

۲۔ مسموعات:۔ خبر و روایت کی وہ صورت جس کو دیکھا اور محسوس نہ کیا جا سکے۔ اس کا علم صرف سماع پر مشتمل ہو خواہ از قبیل وحی الٰہی ہو یا از قبیل مخبر صادق علیہ السلام کی طرف سے ہو۔

بہرحال الزام کے ثبوت میں پیش کردہ دلیل کا قطعی اور یقینی ہونا ضروری ہے۔ ورنہ الزام ثابت نہ ہو گا۔

بنابریں۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام پر کفر شرک کے الزامات کی بابت نہ تو کسی کے پاس کوئی شرعی، دینی اور یقینی دلیل ہے اور نہ ہی عینی مشاہدہ ہے۔ نہ ہی کہیں نبوی تصدیق ہے نہ ہی وحی الٰہی کے اندر کوئی ایسی نص ہے جس کو بطور دلیل قطعی و یقینی مانا جائے۔ جتنی بھی روایات حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت وارد ہوئی یا لائی گئی ہیں یا خود ساختہ بنائی گئیں ان تمام روایات میں کسی بھی اعتبار سے کوئی قطعیت اور یقینیت نہیں ہے۔ آج تک کسی نے بھی کبھی کوئی قطعی یا یقینی دلیل کفر ابی طالب میں

کبھی پیش ہی نہیں کی اور نہ ہی قیامت تک کوئی کر سکتا ہے۔ اہل علم کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ حرم نبوت کے عظیم تاجدار کو نعوذ باللہ مشرک کہیں۔ اب یہ ڈرامائی فراڈ بند ہونا چاہیے ورنہ اہل محبت الزام لگانے والوں کی سانس بند کر دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اہل محبت اس بابت نفس زکیہ کا ذکر خیر اس عظمت سے کریں گے کہ مکفرین کے کلیجے دہل جائیں گے۔ ان کی تکفیری سانسیں نعوذ بخود رک جائیں گی۔

آیئے اب ہم غور کرتے ہیں سورۃ توبہ کی آیت نمبر 113 کے اندر

۱۔ اس کے کل کتنے اسباب نزول ہیں؟

۲۔ کونسا سبب مناسب حال ہے؟

۳۔ کس سبب کو کس سبب پر کونسی فوقیت حاصل ہے؟

۴۔ کونسا سبب مصداق آیت بن سکتا ہے؟

۵۔ کس سبب کو دھکے شاہی سے سبب نزول بنایا گیا؟

اب آیئے مرحلہ وار ان کا علمی جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی صورت میں اسباب نزول کے اعتبار سے فقیر کے جزوی استقراء کے مطابق کل اسباب نزول آیت بارہ (۱۲) ہیں یا بروایت دیگر چودہ (۱۴) ہیں۔ جس کی مکمل تفصیل آپ کو دیے گئے مکمل تفسیری اقتباسات میں ملے گی۔

دوسری صورت میں جو سبب دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی ہو گا وہی مناسب حال مانا جائے گا۔

تیسری صورت میں اسباب نزول کا علمی و دینی اعتبار سے جائزہ لیا جائے گا۔ جس سبب میں سبب وجوہات ترجیح زیادہ ہوں گی اور قوی تر ہوں گی اسے دوسری دلیل پر فوقیت دی جائے گی۔

چوتھی صورت: جو تمام تر ترجیحات پر فائق ہو گا اور قرآنی ربط کلام اور مضمون بندی کے اعتبار سے مؤید ہو گا اسے ہر طرح ترجیح حاصل ہو گی۔

پانچویں صورت میں اس سبب نزول کی نشاندہی کی جائے گی جس کو دھکے شاہی سے سبب نزول قرار دیا گیا ہے۔ اس پر علمی دلائل مہیا کیے جائیں گے اور ثابت کیا جائے گا کہ سبب نزول بنتا ہی نہیں۔ تاہم یہ طے ہے مذکورہ آیت کریمہ کا جو سبب نزول حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت ہے وہ کسی بھی طرح اس آیت کریمہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ یہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے جو سبب نزول کی نشان دہی کی گئی ہے وہ درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر غلط ہے۔ بنابریں مسترد ہے کیونکہ یہ سب جھوٹ ہے۔

ا۔ اس روایت کی سند متصل ہی نہیں جو صحت حدیث کی پہلی شرط ہے۔ جس حدیث کی پہلی شرط ہی مفقود ہے وہ کسی بھی طرح ثبوت الزام میں قابل قبول نہیں اور نہ ہی قابل اعتبار ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح کی حدیث کو خبر واحد کی طرح ظنی بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائے کہ اس پر قطعی اعتبار کیا جائے۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس مبداء روایت ہی کوئی نہیں بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ نہ ہی حصول روایت کا اُن کے پاس کوئی ذریعہ علم ہے۔

نوٹ: فقیر کے نزدیک حدیث حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ مرسل کا درجہ بھی نہیں رکھتی کیونکہ مرسِل اور مرسَل کے درمیان کوئی نہ کوئی راوی ضرور ہوتا ہے۔ مگر اس حدیث میں ارسال شدہ کوئی راوی ہے ہی نہیں۔ جن اہل علم نے اسے مرسل کہا بلا دلیل کہا تاہم جس حدیث کی سند متصل نہ ہو وہ اصلاً مردود ہے۔ جبکہ مردود روایات سے کفر اور شرک جیسے گھناؤنے الزامات ثابت نہیں ہو سکتے۔ قانون شریعت کے تقاضے بھی یہی ہیں اور ضابطہ روایت کے تقاضے بھی یہی ہیں۔ رہا صحابی کی مرسل کی حجیت کا معاملہ وہ بھی ثبوتِ الزام میں قطعاً قابل قبول نہیں اگر کسی کے پاس قطعی دلائل ہیں کہ مرسل صحابی کفر جیسا بدترین الزام ثابت کر سکتا ہے تو وہ سامنے آئے۔ کوئی یقینی دلیل دے کہ مرسل صحابی سے کفر ثابت ہو سکتا ہے۔ جس دلیل کی اپنی کوئی علمی یقینی اصل نہ ہو وہ کہیں بھی موثر نہیں ہو سکتی۔

نوٹ: حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس اس روایت کے حصول کا کوئی کہیں بھی ماخذ نہیں، نہ کوئی سرچشمہ ہے نہ مبدء علم ہے۔

دلیل: وفاتِ ابوطالب کا وقوعہ مُبصَر بھی ہے محسوس بھی ہے۔ یہاں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا عینی مشاہدہ ضروری تھا جو یہاں موجود نہیں۔ نہ ہی کسی عینی شاہد نے اسے اس وقوعہ کی خبر دی۔ جبکہ وقوعہ کے عینی شاہد نے جو عینی مشاہدہ بیان کیا ہے وہ یکسر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی مصنوعی روایت کے خلاف ہے۔ عینی شاہد یہ کہتا ہے کہ حضرت ابو طالب نے کلمہ پڑھا ہے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نہیں پڑھا حالانکہ یہ عینی شاہد بھی نہیں عینی شاہد کی بات یقیناً حقیقی ہے۔ جو یہاں بالکل نہیں پائی گئی۔

رہا یہ سوال کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ممکن ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو۔

یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اگر یہ سماع مکہ میں ہے تو یہ کائناتی جھوٹ ہے کیونکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ طلوع اسلام سے اکیس سال تک کافر رہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ انہونی کسی مسلمان کو نہ بتائیں ان پر اعتماد نہ کریں بلکہ اپنا نبوی اعتماد ایک کافر اور دشمن پر کریں۔ جبکہ کفار و مشرکین مکہ سے نفرت کا اُلوہی حکم چار سن نبوی کو نازل ہو چکا ہو؟ اگر یہ سماع مدینہ میں مانا جائے تو یہ اس سے بھی بڑا جھوٹ ہے کیونکہ حضرت

مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں قرآن کی دو آیات درج ہیں سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 اور سورہ قصص کی آیت نمبر 56 اور سورہ توبہ مکمل ۹ ہجری کو یکبارگی میں نازل ہوئی ہے۔ اور مجمع عام میں سنائی گئی ہے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی ایک بھی صحابی نے مذکورہ آیت 113 کا شانِ نزول جناب ابوطالب کی بابت نہیں بیان کیا اور نہ ہی صاحب وحی نے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے الگ سے کوئی سرگوشی کی ہے جس میں مذکورہ روایت کے اسرار تفویض کیے ہوں؟ بنابریں یہ روایت خود ساختہ ہے اور نرے جھوٹ کا پلندہ ہے۔ سورہ قصص کی آیت نمبر 56 مکہ میں نازل ہوئی موصوف دونوں جگہ بیک وقت کیسے پہنچے؟ درمیان میں عرصہ تیرہ سال کا ہے۔

۲۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس مسلم ذرائع علم میں سے کوئی ایک بھی ذریعہ علم موجود نہیں جس بنا پر ان کی روایت قابل قبول ہو۔ نہ تو وہ خود صاحب وحی تھے اور نہ ہی ان کو صاحب وحی نے کبھی زندگی بھر اس وقوعہ کی خبر دی نہ ہی وہ اس وقوعہ کے عینی شاہد تھے اور نہ ہی ان کو کسی عینی شاہد نے بتایا حتی کہ اس روایت میں ان کے بیان کردہ دو سلطانی گواہ ہیں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ انھوں نے بھی زندگی بھر نہ کسی کے ساتھ اس وقوعہ کا ذکر کیا اور نہ ہی خود صاحب روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو اس وقوعہ کی خبر دی۔ چونکہ یہ وقوعہ سرے سے ہی بے بنیاد اور جھوٹا ہے لہٰذا اس وقوعہ کو سبب نزول آیت ماننا سرے سے کلام الٰہی کی توہین ہے اور مزاج نبوت کے ساتھ مذاق ہے اور حرم نبوت کو آگ لگانے کے مترادف ہے جس طرح کوئی جھوٹ کثرتِ نقل سے سچ نہیں ہو جاتا اسی طرح یہ روایت چونکہ حرم نبوت پر بہتان پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کا کثرت نقل سے کتابوں میں در آنا اسے سچ نہیں بنا سکتا۔ جب خود راوی اسے سچ ثابت کرنے میں معذور ہیں کیونکہ ان کے پاس اس کو سچ ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ علم نہیں تو پھر دوسرے لوگوں کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ اپنی وضعی خیال آرائیوں سے اسے سچ ثابت کرتے پھریں۔ جو روایت بذات خود جڑ کٹی ہو اس پر یقین کا درخت کیسے اُگ سکتا ہے۔ لہٰذا تفسیری اثاثے میں جہاں کہیں بھی اس کو سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کا سبب نزول قرار دیا گیا ہے اور شان نزول مانا گیا ہے وہ کسی بھی اعتبار علم سے صحیح نہیں جن اہل علم نے اسے شان نزول قرار دیا ہے بلادلیل قرار دیا ہے۔ اور جو دعویٰ بلادلیل ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ (فریدی)

رہا حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا یہ ان کے مقام کے منافی قطعاً نہیں کہ اگر اس روایت کو نہ مانا گیا تو ان کی صحابیت متاثر ہوگی اگر یہ ضابطہ وضعی مان لیا جائے تو بہت سارے صحابہ کی صحابیت معطل ہو جائے گی کیونکہ بہت صحابہ کی طرف سے ایسا بہت کچھ منسوب ہے دوسری عبارت ایک مسلم وائرس ہے جو ذخیرہ علم میں خال خال موجود ہے بنابریں کسی صحابی کی صحابیت معطل نہیں کی جا سکتی۔ اس روایت کا اصل مبدا اور ماخذ ہی کوئی نہیں ہے بنابریں مسترد ہے۔ اگر کسی منچلے معاصر اہل علم

مقدمہ کے پاس اس بیہودہ روایت کے حصول کا کوئی قطعی، یقینی ذریعہ علم ہے تو سامنے لائے اس ذریعہ علم کو کسی ٹھوس یقینی دلیل سے ثابت کرے ہم اپنا قلم روک لیں گے۔

اثناثہ تفسیر میں سورہ توبہ کی آیت 113 کے اسباب نزول کی تفصیلات

ذیل میں محترم ائمہ تفسیر میں سے چند ایک مسلم تفاسیر بطور حوالہ پیش کی جارہی ہیں ہر ایک تفسیر کے ضمن میں اس کا مختصر تفسیری خلاصہ پیش کیا جائے گا بعد ازاں مکمل تفسیرات کا خلاصہ بطور فیصلہ پیش کیا جائے گا جس سے آپ کو حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا۔

بنیادی علمی ماخذ کے خالق امام محمد بن جریر طبری کا تفسیری اقتباس

سب سے پہلے ہم دنیائے تفسیر کے عظیم مفسر اور بنیادی علمی ماخذ کے خالق امام محمد بن جریر طبری کا تفسیری اقتباس پیش کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

القول في تأويل قوله: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ} {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ}

قال أبو جعفر: يقول تعالى ذكره: ما كان ينبغي للنبي محمد صلى الله عليه وسلم والذين آمنوا به أن يستغفروا، يقول: أن يدعوا بالمغفرة للمشركين، ولو كان المشركون الذين يستغفرون لهم أولي قربى، ذوي قرابة لهم من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم، يقول: من بعد ما ماتوا على شركهم بالله وعبادة الأوثان، تبين لهم أنهم من أهل النار، لأن الله قد قضى أن لا يغفر لمشرك، فلا ينبغي لهم أن يسألوا ربهم أن يفعل ما قد علموا أنه لا يفعله. فإن قالوا: فإن إبراهيم قد استغفر لأبيه وهو مشرك، فلم يكن استغفار إبراهيم لأبيه إلا لموعدة وعدها إياه. فلما تبين له وعلم أنه لله عدو، خلاه وتركه، وترك الاستغفار له، وآثر الله وأمره عليه، فتبرأ منه حين تبين له أمره. (انظر تفسير ألفاظ الآية فيما سلف من فهارس اللغة) واختلف أهل التأويل في السبب الذي نزلت هذه الآية فيه. فقال بعضهم: نزلت في شأن أبي طالب عم النبي صلى الله عليه وسلم، لأن النبي صلى الله عليه وسلم أراد أن يستغفر له بعد موته، فنهاه الله عن ذلك. صلى الله عليه وسلم ذكر من قال ذلك

17324- حدثنا محمد بن عبد الأعلى قال، حدثنا محمد بن ثور، عن معمر، قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل عليه النبي صلى الله عليه وسلم وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية، فقال: يا عم، قل: لا إله إلا الله كلمة" أحاجُّ لك بها عند الله! فقال له أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب، أترغب عن ملة عبد المطلب؛ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لأستغفرن لك ما لم أُنْهَ عنك! فنزلت: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين". ونزلت: (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ)، [القصص: 56].

17325- حدثني أحمد بن عبد الرحمن بن وهب قال، حدثنا عمي عبد الله بن وهب قال، حدثني يونس عن الزهري قال، أخبرني سعيد بن المسيب، عن أبيه، قال: لما حضرت أبا طالب الوفاةُ جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل بن هشام وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا عم قل: لا إله إلا الله، كلمةً أشهد لك بها عند الله! قال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب، أترغب عن مِلّة عبد المطلب؛ فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه ويعيد له تلك المقالة، حتى قال أبو طالب آخرَ ما كلّمهم: "هو على ملة عبد المطلب". وأبى أن يقول: "لا إله إلا الله". فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والله لأستغفرنّ لك ما لم أُنْهَ عنك! فأنزل الله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين". وأنزل الله في أبي طالب، فقال لرسول الله: (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ)، الآية.

"17326- حدثني محمد بن عمرو قال، حدثنا أبو عاصم قال، حدثنا عيسى، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين"، قال: يقول المؤمنون: ألا نستغفر لآبائنا وقد استغفر إبراهيم لأبيه كافرًا؛ فأنزل الله: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه"

17327- حدثني المثنى قال، حدثنا أبو حذيفة قال، حدثنا شبل، عن عمرو بن دينار: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك، فلا أزال أستغفر لأبي طالب حتى ينهاني عنه ربي! فقال أصحابه: لنستغفرن لآبائنا كما استغفر النبي صلى الله عليه وسلم لعمه! فأنزل الله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين" إلى قوله: "تبرأ منه".

17328- حدثنا ابن وكيع قال، حدثنا يزيد بن هارون، عن سفيان بن عيينة، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب قال: لما حضر أبا طالب الوفاةُ، أتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده عبد الله بن

امية وأبو جهل بن هشام. فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أي عم. إنك أعظم الناس عليّ حقًّا. وأحسنهم عندي يدًا، ولأنت أعظم عليّ حقًّا من والدي، فقل كلمة تجب لي بها الشفاعة يوم القيامة. قل: لا إله إلا الله= ثم ذكر نحو حديث ابن عبد الأعلى، عن محمد بن ثور.

وقال آخرون: بل نزلت في سبب أمّ رسول الله صلى الله عليه وسلم. وذلك أنه أراد أن يستغفر لها، فمنع من ذلك.

ذكر من قال ذلك:

17329- حدثنا أحمد بن إسحاق قال، حدثنا أبو أحمد قال، حدثنا فضيل، عن عطية قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة وقف على قبر أمّه حتى سخنت عليه الشمس، رجاءَ أن يؤذن له يستغفر لها، حتى نزلت: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى". إلى قوله: "تبرأ منه".

17330-..... قال، حدثنا أبو أحمد قال، حدثنا قيس، عن علقمة بن مرثد، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه: أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى رَسْمَ= قال: وأكثر ظني أنه قال: قَبْرٍ =فجلس إليه، فجعل يخاطب، ثم قام مستعبرًا. فقلت: يا رسول الله، إنّا رأينا ما صنعت! قال: إني استأذنت ربي في زيارة قبر أمّي، فأذن لي، واستأذنته في الاستغفار لها فلم يأذن لي. فما رئي باكيًا أكثر من يومئذٍ.

17331- حدثني محمد بن سعد قال، حدثني أبي قال، حدثني عمي قال، حدثني أبي، عن أبيه، عن حضرت ابن عباس رضي الله عنهما قوله: "ما كان للنبي والذين آمنوا". إلى: "أنهم أصحاب الجحيم". أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أراد أن يستغفر لأمّه، فنهاه الله عن ذلك، فقال: وإن إبراهيم خليل الله قد استغفر لأبيه! فأنزل الله: "وما كان استغفار إبراهيم". إلى "لأواه حليم". وقال آخرون: بل نزلت من أجل أن قومًا من أهل الإيمان كانوا يستغفرون لموتاهم من المشركين، فنهوا عن ذلك.

ذكر من قال ذلك:

17332- حدثني المثنى قال، حدثني عبد الله بن صالح قال، حدثنا معاوية، عن علي، عن ابن عباس رضي الله عنهما قوله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين". الآية. فكانوا يستغفرون لهم. حتى نزلت هذه الآية. فلما نزلت، أمسكوا عن الاستغفار لأمواتهم، ولم ينههم أن يستغفروا للأحياء

حتى يموتوا. ثم أنزل الله: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه". الآية.

17333- حدثنا بشر قال، حدثنا يزيد قال، حدثنا سعيد، عن قتادة قوله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين". الآية. ذكر لنا أن رجالا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قالوا: يا نبي الله إن من آبائنا من كان يُحسِن الجوار، ويصل الأرحام، ويفك العاني، ويوفي بالذمم. أفلا نستغفر لهم قال: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: بلى! والله لأستغفرنّ لأبي، كما استغفر إبراهيم لأبيه! قال: فأنزل الله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين" حتى بلغ: "الجحيم". ثم عذر الله إبراهيم فقال: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إيّاه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه". قال: وذكر لنا أن نبيّ الله قال: أوحى إليّ كلمات فدخلن في أذني، ووَقَرْنَ في قلبي: أمرت أن لا أستغفر لمن مات مشركًا، ومن أعطى فَضْلَ ماله فهو خيرٌ له، ومن أمسك فهو شرٌّ له، ولا يلوم الله على كَفافٍ". واختلف أهل العربية في معنى قوله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين".

فقال بعض نحويي البصرة: معنى ذلك: ما كان لهم الاستغفار = وكذلك معنى قوله: (وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ)، وما كان لنفس الإيمان = (إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ) [يونس: 100].

وقال بعض نحويي الكوفة: معناه: ما كان ينبغي لهم أن يستغفروا لهم. قال: وكذلك إذا جاءت "أن" مع "كان". فكلها بتأويل: ينبغي، (وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ) [آل عمران: 161] ما كان ينبغي له ليس هذا من أخلاقه. قال: فلذلك إذا دخلت "أن" لتدل على الاستقبال، (1) لأن "ينبغي" تطلب الاستقبال. وأما قوله: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه". فإن أهل العلم اختلفوا في السبب الذي أنزل فيه.

فقال بعضهم: أنزل من أجل أن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه كانوا يستغفرون لموتاهم المشركين، ظنًّا منهم أن إبراهيم خليل الرحمن قد فعل ذلك، حين أنزل الله قوله خبرًا عن إبراهيم: (قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا) [مريم: 47].

وقد ذكرنا الرواية عن بعض من حضرنا ذكره، وسنذكر عمن لم نذكره.

17334- حدثنا ابن بشار قال، حدثنا عبد الرحمن قال، حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن أبي الخليل عن علي قال: سمعت رجلا يستغفر لوالديه وهما مشركان، فقلت: أيستغفر الرجل لوالديه وهما

مشرکان، فقال: أولم يستغفر إبراهيم لأبيه؛ قال: فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له،
فأنزل الله: "وما كان استغفار إبراهيم" إلى "تبرأ منه".

17335- حدثنا ابن بشار قال، حدثنا يحيى عن سفيان، عن أبي إسحاق، عن أبي الخليل، عن علي: أن النبي صلى
كان يستغفر لأبويه وهما مشركان، حتى نزلت: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه" إلى قوله: "تبرأ منه"

وقيل: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة". ومعناه: إلا من بعد موعدة. كما يقال: "ما كان هذا الأمر إلا عن سبب كذا". بمعنى: من بعد ذلك السبب، أو من أجله. فكذلك قوله: "إلا عن موعدة" من أجل موعدة وبعدها.

وقد تأوّل قوم قولَ الله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى". الآية، أنّ النهي من الله عن الاستغفار للمشركين بعد مماتهم، لقوله: "من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم". وقالوا: ذلك لا يتبينه أحدٌ إلا بأن يموت على كفره، وأما وهو حيٌّ فلا سبيل إلى علم ذلك، فللمؤمنين أن يستغفروا لهم.

ذكر من قال ذلك:

17336- حدثنا سليمان بن عمر الرقي، حدثنا عبد الله بن المبارك، عن سفيان الثوري، عن الشيباني عن سعيد بن جبير قال: مات رجل يهودي وله ابنٌ مسلم، فلم يخرج معه، فذكر ذلك لحضرت ابن عباس رضي الله عنهما فقال: كان ينبغي له أن يمشي معه ويدفنه، ويدعو له بالصلاح ما دام حيًا. فإذا مات، وكله إلى شأنه! ثم قال: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه". لم يدع.

17337- حدثنا ابن وكيع قال، حدثنا فضيل، عن ضرار بن مرة، عن سعيد بن جبير قال: مات رجل نصراني فوكله ابنه إلى أهل دينه، فأتيت حضرت ابن عباس رضي الله عنهما فذكرت ذلك له فقال: ما كان عليه لو مشى معه وأجنّه واستغفر له؛ ثم تلا "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه". الآية.

وتأوّل آخرون "الاستغفارَ". في هذا الموضع، بمعنى الصلاة.

ذكر من قال ذلك:

17338- حدثني المثنى قال، ثني إسحاق قال، حدثنا كثير بن هشام، عن جعفر بن برقان قال، حدثنا حبيب بن أبي مرزوق، عن عطاء بن أبي رباح قال: ما كنت أدع الصلاةَ على أحدٍ من أهل هذه القبلة، ولو كانت حبشيةً حُبْلى من الزنا، لأني لم أسمع الله يَحْجُب الصلاة إلا عن المشركين، يقول الله: "ما كان للنبيّ والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين".

وتأوله آخرون، بمعنى الاستغفار الذي هو دعاء.

*ذكر من قال ذلك:

17339- حدثنا ابن وكيع قال، حدثنا أبي، عن عصمة بن زامل، عن أبيه قال: سمعت أبا هريرة يقول: رحم الله رجلا استغفر لأبي هريرة ولأمّه. قلت: ولأبيه؟ قال: لا إن أبي مات وهو مشرك.

قال أبو جعفر: وقد دللنا على أن معنى "الاستغفار": مسألة العبد ربَّه غفرَ الذنوب. وإذ كان ذلك كذلك، وكانت مسألة العبد ربَّه ذلك قد تكون في الصلاة وفي غير الصلاة، (2) لم يكن أحد القولين اللذين ذكرنا فاسدًا، لأن الله عمَّ بالنهي عن الاستغفار للمشرك، بعد ما تبين له أنه من أصحاب الجحيم، ولم يخصص عن ذلك حالا أباح فيها الاستغفار له.

وأما قوله: "من بعد ما تبيَّن لهم أنهم أصحاب الجحيم"، فإن معناه: ما قد بيَّنتُ، من أنه: من بعد ما يعلمون بموته كافرًا أنه من أهل النار.

وقيل: "أصحاب الجحيم"، لأنهم سكانها وأهلها الكائنون فيها، كما يقال لسكان الدار: "هؤلاء أصحاب هذه الدار"، بمعنى: سكانها.

وبنحو الذي قلنا في ذلك قال أهل التأويل.

*ذكر من قال ذلك:

17340- حدثني المثنى قال، حدثنا إسحاق قال، حدثنا عبد الرزاق قال، أخبرنا معمر، عن قتادة في قوله: "من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم"، قال: تبيَّن للنبي صلى الله عليه وسلم أن أبا طالب حين مات أن التوبة قد انقطعت عنه.

17341- حدثنا محمد بن عبد الأعلى قال، حدثنا محمد بن ثور، عن معمر، عن قتادة قال: "تبيَّن له" حين مات، وعلم أن التوبة قد انقطعت عنه يعني في قوله: "من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم".

17342- حدثت عن الحسين بن الفرج قال، سمعت أبا معاذ قال، حدثنا عبيد بن سليمان قال، سمعت الضحاك في قوله: "ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين" الآية. يقول: إذا ماتوا مشركين، يقول الله: (إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)، الآية. [المائدة: 72].

واختلف أهل التأويل في تأويل قوله: "فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه".

قال بعضهم: معناه: فلما تبين له بموته مشركًا بالله، تبرأ منه، وترك الاستغفار له.

ذكر من قال ذلك:

17343- حدثنا محمد بن بشار قال، حدثنا عبد الرحمن قال، حدثنا سفيان، عن حبيب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: ما زال إبراهيم يستغفر لأبيه حتى مات "فلما تبين له أنه عدوٌّ لله تبرّأ منه

17344- حدثنا ابن وكيع قال، حدثنا أبي، عن سفيان، عن حبيب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: ما زال إبراهيم يستغفر لأبيه حتى مات = فلما مات تبين له أنه عدوّ لله.

17345- حدثني الحارث قال، حدثنا عبد العزيز قال، حدثنا سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: لم يزل إبراهيم يستغفر لأبيه حتى مات، فلما مات لم يستغفر له.

17346- حدثني المثنى قال، حدثنا عبد الله قال، حدثني معاوية، عن علي، عن ابن عباس: "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه". يعني: استغفر له ما كان حيًا، فلما مات أمسك عن الاستغفار له.

17347- حدثني مطر بن محمد الضبي قال، حدثنا أبو عاصم وأبو قتيبة مسلم بن قتيبة، قالا حدثنا شعبة، عن الحكم، عن مجاهد، في قوله: "فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه". قال: لما مات.

17348- حدثنا محمد بن المثنى قال، حدثنا محمد بن جعفر قال، حدثنا شعبة، عن الحكم، عن مجاهد، مثله.

17349- حدثني محمد بن عمرو قال، حدثنا أبو عاصم قال، حدثنا عيسى، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد: "فلما تبين له أنه عدو لله". قال: موته وهو كافر.

17350- حدثنا ابن وكيع قال، حدثني أبي، عن شعبة، عن الحكم، عن مجاهد، مثله."

خلاصۂ تفسیر

امام محمد بن جریر طبری علیہ الرحمہ تیسری صدی ہجری کے محدث اور مفسر ہیں ان کی تفسیر کا اکثر حصہ تفسیر بالماثور پر مبنی ہے اور دنیائے تفسیر میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور علوم تفسیر کا مخزن مانے جاتے ہیں۔ ان کی تفسیر طبری تفاسیر کے لیے ماخذ مانی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر طبری میں مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں تین اعتبارات تفسیر قائم کیے ہیں اور کہتے ہیں آیت مذکورہ میں سبب نزول کے اعتبار سے اہل علم نے تین طرح کی تاویلیں کی ہیں:

۱۔ بعض اہل علم نے اس آیت کا شانِ نزول حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات والا قصہ قرار دیا ہے جو روایت کی صورت میں کئی مرتبہ آچکا ہے۔

۲۔ بعض اہل علم نے اس آیت کا شانِ نزول حضور سرورِ کائنات ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت عدم استغفار پر مبنی روایات کو قرار دیا ہے۔

۳۔ بعض اہل علم نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ کچھ اہل ایمان اپنے فوت شدگان جو شرک پر فوت ہوئے تھے ان کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے روکا ہے ان تینوں اعتبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا اصل مصداق کون ہے؟ ظاہر ہے آیت کریمہ مشرکین کے لیے عدم استغفار کی بابت نازل ہوئی یعنی جو بھی مشرک ہوگا اور مشرک ہی مرے گا اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا منع ہے۔ نہ مغفرت کی دعاء مسلمان مانگ سکتے ہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ مانگ سکتے ہیں۔ اگرچہ نبی اور مسلمان ان کے انتہائی قریبی کیوں نہ ہوں۔

یاد رہے کہ جن کے دامن شرک کی آلودگی سے آلودہ ہیں وہ بہر اعتبار نجس ہیں۔ ان کی دنیا میں کوئی تکریم ہے اور نہ آخرت میں مغفرت و بخشش کی کوئی گنجائش ہے۔ بنابریں ان کے لیے مغفرت کی دعاء بہر صورت ممنوع ہے۔ لیکن شرط یہ کہ وہ مشرک ہوں اور جو مشرک نہ ہوں ان پر ایک تو شرک کا الزام لگانا گناہ ہے اور دوسرا یہ ہے کہ وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہی نہیں کیونکہ وہ محل شرک ہی نہیں جس طرح جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام اور سیدہ محسنہ عالمین حضرت آمنہ سلام اللہ تعالیٰ علیہما۔ یہ دونوں نفوس قدسیہ شرک سے پاک ہیں لہٰذا اس آیت کے ضمن میں ان کو بیان کرنا علمی خیانت ہے کیونکہ یہ نفوسِ قدسیہ محل شرک ہی نہیں۔

امام طبری نے تینوں نزولوں کو تاویلاً بیان کیا ہے کہ کسی ایک نزول کو ترجیحاً بیان نہیں کیا۔ خصوصاً حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کو ترجیحاً بیان کرنا چاہیے تھا کیونکہ کفرِ ابی طالب ہی اہل علم کے نزدیک کائنات کا حساس ترین مسئلہ تھا مگر طبری نے ترجیحاً نہیں بیان کیا چونکہ ان کے پاس دلیل ترجیح ہی نہیں ایسے ہی تمام مفسرین کا حال ہے۔

نوٹ:۔ صاحب تفسیر نے جب ابتداء میں بیان فرما دیا ہے کہ اس آیت کی تاویل میں اہل علم کا اختلاف ہے اور جہاں اختلاف کا لفظ ہوتا ہے وہاں وسعت ہوتی ہے۔ کسی ایک جانب فیصلہ کرنا بغیر کسی یقینی دلیل کے کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

(فریدی)

صاحب تفسیر نے مذکورہ آیت کریمہ کے اسباب نزول کی تعداد تقریباً نو بتائی ہے۔ ہر ایک سبب کو اس آیت کا الگ سے شان نزول مانا ہے۔ اس کی تفصیلات آخر میں تمام تفاسیر کے خلاصے کے طور پر پیش کی جائے گی۔

نوٹ: تمام تفاسیر میں درج اسباب نزول کا ریکارڈ آخر میں پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ تمام تفاسیر میں اسباب نزول قدرے مشترک ہیں۔

تفسیرِ رازی سے اقتباس

دنیائے تفسیر کے عظیم سرخیل مفسر امام فخر الدین رازی اپنی معروف تفسیر کبیر میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

[سورة التوبة (9): الآيات 113 الى 114]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (113) وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (114)

اِن قَوْلَهُ تَعَالَى مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا إلى قوله أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ اعْلَمْ أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا بَيَّنَ مِنْ أَوَّلِ هَذِهِ السُّورَةِ إِلَى هَذَا الْمَوْضِعِ وُجُوبَ إِظْهَارِ الْبَرَاءَةِ عَنِ الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِينَ مِنْ جَمِيعِ الْوُجُوهِ بَيَّنَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ أَنَّهُ تَجِبُ الْبَرَاءَةُ عَنْ أَمْوَاتِهِمْ. وَإِنْ كَانُوا فِي غَايَةِ الْقُرْبِ مِنَ الْإِنْسَانِ كَالْأَبِ وَالْأُمِّ. كَمَا أَوْجَبَتِ الْبَرَاءَةَ عَنْ أَحْيَائِهِمْ. وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ بَيَانُ وُجُوبِ مُقَاطَعَتِهِمْ عَلَى أَقْصَى الْغَايَاتِ وَالْمَنْعِ مِنْ مُوَاصَلَتِهِمْ بِسَبَبٍ مِنَ الْأَسْبَابِ وَفِيهِ مَسَائِلُ:

الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: ذَكَرُوا فِي سَبَبِ نُزُولِ هَذِهِ الْآيَةِ وُجُوهًا. الْأَوَّلُ:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: لَمَّا فَتَحَ اللَّهُ تَعَالَى مَكَّةَ سَأَلَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «أَيُّ أَبَوَيْهِ أَحْدَثُ بِهِ عَهْدًا» قِيلَ أُمُّكَ. فَذَهَبَ إِلَى قَبْرِهَا وَوَقَفَ دُونَهُ ثُمَّ قَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهَا وَبَكَى فَسَأَلَهُ عُمَرُ وَقَالَ: نَهَيْتَنَا عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ وَالْبُكَاءِ. ثُمَّ زُرْتَ وَبَكَيْتَ. فَقَالَ: قَدْ أُذِنَ لِي فِيهِ. فَلَمَّا عَلِمْتُ مَا هِيَ فِيهِ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ وَإِنِّي لَا أُغْنِي عَنْهَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا بَكَيْتُ رَحْمَةً لَهَا.

الثَّانِي:

رُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ قَالَ لَهُ الرَّسُولُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «يَا عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ» فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. فَقَالَ: أَنَا عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ» فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ

قَوْلُهُ: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ الْوَاحِدِيُّ: وَقَدِ اسْتَبْعَدَهُ الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَضْلِ لِأَنَّ هَذِهِ السُّورَةَ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نُزُولًا. وَوَفَاةُ أَبِي طَالِبٍ كَانَتْ بِمَكَّةَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ. وَأَقُولُ هَذَا الِاسْتِبْعَادُ عِنْدِي مُسْتَبْعَدٌ فَأَيُّ بَأْسٍ أَنْ يُقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَقِيَ يَسْتَغْفِرُ لِأَبِي طَالِبٍ مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ إِلَى وَقْتِ نُزُولِ هَذِهِ الْآيَةِ. فَإِنَّ التَّشْدِيدَ مَعَ الْكُفَّارِ إِنَّمَا ظَهَرَ فِي هَذِهِ السُّورَةِ فَلَعَلَّ الْمُؤْمِنِينَ كَانَ يَجُوزُ لَهُمْ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِأَبَوَيْهِمْ مِنَ الْكَافِرِينَ، وَكَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَيْضًا يَفْعَلُ ذَلِكَ. ثُمَّ عِنْدَ نُزُولِ هَذِهِ السُّورَةِ مَنَعَهُمُ اللَّهُ مِنْهُ. فَهَذَا غَيْرُ مُسْتَبْعَدٍ فِي الْجُمْلَةِ.

الثَّالِثُ:

يُرْوَى عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ الْمُشْرِكَيْنِ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ أَتَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْكَ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَقَالَ: أَلَيْسَ قَدِ اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ.

الرَّابِعُ: يُرْوَى أَنَّ رَجُلًا أَتَى الرَّسُولَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَقَالَ: كَانَ أَبِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيَقْرِي الضَّيْفَ، وَيَمْنَحُ مِنْ مَالِهِ. وَأَيْنَ أَبِي؟ فَقَالَ: أَمَاتَ مُشْرِكًا؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ، فَوَلَّى الرَّجُلُ يَبْكِي فَدَعَاهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ. فَقَالَ: «إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ وَأَبَا إِبْرَاهِيمَ فِي النَّارِ. إِنَّ أَبَاكَ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ

الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ: قَوْلُهُ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الْمَعْنَى مَا يَنْبَغِي لَهُمْ ذَلِكَ فَيَكُونُ كَالْوَصْفِ، وَأَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ لَيْسَ لَهُمْ ذَلِكَ عَلَى مَعْنَى النَّهْيِ: فَالْأَوَّلُ: مَعْنَاهُ أَنَّ النُّبُوَّةَ وَالْإِيمَانَ يَمْنَعُ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِينَ. وَالثَّانِي: مَعْنَاهُ لَا تستغفروا والأمران متقاربان. وَسَبَبُ هَذَا الْمَنْعِ مَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي قَوْلِهِ: مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ "

خلاصہ تفسیر

امام رازی فرماتے ہیں کہ ابتدائے صورت میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو کفارِ مکہ اور مشرکین کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات ختم کرنے کا ارشاد فرمایا اور مشرکین کی بابت یہاں تک فرما دیا کہ یہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں کسی بھی صورت میں ان کے ساتھ ہمدردی جائز نہیں۔ ان سے انتہائی نفرت کرنی چاہیے حتیٰ کہ یہ مر بھی جائیں تب بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کرنی چاہیے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں غالباً 3/4 اسباب نزول ذکر کیے ہیں ان میں سے:

پہلا سبب انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضور ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت عدم استغفار والا واقعہ بیان کیا ہے۔

دوسرا سبب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے۔

تیسرا سبب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے ایک شخص کی بابت کہ وہ اپنے ماں باپ کے لیے مغفرت کی دعا کر رہا تھا اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ تو مشرک تھے جواباً وہ شخص بولا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو بھی اپنے مشرک ماں باپ کے لیے دعا مانگی تھی۔ میں بھی مانگ رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور ﷺ کو عرض کر دی اس پر آیت نازل ہوئی۔

نوٹ: امام رازی علیہ الرحمہ نے امام واحدی کے قول کو نقل کر دیا ہے اور اشارہ دیا کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت میں جو بارہ سالہ دورانیہ بنتا ہے تاخیر نزول آیت کا وہ خلاف عقل نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر امام رازی علیہ الرحمہ نے امام واحدی کی طرح یہ بات بلا دلیل کہی ہے بلا دلیل دعویٰ مسترد کیا جاتا ہے۔ (فقیر فریدی) واحدی کا بھی ذاتی ذہنی اندازہ ہے اور رازی کا بھی ذاتی ذہنی اندازہ ہے۔ اس پر کوئی شرعی علمی دلیل نہیں نہ ہی اس پر کوئی نظیر پیش کی ہے ثبوتِ عیب الزام میں ایسے واہی اندازے ہرگز قبول نہیں تحقیق ایسے بلا دلیل مخصوص کو قبول نہیں کرتی۔

دنیا تفاسیر کی عظیم شخصیت حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر درمنثور میں یوں فرماتے ہیں:

"أخرج ابن أبي شيبة وَأحمد وَالْبُخَارِيّ وَمُسلم وَالنَّسَائِيّ وَابْن جرير وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم وَأَبُو الشَّيْخ وَابْن مرْدَوَيْه وَالْبَيْهَقِيّ فِي الدَّلَائِل عَن سعيد بن الْمسيب عَن أَبِيه قَالَ: لما حضرت أَبَا طَالب الْوَفَاة دخل عَلَيْهِ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَعِنْده أَبُو جهل وَعبد الله بن أبي أُميَّة فَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَي عَم قل لَا إِلَه إِلَّا الله أُحَاج لَك بهَا عِنْد الله

فَقَالَ أَبُو جهل وَعبد الله بن أبي أُميَّة: يَا أَبَا طَالب أترغب عَن مِلَّة عبد الْمطلب وَجعل النَّبِي يعرضها عَلَيْهِ
وَأَبُو جهل وَعبد الله يعاودانه بِتِلْكَ الْمقَالة فَقَالَ أَبُو طَالب آخر مَا كلمهم: هُوَ على مِلَّة عبد الْمطلب وأبى
أَن يَقُول لَا إِلَه إِلَّا الله فَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: لأَسْتَغْفِرَن لَك مَا لم أَنه عَنْك
فَنزلت {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين} الْآيَة
وَأنزل الله فِي أبي طَالب فَقَالَ لرَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم {إِنَّك لَا تهدي من أَحْبَبْت وَلَكِن الله يهدي
من يَشَاء} (الْقَصَص الْآيَة 56)

وَأخرج الطَّيَالِسِيّ وَابْن أبي شيبَة وَأحمد وَالتِّرْمِذِيّ وَالنَّسَائِيّ وَأَبُو يعلى وَابْن جرير وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي
حَاتِم وَأَبُو الشَّيْخ وَالْحَاكِم وَصَححهُ وَابْن مرْدَوَيْه وَالْبَيْهَقِيّ فِي شعب الإِيمان والضياء فِي المختارة عَن عَليّ
قَالَ: سَمِعت رجلا يسْتَغْفر لِأَبَوَيْهِ وهما مُشْرِكَانِ فَقلت: تستغفر لِأَبَوَيْك وهما مُشْرِكَانِ فَقَالَ: أَو لم
يسْتَغْفر إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ فَذكرت ذَلِك للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَنزلت {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن
يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين} الْآيَة

وَأخرج ابْن جرير وَابْن الْمُنْذر وَابْن أبي حَاتِم وَابْن مرْدَوَيْه من طَرِيق عَليّ بن أبي طَلْحَة عَن ابْن عَبَّاس
قَالَ: كَانُوا يَسْتَغْفِرُونَ لَهُم حَتَّى نزلت هَذِه الْآيَة فَلَمَّا نزلت أَمْسكُوا عَن الاسْتِغْفَار لأمواتهم وَلم ينهوا
أَن يَسْتَغْفِرُوا للأحياء حَتَّى يموتوا ثمَّ أنزل الله تَعَالَى {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ} الْآيَة
يَعْنِي اسْتغْفر لَهُ مَا كَانَ حَيا فَلَمَّا مَاتَ أمسك عَن الاسْتِغْفَار

وَأخرج ابْن أبي حَاتِم وَأَبُو الشَّيْخ عَن مُحَمَّد بن كَعْب قَالَ: لما مرض أَبُو طَالب أَتَاهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ
وَسلم فَقَالَ الْمُسلمُونَ: هَذَا مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يسْتَغْفر لِعَمِّهِ وَقد اسْتغْفر إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ
فاستغفروا لقراباتهم من الْمُشْركين
فَأنْزل الله {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين} ثمَّ أنزل الله تَعَالَى {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار
إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدها إِيَّاه} قَالَ: كَانَ يرجوه فِي حَيَاته {فَلَمَّا تبين لَهُ أَنه عَدو لله تَبرأ مِنْهُ}
وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق شبْل عَن عَمْرو بن دِينَار أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: اسْتغْفر
إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرك فَلَا أَزَال أسْتَغْفر لأبي طَالب حَتَّى يَنْهَانِي عَنهُ رَبِّي
وَقَالَ أَصْحَابه: لنستغفرن لِآبَائِنَا كَمَا اسْتغْفر النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لِعَمِّهِ فَأنْزل الله {مَا كَانَ للنَّبِي

والذین امنوا أن یستغفروا للمشرکین} إلی قوله {تبرأ منه} وأخرج ابن جریر عن سعید بن المسیب قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة أتاه رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال له: أی عم إنك أعظم حقا من والدی فقل کلمة یجب لك بها الشفاعة یوم القیامة قل لا إله إلا الله

فذکر نحو ما تقدم

وأخرج ابن جریر عن قتادة قال: ذکر لنا أن رجالا من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قالوا: یا نبی الله إن من آبائنا من کان یحسن الجوار ویصل الرحم ویفك العانی ویوفی بالذمم أفلا نستغفر لهم فقال النبی صلی الله علیه وسلم والله لأستغفرن لأبی کما استغفر إبراهیم لأبیه

فأنزل الله {ما کان للنبی والذین امنوا أن یستغفروا للمشرکین} الآیة ثم عذر إبراهیم علیه الصلاة والسلام فقال: {وما کان استغفار إبراهیم لأبیه إلا عن موعدة وعدها إیاه} إلی قوله {تبرأ منه} وذکر لنا أن نبی الله صلی الله علیه وسلم قال: أوحی إلی کلمات قد دخلن فی أذنی ووقرن فی قلبی أمرت أن لا أستغفر لمن مات مشرکا ومن أعطی فضل ماله فهو خیر له ومن أمسك فهو شر له ولا یلوم الله علی کفاف

وأخرج ابن سعد وابن عساکر عن علی قال أخبرت رسول الله صلی الله علیه وسلم بموت أبی طالب فبکی فقال: اذهب فغسله وکفنه وواره غفر الله له ورحمه

ففعلت وجعل رسول الله صلی الله علیه وسلم یستغفر له أیاما ولا یخرج من بیته حتی نزل جبریل علیه السلام علیه بهذه الآیة {ما کان للنبی والذین امنوا أن یستغفروا للمشرکین}

وأخرج ابن سعد وأبو الشیخ وابن عساکر من طریق سفیان بن عیینة عن عمر قال: لما مات أبو طالب قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم رحمك الله وغفر لك لا أزال أستغفر لك حتی ینهانی الله فأخذ المسلمون یستغفرون لموتاهم الذین ماتوا وهم مشرکون فأنزل الله {ما کان للنبی والذین امنوا أن یستغفروا للمشرکین} الآیة

فقالوا: قد استغفر إبراهیم لأبیه فنزلت {وما کان استغفار إبراهیم لأبیه إلا عن موعدة وعدها إیاه} الآیة

قال: فلما مات علی کفره تبین له أنه عدو الله

وَأخرج اسحق بن بشر وَابن عسَاكر عَن الحسن قَالَ: لما مَاتَ أَبُو طَالب قَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِن إِبْرَاهِيم اسْتغْفر لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرك وَأَنا أسْتَغْفر لعَمِّي حَتَّى أبلغ فَأنْزل الله {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفرُوا لِلْمُشْرِكين وَلَو كَانُوا أولي قربى} يَعْنِي بِهِ أَبَا طَالب فَاشْتَدَّ على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَقَالَ الله لنَبيه {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدها إِيَّاه}

يَعْنِي حِين قَالَ (سأستغفر لَك رَبِّي إِنَّه كَانَ بِي حفيا) (مَرْيَم الْآيَة 47) {فَلَمَّا تبين لَهُ أَنه عَدو لله} مَاتَ على الشّرك {تَبرأ مِنْهُ}

وَأخرج ابْن جرير من طَرِيق عَطِيَّة الْعَوْفِيّ عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا} الْآيَة قَالَ أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَرَادَ أَن يسْتَغْفر لِأَبِيهِ فَنَهَاهُ الله عَن ذَلِك قَالَ فَإِن إِبْرَاهِيم قد اسْتغْفر لِأَبِيهِ فَنزلت {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ} الْآيَة

قلت إِن هَذَا الْأَثر ضَعِيف مَعْلُول فَإِن عَطِيَّة ضَعِيف وَهُوَ مُخَالف لرِوَايَة عَليّ بن أبي طَلْحَة عَن ابْن عَبَّاس السَّابِقَة وَتلك أصح وعَلى ثِقَة جليل

وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَابْن مرْدَوَيْه من طَرِيق عِكْرِمَة عَن ابْن عَبَّاس أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لما أقبل من غَزْوَة تَبُوك اعْتَمر فَلَمَّا هَبَط من ثنية عسفان أَمر أَصْحَابه أَن يستندوا إِلَى الْعقبَة حَتَّى أرجع إِلَيْكُم فَذهب فَنزل على قبر أمه آمِنَة فَنَاجَى ربه طَويلا ثمَّ انه بَكَى فَاشْتَدَّ بكاؤه فَبكى هَؤُلَاءِ لبكائه فَقَالُوا: يَا نَبِي الله بكينا لبكائك

قُلْنَا لَعَلَّه أحدث فِي أمتك شَيْء لم يطقه فَقَالَ: لَا وَقد كَانَ بعضه وَلَكِنِّي نزلت على قبر أُمِّي فدعوت الله تَعَالَى ليأذن لي فِي شفاعتها يَوْم الْقِيَامَة فَأبى أَن يَأْذَن لي فرحمتها وَهِي أُمِّي فَبَكَيْت ثمَّ جَاءَنِي جِبْرِيل عَلَيْهِ السَّلَام فَقَالَ {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَار إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ إِلَّا عَن موعدة وعدها إِيَّاه} الْآيَة

فتبرأ أَنْت من أمك كَمَا تَبرأ إِبْرَاهِيم من أَبِيه فرحمتها وَهِي أُمِّي فدعوت رَبِّي أَن يرفع عَن أمتِي أَرْبعا فَرفع عَنْهُم اثْنَتَيْنِ وأبى أَن يرفع عَنْهُم اثْنَتَيْنِ

دَعَوْت أَن يرفع عَنْهُم الرَّجْم من السَّمَاء وَالْغَرق من الأَرْض وَأَن لَا يلبسهم شيعًا وَأَن لَا يذيق بَعضهم بَأْس بعض فَرفع الله عَنْهُم الرَّجْم من السَّمَاء وَالْغَرق من الأَرْض وأبى أَن يرفع عَنْهُم الْقَتْل والهرج

قَالَ: وَإِنَّمَا عدل إِلَى قبر أمه لِأَنَّهَا كَانَت مدفونة تَحت كدى وَكَانَت عسفان لَهُم وَبهَا ولد النَّبِي صلى الله

علیہ وسلم. وأخرج ابن أبي حاتم والحاكم وابن مردويه والبيهقي في الدلائل عن ابن مسعود قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يومًا إلى المقابر فاتبعناه فجاء حتى جلس إلى قبر منها فناجاه طويلا ثم بكى فبكينا لبكائه ثم قام فقام إليه عمر فدعاه ثم دعانا فقال: ما أبكاكم قلنا: بكينا لبكائك قال: إن القبر الذي جلست عنده قبر آمنة وإني استأذنت ربي في زيارتها فأذن لي وإني استأذنت ربي في الاستغفار لها فلم يأذن لي وأنزل علي (ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى) فأخذني ما يأخذ الولد للوالدة من الرقة فذلك الذي أبكاني

وأخرج ابن مردويه عن بريدة قال كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم إذ وقف على عسفان فنظر يمينا وشمالا فأبصر قبر أمه آمنة ورد الماء فتوضأ ثم صلى ركعتين ودعا فلم يفجأنا إلا وقد علا بكاؤه فعلا بكاؤنا لبكائه ثم انصرف إلينا فقال: ما الذي أبكاكم قالوا: بكيت فبكينا يا رسول الله

قال: وما ظننتم قالوا: ظننا أن العذاب نازل علينا بما نعمل

قال: لم يكن من ذلك شيء

قالوا: فظننا أن أمتك كلفت من الأعمال ما لا يطيقون فرحمتها

قال: لم يكن من ذلك شيء ولكن مررت بقبر أمي آمنة فصليت ركعتين فاستأذنت ربي أن أستغفر لها فنهيت فبكيت ثم عدت فصليت ركعتين فاستأذنت ربي أن أستغفر لها فزجرت زجرا فعلا بكائي ثم دعا براحلته فركبها فما سار إلا هنيئة حتى قامت الناقة لثقل الوحي فأنزل الله (ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين) الآيتين

وأخرج ابن المنذر والطبراني والحاكم وصححه وتعقبه الذهبي عن ابن مسعود رضي الله عنه قال جاء ابنا مليكة - وهما من الأنصار - فقالا: يا رسول الله إن أمنا كانت تحفظ على البعل وتكرم الضيف وقد وئدت في الجاهلية فأين أمنا فقال: أمكما في النار

فقاما وقد شق ذلك عليهما فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجعا فقال: ألا أن أمي مع أمكما

فقال منافق من الناس: أما ما يغني هذا عن أمه إلا ما يغني ابنا مليكة عن أمهما ونحن نطأ عقبيه

فقال شاب من الأنصار لم أر رجلا أكثر سؤالا لرسول الله صلى الله عليه وسلم منه: يا رسول الله وأين

أبواك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما سألتهما ربي فيطيعني فيهما
وفي لفظ: فيطعمني فيهما وإني لقائم يومئذ المقام المحمود فقال المنافق للشاب الأنصاري: سله وما
المقام المحمود قال: يا رسول الله وما المقام المحمود قال: ذاك يوم ينزل الله فيه على كرسيه يئط به
كما يئط الرحل الجديد من تضايقه وهو كسعة ما بين السماء والأرض ويجاء بكم حفاة عراة غرلا
فيكون أول من يكسى إبراهيم
يقول الله: اكسوا خليلي
فيؤتى بريطتين بيضاوين من رياط الجنة ثم اكسى على أثره فأقوم عن يمين الله مقاما يغبطني به
الأولون والآخرون ويشق لي نهر من الكوثر إلى حوضي قال: يقول المنافق: لم أسمع كاليوم قط لقلما
جرى نهر قط إلا في إحالة أو رضراض فسله فيم يجري النهر إليهم
قال: في إحالة من المسك ورضراض
قال: يقول المنافق: لم أسمع كاليوم قط
والله لقلما جرى نهر قط إلا كان له نبات فسله هل لذلك النهر نبات فقال الأنصاري: يا رسول الله هل
لذلك النهر نبات قال: نعم
قال: ما هو قال: قضبان الذهب
قال: يقول المنافق: لم أسمع كاليوم قط والله ما نبتت قضيب إلا كان له ثمر فسله هل لتلك القضبان
ثمار فسأل الأنصاري قال: يا رسول الله هل لتلك القضبان ثمار قال: نعم اللؤلؤ والجوهر
فقال المنافق: لم أسمع كاليوم قط فسله عن شراب الحوض فقال الأنصاري: يا رسول الله ما شراب
الحوض قال: أشد بياضا من اللبن وأحلى من العسل من سقاه الله منه شربة لم يظمأ بعدها ومن حرمه
لم يرو بعدها
وأخرج ابن سعد عن الكلبي وأبي بكر بن قيس الجعفي قالا: كانت جعفي يحرمون القلب في الجاهلية فوفد
إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان منهم قيس بن سلمة وسلمة بن يزيد وهما أخوان لأم فأسلما
فقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم بلغني أنكما لا تأكلان القلب
قالا: نعم

قال: فإنه لا يكمل إسلامكما إلا بأكله

ودعا لهما بقلب فشوى وأطعمه لهما

فقالا: يا رسول الله إن أمنا مليكة بنت الحلو كانت تفك العاني وتطعم البائس وترحم الفقير وإنها ماتت وقد وأدت بنية لها صغيرة فما حالها فقال: الوائدة والموءودة في النار

فقاما مغضبين

فقال: إلي

فارجعا فقال: وأمي مع أمكما

فأبيا ومضيا وهما يقولان: والله إن رجلا أطعمنا القلب وزعم أن أمنا في النار لأهل أن لا يتبع وذهبا فلقيا رجلا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم معه إبل من إبل الصدقة فأوثقاه وطردا الإبل فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فلعنهما فيمن كان يلعن في قوله: لعن الله رعلاً وذكوان وعصية ولحيان وابني مليكة من حريم وحران

وأخرج ابن المنذر عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله (وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه) (الإسراء الآية 23) إلى قوله (كما ربياني صغيرا) قال: ثم استثنى فقال {ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين} إلى قوله {عن موعدة وعدها إياه}

وأخرج ابن جرير وابن أبي حاتم عن قتادة رضي الله عنه في قوله {فلما تبين له أنه عدو لله} قال: تبين له حين مات وعلم أن التوبة قد انقطعت عنه"

خلاصہ تفسیر در منثور

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت کریمہ کے شان نزول کی غالباً کل تعداد 12 یا 13 بتائی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(1) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت ہے۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم والی روایت جو ایک شخص کی بابت جو مسلمان ہے اور اپنے مشرک ماں باپ کے لیے مغفرت کی دعا کر رہا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت جس میں انھوں نے ایمان والوں کا اپنے مشرکین آباؤ اجداد کے لیے دعا مانگنے کا ذکر کیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور وہ دعا مغفرت کرنے سے رُک جاتے ہیں۔

(۴) محمد بن کعب والی روایت جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابوطالب علیہ السلام بیمار ہوئے تو ان کے پاس نبی پاک ﷺ تشریف لائے اور اُن کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اس پر تمام مسلمانوں نے کہا جب حضرت محمد ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے لیے دعا مغفرت کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے چچا مشرک کے لیے دعا مغفرت مانگتے ہیں تو ہم بھی اپنے مشرک آباؤ اجداد کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جبکہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اگر چہ ان کے قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔

(۵) حضرت عمر بن دینار والی روایت جس میں انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا مانگی حالانکہ ان کا چچا مشرک تھا۔ پس میں بھی مسلسل حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لیے مغفرت کی دعا مانگوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے اس سے روک دے۔ اس پر صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہم بھی ضرور اپنے آباؤ اجداد کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں گے۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ نے اپنے چچا کے لیے مانگی تھی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے مشرکین قریبی رشتہ داروں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔

(۶) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ والی روایت جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ذکر کیا گیا کہ اصحاب رسول نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آقا ہمارے آباؤ اجداد اپنے ہمسائے سے احسان کرتے تھے اور صلہ رحمی کرتے تھے اور لوگوں کی مشکل کشائی کرتے اور حاجت روائی کرتے اور ان کے ساتھ بھائی چارے کی عظمت میں رہتے تھے کیا ہم ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں خدا کی قسم میں بھی اپنے چچا کے لیے دعا مغفرت کروں گا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اپنے چچا کے لیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک نے یہ بات نازل فرمائی کہ نبی کے لیے اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعا مغفرت کریں۔ رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ تو انھوں نے اپنے چچا سے دعائے مغفرت کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر جب ان کا چچا مشرک ہی مرا تو انھوں نے اپنے چچا کے لیے دعا مغفرت روک دی اور اس سے بے زار ہو گئے۔

(۷) ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد

فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوطالب کی موت کی خبر دی تو آپ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ ان کو غسل دو اور کفن دو اور دفن کر دو۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ پس میں نے ایسا ہی کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مسلسل کئی دن مغفرت کی دعا مانگی اور اپنے گھر سے باہر نہ نکلے حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام آگئے یہ آیت لے کر کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے دعا مغفرت کریں۔

نوٹ: اس حدیث کو منکرین ابوطالب نے ضعیف کہا ہے۔ ثبوت الزام میں قابل استدلال ہی نہیں۔ مزید یہ کہ اس روایت کو تمام محدثین نے باطل کہا۔ (نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ)۔

(۸) سفیان بن عیینہ نے حضرت عمر سے روایت کی جب حضرت ابوطالب علیہ السلام فوت ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ پر بے حد رحم کرے۔ میں ہمیشہ آپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے روک دے۔ اس پر مسلمانوں نے بھی اپنے مشرک فوت شدگان کے لیے مغفرت کی دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی ذات نے فرمایا کہ نبی اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے دعا مغفرت کریں۔ اس پر مسلمانوں نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے مشرک چچا کے لیے دعا مغفرت مانگی تھی تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایک وعدہ کے تحت تھی جب ان کا چچا مر گیا اور وہ خدا کا دشمن ٹھہرا یعنی مشرک تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے اور دعائے مغفرت بند کر دی۔

(۹) ابن عساکر نے حسن سے روایت کیا کہ جب حضرت ابوطالب علیہ السلام فوت ہو گئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے چچا کے لیے دعا مغفرت مانگتے تھے حالانکہ وہ چچا مشرک تھا اور میں بھی اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے منع کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ ان کے قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بات رسول دو عالم ﷺ پر بھاری گزری تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ ابراہیم کی دعا ایک وعدہ کے تحت تھی۔

(۱۰) امام عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا کریں پس اللہ تعالیٰ نے اسے منع فرمایا اور فرمایا کہ ابراہیم نے اپنے چچا کے لیے جو دعا مانگی تھی وہ ایک وعدہ کے تحت تھی۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ اثر ضعیف ہے۔

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو عمرہ فرمانے کے لیے نکلے جب بستی عسفان کی ایک گھاٹی میں اُترے۔ صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اس وادی میں آرام کرو

یہاں تک کہ جب میں واپس لوٹ آؤں پس آپ تشریف لے گئے۔ پھر سواری سے اترے اور اپنی والدہ کریمہ حضرت بی بی آمنہ سلام اللہ علیہا کی قبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے منہ سے ان کی مغفرت کی لمبی دعائیں مانگیں۔ پھر آپ رونے لگ گئے اور زور زور سے روئے اس پر صحابہ کرام کو بھی رونا آ گیا۔ اور وہ بھی زور زور سے روئے۔ آپ نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ تو صحابہ کرام نے کہا کہ آپ کے رونے نے ہمیں رولا دیا ہے۔ عرض کی ہم یہ سمجھے کہ آپ کی اُمت پر ایسا بوجھ ڈال دیا گیا ہے جس کو اٹھانے کے لیے آپ کی اُمت میں طاقت نہیں ہے۔ فرمایا ایسا ہرگز نہیں دراصل بات یہ ہے کہ میں اپنی ماں کی قبر پر بیٹھا دعائیں مانگ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کی مغفرت فرمائے اور قیامت کے دن میری شفاعت ان کے حق میں قبول فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات نے مجھے اجازت نہیں دی اور انکار کر دیا۔ پس مجھے اپنی ماں پر رحم آیا اتنے میں جبریل علیہ السلام آ گئے اور کہا کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا سے بیزاری کا اظہار کیا تھا تم بھی بیزاری کا اظہار کرو۔ راوی کہتے ہیں آپ ﷺ کی والدہ کریمہ کُدیٰ کے نیچے مدفون ہیں اور ایک روایت میں عسفان کا ذکر آتا ہے۔

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ایک قبرستان کی طرف نکلے ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیے یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں بہت لمبی دعائیں مانگیں اور پھر پھوٹ پھوٹ کر روئے ہم بھی ان کے رونے پر رو دیے۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کی طرف گئے اور ہمیں بھی بلا لیا ارشاد فرمایا کہ تم کیوں روئے ہم نے عرض کی کہ آپ کے رونے پر ہمیں بھی رونا آ گیا۔ فرمایا جس قبر پر میں بیٹھا تھا یہ میری ماں آمنہ کی قبر ہے اور میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے مل گئی پھر میں اپنی ماں کی مغفرت کی دعا کے لیے اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہیں ملی۔

(۱۳) حضرت بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا اس وقت آپ ﷺ عسفان پر ٹھہرے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے دائیں بائیں دیکھنا شروع کر دیا اور اپنی والدہ کریمہ کی قبر کو دیکھا اور پانی پر تشریف لائے پھر آپ نے وضو فرمایا پھر دو رکعت نفل ادا کی اور دعا فرمائی ہم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے تھے ابھی ہم کھڑے ہی تھے کہ آپ کے رونے کی آواز بلند ہوئی اور آپ کے رونے پر ہمارے رونے کی بھی آوازیں بلند ہو گئیں پھر آپ ہماری طرف مڑے فرمایا کہ کس چیز نے تمہیں رُلا دیا ہے؟ تو ہم نے عرض کیا کہ آپ کے رونے نے۔ فرمایا تم نے اس وقت گمان کیا کیا؟ عرض کی کہ ہم نے گمان کیا کہ ہمارے کسی عمل کی وجہ سے ہم پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں۔ پھر ہم لوٹے کہ ہمارا خیال یہ تھا کہ آپ کی اُمت کو پابند کیا گیا ہے کہ کسی ایسے بھاری عمل کا جس کی

آپ کی اُمت طاقت نہیں رکھتی۔ ہمیں اس بات پر رحم بھی آیا اور رونا بھی آیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں دراصل بات یہ ہے کہ میں اپنی ماں کریمہ کی قبر کے قریب سے گزرا میں نے دو رکعت نفل نماز ادا کی۔ پھر میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کریمہ کی مغفرت کی دعا مانگنے کی اجازت مانگی لیکن میرے رب نے مجھے اجازت نہیں دی۔ بلکہ مجھے دعا مانگنے پر روک دیا گیا ہے۔ میں پھر رویا پھر دو رکعت نماز ادا کی پھر میں نے دعا مغفرت کے لیے اجازت مانگی۔ اپنی والدہ کریمہ کے لیے پس مجھے سخت طریقہ سے ڈانٹا گیا۔ جھڑکا گیا۔ اس لیے میں پھوٹ پھوٹ کر رویا اور میرے رونے کی آواز بلند ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی سواری مانگی اور اس پر سوار ہو گئے۔ ابھی تھوڑے ہی چلے تھے کہ آپ کی ڈاچی وحی کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکی اور رک گئی۔ بس اللہ تعالیٰ کی ذات نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نبی اور مومنوں کو یہ مناسب ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں دو نوجوان آئے دربار رسالت میں عرض کی کہ ہماری ماں بڑی نیک سیرت تھی اپنے خاوند کے ساتھ اس کا بہت اچھا سلوک تھا۔ مہمان نواز تھی اور دورِ جاہلیت کی نذر ہوگئی۔ اس وقت وہ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ آگ میں ہے۔ اس پر وہ دونوں اٹھے ان پر یہ بات گراں گزری پھر نبی ﷺ نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ میری ماں بھی تمھاری ماں کے ساتھ آگ میں ہے۔ ایک منافق بولا کہ جو نبی اپنی ماں کو آگ سے نہیں نکال سکا وہ بیٹوں کی ماں کو کیسے آگ سے نکال پائے گا۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کی اور وہ کثرت سے آپ ﷺ سے سوال کرتا تھا کہا یارسول اللہ ﷺ آپ کا باپ کہاں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مقام محمود پر فائز ہو کر اپنے ماں باپ کی بابت اللہ تعالیٰ سے جو بھی خیر مانگوں گا مجھے عطاء کی جائے گی۔

قارئین محترم! یہ تھا تفصیلی ریکارڈ سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کے اسباب نزول کا باقی تمام مفسرین نے بھی تھوڑے فرق کے ساتھ یہی اسباب نزول بیان کیے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر سے اقتباس

امام المفسرین ابوالفداء محمد بن اسماعیل المعروف ابن کثیر اپنی تفسیر ابن کثیر میں یوں رقم طراز ہیں:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (113) وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (114)

قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ
حضرت أبا طالب الْوَفَاةُ (1) دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ
فَقَالَ: "أَيْ عَمِّ، قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ". فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي
أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ، أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ قَالَ: فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ حَتَّى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ
عَلَى (2) مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. (3) فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ"
فَنَزَلَتْ: [مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ
أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ] قَالَ: وَنَزَلَتْ فِيهِ: [إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ] القَصَص: 56 أخرجاه.(4)

وَقَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ، وَهُمَا مُشْرِكَانِ، فَقُلْتُ: أَيَسْتَغْفِرُ الرجل لأبويه وهما مشركان؟
فقال: أو لم يَسْتَغْفِرْ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ؟ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَتْ: [مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ] إِلَى قَوْلِهِ: [فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ] قَالَ: "لَمَّا مَاتَ". فَلَا أَدْرِي
قَالَهُ سُفْيَانُ أَوْ قَالَهُ إِسْرَائِيلُ أَوْ هُوَ (5) فِي الْحَدِيثِ لَمَّا مَاتَ (6)

قُلْتُ هَذَا ثَابِتٌ عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا مَاتَ.

وَقَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا زُبَيْدُ بْنُ الْحَارِثِ الْيَامِيُّ (7) عَنْ مُحَارِبِ
بْنِ دِثَارٍ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَهُ قَرِيبٌ مِنْ
أَلْفِ رَاكِبٍ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ، فَقَامَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَفَدَاهُ
بِالْأَبِ وَالْأُمِّ، وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَكَ؟ قَالَ: "إِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي الِاسْتِغْفَارِ لِأُمِّي فَلَمْ يَأْذَنْ لِي
فَدَمَعَتْ عَيْنَايَ رَحْمَةً لَهَا مِنَ النَّارِ، وَإِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ: نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا
لِتُذَكِّرَكُمْ زِيَارَتُهَا خَيْرًا، وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِي بَعْدَ ثَلَاثٍ، فَكُلُوا وَأَمْسِكُوا مَا شِئْتُمْ، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ
الْأَشْرِبَةِ فِي الْأَوْعِيَةِ، فَاشْرَبُوا فِي أَيِّ وِعَاءٍ، وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا"

وَرَوَى ابْنُ جَرِيرٍ، مِنْ حَدِيثِ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى رَسْمَ قَبْرٍ، فَجَلَسَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ يُخَاطِبُ، ثُمَّ قَامَ مُسْتَعْبِرًا. فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا
رَأَيْنَا مَا صَنَعْتَ. قَالَ: "إِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّي، فَأَذِنَ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الِاسْتِغْفَارِ لَهَا فَلَمْ

بِأذن لي". فما رُئي باكيًا أكثر من يومئذٍ. (3)

وقال ابن أبي حاتم في تفسيره: حدّثنا أبي، حدّثنا خالد بن خداش، حدّثنا عبد الله بن وهب، عن ابن جريج عن أيوب بن هانئ، عن مسروق، عن عبد الله بن مسعود قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يومًا إلى المقابر، فاتّبعناه، فجاء حتى جلس إلى قبرٍ منها، فناجاه طويلًا ثم بكى فبكينا لبكائه ثم قام فقام إليه عمر بن الخطاب، فدعاه ثم دعانا، فقال: "ما أبكاكم؟" فقلنا: بكينا لبكائك. قال: "إنّ القبر الذي جلست عنده قبر آمنة، وإنّي استأذنت ربّي في زيارتها فأذن لي" (4) ثم أورده من وجهٍ آخر. ثم ذكر من حديث ابن مسعود قريبًا منه، وفيه: "وإنّي استأذنت ربّي في الدعاء لها فلم يأذن لي، وأنزل عليّ: {ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى} فأخذني ما يأخذ الولد للوالدة، وكنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، فإنها تذكّر الآخرة".

حديث آخر في معناه: قال الطبراني: حدّثنا محمد بن علي المروزي، حدّثنا أبو الدرداء عبد العزيز (6) بن منيب، حدّثنا إسحاق بن عبد الله بن كيسان، عن أبيه، عن عكرمة، عن ابن عباس، أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم لمّا أقبل من غزوة تبوك واعتمر، فلمّا هبط من ثنيّة عسفان أمر أصحابه: أن استندوا إلى العقبة حتى أرجع إليكم. فذهب فنزل على قبر أمّه، فناجى ربّه طويلًا ثم إنه بكى فاشتدّ بكاؤه، وبكى هؤلاء لبكائه، وقالوا: ما بكى نبيّ الله بهذا المكان إلا وقد أحدث في أمّته شيء لا تطيقه. فلمّا بكى هؤلاء قام فرجع إليهم، فقال: "ما يبكيكم؟". قالوا: يا نبيّ الله، بكينا لبكائك، فقلنا: لعلّه أحدث في أمّتك شيء لا تطيقه. قال: "لا، وقد كان بعضه، ولكن نزلت على قبر أمّي

فدعوت الله أن يأذن لي في شفاعتها يوم القيامة، فأبى الله أن يأذن لي، فرحمتها وهي أمّي، فبكيت، ثم جاءني جبريل فقال: {وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدةٍ وعدها إيّاه فلمّا تبيّن له أنه عدوّ لله تبرّأ منه} فتبرّأ أنت من أمّك، كما تبرّأ إبراهيم من أبيه، فرحمتها وهي أمّي، ودعوت ربّي أن يرفع عن أمّتي أربعًا فرفع عنهم اثنتين، وأبى أن يرفع عنهم اثنتين: دعوت ربّي أن يرفع عنهم الرجم من السماء والغرق من الأرض، وألا يلبسهم شيعًا، وألا يذيق بعضهم بأس بعض، فرفع الله عنهم الرجم من السماء، والغرق من الأرض، وأبى الله أن يرفع عنهم القتل والهرج". وإنما عدل إلى قبر أمّه لأنها كانت مدفونة تحت كداء (1) وكانت عسفان لهم. (2)

وَهَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَسِيَاقٌ عَجِيبٌ، وَأَغْرَبُ مِنْهُ وَأَشَدُّ نَكَارَةً مَا رَوَاهُ الْخَطِيبُ الْبَغْدَادِيُّ فِي كِتَابِ "السَّابِقِ وَاللَّاحِقِ" بِسَنَدٍ مَجْهُولٍ عَنْ عَائِشَةَ فِي حَدِيثٍ فِيهِ قِصَّةٌ أَنَّ اللهَ أَحْيَا أُمَّهُ فَآمَنَتْ ثُمَّ عَادَتْ.(3) وَكَذَلِكَ مَا رَوَاهُ السُّهَيْلِيُّ فِي "الرَّوْضِ" بِسَنَدٍ فِيهِ جَمَاعَةٌ مَجْهُولُونَ: أَنَّ اللهَ أَحْيَا لَهُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ (4) فَآمَنَا بِهِ. وَقَدْ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ دِحْيَةَ: «هَذَا الْحَدِيثُ مَوْضُوعٌ يَرُدُّهُ الْقُرْآنُ وَالْإِجْمَاعُ. قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ [النِّسَاءِ: 18]. وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْقُرْطُبِيُّ: إِنَّ مُقْتَضَى هَذَا الْحَدِيثِ... وَرَدَّ عَلَى ابْنِ دِحْيَةَ [(6) فِي هَذَا الِاسْتِدْلَالِ] بِمَا حَاصِلُهُ: أَنَّ هَذِهِ حَيَاةٌ جَدِيدَةٌ. كَمَا رَجَعَتِ الشَّمْسُ بَعْدَ غَيْبُوبَتِهَا فَصَلَّى عَلِيٌّ الْعَصْرَ. قَالَ الطَّحَاوِيُّ: وَهُوَ [حَدِيثٌ] (7) ثَابِتٌ، يَعْنِي: حَدِيثَ الشَّمْسِ.

قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: فَلَيْسَ إِحْيَاؤُهُمَا يَمْتَنِعُ عَقْلًا وَلَا شَرْعًا. قَالَ: وَقَدْ سَمِعْتُ أَنَّ اللهَ أَحْيَا عَمَّهُ أَبَا طَالِبٍ فَآمَنَ بِهِ.

(1) في ت، أ: "كذا و كذا". وفي ك: "كذا و كذا".

(2) المعجم الكبير (374/11).

(3) ساقه القرطبي في: التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة (ص 16) وقال: خرجه أبو بكر أحمد بن علي الخطيب في كتاب السابق واللاحق، وأبو حفص عمر بن شاهين في الناسخ والمنسوخ ولا يصح الحديث لمخالفته ما في صحيح مسلم برقم (976) من حديث أبي هريرة قال: زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله. فقال: "استأذنت ربي في أن أستغفر لها فلم يأذن لي، واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت" ولضعف إسناده.

(4) في ت: "وآمنة".

(6) زيادة من ت، ك، أ.

(7) زيادة من ت، ك، أ.

(8) التذكرة (ص 17). وما ذكره القرطبي لا يصح، أما إحياؤهما وإيمانهما فلا يمتنع عقلا، وأما شرعا فقد جاء في صحيح مسلم من حديث أنس: أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أين أبي؟ قال: "في النار" فلما قفا دعاه وقال: "إن أبي وأباك في النار" ومنع النبي صلى الله عليه وسلم من الاستغفار لأمه، وهذا المنع متأخر بخلاف من قال بأن ما جاء في أنهما - أي أبواه صلى الله عليه وسلم - في النار منسوخ بحديث عائشة الذي رواه الخطيب، فإن دعوى النسخ غير قائمة ولا تعتمد على أصل، وأما قول القرطبي بأنه سمع

ان الله أحيا عمه أبا طالب... إلخ. فهذا أبعد عن الصحة، فإن في الصحيح من حديث أبي سَعِيدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلم شفع له عند الله فهو في النار يجعل ضحاح من نار تحت قدميه يغلى منها دماغه. وفي صحيح مسلم مرفوعا: "أهون أهل النار عذابا أبو طالب" فمن يكون في النار كيف يقال: إنه آمن في قبره قُلْتُ: وَهَذَا كُلُّهُ مُتَوَقِّفٌ عَلَى صِحَّةِ الْحَدِيثِ. فَإِذَا صَحَّ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ (1) وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

وَقَالَ الْعَوْفِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} الْآيَةَ. فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِأُمِّهِ. فَنَهَاهُ اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ (2) فَقَالَ: "فَإِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ اللَّهِ اسْتَغْفَرَ لِأَبِيهِ". فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ} (3) الْآيَةَ.

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي هَذِهِ الْآيَةِ: كَانُوا يستغفرون لَهُمْ، حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ. فَلَمَّا نَزَلَتْ (4) أَمْسَكُوا عَنِ الِاسْتِغْفَارِ لِأَمْوَاتِهِمْ، وَلَمْ يَنْهَهُمْ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْأَحْيَاءِ حَتَّى يَمُوتُوا (5) ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ} الْآيَةَ.

وَقَالَ قَتَادَةُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: ذُكِرَ لَنَا أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّ مِنْ آبَائِنَا مَنْ كَانَ يُحْسِنُ الْجِوَارَ، وَيَصِلُ الْأَرْحَامَ، وَيَفُكُّ الْعَانِيَ، وَيُوفِي بِالذِّمَمِ، أَفَلَا نَسْتَغْفِرُ لَهُمْ؟ قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بَلَى، وَاللَّهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ لِأَبِي كَمَا اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ". فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} حَتَّى بَلَغَ: {الْجَحِيمِ} ثُمَّ عَذَرَ اللَّهُ تَعَالَى إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ} قَالَ: وَذُكِرَ لَنَا أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ: "أَوْحَى إِلَيَّ كَلِمَاتٍ، قَدْ دَخَلْنَ فِي أُذُنِي وَوَقَرْنَ فِي قَلْبِي: أُمِرْتُ أَلَّا أستغفر لِمَنْ مَاتَ مُشْرِكًا، وَمَنْ أَعْطَى فَضْلَ مَالِهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ، وَمَنْ أَمْسَكَ فَهُوَ شَرٌّ لَهُ، وَلَا يَلُومُ اللَّهُ عَلَى كَفَافٍ".

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: مَاتَ رَجُلٌ يَهُودِيٌّ وَلَهُ ابْنٌ (6) مُسْلِمٌ، فَلَمْ يَخْرُجْ مَعَهُ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: فَكَانَ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ وَيَدْفِنَهُ، وَيَدْعُوَ لَهُ بِالصَّلَاحِ مَا دَامَ حَيًّا، فَإِذَا مَاتَ وَكَلَهُ إِلَى شَأْنِهِ ثُمَّ قَالَ: {وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ} لَمْ يَدْعُ.

قُلْتُ (7) وَهَذَا يَشْهَدُ لَهُ بِالصِّحَّةِ مَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَغَيْرُهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: لَمَّا مَاتَ أَبُو طَالِبٍ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ، قَالَ: "اذْهَبْ فَوَارِهِ وَلَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي".

وَذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيثِ. (8)

وَيُرْوَى أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَّتْ بِهِ جِنَازَةُ عَمِّهِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: "وَصَلَتْكَ رَحِمٌ يَا عَمِّ" (9)

(1) وقد رأيت أن ذلك لا يصح. والله أعلم.

(2) في ت. أ: "عنه".

(3) في ت: "إياها".

(4) في أ: "أنزلت".

(5) زيادة من ت. ك. أ.

(6) في ك: "ولد".

(7) زيادة من أ.

(8) سنن أبي داود برقم (3214).

(9) ورواه ابن عدي في الكامل (260/1) من طريق الفضل بن موسى، عن إبراهيم بن عبد الرحمن -وهو ضعيف- عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مرفوعا ولفظه: "وصلتك رحم وجزيت خيرا يا عم" وإبراهيم بن عبد الرحمن قال ابن عدي: "أحاديثه عن كل من روى ليست بمستقيمة" ثم قال: "وعامة أحاديثه غير محفوظة".

وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ: مَا كُنْتُ لِأَدَعَ الصَّلَاةَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ، وَلَوْ كَانَتْ حَبَشِيَّةً حُبْلَى مِنَ الزِّنَا، لِأَنِّي لَمْ أَسْمَعِ اللهَ تَحْجُبُ الصَّلَاةَ إِلَّا عَلَى الْمُشْرِكِينَ، يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾.

وَرَوَى ابْنُ جَرِيرٍ، عَنِ ابْنِ وَكِيعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عِصْمَةَ بْنِ زَامِلٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: رَحِمَ اللهُ رَجُلًا اسْتَغْفَرَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ وَلِأُمِّهِ. قُلْتُ: وَلِأَبِيهِ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: إِنَّ أَبِي مَاتَ مُشْرِكًا. (1)

وَقَوْلُهُ: ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا زَالَ إِبْرَاهِيمُ يَسْتَغْفِرُ لِأَبِيهِ حَتَّى مَاتَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ. وَفِي رِوَايَةٍ: لَمَّا مَاتَ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ.

وَكَذَا قَالَ مُجَاهِدٌ، وَالضَّحَّاكُ، وَقَتَادَةُ، وَغَيْرُهُمْ. رَحِمَهُمُ اللهُ.

وَقَالَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: إِنَّهُ يَتَبَرَّأُ مِنْهُ [فِي] (2) يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَلْقَى أَبَاهُ، وَعَلَى وَجْهِ أَبِيهِ الْغَبَرَةُ وَالْقَتَرَةُ فَيَقُولُ: يَا إِبْرَاهِيمُ، إِنِّي كُنْتُ أَعْصِيكَ وَإِنِّي الْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ. فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ، أَلَمْ تَعِدْنِي أَلَّا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ؟ فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ؟ فَيُقَالُ: انْظُرْ إِلَى مَا وَرَاءَكَ. فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُتَلَطِّخٍ، أَيْ: قَدْ مُسِخَ ضِبْعَانًا، ثُمَّ يُسْحَبُ بِقَوَائِمِهِ، وَيُلْقَى فِي النَّارِ.

وَقَوْلُهُ: [إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ] قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ: الْأَوَّاهُ: الدَّعَّاءُ. وَكَذَا رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ.

وَقَالَ ابْنُ جَرِيرٍ: حَدَّثَنِي الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَهْرَامَ، حَدَّثَنَا شَهْرُ بْنُ حَوْشَبٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الْأَوَّاهُ؟ قَالَ: "الْمُتَضَرِّعُ". قَالَ: [إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ] (3)

وَرَوَاهُ(4) ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ بَهْرَامَ، بِهِ. قَالَ: الْمُتَضَرِّعُ: الدَّعَّاءُ.

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ أَبِي الْعُبَيْدَيْنِ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ مَسْعُودٍ عَنِ الْأَوَّاهِ فَقَالَ: هُوَ الرَّحِيمُ.

وَبِهِ قَالَ مُجَاهِدٌ، وَأَبُو مَيْسَرَةَ عَمْرُو بْنُ شُرَحْبِيلَ، وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ، وَقَتَادَةُ: أَنَّهُ الرَّحِيمُ، أَيْ: بِعِبَادِ اللَّهِ.

(1) تفسير الطبرى (517/14).

(2) زيادة من ت، ك، أ.

(3) تفسير الطبرى (531/14).

(4) فى ت، أ: "وروى"

خلاصہ تفسیر

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تقریباً 9 شان نزول سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کے بیان کیے ہیں۔ جن کو مجموعی طور پر تفسیر در منثور کے خلاصہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس میں صرف ایک روایت اضافی ہے وہ صحیح مسلم کی روایت حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے ہے۔ مضمون اس کا بھی وہی ہے۔ اب اس اعتبار سے حضور ﷺ کی والدہ کریمہ کے ضمن میں (۴) مختلف راویوں سے روایات موجود ہیں۔ لیکن ہر روایت کا جائے وقوعہ مختلف ہے۔

نمبر(۱) مثلاً حضرت ابوہریرہ کی روایت کے متنِ حدیث میں ابواء کا مقام متعین نہیں اور نہ ہی کسی اور مقام کا تعین ہے۔

نمبر(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں عُسفان کے مقام کا تعین کیا گیا ہے۔

نمبر(۳) حضرت بریدہ اسلمی کی روایت کا بھی اختلاف کے ساتھ الفاظ روایت عسفان ہی کا تعین کیا گیا ہے۔

نمبر(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق کوئی مقابرہ (قبرستان)

جس کا تعین شرف المصطفیٰ والوں نے مقام حجون جو مکہ میں ہے کو قرار دیا ہے۔ قرینہ یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے ایام ہے اور مکہ ہی میں یہ مقام ہے۔

ہے جو کسی شہر یا قریہ کی طرف منسوب نہیں نہ جانے کونسا ہے صرف اتنا اندازہ ہے کہ فتح مکہ کے دوران ہی یہ وقوعہ ہوا، ہو سکتا ہے کہ مکہ یا مضافات مکہ کا کوئی قبرستان ہوتا ہم صاحب تفسیر نے کسی خاص سبب نزول کو ترجیح نہیں دی باقی تفصیلات آگے میں ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر فتح القدیر سے اقتباس

دنیا تفسیر کا مسلم مفسر قاضی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں یوں رقم طراز ہیں:

"[سورة التوبة (9): الآيات 113 الى 114]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (113) وَما كانَ اسْتِغْفارُ إِبْراهِيمَ لِأَبِيهِ إِلاَّ عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَها إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْراهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (114)

لما بيّن سبحانه في أوّل السّورة وما بعده: أنّ البراءة من المشركين والمنافقين واجبة، بيّن سبحانه هنا ما يزيد ذلك تأكيدا، وصرّح بأنّ ذلك متحتّم، ولو كانوا أولي قربى، وأنّ القرابة في مثل هذا الحكم لا تأثير لها. وقد ذكر أهل التفسير: أنّ ما كان في القرآن يأتي على وجهين: الأوّل: على النّفي نحو: ما كان لنفس أن تموت إلّا بإذن الله «1». والآخر: على معنى النّهي، نحو: ما كان لكم أن تؤذوا رسول الله «2» وما كان للنّبيّ والّذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين وهذه الآية متضمّنة لقطع الموالاة للكفّار، وتحريم الاستغفار لهم، والدّعاء بما لا يجوز لمن كان كافرا. ولا ينافي هذا ما ثبت عنه صلّى الله عليه وسلّم في الصّحيح أنّه قال يوم أحد حين كسر المشركون رباعيته وشجّوا وجهه: «اللهمّ اغفر لقومي فإنّهم لا

يعلمون». لِأَنَّهُ يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَهُ تَحْرِيمُ الِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِينَ، وَعَلَى فَرْضِ أَنَّهُ قَدْ كَانَ بَلَغَهُ كَمَا يُفِيدُهُ سَبَبُ النُّزُولِ، فَإِنَّهُ قَبْلَ يَوْمِ أُحُدٍ بِمُدَّةٍ طَوِيلَةٍ، وَسَيَأْتِي. فَصُدُورُ هَذَا الِاسْتِغْفَارِ مِنْهُ لِقَوْمِهِ إِنَّمَا كَانَ عَلَى سَبِيلِ الْحِكَايَةِ عَمَّنْ تَقَدَّمَهُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ. كَمَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وَسَلَّمَ يَحْكِي نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ وَيَقُولُ: «رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ». وَفِي الْبُخَارِيِّ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وَسَلَّمَ ذَكَرَ نَبِيًّا قَبْلَهُ شَجَّهُ قَوْمُهُ فَجَعَلَ النبي صلى الله عليه وَسَلَّمَ يُخْبِرُ عَنْهُ بِأَنَّهُ قَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ». قَوْلُهُ: مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحابُ الْجَحِيمِ هَذِهِ الْجُمْلَةُ تَتَضَمَّنُ التَّعْلِيلَ لِلنَّهْيِ عَنِ الِاسْتِغْفَارِ. وَالْمَعْنَى أَنَّ هَذَا التَّبَيُّنَ مُوجِبٌ لِقَطْعِ الْمُوَالَاةِ لِمَنْ كَانَ هَكَذَا، وَعَدَمِ الِاعْتِدَادِ بِالْقَرَابَةِ لِأَنَّهُمْ مَاتُوا عَلَى الشِّرْكِ، وَقَدْ قَالَ سُبْحَانَهُ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ »3« فَطَلَبُ الْمَغْفِرَةِ لَهُمْ فِي حُكْمِ الْمُخَالَفَةِ لِوَعْدِ اللَّهِ وَوَعِيدِهِ. قَوْلُهُ: وَما كانَ اسْتِغْفارُ إِبْراهِيمَ لِأَبِيهِ الْآيَةَ: ذَكَرَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ السَّبَبَ فِي اسْتِغْفَارِ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ لِأَجْلِ وَعْدٍ تَقَدَّمَ مِنْ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ بِالِاسْتِغْفَارِ لَهُ، وَلَكِنَّهُ تَرَكَ ذَلِكَ وَتَبَرَّأَ مِنْهُ لَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ، وَأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحِقٍّ لِلِاسْتِغْفَارِ. وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ إِنَّمَا وَعَدَهُ قَبْلَ أَنْ يَتَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَمِنْ أَعْدَاءِ اللَّهِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى السُّؤَالِ الَّذِي يُورِدُهُ كَثِيرٌ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ: أَنَّهُ كَيْفَ خَفِيَ ذَلِكَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ تَحْرِيمُ الِاسْتِغْفَارِ لِمَنْ أَصَرَّ عَلَى الْكُفْرِ وَمَاتَ عَلَيْهِ، وَهُوَ لَمْ يَعْلَمْ ذَلِكَ إِلَّا بِإِخْبَارِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ لَهُ بِأَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ، فَإِنَّ ثُبُوتَ هَذِهِ الْعَدَاوَةِ تَدُلُّ عَلَى الْكُفْرِ، وَكَذَلِكَ لَمْ يَعْلَمْ نبينا صلى الله عليه وَسَلَّمَ بِتَحْرِيمِ ذَلِكَ إِلَّا بَعْدَ أَنْ أَخْبَرَهُ اللَّهُ بِهَذِهِ الْآيَةِ، وَهَذَا حُكْمٌ إِنَّمَا يَثْبُتُ بِالسَّمْعِ لَا بِالْعَقْلِ. وَقِيلَ: الْمُرَادُ مِنِ اسْتِغْفَارِ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ: دُعَاؤُهُ إِلَى الْإِسْلَامِ. وَهُوَ ضَعِيفٌ جِدًّا. وَقِيلَ: الْمُرَادُ بِالِاسْتِغْفَارِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: النَّهْيُ عَنِ الصَّلَاةِ عَلَى جَنَائِزِ الْكُفَّارِ، فَهُوَ كَقَوْلِهِ: وَلا تُصَلِّ عَلى أَحَدٍ مِنْهُمْ ماتَ أَبَداً »4« وَلَا حَاجَةَ إِلَى تَفْسِيرِ الِاسْتِغْفَارِ بِالصَّلَاةِ وَلَا مُلْجِئَ إِلَى ذَلِكَ. ثُمَّ خَتَمَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ هَذِهِ الْآيَةَ بِالثَّنَاءِ الْعَظِيمِ عَلَى إِبْرَاهِيمَ. فَقَالَ: إِنَّ إِبْراهِيمَ لَأَوَّاهٌ وَهُوَ كَثِيرُ التَّأَوُّهِ، كَمَا تَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ صِيغَةُ الْمُبَالَغَةِ.

وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي مَعْنَى الْأَوَّاهِ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ: إِنَّهُ الَّذِي يُكْثِرُ الدُّعَاءَ. وَقَالَ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ: إِنَّهُ الرَّحِيمُ بِعِبَادِ اللَّهِ. وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ الْمُؤْمِنُ بِلُغَةِ الْحَبَشَةِ. وَقَالَ الْكَلْبِيُّ: إِنَّهُ

الَّذِي يَذْكُرُ اللهَ فِي الْأَرْضِ الْقَفْرِ. وَرُوِيَ مِثْلُهُ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ. وَقِيلَ: الَّذِي يُكْثِرُ الذِّكْرَ لِلَّهِ مِنْ غَيْرِ تَقْيِيدٍ. رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ. وَقِيلَ: هُوَ الَّذِي يُكْثِرُ التِّلَاوَةَ. حُكِيَ ذَلِكَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. وَقِيلَ: إِنَّهُ الْفَقِيهُ قَالَهُ مُجَاهِدٌ وَالنَّخَعِيُّ. وَقِيلَ: الْمُتَضَرِّعُ الْخَاضِعُ. رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ. وَقِيلَ: هُوَ الَّذِي إِذَا ذَكَرَ خَطَايَاهُ اسْتَغْفَرَ لَهَا. رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ. وَقِيلَ: هُوَ الشَّفِيقُ. قاله عبد العزيز بن يحيى.

وقيل: إِنَّهُ الْمُعَلِّمُ لِلْخَيْرِ. وَقِيلَ: إِنَّهُ الرَّاجِعُ عَنْ كُلِّ مَا يَكْرَهُهُ اللهُ. قَالَهُ عَطَاءٌ. وَالْمُطَابِقُ لِمَعْنَى الْأَوَّاهِ لُغَةً أَنْ يُقَالَ: إِنَّهُ الَّذِي يُكْثِرُ التَّأَوُّهَ مِنْ ذُنُوبِهِ. فَيَقُولُ مَثَلًا: آهٍ مِنْ ذُنُوبِي. آهٍ مِمَّا أُعَاقَبُ بِهِ بِسَبَبِهَا. وَنَحْوُ ذَلِكَ. وَبِهِ قَالَ الْفَرَّاءُ. وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ. وَمَعْنَى التَّأَوُّهِ: هُوَ أَنْ يُسْمَعَ لِلصَّدْرِ صَوْتٌ مِنْ تَنَفُّسِ الصُّعَدَاءِ. قَالَ فِي الصِّحَاحِ: وَقَدْ أَوَّهَ الرَّجُلُ تَأْوِيهًا. وَتَأَوَّهَ تَأَوُّهًا إِذَا قَالَ أَوْهِ. وَالِاسْمُ مِنْهُ: آهَةٌ بِالْمَدِّ. قَالَ:

إِذَا مَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ... تأوّه آهة الرّجل الحزين

والحليم الْكَثِيرُ الْحِلْمِ كَمَا تُفِيدُهُ صِيغَةُ الْمُبَالَغَةِ. وَهُوَ: الَّذِي يَصْفَحُ عَنِ الذُّنُوبِ. وَيَصْبِرُ عَلَى الْأَذَى. وَقِيلَ: الَّذِي لَا يُعَاقِبُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا لله.

وَقَدْ أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَغَيْرُهُمَا عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا حَضَرَتِ الْوَفَاةُ أَبَا طَالِبٍ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلّم وعنده أبو جهل وعبد بْنُ أُمَيَّةَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيْ عَمِّ! قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا الله أحاج بِهَا عِنْدَ اللَّهِ. فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ: أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؛ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ. وَأَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ يُعَانِدَانِهِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ. فَقَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ: هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فقال النبي صلّى الله عليه وسلّم: «لأستغفر لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ». فَنَزَلَتْ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الْآيَةَ. وَأَنْزَلَ اللهُ فِي أَبِي طَالِبٍ: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ» 1 «. وأخرج ابن أبي شيبة وأحمد وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَأَبُو يَعْلَى وَابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَأَبُو الشَّيْخِ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ. وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ. وَالضِّيَاءُ فِي الْمُخْتَارَةِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ:

سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ. فَقُلْتُ: تَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْكَ وَهُمَا مشركان؛ فقال: أولم يَسْتَغْفِرْ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ؛ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الْآيَةَ. وَأَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ وَابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: أخبرت النبي صلّى الله عليه وَسَلَّمَ بِمَوْتِ أَبِي طَالِبٍ. فَبَكَى. فَقَالَ: اذْهَبْ فَغَسِّلْهُ

وَكَفْنِهِ وَوَارِهِ غَفَرَ اللهُ لَهُ وَرَحِمَهُ فَفَعَلْتُ. وَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ أَيَّامًا وَلا يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ حَتَّى نَزَلَ عَلَيْهِ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الآيَةَ. وَقَدْ رُوِيَ كَوْنُ سَبَبِ نُزُولِ الآيَةِ استغفار النبي صلى الله عليه وَسَلَّمَ لِأَبِي طَالِبٍ مِنْ طُرُقٍ كَثِيرَةٍ مِنْهَا: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ عِنْدَ ابْنِ أَبِي حَاتِمٍ وَأَبِي الشَّيْخِ وَهُوَ مُرْسَلٌ. وَمِنْهَا: عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عِنْدَ ابْنِ جَرِيرٍ وَهُوَ مُرْسَلٌ أَيْضًا. وَمِنْهَا: عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عِنْدَ ابْنِ جَرِيرٍ وَهُوَ مُرْسَلٌ أَيْضًا. وَمِنْهَا: عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ عِنْدَ ابْنِ سَعْدٍ وَأَبِي الشَّيْخِ وَابْنِ عَسَاكِرَ. وَمِنْهَا عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عِنْدَ ابْنِ عَسَاكِرَ وَهُوَ مُرْسَلٌ.

وَرُوِيَ أَنَّهَا نَزَلَتْ بِسَبَبِ زيارة النبي صلى الله عليه وَسَلَّمَ لِقَبْرِ أُمِّهِ. وَاسْتِغْفَارِهِ لَهَا. مِنْ طَرِيقِ ابْنِ عَبَّاسٍ عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ وَابْنِ مَرْدَوَيْهِ وَمِنْ طَرِيقِ ابْنِ مَسْعُودٍ عِنْدَ ابْنِ أَبِي حَاتِمٍ وَالْحَاكِمِ وَابْنِ مَرْدَوَيْهِ وَالْبَيْهَقِيِّ فِي الدَّلَائِلِ وَعَنْ بريدة عند ابْنِ مَرْدَوَيْهِ. وَمَا فِي الصَّحِيحَيْنِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِمَا عَلَى فَرْضِ أَنَّهُ صَحِيحٌ. فَكَيْفَ وَهُوَ ضَعِيفٌ غَالِبًا؟

وَأَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ إِلَى قَوْلِهِ: كما رَبَّيَانِي صَغِيراً »1« قَالَ: ثُمَّ اسْتَثْنَى فَقَالَ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ إِلَى قَوْلِهِ: إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ. وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ قَتَادَةَ فِي قَوْلِهِ: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ قَالَ: تَبَيَّنَ لَهُ حِينَ مَاتَ وَعَلِمَ أَنَّ التَّوْبَةَ قَدِ انْقَطَعَتْ مِنْهُ. وَأَخْرَجَ الْفِرْيَابِيُّ وَابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَأَبُو الشَّيْخِ. وَأَبُو بَكْرٍ الشَّافِعِيُّ فِي فَوَائِدِهِ وَالضِّيَاءُ فِي الْمُخْتَارَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمْ يَزَلْ إِبْرَاهِيمُ يَسْتَغْفِرُ لِأَبِيهِ حَتَّى مَاتَ. فَلَمَّا مَاتَ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لله فَتَبَرَّأَ مِنْهُ. وَأَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالذِّكْرِ. فَقَالَ رَجُلٌ: لَوْ أَنَّ هَذَا خفض صَوْتَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «دَعْهُ فَإِنَّهُ أَوَّاهٌ». وَأَخْرَجَ الطَّبَرَانِيُّ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ يُقَالُ لَهُ ذُو النِّجَادَيْنِ: «إِنَّهُ أَوَّاهٌ». وَذَلِكَ أَنَّهُ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَ اللهِ بِالْقُرْآنِ وَالدُّعَاءِ. وَأَخْرَجَهُ أَيْضًا أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ لَهِيعَةَ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ فَذَكَرَهُ. وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَأَبُو الشَّيْخِ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْأَوَّاهُ؟ قال: «الخاشع المتضرع بالدعاء». وَهَذَا إِنْ ثَبَتَ وَجَبَ الْمَصِيرُ إِلَيْهِ وَتَقْدِيمُهُ عَلَى مَا ذَكَرَهُ أَهْلُ اللُّغَةِ فِي مَعْنَى الْأَوَّاهِ وَإِسْنَادُهُ عِنْدَ ابْنِ جَرِيرٍ هَكَذَا: حَدَّثَنِي الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي الْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَهْرَامٍ.

حَدَّثَنَا شَهْرُ بْنُ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ فَذَكَرَهُ. وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ قَالَ: كَانَ مِنْ حِلْمِهِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَذَاهُ الرَّجُلُ من قومه قال له: هداك الله"

خلاصہ تفسیر

امام المفسرین قاضی شوکانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حسب روایت چار روایات کو بطور خاص ذکر کیا ہے۔

(۱) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم والی روایت جو انھوں نے ایک مسلمان کو اپنے مشرک ماں باپ کے لیے دعا مغفرت مانگے دیکھا جا کر نبی پاک ﷺ کو عرض کی

(۳) اور دوسری اپنے والد گرامی کی فوتیدگی کی اطلاع جو نبی پاک ﷺ کو دی۔

(۴) چوتھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت جو حضور اکرم ﷺ کی والدہ کریمہ کے بارے میں تھی جس کا جائے وقوعہ عسفان بیان کیا ہے۔

(۵) پانچویں حضرت عبداللہ بن مسعود والی روایت یہ اسی بابت تھی مگر اس کا جائے وقوعہ کوئی مقابرہ ہے اور مکہ میں ہی کوئی قبرستان ہے۔

(۶) چھٹی حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ والی روایت جس کا مقام روایت عسفان بیان کیا گیا ہے۔ مگر یہ بھی کہا ہے کہ یہ روایات شدید ضعیف ہیں۔

خاص بات: صاحب تفسیر ہذا نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت مختلف طرق سے وارد ہونے والی روایات کو صحت روایت سے عاری سمجھا۔ اس لیے ان کی بابت حکم لگا دیا کہ یہ روایات مرسل ہیں خواہ محمد بن کعب کے حوالے سے ہو خواہ عمرو بن دینار کے حوالے سے ہو یا سعید بن مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہو۔ انھوں نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے۔

نوٹ:۔ مسکین تو شروع سے ہی کہہ رہا ہے کہ یہ روایت روایت ہی نہیں بلکہ خاندانِ نبوت کے تقدس پر ایک ضرب کاری ہے۔ جو بدترین جرم ہے اور بھی بہت سارے اہل علم نے اسے مرسل قرار دیا ہے مگر مسکین کے نزدیک تو یہ مرسل ہی نہیں بلکہ یہ ڈرامائی فراڈ ہے اور بیہودہ سازشی من گھڑت الزام ہے۔ اس کی کوئی دینی علمی حقیقت نہ ہے۔

تفسیر خازن سے اقتباس

امام خازن اپنی تفسیر خازن میں یوں وضاحت فرماتے ہیں:

"قوله عز وجل: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى الآية واختلف أهل التفسير في سبب نزول هذه الآية فقال قوم: نزلت في شأن أبي طالب عم النبي صلى الله عليه وسلم والد علي وذلك أن النبي صلى الله عليه وسلم أراد أن يستغفر له بعد موته فنهاه الله عن ذلك ويدل على ذلك ما روي عن سعيد بن المسيب عن أبيه المسيب بن حزن «قال لما حضرت أبا طالب الوفاة جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد عنده أبا جهل وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة فقال أي عم قل لا إله إلا الله كلمة أحاج لك بها عند الله فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة: أترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه ويعودان لتلك المقالة حتى قالوا: أبو طالب آخر ما كلمهم أنا على ملة عبد المطلب وأبى أن يقول لا إله إلا الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والله لأستغفرن لك ما لم أنه عنك فأنزل الله تعالى ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى وأنزل الله في أبي طالب «إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء» أخرجاه في الصحيحين.

فإن قلت قد استبعد بعض العلماء نزول هذه الآية في شأن أبي طالب وذلك أن وفاته كانت بمكة أول الإسلام ونزول هذه السورة بالمدينة وهي من آخر القرآن نزولا.

"قلت الذي نزل في أبي طالب قوله تعالى إنك لا تهدي من أحببت فقال النبي صلى الله عليه وسلم لأستغفرن لك ما لم أنه عنك» كما في الحديث فيحتمل أنه صلى الله عليه وسلم كان يستغفر له في بعض الأوقات إلى أن نزلت هذه الآية فمنع من الاستغفار والله أعلم بمراده وأسرار كتابه (م).

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمه عند الموت: «قل لا إله إلا الله أشهد لك بها يوم القيامة فأبى فأنزل الله إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء» الآية وفي رواية قال: «لولا تعيرني قريش يقولون إنما حمله على ذلك الجزع لأقررت بها عينك فأنزل الله» الآية» (ق).

"عن أبي سعيد الخدري أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر عنده عمه طالب فقال «لعله

تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من نار يبلغ كعبيه تغلي منه أم دماغه» وفي رواية
«يغلي منه دماغه من حرارة نعليه» (ق) عن العباس بن عبد المطلب عم رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال: «قلت يا رسول الله ما أغنيت عن عمك فإنه كان يحوطك ويغضب لك قال: هو في ضحضاح
من نار ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار» وفي رواية قال قلت يا رسول الله إن عمك أبا طالب كان
يحوطك وينصرك فهل ينفعه ذلك قال «نعم وجدته في غمرات من نار فأخرجته إلى ضحضاح» وقال أبو
هريرة وبريدة «لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم مكة أتى قبر أمه آمنة فوقف حتى حميت الشمس رجاء
أن يؤذن له فيستغفر لها فنزلت ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين» الآية وروى
الطبري بسنده عن بريدة: «أن النبي صلى الله عليه وسلم لما قدم مكة أتى رسم قال وأكثر ظني أنه قال
قبر أمه فجلس إليه فجعل يخاطب ثم قام مستعبرا فقلنا: يا رسول الله إنا رأينا ما صنعت قال إني
استأذنت ربي في زيارة قبر أمي فأذن لي واستأذنته في الاستغفار لها فلم يؤذن لي فما رؤي باكيا أكثر من
يومئذ».

وحكى ابن الجوزي «عن بريدة قال إن النبي صلى الله عليه وسلم مر بقبر أمه فتوضأ وصلى ركعتين ثم
بكى فبكى الناس لبكائه ثم انصرف إليهم فقالوا: ما أبكاك، قال: مررت بقبر أمي فصليت ركعتين ثم
استأذنت ربي أن أستغفر لها فنهيت فبكيت ثم عدت فصليت ركعتين فاستأذنت ربي أن أستغفر لها
فزجرت زجرا فأبكاني ثم دعا براحلته فركبها فما سار إلا هنيهة حتى قامت الناقة لثقل الوحي فنزلت ما
كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى» الآية

«عن أبي هريرة قال زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال استأذنت ربي في أن
أستغفر لها فلم يؤذن لي واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي فزوروا القبور فإنها تذكركم الموت»
وقال قتادة قال النبي صلى الله عليه وسلم: «لأستغفرن لأبي كما استغفر إبراهيم لأبيه» فأنزل الله
هذه الآية

وروى الطبري بسنده عنه قال: «ذكر لنا أن رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا يا
نبي الله إن من آبائنا من كان يحسن الجوار ويصل الأرحام ويفك العاني ويوفي بالذمم أفلا نستغفر لهم
فقال النبي صلى الله عليه وسلم بلى والله لأستغفرن لأبي كما استغفر إبراهيم لأبيه فأنزل الله عز وجل

ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين» الآية ثم عذر الله إبراهيم فقال تعالى وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه الآية عن علي بن أبي طالب قال: سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان فقلت له أتستغفر لأبويك وهما مشركان فقال: استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فنزلت: ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية أخرجه النسائي والترمذي، وقال: حديث حسن وأخرجه الطبري، وقال فيه: فأنزل الله عز وجل وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه الآية ومعنى الآية ما كان ينبغي للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين وليس لهم ذلك لأن الله سبحانه وتعالى لا يغفر للمشركين ولا يجوز أن يطلب منه ما لا يفعله ففيه النهي عن الاستغفار للمشركين ولو كانوا أولي قربى لأن النهي عن الاستغفار للمشركين عام فيستوي فيه القريب والبعيد ثم ذكر عز وجل سبب المنع فقال تعالى: مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحابُ الْجَحِيمِ يعني تبين لهم أنهم ماتوا على الشرك فهم من أصحاب الجحيم وأيضا فقد قال تبارك وتعالى إن الله لا يغفر أن يشرك به والله تعالى لا يخلف وعده أما قوله سبحانه وتعالى:"

خلاصہ تفسیر

امام خازن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اہل علم کے اختلاف کو مانا ہے جہاں اختلاف ہو وہاں توسع ہوتی ہے۔ اور دلیل کے کوئی جانب راجح نہیں ہوتی انھوں نے مزید (12) بارہ سالہ دورانیہ کی وضاحت میں ایک دلیل دی ہے لیکن ساتویں احتمال کا اظہار بھی حدیث کے حوالے سے فرمایا ہے اور احتمال میں بھی شک یقینی ہے۔ لہٰذا مشکوک دلیلوں سے الزام ثابت نہیں ہوتا۔ (مسکین فریدی)

تاہم انھوں نے ضحضاح (پتلی آگ) والی روایات کو ضمناً بیان فرمایا ہے اس بارے میں مسکین کئی بار عرض کر چکا ہے کہ ضحضاح والی تمام روایات محل نظر بھی ہیں اور بے محل بھی ہیں۔ محل نظر اس لیے کہ ان کا ثبوت یقینی نہیں ظنی ہے ایک روایت میں اموی راوی ہے جو خاندان نبوت کی بابت نہایت متعصب ہے دوسری روایت میں ابوہریرہ کا ذاتی قول ہے جو الزام پر مبنی ہے جو کسی طرح قابل قبول نہ ہے۔

بے محل اس لیے ہیں کہ ضحضاح کا اصل باعث کلمہ نہ پڑھنے والی روایت ہے۔ اور وہ سرے سے ہی بے ہودہ ہے جب وجہ

صحاح ہی نہ رہی تو صحاح کی کیا حقیقت رہے گی۔ باقی صاحب تفسیر خازن نے حضرت ابو ہریرہ والی روایت جو حضور پاک ﷺ کی والدہ کریمہ کے خلاف ہے وہ اس لیے باطل ہے کہ اس قسم کی دیگر روایات میں آیت کا ذکر ہے یہاں آیت کا ذکر ہی نہیں اور یہ روایت گیارہ مقامات پر وارد ہوئی ہے۔ ہر ایک روایت کا محل وقوع الگ ہے اور سینکڑوں میلوں پر مختلف علاقوں میں واقع ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک الگ راوی اور روایت ہے۔ اور ساتھ ساتھ کئی روایات میں آیات کا بھی ناجائز استعمال ہے۔ بنابریں یہ وقوعہ سراسر جھوٹا ہے۔ خود ساختہ اور تشکیلی ہے۔ اس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

نوٹ:۔ امام خازن نے بھی اپنی تفسیر میں چھ شان نزول کو بیان فرمایا ہے۔

تفسیر المنیر سے اقتباس

دنیائے تفسیر کے جدید اور قدیم حسین امتزاج امام تفسیر ڈاکٹر وھبہ زحیلی اپنی تفسیر المنیر میں یوں رقم طراز ہیں:

"سورة التوبة (9): الآيات 113 الى 116]

ما كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحابُ الْجَحِيمِ (113) وَما كانَ اسْتِغْفارُ إِبْراهِيمَ لِأَبِيهِ إِلاَّ عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَها إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْراهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (114) وَما كانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ هَداهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ ما يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (115) إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّماواتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَما لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلا نَصِيرٍ (116)

البلاغة:

لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ هَداهُمْ بينهما طباق. وكذلك بين يُحْيِي وَيُمِيتُ مَوْعِدَةٍ وَعَدَها بينهما جناس اشتقاق.

المفردات اللغوية:

أَنْ يَسْتَغْفِرُوا يطلبوا المغفرة. أُولِي قُرْبَى ذوي قرابة. أَصْحابُ الْجَحِيمِ النار، بأن ماتوا على الكفر. مَوْعِدَةٍ وَعَدَها إِيَّاهُ بقوله: سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي [مريم 19/ 47] رجاء أن يسلم. أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ بموته على الكفر. تَبَرَّأَ مِنْهُ وترك الاستغفار له. لَأَوَّاهٌ كثير التضرع والتأوه والدعاء. حَلِيمٌ صبور على الأذى لا يغضب

... على الاستغفار له مع معاداته له لِيُضِلَّ قَوْماً ليسميهم ضلالا أو يؤاخذهم.
والجملة لبيان ما حمله ... مَا يَتَّقُونَ من العمل أي يبين لهم خطر ما يجب اتقاؤه فإذا لم يتقوه استحقوا
بعد إذ هداهم للإسلام ...
الإضلال. عَلِيمٌ يعلم كل شيء، ومنه مستحق الإضلال والهداية.
مِن دُونِ اللهِ من غيره. مِن وَلِيٍّ يحفظكم منه. وَلَا نَصِيرٍ يمنعكم من ضرره.

سبب النزول:

أخرج أحمد والشيخان وابن أبي شيبة وابن جرير وغيرهم من طريق سعيد بن المسيب عن أبيه. قال:
لما حضر أبا طالب الوفاة، دخل عليه رسول الله صلى الله عليه وسلّم. وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي
أمية فقال: أي عم: قل:
لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله. فقال أبو جهل وعبد الله: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب؛
فلم يزالا يكلمانه حتى آخر شيء، كلمهم به: هو على ملة عبد المطلب. فقال النبي ﷺ: لأستغفرن لك، ما
لم أنه عنك. فنزلت: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ الآية. وأنزل في أبي طالب: إِنَّكَ
لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ الآية [القصص 28/56].
وظاهر هذا أن الآية نزلت بمكة ولأن أبا طالب مات بمكة قبل الهجرة بنحو ثلاث سنين، ونظرا لأن
هذه السورة مدنية، فقد استبعد بعض العلماء، أن تكون نزلت في أبي طالب.
وأخرج الترمذي وحسنه الحاكم عن علي قال: سمعت رجلا يستغفر لأبويه. وهما مشركان، فقلت له:
تستغفر لأبويك. وهما مشركان، فقال: استغفر إبراهيم لأبيه. وهو مشرك. فذكرت ذلك لرسول الله
صلى الله عليه وسلّم. فنزلت: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ.
وأخرج الحاكم والبيهقي في الدلائل وغيرهما عن ابن مسعود قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلّم
يوما إلى المقابر. فجلس إلى قبر منها. فناجاه طويلا. ثم بكى فبكيت لبكائه. فقال: إن القبر الذي جلست
عنده قبر أمي. وإني استأذنت ربي في الدعاء لها. فلم يأذن لي. فأنزل الله: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن
يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ.
وأخرج أحمد وابن مردويه. واللفظ له. من حديث بريدة قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلّم. إذ
وقف على عسفان، فأبصر قبر أمه. فتوضأ وصلى وبكى. ثم قال: استأذنت ربي أن أستغفر لها. فنهيت.

فأنزل الله: ما كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ.

وأخرج أحمد ومسلم وأبو داود عن أبي هريرة قال: «أتى رسول الله صلى الله عليه وسلّم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله. ثم قال: استأذنت ربي أن أستغفر لها فلم يأذن لي. واستأذنت أن أزور قبرها فأذن لي فزوروا القبور. فإنها تذكّركم الموت».

دلت الروايات على أن سبب النزول أبو طالب أو أم النبي. أو رجل مسلم يستغفر لأبويه.

قال الحافظ ابن حجر: يحتمل أن يكون لنزول الآية أسباب: متقدم. وهو أمر أبي طالب. ومتأخر. وهو أمر آمنة. وقصة علي وجميع غيره بتعدد النزول.

المناسبة:

كان موضوع سورة التوبة من أولها إلى هنا إعلان البراءة من الكفار والمنافقين في جميع الأحوال. ثم بيّن هنا أنه تجب البراءة أيضا من أمواتهم. وإن كانوا أقرب الناس إلى الإنسان كالأب والأم. كما وجبت البراءة من أحيائهم.

والمقصود بيان وجوب مقاطعتهم في الحالات كلها.

التفسير والبيان:

ما ينبغي للنبي والمؤمنين. وليس من شأنهم أن يستغفروا أو يدعو الله بالمغفرة للمشركين. أو معناه ليس لهم ذلك على معنى النهي لأن النبوة والإيمان مانعان من الاستغفار للمشركين. ولا تستغفروا. والمعنيان متقاربان. وسبب المنع قوله تعالى: مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحابُ الْجَحِيمِ [التوبة 9/ 113] وقوله تعالى: إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ ما دُونَ ذلِكَ لِمَنْ يَشاءُ [النساء 4/ 116].

والمنع حتى ولو كانوا من أقرب المقربين. قياما بحق البر والصلة والشفقة عليهم.

من بعد ما ظهر لهم بالدليل أنهم من أصحاب النار. بأن ماتوا على الكفر. أي أن العلة المانعة من هذا الاستغفار هو تبين كونهم من أصحاب النار. وهذه العلة لا تفرق بين الأقارب والأباعد. قال البيضاوي: وفيه دليل على جواز الاستغفار لأحيائهم. فإنه طلب توفيقهم للإيمان. وبه دفع النقض باستغفار إبراهيم لأبيه الكافر. فقال: وَما كانَ اسْتِغْفارُ ...

أما استغفار إبراهيم عليه السّلام لأبيه آزر بقوله: وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كانَ مِنَ الضَّالِّينَ [الشعراء 26/ 86]

أى وفقه للإيمان، فكان بسبب صدور وعد سابق على المنع، إذ قال: سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا [مريم 19/ 47] أى لا أملك إلا الدعاء لك. وكان من خلق إبراهيم الوفاء: وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى [النجم 53/ 37].

قال أهل المعانى: ما كانَ فى القرآن يأتى على وجهين: على النفى نحو قوله: ما كانَ لَكُمْ أَنْ تُنبِتُوا شَجَرَها [النمل 27/ 60] والآخر بمعنى النهى كقوله: وَما كانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ [الأحزاب 33/ 53] وكهذه الآية.

فلما تبين لإبراهيم أن أباه عدو لله بأن مات على الكفر، أو أوحى إليه فيه بأنه لن يؤمن، تبرأ منه وقطع استغفاره له إن إبراهيم لأواه أى لكثير التأوه والتحسر، أو لكثير التضرع والدعاء، كما قال صلى الله عليه وسلم: «الأواه: الخاشع المتضرع»

وهو كناية عن فرط رحمته ورقة قلبه. حليم: صبور على الأذى. والجملة لبيان ما حمله على الاستغفار له مع معاداته له وسوء خلقه معه. بدليل أنه أى آزر قال لإبراهيم: أَراغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يا إِبْراهِيمُ، لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ، وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا [مريم 19/ 46].

ثم رفع الله تعالى المؤاخذة عن الذين استغفروا للمشركين قبل نزول آية المنع هذه. وبين أنه تعالى لا يؤاخذهم بعمل إلا بعد أن يبين لهم أنه يجب عليهم أن يتقوه ويحترزوا عنه. فقال: وَما كانَ اللهُ لِيُضِلَّ ... أى وما كان من سنة الله فى خلقه ولا فى رحمته وحكمته أن يصف قوما بالضلال أو يؤاخذهم مؤاخذة الضالين بعد إذ هداهم للإسلام حتى يبين لهم ما يجب عليهم اتقاؤه من الأقوال والأفعال. وهذا يدل على أنه تعالى لا يعاقب إلا بعد التبيين وإزالة العذر.

إن الله تعالى عليم بكل شىء، وبأحوال الناس وحاجتهم إلى البيان، وكان هذا بيان عذر للرسول فى قوله لعمه أو لمن استغفر له قبل المنع. وفى هذا دلالة على أن الغافل الذى لم تبلغه رسالة نبى غير مكلف. وبناء عليه، يستبعد أن يكون سبب نزول الآية الاستغفار لأم الرسول صلى الله عليه وسلم لأنها ماتت قبل البعثة فى عهد الفترة الجاهلية، التى انقطعت فيها النبوة بعد عيسى عليه السلام، ولم يعد هناك مجال للتعرف على الدين الحق، لاختلاط الأمور.

وبعد أن أمر الله تعالى بالبراءة من الكفار، بين أن النصر لا يكون إلا من عنده لأن له ملك السموات

والأرض فإذا كان هو الناصر لكم. فهم لا يقدرون على إضراركم. فقال: إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ ... أي إنه تعالى مالك كل موجود"

خلاصہ تفسیر

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے بھی پانچ اسباب نزول کا ذکر کیا ہے۔ جن کا ذکر پہلے تفسیرات میں ہو چکا ہے۔ ترجیحاً انھوں نے فرمایا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور وفات ابوطالب علیہ السلام کے بارہ سال بعد ہوئی۔ اس لیے اس آیت کو حضرت ابو طالب علیہ السلام سے منسلک کرنا بلاوجہ تکلف ہے۔ دراصل یہ آیت بلکہ پوری سورہ توبہ مشرکین مکہ کے ساتھ ہر قسم کی قطع تعلق پر مبنی ہے۔ لہٰذا نبوت اور ایمان دونوں مانع ہیں مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے پھر لکھتے ہیں کہ رسول دو عالم ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت آنے والی روایت بے محل ہے۔ ایک تو وہ محل شرک نہیں دوسرا یہ کہ بعثت نبوی سے 34 سال قبل مائی آمنہ سلام اللہ علیہا کا وصال ہو گیا تھا ان کو مشرکین میں شامل کرنا انتہائی جہالت ہے۔

تفسیر مراح اللبید سے اقتباس

تفسیر مراح اللبید میں یوں اس امر پر تفسیر موجود ہے۔

"(112) الموصوفين بهذه الصفات بالجنة ما كانَ لِلنَّبِيِّ أي ما جاز لمحمد صلى الله عليه وسلم وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كانُوا أُولِي قُرْبى أي ذوي قرابات لهم مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحابُ الْجَحِيمِ (113) أي أهل النار بأن ماتوا على الكفر وسبب نزول هذه الآية استغفار ناس لآبائهم الذين ماتوا على الكفر.

روي عن علي رضي الله عنه أنه قال: سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان فقلت: أتستغفر لأبويك وهما مشركان، قال: أليس قد استغفر إبراهيم لأبيه! فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فنزل:

ما كانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا الآية. فروى ابن جرير وابن أبي حاتم عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان المسلمون يستغفرون لآبائهم المشركين حتى نزلت هذه الآية فلما نزلت أمسكوا عن الاستغفار لأمواتهم ولم ينهوا أن يستغفروا للأحياء حتى يموتوا ثم أنزل الله وَما كانَ اسْتِغْفارُ إِبْراهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَها إِيَّاهُ أي إلا لأجل موعدة وعدها إبراهيم إياه بقوله: لأستغفرن لك. أي لأطلبن مغفرة

له بالتوفيق للإيمان فإنه يمحو ما قبله فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ أي إنه مستمر على الكفر ومات عليه تَبَرَّأَ مِنْهُ أي ترك الاستغفار له أي إن إبراهيم استغفر لأبيه ما كان حيا فلما مات أمسك عن الاستغفار له.

وروى ابن أبي حاتم عن محمد بن كعب القرظي قال: لما مرض أبو طالب أتاه النبي صلى الله عليه وسلم فقال المسلمون: هذا محمد يستغفر لعمه وقد استغفر إبراهيم لأبيه فاستغفروا لقراباتهم من المشركين. فأنزل الله تعالى: ما كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا الآية. ثم أنزل وما كان استغفار إبراهيم الآية.

وروى ابن جرير عن عمرو بن دينار أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك فلا أزال أستغفر لأبي طالب حتى ينهاني عنه ربي» »1« . فقال أصحابه: لنستغفرن لآبائنا كما استغفر النبي لعمه. فأنزل الله

ما كَانَ لِلنَّبِيِّ الآية إلى قوله تعالى تَبَرَّأَ مِنْهُ فظهر بهذه الأخبار أن الآية نزلت في استغفار المسلمين لأقاربهم المشركين لا في حق أبي طالب. لأن هذه السورة كلها مدنية نزلت بعد تبوك. وبينها وبين موت أبي طالب نحو اثني عشر سنة. وأيضا إن عم إبراهيم آزر كان يتخذ أصناما آلهة ولم ينقل عن أبي طالب أنه اتخذ أصناما آلهة وعبد حجرا أو نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن

عبادة ربه وإنما هو ترك النطق بالشهادتين لخوف مسبة لا للعناد للإسلام. أو ترك بعض الواجبات ومع ذلك قلبه مشحون بتصديق النبي صلى الله عليه وسلم ومثل هذا ناج في الآخرة على مقتضى ديننا فلا يليق بالحكمة. ولا بمحاسن الشريعة الغرّاء. ولا بقواعد الأئمة من أهل الكلام أن يكون هو وآزر عم إبراهيم - في مرتبة واحدة فإن أبا طالب رباه صلى الله عليه وسلم صغيرا وآواه كبيرا. ونصره وعزره ووقره وذب عنه. ومدحه. ووصى باتباعه. وأما ما

روى أن عليا ضحك على المنبر ثم قال: ذكرت قول أبي طالب ظهر علينا وأنا أصلي ببطن نخلة فقال: ماذا تصنعان؛ فدعاه النبي صلى الله عليه وسلم إلى الإسلام فقال: ما بالذي تقول من بأس ولكن والله لا يعلوني استي أبدا.

فهذا في أول الإسلام قبل أن تفرض الصلاة. وقد قرأ بأنه لا بأس بالتوحيد وإباؤه عن صلاة النفل لا يدل على إبائه عن التوحيد. ليس في حديث عمرو بن دينار السابق دلالة قطعية على شركه. وأما قوله صلى

الله عليه وسلّم: «استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك فلا أزال أستغفر لأبي طالب

فهذا يمكن أن يكون معناه أن إبراهيم استغفر لأبيه مع شركه فكيف لا أستغفر أنا لأبي طالب مع

خطيئته دون الشرك فلا أزال أستغفر له حتى ينهاني عنه ربي ولم ينه صلّى الله عليه وسلّم بل نهى عن

الاستغفار للمشركين لالخصوص عمه كما صرح بهذا ما

روي عن قتادة أن رجلا من أصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم سألوه عن الاستغفار لآبائهم

فقال: والله إني لأستغفرن لأبي- أي لعمي- كما استغفر إبراهيم لأبيه». فأنزل الله ما كان للنبي والذين

آمنوا الآية فقال النبي صلّى الله عليه وسلّم: «أمرت أن لا أستغفر لمن كان كافرا

فقوله صلّى الله عليه وسلّم: «إني لأستغفرن لأبي»

ولم يقل: أمرت أن لا أستغفر له بل

قال: «لمن مات مشركا»

جواب لسؤال أصحابه مع إشارة خفية إلى أن عمه لم يكن مشركا والله أعلم. إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ أي كثير

الدعاء والتضرع حَلِيمٌ (114) أي صبور على المحنة وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ

لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ أي ما يجب أن يحترزوا عنه أي لما نزل المنع من الاستغفار للمشركين خاف المؤمنون

من المؤاخذة بما صدر عنهم منه قبل المنع وقد مات قوم منهم قبل النهي عن الاستغفار فوقع الخوف

في قلوب المسلمين على من مات منهم أنه كيف يكون حالهم. فأزال الله تعالى ذلك الخوف عنهم بهذه

الآية وبين أنه تعالى لا يؤاخذهم بعمل إلا بعد أن يبين لهم أنه يجب عليهم أن يحترزوا عنه أي وما كان

الله ليقضي عليكم بالضلال بسبب استغفاركم لموتاكم المشركين بعد أن رزقكم الهداية ووفقكم

للإيمان به وبرسوله حتى يبين لكم بالوحي ما يجب الاحتراز عنه من محظورات الدين فلا تنزجروا عما

نهيتم عنه إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (115) فيعلم حاجتهم إلى بيان قبح ما لا يستقل العقل في معرفته

فبين لهم ذلك إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ من غير شريك"

خلاصہ تفسیر

صاحب تفسیر کے نزدیک بھی ۳ سے ۴ تک اسباب نزول کا تعین کیا گیا ہے۔ مگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت آنے والی

تمام روایات کی بھر پور مخالفت کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لیے منع کیا گیا ہے کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا ہرگز نہ کی جائے۔ صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف نازل ہی نہیں ہوئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تو اُن کی وفات کے بارہ سال بعد نازل ہوئی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی نقل صحیح کے اندر کبھی اور کہیں بھی نہیں پایا گیا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کبھی شرک کیا ہو یا کسی بت کو پوجا ہو اور نہ ہی کبھی کسی پتھر کی پوجا کی ہے اور نہ ہی کبھی نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکا گیا ہے باقی ان کی بابت مشہور ہے انھوں نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا اگر بالفرض والمحال اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو ان کا کلمہ شہادت نہ پڑھنا کسی عناد کی بنیاد پر نہیں تھا نہ تو وہ اسلام سے عناد رکھتے تھے اور نہ ہی صاحب اسلام سے ان کی خاموشی صرف اس بنیاد پر تھی کہ میرے بعد نبی کریم ﷺ کو کوئی گالی گلوچ نہ کرے یہی حضور اکرم ﷺ کی حمایت تھی اور بہت سارے مقامات پر انھوں نے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی اور یہی نجات آخرت کے لیے کافی ہے۔ ہمارے دین کی حکمت اور ہماری شریعت کے محاسن عظمت اور روشن قواعد اس بات کی تصدیق اور تائید کرتے ہیں۔ یہ وہ نفس رحمت ہیں جنھوں نے نبی پاک ﷺ کی تربیت فرمائی اور اعلان نبوت کے بعد نبی پاک ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ نصرت فرمائی۔ توقیر کی اور آپ کا دفاع کیا۔ نعتیں پڑھیں اور اپنے پورے قبیلے کو حضور کی غلامی کی دعوت دی۔

ایک روایت میں آتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ممبر پر بیٹھے مسکرا دیے۔ فرمایا مجھے اپنے بابا کریم کی وہ بات یاد آ گئی جب میں اور نبی کریم ﷺ وادی نخلہ میں نماز پڑھ رہے تھے یہ اچانک تشریف لائے پوچھا تم دونوں کیا کر رہے ہو؟ ہم نے کہا نماز پڑھ رہے ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جواباً انھوں نے کہا میرے محبوب آقا جو آپ فرما رہے ہیں بالکل درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن تم دونوں مجھے مات نہیں دے سکتے کبھی بھی (کیونکہ میری نظر ہر لمحے تمہاری تلاش و تعاقب میں رہتی ہیں یعنی چپکے چپکے تم مجھ سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے ہو) اگر کسی کے من میں سوال ہو کہ انھوں نے ساتھ مل کر نماز کیوں نہیں پڑھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زمانہ ابتداء اسلام تھا اور ابھی تک نماز فرض ہی نہیں ہوئی تھی۔ اور نماز کا ادا نہ کرنا ان کا توحید سے انکار نہیں ہو سکتا یہاں نماز کا انکار نہیں بلکہ نہ پڑھنا پایا گیا ہے جو آج بھی موجود ہے مگر اس بناء پر ہم کسی کو مشرک نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ ہی اس میں شرک کی کوئی قطعی دلالت ہے۔ استغفار سے منع مشرکین کے لیے ہے حضرت ابوطالب علیہ السلام مشرک ہرگز نہیں ہیں ان کو اس آیت کے ضمن میں بیان کرنا سخت غلط ہے۔

صاحب تفسیر نے کہا کہ "عَنْهُ لَمْ يَكُنْ مُشْرِكًا" جناب ابوطالب نے زندگی میں کبھی شرک کیا ہی نہیں لہٰذا حضرت ابوطالب پر شرک کا لگایا گیا الزام سراسر جھوٹا ہے۔

تفسیر زاد المسیر سے اقتباس

محدث ابن جوزی نے اپنی تفسیر زاد المسیر میں یوں فرمایا:

"سورة التوبة (9): الآيات 113 الى 114

ما كانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كانُوا أُولِي قُرْبى مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحابُ الْجَحِيمِ (113) وَما كانَ اسْتِغْفارُ إِبْراهِيمَ لِأَبِيهِ إِلاَّ عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَها إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْراهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (114)

قوله تعالى: ما كانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ في سبب نزولها أربعة أقوال:

(762) أحدها: أن أبا طالب لما حضرته الوفاة، دخل عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية، فقال: «أي عم، قل معي: لا إله إلا الله، أحاجُّ لك بها عند الله». فقال أبو جهل وابن أبي أمية: يا أبا طالب، أترغب عن ملة عبد المطلب؟! فلم يزالا يكلّمانه، حتى قال آخر شيء كلمهم به: أنا على ملَّة عبد المطلب. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «لأستغفرنّ لك ما لم أُنهَ عنك» فنزلت ما كانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا الآية. ونزلت: إِنَّكَ لا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ » 1 « أخرجه البخاري ومسلم في «الصحيحين» من حديث سعيد بن المسيب عن أبيه.

(763) وقيل: إنه لما مات أبو طالب، جعل النبيّ صلى الله عليه وسلم يستغفر له، فقال المسلمون: ما يمنعنا أن نستغفر لآبائنا ولذوي قراباتنا، وقد استغفر ابراهيم لأبيه، وهذا محمد يستغفر لعمه، فاستغفروا للمشركين، فنزلت هذه الآية. قال أبو الحسين بن المنادي: هذا لا يصح، إنما قال النبي صلى الله عليه وسلم لعمّه «لأستغفرنّ لك ما لم أُنهَ عنك» قبل أن يموت، وهو في السياق، فأما أن يكون استغفر له بعد الموت، فلا، فانقلب ذلك على الرواة، وبقي على انقلابه.

(764) والثاني: أنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم مرّ بقبر أمه آمنة، فتوضأ وصلى ركعتين، ثمّ بكى فبكى الناس

صحيح، أخرجه البخاري 1360 و 4772 و 4776 و 3884 و 6681 ومسلم 24 والنسائي 4/ 60 وفي «التفسير» 250 وأحمد 5/ 433 وعبد الرزاق في «التفسير» 1132 وابن حبان 982 والواحدي في «الوسيط» 2/ 527 و «الأسباب» 530 والبيهقي في «الصفات» 171 و 195 و «الدلائل» 2/ 342 و

مقدمہ
343، والبغوي في «التفسير» 1123 بترقيمي، من طرق عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبيه به.
أخرجه الطبري 17341 عن عمرو بن دينار مرسلا. وله شاهد من مرسل محمد بن كعب. أخرجه ابن أبي
حاتم كما في «الدر المنثور» 3/ 505. فهذان مرسلان لا تقوم بهما حجة. انظر «أحكام القرآن» 1222
بتخريجنا.
عزاه السيوطي في «الدر» 3/ 507 لابن مردويه عن بريدة به. ولم أقف على إسناده. وورد بنحوه أخرجه
الطبري 17344 من حديث بريدة ورجاله ثقات. وورد من وجه آخر أخرجه الحاكم 1/ 376 وصححه على
شرطهما! ووافقه الذهبي! وهو كما قال. وله شاهد صحيح من حديث أبي هريرة. أخرجه الترمذي 976

بكائه ثم انصرف إليهم. فقالوا: ما الذي أبكاك؟ فقال: «مررت بقبر أمي فصليت ركعتين. ثم استأذنت ربي أن أستغفر لها. فنُهيت. فبكيت. ثم عدت فصلّيت ركعتين، واستأذنت ربي أن أستغفر لها فزُجرت زجراً فأبكاني» . ثمّ دعا براحلته فركبها فما سار هنيّة، حتى قامت الناقة لثقل الوحي ونزلت: ما كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا والآية التي بعدها. رواه بريدة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(765) والثالث: أن رجلاً استغفر لأبويه، وكانا مشركين، فقال له علي بن أبي طالب: أتستغفر لهما وهما مشركان؟ فقال: أو لم يستغفر إبراهيم لأبيه؟ فذكر ذلك عليّ لرسول الله صلى الله عليه وسلم. فنزلت هذه الآية والتي بعدها. رواه أبو الخليل عن علي عليه السلام.

(766) والرابع: أن رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا: يا نبي الله إن من آبائنا من كان يحسن الجوار، ويصل الرحم، ويفك العاني، ويوفي بالذمم. أفلا نستغفر لهم؟ فقال: «بلى، والله لأستغفرن لأبي كما استغفر إبراهيم لأبيه» . فنزلت هذه الآية، وبيَّن عذر إبراهيم. قاله قتادة.

ومعنى قوله تعالى: مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحابُ الْجَحِيمِ أي: من بعد ما بان أنهم ماتوا كفاراً.

قوله تعالى: إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَها إِيَّاهُ فيه قولان: أحدهما: أن إبراهيم وعد أباه الاستغفار، وذلك قوله تعالى: سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي » 1 « . وما كان يعلم أن الاستغفار للمشركين محظور حتى أخبره الله تعالى بذلك. والثاني: أن أباه وعده أنه إن استغفر له آمن فلما تبيَّن لإبراهيم عداوة أبيه لله تعالى بموته على الكفر، ترك الدعاء له. فعلى الأول، تكون هاء الكناية في «إِيَّاهُ» عائدة على آزر، وعلى الثاني، تعود على إبراهيم. وقرأ ابن السميفع، ومعاذ القارئ، وأبو نهيك: «وعدها أباه» بالباء.

وأبو داود 3234 والنسائی 4/ 90 وابن ماجة 15 وابن أبي شيبة 3/ 343 وأحمد 2/ 441 وابن حبان 3169 واستدرکه الحاکم 1/ 375 والبیهقی 4/ 76 والبغوی 1554 من طرق عن یزید بن کیسان عن ابی حازم عن أبي هريرة. قال: زار النبی صلی الله علیه وسلم قبر أمه. فبكى وأبكى من حوله. فقال: استأذنت ربی فی ان أستغفر لها فلم یؤذن لی. واستأذنته فی أن أزور قبرها فأذن لی. فزوروا القبور. «فإنها تذکر الموت» "

خلاصہ تفسیر

صاحب تفسیر محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کھلے لفظوں میں کہا ہے کہ اس آیت کے مختلف اسباب نزول ہیں اور حضرت ابو طالب علیہ السلام علیہ السلام کے قصہ وفات کو ہی بنیاد بنا کر ان کی تکفیر کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اس تکفیر کے قائل کرنے والے نے بھی اس روایت کے تمام طرق کو مرسل کہا ہے اور مرسل روایت سے الزام ثابت نہیں ہوتا۔

معروفِ زمانہ تفسیر روح البیان سے اقتباس

دنیائے تفسیر کی عظیم شناخت علم و معرفت کے عظیم شاہکار علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروفِ زمانہ تفسیر روح البیان میں اس مسئلے کو پوری حقیقت سے بیان فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

"ما كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا بالله وحده ای ما صح لهم وما استقام فی حکم الله تعالى وحكمته أن يَسْتَغْفِرُوا ای يطلبوا المغفرة لِلْمُشْرِكِينَ به سبحانه وَلَوْ كانُوا ای المشركون أُولِي قُرْبى ای ذوی قرابة لهم مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ ای ظهر للنبی علیه السلام والمؤمنين أَنَّهُمْ ای المشركين أَصْحابُ الْجَحِيمِ ای اهل النار بأن ماتوا على الكفر او نزل الوحی بانهم يموتون على ذلك. روی- انه لما مرض ابو طالب علیه السلام وذلك قبل الهجرة بثلاث سنين وبعد مضى عشر سنين من بعثته علیه السلام وبلغ قريشا اشتداد مرضه قال بعضهم لبعض ان حمزة وعمر قد أسلما وقد فشا امر محمد فی قبائل قريش كلها فانطلقوا بنا الى ابى طالب فليأخذ لنا على ابن أخيه وليعطه منا فانا والله ما نأمن ان يسلبوا أمرنا وفی رواية انا نخاف ان يموت هذا الشيخ فيكون منا شیء ای قتل محمد فتعيرنا العرب ويقولون تركوه حتى إذا مات عمه تناولوه فمشى اليه اشرافهم منهم عتبة وشيبة ابنا ربيعة وابو جهل وامية بن خلف وابو سفيان فانه اسلم ليلة الفتح فارسلوا رجلا فاستأذن لهم على ابى طالب فقال هؤلاء اشراف قومك

یستأذنون علیک قال أدخلهم فدخلوا علیه فقالوا یا أبا طالب أنت سیدنا و کبیرنا وقد حضرک ما تری وتخوفنا علیک وقد علمت الذی بیننا وبین ابن أخیک فادعه فخذ له منا وخذ لنا منه لیدعنا ودیننا وندعه ودینه فبعث الیه علیه السلام ابو طالب فجاء ولما دخل علیه السلام علی ابی طالب وکان بین ابی طالب وبین القوم فرجة تسع الجالس فخشی ابو جهل ان یجلس النبی علیه السلام فی تلک الفرجة فیکون ارق منه وثب لعنه الله فجلس فیها فلم یجد علیه السلام مجلسا قریبا الی ابی طالب فجلس عند الباب فقال ابو طالب لرسول الله علیه السلام یا ابن أخی هؤلاء اشراف قومک أعطهم ما سألوک فقد انصفوک سألوا ان تکف عن شتم آلهتهم ویدعوک والهک فقال علیه السلام (أرأیتکم ان أعطیتکم ما سألتم هل تعطونی کلمة واحدة تملکون بها العرب ویدین لکم بها العجم) ای یطیع ویخضع فقال ابو جهل نعطیکها وعشرا معها فما هی قال (تقولون لا اله الا الله وتخلعون ما تعبدون من دونه) فصفقوا بأیدیهم ثم قالوا سلنا یا محمد غیر هذه الکلمة فقال (لو جئتمونی بالشمس حتی تضعوها فی یدی ما سألتکم غیرها) ثم قال بعضهم لبعض والله ما هذا الرجل بمعطیکم شیأ مما تریدون فامضوا علی دین آبائکم حتی یحکم الله بینکم وبینه ثم تفرقوا وعند ذلک قال علیه السلام (ای عم فانت فقلها اشهد لک بها عند الله) فقال والله یا ابن أخی لولا مخافة العار علیک وعلی بنی أبیک من بعدی وان تظن قریش انی انما قلتها خوفا من الموت لقلتها فلما ابی عن کلمة التوحید قال علیه السلام (لا أزال استغفر لک ما لم انه عنه) وذلک لغلبة همته علی مغفرته لانه کان یحفظه علیه السلام وینصره ولما مات نالت قریش من رسول الله من الأذی ما لم تکن تطمع فیه فی حیاة ابی طالب حتی ان بعض سفهاء قریش نثر علی رأس النبی علیه السلام التراب فدخل بیته والتراب علی رأسه فقام الیه بعض بناته وجعلت تزیله عن رأسه وتبکی ورسول الله یقول لها (لا تبکی یا بنیة فان الله مانع أباک) فبقی علیه السلام یستغفر لأبی طالب من ذلک الوقت الی وقت نزول هذه الآیة وقال ابن عباس رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سأل عن أبویه أیهما اقرب به عهدا فقیل له أمک آمنة فقال (هل تعلمون موضع قبرها لعلی آتیه فاستغفر لها فان ابراهیم علیه السلام استغفر لابویه) فقال المسلمون ونحن ایضا نستغفر الله لآبائنا وأهلینا فانطلق رسول الله وذلک فی سنة الفتح فانتهی الی قبر امه فی الأبواء منزل بین مکة والمدینة وذلک انه علیه السلام ولد بعد ان توفی أبوه عبد الله ودفن بالمدینة لما انه قد خرج إلیها لحاجة فادرکه الموت هناک وکان علیه السلام مع امه آمنة فلما بلغ ست سنین خرجت آمنة الی

اخوالها بالمدينة تزورهم ثم رجعت به الى مكة فلما كانت بالأبواء توفيت هناك وقيل دفنت بالحجون ويمكن الجمع بينهما بانها دفنت اولا بالأبواء ثم نقلت من ذلك المحل الى مكة كما في السيرة الحلبية فلما جلس عليه السلام عند قبر امه ناجى طويلا ثم بكى بكاء شديدا فبكينا لبكائه فقلنا يا رسول الله ما الذى أبكاك قال (استأذنت ربي في زيارة قبر أمي فاذن لى فاستأذنته في الاستغفار لها فلم يأذن وانزل على الآيتين) آية ما كَانَ لِلنَّبِيِّ وآية وَما كَانَ اسْتِغْفارُ إِبْراهِيمَ قال بعضهم لا مانع من تكرر سبب النزول فيجوز ان تنزل الآيتان لما استغفر لامه ولما استغفر لعمه يقول الفقير سامحه القدير فيه بعد لانه ان سبق النزول لاستغفار امه فكيف يبقى النبي عليه السلام على استغفار عمه وقد ثبت ان هذه السورة الكريمة من آخر القرآن نزولا و كذا العكس ومن ادعى الفرق بين الاستغفارين فعليه البيان وَما كَانَ اسْتِغْفارُ إِبْراهِيمَ لِأَبِيهِ بقوله وَاغْفِرْ لِأَبِي اى بأن توفقه للايمان وتهديه اليه كما يلوح به تعليله بقوله إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ استثناء مفرغ من أعم العلل اى لم يكن استغفاره لأبيه آزر ناشئا عن شيء من الأشياء الا عن موعدة وَعَدَها ابراهيم إِيَّاهُ اى أباه بقوله لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وقوله سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي بناء على رجاء إيمانه لعدم تبين حقيقة امره فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اى لابراهيم بأن اوحى اليه انه مصر على الكفر غير مؤمن ابدا وقيل بأن مات على الكفر والاول هو الأنسب بقوله أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ فان وصفه بالعداوة مما يأباه حالة الموت تَبَرَّأَ مِنْهُ اى تنزه عن الاستغفار له وتجانب كل التجانب إِنَّ إِبْراهِيمَ لَأَوَّاهٌ لكثير التأوه وهو ان يقول الرجل عند التضجر والتوجع آه من كذا او يقول آوه بالمد والتشديد وفتح الواو وسكون الهاء لتطويل الصوت بالشكاية والأواه الخاشع المتضرع وقيل انه كلما ذكر تقصيرا او ذكر له شيء من شدائد الآخرة كان يتأوه إشفاقا واستعظاما كما قال كعب الأواه"

"هو الذى إذا ذكرت عنده النار قال آه وقيل معناه الموقر بلغة الحبشة الا ان من قال لا يجوز ان يكون في القرآن شيء غير عربي قال هذا موافق للعربية بلغة الحبشة والملائم انه كناية عن كمال الرأفة ورقة القلب لانه ذكر في معرض التعليل لاستغفاره لابيه المشرك. والمعنى انه مترحم متعطف ولفرط رحمته ورأفته كان يتعطف لابيه الكافر حَلِيمٌ صبور على الاذية ولذلك كان يحلم على أبيه ويتحمل أذاه ويستغفر له مع صعوبة خلقه وغلظ قلبه وقوله لارجمنك ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما

استغفر لعمه وهو مشرك كما استغفر ابراهيم عليه السلام لابيه المشرك ثم نهى عن الاستغفار للكافر نزلت هذه الآية لبيان عذر من استغفر لاسلافه المشركين قبل المنع عنه وهو قوله تعالى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْماً اى ليس من عادته ان يصفهم بالضلال عن طريق الحق ويجرى عليهم احكامه بَعْدَ إِذْ هَدٰهُمْ للاسلام حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ بالوحى صريحا او دلالة مَا يَتَّقُوْنَ اى يجب اتقاؤه من محظورات الدين فلا ينزجروا عما نهوا عنه واما قبل ذلك فلا يسمى ما صدر عنهم ضلالا ولا يؤاخذون به. وفيه دليل على ان العاقل غير مكلف بما لا يستبد بمعرفته العقل إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اى انه تعالى عليم بجميع الاشياء التى من جملتها حاجتهم الى بيان قبح ما لا يستقل العقل معرفته فبين لهم ذلك كما فعل هاهنا إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ من غير شريك له فيه: قال جلال الدين الرومى قدس سره

واحد اندر ملك واو را يار نى ... بندگانش را جز او سالار نى

نيست خلقش را دگر كس مالكى ... شركتش دعوى كند جز هالكى

يُحْيِي وَيُمِيْتُ اى يحيى الأموات ويميت الاحياء اى يوجد الحياة والموت فى الأرض والأجساد وقلوب الامم وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى حال كونكم متجاوزين ولايته ونصرته مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ لما منعهم من الاستغفار للمشركين وان كانوا اولى قربى وضمن ذلك التبرى منهم رأسا بين لهم ان الله مالك كل موجود ومتولى امره والغالب عليه ولا يتأتى لهم ولاية ولا نصرة الا منه تعالى ليتوجهوا اليه بشراشرهم ويتبرأوا مما عداه حتى لا يبقى لهم مقصود فيما يأتون ويذرون سواه بقى هاهنا ان الجم الغفير من العلماء ذهبوا الى ان النبى عليه السلام مر على عقبة الحجون فى حجة الوداع فسأل الله ان يحيى امه فاحياها فآمنت به وردها الله تعالى اى روحها قال فى انسان العيون لا يقال على ثبوت هذا الخبر وصحته التى صرح بها غير واحد من الحفاظ ولم يلتفتوا الى من طعن فيه كيف ينفع الايمان بعد الموت ولا يعترض لانا نقول هذا من جملة خصوصياته صلى الله عليه وسلم وفى كلام القرطبى قد احيى الله تعالى على يده جماعة من الموتى فاذا ثبت ذلك فما يمنع ايمان أبويه بعد احيائهما ويكون زيادة فى كرامته وفضيلته ولو لم يكن احياء أبويه نافعا لايمانهما وتصديقهما لما احييا كما ان رد الشمس لو لم يكن نافعا فى بقاء الوقت لم ترد والله اعلم انتهى يقول الفقير قد أشبعنا الكلام فى ايمان أبوى النبى عليه السلام وكذا ايمان ابى طالب وجده عبد المطلب بعد الاحياء فى سورة البقرة عند قوله تعالى وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ

الجحيم فارجع اليه. وجاء ابن عبد المطلب رفض فى آخر عمره عبادة الأصنام ووحد الله وتوثر عنه سنين جاء القرآن باكثرها وجاءت السنة بها منها الوفاء بالنذر والمنع من نكاح المحارم وقطع يد السارق والنهى عن قتل الموءودة وتحريم الخمر والزنى وان لا يطوف بالبيت عريان كذا فى كلام سبط ابن الجوزى
وقال فى أبكار الافكار فى مشكل الاخبار ان عبد المطلب قد كان يتعبد فى كثير من أحواله بشريعة ابراهيم عليه السلام ويتمسك بسنن إسماعيل عليه السلام ولم ينكر نبوة محمد عليه السلام إذ لم يكن قد بعث فى أيامه ولا يقطع بكفر من مات فى زمن الفترة فلم يكن حكمه حكم الكفار المشركين الذين شهد النبى عليه السلام بأنهم فحم فى جهنم انتهى قال فى السيرة الحلبية منع الاستغفار له عليه السلام انما يأتى على القول بأن من بدل دينه او غيره او عبد الأصنام من اهل الفترة معذب وهو قول ضعيف مبنى على وجوب الايمان والتوحيد بالعقل. والذى عليه اكثر اهل السنة والجماعة انه لا يجب ذلك الا بإرسال الرسل ومن المقرر ان العرب لم يرسل إليهم رسول بعد إسماعيل عليه السلام وان إسماعيل انتهت رسالته بموته كبقية الرسل لان ثبوت الرسالة بعد الموت من خصائص نبينا صلى الله عليه وسلم وان اهل الفترة من العرب لا تعذيب عليهم وان غيروا او بدلوا او عبدوا الأصنام والأحاديث الواردة بتعذيب من ذكر او من بدل او غير او عبد الأصنام مؤولة او خرجت مخرج الزجر للحمل على الإسلام. ثم رأيت بعضهم رجح ان التكليف بوجوب الايمان بالله تعالى وتوحيده اى بعدم عبادة الأصنام يكفى فيه وجود رسول دعا الى ذلك وان لم يكن الرسول مرسلا لذلك الشخص بان لم يدرك زمنه حيث بلغه انه دعا الى ذلك او امكنه علم ذلك وان التكليف بغير ذلك من الفروع لابد فيه من ان يكون ذلك الرسول مرسلا لذلك الشخص وقد بلغته دعوته وعلى هذا فمن يدرك زمن نبينا صلى الله عليه وسلم ولا زمن من قبله من الرسل معذب على الإشراك بالله بعبادته الأصنام لانه على فرض ان لا تبلغه دعوة أحد من الرسل السابقين الى الايمان بالله وتوحيده ولكنه كان متمكنا من علم ذلك فهو تعذيب بعد بعث الرسل لا قبله وحينئذ لا يشكل ما أخرجه الطبرانى فى الأوسط بسند صحيح عن ابن عباس رضى الله عنهما قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول (ما بعث الله نبيا الى قومه ثم قبضه إلا جعل بعده فترة يملأ من تلك الفترة جهنم) ولعل المراد المبالغة

اخرج الشیخان عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی علیہ السلام انہ قال (لا تزال جہنم یلقی فیہا وتقول ہل من مزید حتی یضع رب العزۃ فیہا قدمہ فیرتد بعضہا الی بعض وتقول قط قط) ای حسبی بعزتک و کرمک واما بالنسبۃ لغیر الایمان والتوحید من الفروع فلا تعذیب علی تلک الفروع لعدم بعثۃ رسول إلیہم فاہل الفترۃ وان کانوا مقرین باللہ الا انہم أشرکوا بعبادۃ الأصنام حکی اللہ عنہم ما نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ووجہ التفرقۃ بین الایمان والتوحید وغیر ذلک من الشرائع بالنسبۃ للایمان باللہ والتوحید کالشریعۃ الواحدۃ لاتفاق جمیع الشرائع علیہ ھذا. وقد جاء ان اہل الفترۃ یمتحنون یوم القیامۃ فقد اخرج البزاز عن ثوبان ان النبی علیہ السلام قال (اذا کان یوم القیامۃ جاء اہل الجاہلیۃ یحملون أوثانہم علی ظہورہم فیسألہم ربہم فیقولون ربنا لم ترسل إلینا رسولا ولم یأتنا لک امر ولو أرسلت إلینا رسولا لکنا أطوع عبادک فیقول لہم ربہم أرأیتم ان أمرتکم بأمر ان تطیعونی فیقولون نعم فیأخذ

مواثیقہم فیرسل إلیہم ان ادخلوا النار فینطلقون حتی إذا رأوہا فرقوا ورجعوا فقالوا ربنا فرقنا منہا ولا نستطیع ان ندخلہا فیقول ادخلوہا داخرین) فقال النبی علیہ السلام (لو دخلوہا أول مرۃ کانت علیہم بردا وسلاما) قال الحافظ ابن حجر فالظن بآلہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الذین ماتوا قبل البعثۃ انہم یطیعون عند الامتحان إکراما للنبی علیہ السلام لتقر عینہ ونرجوا ان یدخل عبد المطلب الجنۃ فی جماعۃ من یدخلہا طائعا الا أبا طالب فانہ أدرک البعثۃ ولم یؤمن بہ بعد ان طلب منہ ذلک انتہی کلامہ ولعلہ لم یذہب الی مسألۃ الاحیاء. ولذا قال ما قال فی حق ابی طالب

ناامید مکن از سابقہ لطف ازل

تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوبست وکہ زشت

تاب اللہ علی النبی قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ہو العفو عن اذنہ للمنافقین فی التخلف عنہ وھذا الاذن وان صدر عنہ علیہ السلام وحدہ الا انہ أسند الی الکل لان فعل البعض یسند الی الکل لوقوعہ فیما بینہم کما یقال بنوا فلان قتلوا زیدا وھذا الذنب من قبیل الزلۃ لان الأنبیاء معصومون من الکبائر والصغائر عندنا لان رکوب الذنوب مما یسقط حشمۃ من یرتکبہا وتعظیمہ من قلوب المؤمنین والانبیاء یجب ان یکونوا مہابین موقرین ولذا عصموا من الأمراض المنفرۃ کالجذام وغیرہ فلیس

معنى الزلة انهم زلوا عن الحق الى الباطل ولكن معناها انهم زلوا عن الأفضل الى الفاضل وانهم يعاتبون به لجلال قدرهم ومكانتهم من الله تعالى كما قال ابو سعيد الخراز قدس سره حسنات الأبرار سيأت المقربين وقال السلمي ذكر توبة النبي عليه السلام لتكون مقدمة لتوبة الامة وتوبة التابع انما تقبل التصحيح بالمقدمة وقال في التأويلات النجمية التوبة فضل من الله ورحمة مخصوصة به ليعود بذلك على عباده فكل نعمة وفضل يوصله الله الى عباده يكون عبوره على ولاية النبوة فمنها يفيض على المهاجرين والأنصار وجميع الامة فلهذا قال لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ يدل عليه قوله عليه السلام ما صب الله في صدري شيأ الا وصببته في صدر ابي بكر رضي الله عنه والأنصار جمع نصير كشريف واشراف او جمع ناصر كصاحب واصحاب وهم عبارة عن الصحابة الذين آووا رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل المدينة وهو اسم إسلامي سمى الله تعالى به الأوس والخزرج ولم يكونوا يدعون بالأنصار قبل نصرتهم لسيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا قبل نزول القرآن بذلك وحبهم واجب وهو علامة الايمان وفي الحديث (آية المؤمن حب الأنصار. وحب الأنصار آية الايمان وآية النفاق بغض الأنصار) كذا في فتح القريب والمهاجرون أفضل من الأنصار كما يدل عليه قوله عليه السلام (لولا الهجرة لكنت امرأ من الأنصار) قال ابن الملك المراد منه إكرام الأنصار فانه لا رتبة بعد الهجرة أعلى من نصرة الدين"

خلاصہ تفسیر

صاحب روح البیان علیہ الرحمہ نے بھی اسباب نزول میں سے چند اسباب کا ذکر کیا ہے اور اس سے پہلے چند ایک واقعات کا ذکر کیا ہے جو تاریخ اسلام میں معروف ہیں جن کا کسی مناسب مقام پر ذکر کیا جائے گا۔ تاہم انھوں نے اس بات کو بطور خاص ذکر کیا ہے کہ اسباب نزول کا تکرار کے ساتھ آنا کوئی مانع نہیں ہے۔ اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت عدم استغفار کے لیے اس آیت کو موثر مانا جائے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے کیوں استغفار کی؟ اور اگر آپ کو آپ کی والدہ کریمہ کے لیے استغفار کرنے سے منع کر دیا گیا تو پھر آپ نے ابوطالب علیہ السلام کے لیے دعا کیوں کی؟ حالانکہ ان دونوں نفوس قدسیہ پر الزام تو ایک طرح کا ہے کہ نعوذ باللہ وہ مشرک تھے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اور دونوں کے لیے آیت کریمہ بیک وقت نازل نہیں ہوئی بلکہ درمیان میں سالوں کا فاصلہ ہے۔ زمانے کے اعتبار سے۔ بہر حال جن کو ان نفوس قدسیہ پر اعتراض

بے دلیل کے ذمہ دار بھی وہی ہیں۔ پھر یہ فرماتے ہیں کہ بہت سارے علماء کا جم غفیر اس بات کا قائل ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اپنے ماں باپ کو زندہ فرمایا اور ایسے ہی حضرت ابو طالب علیہ السلام اور حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی بابت بھی روایات آئیں ہیں کہ انہیں بھی زندہ فرمایا اور یہ وقوعہ الحجون میں واقع ہوا۔ اور حجۃ الوداع کے دن واقع ہوا۔ تاہم صاحب تفسیر نے کھلے لفظوں میں حضور پاک ﷺ کے والدین کریمین کو بھی ایمان دار مانا ہے اور حضرت ابو طالب علیہ السلام اور حضرت عبد المطلب کو بھی مسلمان مانا ہے۔

خلاصۂ تفسیر

تمام تفاسیر میں اسباب نزول کی تعداد کو ہی ملحوظ رکھا گیا ہے کسی بھی مفسر نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت یہ ترجیحاً نہیں کہا کہ ان کی تکفیر پر مشتمل مضمون والی روایت ہی اصل سبب نزول ہے۔ بلکہ جو اسباب انہیں نقل در نقل میسر آئے ان کی نشاندہی کر دی۔ اب یہ اہلِ علم کی علمی مذہبی ذمہ داری تھی کہ ان وارد ہونے والے اسباب نزول کے درمیان ایک علمی جائزہ لیتے کہ کون سا سبب نزول ابتداءً مناسب حال بھی ہے اور مصداقِ آیت بھی اور حسبِ منشاءِ الٰہی بھی ہے۔ سو ہم نے غور کیا تو حضرت ابو طالب علیہ السلام والی روایت پر مشتمل سبب نزول کسی بھی اعتبار سے مذکورہ آیت کا سبب نزول نہیں بن سکتا۔ رہا اہلِ علم کا یہ بیان کرنا تو وہ بلا دلیل ہے اور بلا دلیل دعویٰ باطل ہوتا ہے۔ رہا ہم نے جو انکار کیا ہے وہ کسی خیال سے متاثر ہو کر نہیں کیا اور نہ ہی طرف داری کی ہے نہ ہی ہمارے من میں کسی عصبیت کی کوئی پلیدی ہے۔ ہمارے انکار کی وجہ ٹھوس علمی وجوہات ہیں۔ اہل علم سے گزارش ہے کہ ہماری بیان کردہ انکاری وجوہات کا ٹھوس مطالعہ سے جائزہ لیا جائے اور ہماری علمی کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے۔

روایت حضرت مسیب پر ابتداء بہت ساری گفتگو ہو چکی ہے تاہم خلاصے کے طور پر ہم یہاں چند معروضات پیش کرتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کا کیوں انکار کیا ہے اور سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کا سبب نزول کیوں نہیں مانا۔ وجوہات درج ذیل ہیں:

(1) یہ روایت اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک صریح اور بدترین الزام پر مشتمل ہے اور قرآن وسنت کے روشن دلائل اور اصول روایت و درایت کے مطابق الزام کے ثبوت کے لیے ٹھوس شواہد اور قطعی اور یقینی دلائل، عینی مشاہدہ ضروری ہیں۔ محض اندازوں سے یا خیال آفرینی سے الزام ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ بناء بریں ہم نے اس روایت کا جب علمی جائزہ لیا تو یہ روایت ایک فیصد بھی معیارِ ثبوت پر پوری نہیں اُترتی۔ اس کی علمی کمزوریاں یہ ہیں:

الف) اس کی سند ہی متصل نہیں اور جس روایت کی سند متصل نہ ہو وہ روایت کسی بھی اعتبار سے صحیح نہیں ہوتی۔ اگر وہ کسی وقوعہ کی

خبر پر ہو تو اسے خبر مردود کہتے ہیں خبر مردود سے الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اب اس کی حیثیت ظنی ہی نہیں رہی۔

(ب) یہ وقوعہ چونکہ مُبصر محسوس تھا اس میں راوی کا جائے وقوعہ پر ہونا ضروری تھا اور اس کا عینی مشاہدہ بھی ضروری تھا تب ہم روایت کے اہل جانے جاتے اور ان کی روایت قابل قبول مانی جاتی مگر یہاں ایسا کچھ نہیں ہوا نہ راوی جائے وقوعہ پر موجود ہے نہ ہی عینی شاہد ہے۔ بنابریں یہ روایت ثبوت الزام میں مردود ہے۔

(ج) اس روایت کے راوی کو کسی عینی شاہد نے یہ وقوعہ روایت ہی نہیں کیا نہ اس نے کسی سے سنا حتی کہ رسالت مآب ﷺ سے بھی نہیں سنا اور نہ ہی انھوں نے زندگی بھر اسے بیان کیا۔ اس روایت کی اس تشکیل کے ساتھ۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

(د) اس روایت میں دو آیتوں کا ناجائز استعمال ہوا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے خود راوی بوقت وقوعہ قرآن پاک سے نفرت کرتا تھا۔ سننا گوارہ نہیں کرتا تھا دوسرا یہ کہ ایک آیت وقوعہ سے کئی سال پہلے کی ہے اور ایک آیت بارہ سال بعد نازل ہوئی ہے آج تک کسی بھی شخص نے ٹھوس قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت نہیں کیا کہ ان آیتوں کا تعلق اس وقوعہ سے ہے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صرف ذہنی اندازے ہیں اور ذہنی اندازے سے بدترین الزامات ثابت نہیں ہو سکتے۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

(ہ) روایت ہذا میں دو گواہوں کا ذکر کیا گیا ہے اور دونوں ہی اس وقت کافر تھے۔ خود صاحب روایت بھی کافر تھے جن کا ہر اقدام نبوی دشمنی پر مشتمل تھا اور نبی کی حمایت کرنے والوں کو اذیت دینے کے سوا کچھ نہیں تھا تو ایسے میں اس قسم کے دشمن سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔ مگر روایت گروں کے ہاتھ کی صفائی ہے کہ انھوں نے شرارت کو روایت بنا ڈالا اور وہ بھی حرم نبوت کے خلاف۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

(و) روایت کے مندرجات پر جب غور کیا گیا تو وہ مندرجات خود بولے کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کے ذریعے سے ایک عظیم اور روشن تر کردار کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی اور اُمت کو ایک بے مثال اسوۂ وفاء سے سازش کے طور پر دور رکھا گیا۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ ویسے بھی غیر متصل ہونے کی صورت میں مردود ہے۔

(ز) اس روایت کے ذریعے پورے خاندانِ نبوت کو سازش کے طور پر کافر بنانے کی ناکام کوشش کی گئی جس کا مہرہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کو بنایا گیا۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

خدشات اور وجوہات تو اور بھی بہت سارے ہیں جن کو کسی مناسب مقام پر بیان کیا جائے گا۔

(۲) مذکورہ روایت میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کا نزول ابو طالب علیہ السلام کے خلاف دو مرتبہ مانا گیا ہے اور دونوں

نزولوں میں تقریباً تیرہ سال کا فاصلہ ہے۔ اگر پہلا نزول غلط نہیں تھا تو اس پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔ بارہ سال تک نبی اس کے خلاف چلتے رہے؟ کیا کوئی ذمہ دار نبی وحی کے خلاف جسارت کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر بارہ سال بعد پھر سے اسے کیوں نازل کیا گیا کیا پہلا شانِ نزول کافی نہیں تھا؟ بنابریں یہ روایت اصلاً مردود ہے۔

(۳) اس آیت کریمہ کے بارہ شانِ نزولوں میں سے قریباً سات شانِ نزول ایسے ہیں جو صراحتاً مشرکین کی مذمت میں بیان کیے گئے ہیں مگر اس مقدمہ میں ان میں سے کسی ایک کو بھی نامزد نہیں کیا گیا۔ صرف حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت سیدہ آمنہ علیہا السلام کو اس آیت میں شرک کے اعتبار سے نامزد کیوں کیا گیا؟ جبکہ آج تک کسی نے بھی ایک لمحہ کے لیے بھی ان میں شرک ثابت نہیں کیا جو محل ہی نہیں انہیں مشرک کیوں کہا گیا؟ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

(۴) حضرت آمنہ علیہا السلام کی بابت اس اعتبار سے کل چار روایتیں ہیں جن کے بالترتیب راوی یہ ہیں: حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہم مگر ان میں سے ہر ایک کا محل روایت الگ الگ ہے اور سینکڑوں میلوں کے فاصلے پر موجود ہے ہر ایک راوی نے اپنی روایت کے ضمن میں آیت کا بھی استعمال کیا ہے ہر راوی متصل سند کے ساتھ روایت کرتا ہے اور ساتھ ساتھ عینی شواہد بھی بیان کرتا ہے اور ہر راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے بہر اعتبار قوی اور معتمد علیہ ہے۔ ان کی تمام روایات علمی اعتبار سے حضرت مسیب بن حزن کی روایت سے بہر صورت قوی بھی ہیں اور متصل مرفوع بھی ہیں جبکہ ان کے مدمقابل حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کی علمی حیثیت ہی کوئی نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اہلِ علم نے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کو کثرت سے نقل بھی کیا ہے اور اسے کفرِ ابی طالب علیہ السلام کی دلیل بھی بنایا ہے۔ جبکہ اصولِ تفسیر کا یہ ضابطہ ہے کہ ایک آیت کے شانِ نزول میں جب دو روایتیں مختلف ہوں اور دونوں ہی اسبابِ نزول بنتی ہوں یا باہم مخالف بھی ہوں تو ترجیح قوی تر روایت کو دی جائے گی ضعیف روایت کو چھوڑ دیا جائے گا۔ حالانکہ یہاں سب کچھ اُلٹ ہے اور وجوہاتِ ترجیح بالکل ظاہر ہیں۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت بنتی ہی نہیں مگر پھر بھی اہلِ علم بلا دلیل ترجیح میں اس کو راجح ماننے پر مجبور ہیں نجانے کیوں؟

(الف) حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت آنے والی تمام روایات کے راوی مسیب سے بہر اعتبار مضبوط بھی ہیں معتبر بھی ہیں۔

(ب) ان روایات میں کثرتِ رواۃ کی قوت ایک اضافی قوت ہے۔

(ج) ان تمام روایات کی اسناد متصل ہیں۔

(د) یہ روایات اپنے مضمون میں واضح تر ہیں جب کہ مد مقابل حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں
ہی اس روایت میں کثرت رواۃ ہے تو پھر بھی اسی روایت کو ترجیح آخر کیوں؟ یہ ہمارا علمی معارضہ ہے
شریعت مطہرہ کے مطابق اس کا ہمیں علمی جواب درکار ہے۔

نوٹ:۔ اس روایت کے جو مؤیدات ضحضاح والی روایات کی صورت میں پیش کیے جاتے ہیں
ضحضاح ہی بے حقیقت ہے لہٰذا ان روایات کا حضرت ابوطالب علیہ السلام محل ہی نہیں رہے۔

(۵) مذکورہ آیت کریمہ کے شان نزولوں کی کل تعداد 12 یا 14 بنتی ہے۔ اہل علم نے اس کے دو شان نزول بیان کیے۔ ایک
مکہ میں جیسا کہ امام سیوطی نے کہا اور دوسرا مدینہ میں جیسا کہ تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ اب اس اعتبار سے اگر شان
نزول کی بابت ایسا ہی ہے پھر تو تعداد اٹھائیس تک جا پہنچتی اس میں مزید چار شان نزول کو اور شامل کریں جو حضور نبی اکرم
ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت چار مختلف مقامات پر بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) ابواء شریف۔ (۲) عسفان۔ (۳)
(۴) مقابرہ۔ جن کا باہمی فاصلہ ایک دوسرے سے حسب ذیل ہے۔

(۱) ابواء شریف مکہ سے 300 کلومیٹر کے فاصلے پر اور مدینہ شریف سے 248 کلومیٹر کے فاصلے پر۔ اور عسفان
سے 164 کلومیٹر کے فاصلے پر جانب شمال مشرق اور کداء سے 310 کلومیٹر پر اور مقابرہ سے بھی 300 کلومیٹر کے
فاصلے پر واقع ہے۔ اسی طرح باقی کو بھی قیاس کریں۔

نوٹ: سیرت کی کتب میں کچھ اور مقامات کی بھی مزید تفصیل ملتی ہے مثلاً الحجون یہاں بھی حضور پاک کی والدہ کریمہ کی قبر کی
نشاندہی کی گئی ہے۔ کدی دار رائعہ۔ ودان دب الحجون وغیرہ۔ ان مقامات میں بھی میلوں کا فاصلہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان تمام مقامات پر رسول دو عالم ﷺ بیک وقت گئے یا الگ الگ اوقات میں؟ اگر بیک وقت مانا جائے
تو بہت سارے عقیدے مسمار ہوتے ہیں اور اگر بتدریج مانا جائے تو نبوت مذاق بنتی ہے۔ پھر اس اعتبار سے شان
نزولوں کی تعداد 50 سے بھی زائد مرتبہ بنتی ہے۔ اب اہل علم کا فرض ہے کہ وہ قرآن پاک سے کوئی ایسی آیت تلاش
کریں جس کے شان نزول اتنے ہوں۔ جتنے کہ مذکورہ آیت کے ہیں۔ تاکہ علم کے ذخیرے میں مذکورہ آیت کی نظیر اور
مثال میسر آسکے۔ جس پر اعتماد کرنا آسان ہو سکے ورنہ تو مذکورہ آیت کریمہ ان شان نزولوں کے متعلق ہی نہیں رہے گی۔
اور اپنی سادہ عظمت میں چلی جائے گی۔ اور اس کی سادہ عظمت یہ ہے جن لوگوں کے اندر واقعتاً شرک ثابت ہے یہ آیت
ان کے لیے عدم استغفار کی دلیل ہے اور جن کے اندر شرک قطعاً نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور سیدہ
آمنہ علیہا السلام ان کی بابت اس آیت کو استعمال کرنا انتہائی علمی بددیانتی ہے اور دینی بددیانتی ہے۔ اہل علم میں اگر

اخلاقی اور علمی جرات ہے تو اس بابت ہم سے علمی بات کریں اس لیے کہ ہم نے حضرت مسیب والی روایت کو مذکورہ آیت کا شانِ نزول نہیں مانا بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کریمہ کی بابت آنے والی روایات سے اس کا علمی معارضہ کیا ہے۔ شاید صبح قیامت تک اس کا جواب نہ آسکے۔ یہ بات مسلم ہے کہ مسیب والی روایت کے لیے کہیں بھی دلیل ترجیح نہیں اس سے کفرابی طالب علیہ السلام کا استدلال فضول ہے ناجائز ہے۔

(۷) لفظ جب ایک ہی معنی کے لیے وضع ہو تو اسے خاص کہا جاتا ہے۔ اور جب لفظ ایک ہی نوعیت کے کئی افراد کو بیک وقت بیان کرے تو اسے لفظ عام کہا جاتا ہے اور جب ایک لفظ کے معنی کے کئی افراد ہوں اور مختلف ہوں تو اسے مشترک کہا جاتا ہے اب اگر عدم استغفار کی آیت میں لفظ مشرکین کو اس کی وضع کے اعتبار سے عام مانا جائے جیسا کہ ہے تو پھر ان تمام افراد میں نفوسِ قدسیہ کو بطور خاص نامزد کیا گیا ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی عام میں کوئی خاص لاحق ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے کسی دلیل کے ساتھ خاص کیا جائے۔ وہ اس کی مخصص دلیل کہلاتی ہے اور جس درجہ کا عام ہو اس درجہ کی ہی دلیل اس کی مخصص بن سکتی ہے۔ یا اس سے بڑے درجے کی دلیل مخصص بن سکتی ہے۔ اس عام کے درجے سے کم درجے کی دلیل مخصص نہیں بن سکتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں چونکہ ثبوت کے اعتبار سے قطعیت اور دلالت کے اعتبار سے بھی یہ آیت قطعی ہے اور لفظ مشرکین اپنی وضع کے اعتبار سے عموم پر بطور نص دلالت کرتا ہے اور تمام شرک کرنے والے اس کے معنی کے افراد ہیں اب ان میں سے دو نفوس قدسیہ کو خاص کیا گیا ہے اور نامزد کیا گیا ہے ایک جناب حضرت ابو طالب علیہ السلام اور دوسری حضرت آمنہ علیہا السلام جب کہ ان کا نام آیت میں بطور نص نہیں ہے۔ انھیں ایک وہم کی صورت میں شامل کیا گیا ہے۔ اب اہلِ علم پر جواب فرض ہے کہ وہ ان نفوس قدسیہ کو اس آیت کا مصداق کیوں بناتے ہیں اور باقی مشرکین سے خاص کرتے ہیں؟ ہم ان سے اس خصوص کی دلیل مانگتے ہیں چونکہ نص قطعی ہے لہٰذا دلیل بھی قطعی ہی چاہیے جو کہ اہل علم کے بس کی بات نہیں ہے۔ جب اہل علم کے پاس ان دو نفوس قدسیہ کے لیے دلیل مخصص ہی نہیں دلیل خصوص ہے ہی نہیں تو پھر ان کو کس قانون کے تحت خاص کیا گیا ہے؟

اہل علم کا گریبان پکڑیں اور پوچھیں کہ کس دلیل کے ساتھ ان کو خاص کیا۔ قیامت تک اہل علم اس کی دلیل نہیں دے سکتا۔ روایتیں ظنی ہیں۔ آیت قطعی ہے ظنی دلیل سے قطعی کی تخصیص نہیں ہوسکتی۔ اور اگر لفظ مشرکین کو مشترک کے معنی میں لیں کیونکہ اس کے معنوی افراد کی نوعیت مختلف ہے تو اب اس میں تاویل کر کے ہی کچھ افراد کو ماؤل کیا جاسکے گا یہاں تاویل کے لیے دلیل ہی کی ضرورت ہے۔ جو کہ اہل علم کے بس کی بات نہیں۔ اور اگر ان مختلف اسباب نزول میں ترجیح کا قاعدہ لگایا جائے تو دلیل ترجیح بھی قائم کرنی پڑے گی اور دلیل ترجیح بھی قطعی نوعیت کی ہو اور ترجیح بغیر دلیل جائز ہی نہیں تو پھر اہل علم نے کس

قانون کے تحت ان نفوسِ قدسیہ کو شامل آیت کیا ہے؟ یہ نہایت ہی ظلم ہے۔

نوٹ:۔ عام میں خصوص کا لاحق ہونا عام کے مخصوص افراد کو عام کے حکم میں شامل نہ کرنا ہے لیکن میں نے بات کو عام فہم بنانے کے لیے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ آیت میں صرف نامزد ملزمان جناب ابوطالب اور حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہما ہی کیوں؟ جبکہ کفارِ مکہ سے پورا مکہ بھرا پڑا تھا کسی ایک کا ہی بطور نمونہ نام لیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا نجانے کیوں؟

رہا روایات میں ان کا ذکر آنا یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ تمام روایات واہی اور بے ہودہ ہیں۔ ان کی ذخیرۂ علم میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ والی روایت کا حشر تو آپ نے ملاحظہ کر ہی لیا ہے۔ حضور ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت آنے والی روایات کا اس سے بھی بدتر حشر کیا گیا ہے۔ تسلی کے لیے آپ فقیر کی کتاب حرمت والدین مصطفےٰ ﷺ اور قرآن حکیم ضرور مطالعہ فرمائیں۔ تاہم حضرت بوطالب کی بابت روایت کا سماع مکہ یا مدینہ میں کہیں بھی کسی سے ثابت نہیں تفصیلات گزر چکی ہیں۔ (فریدی)

تفسیر التحریر والتنویر سے اقتباس

فیصلہ: اگر آپ کو فقیر کی تلخ نوائی پسند نہیں تو آیئے اہلِ علم ہی سے پوچھ لیتے ہیں دنیائے تفسیر کی عظیم شناخت مفسرِ اعظم محمد الطاہر بن محمد بن محمد الطاہر بن عاشور کی عظیم تفسیر التحریر والتنویر کا اقتباس حاضرِ خدمت ہے یعنی میں نے اپنی طرف سے کسی روایت کو بیہودہ نہیں کہا یہ روایات اپنی بے ہودگی میں پہلے ہی معروف ہیں مگر اہلِ علم اس طرف دھیان نہیں کر پائے حالانکہ ان کا منصبی فرض تھا کا شانۂ نبوت پر گھناؤنے الزام پر مشتمل روایات کا ضروری علمی جائزہ لیتے۔ منضبط قواعد وضوابط کی روشنی میں ان روایات کی چھان بین کرتے مگر ایسا نہ ہو پایا نجانے کیوں؟ رہا ان روایات کا بخاری و مسلم میں آجانا یہ کوئی معیارِ صحت نہیں نہ ہی بخاری و مسلم کی عصمت میں کوئی قرآنی دلیل ہے۔ حدیث کی اصل قوت سند ہے سند جتنی مضبوط ہوگی روایت اتنی ہی قوی ہوگی۔ روایت کا جائے وقوعہ اور بداہتِ عقل مضبوط قرائن ہیں ان روایات کو یہ قرائن بھی قبول نہیں کر رہے۔

"سُورَةُ التَّوْبَةِ (: (9آية [113

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ((113

اسْتِئْنَافٌ نُسِخَ بِهِ التَّخْيِيرُ الْوَاقِعُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ [التَّوْبَة: [80

ذلك التخيير بين أن يستغفر النبيء صلى الله عليه وسلم لهم وبين أن لا يستغفر في انتفاء أهم الغرضين من الاستغفار، وهو حصول الغفران، فبقي للتخيير غرض آخر وهو حسن القول لمن يرى النبيء صلى الله عليه وسلم أنه أهل للملاطفة لذاته أو لبعض أهله مثل قصة عبد الله بن عبد الله بن أبي. فأراد الله نسخ ذلك بعد أن درج في تلقيه على عادة التشريع في غالب الأحوال. ولعل الغرض الذي لأجله أبقي التخيير في الاستغفار لهم قد ضعف ما فيه من المصلحة ورجح ما فيه من المفسدة بانقراض من هم أهل لحسن القول وغلبة الدهماء من المنافقين الذين يحسبون أن استغفار النبيء صلى الله عليه وسلم لهم يغفر لهم ذنوبهم فيصبحوا فرحين بأنهم ربحوا الصفقتين وأرضوا الفريقين، فنهى الله النبيء صلى الله عليه وسلم. ولعل المسلمين لما سمعوا تخيير النبيء في الاستغفار للمشركين ذهبوا يستغفرون لأهليهم وأحبابهم من المشركين طمعا في إيصال النفع إليهم في الآخرة فأصبح ذلك ذريعة إلى اعتقاد مساواة المشركين للمؤمنين في المغفرة فينتفي التفاضل الباعث على الرغبة في الإيمان، فنهى الله النبيء صلى الله عليه وسلم والمؤمنين معا عن الاستغفار للمشركين بعد أن رخص للنبيء صلى الله عليه وسلم خاصة في قوله: استغفر لهم أو لا تستغفر لهم التوبة:

وروى الترمذي والنسائي عن علي قال: سمعت رجلا يستغفر لأبويه المشركين قال:
فقلت له: أتستغفر لأبويك وهما مشركان؟ فقال: أليس قد استغفر إبراهيم لأبويه وهما مشركان فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فنزلت هذه الآية. إلى قوله تعالى: إن إبراهيم لأواه حليم التوبة: . [114 قال الترمذي: حديث حسن.

وقال ابن العربي في «العارضة»: «هو أضعف ما روي في هذا الباب. وأما ما روي في أسباب النزول أن هذه الآية نزلت في استغفار النبيء صلى الله عليه وسلم لأبي طالب، أو أنها نزلت في سؤاله ربه أن يستغفر لأمه آمنة حين زار قبرها بالأبواء. فهما خبران واهيان لأن هذه السورة نزلت بعد ذلك بزمن طويل.

وجاءت صيغة النهي بطريق نفي الكون مع لام الجحود مبالغة في التنزه عن هذا الاستغفار. كما تقدم عند قوله تعالى: قال سبحانك ما يكون لي أن أقول ما ليس لي بحق في آخر سورة العقود ويدخل في المشركين المنافقون الذين علم النبيء صلى الله عليه وسلم نفاقهم والذين علم المسلمون نفاقهم

بِتَحَقُّقِ الصِّفَاتِ الَّتِي أُعْلِنَتْ عَلَيْهِمْ فِي هَذِهِ السُّورَةِ وَغَيْرِهَا.
وَزِيَادَةٌ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى لِلْمُبَالَغَةِ فِي اسْتِقْصَاءِ أَقْرَبِ الْأَحْوَالِ إِلَى الْمَعْذِرَةِ. كَمَا هُوَ مُفَادُ (لَوِ) الْوَصْلِيَّةِ أَيْ فَأَوْلَى إِنْ لَمْ يَكُونُوا أُولِي قُرْبَى. وَهَذِهِ الْمُبَالَغَةُ لِقَطْعِ الْمَعْذِرَةِ عَنِ الْمُخَالِفِ، وَتَمْهِيدٌ لِتَعْلِيمِ مَنِ اغْتَرَّ بِمَا حَكَاهُ الْقُرْآنُ مِنِ اسْتِغْفَارِ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ فِي نَحْوِ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ [الشعراء: 86] وَلِذَلِكَ عَقَّبَهُ بِقَوْلِهِ:
وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ [التَّوْبَة: 114] إِلَخ."

خلاصۂ تفسیر

صاحب تفسیر نے امام ابن العربی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت جو بھی روایات آئیں ہیں وہ انتہائی بے حقیقت ہیں اور اسباب نزول کے اعتبار سے جو بھی دو قسم کی روایات رہیں۔
پہلی روایت حضرت ابو طالب علیہ السلام کی عدم استغفار کی بابت اور دوسری روایت حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت "هُمَا رِوَايَتَانِ وَاهِيَانِ" یہ دونوں روایتیں واہی اور بیہودہ ہیں۔ اس لیے کہ یہ سورتیں ان دونوں جھوٹے وقوعہ جات کے طویل عرصہ بعد نازل ہوئی ہیں۔ دراصل یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایسے شخص کی بابت نازل ہوئی جو اپنے مشرک ماں باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگ رہا تھا۔

تفسیر احکام القرآن سے اقتباس

مزید توثیق کے لیے امام المفسرین القاضی محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی المعافری الاشبیلی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اپنی تفسیر احکام القرآن میں یوں ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:
"الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: فِي سَبَبِ نُزُولِهَا: الْأَوَّلُ: ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «لَمَّا حَضَرَ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ فَقَالَ: يَا عَمِّ، قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ. فَقَالَ لَهُ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؛ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ حَتَّى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ: أَنَا عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. فَقَالَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ. فَنَزَلَتْ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا} [التوبة: 113] وَنَزَلَتْ: {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ} [القصص: 56]». الثَّانِي: رُوِيَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ أَنَّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: «اسْتَغْفَرَ إبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ، وَهُوَ مُشْرِكٌ. فَلَا أَزَالُ أَسْتَغْفِرُ لِأَبِي طَالِبٍ حَتَّى يَنْهَانِي عَنْهُ رَبِّي. فَقَالَ أَصْحَابُهُ: لَنَسْتَغْفِرَنَّ لِآبَائِنَا كَمَا اسْتَغْفَرَ النَّبِيُّ لِعَمِّهِ. فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا} [التوبة: 113] إلَى: {تَبَرَّأَ مِنْهُ} [التوبة: 114]» الثَّالِثَةُ: رُوِيَ «أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَمَّا أَتَى مَكَّةَ أَتَى رَضْمًا مِنْ حِجَارَةٍ أَوْ رَسْمًا أَوْ قَبْرًا. فَجَلَسَ إلَيْهِ. ثُمَّ قَامَ مُسْتَعْبِرًا. فَقَالَ: إنِّي اسْتَأْذَنْت رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّي، فَأَذِنَ لِي. وَاسْتَأْذَنْته فِي الِاسْتِغْفَارِ لَهَا. فَلَمْ يَأْذَنْ لِي فَمَا رُئِيَ بَاكِيًا أَكْثَرَ مِنْ يَوْمَئِذٍ».

وَرُوِيَ «أَنَّهُ وَقَفَ عِنْدَ قَبْرِهَا حَتَّى سَخِنَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ رَجَاءَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ فَيَسْتَغْفِرَ لَهَا. حَتَّى نَزَلَتْ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ} [التوبة: 113] إلَى قَوْلِهِ: {تَبَرَّأَ مِنْهُ} [التوبة: 114]».

الرَّابِعَةُ: رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ «أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالُوا لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إنَّ مِنْ آبَائِنَا مَنْ كَانَ يُحْسِنُ الْجِوَارَ، وَيَصِلُ الْأَرْحَامَ، أَفَلَا نَسْتَغْفِرُ لَهُمْ؟ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ} [التوبة: 113]».

الْخَامِسَةُ: رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: «سَمِعْت رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ فَقُلْت: تَسْتَغْفِرُ لَهُمَا، وَهُمَا مُشْرِكَانِ؟ فَقَالَ: أَلَمْ يَسْتَغْفِرْ إبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ. فَذَكَرْته لِرَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَنَزَلَتْ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ} [التوبة: 113]». وَهَذِهِ أَضْعَفُ الرِّوَايَاتِ.

الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ: قَوْله تَعَالَى {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا} [التوبة: 113]: دَلِيلٌ عَلَى أَحَدِ أَمْرَيْنِ: إمَّا أَنْ تَكُونَ الرِّوَايَةُ الثَّانِيَةُ صَحِيحَةً. فَنَهَى اللَّهُ النَّبِيَّ وَالْمُؤْمِنِينَ.

وَإِمَّا أَنْ تَكُونَ الرِّوَايَةُ الْأُولَى هِيَ الصَّحِيحَةَ وَيُخْبِرُ بِهِ عَمَّا فَعَلَ النَّبِيُّ، وَيَنْهَى الْمُؤْمِنُونَ أَنْ يَفْعَلُوا مِثْلَهُ. تَنْبِيهًا لِلْغَيْرِ، وَسَائِرُ الرِّوَايَاتِ مُحْتَمَلَاتٌ.

[مَسْأَلَةٌ طَلَبِ الْمَغْفِرَةِ لِلْمُشْرِكِينَ]

الْمَسْأَلَةُ الثَّالِثَةُ: مَنَعَ اللَّهُ رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ مِنْ طَلَبِ الْمَغْفِرَةِ لِلْمُشْرِكِينَ، لِأَنَّهُ قَدْ قَدَّرَ أَلَّا تَكُونَ، وَأَخْبَرَ عَنْ ذَلِكَ وَسُؤَالِ مَا قَدَّرَ أَنَّهُ لَا يَفْعَلُهُ، وَأَخْبَرَ عَنْهُ هُنَا.

فَإِنْ قِيلَ: فَقَدْ «قَالَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - حِينَ كَسَرُوا رُبَاعِيَتَهُ، وَشَجُّوا وَجْهَهُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ». فَسَأَلَ الْمَغْفِرَةَ لَهُمْ.

قُلْنَا: عَنْهُ أَرْبَعَةُ أَجْوِبَةٍ:

الْأَوَّلُ: يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ قَبْلَ النَّهْيِ، وَجَاءَ النَّهْيُ بَعْدَهُ۔ "

خلاصۂ تفسیر

صاحبِ تفسیر علیہ الرحمہ نے مذکورہ آیت کریمہ کے پانچ شانِ نزول بیان کیے ہیں۔ اور آخر میں فیصلہ دیا ہے کہ یہ تمام روایات غیر یقینی ہیں ضعیف ترین ہیں ان میں کچھ جہاں احتمال ہوتا ہے وہاں یقین کے لیے کسی یقینی دلیل کی ضرورت ہے محض احتمال سے استدلال باطل ہوتا ہے۔

تفسیر القطان سے اقتباس

مزید توثیق کے لیے تفسیر القطان کا اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (113) ليس للنبي و للمؤمنين ان يطلبوا المغفرة للمشركين ولو كانوا اقرب الناس اليهم. من بعد ما تبين لهم بالدليل انهم من اصحاب النار.

و قد وردت روايات ان هذه الاية نزلت في ابي طالب عليه السلام و هذا غير صحيح فان ابا طالب مات قبل الهجرة وهذه الاية نزلت بعد غزوة تبوك والمدة بينهما نحو 12 سنة "

خلاصۂ تفسیر

صاحبِ تفسیر فرماتے ہیں کہ زیرِ بحث آیت کریمہ میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مراد لینا کسی بھی صورت صحیح نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات ہجرت سے 11،12 سال پہلے ہوئی ہے اور یہ آیت ذیقعدہ 9 ہجری کو نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا کسی بھی صورت روایت اور آیت میں مناسبت نہیں ہو سکتی۔

تفسیر مُباحث التفسیر سے اقتباس

آخر میں دنیائے حقیقت کے عظیم مفسر احمد بن محمد بن احمد المظفر بن مختار بدر الدین الرازی الحنفی المتوفی 630 ہجری اپنی بے مثال تفسیر المسمّی مُباحث التفسیر میں یوں رقم طراز ہیں۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"ما كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ. انها نزلت فی ابی طالب و انه لما حضرته الوفاة دخل عليه

قلت: هذا بعيد لان السورة من آخر ما نزل من القرآن و مات ابو طالب فی عنفوان الاسلام بمكة فكيف يكون سبب نزول هذه الاية استغفاره له؛

اما ماذكر من حديث على انه قال: ان عمك الضال قد مات

واللہ لن يصلوا اليك بجمعهم حتى اوسد فى التراب دفينا

فاصدع بأمرك ما عليك غضاضة وابشر وقر بذلك منك عيونا

لوجدتنى سمحا بذاك مبينا والمبين المظهر. و يجوز ان يكون قد تكلم بكلمة الاسلام سرا و لم يظهرها بدليل ما نقل عن ابن عباس انه قال: اسر ابو طالب بكلمة الشهادة و كذلك قوله ان اباطالب فى ضحضاح من النار. لا يدل على كفره لان المؤمن قد يكون فى اكثر من الضحضاح لتقصير صدر منه ثم يخرج من النار و يدخل الجنة لايمانه على ان هذا الحديث

ولقد دعوتنى و زعمت انك ناصحى... ولقد صدقت و كنت ثم امينا

وعرضت دينا لا محالة انه من خير اديان البرية دينا

لولا الملامة او حذارى سبة لوجدتنى سمحا بذلك مبينا

اما لايات الاربعة فكلها تدل على اسلامه حيث صرح فيها بتصديقه و مدحه و نصرته و اما البيت الاخير فلا يدل على كفره لانه قال

والدليل على اسلام ابى طالب انه ثبت بطريق التواتر انه كان يحب النبى ﷺ و ينصره و يوقره و يكف عنه اذى المشركين و هذا كله دلائل الاسلام لانه الكافر لا يحب النبى ولا ينصره بل يبغضه و يخذله ولا يحمل ذلك على القرابة فان ابالهب كان عمه و كان مظهر اللبغض والعداوة فان من كان

والثانى انه ثبت ايضا بالنقل المتواتر ان النبى ﷺ كان يحبه و يصاحبه والنبى ﷺ لا يحب الكافر شرعًا و طبعًا من انه مأمور بمجانبة الكفر و معاداة المشركين الفجار قال الله تعالیٰ (لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ) و قال (لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ) ولا يحمل ذلك على القرابة فان ابالهب كان ايضا عمه و ما كان يحبه كيف و قد نفى الله تعالى المحبة من المسلم للكافر مع وجود القرابة القريبة

بقولہ (لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔۔) الآیۃ

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ... ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ... فَهُمْ عِنْدَهُ فِي نِعْمَةٍ وَفَوَاضِلِ"

خلاصہ تفسیر

صاحب تفسیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کو نامزد کرنا انتہائی غلط ہے وجہ یہ ہے کہ ان کا انتقال تو ابتداء اسلام میں 10 سن نبوی میں مکہ میں ہو گیا تھا اور یہ سورہ مبارک سب سے آخر میں نازل ہوئی اور مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ بنا بریں یہ آیت کریمہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں کسی بھی صورت نازل نہیں ہوئی ہے۔ اور جائز ہے کہ اسلام کا اظہار آہستہ بھی قابلِ قبول ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام یقیناً مسلمان ہیں مگر انھوں نے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا۔ اور ضحضاح والی روایات ان کے کفر پر کسی بھی صورت میں دلالت نہیں کرتیں۔ یہ اس لیے کہ کبھی مومن بھی ضحضاح میں ہوتے ہیں اور پھر بعد میں ایمان کی عظمت پر نکالے جاتے ہیں۔ اگر ضحضاح (پتلی آگ) ہی وجہ کفر ہے تو پھر نعوذ باللہ ان مومنوں کو بھی کافر ماننا لازم آئے گا۔ جو کسی بھی حوالے سے ضحضاح میں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے بارے میں بھی ضحضاح کی روایت ہے بہر حال آپ کے تمام اشعار دل کے ہی ارمان ہیں اور روح کی روشنی ہیں ان سب کا مضمون عظمت اسلام ہے جو آپ کے مسلمان ہونے پر واضح دلالت کرتے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ ابوطالب علیہ السلام کا اسلام پورے تواتر سے ثابت ہے۔

خاص بات

اہل علم نے ابوطالب علیہ السلام کی رسول اللہ سے محبت طبعی قرار دی۔ اسی لیے بہانا تراش رہے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی جناب ابوطالب سے شدید محبت تھی یہ بھی مکمل تواتر ثابت ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم کی بہت ساری آیات کے ذریعے روک دیا تھا کہ کسی کافر و مشرک سے ہرگز محبت نہ کریں

(فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ) کی قرآنی گواہی کافی ہے۔

(لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ) کی گواہی قرآن میں موجود ہے۔

(لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ) کی قرآنی شہادت موجود ہے۔ مزید سورہ مجادلہ کا مکمل

عنوان اس بابت موجود ہے اور یہ ایک متواتر حقیقت ہے اس قطعی حقیقت کے مدمقابل مصنوعی روایات کی کوئی دینی علمی شرعی حیثیت نہیں۔ نبوی صحبت جناب ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ مسلسل تسلسل پذیر رہی۔ اب اس عظیم تواتر کو جھٹلانا بدترین علمی خیانت ہے۔ (فریدی)

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اسلام تواتر سے ثابت ہے

صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اسلام پورے کامل تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ ابتداء اسلام چار صورتوں میں منحصر تھا۔

(۱) توحید باری تعالیٰ کا یقین۔

(۲) رسول دو عالم ﷺ کی رسالت کا یقین۔

(۳) رسول دو عالم ﷺ کی کامل محبت۔

(۴) رسول دو عالم ﷺ کی مکمل نصرت۔

اس وقت نازل کردہ قرآن کی آیات کا یہی مضمون رہا اکثر آیات اس مضمون پر ہی مشتمل ہیں۔ اور الحمدللہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مذکورہ چاروں عظمتیں بدرجہ اتم میسر تھیں۔ بلکہ ان کے نفس قدسیہ کا خمیر تھیں وہ انھیں ہمہ وقت میسر تھیں۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام ان چاروں عظمتوں پر قائم و دائم بھی تھے اور پوری استعداد کے ساتھ ان چاروں عظمتوں پر قربان ہونے کے لیے تلے ہوئے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ رسول دو عالم ﷺ سے حد درجہ محبت فرماتے تھے اور رسول دو عالم ﷺ بھی ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ رسول دو عالم ﷺ نے کبھی بھی کسی کافر اور مشرک سے شرعاً اور طبعاً محبت نہیں کی۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام سے محبت کرنا اُن کی عظمت یقین کا روشن باب ہے۔ یہ محبت ہر دو طرف سے رہتی تھی۔ خاندانی محبت سے بالاتر تھی ورنہ ابولہب بھی تو خاندان سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی ذات نے ایمان والوں کو فرمایا کہ ایمان والے تو وہی ہیں جو محبوب دو عالم ﷺ سے خاندانی محبت سے بالاتر ہو کر محبت کرتے ہیں۔

نوٹ: بعض اہل علم نے یہ جو کہا ہے کہ یہ محبت طبعی تھی شرعی نہ تھی۔ یہ سراسر غلط ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ایک مستقل باب باندھا جائے گا۔ بہرحال یہ طے ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے کامل محبت صرف مؤمن ہی کر سکتا ہے اور آپ کی نصرت بھی کامل مؤمن ہی کر سکتا ہے۔ اور عزت و توقیر مؤمن ہی کرتا ہے اور مؤمن ہی اسلام اور بانی اسلام کا دفاع کرتا ہے کافر نہ تو نبی سے محبت کرتا ہے اور نہ اس کی نصرت کرتا ہے بلکہ نبی سے بغض رکھتا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی رسول اللہ ﷺ سے کامل اور مثالی محبت بھی پورے یقینی تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

حقیقت کو پوری کائنات کے باسی جانتے ہیں اپنے بھی اور پرائے بھی۔ عین ایسے ہی خود رسول اللہ ﷺ کو بھی جناب ابوطالب علیہ السلام سے شدید محبت تھی حالانکہ نبی مامور تھے کہ کافر اور مشرک سے شرعاً طبعاً نفرت کریں یہ بھی تواتر سے ثابت ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی رسول اللہ ﷺ سے کامل اور مثالی نصرت بھی پورے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور لطف دینی نصرت بھی پورے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی 50 سالہ صحبتِ نبوی کی عظمت بھی یقینی ہے صحابیت بھی پورے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کائنات کا کوئی شخص اس عظمت کو چیلنج نہیں کرسکتا۔ ملاں ازم کی اختراعی چیں چاں کی کوئی حیثیت نہیں۔ پورے عالم اسلام میں اس طرح کا شرف کسی کے پاس نہیں ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی حمایت اسلام میں تین مثالی نسلوں کی قربانیاں کوئی بدفطرت ہی بھول سکتا ہے۔ ساری عمر خود قربانی دیتے رہے اپنے عظیم بیٹوں حضرت جعفر طیار اور عقیل بن ابوطالب حضرت علی المرتضیٰ کی قربانیاں اور ان کے بعد حسنین کریمین اور ان کی پاکیزہ اولادوں کی مسلسل مثالی قربانیاں کوئی ظالم ہی بھلاسکتا ہے۔ اتنی عظیم شہادتوں کا مورث اعلیٰ اب بھی اگر مسلمان نہیں؟ تو اس ذاتِ والا صفات پر لگایا گیا کفر اور شرک کا الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اور بیہودہ ترین تہمت اور الزام ہے۔ (مسکین فریدی)

اہلِ علم کو چیلنج

(۱) کائنات بھر کے اہل علم کو چیلنج ہے کہ جملہ مفسرین کے بیان کردہ تفسیری اثاثے میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کا مفید یقین ہونا ثابت کریں۔ یا کسی شخص حتیٰ کہ خود رسول کریم ﷺ سے کسی بھی علمی اعتبار سے سماع ثابت کر دیں کہ یہ روایت حضرت مسیب نے سرکار دو عالم ﷺ سے لی ہے۔

(۲) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے جس ذریعہ علم سے اس روایت کو حاصل کیا ہے اس ذریعہ علم کی ٹھوس قطعی دلیل سے نشاندہی کریں؟

(۳) سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳، کے جتنے بھی شانِ نزول ہیں ان تمام میں سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کی ترجیح بیان کریں؟ اور وجہ ترجیح دلیل ترجیح قطعیت کے ساتھ بیان کریں۔

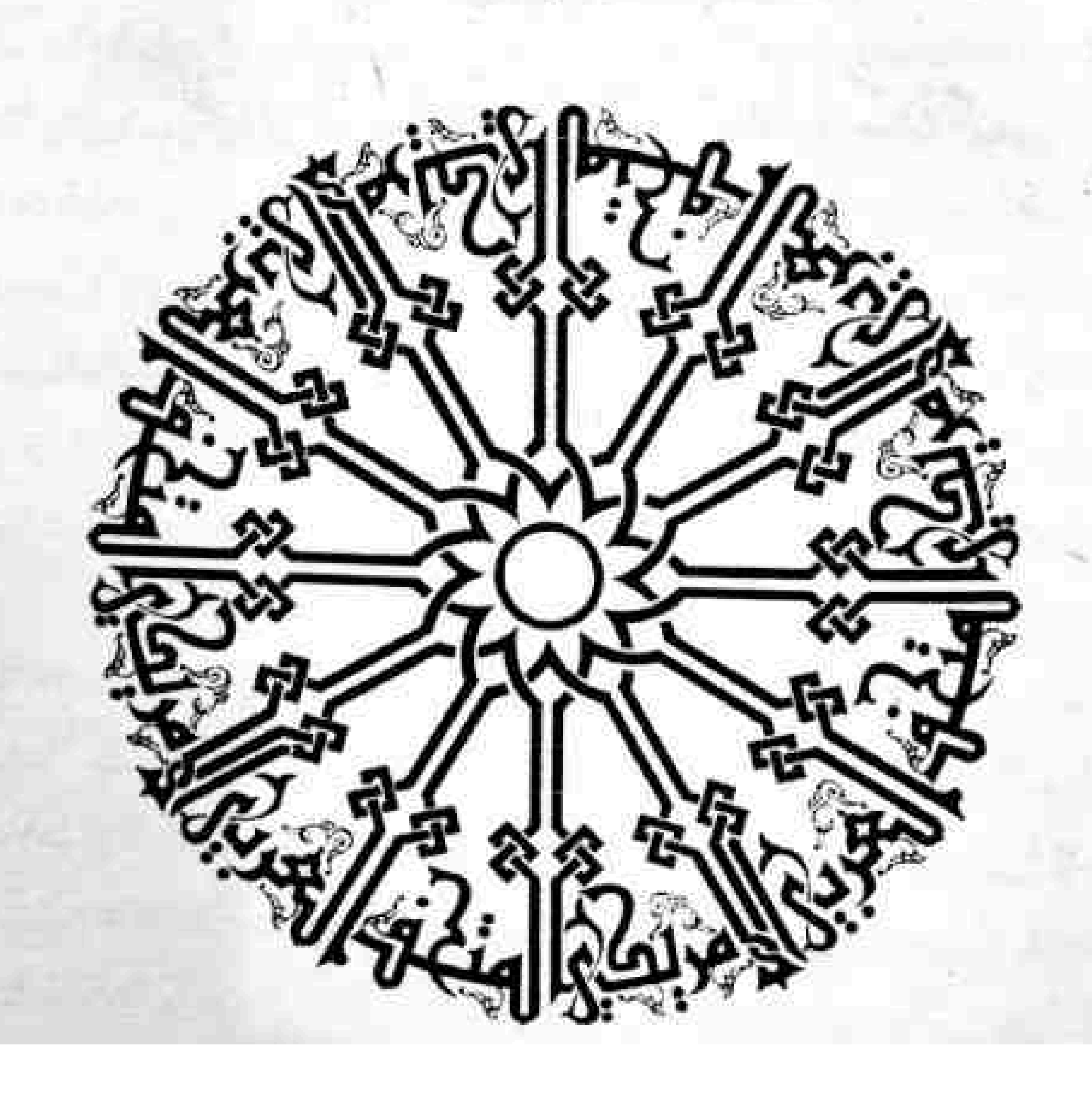
(۴) کسی دلیل قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت سے ثابت کریں کہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ واقعتاً حضرت ابوطالب علیہ السلام

کہ شرک کی بابت نازل ہوئی؟

(۵) قرآن وحدیث کے پورے ذخیرۂ علم سے کوئی ایک دلیل جو ثبوت میں بھی قطعی ہو اور دلالت میں بھی قطعی ہو جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کافر و مشرک تھے۔

اہل محبت سے بالعموم اور ساداتِ کرام سے بالخصوص گزارش کرتا ہوں کہ آپ پوری دلیری کے ساتھ اہل علم سے یہی پانچ سوال کریں۔ میں اُمید کرتا ہوں سادات کرام ضرور انھیں گے اپنے جد کریم سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی حمایت میں۔

نوٹ: جب مذکورہ مجوزہ کفرابی طالب پر مشتمل روایت جعلی، بیہودہ اور جڑ کٹی ہے تو اس میں درج شدہ آیات کا بھی جناب ابو طالب علیہ السلام سے کوئی علمی، دینی تعلق نہیں۔ مزید یہ کہ حضرت مسیب بن حزن سے منسوب آیت کسی مبداءِ علم سے متعلق نہیں تو پھر ہم کفرابی طالب علیہ السلام میں اس کو علمی مؤثر کیونکر مانیں نہ تو حضرت مسیب کے اکیس سالہ زمانہ کفر میں کسی مسلمان نے ان کو یہ روایت بیان کی اور نہ ہی صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر دو زمانوں میں انھیں یہ سب کچھ بیان کیا اور نہ ہی کسی کے پاس اس روایت کی بابت کسی سماع کی کوئی یقینی تصدیق ہے ذاتی اندازوں کی کوئی دینی حیثیت نہیں۔ (فریدی)



فصل رابع:

سورۂ قصص کی آیت نمبر 56 سے
کُفرِ ابی طالب کا ناجائز غیر علمی استدلال کے ردّ میں

سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۶ کا علمی جائزہ

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی آیات بینات کا علمی جائزہ کائنات میں کوئی بھی نہیں لے سکتا۔ یہاں اس آیت کے جائزہ سے مراد اس کے ضمن میں بیان کیے جانے والے اسباب نزول یا مسائل ہوا کرتے ہیں۔ اسباب نزول بندوں کی طرف سے بیان کردہ ہیں۔ بنابریں ضروری ہے کہ ان کی تحقیق کی جائے تاکہ یقین کو منزل ملے۔ ہماری کتاب سے متعلق جو آیت کریمہ ہے وہ سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۶ ہے۔ جس کا حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت میں غلط اور ناجائز استعمال ہوا ہے اس بے جا استعمال کو آڑ بنا کر حرم نبوت کی توہین کی گئی ہے، حضرت ابو طالب علیہ السلام کی تکفیر کی گئی ہے جو سراسر زیادتی ہے قرآن عظیم کے ساتھ بھی اور حرم نبوت کے ساتھ بھی خصوصاً سید بطحاء سردار قریش محسن پیکر نبوت سیدنا حضرت ابو طالب علیہ السلام کی ہمدردی اور جوئی کے ساتھ توہین کی گئی ہے۔ اور علمی انصاف کا قتل کیا گیا ہے۔ جس پر ہم نے ضروری سمجھا کہ اُمت کو اس کا پورا علمی جائزہ پیش کیا جائے تاکہ اُمت حرمِ نبوت کے حوالے سے سرشارِ محبت رہے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کو اس آیت کا شانِ نزول مان کر نظم قرآن پر ایک کاری ضرب لگائی گئی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی خود حفاظت کرتا ہے جہاں تک روایت کا معاملہ ہے اس کا تو آپ کو علم ہو چکا ہے کہ اس روایت کی نہ کوئی دینی حیثیت ہے نہ علمی کیونکہ اس روایت کا بطور روایت وجود ہی کوئی نہیں۔ یہ ڈرامائی فراڈ کا ایک غیر فطری آمیزہ ہے کیونکہ اس کے راوی کے پاس اس کے حصول کے لیے کوئی ذریعہ علم ہی نہیں نہ تو راوی خود صاحب وحی ہے اور نہ ہی صاحب وحی ﷺ سے اس بابت کچھ سنا ہے اور نہ ہی راوی اس واقعہ کا خود عینی شاہد ہے اور نہ ہی کسی عینی شاہد سے اس راوی نے روایت کو حاصل کیا ہے۔ اور یہ روایت اپنے مشمولات کے اعتبار سے انتہائی مشکوک ہے۔ اس روایت پر اعتماد کرنا حقیقت کا براہ راست خون کرنا ہے۔

ہم اس کا جواب قرآن کریم سے ہی دیتے ہیں۔ اسی سورۂ کی آیت نمبر ۵۰ سے آغاز کریں اور آیت نمبر ۵۵ تک آ کر رک جائیں۔ آپ کو ایک مضمون ملے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نصیحت کے لیے مسلسل اپنی حکمتوں کو بیان کرتے رہتے ہیں۔ خواہ وہ عظیم واقعات کی صورت میں ہو خواہ احکام کی صورت میں ہو کچھ بلند بخت ایسے لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب عطاء فرمائی اور ان کا پہلے سے ہی یقین کامل تھا پھر جب ان پر قرآن کریم کی آیتیں تلاوت ہوئیں تو وہ فرطِ شوق سے بولے بیشک یہ ہمارے عظیم رب کی طرف سے عظیم حق ہے ہم تو اس کی عظمتوں کو پہلے سے ہی تسلیم کرتے ہیں یہ وہی بلند

بخت لوگ ہیں جن کو دوہرا درجہ دیا جاتا ہے اور ان کے حوصلے کی شان یہ ہے کہ ان کے ساتھ اگر کوئی برائی کرتا ہے تو وہ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ یعنی بدی کے بدلے بدی نہیں بلکہ بھلائی کرتے ہیں اور جب ہم انھیں اپنی نوازشوں سے نوازتے ہیں تو وہ شکریہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کر دیتے ہیں ایک ان کا مرتبہ یہ بھی ہے (اگر وہ کسی سے بیہودہ بات سنتے ہیں تو نرمی سے اسے کہتے ہیں بھائی ہمیں اپنے رب کے پیار کی مستی میں رہنے دے یعنی ہمیں نہ چھیڑ تم جو چاہو کر لو تمہارے اعمال کا وبال تم پر ہی ہوگا اور ہماری محبتوں کا صلہ ہمیں ملے گا۔) سلام ہو تمہیں ہمارا راستہ چھوڑ دو ہم کسی جاہل سے الجھنا نہیں چاہتے۔ ہٹ جاؤ ہمارے راستہ سے ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم ہمیں کچھ نہ کہو۔

قارئین محترم! یہ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کی صفت ہے جو پہلی کتابوں پر بھی یقین رکھتے تھے اور کتاب مبین پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اہل تفسیر نے اس بارے میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں ان سب میں فائق تر قول یہ ہے کہ کچھ لوگ دربار رسالت میں حاضر خدمت ہوئے اس وقت آپ مکہ میں تشریف فرما تھے آنے والے لوگ اہل کتاب تھے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اُمور دین سے متعلق گفتگو ہوئی فوراً قلب و روح حضورِ عظمت نبوت میں نذر کر دیے اور دائمی غلامی کا عہد کر لیا۔ آقا علیہ السلام نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ انھیں فیوضات نبوت سے مالا مال فرمایا جب وہ سیر ہو گئے تو واپس جانے لگے۔ بد بخت ابو جہل آیا اور اس کے ساتھ چند غنڈے آئے تو وفد والوں سے کہنے لگے کہ تم نامراد ہو بیوقوف ہو جاہل ہو تم یہاں کیا لینے آئے تھے؟ انھوں نے جواب میں کہا ہم یہاں دونوں جہاں کی سعادتیں لینے آئے تھے اور جھولیاں بھر کر جا رہے ہیں تم اپنی راہ لو ہمیں ہماری منزل کی جانب جانے دو۔

یہ تھا سورۃ القصص کی آیت نمبر ۵۰ تا ۵۵ کا مضمون اب آیت نمبر ۵۶ تا ۵۷ کا مضمون یہ ہے۔

حضور ﷺ کی ذات نے کفار مکہ کو حق آشنا کرنے کی کوشش کی انھوں نے بہت سارے بہانے حق نہ قبول کرنے کے بنائے۔ ان میں سے ایک بہانہ یہ تھا۔ اے محمد ﷺ! اگر ہم نے آپ کی غلامی اختیار کر لی اور ہدایت کی طرف آ گئے اور آپ کے قدموں میں سرنگوں ہو گئے تو ہمیں اپنے گھروں سے زمینوں سے زبردستی بے دخل کر دیا جائے گا۔ اور اُچک لیا جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے حبیب! یہ جھوٹ بولتے ہیں ان سے کہو کیا ہم نے ان کو امن والا حرم نہیں دیا؟ اور ان کی تواضع کے لیے حدودِ حرم کو پھلوں سے نہیں بھر دیا؟ رزق کی فراوانی عطا نہیں کی؟ اور اپنی جناب خاص سے ان کو رزق سے بھر کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کا یہ بہانہ نہایت ہی بے ہودہ اور بے کار ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ محبوب آپ ان کو ہدایت دینا چاہتے تھے آپ کو یہی پسند ہے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے بہانے والوں کو ہدایت نہیں دے گا۔ جو طالب حق ہوگا اس کا دامن ہم اپنی ہدایت سے بھر دیں گے۔ ہماری حکمتوں کو یہ کیسے جان پائیں گے؟ نہیں جان سکتے۔

قارئین محترم! یہ تھا آیت نمبر ۵۶ تا ۵۷ کا مضمون جو نظم قرآن کے بھی مناسب حال ہے اور سیاق و سباق کے اعتبار سے بھی مربوط ہے۔ اور حقیقت حال کے بھی عین مطابق ہے۔

رہا حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کا معاملہ تو وہ کسی بھی طرح ان آیات کے مناسب حال ہی نہیں ہے۔ نہ ہی نظم قرآنی اسے قبول کرتا ہے اور نہ ہی ربط کلام الٰہی کا تقدس اسے برداشت کرتا ہے اور نہ ہی سیاق و سباقِ آیات اسے قبول کرتے ہیں۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کا کوئی علمی مقام ہوتا تو یقیناً قرآن اسے پذیرائی دیتا۔ مگر یہ روایت چونکہ خود ساختہ ہے اس لیے قرآنی آیات نے اسے برداشت نہیں کیا کیونکہ قرآن پاک اللہ کی سچی کتاب ہے۔

یہ صرف میرا خیال نہیں ہے بلکہ دنیائے تفسیر کے عظیم مفسر امام فخر الدین رازی نے بھی یہی کہا ہے کہ اس آیت کی ظاہری دلالت حضرت ابوطالب علیہ السلام پر ہرگز دلالت نہیں کرتی یعنی ان سے متعلق آئی ہی نہیں۔ اقتباس تفسیر حاضر خدمت ہے۔

نوٹ: "لا نبتغی الجاھلین" کی دلالت ہی واضح اعلان ہے کہ یہ ابوجہل کی غنڈہ گردی کا جواب ہے کہ وہ کتاب والوں کو دربار نبوت سے فیض یاب ہونے کے بعد واپسی پر برا بھلا کہنے لگا اور اہل کتاب و اہل ایمان نے جو جواب دیا قرآن کریم نے اسے اپنی آیات میں روشن دلیل بنا کر بیان کر دیا۔ یا ایک روایت یہ ہے کہ ایک شخص غیر مذہب دربار رسالت میں حاضر ہوا اپنے ملکی معاملات پر گفت و شنید کرنے لگا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دعوتِ اسلام دی اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کا سفیر ہوں وہاں جاؤں گا ان سے مشورہ کروں گا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی

"اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ"

کہ ہدایت صرف آپ کی پسند پر نہیں بلکہ مرضی الٰہی پر ہے۔ حیرت ہے اس آیت کو یار لوگوں نے جناب ابوطالب علیہ السلام کی بابت ناجائز استعمال کیا ہے حالانکہ جس ذات پر یہ آیت نازل ہوئی اس نے زندگی بھر کبھی بھی جناب ابوطالب علیہ السلام کو کافر نہیں کہا۔ اس آیت کے ضمن میں نجانے حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کو یہ خواب کیوں آیا؟

تفسیر کبیر سے اقتباس

"وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ" وَتَوْصِيلُ الْقَوْلِ هُوَ إِتْيَانُ بَيَانٍ بَعْدَ بَيَانٍ، وَهُوَ مِنْ وَصْلِ الْبَعْضِ بِالْبَعْضِ، وهذا القول الوصل يتحمل أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ مِنْهُ إِنَّا أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ مُنَجَّمًا مُفَرَّقًا يَتَّصِلُ بَعْضُهُ بِبَعْضٍ لِيَكُونَ ذٰلِكَ أَقْرَبَ إِلَى التَّذْكِيرِ وَالتَّنْبِيهِ، فَإِنَّهُمْ كُلَّ يَوْمٍ يطلعون على حكمة أخرى وفائدة زائدة فيكون عِنْدَ ذٰلِكَ أَقْرَبَ إِلَى التَّذَكُّرِ، وَعَلَى هٰذَا التَّقْدِيرِ يَكُونُ هٰذَا جَوَابًا عَنْ قَوْلِهِمْ هَلَّا أُوتِيَ مُحَمَّدٌ كِتَابَهُ دَفْعَةً وَاحِدَةً كَمَا أُوتِيَ مُوسَى كِتَابَهُ كَذٰلِكَ، وَيُحْتَمَلُ أَنْ

يكون المراد وصلنا أخبار الأنبياء بعضها ببعض وأخبار الكفار في كيفية هلاكهم تكثيرا لمواضع الاتعاظ والانزجار
ويحتمل أن يكون المراد بينا الدلالة على كون هذا القرآن معجزا مرة بعد أخرى لعلهم يتذكرون ثم إنه تعالى لما
أقام الدلالة على النبوة أكد ذلك بأن قال الذين آتيناهم الكتاب من قبله أي من قبل القرآن أسلموا بمحمد
فمن لا يعرف الكتب أولى بذلك، واختلفوا في المراد بقوله الذين آتيناهم الكتاب وذكروا فيه وجوها
أحدها قال قتادة إنها نزلت في أناس من أهل الكتاب كانوا على شريعة حقة يتمسكون بها فلما بعث الله تعالى
محمدا آمنوا به من جملتهم سلمان وعبد الله بن سلام

وثانيها قال مقاتل نزلت في أربعين رجلا من أهل الإنجيل وهم أصحاب السفينة جاءوا من الحبشة مع جعفر
وثالثها قال رفاعة بن قرظة نزلت في عشرة أنا أحدهم، وقد عرفت أن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب
فكل من حصل في حقه تلك الصفة كان داخلا في الآية ثم حكى عنهم ما يدل على تأكيد إيمانهم وهو قولهم آمنا به إنه
الحق من ربنا إنا كنا من قبله مسلمين فقوله إنه الحق من ربنا يدل على التعليل يعني أن كونه حقا من عند
الله يوجب الإيمان به وقوله إنا كنا من قبله مسلمين بيان لقوله آمنا به لأنه يحتمل أن يكون إيمانا قريب العهد
وبعيده، فأخبروا أن إيمانهم به متقادم وذلك لما وجدوه في كتب الأنبياء عليهم السلام المتقدمين من البشارة
بمقدمه،

ثم إنه تعالى لما مدحهم بهذا المدح العظيم قال أولئك يؤتون أجرهم مرتين بما صبروا وذكروا فيه وجوها أحدها
أنهم يؤتون أجرهم مرتين بإيمانهم بمحمد صلى الله عليه وسلم قبل بعثته وبعد بعثته وهذا هو الأقرب لأنه تعالى
لما بين أنهم آمنوا به بعد البعثة وبين أيضا أنهم كانوا به قبل مؤمنين البعثة ثم أثبت الأجر مرتين وجب أن
ينصرف إلى ذلك وثانيها يؤتون الأجر مرتين مرة بإيمانهم بالأنبياء الذي كانوا قبل محمد صلى الله عليه وسلم
ومرة أخرى بإيمانهم بمحمد صلى الله عليه وسلم وثالثها قال مقاتل هؤلاء لما آمنوا بمحمد صلى الله عليه وسلم
شتمهم المشركون فصفحوا عنهم فلهم أجران أجر على الصفح وأجر على الإيمان، يروى أنهم لما أسلموا لعنهم أبو جهل
فسكتوا عنه، قال السدي اليهود عابوا عبد الله بن سلام وشتموه وهو يقول سلام عليكم ثم قال ويدرءون
بالحسنة السيئة والمعنى يدفعون بالطاعة المعصية المتقدمة، ويحتمل أن يكون المراد دفعوا بالعفو والصفح
الأذى، ويحتمل أن يكون المراد من الحسنة امتناعهم من المعاصي لأن نفس الامتناع حسنة ويدفع به ما لولاه
لكان سيئة، ويحتمل التوبة والإنابة والاستمرار عليها، ثم قال ومما رزقناهم ينفقون لأن ترك المنافقة

مندوب، وان کان القتال واجبا

بحمد اللہ تم الجزء الرابع والعشرون، ویلیه الجزء الخامس والعشرون وأوله تفسیر قوله تعالی إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ من سورة القصص جمع هذا الجزء والأجزاء الثلاثة قبله وراجعها علی أصولها بالمطبعة الأميرية وعلق عليها حضرة الأستاذ عبد الله إسماعيل الصاوی بالإدارة العامة للثقافة بوزارة المعارف

سورة القصص (28) الآيات 56 الی 57

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (56) وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

اللہ أن فی قوله تعالی إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ مَسَائِلَ

المسألة الأولی هٰذه الآية لا دلالة فی ظاهرها علی کفر أبی طالب "(تفسیر کبیر رازی)

خلاصہ تفسیر

اوپر بیان ہو چکا قارئین فقط خط کشیدہ جملہ پر بار بار غور فرمائیں حقیقت سامنے آجائے گی۔

نوٹ

بعض اہلِ علم نے حضرت زجاج رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک قول بیان کیا ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب علیہ السلام کی بابت نازل ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زجاج رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت کو ہزاروں سلام مگر ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔

وضاحت

(۱) اجماع دلائل شرعیہ میں تیسرے درجے کی دلیل ہے اور اجماع کا ضابطہ یہ ہے کہ عند الضرورۃ ہوتا ہے امام زجاج یہ بتائیں کہ اُمت مسلمہ کو کون سی مجبور کر دینے والی ضرورت لاحق ہوئی کہ اُمت نے محسوس کیا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانا اُمت کے لیے انتہائی ضروری ہے؟ اور اس پر اجماع کیا جائے؟

(۲) اجماع کا یہ ضابطہ ہے کہ جب قرآن وسنت میں کسی مسئلے کا حل نہ ملے تو اہلِ علم مل بیٹھیں اور غور وخوض کر کے اس مسئلے کا حل

تلاش کریں مگر شرط یہ ہے کہ اجماع کا داعیہ ضرور موجود ہو حضرت زجاج نشاندہی کریں کہ کونسا ایسا داعیہ تھا جس نے
اُمت کو اس اجماع کرنے پر مجبور کیا کہ اُمت اس اجماع کے بغیر کہیں ادھوری نہ رہ جائے؟

(۳) حضرت زجاج کی یہ بھی علمی ذمہ داری ہے کہ وہ دلیل اجماع بھی مہیا کریں ورنہ یہ اجماع مسترد کیا جاتا ہے۔ تحقیق کی راہ میں ایسے وضعی خیالوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ اہل علم سے گزارش کرتا ہوں یا اپنے علمی ضابطے بدلیں یا اپنا رویہ بدلیں کیونکہ ان دونوں میں کہیں بھی مناسبت نظر نہیں آتی۔ آپ کے مسائل غلط ہیں اگر ہم نے اس پر بولنا شروع کر دیا تو بہت کچھ اُدھڑ جائے گا۔ ہماری صرف اتنی گزارش ہے کہ حرمِ نبوت کے عظیم نفوسِ قدسیہ کو ان کے مرتبہ میں ہی رہنے دیا جائے نہ چھیڑا جائے۔

نوٹ

حیرت ہے اجماع پیش آمدہ مسئلے میں ہوتا ہے اور دلائل شرعیہ کی عدم دستیابی پر ہوتا ہے۔ صدیوں پرانے مسائل پر اجماع نہیں ہوتا۔ زجاج بتائیں یہ مسئلہ زمانۂ نبوت کا ہے کتنے صحابہ اس اجماع میں شریک ہوئے اور کون کون سے صحابہ اس مسئلے میں شریک اجماع ہوئے؟ یا اس اجماع کو صحیح یقین کرتے ہوئے بتائیں کبھی بھی کوئی بھی نہیں بتا پائے گا کیونکہ یہ سب ڈرامائی فراڈ ہے جو بزرگوں کے نام مڑھ دیا گیا ہے۔ کن کن قواعدِ اجماع کا یہاں لحاظ رکھا گیا۔
آیئے اس مسئلے میں ایک اور نادر حوالہ حاضر خدمت ہے۔

تفسیر مراح اللبید سے اقتباس

تفسیر مراح اللبید میں اس مسئلے کی وضاحت اس طرح ہے۔ تفصیلی اقتباس حاضر خدمت ہے۔
"وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ أی أنزلنا القرآن منجما یتصل بعضه ببعض لیکون ذلك أقرب إلی تنبیه کفار مكة، فإنهم کل یوم یطلعون علی فائدة، فیکونون عند ذلك أقرب إلی التذکر أو جعلنا القرآن أنواعا من المعانی من قصص ووعد ونصائح، لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (51) فیؤمنون بما فی القرآن الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ أی من قبل مجیء القرآن هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ (52) وهم مؤمنو أهل الکتاب وَإِذَا يُتْلَى، أی القرآن عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ أی القرآن الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ، أی من قبل قراءة القرآن علینا مُسْلِمِينَ (53)، أی مخلصین لله بالتوحید مؤمنین بمحمد صلی الله علیه وسلم أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بإیمانهم بمحمد قبل بعثته وبعد بعثته بما صَبَرُوا علی طعن الکفار وأذاهم متی بینوا صفة محمد صلی الله علیه وسلم فی کتابهم ودخلوا فی دینه

قال مقاتل هؤلاء لما آمنوا بمحمد صلّى الله عليه وسلّم شتمهم المشركون فصفحوا عنهم فلهم أجران أجر على

الصفح، وأجر على الإيمان وقال السدى إن اليهود عابوا عبد الله بن سلام وشتموه وهو يقول سلام عليكم

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أى ويدفعون بالطاعة المعصية وبالعفو الأذى، وبالامتناع من المعاصى فإن نفس

الامتناع حسنة وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (54)

وقال سعيد بن جبير وهم أربعون رجلا قدموا مع جعفر من الحبشة على النبى صلّى الله عليه وسلّم، فلما رأوا

ما بالمسلمين من الخصاصة قالوا له يا نبى الله، إن لنا أموالا فإن أذنت انصرفنا فجئنا بأموالنا، فواسينا بها

المسلمين. فأذن لهم، فانصرفوا، فأتوا بأموالهم، فواسوا بها المسلمين، فنزلت هذه الآيات الثلاث وَإِذَا سَمِعُوا

اللَّغْوَ أى ما لا ينفع فى دين ودنيا أَعْرَضُوا عَنْهُ أى اللغو وقالوا للاغين لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ أى لنا ديننا ولكم

دينكم، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وهو سلام إعراض وفراق، لا سلام تحية فلا نقابلكم بمثل ما فعلتم بنا، لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ

(55) أى لا نطلب صحبتهم ولا نجازيهم بالباطل على باطلهم فإن المشركين كانوا يسبون مؤمنى أهل الكتاب

يقولون تبا لكم تركتم دينكم فيعرضون عنهم ولا يردون عليهم إِنَّكَ يا أشرف الخلق لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ

اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (56)

قال ابو طالب بن عبد المطلب فقال لن تزالوا بخير ما سمعتم من محمد وما اتبعتم أمره فاتبعوه وأعينوه

ترشدوا، وأنه قال ألم تعلموا أنا وجدنا محمدا رسولا كموسى صح ذلك فى الكتب، وأنه قال عند قرب موته

مخاطبا لرسول الله صلّى الله عليه وسلّم

ودعوتنى وعلمت أنك صادق ولقد صدقت وكنت قبل أمينا

ولقد علمت بأن دين محمد من خير أديان البرية دينا

لولا الملامة أو حذار مسبة لوجدتنى سمحا بذاك مبينا

واعلم أنه لو ترك شخص النطق بالشهادتين بعد المطالبة لا لإباء عن الإسلام ولا لعناد له، بل لخوف من ظالم أو

من ملامة، أو مسبة عند من يعظم ذلك، وقلبه مطمئن بالإيمان فلا يكون كافرا بينه وبين الله، بل لو تكلم

بالكفر والحالة هذه لا يضره وقال الحليمى لا خلاف أن الإيمان ينعقد بغير كلمة لا إله إلا الله حتى لو قال لا إله

غير الله ولا إله ما عدا الله، أو ما سوى الله، أو ما من إله إلا الله، أو لا إله إلا الرحمن، أو لا رحمن إلا الله أو إلا البارئ

فهو كقوله لا إله الا الله اه وكذا قال محمد نبى الله أو مبعوثه أو نحو ذلك، أو ما يؤدى إلى ذلك باللغات العجمية

صح إسلامه وحكم بكونه مسلما

وفي الحديث قوله صلّى الله عليه وسلّم »آدم ومن دون تحت لوائي وإن عبد المطلب يعطي نور الأنبياء وجمال الملوك. «1» وعن جعفر بن محمد الصادق قال ويحشر عبد المطلب له نور الأنبياء وجمال الملوك، ويحشر أبو طالب في زمرته، أي إنما يعطي عبد المطلب نور الأنبياء، لأنه كان على التوحيد، ولأنه مستقل لا تابع، وهو من أهل الفترة وإنما يعطي جمال الملوك، لأنه كان سيد قريش في زمانه فهو في ذلك ملحق بالملوك الذين عدلوا وما ظلموا، ومما يدل على أن أبا طالب مؤمن ما روى عن إسحاق بن عبد الله بن الحرث قال قال العباس لرسول الله صلّى الله عليه وسلّم أترجو لأبي طالب خيرا ـ قال »كل الخير أرجو من ربي«

«2» رجاؤه صلّى الله عليه وسلّم محقق ولا يرجو كل الخير إلا لمؤمن وما روى عن ابن عمر قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم »إذا كان يوم القيامة شفعت لأبي وأمي وعمي أبي طالب، وأخ كان لي في الجاهلية . «3»

أورده المحب الطبري أي وهو الأخ من الرضاعة

وفي الحديث »إني ادخرت شفاعتي جعلتها لمن مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا«

اه وما أخبر صلّى الله عليه وسلّم أن أبا طالب أخرج من طمطام النار وغمراتها إلى ضحضاح، منها وخفف عنه من عذابها وجعل أخف أهل النار عذابا ألبس نعلين من النار، فما مست النار إلا تحت قدميه، ولو كان كافرا لكان عذاب الكفر فوق عذاب الكبائر قطعا، ولو وجد مؤمن من عاص أخف عذابا من أبي طالب لزم الخلف في قوله صلّى الله عليه وسلّم حيث جعله أخف أهل النار على الإطلاق فوجب أن يكون عذابه كعذاب عصاة المؤمنين في مقابلة كبيرة كذا في رسالة السيد رسول البرزنجي وَقَالُوا أي أهل مكة إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا أي إن نوحد الله معك يا محمد نطرد من مكة

روى أن الحرث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف قال لرسول الله صلّى الله عليه وسلّم إنا نعلم أنك على الحق ولكنا نخاف إن اتبعناك وخالفنا العرب أن يتخطفونا من أرضنا، أي أن يجتمعوا على

أي ألم نجعل مكانهم حرما ذا أمن يُجْبَى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ أي يحمل إليه من كل ناحية ألوان كل شيء من الثمرات

وقرأ نافع بالتاء الفوقية رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا فإذا كان حالهم ما ذكر مع كونهم عبدة أصنام، فكيف يخافون أن نسلط عليهم الكفار إن ضموا إلى حرمة ! ـ البيت، حرمة الإيمان ف » رزقا « إما مصدر مؤكد ل »يجبى« أو مفعول له

رجال من "ثمرات "یعنی مرزوق"
1) رواہ المتقی الهندی فی کنز العمال (133)
2) رواہ الهیثمی فی مجمع الزوائد (10 378)
3) رواہ الحاکم فی المستدرک (4 306)، والبغوی فی شرح السنۃ (14 224)، والزبیدی فی إتحاف السادۃ المتقین (10 151)

خلاصۂ تفسیر

صاحب سراج البید علیہ الرحمہ نے اپنے پورے ریکارڈ بیان کے اندر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کو لکھنا ہی گوارا نہیں کیا یقیناً ان پر بھی منکشف ہو گیا ہو گا کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت بے اصل ہے۔ صاحب تفسیر نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حوالے سے کھل کر بات فرمائی ہے کہ ان کا اسلام واضح تر تھا اور اگر کسی کو شک ہو کہ انھوں نے کلمہ شہادت کا اعلانیہ اظہار نہیں فرمایا تو اس کی بابت بات یہ ہے کہ ان کا اعلان نہ کرنا اسلام سے انکار متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی خاموشی اسلام پر مبنی تھی بلکہ اسلام کی عین حفاظت تھی مگر یار لوگوں نے اسے انکار بنا لیا ہے۔ (فریدی)

ان کا یہ خاموش رہنا ایک عظیم دینی مصلحت پر مشتمل تھا۔ مگر ان کا دل عظمتِ یقین کے نور سے معمور تھا۔ وہ اللہ کے حضور کیسے کافر متصور ہو سکتے ہیں۔ وہ اس حالتِ اضطرار میں کلمۂ کفر کا بھی تکلم کرتے تو بھی کافر کسی بھی صورت میں نہ ہوتے کیونکہ حالتِ اکراہ کا کفریہ تکلم مضرِ ایمان نہیں ہو سکتا نہ ہی اس پر کوئی شرعی دلیل ہے۔ یہ اضطرار اپنی ذات کا نہیں تھا بلکہ صاحب نبوت کی بابت تھا۔ امام حلیمی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں کلمہ توحید کے بغیر بھی ایمان منعقد ہو سکتا ہے۔ بلکہ عجمی زبان میں بھی صحت اقرار مانی جاتی ہے مثلاً لا الہ غیر اللہ، ولا الہ ماعدا اللہ اور ماسوی اللہ وغیرہ وغیرہ۔

قیامت میں باسیان حرمِ نبوت کا مقام

صاحب تفسیر فرماتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیائے کرام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور بے شک میرے جد کریم حضرت عبدالمطلب کو تمام انبیاء علیہم السلام کا نور عطا کیا جائے گا اور تمام بادشاہوں کا جمال عطا کیا جائے گا۔ حضرت امام جعفر الصادق فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کو جب محشور کیا جائے گا تو تمام انبیاء کرام کا نور انھیں عطا کر دیا جائے گا اور تمام بادشاہوں کا جمال عطا کیا جائے گا اور جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی اُسی نور کے جھرمٹ میں ہوں گے یعنی صفِ انبیاء علیہم السلام میں ہوں

گے۔ کیونکہ یہ نفوس قدسیہ عظمت توحید میں سرشار محبت تھے۔ جناب ابوطالب علیہ السلام تو زمانہ نبوت میں خادم نبوت رہے اور حضرت عبدالمطلب زمانہ فترت میں حضورِ صمدیت الٰہی میں مہمان ہے اب یہ اپنے زمانے میں سردار قریش تھے اسی لیے قیامت کے دن انھیں سلطانوں کا تاجدار بنایا جائے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کیا آپ ابوطالب علیہ السلام کی بابت بھی کوئی خیر کی اُمید رکھتے ہیں؟

فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہر خیر وصول کر کے جناب ابوطالب کے دامن کو بھر دوں گا اور یہ بھلائیاں ایک کامل مومن ہی کا حصہ ہیں۔ (فریدی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں قیامت کے دن اپنی شفاعت کا آغاز ہی اپنے ماں باپ یعنی محسن عالمین حضرت عبداللہ علیہ السلام اور محسنہ عالمین حضرت سیدہ آمنہ علیہا السلام اور محسن ملت اسلامیہ جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام اور اپنے دودھ شریک بھائی سے ہی کروں گا۔

قائین محترم! یہ ہے مقام باسیان حرم نبوت جو ان نفوس قدسیہ پر کفر کا الزام لگائے شاید اسے اپنے ایمان کی بربادی کا اندازہ ہی نہیں۔

نوٹ

فقیر مسکین نے پورے علمی کوائف کے ساتھ الحمدللہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف جتنی بھی روایات کا استعمال ہے وہ بالکل غلط ہے۔ حرم نبوت کی دشمنی پر مبنی ہے۔ اور قرآنی آیات کا ناجائز استعمال ہے۔ سراسر انصاف کا اور علمی اقدار کا خون ہے جو کسی بھی صورت میں برداشت نہیں ہے۔

نوٹ

صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی سورہ قصص کی آیت نمبر 56 کا استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی علمی عظمت میں کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں مگر قانون شریعت سے اور قانون روایت سے بالاتر نہیں ہو سکتے ہیں۔ ان کی روایت کی تشکیل یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو میں کل قیامت کے دن آپ کے اسلام کی گواہی دوں گا۔ پس انھوں نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے حبیب ﷺ آپ جسے ہدایت دینا پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن ہدایت تو اللہ تعالیٰ اسے دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

قارئین محترم اس حدیث پر مسکین کے چند ایک علمی سوالات ہیں:

(۱) خبر پر مشتمل روایت کو بیان کرنے کے لیے راوی پر ضروری ہے کہ مبصر محسوس حقیقت کو راوی نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ (کتب اُصول حدیث)

(۲) اگر راوی خود وقوعہ کا عینی شاہد نہ ہو تو کوئی عینی شاہد آ کر پوری احتیاط کے ساتھ راوی کو وقوعہ کی خبر دے اور روایت وقوعہ کو بیان کرنے کی اجازت دے اسے شہادت علیٰ شہادت کہا جاتا ہے۔ (القرآن الحدیث)

(۳) راوی اگر روایت میں کسی آیت کو بطور شانِ نزول بیان کرتا ہے تو ضروری ہے کہ راوی نزول آیت کے وقت جائے وقوعہ پر موجود ہو۔ (الاتقان، سیوطی) یا

(۴) خبر دینے والا خود صاحب وحی ہو اور خبر بھی وحی پر مشتمل ہو (اصول حدیث)

(۵) اگر راوی صاحب وحی نہیں تو علم یقینی حاصل کرنے کے لیے صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست سنے۔ (اصول حدیث) خبر اگر مطلوبہ کوائف کے مطابق نہ ہو تو علم یقینی کا فائدہ نہیں دے سکتی ہے خصوصاً الزام کی صورت میں تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

مذکورہ علمی کوائف قانون شریعت کی تمام کتب میں موجود ہیں اور قانون روایت و درایت کی بھی اکثر کتب میں موجود ہیں۔ اب چلتے ہیں روایت کے اصل راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یمن کے باشندے ہیں اور سات سن ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر ایمان لائے جبکہ آیت کا نزول دس سن نبوی سے یا اس سے بھی پہلے کا ہے۔ اب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے اور نزول کے وقت جائے نزول مکہ شریف کا شانۂ نبوت میں ہونا از حد ضروری تھا۔ یا زبان نبوت سے ان کے پاس کوئی وضاحت ضروری تھی

(۲) نزول آیت کے وقت نہ یہ مسلمان تھے نہ ہی قرآن فہمی کی لیاقت رکھتے تھے اگر ان کا مکہ میں جانا مان بھی لیا جائے تو بھی وقوعہ کے روز سے گیارہ سال بعد فتح مکہ کے دن جانا مانا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۳) صحبت نبوی میں صرف اڑھائی تین سال رہے اس پورے عرصے میں نہ تو کبھی انھوں نے اس وقوعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور نہ ہی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بیان فرمایا ورنہ یہ اپنی اس روایت میں حسب ضابطہ یہ کہتے سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور بتانے کی صورت میں کہتے "اَخْبَرَنِیْ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ لِیْ رسول اللہ، اَنْبَأَنِیْ رسول اللہ" جبکہ ان کے ہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔

(۴) اس روایت میں "فَاَبٰی" کا لفظ مذکور ہے جو انکار کا معنی دیتا ہے۔ روایت کا اسلوب یہ بتاتا ہے کہ یہ لفظ ان کا اپنا ذاتی ہے

رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہے۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود صاحب وحی نہیں تھے اور نہ ہی صاحب وحی ﷺ کے ساتھ اس قسم کی گفتگو ہوئی تو پھر کونسا ایسا ذریعہ علم ہے جس کے ذریعے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سالوں پرانے غیر واقعاتی وقوعہ کا علم ہوا؟ اور چونکہ بدترین الزام پر مبنی ہے اس لیے اہل علم کی منصبی ذمہ داری ہے کہ اس وقوعہ کو ثابت کرنے کے لیے قطعی ٹھوس اور یقینی دلائل اور شواہد مہیا کریں۔ وقوعہ کے دس سال بعد مسلمان ہونے والا شخص بغیر دیکھے اور بغیر کسی یقینی تصدیق کے اس وقوعہ کو بیان کرنے کا شرعاً مجاز ہی نہیں خواہ کوئی ہو صرف صاحب وحی ہی اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا مذکورہ روایت جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیح مسلم میں در آئی ہے یہ کسی بھی طرح قابل اعتبار نہیں بلکہ اس روایت کا علمی مقام حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت سے بھی کم تر لگتا ہے۔ اگر اس روایت میں واقعتاً کوئی سچائی ہوتی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کسی نبوی تصدیق کے ساتھ بیان کرتے۔ یہ ادھوری روایت بیان نہ کرتے بلکہ پوری روایت بیان کرتے جیسے حضرت مسیب نے کی جس میں دو آیات کا نصاً ذکر ہے جبکہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ایک آیت کا ذکر ہے۔ نہ تفصیلاً کسی واقعہ کا ذکر ہے نہ دوسری آیت کا ذکر۔ (فریدی) حیرت ہے عینی شاہدوں کو اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا مگر یمن میں رہنے والے کو علم ہو گیا یہی جبری تحکم ہے۔

قارئین محترم! اب ہم آپ کے ذوق مطالعہ کے لیے ذخیرۂ تفسیر میں اس باب میں آنے والی تمام روایات کا تقابلی جائزہ بھی پیش کریں گے اور باہمی ٹکراؤ بھی پیش کریں گے۔ مسکین کی اس حوالے سے گزارش یہ ہے کہ ہر تینوں اعتبارات کو یعنی ٹکراؤ، تضادات و تجزیہ اور تقابلی جائزہ کو آپ نے الگ الگ اعتبار میں رکھ کر پھر اس کا علمی جائزہ لینا ہے بعد ازاں فیصلہ کرنا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگائے گئے بیہودہ الزام کی کوئی حقیقت نہیں یہ کائنات کا بدترین الزام اور جھوٹ ہے۔

نوٹ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی کوئی یقینی حقیقت نہیں بلکہ اس کا راوی متکلم فیہ ہے ضعیف ہے۔

"قَالَ اَبُوْحَاتِم لَا یُحْتَجُّ بِهٖ وَقَالَ سَعِیْد القطان هُوَ صَالِحٌ وَسَطٌ لَیْسَ مِمَّنْ یُعْتَمَدُ عَلَیْهِ (میزان الاعتدال ذہبی)

ترجمہ: امام حاکم نے کہا کہ یزید بن کیسان کی روایت قبول ہی نہیں کی جاتی قابل حجت ہی نہیں امام سعید القطان نے کہا کہ یزید بن کیسان قابل اعتماد ہی نہیں۔ اب تو اس حدیث کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

یہ روایت طعن راوی کی وجہ سے مردود قرار پائی اور مردود روایات سے الزام وعیب ثابت نہیں ہوسکتا۔ طلوع اسلام کے 20 سال بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ وفات ابوطالب کے دس سال بعد ان کا ایمان خیبر کے مقام پر ثابت ہے۔ اس سے قبل وہ یمن میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کا مکہ میں جانا اس دوران ثابت ہی نہیں بنابریں یہ وقوعہ کے عینی شاہد ہی نہیں جبکہ ان کی روایت کا ظاہری مقتضا یہی بیان کر رہا ہے کہ وقوعہ کے عینی شاہد لگتے ہیں۔ حالانکہ ایسا اصلاً ہی نہیں گویا اس اعتبار سے اس مجوزہ روایت کا سماع ان کے لیے کسی صورت میں ثابت نہیں۔

مدینہ میں سماع اس لیے ثابت نہیں کہ مجوزہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی اور یکبارگی میں نازل ہوئی۔ ایک آیت الگ سے نازل نہیں ہوئی۔ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا تو مکمل سورہ کو نزول کی عظمت میں بیان کریں اور ادھوری بات کرنا رسالت پناہ دو عالم ﷺ کی عادت میں شامل ہوا نہیں۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ یہ مقتدر صحابی ہیں ظاہر ہے حضور ﷺ نے انھیں یہ بیان فرمایا ہے تب ہی انھوں نے روایت کیا ہے جناب ایسا ہی مان لیتے ہیں مگر یہ سوال تو اب بھی باقی ہے اگر صاحب وحی نے انھیں اپنے گھر کی کمزوری سگی بتانا ضروری ہی سمجھا تھا تو پھر نبوی ذمہ داری مکمل فرماتے اس ضمن میں اترنے والی تمام آیات ان کو تفویض فرماتے ادھوری بات نہ سناتے کیونکہ الزام سنگین تھا مکمل احتیاط کا حوالہ دیتے جو نہیں دے پائے بنابریں یہ روایت علام مردود ہے۔ کیونکہ حرم نبوت میں کچھ ایسا ہوا ہی نہیں۔

نوٹ:۔ کسی بھی عینی شاہد نے کبھی بھی ایسی بیہودگی کی تصدیق کی نہیں۔ تمام اہلبیت نبوت کا عینی مشاہدہ گواہ ہے اِدھر اُدھر کے لوگوں کی فضول خانہ ساز باتوں کا کوئی اعتماد ہی نہیں کیا جاسکتا۔ (فریدی)

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف آنے والی روایت کا باہمی تضاد اور روایات کا جائزہ

قارئین محترم! قاعدہ یہ ہے کہ جب دلائل آپس میں ٹکرا جائیں تو ان کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے علمائے کرام اسے اس جملے میں یوں بیان کرتے ہیں: "اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا" جب دو دلیلیں آپس میں ٹکرا جائیں تو پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہیں۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت آنے والی تمام روایات آپس میں ٹکراتی بھی ہیں اور علمی اعتبار سے بے حیثیت بھی ہیں اور قابل اعتبار بھی کسی طرح نہیں ہیں۔ روایات کا عربی متن تفاسیر اور شروحات حدیث کے اقتباسات میں بیان کر دیا گیا ہے۔ بخوف طوالت یہاں صرف ترجمہ پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔ ہم اس کو نمبروار بیان کرتے ہیں۔

(1) پہلا ٹکراؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی پہلی روایت یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کو اپنے ماں باپ کی مغفرت کی دعا

مانگتے دیکھا اسے فرمایا کہ وہ تو مشرک تھے ان کے لیے مغفرت کی دعا کیوں کر رہے ہو اس نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مشرک باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگی تھی اس لیے میں بھی مانگ رہا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس مسئلہ کو لے کر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ صورت حال عرض کر دی تو اس پر سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 نازل ہوئی کہ نبی اور مومنوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔

دوسری روایت حضرت علی سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں اطلاع کر دی کہ آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے۔ اس پر آپ غم زدہ ہوئے اور گھر سے باہر نہیں نکلے حتی کہ یہی آیت کریمہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 نازل ہو گئی۔

ہر دو روایات میں ٹکراؤ کی صورتیں

پہلی صورت

ان ہر دو روایات کے بارے میں مقدم اور موخر روایت کی کوئی نشاندہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے بیک وقت تو یہ دو حادثے نہیں ہوئے۔ صورت الگ الگ ہے لہٰذا روایات میں بھی تقدم اور تاخر ضرور ہوگا۔ اس اعتبار سے دو مرتبہ آیت کریمہ کا نزول بنتا ہے ایک حضرت علی کے والد گرامی کے حوالے سے اور ایک اس مسلمان شخص کے حوالے سے۔ جب ایک مرتبہ مشرکین کے حوالے میں مغفرت کی دعا کا منع کرنا پایا گیا تو پھر نبی علیہ السلام نے از سر نو مغفرت کی دعا کیوں مانگی؟

دوسری صورت

پہلی روایت میں نہ تو نبی کریم ﷺ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کر رہے تھے اور نہ ہی دیگر تمام مسلمان تو پھر آیت کریمہ میں تمام مسلمانوں اور بالخصوص نبی علیہ السلام کو کیوں مخاطب کیا گیا؟

تیسری صورت

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حوالے سے جب آیت اتری تو اس میں دعا تو فقط نبی کریم ﷺ کر رہے تھے نہ کہ دیگر لوگ تو یہاں دیگر لوگوں کو کیوں مخاطب کیا گیا تھا حالانکہ یہ نہی افعال حسیہ سے ہے۔؟

چوتھی صورت

جب ہر دو روایات میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 دو مرتبہ نازل ہو چکی ہے تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت میں تیسری مرتبہ کیوں نازل ہوئی؟ حالانکہ اس کا بھی ابتداءً نزول مکہ میں مانا گیا ہے۔ (اتقان، سیوطی)

پانچویں صورت

جب یہ ثابت ہے کہ یہ وقوعہ جات مکہ کے ہیں اور مکہ میں ہی ابتداءً تین مرتبہ ایک ہی آیت کا نزول ہوتا ہے تو پھر اسی حوالے سے بارہ سال بعد پھر کیوں نزول ہوا؟ اور بقول اہلِ علم کے کہ بارہ سال تک حضور ﷺ نے جناب ابوطالب علیہ السلام کے لیے مغفرت کی دعا مانگی ہے۔ پھر یاددہانی کے لیے بارہ سال بعد یہ آیت نازل ہوئی تو کیا اس بارہ سالہ دعا کے تسلسل میں فقط ابو طالب علیہ السلام ہی شاملِ دعا تھے؟ یا روایت اول میں شخص مذکور کے ماں باپ بھی شامل تھے؟ اگر شامل تھے تو انھیں علماء نے بیان کیوں نہیں کیا؟ اگر وہ شامل نہیں تو وضاحت کر دی جاتی کہ یہ بارہ سالہ تسلسل ابوطالب علیہ السلام کے حوالے سے ہے۔ وہ اس تسلسل میں نظر آتا ہے کیونکہ ذخیرۂ علم میں روایت اول کا کوئی علمی مخصص نہیں پایا گیا۔ مگر سارا تکلف سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام کی ہی بابت کیوں؟

دوسرا ٹکراؤ

حضرت قتادہ کی روایت کے مطابق صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ بیشک ہمارے آباؤ اجداد ہمسائے سے اچھا سلوک کرتے تھے، صلہ رحمی کرتے تھے، قیدی کی رہائی کی کوشش کرتے تھے، پریشان حال لوگوں کی مشکل کشائی کرتے تھے۔ کیا ہم ان کے لیے دعائے مغفرت مانگ سکتے ہیں؟ اس پر رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم میں بھی اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگوں گا۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگی ہے۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی دعا مانگنے پر اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگتے تھے۔ گویا نبی صحابیوں کے اسوہ پر چلا یہ کتنی عجیب بات ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم اپنے مشرک چچا کے لیے دعائے مغفرت مانگتے تھے اور میں بھی مسلسل ابوطالب علیہ السلام کے لیے مغفرت کی دعا مانگوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے روک دے۔

اس پر صحابہ کرام نے کہا کہ ہم بھی ضرور اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں گے جس طرح نبی ﷺ نے اپنے چچا کے لیے مغفرت کی دعا مانگی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے نبی اور ایمان والوں کو منع فرمایا کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔

تضاد، ٹکراؤ

ان ہر دو روایات میں واضح ٹکراؤ ہے پہلی روایت میں آیت کا ذکر نہیں اور دوسری میں آیت کا ذکر ہے۔ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ پہلی روایت میں نبی کو اصحاب کے اسوہ پر چلایا گیا ہے۔

(۳) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کو اس شانِ نزول مانا ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہم نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کو حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت اس کے شانِ نزول کو مانا ہے۔ حالانکہ یہ چاروں اصحاب علم میں حضرت مسیب سے کہیں زیادہ بلند ہیں ترجیحاً ان کی روایت زیادہ وثوق والی ہے۔

تضاد اور ٹکراؤ

ان ہر دو روایات میں ٹکراؤ کی صورت بالکل واضح ہے۔ ہر دو روایات کے راویان نے زمانہ نبوت کے بعد وفات پائی گویا نزول قرآن کے وقت یہ تمام مذکورہ راوی موجود تھے۔ مدینہ شریف میں اکٹھے رہے مگر ایک دوسرے کے بیان کردہ شانِ نزول کو نہیں مانا۔ ورنہ کہیں نہ کہیں انہی روایات میں ذکر کر دیتے۔ مگر ایسا نہ کر پائے۔ یہ ہر دو روایات کا باہمی تضاد واضح ہے۔ قاعدہ تھا "اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا" جب دو دلیلیں ٹکرا جائیں تو دونوں دلیلیں ہی پایہ اعتبار سے گر جاتی ہیں۔ گویا مذکورہ ہر دو روایات اپنے علمی اعتبار سے ختم ہو چکی ہیں۔ ان سے استدلال کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے ان ہر دو روایات کو اہل علم نے واہی اور بے ہودہ قرار دیا ہے۔ دیکھیے التحریر والتنویر فی التفسیر۔

نوٹ

اس عنوان پر مشتمل تمام روایات آپس میں متضاد ہیں اور تضاد کسی بھی طرح قابل قبول نہیں۔

علمی تجزیہ

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کی بابت جتنی بھی روایات ہیں وہ صحت کے اعتبار سے عاری ہیں کسی کی سند متصل نہیں کسی کا راوی متکلم فیہ ہے کسی روایت کا محل وقوع اس کی تائید نہیں کرتا کسی کے مندرجات غیر معقول ہیں۔ بداہت عقل کے خلاف ہیں کچھ روایات متعصب اموی راویوں سے روایت کی گئی ہیں تو ایسے سنگین ترین حالات میں حرم نبوت پر جھوٹے الزامات پر کون یقین کرے کم از کم صاحب ایمان تو نہیں کر سکتا۔

تقابلی جائزہ

(۱) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت غیر متصل ہے۔ یہ اس کا پہلا سُقم ہے۔ اس کے مندرجات بداہت عقل کے خلاف ہیں۔ راوی کی ابتدائی حالت مخدوش ہے۔ اس میں استعمال کردہ قرآن پاک کی آیت کا ناجائز استعمال ہے۔ بلادلیل ہے۔ اس میں بیان کردہ الزام دینی اور شرعی قواعد کے خلاف ہے۔ یہ کسی بھی طرح روایت نہیں بنتی مگر اس کے مد مقابل حضرت ابوطالب علیہ السلام کا پاکیزہ کردار پورے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ ایک مسلّم تواتر کے مد مقابل ایک غیر متصل واہی مردود روایت کیسے ہو سکتی ہے؟

(۲) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت جو سبب نزول بنایا گیا سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کا اس کے علاوہ بھی کئی اسباب نزول ہیں جو اس روایت سے مضبوط تر ہیں غیر واقعاتی روایت واقعاتی حقائق کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے۔ واقعاتی حقیقت یہ ہے کہ مشرکین مکہ کی مذمت میں اُترنے والی آیت محسنِ اسلام میزبانِ نبوت کے خلاف کیسے استعمال کی جا سکتی ہے؟

(۳) حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ کریمہ کے خلاف آنے والی روایات اتصال سند کے اعتبار سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی راویت سے فائق ہیں۔ کثرت رواۃ کی وجہ سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت سے فائق ہے۔ وجہ ترجیح ظاہر ہے۔ پھر بھی حضرت ابوطالب؟ کافر ہیں آخر کیوں؟

عمدۃ القاری شرح بخاری کا اقتباس

نوٹ: فقیر مسکین کے نزدیک حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت اور حضور پاک ﷺ کی والدہ کریمہ کے خلاف آنے والی روایات انتہائی بوگس اور بیہودہ ہیں۔ انھیں روایت کہنا حرمِ نبوت کے تقدس کو پامال کرنا ہے۔ ضمناً آپ کو عمدۃ

القاری شرح بخاری کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں اس بحث کا استیعاب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"(باب إذا قال المشرك عند الموت لا إله إلا الله)

أي هذا باب يذكر فيه إذا قال المشرك عند موته كلمة لا إله إلا الله، ولم يذكر جواب إذا، لمكان التفصيل فيه، وهو أنه لا يخلو إما أن يكون من أهل الكتاب أو لا يكون، وعلى التقديرين لا يخلو إما أن يقول لا إله إلا الله في حياته قبل معاينة الموت، أو قالها عند موته، وعلى كلا التقديرين لا ينفعه ذلك عند الموت لقوله تعالى: {يوم يأتي بعض آيات ربك لا ينفع نفسا إيمانها ...} (الأنعام: 851) الآية، وينفعه ذلك إذا كان في حياته ولم يكن من أهل الكتاب حتى يحكم بإسلامه، بقوله صلى الله عليه وسلم (أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله) الحديث، وإن كان من أهل الكتاب فلا ينفعه حتى يتلفظ بكلمتي الشهادة واشترط أيضا أن يتبرأ عن كل دين سوى دين الإسلام، وقيل إنما ترك الجواب لأنه صلى الله عليه وسلم لما قال لعمه أبي طالب قل لا إله إلا الله أشهد لك بها كان محتملا أن يكون ذلك خاصا به، لأن غيره إن قال بها وقد أيقن بالوفاة لا ينفعه ذلك

حدثنا إسحاق قال أخبرنا يعقوب بن إبراهيم قال حدثني أبي عن صالح عن ابن شهاب قال أخبرني سعيد بن المسيب عن أبيه أنه لما حضرت أبا طالب الوفاة جاءه رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد عنده أبا جهل بن هشام وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي طالب يا عم قل لا إله إلا الله كلمة أشهد لك بها عند الله فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم

يعرضها عليه ويعودان بتلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم هو على ملة عبد المطلب وأبى أن يقول لا إله إلا الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أما والله لأستغفرن لك ما لم أنه عنك فأنزل الله تعالى فيه ما كان للنبي الآية مطابقته للترجمة غير ظاهرة لأن الترجمة فيما إذا قال المشرك عند الموت لا إله إلا الله، والحديث فيما إذا قيل للمشرك قل لا إله إلا الله

ذكر رجاله وهم سبعة الأول إسحاق قال الكرماني هو إما ابن راهويه، وإما ابن منصور، ولا قدح في الإسناد بهذا اللبس لأن كلا منهما بشرط البخاري، وفيه نظر لا يخفى الثاني يعقوب بن إبراهيم بن سعد بن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف القرشي الزهري، مات في فم الصلح، قرية على دجلة واسط في شوال سنة ثمان ومائتين الثالث أبوه إبراهيم بن سعد أبو إسحاق الزهري القرشي، كان على قضاء بغداد ومات بها سنة ثلاث وثمانين

ومائة الرابع صالح بن كيسان أبو الحارث، ويقال أبو محمد الغفاري، مات بعد الأربعين ومائة الخامس محمد بن مسلم بن شهاب الزهري السادس سعيد بن المسيب السابع أبوه المسيب، بضم الميم وفتح السين المهملة والياء آخر الحروف المشددة المفتوحة على المشهور ابن حزن ضد السهل القرشي المخزومي، هما صحابيان هاجرا إلى المدينة، وكان المسيب ممن بايع تحت شجرة الرضوان، وكان رجلا تاجرا، يروى له سبعة أحاديث، للبخاري منها ثلاثة وقال الذهبي المسيب بن حزن ابن أبي وهب المخزومي له صحبة، ويروى عنه ابنه، أسلم بعد خيبر، وقال حزن بن أبي وهب بن عمرو بن عائذ بن عمران ابن مخزوم المخزومي، له هجرة، وكان من الأشراف وهو من الطلقاء، وقتل يوم اليمامة في ربيع الأول سنة عشر في خلافة أبي بكر الصديق، رضي الله تعالى عنه

لطائف إسناده فيه التحديث بصيغة الجمع في موضعين وفيه الإخبار كذلك في موضع وبصيغة الإفراد في موضعين وفيه العنعنة في ثلاثة مواضع وفيه ثلاثة أشياء الأول أنه من أفراد الصحيح، لأن المسيب لم يرو عنه غير ابنه سعيد الثاني أنه من مراسل الصحابة لأنه هو وأبوه من مسلمة الفتح، وهو على قول أبي أحمد العسكري بايع تحت الشجرة وأيا ما كان، فلم يشهد أمر أبي طالب لأنه توفي هو وخديجة في أيام ثلاثة قال صاحب كتاب النصوص) فكان النبي صلى الله عليه وسلم يسمى ذلك العام عام الحزن، وكان ذلك وقد أتى للنبي صلى الله عليه وسلم تسع وأربعون سنة وثمانية أشهر وأحد عشر يوما وقيل مات في نصف شوال من السنة العاشرة من النبوة، وقال ابن الجزار قبل الهجرة بثلاث سنين، وقيل قبل الهجرة بخمس، وقيل بأربع سنين، وقيل بعد الإسراء الثالث يكون مرسلا حقيقة لأن ابن حبان ذكره في ثقات التابعين، وهو قول فيه غرابة وفيه أن شيخه إن كان ابن راهويه فهو مروزي سكن نيسابور، وإن كان إسحاق بن منصور فهو أيضا مروزي وبقية الرواة مدنيون وفيه ثلاثة من التابعين وهم صالح وابن شهاب وسعيد يروي بعضهم عن بعض وفيه رواية الأكابر عن الأصاغر وفيه رواية الابن عن الأب في موضعين

وأخرجه البخاري أيضا في سورة براءة عن إسحاق ابن إبراهيم عن عبد الرزاق عن معمر عن الزهري إلى آخره نحوه

ذكر معناه قوله (لما حضرت أبا طالب الوفاة)، يعني، حضرت علاماتها، وذلك قبل النزع وإلا لما نفعه الإيمان، ويدل عليه محاورته للنبي صلى الله عليه وسلم ولكفار قريش، وأبو طالب اسمه عبد مناف، قاله غير واحد، وقال الحاكم تواترت الأخبار أن اسمه كنيته، قال وجد بخط علي الذي لا شك فيه وكتب علي بن أبي طالب، وقال أبو القاسم المغربي الوزير اسمه عمران قوله (أبا جهل)، كنيته أبو الحكم، كذا كناه رسول الله صلى الله

عَلَيْهِ وَسلم واسْمه عَمْرو بن هِشَام بن الْمُغيرَة المَخْزُومِي، وَيُقَال لَهُ ابْن الحنظلية، واسْمها أَسمَاء بنت سلامة بن مخرمَة، وَكَانَ أَحول مأبونا، وَكَانَ رَأسه أول رَأس حز فِي الْإِسْلَام، فِيمَا ذكره ابْن دُرَيْد فِي (وشاحه) قَوْله (وَعبد الله بن أبي أُميَّة) أمه عَاتِكَة عمَّة رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، توفّي شَهِيدا بِالطَّائِف وَكَانَ شَدِيدا على الْمُسلمين معاديا لرَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أسلم قبل الْفَتْح هُوَ وَأَبُو سُفْيَان بن الْحَارِث بن عبد الْمطلب، وأخوهم عبد الله بن أبي أُميَّة بن وهب حَلِيف بني أَسد وَابْن أَخِيهِم اسْتشْهد بِخَيْبَر، وَلَهُم عبد الله بن أُميَّة اثْنَان أَحدهمَا بدري قَوْله (أَي عَم) أَي يَا عمي قَوْله (كلمة)

نصب إِمَّا على الْبَدَلِيَّة أَو على الِاخْتِصَاص قَوْله (أشهد لَك) أَي لخيرك وَفِي لفظ (أحاج لَك بهَا عِنْد الله تَعَالَى) قَوْله (أترغب...) الْهمزَة فِيهِ للاستفهام على سَبِيل الْإِنْكَار، أَي أتعرض... قَوْله (يعرضهَا) بِكَسْر الرَّاء، قَوْله (ويعودان بِتِلْكَ الْمقَالة) قَالَ عِيَاض وَفِي نُسْخَة ويعيدان يَعْنِي أَبَا جهل وَعبد الله وَقَالَ عِيَاض أَيْضا: وَفِي الْأُصُول وَيَعُود لَهُ بِتِلْكَ الْمقَالة، يَعْنِي أَبَا طَالب وَوَقع فِي مُسلم (لَوْلَا تعيرني قُرَيْش يَقُولُونَ إِنَّمَا حمله على ذَلِك الْجزع) بِالْجِيم وَالزَّاي، وَهُوَ الْخَوْف، وَذهب الْهَرَوِيّ والخطابي فِيمَا رَوَاهُ عَن ثَعْلَب فِي آخَرين أَنه بخاء مُعْجمَة وَرَاء مفتوحتين، وَنَبَّهنَا غير وَاحِد أَنه الصَّوَاب، وَمَعْنَاهُ الضعْف والخور قَوْله آخر مَا كَلمهمْ) أَي فِي آخر تكليمه إيَّاهُم قَوْله (هُوَ) إِمَّا عبارَة أبي طَالب، وَأَرَادَ بِهِ نَفسه، وَإِمَّا عبارَة الرَّاوِي، وَلم يحك كَلَامه بِعَيْنِه لقبحه، وَهُوَ من التَّصَرُّفَات الْحَسَنَة قَوْله (أما)، حرف تَنْبِيه، وَقيل بِمَعْنى حَقًا، قَوْله (مَا لم أُنْه)، على صِيغَة الْمَجْهُول أَي (عَنْك)، هَذِه رِوَايَة الْكشميهني، وَفِي رِوَايَة غَيره (مَا لم أُنْه عَنهُ) أَي عَن الاسْتِغْفَار الَّذِي دلّ عَلَيْهِ قَوْله (لأَسْتَغْفِرَن)، قَوْله فَأنْزل الله فِيهِ: {مَا كَانَ للنَّبِي..} (التَّوْبَة: 311). الْآيَة أَي: فَأنْزل الله فِي الاسْتِغْفَار قَوْله تَعَالَى: {مَا كَانَ للنَّبِي وَالَّذين آمنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكين} (التَّوْبَة: 311). الْآيَة أَي: مَا كَانَ يَنْبَغِي لَهُ وَلَا لَهُم الاسْتِغْفَار لِلْمُشْرِكين. وَقَالَ الثَّعْلَبِيّ: قَالَ أهل الْمعَانِي: مَا تَأتي فِي الْقُرْآن على وَجْهَيْن بِمَعْنى النَّفْي كَقَوْلِه: {مَا كَانَ لكم أَن تنبتوا شجرها} (النَّحْل: 06). {وَمَا كَانَ لنَفس أَن تَمُوت إِلَّا بِإِذن الله} (آل عمرَان: 541). وَالْآخر بِمَعْنى النَّهْي. كَقَوْلِه: {وَمَا كَانَ لكم أَن تُؤْذُوا رَسُول الله} (الْأَحْزَاب: 35). وَهِي فِي حَدِيث أبي طَالب نهي، وَتَأَول بَعضهم الاسْتِغْفَار هُنَا بِمَعْنى الصَّلَاة وَقَالَ الواحدي سَمِعت أَبَا عُثْمَان الْحِيرِي سَمِعت أَبَا الْحسن بن مقسم سَمِعت أَبَا إِسْحَاق الزّجاج يَقُول فِي هَذِه الْآيَة أجمع المفسرون أَنَّهَا نزلت فِي أبي طَالب، وَفِي (مَعَاني الزّجاج) يرْوى أَن النَّبِي، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، عرض على أبي طَالب الْإِسْلَام عِنْد وَفَاته، وَذكر

له وجوب حقه عليه فأبى أبو طالب فقال صلى الله عليه وسلم لأستغفرن لك حتى أنهى عن ذلك، ويروى أنه استغفر لأمه وروى أنه استغفر لأبيه، وأن المؤمنين ذكروا محاسن آبائهم في الجاهلية وسألوا أن يستغفروا لآبائهم لما كان من محاسن كانت لهم، فأعلم الله تعالى أن ذلك لا يجوز، فقال: {ما كان للنبي والذين آمنوا..} (التوبة: 311). الآية، وذكر الواحدي من حديث موسى بن عبيدة، قال أخبرنا محمد بن كعب القرظي قال بلغني أنه لما اشتكى أبو طالب شكواه التي قبض فيها، قالت له قريش أرسل إلى ابن أخيك يرسل إليك من هذه الجنة التي ذكرها يكون لك شفاء، فأرسل إليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله حرمها على الكافرين طعامها وشرابها، ثم أتاه فعرض عليه الإسلام، فقال لولا أن نعير بها فيقال جزع عمك من الموت لأقررت بها عينك، واستغفر له بعد ما مات، فقال المسلمون ما يمنعنا أن نستغفر لآبائنا ولذوي قرابتنا، قد استغفر إبراهيم، عليه الصلاة والسلام، لأبيه، ومحمد صلى الله عليه وسلم لعمه، فاستغفروا للمشركين حتى نزلت {ما كان للنبي والذين آمنوا} (التوبة: 311). الآية، ومن حديث ابن وهب حدثنا ابن جريج عن أيوب بن هانىء عن مسروق عن عبد الله خرج رسول الله، صلى الله عليه وسلم، ينظر في المقابر ونحن معه، فتخطى القبور حتى انتهى إلى قبر منها، فناجاه طويلا، وفيه فجاء وله نحيب، فسئل، فقال هذا قبر أبي وفيه وإني استأذنت بعد ربي في زيارة أمي فأذن، واستأذنته في الاستغفار لها فلم يأذن لي، وفيه ونزل على {ما كان للنبي} (التوبة: 311). الآية. فأخذني ما يأخذ الوالد لولده من الرقة، فذلك الذي أبكاني وفي كتاب (مقامات التنزيل لأبي العباس الضرير لما أقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم من تبوك الوسطى، واعتمر، فلما هبط من عسفان أمر أصحابه أن يستندوا إلى العقبة حتى أرجع، فنزل على قبر أمه ثم بكى، فلما رجع سأل عن بكائهم، قالوا بكينا لبكائك، قال نزلت على قبر أمي فدعوت الله ليأذن لي في شفاعتها يوم القيامة فأبى أن يأذن لي، فرحمتها فبكيت، ثم جاءني جبريل، عليه الصلاة والسلام فقال {وما كان استغفار إبراهيم لأبيه} (التوبة: 411). الآية وفي تفسير ابن مردويه عن عكرمة، وفي آخره كانت مدفونة تحت كدا، وكانت عسفان لهم وبها ولد النبي صلى الله عليه وسلم وقال أبو العباس الضرير وفي رواية الكلبي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال قد استغفر إبراهيم لأبيه، وهو مشرك لأستغفرن لأمي فأتى قبرها ليستغفر لها فدفعه جبريل، عليه الصلاة والسلام، عن القبر وقال: {ما كان للنبي} (التوبة: 311). الآية وفي تفسير ابن مردويه من حديث ابن بريدة عن أبيه، صلى النبي صلى الله عليه وسلم ركعتين بعسفان، وقال استأذنت في الاستغفار لآمنة، فنهيت فبكيت

ثم عدت فصليت ركعتين، واستأذنت في الاستغفار لها فزجرت، ثم دعا ناقته فما استطاعته القياء لثقل الوحي، فأنزل الله {ما كان للنبي} (التوبة: 311). الآية.

وقال الثعلبي من حديث سعيد عن أبيه المسيب قال له النبي صلى الله عليه وسلم أي عم، إنك أعظم الناس علي حقا، وأحسنهم عندي يدا ولأنت أعظم عندي حقا من والدي، فقل كلمة تجب لك بها شفاعتي يوم القيامة وفيه: نزلت: {ما كان للنبي} (التوبة: 3111). الآية. وروى الحاكم من حديث أبي الجليل عن علي، قال سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان، فقلت تستغفر لأبويك وهما مشركان . قال أو لم يستغفر إبراهيم عليه الصلاة والسلام، لأبيه، فذكرته لرسول الله صلى الله عليه وسلم فنزلت {ما كان للنبي} (التوبة: 311) الآية. قال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه. ولما ذكر السهيلي قوله تعالى: {ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين} (التوبة: 311) . قال قد استغفر سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد فقال اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون، ولا يصح أن تكون الآية التي نزلت في عمه ناسخة لاستغفاره يوم أحد، لأن عمه توفي قبل ذلك، ولا ينسخ المتقدم المتأخر، ويجاب بأن استغفاره لقومه مشروط بتوبتهم من الشرك، كأنه أراد الدعاء لهم بالتوبة، وجاء في بعض الروايات اللهم اهد قومي، وقيل أراد مغفرة تصرف عنهم عقوبة الدنيا من المسخ وشبهه، وقيل تكون الآية تأخر نزولها متقدما ونزولها متأخر، لا سيما وبراءة من آخر ما نزل، فتكون على هذا ناسخة للاستغفار، وقال ابن بطال ما محصله أي محاجة يحتاج إليها من وافى ربه بما يدخله الجنة أجيب بأنه صلى الله عليه وسلم ظن أن عمه اعتقد أن من آمن في مثل حاله لا ينفعه إيمانه إذا لم يقارنه عمل سواه من صلاة أو صيام وحج وشرائط الإسلام كلها، فأعلمه صلى الله عليه وسلم أن من قال لا إله إلا الله عند موته أنه يدخل في جملة المؤمنين، وإن تعرى من عمل سواها قلت في قوله وحج، نظر لأنه لم يكن مفروضا بالإجماع يومئذ وقيل أن يكون أبو طالب قد عاين أمر الآخرة وأيقن بالموت وصار في حالة من لا ينتفع بالإيمان لو آمن، فرجا له، صلى الله عليه وسلم، أن قال لا إله إلا الله، وأيقن بنبوته أن يشفع له بذلك، ويحاج له عند الله تعالى في أن يتجاوز عنه ويقبل منه إيمانه في تلك الحال، ويكون ذلك خاصا بأبي طالب وحده لمكانته من حمايته ومدافعته عنه، صلى الله عليه وسلم وقيل كان أبو طالب ممن عاين براهين النبي، صلى الله عليه وسلم وصدق بمعجزاته ولم يشك في صحة نبوته، فرجا له المحاجة بكلمة الإخلاص حتى يسقط عنه إثم العناد والتكذيب، لما قد تبين حقيقته لكن آنسه، بقوله (أحاج لك بها عند الله) لئلا يتردد في الإيمان ولا يتوقف عنه

لتادیہ علی خلاف ما تبین حقیقته، وقیل (أحاج لک بها)، کقوله (أشهد لک بها عند الله) لأن الشهادة للمرء حجة له فی طلب حقه، ولذلک ذکر البخاری هنا الشهادة لأنه أقرب التأویل فی قصة أبی طالب فی کتاب البعث، لاحتمالها التأویل ووقع عند ابن إسحاق أن العباس قال للنبی صلی الله علیه وسلم یا ابن أخی، إن الکلمة التی عرضتها علی عمک سمعته یقولها، فقال له النبی، صلی الله علیه وسلم لم أسمع قال السهیلی لأن العباس قال ذلک فی حال کونه علی غیر الإسلام، ولو أداها بعد الإسلام لقبلت منه، کما قبل من جبیر بن مطعم حدیثه الذی سمعه فی حال کفره وأداه فی الإسلام"

خلاصہ

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح بخاری عمدۃ القاری میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ جس میں انھوں نے حدیث کے مختلف احوال پر بحث فرمائی ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے رجال حدیث کے بارے میں بیان فرمایا۔ تمام راویان حدیث کا فرداً فرداً تعارف کرایا اور اس میں بتایا کہ حزن مخزومی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور طلقا میں سے تھے۔ (یعنی جنھیں فتح مکہ پر عام معافی دی گئی ان کو طلقا کہا جاتا ہے) اور حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اور حضرت حزن فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے صرف ان کے بیٹے سعید نے روایت کیا ہے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ اس حدیث میں دونوں باپ بیٹے متفرد ہیں۔

خاص بات

(۱) حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے وقت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاس ہرگز موجود نہ تھے۔

(۲) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے براہ راست نہیں بلکہ مرسلاً روایت کیا ہے۔ یعنی ان کا درمیان اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جو کوئی راوی تھا اسے بیان ہی نہیں کیا گیا۔ یعنی اس روایت میں پورا راوی ہضم کر لیا گیا ہے۔

(۳) یہ ارسال حکمی نہیں بلکہ حقیقی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ابن حبان نے ان کو یعنی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو تابعین میں شامل کیا ہے۔ اگرچہ ابن حبان اپنے قول میں متفرد ہیں۔

پھر امام عینی نے پوری تفصیل کے ساتھ حدیث حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو بیان کر کے اس کی شرح بیان کی ہے۔

بعدازاں سورۂ توبہ کی آیت نمبر 113 کے ضمن میں بیان کی جانے والی تمام روایات کو بیان کیا ہے۔ اور ترجیحاً یہ لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ یوم اُحد کی بابت نازل ہوئی ہے۔ جس دن نبی کریم ﷺ کو کفار و مشرکین مکہ نے زخمی کیا اس پر آپ ﷺ نے مغفرت کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے حبیب یہ حد سے گزر گئے ہیں اس لیے ان کے لیے دعائے مغفرت نہ مانگ۔ یہ غزوہ دو سن ہجری کو ہوا اور وفات ابی طالب علیہ السلام کے پانچ چھ سال بعد ہے لہٰذا متقدم متاخر کو نسخ نہیں کرسکتا غزوۂ اُحد متاخر ہے اور وفات ابی طالب علیہ السلام متقدم ہے۔ پھر کہتے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے خود اپنے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ امام بیہقی کے حوالے سے لکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے جب سرکار کو عرض کی کہ میں نے دیکھا سنا ہے کہ کلمہ پڑھ رہے ہیں یہ بات انھوں نے حالت غیر اسلام میں کہی اگر حالت اسلام میں کہتے تو ضرور اسے قبول کیا جاتا۔

نوٹ: فقیر کئی بار کہہ چکا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا اسلام ہجرت سے پہلے کا مسلّم ہے ان پر یہ الزام لگانا کہ بوقت وفاتِ ابی طالب علیہ السلام وہ مسلمان نہ تھے یہ سراسر غلط ہے۔

ہم قدرے تفصیل سے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں ان کے ذکر کی نیاز حاصل کرتے ہیں۔ ویسے مکمل تفصیلات کے لیے ایک مستقل ضخیم کتاب لکھی جائے گی۔ لیکن یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ ان کا ذکر خیر کرتے ہیں تاکہ اہل علم کو جو وہم ہے کہ وہ حالت کفر میں ہیں انھوں نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کی گواہی دی جو اہل علم نے قبول نہیں کی ہے۔

ہم اہل علم پر واضح کردینا چاہتے ہیں کہ آپ کا غصہ بے جا ہے۔ بلکہ رونق تحقیق میں ایک تعفن ہے۔ اور اس تعفن کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اہل علم اپنے جبری تحکم کے ساتھ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمت ایمان کی ایک عظیم عینی شہادت ضائع کرنا چاہتے ہیں تاکہ روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے کلّ پرزے سیدھے رکھے جائیں۔ اس روایت کی ناجائز حمایت میں اہل علم نے ایک بہت بڑی حقیقت کو ٹھکرا کر حرم نبوت سے اموی انتقام کا حصہ بنے ہیں۔ اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ اہل علم پر واضح کریں کہ بنو امیہ کے جارحین کی حمایت دین کے اندر مستقل دراندازی ہے۔ آیئے اس کا آغاز کرتے ہیں۔

فصل: خامس

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما
کا
قدیم الاسلام ہونا

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا قدیم الاسلام ہونا

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ ایک آفاقی شخصیت ہیں اور عبقری شخصیت ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ حدیث کے مطابق ان کی محبت کے بغیر کسی کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ ہم نے ان کی سیرت کی بابت کتب سیرت، کتب اسماء الرجال اور کتب تواریخ کا پوری دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور کتب احادیث وتفاسیر کو بھی گہری نظر سے دیکھا ہے۔ ذخائر علم میں ان کے تقدس مآب تذکروں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آیا تو فیصلہ کیا کہ اس عظیم شخصیت پر ایک ضخیم اور مفصل کتاب لکھی جائے جس میں صحیح الاسناد حوالوں سے ان کا قدیم الاسلام ہونا ثابت کیا جائے تاکہ اہلِ علم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جاسکے۔ یہ کتاب حضرت ابوطالب علیہ السلام کے عنوان عظیم پر مشتمل ہے۔ اس میں ان کے مکمل ذکر کی تفصیلات ممکن نہ تھیں اس لیے ہم نے طے کیا کہ سردست چند مربوط حوالوں سے نہایت اختصار کے ساتھ ان کی عظمت ایمان کا ذکر کیا جائے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے حوالے سے اہل علم دو طبقات میں تقسیم ہیں۔ بعض اہلِ علم نے غزوہ بدر کے دن ایمان لانے کو تسلیم کیا ہے اور اسی پر جزم کیا ہے اور بعض اہل علم نے ہجرت سے پہلے اسلام لانے کو نقل کیا ہے۔ جب مسکین نے ہر دو فریق کے اقوال دیکھے تو پھر مؤیدات کی جستجو کی تو زیادہ مؤیدات حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کے حوالے سے میسر آئے۔ ترجیحاً ہم نے یہ اپنا اعتماد علمی ان کے قدیم الاسلام ہونے کا یقین کیا۔ دلائل تو متعلقہ کتاب میں ہی دیے جائیں گے مگر یہاں چند ایک کا ذکر کیے دیتے ہیں۔

(۱) حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے خود رسول دو عالم ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ جب آپ پنگھوڑے میں جھولتے تھے تو ہم دیکھا کرتے تھے کہ جس طرف آپ کی انگلی مبارک کی حرکت ہوتی چاند بھی اسی طرف دوڑ کناں ہوتا۔ (سبل الھدیٰ والرشاد) اسی وقت سے آپ ہماری عظمتِ یقین کا قبلہ ہے۔

(۲) آپ نے زندگی بھر حضور سید دو عالم ﷺ سے بھرپور محبت کی اور اعلان نبوت سے لے کر تا حیات آپ کے ساتھ رہے۔ وفاتِ ابی طالب علیہ السلام تک آپ کے ساتھ بھی رہے اور آپ کے مشن کی کبھی مخالفت بھی نہ کی۔

(۳) حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے بعد پیکر نبوت کی حفاظت اور نصرت کی ذمہ داری خود اٹھائی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ کہیں بھی لمحہ بھر کی کوئی سستی نہ کی۔

(۴) جب ہجرت کا وقت آیا تو سید دو عالم ﷺ نے انہیں حکم فرمایا کہ آپ مکہ ہی میں رہیں اور کفار مکہ کی شر انداز سرگرمیوں کا جائزہ لیتے رہیں اور ہمیں آگاہ کرتے رہیں۔ گویا آپ کی ذمہ داری مخبر اسلام کی ہے۔

(۵) آپ کو کفار مکہ جبراً میدان بدر میں لائے لیکن نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ کہا جائے کیونکہ وہ فریق اسلام بن کر نہیں آئے بلکہ رفیق اسلام بن کر آئے ہیں۔ اور بھی بہت سارے مؤیدات ہیں جن کو قصداً ذکر نہیں کیا جا رہا۔ جناب عباس کے غلام ابورافع نے اور جناب ابن عباس نے گواہی دی کہ جناب عباس نے ابتداء ہی اسلام قبول فرما لیا تھا مگر حالات کی نزاکت کی وجہ سے چھپائے رکھا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ بفضل تعالیٰ مفصل کتاب میں بیان کیا جائے گا۔ تفصیل وہاں ملاحظہ کریں۔ سردست اتنا عرض ہے کہ ان کا وقت ابی طالب علیہ السلام کے وقت مسلمان نہ ماننا محل نظر ہے۔ ان کی بیان کردہ روایت جس میں انھوں نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کلمہ پڑھتے سنا اور دیکھا تو عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے جو فرمایا ہے کہ اے ابوطالب کلمہ پڑھو۔ تو یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا حضرت ابوطالب علیہ السلام کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اس روایت میں لفظ یا رسول اللہ کہنا قطعاً تصدیق ہے عظمت رسالت کی اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو رسول خدا ﷺ کو یا رسول اللہ کہہ کر کیوں پکارتے۔ یہ بات مسکین اپنے خیال کی دنیا میں اتر کر نہیں کہہ رہا بلکہ میرے سامنے بہت ساری کتب سیر، کتب تواریخ کا سینہ کھلا ہوا ہے۔ یہ چند اقتباسات معروضی اعتبار سے سیر اعلام النبلاء، الاستیعاب فی معرفۃ اصحاب اسد الغابہ، طبقات ابن سعد، تاریخ ابن جریر، الاصابہ وغیرہ کے ہیں لیکن مربوط تصور علم میں ہیں۔

نوٹ: دنیا میں سیرت اور تاریخ کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا کسی نہ کسی حوالے سے ذکر خیر نہ ہو تو ان سے محبت کے تذکروں کے بغیر اور ان کی محبت کے بغیر تو کسی کے سینے میں ایمان ہی داخل نہیں ہوتا۔ اب ایسے حالات میں ان کو مسلمان تصور نہ کرنا خود اپنے اسلام کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نحوست سے محفوظ فرمائے۔

نوٹ: حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے بہر حال قدیم الاسلام ہیں۔ جبکہ یہ بات قطعاً ثابت ہے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ تحمل روایت کے وقت یقیناً کافر تھے۔ جبکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تحمل روایت کے وقت بھی عظیم مسلمان تھے اور ادائے روایت کے وقت بھی اسلام کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ صحبت نبوی کی مسلسل تریسٹھ سال تک بہاروں سے آشکار ہے۔ رہا بدر کی اسیری کے وقت کے اسلام کا معاملہ تو اس کی بابت براہ راست کوئی علمی مؤید نہیں جبکہ قدیم الاسلام ہونے کے بہت سے مؤیدات ہیں۔ سب سے پہلا مؤید

اعتمادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اگر وہ قدیمی مسلمان نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر کبھی بھی نبوی اعتماد نہ کرتے۔ میدانِ بدر میں صحابہ سے رعایت برتنے کا نہ فرماتے۔

بہر حال ہر دو اقوال میں مطابقت اور تطبیق کی صورت ممکنہ یہ ہے کہ ابتداء حالات کی سنگینی اس قدر شدید تھی کہ ان کو ساتر الاسلام رہنا پڑا بعد ازاں فتح مکہ میں ظاہر فرما دیا ورنہ ابن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا ایمان بھی ماننا پڑے گا کہ فتح مکہ کے بعد ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ بہر حال اہل علم اپنی مسندوں پر بیٹھ کر جائزے لیتے رہتے ہیں اور اپنی عینکوں سے دیکھتے ہیں کبھی ان حالات سے گزر کر دکھائیں جن حالات سے اہل بیت نبوت گزرے ہیں تو فتوے یقیناً بھول جائیں گے۔ سیر الاعلام النبلاء ذہبی کا اقتباس حاضر ہے۔

سیر الاعلام النبلاء ذہبی سے اقتباس

"العَبَّاسُ عَمُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قِيْلَ إِنَّهُ أَسْلَمَ قَبْلَ الهِجْرَةِ وَكَتَمَ إِسْلاَمَهُ وَخَرَجَ مَعَ قَوْمِهِ إِلَى بَدْرٍ فَأُسِرَ يَوْمَئِذٍ فَادَّعَى أَنَّهُ مُسْلِمٌ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَلَيْسَ هُوَ فِي عِدَادِ الطُّلَقَاءِ فَإِنَّهُ كَانَ قَدْ قَدِمَ إِلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَبْلَ الفَتْحِ أَلاَ تَرَاهُ أَجَارَ أَبَا سُفْيَانَ بنَ حَرْبٍ وَلَهُ عِدَّةُ أَحَادِيْثَ مِنْهَا خَمْسَةٌ وَثَلاَثُوْنَ فِي مُسْنَدِ بَقِيٍّ وَفِي البُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ حَدِيْثٌ وَفِي البُخَارِيِّ حَدِيْثٌ وَفِي مُسْلِمٍ ثَلاَثَةُ أَحَادِيْثَ

رَوَى عَنْهُ ابْنَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَكَثِيْرٌ وَالأَحْنَفُ بنُ قَيْسٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ الحَارِثِ بنِ نَوْفَلٍ وَجَابِرُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَأُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ العَبَّاسِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَمِيْرَةَ وَعَامِرُ بنُ سَعْدٍ وَإِسْحَاقُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ نَوْفَلٍ وَمَالِكُ بنُ أَوْسِ بنِ الحَدَثَانِ وَنَافِعُ بنُ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ وَابْنُهُ عبيد الله بن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ وآخرون وَقَدِمَ الشَّامَ مَعَ عُمَرَ

فَعَنْ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ لَمَّا دَنَا مِنَ الشَّامِ تَنَحَّى وَمَعَهُ غُلاَمُهُ فَعَمَدَ إِلَى مَرْكَبِ غُلاَمِهِ فَرَكِبَهُ وَعَلَيْهِ فَرْوٌ مَقْلُوْبٌ وَحَوَّلَ غُلاَمَهُ عَلَى رَحْلِ نَفْسِهِ

وَإِنَّ العَبَّاسَ لَبَيْنَ يَدَيْهِ عَلَى فَرَسٍ عَتِيْقٍ وَكَانَ رَجُلاً جَمِيْلاً فَجَعَلَتِ البَطَارِقَةُ يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ فَيُشِيْرُ لَسْتُ بِهِ وَيْلَكَ ذَاكَ - قَالَ الكَلْبِيُّ كَانَ العَبَّاسُ شَرِيْفاً مَهِيْباً عَاقِلاً جَمِيْلاً أَبْيَضَ بَضّاً لَهُ ضَفِيْرَتَانِ مُعْتَدِلَ القَامَةِ

وُلِدَ قَبْلَ عَامِ الفِيْلِ بِثَلاَثِ سِنِيْنَ

قُلْتُ بَلْ كَانَ مِنْ أَطْوَلِ الرِّجَالِ وَأَحْسَنِهِمْ صُوْرَةً وَأَبْهَاهُم وَأَجْهَرِهِمْ صَوْتاً مَعَ الحِلْمِ الوَافِرِ وَالسُّؤْدُدِ

روى مغيرة، عن أبي رزين قال قيل للعباس أنت أكبر أو النبي -صلى الله عليه وسلم- قال هو أكبر وأنا ولدت قبله

قال الزبير بن بكار كان للعباس ثوب لعاري بني هاشم وجفنة لجائعهم ومنظرة 1 لجاهلهم وكان يمنع الجار ويبذل المال ويعطي في النوائب

نديمه في الجاهلية أبو سفيان بن حرب

ابن سعد أخبرنا محمد بن عمر، حدثني ابن أبي حبيبة، عن داود بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس قال كان العباس قد أسلم قبل أن يهاجر رسول الله -صلى الله عليه وسلم- إلى المدينة

إسناده واه عن عمارة بن عمار بن أبي اليسر السلمي، عن أبيه، عن جده قال نظرت إلى العباس يوم بدر وهو واقف كأنه صنم وعيناه تذرفان

قلت جزاك الله من ذي رحم شرا أتقاتل ابن أخيك مع عدوه

قال ما فعل، أقتل؟ قلت الله أعز له وأنصر من ذلك قال ما تريد إلي؟ قلت: الأسر فإن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- نهى، عن قتلك قال ليست بأول صلته فأسرته ثم جئت به إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم

الثوري، عن أبي إسحاق، عن البراء أو غيره قال جاء رجل من الأنصار بالعباس قد أسره فقال ليس هذا أسرني فقال النبي -صلى الله عليه وسلم لقد آزرك الله بملك كريم

ابن إسحاق عمن سمع عكرمة، عن ابن عباس قال أسر العباس أبو اليسر فقال النبي -صلى الله عليه وسلم كيف أسرته؟ قال لقد أعانني عليه رجل ما رأيته قبل ولا بعد هيئته كذا قال لقد أعانك عليه ملك كريم ثم قال للعباس افد نفسك وابن أخيك عقيلا ونوفل بن الحارث وحليفك عتبة بن جحدم فأبى وقال إني كنت مسلما قبل ذلك وإنما استكرهوني قال الله أعلم بشأنك إن يك ما تدعي حقا فالله يجزيك بذلك وأما ظاهر أمرك فقد كان علينا فافد نفسك

وكان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قد عرف أن العباس أخذ معه عشرين أوقية ذهبا فقلت يا رسول الله احسبها لي من فداي قال لا، ذاك شيء أعطانا الله منك قال فإنه ليس لي مال قال فأين المال الذي وضعته بمكة عند أم الفضل وليس معكما أحد غيركما فقلت إن أصبت في سفري فللفضل كذا ولقثم كذا ولعبد الله كذا قال فوالذي بعثك بالحق ما علم بهذا أحد من الناس غيرها وإني لأعلم أنك رسول الله

يُونُسُ بنُ بُكَيرٍ، عَنِ ابنِ إِسحَاقَ، حَدَّثَنِي حُسَينُ بنُ عَبدِ اللهِ بنِ عبيد الله ابن العَبَّاسِ، عَن عِكرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَت قُرَيشٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ- فِي فِدَاءِ أَسرَاهُم فَفَدَى كُلُّ قَومٍ أَسِيرَهُم بِمَا تَرَاضَوا وَقَالَ العَبَّاسُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنتُ مُسلِماً

إِلَى أَن قَالَ: وَأُنزِلَت [يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِمَن فِي أَيدِيكُم مِنَ الأَسرَى إِن يَعلَمِ اللهُ فِي قُلُوبِكُم خَيرًا يُؤتِكُم خَيرًا مِمَّا أُخِذَ مِنكُم وَيَغفِر لَكُم] [الأنفال: 70]

قَالَ فَأَعطَانِي اللهُ مَكَانَ العِشرِينَ أُوقِيَّةً فِي الإِسلَامِ عِشرِين عبدا كلهُم فِي يَدِهِ مَالٌ يَضرِبُ بِهِ مَعَ مَا أَرجُو مِن مَغفِرَةِ اللهِ تَعَالَى

قَالَ ابنُ إِسحَاقَ وَكَانَ أَكثَرُ الأُسَارَى فِدَاءً يَومَ بدر العباس افتدى نفسه بمئة أُوقِيَّةٍ مِن ذَهَبٍ"

"وَعَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمسَى رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ- وَالأُسَارَى فِي الوَثَاقِ فَبَاتَ سَاهِراً أَوَّلَ اللَّيلِ فقيل يا رسول الله مالك لَا تَنَامُ قَالَ سَمِعتُ أَنِينَ عَمِّي فِي وَثَاقِهِ فَأَطلَقُوهُ فَسَكَتَ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ

إِبرَاهِيمُ بنُ مُهَاجِرٍ، عَن مُجَاهِدٍ قَالَ أَسَرَ العَبَّاسَ رَجُلٌ وَوَعَدُوهُ أَن يقتلوه فقال رسول الله إِنِّي لَم أَنَمِ اللَّيلَةَ مِن أَجلِ العَبَّاسِ زَعَمَتِ الأَنصَارُ أَنَّهُم قَاتِلُوهُ فَقَالَ عُمَرُ أَآتِيهِم يَا رَسُولَ اللهِ / فَأَتَى الأَنصَارَ فَقَالَ أَرسِلُوا العباس قالوا إن كان لرسول الله رضا فَخُذهُ

سِمَاكٌ، عَن عِكرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ بَعدَ مَا فَرَغَ مِن بَدرٍ عَلَيكَ بِالعِيرِ لَيسَ دُونَهَا شَيءٌ فَقَالَ العَبَّاسُ وَهُوَ فِي وَثَاقِهِ لَا يَصلُحُ فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم قَالَ لِأَنَّ اللهَ وَعَدَكَ إِحدَى الطَّائِفَتَينِ فَقَد أَعطَاكَ مَا وَعَدَكَ

هَكَذَا رَوَاهُ إِسرَائِيلُ وَرَوَاهُ عَمرُو بنُ ثَابِتٍ، عَن سِمَاكٍ، عَن عكرمة مرسلًا

إِسمَاعِيلُ بنُ قَيسٍ، عَن أَبِي حَازِمٍ، عَن سَهلٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ- مِن بَدرٍ استأذنه العَبَّاسُ أَن يَأذَنَ لَهُ أَن يَرجِعَ إِلَى مَكَّةَ حَتَّى يُهَاجِرَ مِنهَا فَقَالَ اطمَئِنَّ يَا عَمِّ فَإِنَّكَ خاتم المهاجرين كما أنا خاتم النبيين

إِسنَادُهُ وَاهٍ رَوَاهُ أَبُو يَعلَى وَالشَّاشِيُّ فِي مُسنَدَيهِمَا وَيُروَى نَحوُهُ مِن مَرَاسِيلِ الزُّهرِيِّ

قَالَ ابنُ سَعدٍ الطَّبَقَةُ الثَّانِيَةُ مِنَ المُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ مِمَّن لَم يَشهَد بَدراً فَبَدَأَ بِالعَبَّاسِ قَالَ وَأُمُّهُ نُتَيلَةُ

بِنْتُ جَنَابِ بنِ كُلَيْبٍ وَسَرَدَ نَسَبَهَا إِلَى رَبِيعَةَ بنِ نِزَارِ بنِ مَعَدٍّ

وَعَنِ ابنِ عَبَّاسٍ وُلِدَ أَبِي قَبْلَ أَصْحَابِ الفِيلِ بِثَلاثِ سِنِينَ

وَبَنُوهُ الفَضْلُ وَهُوَ أَكْبَرُهُمْ وَعَبْدُ اللهِ البَحْرُ وَعُبَيْدُ اللهِ وَقُثَمُ وَلَمْ يُعْقِبْ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ تُوُفِّيَ بِالشَّامِ وَلَمْ يُعْقِبْ وَمَعْبَدٌ

اسْتُشْهِدَ بِإِفْرِيقِيَةَ وَأُمُّ حَبِيبٍ وَأُمُّهُمْ أُمُّ الفَضْلِ لُبَابَةُ الهِلَالِيَّةُ وَفِيهَا يَقُولُ ابنُ يَزِيدَ الهِلالي

مَا وَلَدَتْ نَجِيبَةٌ مِنْ فَحْلٍ بِجَبَلٍ نَعْلَمُهُ أَوْ سَهْلِ

كَسِتَّةٍ مِنْ بَطْنِ أُمِّ الفَضْلِ أَكْرِمْ بِهَا مِنْ كَهْلَةٍ وَكَهْلِ

قَالَ الكَلْبِيُّ مَا رَأَيْنَا وَلَدَ أُمٍّ قَطُّ أَبْعَدَ قُبُوراً مِنْ بَنِي العَبَّاسِ

مِنْ أَوْلادِ العَبَّاسِ كَثِيرٌ وَكَانَ فَقِيهاً وَتَمَّامٌ وَكَانَ مِنْ أَشَدِّ قُرَيْشٍ وَأُمَيْمَةُ وَأُمُّهُمْ أُمُّ وَلَدٍ وَالحَارِثُ بنُ العَبَّاسِ

وَأُمُّهُ حُجَيْلَةُ بِنْتُ جُنْدَبٍ التَّمِيمِيَّةُ

فَعِدَّتُهُمْ عَشَرَةٌ

الواقدي أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ يَزِيدَ الهُذَلِيُّ، عَنْ أَبِي البَدَّاحِ بنِ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عُوَيْمِ بنِ سَاعِدَةَ، عَنْ أَبِيهِ

قَالَ أَتَيْنَا النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقِيلَ هُوَ فِي مَنْزِلِ العَبَّاسِ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ فَسَلَّمْنَا وَقُلْنَا مَتَى نَلْتَقِي فَقَالَ

العَبَّاسُ إِنَّ مَعَكُمْ مِنْ قَوْمِكُمْ مَنْ هُوَ مُخَالِفٌ لَكُمْ فَأَخْفُوا أَمْرَكُمْ حَتَّى يَنْصَدِعَ هَذَا الحَاجُّ وَنَلْتَقِي نَحْنُ وَأَنْتُمْ فَنُوضِحُ

لَكُمُ الأَمْرَ فَتَدْخُلُونَ عَلَى أَمْرٍ بَيِّنٍ فَوَعَدَهُمُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- لَيْلَةَ النَّفْرِ الآخِرِ بِأَسْفَلِ العَقَبَةِ وَأَمَرَهُمْ أَلَّا

ينبهوا نائما ولا ينتظروا غائبا

عَنْ مُعَاذِ بنِ رِفَاعَةَ، قَالَ فَخَرَجُوا بَعْدَ هَدْأَةٍ يَتَسَلَّلُونَ وَقَدْ سَبَقَهُمْ إِلَى ذَلِكَ المَكَانِ مَعَهُ عَمُّهُ العَبَّاسُ وَحْدَهُ

قَالَ فَأَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ هُوَ، فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الخَزْرَجِ قَدْ دَعَوْتُمْ مُحَمَّداً إِلَى مَا دَعَوْتُمُوهُ وَهُوَ مِنْ أَعَزِّ النَّاسِ فِي عَشِيرَتِهِ

يَمْنَعُهُ وَاللهِ مَنْ كَانَ منا على قَوْلِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ وَقَدْ أَبَى مُحَمَّداً النَّاسُ كُلُّهُمْ غَيْرَكُمْ فَإِنْ كُنْتُمْ أَهْلَ قُوَّةٍ وَجَلَدٍ وَبَصَرٍ

بِالحَرْبِ وَاسْتِقْلَالٍ بِعَدَاوَةِ العَرَبِ قَاطِبَةً فإنها سترميكم، عن قوس واحدة فارتئوا رَأْيَكُمْ وَائْتَمِرُوا أَمْرَكُمْ فَإِنَّ

أَحْسَنَ الحَدِيثِ أَصْدَقُهُ فَأَسْكَتُوا وَتَكَلَّمَ عَبْدُ اللهِ بنُ عَمْرِو بنِ حَرَامٍ فَقَالَ نَحْنُ أَهْلُ الحَرْبِ وَرِثْنَاهَا كَابِراً، عَنْ

كَابِرٍ نَرْمِي بِالنَّبْلِ حَتَّى تَفْنَى ثُمَّ نُطَاعِنُ بِالرِّمَاحِ حَتَّى تَكْسِرَ ثُمَّ نَمْشِي بِالسُّيُوفِ حَتَّى يَمُوتَ الأَعْجَلُ مِنَّا

قَالَ أَنْتُمْ أَصْحَابُ حَرْبٍ هَلْ فِيكُمْ دُرُوعٌ قَالُوا نَعَمْ شَامِلَةٌ

وَقَالَ البَرَاءُ بنُ مَعْرُورٍ قَدْ سَمِعْنَا مَا قُلْتَ إِنَّا وَاللهِ لَوْ كَانَ فِي أَنْفُسِنَا غَيْرُ مَا نَقُولُ لَقُلْنَا وَلَكِنَّا نُرِيدُ الوَفَاءَ وَالصِّدْقَ

وَبَذْلَ الْمُهَجِ دُوْنَ رَسُوْلِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَبَايَعَهُمُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَالعَبَّاسُ آخِذٌ بِيَدِهِ يُؤَكِّدُ لَهُ البَيْعَةَ

زَكَرِيَّا، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بِالعَبَّاسِ وَكَانَ العَبَّاسُ ذَا رَأْيٍ فَقَالَ العَبَّاسُ

لِلسَّبْعِيْنَ لِيَتَكَلَّمْ مُتَكَلِّمُكُمْ وَلَا يُطِلِ الخُطْبَةَ فَإِنَّ عَلَيْكُم عَيْناً

فَقَالَ أَسْعَدُ بْنُ زُرَارَةَ سَلْ لِرَبِّكَ مَا شِئْتَ وَسَلْ لِنَفْسِكَ وَلِأَصْحَابِكَ ثُمَّ، أَخْبِرْنَا بِمَا لَنَا عَلَى اللهِ وَعَلَيْكُم

قَالَ أَسْأَلُكُم لِرَبِّي أَنْ تَعْبُدُوْهُ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَأَسْأَلُكُم لِنَفْسِي وَأَصْحَابِي أَنْ تُؤْوُوْنَا وَتَنْصُرُوْنَا وَتَمْنَعُوْنَا مِمَّا

تَمْنَعُوْنَ مِنْه أَنْفُسَكُم

قَالُوا فَمَا لَنَا إِذَا فَعَلْنَا ذَلِكَ قَالَ الجَنَّةُ قَالَ فَلَكَ ذَلِكَ

ابْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي حُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قَالَ أَبُو رَافِعٍ كُنْتُ غُلَاماً لِلْعَبَّاسِ وَكَانَ الإِسْلَامُ قَدْ

دَخَلَنَا فَأَسْلَمَ العَبَّاسُ وَكَانَ يَهَابُ قَوْمَهُ فَكَانَ يَكْتُمُ إِسْلَامَهُ فَخَرَجَ إِلَى بَدْرٍ وَهُوَ كَذَلِكَ

إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ جَدَّهُ عَبَّاساً قَدِمَ هُوَ وَأَبُو

هُرَيْرَةَ فَقَسَمَ لَهُمَا النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي خَيْبَرَ

قَالَ ابْنُ سَعْدٍ فَقَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ هَذَا وَهْمٌ بَلْ كَانَ العَبَّاسُ بِمَكَّةَ إِذْ قَدِمَ الحَجَّاجُ بْنُ عِلَاطٍ فَأَخْبَرَ قُرَيْشاً عَنْ

نَبِيِّ اللهِ بِمَا أَحَبُّوا وَسَاءَ العَبَّاسَ حَتَّى أَتَاهُ الحَجَّاجُ فَأَخْبَرَهُ بِفَتْحِ خَيْبَرَ فَفَرِحَ ثُمَّ خَرَجَ العَبَّاسُ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَطْعَمَهُ بِخَيْبَرَ مِئَتَيْ وَسْقٍ كُلَّ سَنَةٍ ثُمَّ خَرَجَ مَعَهُ إِلَى فَتْحِ مَكَّةَ

يَزِيْدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الحَارِثِ، عَنِ المُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- مَا

بَالُ رِجَالٍ يُؤْذُوْنَنِي فِي العَبَّاسِ وَإِنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ مَنْ آذى العباس فقد آذاني

وَرَوَاهُ خَالِدٌ الطَّحَّانُ، عَنْ يَزِيْدَ فَأَسْقَطَ المُطَّلِبَ

وَثَبَتَ أَنَّ العَبَّاسَ كَانَ يَوْمَ حُنَيْنٍ وَقْتَ الهَزِيْمَةِ آخِذاً بِلِجَامِ بَغْلَةِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَثَبَتَ مَعَهُ حَتَّى نَزَلَ

النَّصْرُ

الأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي سَبْرَةَ النَّخَعِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ القُرَظِيِّ، عَنِ العَبَّاسِ قَالَ كُنَّا نَلْقَى النَّفَرَ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُم

يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَقْطَعُوْنَ حَدِيْثَهُمْ فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ وَاللهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ

الإِيْمَانُ حَتَّى يُحِبَّكُمْ للهِ وَلِقَرَابَتِي إِسْنَادُهُ مُنْقَطِعٌ

إسرائيل، عن عبدِ الأعلى الثعلبي، عن سعيدِ بن جبيرٍ، عن ابنِ عباسٍ أن رجلاً من الأنصارِ وقع في أبٍ للعباسِ كان في الجاهلية فلطمه العباس فجاء قومه فقالوا واللهِ لنلطمنه كما لطمه فلبسوا السلاح فبلغ ذلك رسولَ الله -صلى الله عليه وسلم- فصعد المنبر فقال أيها الناس أي أهلِ الأرضِ أكرم على الله قالوا: أنت. قال: "فإنَّ العباسَ مني وأنا منه لا تسبوا أمواتنا فتؤذوا أحياءنا".

فجاء القوم فقالوا نعوذُ بالله من غضبك يا رسولَ الله

رواه أحمد في مسنده. ثور، عن مكحولٍ، عن كريبٍ، عن ابنِ عباسٍ أنَّ النبيَّ -صلى الله عليه وسلم- جعل على العباس وولده كساءً ثم قال اللهم اغفر للعباسِ وولدِه مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا اللهم اخلفه في ولدِه

إسناده جيد رواه أبو يعلى في مسندِه

إسماعيل بن قيسِ بنِ سعدٍ، عن أبي حازمٍ، عن سهلٍ قال خرجنا مع رسولِ الله -صلى الله عليه وسلم- في القيظ فقام لبعض حاجته فقام العباس يستره بكساءٍ من صوفٍ فقال اللهم استرِ العباسَ وولدَه من النارِ له طرق

إسماعيل ضعف

سليمان بن المغيرة، عن حميدِ بنِ هلالٍ قال بعث ابنُ الحضرمي إلى رسولِ الله -صلى الله عليه وسلم- بمالٍ ثمانين ألفا من البحرين فنثرت على حصيرٍ فجاء النبي -صلى الله عليه وسلم- فوقف وجاء الناس فما كان يومئذ عددٌ ولا وزن ما كان إلا قبضا

فجاء العباس بخميصةٍ عليه فأخذ فذهب يقوم فلم يستطع فرفع رأسه إلى رسولِ الله -صلى الله عليه وسلم- فقال ارفع علي فتبسم رسولُ الله حتى خرج ضاحكه أو نابه فقال أعد في المالِ طائفة وقم بما تطيق ففعل قال فجعل العباس يقول وهو منطلق أما إحدى اللتين وعدنا الله فقد أنجزها يعني قوله: ﴿قل لمن في أيديكم من الأسرى إن يعلمِ الله في قلوبكم خيرًا يؤتكم خيرًا مما أخذ منكم ويغفر لكم﴾ [الأنفال: 70]. فهذا خير مما أخذ مني، ولا أدري ما يصنع في الآخرة.

أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة قال بعث رسولُ الله -صلى الله عليه وسلم- عمر على الصدقة ساعيا فمنع ابن جميل وخالد والعباس فقال رسول الله ما ينقم ابنُ جميلٍ إلا أن كان فقيرا فأغناه الله وأما خالد فإنكم تظلمون خالدا إنه قد احتبس أدراعه وأعتاده في سبيلِ الله وأما العباس فهي علي ومثلها ثم قال أما شعرت أن عم الرجل صنو أبيه

الأَعْمَشُ، عَنْ عَمْرِو بنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي البَخْتَرِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ أَمَا تَذْكُرُ إِذْ شَكَوْتَ العَبَّاسَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ

حُسَيْنُ بنُ عَبْدِ اللهِ بنِ ضُمَيْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اسْتَوْصُوا بِالعَبَّاسِ خَيْراً فَإِنَّهُ عَمِّي وَصِنْوُ أَبِي إِسْنَادُهُ وَاهٍ

مُحَمَّدُ بنُ طَلْحَةَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي سُهَيْلِ بنِ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ المُسَيِّبِ، عَنْ سَعْدٍ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي نَقِيْعِ الخَيْلِ 3 فَأَقْبَلَ العَبَّاسُ فَقَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا العَبَّاسُ عَمُّ نَبِيِّكُم أَجْوَدُ قُرَيْشٍ كَفّاً وَأَوْصَلُهَا رَوَاهُ عِدَّةٌ عَنْهُ

وَثَبَتَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ اسْتَسْقَى فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا إِذَا قَحَطْنَا عَلَى عَهْدِ نَبِيِّكَ تَوَسَّلْنَا بِهِ وَإِنَّا نَسْتَسْقِي إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ العباس

الزُّبَيْرُ بنُ بَكَّارٍ حَدَّثَنَا سَاعِدَةُ بنُ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ دَاوُدَ بنِ عَطَاءٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اسْتَسْقَى عُمَرُ عَامَ الرَّمَادَةِ بِالعَبَّاسِ فَقَالَ اللَّهُمَّ هَذَا عَمُّ نَبِيِّكَ نَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِهِ فَاسْقِنَا فَمَا بَرِحُوا حَتَّى سَقَاهُمُ اللهُ فَخَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- كَانَ يَرَى لِلْعَبَّاسِ مَا يَرَى الوَلَدُ لِوَالِدِهِ فَيُعَظِّمُهُ وَيُفَخِّمُهُ وَيَبَرُّ قَسَمَهُ فَاقْتَدُوا أَيُّهَا النَّاسُ بِرَسُوْلِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي عَمِّهِ العَبَّاسِ وَاتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً إِلَى اللهِ فِيْمَا نَزَلَ بِكُم وَقَعَ لَنَا عَالِياً فِي جُزْءِ البَانِيَاسِيِّ وَدَاوُدُ ضَعِيْفٌ

ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يُجِلُّ أَحَداً مَا يُجِلُّ العَبَّاسَ أَوْ يُكْرِمُ العَبَّاسَ إِسْنَادُهُ صَالِحٌ

وَيُرْوَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو قَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِن الله اتَّخَذَنِي خَلِيْلاً كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً فَمَنْزِلِي وَمَنْزِلُ إِبْرَاهِيْمَ يَوْمَ القِيَامَةِ فِي الجَنَّةِ تُجَاهَيْنِ وَالعَبَّاسُ بَيْنَنَا مُؤْمِنٌ بَيْنَ خَلِيْلَيْنِ

أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ وَهُوَ مَوْضُوْعٌ وَفِي إِسْنَادِهِ عَبْدُ الوَهَّابِ العُرْضِيُّ الكَذَّابُ

ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ العَامِرِيُّ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ لِلْعَبَّاسِ فِيْكُمُ النُّبُوَّةُ وَالمَمْلَكَةُ

هَذَا فِي جُزْءِ ابْنِ دِيْزِيْلَ وَهُوَ مُنْكَرٌ

ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ الثِّقَةِ قَالَ كَانَ العَبَّاسُ إِذَا مَرَّ بِعُمَرَ أَوْ بِعُثْمَانَ وَهُمَا رَاكِبَانِ نَزَلاَ حَتَّى يُجَاوِزَهُمَا إِجْلاَلاً

بِعَمِّ رَسُولِ اللهِ

رَوَى ثُمَامَةُ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ عُمَرُ اللَّهُمَّ إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَاسقنا صحيح

وَفِي ذَلِكَ يَقُولُ عَبَّاسُ بْنُ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي لَهَبٍ

بِعَمِّي سَقَى اللهُ الحِجَازَ وَأَهْلَهُ عَشِيَّةَ يَسْتَسْقِي بِشَيْبَتِهِ عُمَرُ

تَوَجَّهَ بِالعَبَّاسِ فِي الجَدْبِ رَاغِباً إِلَيْهِ فَمَا إِنْ رَامَ حَتَّى أَتَى المَطَرُ

وَمِنَّا رَسُولُ اللهِ فِينَا تُرَاثُهُ فهل فوق هذا للمفاخر مفتخر

أَبُو مَعْشَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ عُمَرَ مَوْلَى غُفْرَةَ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ نُفَيْعٍ قَالُوا لَمَّا اسْتُخْلِفَ عُمَرُ وَفُتِحَ عَلَيْهِ الفُتُوحُ جَاءَهُ مَالٌ فَفَضَّلَ المُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارَ فَفَرَضَ لِمَنْ شَهِدَ بَدْراً خَمْسَةَ آلاَفٍ خَمْسَةَ آلاَفٍ وَلِمَنْ لَمْ يَشْهَدْهَا وَلَهُ سَابِقَةٌ أَرْبَعَةَ آلاَفٍ أَرْبَعَةَ آلاَفٍ وَفَرَضَ لِلْعَبَّاسِ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفاً

عُثْمَانُ بْنُ حَبِيْبٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ذَكْوَانَ، عَنْ صُهَيْبٍ مَوْلَى العَبَّاسِ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيّاً يُقَبِّلُ يَدَ العَبَّاسِ وَرِجْلَهُ وَيَقُوْلُ يَا عَمِّ ارْضَ عَنِّي

إِسْنَادُهُ حَسَنٌ وَصُهَيْبٌ لاَ أَعْرِفُهُ

عَبْدُ الوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ مكحول، عن سعيد بن المسيب أنه قَالَ العَبَّاسُ خَيْرُ هَذِهِ الأُمَّةِ وَارِثُ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَعَمُّهُ

سَمِعَهُ مِنْهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَهُوَ قَوْلٌ مُنْكَرٌ

قَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ الحِزَامِيُّ كَانَ يَكُوْنُ لِلْعَبَّاسِ الحَاجَةُ إِلَى غِلْمَانِهِ وَهُمْ بِالغَابَةِ فَيَقِفُ عَلَى سَلْعٍ وَذَلِكَ فِي آخِرِ اللَّيْلِ فَيُنَادِيهِم فَيُسْمِعُهُم وَالغَابَةُ نَحْوٌ مِنْ تِسْعَةِ أَمْيَالٍ

قُلْتُ كَانَ تَامَّ الشَّكْلِ جَهْوَرِيَّ الصَّوْتِ جِدّاً وَهُوَ الذى أمره النبى -صلى الله عليه وسلم- أَن يَهْتِفَ يَوْمَ حُنَيْنٍ يَا أَصْحَابَ الشَّجَرَةِ

قَالَ القَاضِي أَبُو مُحَمَّدٍ بْنُ زَبْرٍ حَدَّثَنَا إِسمَاعِيلُ القَاضِي، أخبرنا نصر ابن عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا الأَصْمَعِيُّ قَالَ كَانَ لِلْعَبَّاسِ رَاعٍ يَرْعَى لَهُ عَلَى مَسِيْرَةِ ثَلاَثَةِ أَمْيَالٍ فَإِذَا أَرَادَ مِنْهُ شَيْئاً صَاحَ بِهِ فَأَسْمَعَهُ حَاجَتَهُ

لَيْثٌ حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَعْتَقَ العَبَّاسُ عِنْدَ مَوْتِهِ سَبْعِيْنَ مَمْلُوْكاً

عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الحَسَنِ قَالَ وَبَقِيَ فِي بَيْتِ المَالِ بَقِيَّةٌ فَقَالَ العَبَّاسُ لِعُمَرَ وَلِلنَّاسِ أَرَأَيْتُم لَوْ كَانَ فِيكُم عَمُّ موسى

أكنتم تكرمونه وتعرفون حقه قالوا نعم قال فأنا عم نبيكم أحق أن تكرموني فكلم عمر الناس فأمطروا

قُلْتُ لَمْ يَزَلِ الْعَبَّاسُ مُشْفِقاً عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مُحِبّاً لَهُ صَابِراً عَلَى الأَذَى وَلَمَّا يُسْلِمْ بَعْدُ بِحَيْثُ

أَنَّهُ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ عَرَفَ وَقَامَ مَعَ ابْنِ أَخِيهِ فِي اللَّيْلِ وَتَوَثَّقَ لَهُ مِنَ السَّبْعِينَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى بَدْرٍ مَعَ قَوْمِهِ فَلَمْ

فَأَبْدَى لَهُمْ أَنَّهُ كَانَ أَسْلَمَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَكَّةَ فَمَا أَدْرِي لِمَاذَا أَقَامَ بِهَا.

ثُمَّ لاَ ذِكْرَ لَهُ يَوْمَ أُحُدٍ وَلاَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَلاَ خَرَجَ مَعَ أَبِي سُفْيَانَ وَلاَ قَالَتْ لَهُ قُرَيْشٌ فِي ذَلِكَ شَيْئاً فِيمَا عَلِمْتُ ثُمَّ جَاءَ إِلَى

النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مُهَاجِراً قُبَيْلَ فَتْحِ مَكَّةَ فَلَمْ يَتَحَرَّرْ لَنَا قُدُومُهُ

وَقَدْ كَانَ عُمَرُ أَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ لَهُ دَاراً بِالثَّمَنِ لِيُدْخِلَهَا فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَامْتَنَعَ حَتَّى تَحَاكَمَا

إِلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَالْقِصَّةُ مَشْهُورَةٌ ثُمَّ بَذَلَهَا بِلاَ ثَمَنٍ

وَوَرَدَ أَنَّ عُمَرَ عَمَدَ إِلَى مِيزَابٍ لِلْعَبَّاسِ عَلَى مَمَرِّ النَّاسِ فَقَلَعَهُ فَقَالَ لَهُ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

هُوَ الَّذِي وَضَعَهُ فِي مَكَانِهِ فَأَقْسَمَ عُمَرُ لَتَصْعَدَنَّ عَلَى ظَهْرِي وَلَتَضَعَنَّهُ مَوْضِعَهُ

وَيُرْوَى فِي خَبَرٍ مُنْكَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - نَظَرَ إِلَى الثُّرَيَّا ثُمَّ قَالَ يَا عَمِّ لَيَمْلِكَنَّ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ عَدَدُ نُجُومِهَا

وَقَدْ عَمِلَ الْحَافِظُ أَبُو الْقَاسِمِ بْنُ عَسَاكِرَ تَرْجَمَةَ الْعَبَّاسِ فِي بِضْعٍ وَخَمْسِينَ وَرَقَةً

وَقَدْ عَاشَ ثَمَانِياً وَثَمَانِينَ سَنَةً وَمَاتَ سَنَةَ اثْنَتَيْنِ وَثَلاَثِينَ فَصَلَّى عَلَيْهِ عُثْمَانُ وَدُفِنَ بِالْبَقِيعِ وَعَلَى قَبْرِهِ الْيَوْمَ قُبَّةٌ

عَظِيمَةٌ مِنْ بِنَاءِ خُلَفَاءِ آلِ الْعَبَّاسِ

وَقَالَ خَلِيفَةُ وَغَيْرُهُ بَلْ مَاتَ سَنَةَ أَرْبَعٍ وَثَلاَثِينَ وَقَالَ الْمَدَائِنِيُّ سَنَةَ ثَلاَثٍ وَثَلاَثِينَ

أَخْبَرَنَا الْمِقْدَادُ بْنُ أَبِي الْقَاسِمِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الأَخْضَرِ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْبَاقِي، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ

الْبَرْمَكِيُّ حُضُوراً، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَاسِي، أَخْبَرَنَا أَبُو مُسْلِمٍ الْكَجِّيُّ، أَخْبَرَنَا الأَنْصَارِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَخْبَرَنَا

أَبِي، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي وَخَرَجَ الْعَبَّاسُ مَعَهُ يَسْتَسْقِي وَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا إِذَا قَحَطْنَا عَلَى

عَهْدِ نَبِيِّنَا - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - تَوَسَّلْنَا إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - اللَّهُمَّ إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ

قَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ سُئِلَ الْعَبَّاسُ أَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَالَ هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا أَسَنُّ مِنْهُ

مَوْلِدُهُ بَعْدَ عَقْلِي أُتِيَ إِلَى أُمِّي فَقِيلَ لَهَا وَلَدَتْ آمِنَةُ غُلاَماً فَخَرَجَتْ بِي حِينَ أَصْبَحَتْ آخِذَةً بِيَدِي حَتَّى دَخَلْنَا عَلَيْهَا

فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَمْصَعُ بِرِجْلَيْهِ فِي عَرْصَتِهِ وَجَعَلَ النِّسَاءُ يَجْبِذْنَنِي عَلَيْهِ وَيَقُلْنَ قَبِّلْ أَخَاكَ كَذَا ذَكَرَهُ بِلاَ إِسْنَادٍ

أَنْبَأَنَا طَائِفَةٌ، أَخْبَرَنَا ابْنُ طَبَرْزَدْ، أَخْبَرَنَا ابْنُ الْحُصَيْنِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ غَيْلاَنَ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ الشَّافِعِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

بشر بن مطر، حدثنا شيبان، حدثنا مبارك بن فضالة، عن الحسن، عن الأحنف بن قيس سمعت العباس يقول
الذي أمر بذبحه إبراهيم هو إسحاق

وقال الواقدي، عن ابن أبي سبرة، عن حسين بن عبد الله، عن عكرمة، عن ابن عباس قال أسلم العباس بمكة قبل بدر وأسلمت أم الفضل معه حينئذ وكان مقامه بمكة إنه كان لا يغبى على رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بمكة خبر يكون إلا كتب به إليه وكان من هناك من المؤمنين يتقوون به ويصيرون إليه وكان لهم عونا على إسلامهم ولقد كان يطلب أن يقدم فكتب إليه رسول الله إن مقامك مجاهد حسن فأقام بأمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم

إسناده ضعيف ولو جرى هذا لما طلب من العباس فداء يوم بدر والظاهر أن إسلامه كان بعد بدر

قال إسماعيل بن قيس بن سعد بن زيد بن ثابت، عن أبي حازم، عن سهل قال استأذن العباس النبي -صلى الله عليه وسلم- في الهجرة فكتب إليه يا عم أقم مكانك فإن الله يختم بك الهجرة كما ختم بي النبوة

إسماعيل واه

وروى عبد الأعلى الثعلبي، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال العباس مني وأنا منه إسناده ليس بقوي

وقد اعتنى الحفاظ بجمع فضائل العباس رعاية للخلفاء

وبكل حال لو كان نبينا -صلى الله عليه وسلم- ممن يورث لما ورثه أحد بعد بنته وزوجاته إلا العباس

وقد صار الملك في ذرية العباس واستمر ذلك وتداوله تسعة وثلاثون خليفة إلى وقتنا هذا وذلك ست مئة عام أولهم السفاح وخليفة زماننا المستكفي له الاسم المنبري والعقد والحل بيد السلطان الملك الناصر أيدهما الله

فإذا اقتصرنا من مناقب عم رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على هذه النبذة فلنذكر وفاته

ولعبد الأعلى، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس مرفوعا العباس مني وأنا منه عبد الأعلى الثعلبي لين

يحيى بن معين حدثنا عبيد بن أبي قرة، حدثنا الليث، عن أبي قبيل، عن أبي ميسرة مولى العباس سمع العباس يقول كنت عند النبي -صلى الله عليه وسلم- فقال انظر في السماء فنظرت فقال ما ترى؟ قلت: الثريا. فقال: "أما إنه يملك هذه الأمة بعددها من صلبك" 2. رواه الحاكم. وعبيد غير ثقة

وروى الحاكم أن زحر بن حصن، عن جده حميد بن منهب سمع جده خريم بن أوس يقول هاجرت إلى رسول

اللہ۔صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مُنْصَرَفَہٗ مِنْ تَبُوْکَ فَسَمِعْتُ الْعَبَّاسَ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنِّیْ أُرِیْدُ أَنْ أَمْتَدِحَکَ قَالَ قُلْ لَا یَفْضُضِ اللّٰہُ فَاکَ قَالَ

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِي مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ أَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقُ

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ أَلْجَمَ نَسْرًا وَأَهْلَهُ الْغَرَقُ

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ إِلَى رَحِمٍ إِذَا مَضَى عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ

حَتَّى احْتَوَى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ خِنْدِفَ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

وَأَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْ أَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْأُفُقُ

فَنَحْنُ فِي ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْرِ وَسُبُلُ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

قَالَ الْحَاكِمُ رُوَاتُهٗ أَعْرَابٌ وَمِثْلُهُمْ لَا يُضَعَّفُوْنَ قلت ولكنهم لا يعرفون"

خلاصہ

بیشک حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے اسلام لائے اور اپنا اسلام چھپائے رکھا بدر کے دن ظاہر فرمایا وہ طلقا میں شامل نہیں تھے وہ بہت خصوصیات کے مالک تھے۔ عام الفیل سے تین سال پہلے پیدا ہوئے ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مطابق بھی ہجرت سے قبل ہی ان کا اسلام مانا جاتا ہے۔ بدر میں جب قید ہوئے تو بارگاہ نبوت میں کہا کہ میں پہلے سے مسلمان ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بطور تائید آیت نازل فرمائی۔ فرمایا کہ نبی اپنے قیدیوں سے فرما اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے جو تم سے لیا گیا ہے (فدیہ) تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے اور تمہاری مغفرت فرمائے جو لیا گیا ہے یہ ظاہری اعتبار تھا مگر حقیقت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ یہ آیت جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی ایمانی شہادت ہے کہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہیں پھر جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے مال نہ ہونے کا عذر فرمایا تو رازدارِ کائنات نے راز کھول دیا کہ مال کہاں رکھا ہے۔ اس پر عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جوش میں آ گئے بے ساختہ کہا آپ اللہ کے یقیناً سچے رسول ہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے جیسے بحث میں لکھا گیا ہے (فریدی)

بعد ازاں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورے سے واپس مکہ لوٹ گئے تا کہ کفار کی سرگرمیوں پر نظر

تھیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے اُم فضل کے بطن سے چھ بیٹے تھے۔ فضل سب سے بڑے تھے۔ عبداللہ الحبر، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمٰن، معبد، ام معبد کے بطن سے کثیر تھے حارث بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ان کی والدہ جمیلہ بنت جندب تھیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے بعد حضور ﷺ جناب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی محبتوں کے سائے میں رہے۔ اہل مدینہ کا پہلا وفد انھی کے گھر میں حضور ﷺ سے ملاقی ہوا۔ بعدازاں رازداری سے رات کو ایک گھاٹی کی اوٹ میں سب جمع ہوئے حضور ﷺ کو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے ہمراہ وہاں لے گئے۔ باہمی اعتماد کی فضا قائم ہوئی ہجرت کا منصوبہ تیار کیا گیا پھر تمام اہل مدینہ کے وفد نے اپنا اپنا اعتماد دلایا۔ وہاں بیعت لی گئی اس بیعت میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اولاً شامل تھے اور حمایت نبوت پر ایک مختصر مگر جامع خطبہ دیا۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے عرض کی آقا فرمایئے ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرا پہلا فرمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے اور میرے صحابہ کو پناہ دو ہماری دین میں مدد کرو اپنی جانوں سے بڑھ کر ہماری حفاظت کرو۔ انھوں نے عرض کیا اس پر ہمارے لیے انعام کیا ہے فرمایا جنت ہے۔ ایسا ہی ہے ایسا ہی ہے۔

حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا ہم نے اسلام طلوع ہوتے ہی قبول کرلیا تھا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی اسی ابتدائی عظمت میں شامل تھے۔ اپنی قوم میں بارعب تھے اور اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ جب بدر کو گئے تو مسلمان ہی تھے۔ حضرت معبد بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن عمر کا کہنا ہے کہ فتح خیبر کی غنیمتوں میں سے بھی ان کو باقاعدہ دوسو وسق سالانہ حصہ دیا گیا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اذیت کو رسول پاک ﷺ نے اپنی اذیت قرار دیا۔ فرمایا چچا باپ ہی کی طرح محترم ہوتا ہے۔ ان کی محبت کے بغیر کسی کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پر ایک چادر اوڑھائی اور ان کی اولاد کو بھی شامل رحمت فرمایا۔ عرض کی مولا یہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں ان کی اور ان کی اولاد کی مغفرت فرما ہر ظاہری باطنی مغفرت فرما کوئی گناہ ان تک نہ پہنچ پائے۔ اے اللہ ان کی اولاد میں سے ان کا اچھا جانشین بنا پھر بحرین سے آئے ہوئے مال سے اتنا عطا کیا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ فرط جذبات میں کہنے لگے کہ یہ وہی وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن فرمایا تھا کہ تم سے لیا جارہا ہے اس سے کہیں بہتر زیادہ تمہیں دیا جائے گا۔ یہ تو دنیاوی دولت کا معاملہ ہے کہ اتنی ملی کہ دامن طلب میں مزید گنجائش ہی نہ رہی۔ اور جو آخرت کا وعدہ ہے نجانے اس کی شان عطا کیا ہوگی اللہ اکبر۔ آپ کی روایت کا مضمون بھی اسی عظمت کو بیان کررہا ہے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا مکمل ذمہ حضور ﷺ نے خود لیا ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اگر کوئی شکایت کرتا تو حضور ﷺ کبھی بھی برداشت نہ کرتے۔ فرماتے چچا بھی باپ کی طرح قابل احترام ہوتا ہے۔ زبان نبوت نے فرمایا کہ یہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تمہارے نبی کا چچا ہے اور تمام قریش میں جود وسخا میں افضل ہے اصل کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہے۔ اس روایت کو بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب بارش مانگنی ہوتی تو جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بناتے ہوئے کہتے اے اللہ تیرے نبی کے ہوتے ہوئے ہم ان کا وسیلہ حاصل کرتے تھے اب تیرے محبوب کے چچا کو وسیلہ لاتے ہیں۔ تیرے حضور ان کی عظمتوں کا واسطہ ہمیں بارش عطا کر۔ بارش ہو جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے فرماتے لوگو! ان کی تکریم کیا کرو کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کی تکریم و تعظیم فرماتے تھے۔ جیسے بیٹا باپ کی تعظیم تکریم کرتا ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بے حد تعظیم و تکریم فرمایا کرتے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کل قیامت کے دن دو خلیلوں کے درمیان ہوں گے۔ حضرت ابراہیم اور میرے درمیان کیونکہ ہم دونوں خلیل ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان جب جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو تکتے تو تکریماً اپنی سواریوں سے نیچے اتر آتے کبھی بھی ان کے آگے آگے نہ چلتے۔ اس لیے کہ یہ عم رسول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بدر والے انصار و مہاجرین کو پانچ پانچ ہزار جو بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کو بطور وظیفہ چار چار ہزار مگر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فتوحات کے مال سے پیش فرمایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس عم محترم کی اتنی تکریم کرتے کہ ان کے ہاتھ بھی تکریماً چومتے اور پاؤں مبارک کو بھی بوسہ دیتے اور عرض کرتے حضور مجھ سے راضی ہو جایئے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس وقت میں سب سے افضل ہیں اپنی عظمت سے نبی کے صحیح وارث ہیں اور عظیم چچا ہیں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت ستر غلام آزاد فرمائے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نبی کریم سے شدید محبت فرماتے انتہائی شفقت فرماتے عظیم صابر تھے مکہ سے بدر میں مجبور کر کے لائے گئے۔ بدر میں ان کا اسلام ظاہر ہوا جس کو انھوں نے اپنے منہ مبارک سے بدر کے دن بیان فرمایا۔ حضرت عمر کے دور میں آپ کے مکان پر ایک پرنالہ تھا لوگوں کے گزرنے کے راستے پر تھا۔ حضرت عمر نے اکھاڑ دیا۔ مبادا کہ لوگوں کے کپڑوں پر پانی

کے چھینٹے نہ پڑیں۔ اس پر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ یہ پرنالہ رسول خدا نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ خدا کی قسم یہ عمر نے جرم کیا ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ آپ عمر کی پشت پر چڑھ کر یہ پرنالہ وہاں لگا دیں۔ جہاں میرے کریم آقا ﷺ نے لگایا تھا۔

ابن عساکر نے پچاس سے زائد صفحات پر مشتمل آپ کے مناقب وفضائل لکھے ہیں۔ اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے۔ اس پر ایک عظیم الشان قبہ تعمیر کیا گیا یعنی مکمل مزار پُرانوار تیار کیا گیا مگر سعودی ملعونوں نے مزار گرا دیا۔ (فریدی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والدین نے بدر وغیرہ سے بہت پہلے اسلام قبول فرمایا تھا۔ مگر وہیں مکہ میں رہ کر کفار مکہ کی سرگرمیوں سے رسول دو عالم ﷺ کو بذریعہ خطوط آگاہ فرماتے۔ مسلمانان مکہ کی قوت بنتے اور ان کی اسلام میں معاونت فرماتے۔ حفاظت فرماتے۔ گاہے بگاہے حضور ﷺ سے مدینہ آنے کی درخواست کرتے مگر رسول پاک ﷺ منع کر دیتے کہ تمہیں آپ کا وہاں رہنا اسلام کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے آپ مکہ ہی میں ٹھہرے رہے آقا ﷺ نے فرمایا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی رسول خدا کی مدح سرائی کی۔ یہ اشعار ان کے ہیں۔

قارئین محترم! اس خلاصے سے طے یہ ہوا کہ حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں۔ اہل علم کا یہ الزام کہ وہ وقت وفات ابی طالب علیہ السلام مسلمان نہ تھے اور قابل شہادت نہ تھے یہ سراسر غلط ہے۔ یہ قول بلا دلیل ہے اہل علم کے ذاتی اندازے ہیں۔

اب امام بیہقی کا وہ قول جس میں انھوں نے کہا کہ اگر عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ وقت وفات ابوطالب علیہ السلام مسلمان ہوتے تو یقیناً ان کی شہادت قابل قبول تھی۔ اہل علم نے اسے خوب اچھالا۔ لو اب ثابت ہو گیا کہ وہ قدیم الاسلام تھے بلکہ انکا اسلام اور نور یقین تو اس وقت سے تھا جب حضور ﷺ پنگھوڑے میں کھیلتے تھے۔ بلکہ نبوی خاندان میں بشارتیں پہلے سے ہی موجود تھیں۔ اہل علم اپنا قبلہ درست کریں۔

اب اہل علم کا علمی فریضہ بنتا ہے کہ وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہما السلام کی شہادت پر یقین کر کے اپنے یقین کا قبلہ درست کر لیں۔ سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمت جلیلہ کا سچا اعتقاد کر لیں۔ دلائل سے واضح ہو گیا ہے کہ وفات ابوطالب کے وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب، پکے سچے مسلمان تھے۔ حضرت نافع کی گواہی کے مطابق حضرت عباس کا ایمان ابتداء ہی سے ثابت ہے اہل علم ایک سچے کامل مؤمن کی عینی شہادت کا انکار نہ کریں جبکہ معیب عینی شاہد ہی نہیں بنا بریں اس کی

روایت اصلا مردود ہے۔(فریدی)

مزید یہ کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی گواہی دے دی کہ میرے والدین نے بدر سے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور بدر کا سن وقوع ہجرت کا دوسرا سال ہے۔ جنگ احد تین ہجری کو برپا ہوئی۔ حقیقت واضح ہے وقت وفات ابی طالب علیہ السلام حضرت عباس بن عبد المطلب یقینا مسلمان تھے دو گواہیاں آ گئیں۔

۱۔ حضرت ابو رافع غلام عباس بن عبد المطلب۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

۳۔ تیسری گواہی ان کا اپنا طرز عمل ہے۔

اب اس بابت شک کرنا اپنا ایمان برباد کرنے کے مترادف ہے۔ امام سہیلی کا اعتراض اٹھ گیا اب تو امت کو عظمت ابوطالب پر یقین کرنا ضروری ہو گیا کیونکہ اعتراض فقط اتنا تھا کہ حضرت عباس وفات ابی طالب کے وقت مسلمان نہ تھے۔ اب ثابت ہو گیا کہ وہ قدیم الاسلام ہیں۔ دوسرا اعتراض انقطاع سند تھا وہ بھی ختم ہو گیا دیکھئے حصہ حدیث تسلی ہو جائے گی۔(فریدی)

نوٹ:۔ جناب عباس بن عبد المطلب علیہ السلام کا اسلام وفات ابوطالب علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے۔ ایک سند حدیث حاضر ہے

قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي سَبْرَةَ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ أَسْلَمَ الْعَبَّاسُ بِمَكَّةَ قَبْلَ بَدْرٍ، وَأَسْلَمَتْ أُمُّ الْفَضْلِ مَعَهُ حِينَئِذٍ، وَكَانَ مُقَامُهُ بِمَكَّةَ إِنَّهُ كَانَ لَا يُغَبِّي عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِمَكَّةَ خَبَرًا يَكُونُ إِلَّا كَتَبَ بِهِ إِلَيْهِ، وَكَانَ مَنْ هُنَاكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَتَقَوَّوْنَ بِهِ وَيَصِيرُونَ إِلَيْهِ، وَكَانَ لَهُمْ عَوْنًا عَلَى إِسْلَامِهِمْ، وَلَقَدْ كَانَ يَطْلُبُ أَنْ يَقْدَمَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَكَتَبَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ «إِنَّ مُقَامَكَ مُجَاهِدٌ حَسَنٌ» فَأَقَامَ بِأَمْرِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم

(الکتاب: الطبقات الکبری المؤلف: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منیع الہاشمی بالولاء، البصری، البغدادی المعروف بابن سعد (المتوفی: 230ھ) الناشر: دار صادر - بیروت)

(الکتاب: تاریخ دمشق، المؤلف: أبو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی: 571ھ)، الناشر: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ معرکہ بدر سے پہلے اسلام

لائے تھے اور میری والدہ بھی اسلام لانے میں ان کے ساتھ تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میرے باپ مکہ میں تھے (ہجرت سے پہلے) اور وہ رسول اللہ ﷺ کے مخبر تھے۔ اہل مکہ کی سرگرمیوں سے آقا علیہ السلام کو آگاہ رکھتے تھے اور مکہ میں کمزور مسلمانوں کی قوت بنے ہوئے تھے اور ان کے شدائد میں معاون تھے اسلام پر اور پھر جب کبھی مدینہ میں آتے تو آقا علیہ السلام سے درخواست کرتے تو آقا علیہ السلام انہیں لکھ بھیجتے کہ وہ ابھی آپ کا مکہ میں رہنا ہی موزوں ہے۔ پھر وہ امر نبوی سے مکہ میں ہی ٹھہر جاتے آقا علیہ السلام تسلی دیتے ہوئے فرماتے کہ چچا جس طرح میں خاتم النبیین ہوں آپ بھی خاتم المہاجرین ہوں گے۔

نوٹ: عورتوں میں سے سب سے پہلے جس ذات والاصفات نے اسلام قبول فرمایا محسنہ اسلام سیدتنا ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کے بعد عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والی خاتون سیدہ اُم الفضل زوجہ عباس ہیں اور مذکورہ حدیث کے مطابق یہ اسلام اپنے خاوند کے ہمراہ لے آئیں اور یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا گویا ثابت یہ ہوا کہ سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب کا اسلام وفاتِ ابوطالب سے بہت پہلے کا ہے بنابریں اس نفسِ معظم پر یہ الزام لگانا کہ یہ وفات ابی طالب کے وقت مسلمان نہ تھے لہٰذا ان کی روایت جو ابوطالب کے کلمہ شہادت پر عینی شہادت ہے قابل قبول نہیں۔ یہ سراسر غلط ہے۔ اب امام بیہقی کے مطابق اُمت پر فرض ہے کہ ایمانِ ابوطالب کا یقین کرے کیونکہ اعتراض اٹھ گیا ہے عینی شاہد کی ترجیح غیر عینی شاہدوں پر خود واضح ہے اب ضد کے لیے کچھ بچا ہی نہیں۔ (فریدی)

باب ہفتم

حصہ حدیث

سیدِ بطحاء، افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی افسانوی تکفیر پر ذخیرہ حدیث سے مردود روایات کا تفصیلی و علمی تجزیہ

مُسلّم اُصولِ حدیث:

حدیث مردود دو اعتبار سے ہوتی ہے:

(۱) عدم اتصال راوی (۲) طعن راوی (کتب عامہ اصول حدیث)

تعارف باب ہفتم

باب ہفتم تین فصول پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہیں:

فصل اول:

مردود روایات جن میں آیات کا ناجائز استعمال ہوا ہے:

(۱) حدیث حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ (بخاری ومسلم)

(۲) حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مسلم)

(۳) قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (کتب تفاسیر)

(۴) حدیث اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (بخاری کتاب المناسک)

فصل ثانی: وہ مردود روایات جن میں قرآنی آیات کا استعمال نہیں ہوا۔

احادیث ضحضاح (پتلی آگ) کا تحقیقی جائزہ

فصل ثالث:

ضعیف، مردود، مصنوعی اور واہی روایات کا تحقیقی جائزہ

فصل اول:

وہ روایات جن میں آیات کا ناجائز استعمال ہوا ہے:

(۱) حدیثِ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ (بخاری و مسلم)

(۲) حدیثِ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مسلم)

(۳) قولِ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما (کتب تفاسیر)

(۴) حدیث اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (بخاری کتاب المناسک)

تمہید

قارئین محترم! علمی جائزہ پیش کرنے سے پہلے ایک مختصر تمہید ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابوطالب کے خلاف وارد ہونے والی کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے، جو مفید یقین ہو۔ زیادہ تر بے اصل ہیں، واہی ہیں اور بداہت عقل کے خلاف ہیں۔ تمام روایات میں رطب ویابس ملا کر ایک مرکب جھوٹ بولا گیا ہے۔ اور اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے عظیم اہل علم کے ناموں سے منسوب کر دیا گیا ہے اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ حرم نبوت کی توہین کا ڈرامہ رچایا گیا ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین بھی محفوظ نہیں رہے۔ بہت سارے اہل علم مرعوب ہو گئے اور ان واہی روایات پر یقین کرنے لگے جس سے حرم نبوت کے تقدس مآب نفوس قدسیہ کی بابت شکوک وشبہات کا اک انجانا طوفان اُمڈ آیا جو کہ اہل ایمان کے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا بلکہ اہل علم کی منصبی علمی ذمہ داری تھی کہ ان روایات کا علمی، قانونی اور شرعی جائزہ لیتے۔ رد اور قبول کے چھاننے پر چڑھاتے اور چھان بین کرتے مگر روایتی مرعوبیت آڑے رہی جو کہ کسی بھی طرح جائز نہیں۔ ہوتے ہوتے دشمنان اہل بیت نبوت اس قدر دلیر ہو گئے کہ انھوں نے اس عنوان میں روایات کے ساتھ قرآن کی آیات کا بھی حرم نبوت کے خلاف ناجائز استعمال شروع کر دیا۔ لیکن اہل علم پھر بھی خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے۔ اس طرح امت کے اندر اہل بیت نبوت کے خلاف ایک مستقل مذہب قائم ہو گیا۔ اس طرح امت ایک بہت بڑی خیر وبرکت سے محروم ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امت اُمت کے ثاقل سے محروم ہو گئی بلکہ باہم دست وگریبان ہو گئی اور فرقہ واریت کی آگ کا شکار ہو گئی ذلت اور رسوائی میں جا گری حالانکہ خود صاحب اُمت حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری اہل بیت وحدت اُمت کا پلیٹ فارم ہے۔ مگر افسوس کہ جس حرم کو نبی وحدت اُمت کا پلیٹ فارم قرار دے رہے ہیں امت اسی حرم کو برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ حیرت ہے کہ نبی نبی ہو کر امتیوں کے والدین کو عزت دیں حتیٰ کہ امتیوں کی ماؤں کے قدموں میں جنت رکھ دیں اور باپوں کی زیارت میں حج مقبول کا ثواب رکھ دیں اور ان کی رضا کو رضائے خدا رکھ دیں خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ مگر اُمت کی طرف سے نبی کو یہی صلہ ملا کہ کسی نے نبی کے والدین کو کافر ومشرک کہنا شروع کر دیا اور کسی نے نبی ﷺ کے پچاس سالہ ناصر محب وفادار قربان ہونے والے اپنے مقدس ترین خاندان کی قربانیاں دینے والے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ کسی کے علم نے انگڑائی لی تو اس نے نبی کے صحابہ کو تبرا بولنا شروع کر دیا۔ اس تبرے کی ابتداء بنو امیہ کے حکمرانوں نے کی وہ تو نبوی ممبروں پر بھی حرم نبوت کی توہین کرنے سے باز نہ آئے۔ کچھ بدطینت لوگوں نے حضور ﷺ کی آل کو بھی نہ چھوڑا اُن پر بغاوت کا جھوٹا الزام لگا کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور آج

بھی بغاوت کا ٹائٹل بعض اُمت کے ہاں انھیں کے نام ہے۔ اس سب کچھ کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ اُمت اُمت رہے؟
تاہم فقیر کو اللہ تعالی نے توفیق دی کہ پاسبان حرم نبوت کی نوکری کو اپنی عظمتوں کی معراج سمجھ کر ان نفوس قدسیہ کے تقدس کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کرے۔ بحمد اللہ تعالی مسکین نے حضور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے حضور تقریباً 2700 صفحات پر مشتمل ایک مختصر مقالہ پیش کیا جس کی دو جلدیں چھپ کر "وجاہت والدین مصطفی ﷺ اور قرآن کریم" اور "عصمت والدین مصطفی ﷺ اور قرآن کریم" کے نام سے اہل محبت اور اہل عرفان کی ارواح کو گرما رہی ہیں۔ اب تیسری جلد "حرمت والدین مصطفی ﷺ اور قرآن کریم" بھی بفضل تعالی بہت جلد آرہی ہے۔ ان میں صرف قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ والدین مصطفی ﷺ پر لگائے گئے کفر اور شرک کے الزام کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ اسی طرح حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگائے گئے کفر وشرک کے الزام کی قلعی کھولی ہے۔ جس میں قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا کفر وشرک کا الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اور حرم نبوت کی عصمت پر سفاکانہ حملہ ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف استعمال ہونے والی آیت کے ناجائز استعمال کی تحقیق آپ گذشتہ ابواب میں پڑھ آئے ہیں اب آیئے حدیث میں وارد ہونے والی روایات کی تحقیق کی طرف جاتے ہیں۔ احادیث کی کتب میں سب سے زیادہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی کتابوں اور روایات کو اہمیت دی جاتی ہے۔ لہذا ہم انھی کی روایات پر تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری ومسلم کی روایات کا تحقیقی جائزہ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف اور صحیح مسلم کی روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مشترکہ عنوان پر جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کفر وشرک پر مبنی ہے اس کے جواب میں پہلے بہت کچھ سابقہ اوراق میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ یہ اصلاً صحیح حدیث ہی نہیں کیونکہ صحت حدیث کی پہلی شرط اتصال سند ہی نہیں پائی گئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس حدیث کا راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہے جن کے پاس اس تشکیلی روایت کے ذرائع علم میں سے کوئی ذریعہ ہی نہیں۔

ذرائع علم چار ہیں۔ (۱) وحی (۲) صاحب وحی کی وضاحت
(۳) عینی شہادت (۴) شہادت علی شہادت۔

ان ذرائع علم میں سے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ذریعۂ علم ہی نہیں جس کی تصدیق سے ان کی

مقدمہ

قبول کیا جائے۔ اس روایت کو روایت سمجھنا ہی عظمت روایت کی توہین ہے۔ مزید کسی جوابی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں صحیح مسلم اور بخاری شریف میں اسے ایک مستقل باب کے تحت بیان کیا گیا ہے صحیح بخاری کے قائم کردہ باب کی عبارت یہ ہے۔

"اِذَا قَالَ الْمُشْرِکُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عِنْدَ مَوْتِهٖ" یعنی جس وقت کوئی مشرک اپنی موت کے وقت لا الہ الا اللہ کہے تو اس کا حکم کیا ہے؟

اور صحیح مسلم کے باب نمبر ۸ کی عبارت یہ ہے:

"اَلدَّلِیْلُ عَلٰی صِحَّةِ اِسْلَامِ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ مَا لَمْ یَشْرَعْ فِی النَّزْعِ وَهُوَ الْغَرْغَرَةُ وَنَسْخُ جَوَازِ الْاِسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِکِیْنَ وَالدَّلِیْلُ عَلٰی اَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَی الشِّرْکِ فَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ الْجَحِیْمِ وَلَا یُنْقِذُهٗ مِنْ ذٰلِكَ شَیْءٌ مِنَ الْوَسَائِلِ"

جان نکلنے کے وقت غرغرہ موت سے پہلے ایمان لانے کی صحت مشرکین کے لیے استغفار کا منسوخ ہونا اور اس پر دلیل کہ شرک پر مرنے والا جہنمی ہے۔

قارئین محترم! کتب صحیح مسلم و بخاری شریف میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کفر پر مستقل باب باندھا گیا ہے۔ اور اس باب کے تحت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی جزئی روایت بطور حوالہ و دلیل پیش کی گئی ہے جب یہ حدیث ان محدثین کے ہاں بھی متصل نہیں تو پھر اس غیر صحیح مردود روایت کو اپنے موقف کے ثبوت میں کیوں پیش کیا؟ حالانکہ مسیب سے آگے روایت کا کوئی اتصال ہی نہیں اور مسیب بذات خود مبداء روایت شرعاً، قانوناً، روایتاً اور درایتاً نہیں بن سکتے تو پھر محدثین سے یہ بلنڈر کیسے واقع ہوا۔

(۱) یہ روایت چونکہ الزام پر مبنی ہے محدثین کی منصبی اور علمی ذمہ داری تھی کہ وہ ثبوت الزام میں قطعی دلائل پیش کرتے کیونکہ ظنی دلائل سے الزام کفر ثابت ہی نہیں ہو سکتا نہ شرعاً اور نہ قانوناً جبکہ مذکورہ حدیث تو ظنی بھی نہیں تھی۔ لہٰذا اس حدیث کو دلیل بنانا اتنے بڑے محدثین کے شایان شان نہیں۔ اور نہ ان محدثین کے پاس اس تکفیری ڈرامے کا کوئی یقینی ثبوت ہے۔ محدثین کی منصبی ذمہ داری ہے کہ اس روایت کو مفید یقین بنانے کے لیے یقینی علمی کوائف مہیا کریں۔

(۲) بخاری و مسلم نے اپنے باندھے ہوئے باب میں یہ ذہن دیا ہے کہ ابوطالب علیہ السلام کافر و مشرک تھے۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی جائز نہیں۔ چہ جائے کہ ان کو شفاعت کا اعزاز ملے اور صاحب مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یا اس کتاب کے مرتب نے اس صحیح مسلم کی کتاب کتاب الایمان کے باب نمبر ۷۷ میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔

"بَابُ شَفَاعَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ طَالِبٍ وَالتَّخْفِیْفِ عَنْهُ بِسَبَبِهٖ"

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی ابوطالب علیہ السلام کے لیے شفاعت اور آپ کے سبب سے اس کے عذاب کی تخفیف

قارئین محترم! اس صحیح مسلم و بخاری میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لیے مغفرت کی دعا پر بھی پابندی ہے مگر حیرت ہے اسی صحیح

مسلم میں ان کے شفاعت اور تخفیف عذاب کے اعزاز موجود ہیں۔ یہ دونوں متضاد باتیں ایک ہی کتاب میں کیسے آ گئیں؟
نہ ہی یہ دونوں متضاد باتیں بیک وقت ایک ہی ذات میں جمع ہو سکتی ہیں کیونکہ اس طرح اجتماع نقیضین لازم آتا ہے جو کہ ممنوع ہے
اور نہ ہی یہ دونوں متضاد باتیں ایک ہی وجود سے بیک وقت مرتفع ہو سکتی ہیں جس سے ارتفاع نقیضین لازم ہے جو کہ ممنوع ہے۔
نوٹ: اہل علم یہاں ایک علمی بہانہ تراشتے ہیں کہ جی یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے لہٰذا ایسا ہو سکتا ہے۔ ہم اہل علم سے
سوال کرتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ خصوصیت کے لیے دلیل ہوتی ہے بغیر دلیل کے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ تو آپ برائے
کرم جس کو خصوصیت قرار دے رہے ہیں یہاں اس پر کوئی مسلم دلیل پیش کریں؟ ورنہ اپنا مخمصہ اپنے پاس ہی رکھیں
یہاں نہیں چلے گا۔ اب مردود روایات کا تسلسل بیان کیا جاتا ہے۔

حدیثِ اوّل

"عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ، جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَا عَمِّ، قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ، وَفِي رِوَايَةٍ أُحَاجُّ لَكَ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ، أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيُعِيدَانِ عَلَيْهِ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ (هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ"

"فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَمَا وَاللهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى "" مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ "
"وَنَزَلَتْ " إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ " وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ "

ترجمہ:۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب علیہ السلام کا وقت وصال آیا تو ان کے پاس سید دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوئے جبکہ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ پہلے سے ہی موجود تھے۔ آپ نے حضرت ابو طالب علیہ السلام سے فرمایا کہ چچا جی آپ لا الہ الا اللہ کا کلمہ طیبہ پڑھ لیں میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بولے اے ابو طالب کیا آپ ملت عبد المطلب اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دو گے؟ رسول دو عالم ﷺ کلمہ طیبہ پر اصرار کرتے رہے اور ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ اپنے کلمات دوہراتے رہے بالآخر ابو طالب علیہ السلام نے کہا کہ میں عبد المطلب کی ملت پر ہی ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار

مقدمہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ جب تک مجھے روک نہ دیا گیا
دیا اس پر رسول اللہ
تب تک مسلسل دعا کرتا رہوں گا۔
پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ترجمہ: "نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے
مغفرت کی دعا کریں خواہ مشرکین انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔"
ترجمہ بے شک اے محبوب آپ جسے چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے
اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے۔"
قارئین محترم! یہ ہے وہ روایت جس سے اہلِ علم نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے اس
روایت پر جرح تفصیل سے ہو چکا ہے مزید چند ایک تفصیلات ہیں ملاحظہ ہوں۔
بحدیث سنداً مردود ہے۔ رواۃ پر تفصیلی جرح:
متن کے اعتبار سے یہ حدیث مضحکہ خیز ہے:
(۱) راوی کے پاس حصولِ روایت کا کوئی معقول ذریعہ علم نہیں تھا۔ نہ مکی دورِ نبوت میں نہ مدنی دورِ نبوت میں نہ ہی زبانِ نبوت پر
کبھی یہ واقعہ جاری ہوا۔
(۲) آٹھ سن ہجری فتح مکہ تک پوری اُمت اور صاحبِ اُمت بمع اہلبیت نبوت سے بے خبر رہے بلکہ سن 32 ہجری تک مسلم امہ
کا ہر فرد بے خبر رہا۔ حتی کہ وفاتِ ابوطالب کے عینی شاہد بھی بے خبر رہے۔ نجانے راوی کو کس ذریعہ علم سے روایت میں مذکور
آیت کی وحی حالتِ کفر میں ہو گئی؟ نعوذ باللہ۔ آج تک اہل علم اس ذریعہ علم کی نشاندہی نہیں کر سکے۔
(۳) راوی کے بیان کردہ دو سلطانی گواہ کافر ہونے کے باوجود عناداً بھی راوی کے حق میں زندگی بھر نہیں بولے۔
(۴) نزول آیت سے بارہ سال پہلے راوی کو اس آیت کا ادراک ہو جانا نہایت مضحکہ خیز ہے اور وہ بھی حالتِ کفر میں۔
(۵) متن حدیث کے مندرجات خود بول رہے ہیں کہ یہ بہر لحاظ مضحکہ خیز ہیں تفصیلات آگے آ رہی ہیں

پانچ وجوہِ علم سے یہ روایت مردود ہے

قارئین محترم! یہ روایت حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنے کے لیے اہل علم بڑے جوش سے بیان کرتے ہیں کیونکہ
ان کے خود ساختہ نقطۂ نظر کی توثیق کے لیے اس روایت میں قرآن کریم کی دو آیات کا بھی ناجائز استعمال ہے۔ اہل علم کو اسی بات
کا وہم ہوا کہ ان کا نظریہ مزید مستحکم ہو گیا ہے کیونکہ قرآن کریم نے ان کے مزعومہ نظریے کی توثیق کر دی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط

اور فحش بات ہے۔ سو ہم نے سوچا کہ اس روایت پر پورے شرح اور بسط کے ساتھ گفتگو کی جائے۔ [illegible]
روایت کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی غور کیا جائے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ (۲) متناً مضحکہ خیز ہے۔ درج ذیل وجوہ میں غور فرمائیں:

صورتِ اوّل: یہ روایت چونکہ کائنات کے بدترین الزام کفر اور شرک پر مبنی ہے بنابریں اس حساس الزام کی بابت [illegible] درجے کی دلیل کی ضرورت ہے اور اس روایت کا اپنا دینی و شرعی و قانونی معیار کیا ہے؟

صورتِ ثانی: یہ روایت اصولِ روایت و درایت کے اعتبار سے کس درجہ کی ہے؟

صورتِ ثالث: یہ کہ یہ روایت اپنے مندرجات کے اعتبار سے کیسی ہے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

صورتِ چہارم: اس روایت کا دینی، شرعی اور قانونی وفنی مقام کیا ہے؟

صورتِ پنجم: اس روایت کے مضمرات کیا ہیں؟ اور مضرات کیا ہیں؟

صورتِ اول کی تفصیل

۱۔ قانونِ شریعت اور قانونِ روایت یہ ہے کہ مخبر جس مبصر محسوس واقعہ کی خبر دے رہا ہے اس واقعہ کا عینی شاہد ہو اور واقعہ کے تمام جزئیات کا اس نے خوب مطالعہ کیا ہو ورنہ مخبر خبر دینے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

نوٹ: قانونِ شریعت میں قانونِ شہادت ایک مستقل نظام ہے۔ قانونِ شہادت اور قانونِ روایت میں صرف نصاب کا فرق ہے مثلاً قانونِ شہادت میں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے نصاب کی تشکیل ہے زنا کی شہادت میں چار گواہ عینی ضروری ہیں جبکہ دیگر معاملات میں دو سے بھی کام چلایا جاتا ہے۔ عورت کی نصف گواہی ہے ہاں جہاں صرف عورت ہی مشاہدہ کر سکتی ہے وہاں اس کی گواہی نصف نہیں کامل گواہی ہے۔ مگر روایت کے قانون میں ایسا نہیں۔

روایت میں ایک عورت کی خبر بھی مقبول ہے۔ جبکہ وہ عینی شاہد ہو کسی مبصر محسوس معاملہ کی۔ ایسے ہی ایک مرد اور ایک سمجھدار بچہ بھی اس ضابطہ کے اعتبار سے خبر دے سکتا ہے تاہم مخبر کا عینی شاہد ہونا از حد ضروری ہے ورنہ اس کی خبر مردود قرار پائے گی۔ حسبِ ضابطہ جناب مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں ان کی موجودگی کسی بھی طرح حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کے ہاں ثابت نہیں۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ مضحکہ خیز ہے۔

(۲) الزام چونکہ کائنات کا بدترین الزام ہے جب چھوٹے سے چھوٹے الزام کی صورت میں قانونِ شریعت اور قانونِ روایت کا اولین تقاضا اور ضابطہ ہے کہ ثبوتِ الزام میں ثبوت ٹھوس، قطعی اور یقینی ضروری ہیں۔ جبکہ اس روایت میں قطعیت تو دور کی

مقدمہ ... اس میں ظنیت بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ اس روایت میں راوی جائے وقوعہ پر موجود نہیں نہ اس کے پاس اس بات ہے ... روایت کے حصول کے ذرائع علم میں سے کوئی ذریعۂ علم ہے بنابریں یہ روایت مردود ہے۔

اصول علم یقینی کے ذرائع ابتداءً چار ہیں۔

(۱) وحی الٰہی بصاحب وحی ﷺ۔

(۲) صاحب وحی ﷺ کی وضاحت۔

(۳) عینی شہادت۔

(۴) شہادت علی الشہادت یعنی کسی عینی شاہد کا مشاہدہ اور وہ اپنا مشاہدہ کسی یقینی ذرائع علم سے کسی کو تفویض کرے۔

روایت میں اس روایت کے راوی کے پاس کوئی ذریعۂ علم نہیں نہ یہ صاحب وحی ہے نہ اسے صاحب وحی نے وضاحت فرمائی ہے نہ یہ عینی شاہد ہے اور نہ اسے کسی عینی شاہد نے یہ روایت تفویض کی ہے۔ یہ روایت یا خانہ ساز خود ساختہ ہے یا ان بزرگوں کی طرف ناجائز منسوب ہے۔ بنابریں یہ روایت قطعاً مردود ہے۔ مزید یہ کہ اس روایت کے تمام طرق میں مطعون و مجروح راوی موجود ہیں بنابریں مردود ہے۔

نیز ایک سوال اٹھایا جاتا ہے کہ صحابی کی مرسل بالاجماع قبول ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایت فروعی معاملات اور فروعی مسائل میں متصل سند کے ساتھ روایت کی عدم دستیابی کی بنیاد پر قبول ہے ورنہ نہیں۔ وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس کا معارضہ کسی صحیح حدیث کے ساتھ نہ ہو۔ رہا الزام وہ بھی کفر و شرک کا تو اس میں تو قطعی دلیل ہی چل سکتی ہے ظنی نہیں۔ جبکہ مرسل روایت تو ظنی دلیل کا درجہ نہیں رکھتی لہٰذا اہل علم کا یہ بہانہ یہاں نہیں چلے گا۔

تاہم مذکورہ راوی تحمل روایت کے وقت نہ مسلمان تھے نہ عینی شاہد۔ صحابی بھی 21 سال بعد بنے۔ 32 سال بعد ادائے روایت کی۔ بنابریں یہ پوری ایف۔ آئی۔ آر مشکوک تر قرار پائی لہٰذا یہ روایت ثبوت الزام وعیب میں اصلاً مردود ہے۔

از صحت حدیث کے لیے اتصال سند پہلی شرط ہے جو اس روایت کو نصیب نہیں ضابطہ یہ ہے کہ "اذا فات الشرط فات الجزاء" جب شرط فوت ہو جائے تو جزا بھی معطل ہو جاتی ہے۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے زیادہ سے زیادہ اسے اہل علم نے مرسل کہا ہے "یکون مرسلا" (عمدۃ القاری) کہ یہ مرسل روایت ہے۔ قاضی شوکانی نے بھی اس کے تمام طرق کو مرسل بیان کیا (فتح القدیر) اور مرسل روایت اصلاً مردود کی اقسام میں شمار ہوتی ہے۔ (کتب عامہ اصول حدیث)

در حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔ کیونکہ اس کا اصل مبداء صرف حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ تک ہے۔ اس سے آگے نہیں اور حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس اس کے حصول کا کوئی ذریعۂ علم ہی نہیں رہا یہ کہ وہ صحابی

ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ بغیر کسی یقینی علمی تحقیق کے حرمِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ پر الزام لگاتے پھریں۔ اگر ان کے پاس اس الزام کی کوئی یقینی قطعی بطور ثبوت دلیل ہے تو لے آئیں یا ان کا کوئی مقلد ہی لے آئے بشرطیکہ دلیل ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی ہو۔ ذاتی ذہنی اندازے ہرگز قبول نہیں ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طلوعِ اسلام کے 21 سال بعد صحابی بنے ہیں۔ ان کے پاس حرمِ نبوت کے معاملات کی کوئی گواہی نہیں۔ مکہ میں تو یہ ممکن ہی نہیں نہ یہ مسلمان تھے نہ جائے وقوعہ پر موجود تھے۔ نہ قرآن فہمی سے آشنا تھے۔ تو قرآن کی دو آیات ان کو کیسے اس ضمن میں القاء ہو گئیں۔ نہ ہی حرمِ نبوت کے کسی فرد نے ان کو یہ تشکیلی روایت بیان کی بلکہ حرمِ نبوت والوں کی گواہی تو اس کے خلاف ہے اور حق شہادت پر مبنی ہے۔۔ رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت وہ بہر اعتبار باطل ہے۔ نزولِ آیت بارہ سال بعد مدینہ میں ہوا۔ زاں وقت اس نزول کو مجمعِ عام میں پڑھ کر سنایا گیا۔ حضرت مسیب کے علاوہ کسی صحابی نے یہ قصہ نہیں تراشا بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ وفاتِ ابوطالب کے عینی شاہدوں نے زندگی بھر ایسی بے ہودہ روایت کبھی بیان نہیں کی خود رسول اللہ ﷺ نے بھی۔ نجانے مسیب نے کہاں بیٹھ کر یہ تراش لی۔

صورتِ ثانی کی تفصیل

اصولِ روایت کے اعتبار سے یہ روایت بعض اہلِ علم کے نزدیک مرسل ہے اور مرسل اصلاً مردود روایات کے ضمن میں شامل ہے اور درایت کے اعتبار سے اس روایت کا مردود ہونا بالکل واضح ہے اور بدیہی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ۔

حضرت مسیب رضی اللہ عنہ طلوعِ اسلام کے 21 سال بعد ایمان لائے اور بقولے 18 سال بعد (اور ایک قول کے مطابق سترہ سال بعد تاہم زیادہ واضح 21 سال بعد ان کا اسلام ثابت ہے۔ قریباً دو سال تک انھوں نے صحبتِ نبوی کا شرف پایا۔ فتح مکہ کے بعد یہ اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اس پورے نبوی صحبت کے دورانیے میں کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے گھریلو حالات بالتفصیل بیان کیے ہوں۔ خصوصاً حضرت ابوطالب علیہ السلام کا قصۂ وفات۔ کیونکہ وہ عظیم قصہ ان کے متعلق ہی نہ تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات دس سن نبوی کو ہوئی اور حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ آٹھ ہجری کو مسلمان ہوئے گویا ان کی وفات حسرت آیات ان کے ایمان لانے سے گیارہ سال پہلے ہوئی اور وقتِ وفات مسیب وہاں موجود ہی نہیں اور نہ ہی ان کو کسی کے اس وقوعہ کے متعلق خبر دی حتی کہ ان کے بیان کردہ دو سازشی گواہوں (ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ) نے بھی نہیں بتایا اور نہ ہی کسی عینی شاہد نے یہ روایت بیان کی اور جن دو آیات کا ذکر اس روایت میں ہے ان کا تعلق بھی اس روایت سے کسی بھی طرح نہیں ایک آیت وفات سے کئی سال پہلے نازل ہوئی اور دوسری

مقدمہ

ابی طالب علیہ السلام کے بارہ سال بعد نازل ہوئی اور ان ہر دو آیات کا نفس مضمون بھی اس بیہودہ روایت کی تائید نہیں کرتا۔ پھر صاحب روایت قریبا بتیس سال خاموش رہے کسی کو بھی یہ نہیں بتایا کہ حرمِ نبوت میں یہ ہوا ہے۔ نہ اپنے باپ کو بھائی نہ کسی ہم جلیس کو نہ کسی صحابی کو اور بتیس سال بعد صرف اور صرف اپنے ہی بیٹے سعید کو بتایا۔ نہ تو اس روایت کا علم کسی صحابی کو ہو سکا اور نہ ہی یہ روایت حرمِ نبوت کے کسی باسی جو وقوعہ کے عینی شاہد ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھنے کے بھی عینی شاہد ہیں کسی کو بھی اس روایت اور اس میں داخل کی جانے والی آیات کا علم نہ ہو سکا۔ حتی کہ خود صاحب وحی ﷺ کو بھی اس روایت کا علم نہ ہو سکا نہ اس ضمن میں نازل ہونے والی آیات کا علم۔ اگر علم ہوا بھی تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو ہوا؟ نعوذ باللہ

اس ضمن میں آیتیں اتری ہیں تو یقیناً نبی کریم ﷺ خود صاحب وحی ہیں ان کی نبوی ذمہ داری ہے "لتبین للناس" کہ وہ ان آیت کو اس روایت کے ضمن میں ضرور پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس ساری صورت حال کے پیش نظر حقیقت واضح تر ہے کہ یہ روایت خود ساختہ ہے خانہ ساز ہے۔ بلکہ ایک مرکب جھوٹ ہے جو جناب مسیب کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال یہ ہے کہ اس روایت کو روایت کرنے والے بڑے بڑے آئمہ اجلہ ہیں اور عظیم محدثین ہیں لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ روایت غلط ہو؟

جواب: جی حضور والا میں خود اس معاملہ میں بڑا حساس ہوں۔ اہلِ علم سے بھی زیادہ بزرگوں کا احترام کرنے والا ہوں۔ مگر مجھے حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے علمی مقتداء، امام مجتہد، مجدد کے تقدس کا بڑا احترام ہے۔ ہونا بھی چاہیے لیکن رسول اللہ ﷺ کے بزرگوں کا احترام کیوں نہیں؟ محسنین رسالت کا احترام کیوں نہیں؟ رہا کسی شخص کی علمی عظمت تو وہ اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے مگر کسی بھی شخصیت کو بطور دلیل نہیں مانا جاتا کیونکہ تمام علمی شخصیات خود محتاجِ دلیل ہیں اور یہ قاعدہ ہمیں ہمارے فقہاء نے دیا ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اس کی بابت پہلے دلیلِ شرعی تلاش کرو اور ادلہ شرعیہ، قرآن و سنت، اجماع امت اور قیاس شرعی ہی دلائل شرعیہ ہیں۔

جو مسئلہ ان دلائل کی روشنی میں ہو اسے قبول کیا جائے۔ عین ایسے ہی ہمارے ائمہ محدثین اکابر علماء نے یہ درس دیا ہے کہ دلائل شرعیہ میں بھی علمی غور کیا جائے جو دلیلِ شرعی ہو اسے قبول کیا جائے اور جو دلیلِ شرعی نہ ہو اسے قبول نہ کیا جائے۔ پھر دلائل کے اندر بھی ایک توازن ہے جس مرتبہ وقوت کی دلیل ہو اسی مرتبہ کا ہی اس دلیل سے حکم ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اصول و فروع میں یہ

قاعدہ مسلم ہے کہ اہلِ علم اس قاعدہ سے بخوبی واقف ہیں جنھوں نے علم با قاعدہ پڑھا ہے اور جنھوں نے علم سیکھا ہی نہیں وہ کیا جانیں دلیل موثر کیا ہوتی ہے؟ اور اس کا اثر کیا ہوتا ہے؟ اس مسئلہ میں بھی شخصیت کو دلیل نہیں بنایا گیا بلکہ دلیل ہی کی قوت کا ترازو اہلِ علم کے وضعی مسلم قواعد ہی کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اگر کسی نے اعتراض کرنا ہی ہو تو ان قواعد پر کریں یا قواعد کے استقراء کرنے والوں پر کریں۔ مجھ مسکین پر نہ کریں۔ کیونکہ من مسکین نے تو صرف اہلِ علم کے اصولی قواعد ہی کی روشنی میں اس مسئلے پر سب کچھ لکھا ہے۔ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ الزام وعیب یقینی دلائل سے ہی ثابت ہوسکتا ہے۔ ظنی غیر یقینی غیر قطعی دلائل سے نہ الزام ثابت ہوتا ہے نہ عیب۔ میری ساری گفتگو کا محور بھی یہی ہے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام پر لگائے گئے الزامات کفر وشرک کی بابت پیش کیے گئے دلائل غیر یقینی غیر قطعی، غیر معقول اور غیر معتبر ہیں ان کی کوئی یقینی، علمی قطعی حقیقت نہیں جب دلائل کی کوئی یقینی حقیقت نہیں نہ کسی آیت کی دلالت قطعی ہے نہ کسی روایت کا ثبوت قطعی ہے۔ تو پھر جرم ثبوت پر چڑھائی کس بنیاد پر کی جاتی ہے۔ خصوصاً حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کافر کس بنیاد، کس دلیلِ قطعی سے بنایا جاتا ہے۔ جب کسی کے پاس کوئی یقینی دلیل قطعی ہے ہی نہیں تو پھر ان کے خلاف کفر کی کہانی بیان کیوں کی جاتی ہے۔ کسی بھی بزرگ کی بزرگی دلیل شرعی نہیں بن سکتی شریعت کے اپنے دلائل ہیں۔ ان بزرگوں میں سے کوئی بھی وفاتِ ابی طالب کا عینی شاہد نہیں حتی کہ خود راوی بھی عینی شاہد نہیں شریعت گواہی کا تقاضا کرتی ہے خصوصاً ثبوتِ عیب والزام میں۔

مزید ایک سوال کا جواب

بعض اہلِ علم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ اگر مجتہد کسی روایت سے استدلال کرے تو وہ روایت صحیح کے درجے میں ہو جاتی ہے۔ بعد کا ضعف اسے ضعیف نہیں بنا سکتا اور نہ ہی وہ ضعف اس مجتہد کے لیے مضر ہے۔

جواب: جنابِ من! اجتہاد اصول میں نہیں ہوتا فروع میں ہوتا ہے۔ اور اجتہاد دلیل کے ہوتے ہوئے جائز ہی نہیں۔ اجتہاد دلیل کے مدمقابل نہیں ہوتا۔ جناب ابو طالب علیہ السلام کی بابت اجتہادی علماء کے فتاویٰ جات اور اجتہادات بالکل فضول ہیں۔ بلا دلیل ہیں انھی علماء کے منضبط قواعد میں قاعدہ ہے کہ الزام اور عیب بغیر قطعی دلیل کے یقینی حقائق کے ثابت نہیں ہوسکتا۔ کسی مجتہد نے اس بابت کوئی قطعی یقینی دلیل دی ہے؟ مجتہد کا اجتہاد جب بذات خود ظنی ہے تو وہ کسی ظنی کو مفید یقین کیسے بنا سکتا ہے۔؟

آج بھی پوری دنیا میں عدلیہ کے اندر یہی بات مسلم ہے کہ ملزم پر الزام لگانے کے بعد ثبوت الزام میں ٹھوس دلائل آئینی شواہد اور یقینی حقائق پیش کیے جائیں محض اندازوں سے کوئی بھی کائنات کی معتبر عدالت کسی کو مجرم قرار نہیں دیتی بلکہ مشکوک دلائل کی

صورت میں شک کا فائدہ دے کر عدالت قاتلوں تک کو رہا کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے ملزم شک کی بنیاد پر بری ہو جاتے ہیں۔ اور مسئلے میں جتنے بھی دلائل دیے گئے ہیں وہ ان فقہاء کے بیان کردہ ضابطوں کے مطابق بھی قطعی نہیں ہیں بلکہ بعض تحقیقی بھی ہیں اور محققین کے نزدیک بعض بالکل بیہودہ ہیں۔ تفصیلات بیان کی جائیں گی۔ تحقیق کی اصل قوت دلیل ہوتی ہے نہ کہ شخصیت ہیں۔ جناب ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہنے والوں سے محققین کا اور پوری امت کا مطالبہ ہے کہ اس بابت آپ کوئی ایک آیت جس کی دلالت ابوطالب علیہ السلام کے حوالے سے قطعی ہو اور کوئی ایک روایت جس کا ثبوت قطعی ہو یعنی تواتر کے ساتھ عہد نبوت سے لے کر زمانہ امام بخاری و مسلم تک منقول ہو اہل علم اس روایت کی نشاندہی کریں قیامت تک انتظار رہے گا۔ ان کے مرنے کے بعد اہل محبت یہ انتظار کرتے رہیں گے۔ مگر اہل علم اس بابت کوئی ایک بھی دلیل نہیں پیش کر سکتے اور جب ایسا ہے تو حرم نبوت کی بابت اتنی سنگین جسارت کس بنیاد پر کرتے ہیں۔ توبہ کریں۔ رہا یہ سوال کہ علماء کی کثیر تعداد نے ان روایات و روایات کو قبول کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کثیر تعداد دلیل دین نہیں بن سکتے دین کے اپنے دلائل ہیں اہل علم بذات خود محتاج دلائل ہیں تو خود دلیل کیسے بن سکتے ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا کردار پورے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ ان کی خدمات ایک مسلمہ حقیقت ہیں ان کی قربانیاں اسلام اور اہل اسلام پر قرض ہیں ان کی محبتیں محبت رسول ﷺ کے لیے ایک کامل اسوہ ہیں ان کی امانتیں، نصرتیں فروغ اسلام کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا وجود یقیناً اہل محبت کے لیے ایک … ہے۔ اتنے بڑے تواتر کے مدمقابل بعض اہل علم کے ذہنی تراشے ہوئے بلا دلیل قطعی فتاویٰ جات کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ بلا استدلال کر لینا کسی ظنی دلیل کو قطعی دلیل نہیں بنا سکتا۔ حرم نبوت کے تقدس کے خلاف بڑے سے بڑے امام کے فتوے کو امانت علی وجہ البصیرت مسترد کر دیں کیونکہ ان فتووں کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ امام اپنے اپنے مذہب اور مکاتب فکر کے امام ہو سکتے ہیں مگر حرم نبوت کے امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حرم نبوت کا ہر فرد بفضل تعالیٰ خود امام ہے۔ انھیں ان اماموں کی کوئی ضرورت … ان کی حیثیت آئمہ اہلبیت نبوت کے مدمقابل کوئی حقیقت رکھتی ہے۔

لہٰذا کثرت نقل کو معیارِ قطعیت نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ ان ناقلین میں سے کوئی بھی وقوعہ کا عینی شاہد نہیں نہ ان کے پاس شہادت علی الشہادت کے طور پر کوئی یقینی تصدیق ہے تو ایسی صورت میں کسی کی علمی امامت کو کفر ابی طالب علیہ السلام کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ ایسی کروڑوں امامتیں سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی گرد راہ کے ایک ذرہ خاک پر قربان۔ مجتہد کا اجتہاد میں بذات خود ظنیت ہے امکان خطا کی بنا پر اور خود ظنی چیز کسی ظنی کو قطعی نہیں بنا سکتی۔ یہ واویلا قطعیات میں فضول ہے۔ (فریدی)

صورت ثالث کی تفصیل

اس روایت کے مندرجات میں غور کیا جائے تو چند اُمور سامنے آتے ہیں:

ا۔ یہ روایت براہ راست منصب نبوت پر ایک گھناؤنا الزام ہے صورت اس کی یہ ہے کہ اس روایت میں درج ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے اپنا منصبی فریضہ نبوت کے دس سال تک نہیں نبھایا۔ دس سال تک ابوطالب علیہ السلام کو دعوت نہیں دی بلکہ دس سال کے بعد بوقت وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کو دعوت دی ہے بطور دلیل عرض ہے کہ اس بات کا گلہ خود ابوطالب علیہ السلام نے بھی ذاتِ نبوت سے کیا کہ اگر آپ مجھے یہ دعوت اس سے پہلے میری حالت صحت میں دیتے تو میں یقیناً قبول کرتا۔ اب دیر ہو چکی ہے اس بابت ایک روایت حاضر خدمت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

سید عالم ﷺ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے احسانات کو مدنظر رکھتے ہوئے کلمہ طیبہ کی بوقت وفات ابوطالب کو تلقین کی اس پر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے عرض کیا

"فَقَالَ لَهُ عَمُّهُ أجل لَوْ سَأَلْتَنِیْ هٰذِهِ الْكَلِمَةَ وأنا صحيح لها لا تبعتك على الذى تقول، ولكنى أكره الجزع عند الموت وترى قريش أنى أخذتها عند الموت، وتركتها وأنا صحيح" (سیرت ابن اسحاق)

ترجمہ: حضرت ابوطالب علیہ السلام نے سید عالم ﷺ سے عرض کی آپ جس بات کی مجھے دعوت دیتے ہو اگر یہ دعوت جو آپ آج دے رہے ہیں مجھے اس سے پہلے دیتے جب میں صحیح سالم صحت مند تھا تو میں ضرور آپ کی اتباع کرتا جو آپ فرماتے میں سر تسلیم خم کرتا لیکن اب میں ناپسند کرتا ہوں جب موت قریب آ چکی ہے۔ "وَتَرَكْتُهَا وَ أَنَا صَحِيْحٌ" صورت حال یہ ہے کہ آپ کی منصبی نبوی ذمہ داری تھی مگر آپ نے اسے چھوڑے رکھا حالانکہ میں اس وقت صحیح سالم صحت مند تھا۔

قارئین محترم! اب آپ خود غور فرمائیں اگر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت قبول کی جائے تو لامحالہ یہ الزام براہ راست منصب نبوت پر عائد ہوتا ہے کہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت سے پہلے نبی ﷺ نے ان کو دعوت نہیں دی۔ یہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اب آپ اہل علم سے سوال کریں کہ کیا واقعی ایسا ہے؟ اگر واقعی ایسا ہے تو اس میں قصور حضرت ابوطالب علیہ السلام کا تو نہیں بنتا اہل علم کی مزعومہ روایت کے مطابق نبی ﷺ نے اپنا منصبی فریضہ نہیں ادا کیا۔ نعوذ باللہ۔ یہ سراسر جھوٹا الزام ہے۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ اس کے برعکس مسکین آپ کے سامنے دعوت ذوالعشیرہ رکھتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

"وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ"

مقدمہ
اے حبیب آپ اپنے قربتداروں کو اللہ تعالیٰ کا ڈر سنایئے۔
اس حوالے سے پروگرام طے کیا گیا ابوطالب علیہ السلام کے کاشانہ عظمت ہی کے اندر تقریب سعید منعقد ہوئی۔ اور تین دن تک مسلسل پرتکلف دعوت کا انتظام کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا گیا۔ اس پر ابولہب سیخ پا ہو گیا اور برملا کہا کہ ہم اس معیت میں خود کو نہیں ڈالنا چاہتے۔ پورے عالم کفر کی مزاحمت ہم نہیں برداشت کر سکتے۔ اس مایوس کن گفتگو کے بعد ایک مایوسی کا سماں سا ہو گیا۔ مگر عین ایسے مایوس کن حالات میں ایک نعرہ مستانہ بلند ہوا
"لَنَمنَعَنَّهٗ" "لَنَمنَعَنَّهٗ" "لَنَمنَعَنَّهٗ" ہاں ہاں یقیناً یقیناً ہم محمد کریم ﷺ کا ایسے سنگین حالات میں ضرور دفاع کریں گے۔ یہ دعوت حق ہے محمد ﷺ صادق ہیں۔ ہم ضرور ان کی اس حق و صداقت کی عظمت میں حفاظت ضرور ضرور کریں گے۔ حالات خواہ کچھ ہوں۔ (سیرت حلبیہ)
قارئین محترم! یہ سب کچھ ہوا کائنات اس بھرم کی گواہ ہے اور یہ پورے اور کامل تواتر سے ثابت ہے۔
اس حقیقت کا کسی کے پاس نہ جواب ہے نہ چیلنج۔ اس غیور صدائے دلنواز نے ایک نئے ولولے کو جلا بخشی۔ قلب نبوت تسکین کی معراج پر پہنچا اور ارادۂ الٰہی کی تکمیل میں یہ پہلا احساس تھا جو آوازِ حق کی پہلی قوت بنا۔ اب آپ پوچھیے یہ آواز کس کی تھی؟ صدائے مستانہ لگانے والا کون تھا؟ کس کے جوش نے نبوت کو حوصلہ دیا؟ کون ہے جو جان و مال و اولاد کی پرواہ کیے بغیر عرب کی عصبیت کی نار نمرودی میں چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ ہے جسے قرآن نے "اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى" کا ٹائٹل دیا ہے۔ یہ وہ ہے جسے خدائے ذوالجلال اپنا اعتماد کہتا ہے۔ یہ ہے وہ جس پر نبوت نے تادم زیست اعتماد فرمایا ہے۔ وہ ہے جسے تاجدار ھل اتی کے والد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ وہ ہے جس کی ہر سانس اسلام پر اہل اسلام پر قرض ہے۔ اس کا نام سید البطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔
ایسے نفس محترم کو کافر کہنا کافر یقین کرنا کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ قدرت الٰہی کا مذاق ہے۔ اعتماد نبوت کا قتل ہے۔ وہ بھی مصنوعی اور بیہودہ روایات کے تناظر میں یہ کھلی بربریت ہے۔
کہ اس روایت کے دوسرے مندرجے میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بن مغیرہ کو بطور گواہ لایا گیا ہے۔ ان کے کہنے پر اعتماد کر لیا گیا کہ عبدالمطلب اور آباء عبدالمطلب کا دین کفر و شرک تھا۔ نعوذ باللہ۔ بنابریں ان کی ملت پر مرنے کی وجہ سے ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہا گیا ہے۔ استغفر اللہ۔
حالانکہ یہ دونوں اس وقت کافر تھے شرمناک بات یہ ہے کہ ان کافروں پر اعتماد کر لیا گیا مگر نہ ابوطالب علیہ السلام کی وفاؤں پر اعتماد کیا گیا ہے نہ ہی جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی عینی، و یقینی شہادت پر اعتماد کیا گیا ہے۔ بعض اہل علم نے یہ بہانہ

تراشا کہ جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان نہ تھے۔ یہ تمام جھوٹ ہے تفصیلات کتاب ہذا میں موجود ہیں۔ لیکن یہاں میرا ایک اہل علم سے سوال ہے:

سوال یہ ہے کہ جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا مزعومہ کفر تو یاد رہا مگر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کا اس وقت کا کفر یاد نہیں رہا؟ ابوجہل کا کفر یاد نہیں رہا۔ عبداللہ بن ابی امیہ کا اس وقت کا کفر یاد نہیں رہا؟ کیا یہ انصاف ہے؟ یہ عین عداوت ہے اہل علم اہلبیت نبوت کے بارے میں حیا کا کچھ سوچ لیتے۔ مجھے اس روایت کے سلسلے میں اموی غنڈہ گردی کی بو آتی ہے۔

صورت چہارم کی تفصیل

کتاب ہذا میں کئی مرتبہ یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ حدیث کسی بھی طرح صحیح حدیث نہیں کیونکہ اس کی صحت کی کبھی بھی دلیل میسر نہیں آ سکی۔ جو اہل علم اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں ان کے پاس اس کی صحت کی کوئی دلیل ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ بعض اہل علم نے اسے مرسل کہا ہے۔ دیکھئے عمدۃ القاری، فتح القدیر وغیرہ تفصیل اس ضمن میں گزر چکی ہے۔ محققین نے اپنی طرف سے اس روایت کے مندرجات میں کئی مرتبہ غور کرنے کے بعد کہا کہ یہ روایت فراڈ، ڈرامہ اور فساد ہے۔ کیونکہ حرم نبوت میں آگ اسی کی وجہ سے لگائی جاتی ہے اس روایت کی کوئی یقینی، قطعی اصل ہی نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ

ا۔ اس کا راوی نہ صاحب وحی تھا نہ ہی صاحب وحی سے اس روایت کا سماع اس وقت راوی کے لیے ثابت ہے۔ یہ راوی عینی شاہد بھی نہیں تھا اور نہ کسی عینی شاہد نے اس راوی کو یہ روایت بیان کی۔

اس کے راوی کے پاس اس روایت کے حصول کے ذرائع علم میں سے کوئی ایک بھی ذریعہ علم نہ تھا۔

اس کا راوی بوقت تحمل حدیث کافر تھا اور یہی راوی بیہودہ روایت کا سرچشمہ ہے۔

اس روایت میں قرآن کریم کی دو آیات سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۶ اور سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ کا ناجائز استعمال ہوا ہے۔

ان آیات کا کسی طرح جناب ابوطالب علیہ السلام سے کوئی تعلق نہ ہے۔

کسی بھی اہل علم کے پاس کوئی قطعی، یقینی دلیل ایک بھی ایسی نہیں جس سے وہ ثابت کر سکے کہ یہ آیتیں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف نازل ہوئی ہیں۔ رہی مذکورہ روایت تو یہ ایک بیہودہ روایت ہے۔ اس کا علم سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ بخاری و مسلم میں وارد ہونے سے یہ روایت کبھی معیاری نہیں بن سکتی۔ اس روایت کی صحت کا واویلا وہی لوگ کرتے ہیں۔ جنھوں نے ذاتی طور پر طے کر رکھا ہے کہ ہم نے ہر صورت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنا ہے۔ تحقیق ایسی بدحواسی کو ہرگز قبول نہیں کرتی۔ محققین نے اس روایت کا جن بنیادوں پر انکار کیا ہے اگر ان کی بابت مجھے کوئی مطمئن کر دے مگر یقینی دلائل ہی قابل قبول ہوں گے اہل

...ر کے ذاتی اندازے اور مجھے ہرگز قبول نہیں ہوں گے تو میں حاضر ہوں۔ میں [illegible]

...ر کسی یقینی دلیل سے کر دیں تو میں قلم روک سکتا ہوں۔ آئیں باتیں شائع نہیں [illegible]

...ی کی روایت سنداً صحیح لہٰذا روایت جو یقینی شہادت پر مشتمل ہے کا معارضہ نہیں [illegible] عبدالمطلب رضی اللہ

...دی کی روایت کی تحقیق میں پیش کر دی گئی ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت کا کوئی بھی مندرجہ کسی بھی صورت میں بالکل قابل قبول نہیں۔

صورتِ پنجم کی تفصیل

روایت میں مضمر علمی عدم توازن ایک واضح پیغام ہے کہ یہ روایت دراصل دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتی زیادہ سے زیادہ اس [illegible] بات کی بابت یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت جناب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے زمانہ کفر کا کوئی [illegible] ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ رہا ان کا زمانہ اسلام تو وہ فتح مکہ کے بعد کا ہے اور حضرت نبوی کے [illegible] زمانے میں [illegible] حتمی طور پر اور قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ جناب رسول دو عالم ﷺ نے اس بارے میں کبھی [illegible] ہو کر اے جناب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ میرے پاس آپ کے لیے [illegible] ایک ایسی روایت ہے جو آپ کی عظمتوں کو چار چاند لگا دے گی۔ وہ روایت یہ ہے کہ میرے چچا جناب ابو طالب [illegible] تھے۔ میں نے انہیں کلمہ کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جس پر [illegible] کیا دو سال تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں [illegible] قرآنی نص کے [illegible] آیات نازل ہوئیں جو روایت میں مذکور ہیں۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ اور سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۶ [illegible] ابو طالب علیہ السلام کی بابت طلب مغفرت سے [illegible]۔

قارئین محترم! ایسے ہی جناب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے بھی [illegible] یہ سب کچھ بیان کیا۔ اور اپنے بیٹے سعید [illegible] آپ کو اس روایت کی صورت میں [illegible] تاکہ اس سے امت مستفیض ہو سکے۔

[illegible] کے ساتھ جو معقول بھی لگتی ہے [illegible] کسی صاحب [illegible] کوئی روایت ہے تو [illegible] مزید تحقیق کی اذیت سے بچ سکوں۔ (فریدی)

[illegible] بخاری میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے موجود صورت میں اس روایت کا [illegible] کوئی معیار

نہیں کیونکہ اس روایت کی صحت کو نہ تو قانون شریعت مانتا ہے اور نہ ہی قانون روایت و درایت مانتا ہے۔ رہا اہل علم کا اسے کفر ابو طالب علیہ السلام میں قبول کرنا یہ ایسا ہی ظلم ہے۔ جیسا اہل علم نے یہ ظلم کیا ہے کہ ثلاث کذبات کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ یہ وہ روایت ہے جس میں جد الانبیاء حضرت ابراہیم کی بابت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے زندگی میں نعوذ باللہ تین جھوٹ بولے تھے۔ حالانکہ قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت کھلے لفظوں میں بطور نص قطعی بول رہا ہے

"اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا" یقیناً ابراہیم علیہ السلام صدیق نبی ہیں۔ (مریم)

علاوہ ازیں مکھی پر مکھی مارنے سے کوئی جھوٹ سچائی کی حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر عربی گرامر کی صورت میں مسیب والی روایت کو قبول بھی طوعاً نہیں کرہاً کیا جائے تو اس کی بابت صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت مسیب کے زمانہ کفر کا کوئی بے حقیقت خیال ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس جھوٹ کو سچ بنانے کے لیے پوری کائنات میں کوئی ایسی یقینی قطعی دلیل نہیں جو کسی بھی عام آدمی کے لیے مفید یقین ہو سکے تو ایک تحقیق کے طالب علم کے لیے کیسے مفید یقین ہو سکتی ہے۔ یہ ہے اس روایت کی حقیقت اور مضمرات۔

مضرّاتِ روایت

اس جعلی جزئی روایت کے مان لینے سے بنیادی نقصان یہ ہوا کہ پوری اُمت اس وقت بھی کہیں اُمت کی شناخت میں نظر آتی نہیں۔ ہر جگہ اہل علم کے تراشے ہوئے مسلکی مجسمے ہیں۔ فرقہ ورانہ بت کدے ہیں۔ مذہب کے نام پر خون ریزیاں ہیں مسلک کے نام پر ٹریڈنگ ہو رہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اس سے بڑا نقصان اور کیا ہو سکتا ہے۔ حرم نبوت کے عظیم المرتبت نفس محترم کے تقدس کو اہلِ علم نے آگ لگائی ہے قدرت نے انتقاماً ان سے اُمت ہونے کا ٹائٹل چھین لیا ہے۔ مزید کچھ کہنے کی مجھ میں ہمت نہیں رہی۔ پوری اُمت عصبیت کی آگ میں جھلس چکی ہے۔ اب تو یہ لڑائی گھروں تک پہنچ چکی ہے۔ الامان والحفیظ۔

اس روایت کے تمام طرق سے گیارہ راوی مجروح اور متکلم فیہ ہیں

یہ روایت بخاری میں جتنی مرتبہ جتنے طرق سے مروی ہے اس کے تمام طرق کے راوی متکلم فیہ ہیں بعض مجروح ہیں ان کی اجمالی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا راوی۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہے 21 سال بعد اسلام لائے۔ مکی زندگی پر سماع کہیں مذکور نہیں۔ کیونکہ فتح مکہ سے قبل ان کا ایمان ثابت نہیں فتح مکہ کے بعد ان کو صحبتِ نبوی کے قریباً دو سال میسر آئی۔ مگر قربتیں کتنی رہیں اس کا ریکارڈ معلوم نہیں ہو سکا۔ مزید برآں یہ بات بھی حتمی ہے کہ مدینہ طیبہ کی رفاقتوں میں مسیب کے سامنے کبھی بھی وفات ابوطالب

حقیقت علیہ السلام کی بابت تبادلہ خیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے نہیں فرمایا کیونکہ اس کا مستقل حتمی یقینی قطعی کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں۔

گویا یہ روایت اپنے اصل راوی کے اعتبار سے کوئی دینی علمی حقیقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس راوی کے پاس حصول روایت کا مبداء علم ہی نہیں۔

دوسرے راوی: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما ہیں فقیہہ مدینہ کے نام سے معروف ہیں تابعی ہیں مگر حصول روایت میں صرف سماع پر اعتماد کیا ہے ضروری تھا کہ وقوعہ کی پوری علمی قانونی تحقیق فرماتے۔

تیسرے راوی: محمد بن مسلم الزھری ہیں۔ ان کی بابت آجری نے کہا کہ ابی داؤد کہتے ہیں۔

"جميع حديث الزهري كله ألفا حديث ومائتا حديث النصف منها مسند وقدر مائتين عن غير الثقات وأما ما اختلفوا فيه"

ابن شہاب زہری کی کل تعداد روایت ایک ہزار اور دوسو ہیں ان میں سے آدھی مسند ہیں اور دوسو روایات انھوں نے غیر ثقہ راویوں سے روایت کی ہیں۔ اسی لیے ان کی شخصیت مختلف فیہ ہے۔ (التہذیب التہذیب)

محمد بن مسلم الزہری الحافظ الحجہ کَانَ يُدَلِّسُ فِي النَّادِرِ "محمد بن مسلم الزہری حافظ حجہ ہیں مگر مسلسل تدلیس فرماتے ہیں نوادر کے اندر۔ (میزان الاعتدال)

چوتھے راوی۔ معمر بن راشد ہیں۔

"معمر بن راشد أبو عروة أحد الاعلام الثقات له أوهام معروفة احتملت له في سعة ما أتقن قال أبو حاتم صالح الحديث وما حدث به بالبصرة ففيه أغاليط قال معمر، عن ثابت ضعيف"

ابوحاتم کہتے ہیں ان کی بصرہ کی روایات میں غلطیاں اور ثابت سے ضعیف روایت کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال)

پانچویں راوی:۔ اسحاق بن ابراہیم

"روى عن عبد الرزاق احاديث منكرة فوقع التردد"

یہ عبدالرزاق سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں اس لیے ان کی روایات میں تردد واقع ہوا ہے۔ (ایضاً)

چھٹے راوی:۔ عبدالرزاق بن ہمام۔

"وَقَالَ النسائي فيه نَظَرٌ لِمَنْ كَتَبَ عَنْهُ بِاخِرة روى عنه احاديث مَنَاكِيْرُ وَ قَالَ ابن عدي حدث بالاحاديث في فضائل لم يُوَافِقْهُ عَلَيْهَا اَحَدٌ و شالب لغيرهم مَنَاكِيْرَةٌ و نَسَبُوْهُ إلى التَّشَيُّعِ وقال دار قطني يخطِئُ عَلى مَعْمَرٍ في احاديث"

ترجمہ:۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی فضائل کی روایت کے ساتھ کسی سے بھی موافقت نہیں ... ہے۔ ان کو شیعہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ معمر کی حدیثوں میں غلطی و خطا کرتے تھے۔ (ایضاً)

ساتویں راوی:۔ اسحاق بن راہویہ ہیں

آجری نے کہا کہ میں نے ابوداؤد سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ

"تغیر حفظہ قبل ان یموت بخمسۃ اشھر قال الحجاج حدیث قیل اسحاق اختلط فی اخر عمرہ"

ان کا حافظہ آخری عمر میں وصال سے پانچ ماہ قبل مختلط ہو گیا تھا تبدیل ہو گیا تھا۔ (میزان الاعتدال)

آٹھویں راوی:۔ ابوالیمان

"حکم بن نافع نے بشر بن شعیب" سے سماع کا دعویٰ کیا تھا مگر اس کے بیٹے نے یہ دعویٰ مسترد کر دیا تھا۔ بشر بن شعیب کے بیٹے نے کہا کہ یہ حضرت ہمارے پاس اس وقت سماع حدیث کے لیے تشریف لائے جب والد صاحب وفات پا چکے تھے۔ (ایضاً)

نویں راوی:۔ محمد بن حفص البصری ہیں ان کے متعلق ابن معین نے کہا کہ وہ ابتداً ثقہ تھے صالح تھے مگر پھر لیس بقوی یہ قوی نہیں رہے پھر کہا کہ "ضعیف" "یہ ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا ھو ضعیف الحدیث کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا" ضعفا الذین یکتب حدیثھم "یہ ضعیف لوگوں کی روایات لکھا کرتا تھا۔ (ایضاً)

دسویں راوی: سلمان بن عبدالرحمن۔ ان کے متعلق ابوحاتم نے کہا "صدوق الا روی عن ضعفاء ..." یہ ضعیف اور مجہول راویوں سے روایت کرتے تھے۔ "قال ابوداؤد ھو یخطئ کما یخطئ الناس" یہ روایت کرنے میں خطا کرتے تھے جیسے لوگ خطا کرتے ہیں۔ دار قطنی نے کہا "ثقۃ عندہ مناکیر عن الضعفاء" ان کے نزدیک منا کیر ضعیف بھی ثقہ شمار ہوتی تھیں۔ (ایضاً)

گیارہویں راوی:۔ یونس بن یزید ایلی ہے۔ "قال ابن سعد فی قولہ لیس بحجۃ" ابن سعد نے کہا کہ یہ حجت نہیں ہے۔ قال الوکیع سیئ الحفظ "وکیع نے کہا یہ اس کا حافظہ برا تھا۔" وکذا استنکر لہ احمد بن حنبل احادیث "امام احمد بن حنبل نے ان کی روایت کا انکار کیا ہے۔

"وقال الاثرم ضعف احمد امر یونس" اثرم نے کہا کہ امام احمد نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ (ایضاً)

یہ ہیں وہ رواۃ جو صحیح بخاری میں اس روایت کے مختلف طرق سے وابستہ ہیں۔ ہر راوی متکلم فیہ ہے۔ خود اصل راوی روایت کرنے کا قانوناً اہل ہے نہ شرعاً۔ نہ روایتاً نہ درایتاً اہل ہے۔ اب ایسے راویوں سے آنے والی روایت کیسے مفید یقین ہو سکتی ہے؟

خلاصہ کلام اصل حقیقت

روایت مسیب کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں نہ اصل کے اعتبار سے نہ فرع کے اعتبار سے۔ اصل کے اعتبار سے ایسے حقیقت نہیں کہ اس روایت کا اصل منبع مسیب ہے اس کے آگے اس روایت کا کوئی متصل وجود نہیں۔ کئی مرتبہ وضاحت ہو چکی ہے۔ کہ کاشانہ نبوت کے ساتھ کسی بھی اعتبار سے اس روایت کا کوئی علمی، دینی، حتمی یقینی نہ تعلق ہے اور نہ ہی حرم نبوت میں کوئی ایسا وقوعہ ہوا ہے جسے وضعی تشکیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ نہ ہی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس اس وضعی تشکیلی روایت کے حصول کا کوئی ذریعہ علم ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقوعہ کا کبھی بھی زندگی بھر بر سبیل تذکرہ بھی نہیں ذکر کیا۔ ابن ان دیکھی غیر حقیقی حقیقت کا مسیب کو کب اور کیسے علم ہو گیا حالانکہ عینی شاہدوں نے شہادت دی کہ جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام کا آخری تکلم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تھا۔ یہ آپ صحیح لذاتہ حدیث عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ میں معلوم کر چکے ہیں۔ تو ثابت یہ ہوا کہ مسیب کی روایت کا نہ کوئی منبع ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اصل ہے۔ اگر بالفرض والمحال حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو ہی اس روایت کا منبع سر چشمہ مان لیا جائے تو بھی اہل علم کا شوق پورا نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اس وقت خود کافر تھے اور کافر سے قرآن فہمی کا تصور بعید از قیاس ہے۔ اور یہ جائے وقوعہ پر بھی موجود نہ تھے نہ ان پر کوئی وحی آئی نہ ان کو صاحب وحی نے بتایا۔ نہ آیات کے شان نزول میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اس کی وضاحت فرمائی۔ اندریں حالات یہ روایت سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے۔ خود ساختہ ہے۔ حرم نبوت کے خلاف گھناؤنی سازش ہے۔ فراڈ ہے فساد ہے۔

رہا یہ سوال کہ اہل علم نے اسے نقل کیا ہے۔ اور کثیر تعداد میں نقل کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کثرت نقل کسی جھوٹ کو سچ نہیں بنا سکتی۔ اہل علم اگر اسے سچ ہی ماننے پر مصر ہیں تو اس کے سچ ہونے کی کوئی یقینی دلیل لے آئیں ہم مان لیں گے۔ اصولی بات تو یہ ہے کہ اہل علم کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ کسی بے اصل چیز کو بلا دلیل سچ مان لیں۔ میرا حسن ظن یہ ہے کہ اہل علم نے اس پر غور نہیں فرمایا ورنہ وہ کبھی بھی اسے نقل نہ کرتے۔ اسی لیے میں نے اُن علماء کو دعوت دی ہے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اسے مفید یقین دلیل ثابت کریں۔

جب یہ روایت ان کے وضعی قواعد کے مطابق کسی بھی طرح مفید یقین ثابت نہیں ہو سکتی تو میں اس پر اندھا دھند کیسے یقین کر لوں۔ آخر حرم نبوت پر بدترین الزام پر مبنی ہے یہ روایت۔ کوئی چھوٹی بات نہیں۔ اسی لیے میں اہل محبت سے گزارش کرتا ہوں کہ اس من گھڑت روایت کو پورے یقین کے ساتھ مسترد کر دیں۔ کیونکہ اس کی کہیں بھی کوئی حقیقت نہیں۔ جناب سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا انتقام لینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ ان کے پیار میں اتنے آگے بڑھ جاؤ کہ آپ کے جوش انتقام سے مکفرین ابی

طالب علیہ السلام بھسم ہو جائیں۔ انتقام کی حقیقی اور اصلی صورت یہ ہے کہ آپ ان کا گلی گلی کوچے کوچے نگر نگر ان کے ذکر کو کرائیں گے۔ ذکر عظمت سے کائنات بھر جائے ان کی محبت کو اسوہ وفا جانو گھر گھر ان کے نام کی محافل سجاؤ مگر کسی سے کسی طرح الجھنا نہیں بس آپ کے پیار کی مستی میں جوش اتنا ہو کہ تکفیر کرنے والوں کی قوت خود دم توڑ جائے۔

حدیث دوم کا جواب

حدیث ابو ہریرہ

صحیح مسلم میں صاحب مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی باب کی حدیث نمبر 25

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ، عَنْ يَزِيدَ وَهُوَ ابْنُ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ عِنْدَ الْمَوْتِ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَبَى، فَأَنْزَلَ اللهُ {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ} الْآيَةَ" [القصص: 56]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا (ابو طالب) کی موت کے وقت فرمایا آپ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں میں قیامت کے دن آپ کے اسلام کی گواہی دوں گا۔ لیکن ابو طالب علیہ السلام نے انکار کر دیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ "{إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ}"

یہ حدیث سنداً مردود ہے

اس حدیث کا ہر راوی قابل اعتماد ہی نہیں مثلاً یزید بن کیسان "قال ابو حاتم لا یحتج به و قال سعید القطان هو صالح وسط لیس ممن یعتمد علیه" ابو حاتم کہتے ہیں یزید بن کیسان کی روایت قابل حجت ہی نہیں۔ سعید قطان کہتے ہیں یہ قابل اعتماد ہی نہیں (میزان الاعتدال)

متناً مضحکہ خیز ہے

حدیث نمبر 42 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ۔

مذکورہ روایت میں غور کرنے سے پتہ چلا ہے کہ یہ روایت رسول اللہ ﷺ کی روایت نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا جز کتنا ضعیف ذاتی قول ہے۔ ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یوں کہتے "سمعت عن رسول اللہ او اخبرنی رسول

...اللہ ﷺ او قال لی رسول اللہ ﷺ"

خصوصی وضاحت

جس آیت کریمہ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حوالہ دیا ہے اپنی روایت میں وہ آیت کریمہ قریباً سات سن نبوی کو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سات سن ہجری میں مسلمان ہوئے۔ اس طرح 13 سال کا درمیانی عرصہ ہے۔ صاحب روایت یمن کے باشندے ہیں جبکہ سالوں پہلے آیت کریمہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ان کو کیسے معلوم ہوگیا کہ مکہ کے اندر یہ ہوا ہے۔ کیا یہ صاحب وحی تھے؟

کیا صاحب وحی نے انہیں روایت بیان فرمائی؟ مزید یہ کہ وقوعہ ابوطالب کے عینی شاہدوں کو اس مصنوعی الزام کا پتہ تک نہیں بلکہ عینی شاہد نے اس کے خلاف گواہی دی کہ جناب ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ حدیث عباس بن عبدالمطلب تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

کیا یہ وقوعہ کے عینی شاہد تھے؟

کیا کسی عینی شاہد نے اسے وقوعہ کی بابت بتایا؟ بلکہ یہ روایت مسیب بن حزن والی روایت کا آدھا چربہ ہے مستقل کوئی روایت نہیں۔

جب کہ یہ سب کچھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں ہے تو پھر ان کو کس نے حق دیا کہ حرمِ نبوت میں جھانکیں۔ چونکہ یہ روایت الزام پر مبنی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی اصل ہی کوئی نہیں۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی نسبتاً یہی ہوا ہے بلکہ اس سے بھی اضافی ہے۔ جب اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو اس روایت کی بھی بالکل کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ ثبوت الزام میں قطعی دلیل قبول ہوتی ہے جبکہ یہ تو ظنی بھی نہیں بن سکتی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اشکال یہ ہے کہ اہل علم کے ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک متبحر عالم ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن وہ جتنے مرضی بھارے عالم ہوں قانون شریعت سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اور ان کی روایت قانون روایت سے بالا نہیں ہے۔ قانون شریعت یہ ہے جو بات الزام پر مبنی ہو اسے ٹھوس قطعی اور یقینی دلیل سے ہی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کسی ظنی دلیل سے الزام ثابت ہی نہیں ہوتا۔ الزام لگانے والا جائے وقوعہ پر ضرور موجود ہو۔ عینی شاہد ہو یا اس کے پاس کوئی یقینی ذریعہ علم ہو جیسے یا کوئی عینی شاہد اپنا عینی مشاہدہ تو بیان کرے یا صاحب وحی ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان ذرائع سے کوئی ایک ذریعہ بھی نہ ہے۔ رہا یہ کہ وہ

صحابی رسول ہیں۔ امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہی ان کو بتایا ہوگا۔ اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ لاتعداد اقوال صحابہ کرام کے ہیں جو ان کے اپنے ذاتی ہیں۔ چونکہ یہ روایت الزام پر مبنی ہے کوئی اتفاقی نہیں۔ الزام حرم نبوت پر ہے۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس الزام کے ثبوت میں وہ دلیل دی جائے جو ہر اعتبار سے قطعیت کا درجہ رکھتی ہو۔ اس قول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قطعیت کی دلیل کسی کے پاس ہے تو وہ لائے۔ یا راوی اپنا ذاتی مشاہدہ یا کسی عینی شاہد کا تفویضی مشاہدہ دے یا وحی کا یقینی حوالہ دے۔ ایسی وحی جس کے نزول کا یہ عینی شاہد ہو یا صاحب وحی کی یقینی وضاحت دے جبکہ اس راوی کے پاس کوئی ایک چیز بھی نہیں نہ کوئی یقینی تصدیق ہے کیونکہ یہ راوی وفاتِ ابوطالب کے وقت مکہ سے ہزاروں میل دور یمن میں تھے درمیان میں عرصہ دس سال کا ہے۔ یہ دس سال بعد آئے خیبر کے دن مسلمان ہوئے۔ بنابریں بغیر کسی یقینی تصدیق کے یہ اس وقوعہ جو غیر واقعاتی ہے کو بیان کرنے کے مجاز ہی نہیں۔ اس روایت کی سند میں دو راوی مجروح بھی ہیں متن بھی وضعی ہے۔ کیونکہ راوی کے پاس مبدء روایت ہی کوئی نہیں تو ایسی واہی روایت کو روایت کہنا تجاہل عارفانہ ہے اور بس اس روایت پر کوئی ٹھوس دلیل دی جائے ہم حاضر ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ معلول جز کٹا قول جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صحیح الاسناد حدیث کا مقابلہ معارضہ نہیں کرسکتا تحقیق گزر چکی ہے۔ جس میں یہ طے ہو چکا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کلمہ پڑھا ہے اس کی عینی شہادت موجود ہے جبکہ نہ پڑھنے کی عینی شہادت پوری کائنات میں نہیں محض معلول ذہنی اندازے ہیں جو کسی بھی صورت قبول نہیں۔ نہ ہی یہ اندازے کردار بوطلبی کے تواتر کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

قانونِ روایت

قانونِ روایت یہ ہے کہ جو واقعہ مبصر محسوس ہو اس کو بیان کرنے والے کو ضروری ہے کہ وہ جائے وقوعہ پر بھی موجود ہو اور عینی شاہد بھی ہو۔ یا کسی معتبر و معقول عینی شاہد نے وہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور من وعن بیان کرنے والے کو بتایا ہو۔ لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کہیں بھی علمی یقینی و عینی شواہد اس واقعہ کے متعلق نہیں ہیں حتی کہ کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بالاستیعاب پورا واقعہ من وعن پوری تفصیل کے ساتھ اس تشکیل کے ساتھ بتایا ہو اگر کسی کے پاس کوئی سنداً متصل ایک بھی ایسی حدیث موجود ہو جس میں یہ عنوان ہو نبی کریم ﷺ نے پورا واقعہ کسی کو بتایا ہے خواہ وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہوں تو لے آئے ہم منتظر ہیں۔ جب مجوزہ تشکیل میں صاحب وحی ﷺ نے زندگی بھر اسے بیان نہیں کیا تو دوسرے کون ہوتے ہیں بیان کرنے والے اگر اس واقعہ کا کوئی یقینی وجود ہوتا تو یقیناً صاحب وحی بیان فرما دیتے۔ چونکہ اس واقعہ کا سرے سے وجود ہی نہیں اس لیے

صاحب وحی ﷺ نے اس تشکیل کے ساتھ عمر بھر بیان نہیں فرمایا حالانکہ آپ کو عینی شاہد مانا گیا ہے۔ (فریدی) اور نہ ہی اہلبیت نبوت نے بیان کیا ہے جو وقوعہ کے عینی شاہد ہیں جب عینی شاہدوں کو ایسا کچھ بھی نظر نہیں آیا تو یمن میں بیٹھے شخص کو یہ سب کچھ کیسے نظر آ گیا وہ بھی کئی سال بعد؟

نوٹ:۔ اس صحیح مسلم کی روایت نمبر 43 میں بھی یہی عنوان ہے صرف کچھ لفظوں کا اضافہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر مجھے قریش کی عار نہ ہوتی کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو میں نے کلمہ پڑھا ہے تو میں کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کرتا۔

قارئین محترم! مجھے اس جملے پر بار بار ہنسی آتی ہے کہ یہ کتنا خود ساختہ فراڈ ہے۔ ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ جو شخص کئی سالوں سے بار بار موت سے لڑتا رہا اور پورے عالم کفر کے سامنے سد سکندری بن کے کھڑا رہا وہ تا حیات تو وہ کسی عار سے نہ ڈرے نہ عورتوں کے عار دلانے سے ڈرے اور نہ مردوں کے عار دلانے سے ڈرے۔ نہ کبھی موت سے ڈرے بلکہ عالم پیری میں بھی موت سے لڑتے رہے۔ اس کے لیے عار کا جملہ کہنا کتنا بد ترین جرم ہے۔ ان کی تو حالت ہی یہ تھی کہ وہ حسن رسالت میں اس قدر مستغرق تھے انھیں نہ اپنی ہوش ہے نہ گھر والوں کی۔ یہ عشقِ رسالت کا سرمست مجاہد اول اپنے یار کی منزلیں عبور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کرتا رہا اور رسول اللہ ﷺ کے اعتماد پر پورا اترنے میں سرگرداں ہے۔ اور "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" کی تفسیر اپنے عزم واستقلال کے کردار سے لکھ رہا ہے۔ اپنے رب کریم سے کیئے ہوئے وعدوں کی تعمیل میں کوشاں ہے۔ اور منزلِ بقاء کی طرف رواں دواں ہے۔ اس کی زبان پر یہ آئے کہ مجھے مردوں اور عورتوں سے عار کا خطرہ نہ ہوتا تو میں کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ یہ کتنی شرم ناک بات ہے۔ اس طرح تو ماہیے پڑھنے والے گویے بھی جوڑ توڑ نہیں کرتے جملوں کی۔ جس طرح اہل علم نے بنوامیہ کے رعب سے یا ریزہ خواری سے جوڑے ہیں۔

بھلا یہ بھی کوئی معقول بات ہے کہ کلمے کی حفاظت کرنے والا کلمے سے ہی بھاگتا ہو۔ جس کے توحیدی نغموں کے زمزموں سے فضاء مکہ گونج رہی ہو جس کی نعت خوانی کے سریلے سروں نے ماحول حرم کو گرما دیا ہو اس سے کلمہ نہ پڑھنے کا گلہ اچھا نہیں۔ بلکہ شرم ناک بات ہے۔ **اصولی بات یہ ہے کہ اس روایت کی سند ہی مجروح ہے یزید بن کیسان قابل اعتماد ہی نہیں اس کی روایت قابلِ قبول ہی نہیں حوالہ گزر چکا ہے۔** امام ذہبی نے اسے میزان الاعتدال میں بیان کیا ہے۔

فصل ثانی:

احادیثِ ضحضاح (پتلی آگ) کا تحقیقی جائزہ

حدیث چہارم کا جواب

حدیث کا متن ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا عبید اللہ بن عمر القواریری، و محمد بن أبي بکر المقدمي، و محمد بن عبد الملک الأموي، قالوا حدثنا أبو عوانۃ، عن عبد الملک بن عمیر، عن عبد اللہ بن الحارث بن نوفل، عن العباس بن عبد المطلب، أنہ قال یا رسول اللہ، ھل نفعت أبا طالب بشيء، فإنہ کان یحوطک و یغضب لک۔۔ قال نعم، ھو في ضحضاح من نار، ولولا أنا لکان في الدرک الأسفل من النار"

ترجمہ: حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ نے ابوطالب علیہ السلام کو بھی کوئی نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی وجہ سے لوگوں پر غضب ناک ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اب وہ جہنم میں صرف بالائی طبقہ میں ہیں اور اگر میری شفاعت سے اسے نفع نہ پہنچتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔

سنداً مجروح و مردود حدیث

جواب: سب سے پہلے ہم اس روایت کا سند کے حساب سے جائزہ لیتے ہیں۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی ہے محمد بن عبدالملک بن مروان الاموی۔ یہ اموی غنڈوں میں سے تھا اور بنواُمیہ کی اسلام دشمنی اور حرمِ نبوت کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی تھی۔ اور مشہور تر تھی۔ تو دشمن سے یہی توقع کی جاسکتی ہے جو آپ نے اس روایت میں پڑھا ہے۔ اصول حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ متعصب راوی کی روایت مخالف کے خلاف قابل قبول ہی نہیں اور بنواُمیہ کا حرم نبوت سے تعصب ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے

قال ابوداؤد لم یکن بمحکم العقل " کہ محمد بن عبدالملک بن مروان بن الحکم کی مت ماری ہوئی تھی۔ اس کی عقل ہی ٹھکانے نہیں تھی۔ (میزان الاعتدال)

نوٹ:۔ یہ یقینی بات ہے کہ جب تعصب میں بندہ اندھا ہو جائے جس طرح حرمِ نبوت کے خلاف بنو امیہ اندھے ہو گئے تھے تو لامحالہ صورت میں مت ماری جاتی ہے۔ تبھی تو اہل حکمت نے کہا کہ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ اور تکبر نیکیاں برباد کر دیتا ہے۔ بنو اُمیہ ان تمام بد عادتوں میں سب سے آگے تھے۔ وہ بھی حرم نبوت کی بابت بناء بریں ان کی مت بھی ماری ہوئی تھی اور ان کے لیے

نیکی بھی نہیں رہی تو ایسے راوی کی روایت مسترد ہی سمجھی جاتی ہے۔

نوٹ: اس روایت کے موضوع ہونے کا ایک سبب تعصب راوی ہے۔

موضوع روایات کے اسباب میں تعصب بنیادی سبب ہے حدیث وضع کرنے کا (کتب عامہ فی اصول الحدیث)

اسی باب کی اگلی حدیث میں ایک راوی ہے عبد الملک بن عمیر اس کے بارے میں بھی میزان الاعتدال میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"عبد الملك بن عمير اللخمي الكوفي الثقة و لكنه طال عمره و ساء حفظه قال ابو حاتم ليس بحافظ تغير حفظه و قال احمد ضعيف يغلط و قال ابن معين مختلط۔"

ترجمہ: عبد الملک بن عمیر کے متعلق اگرچہ وہ ثقہ تھے لیکن طویل عمر ہونے کی وجہ سے حافظہ کمزور ہو گیا تھا ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ حافظ حدیث نہیں تھے اور ان کے حافظے میں تغیر آ گیا تھا۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ ضعیف تھے اور غلطیاں کرتے تھے ابن معین کہتے ہیں کہ روایات کو خلط ملط کرتے تھے۔ (میزان الاعتدال ذہبی)

قارئین محترم! یہ روایت تو ظن کے اعتبار سے بھی کہیں نیچے گر گئی ہے۔ کیونکہ متعصب راوی حدیثیں گھڑتا ہے جیسا کہ بنو امیہ نے گھڑیں اور ہزاروں حدیثیں گھڑیں جس کی بابت فقیر ایک کتاب لکھ رہا ہے۔ "مصنعة الاحاديث فى الشام" شام میں حدیثیں گھڑنے کی فیکٹریاں۔ جس میں آپ کو علم حدیث کے اندر اموی غنڈہ گردی واضح نظر آئے گی۔ انتظار فرمائیں۔

مذکورہ راوی اموی غنڈہ گردی کا ایک تسلسل ہے لہٰذا یہ روایت کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں۔ یہ تو ظنی اعتبار سے بھی قبول نہیں تو یقینی اعتبار سے کیسے قبول کی جائے۔ خصوصاً ثبوت الزام کی بابت۔ رہا اس میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ تو وہ سراسر غلط ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ تو خود عینی شاہد ہیں کہ کلمہ طیبہ حضرت ابو طالب علیہ السلام نے پڑھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں اس بات پر شک گزرا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کر دیا ہو کہ انہیں آپ کی رحمت سے کیا حصہ ملا ہے۔ گویا یہ ثابت ہوا کہ یہ حدیث بنو امیہ کی وضع کردہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اگر سوال کیا بھی ہے تو اس کی صورت یہ ہے جس کو صحیح حدیث میں بیان کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

"رُوِيَ عَنْ اِسْحَاقِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَرْثِ قَالَ قَالَ الْعَبَّاسُ لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم اَتَرْجُوْ لِاَبِيْ طَالِبٍ خَيْرًا قَالَ كُلَّ الْخَيْرِ اَرْجُوْ مِنْ رَبِّيْ" (طبقات ابن سعد)

ترجمہ: حضرت اسحاق بن عبد اللہ بن حرث سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کو حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت کسی بھلائی کی امید ہے؟ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دامن کو تمام بھلائیوں سے بھر دے گا۔

مقدمہ

ہمارے محترم ایک خاص اہل سوال اور اس کا جواب۔ لیکن چونکہ یہ جواب اموی ریزہ خواروں کو کب بھائے گا کیونکہ جو چیز ان کی وضعی فکر کے خلاف ہو اسے یہ لوگ قبول نہیں کرتے خواہ کتنی بڑی سچائی ہو۔ حیرت ہے یہی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ خود عینی شاہد ہیں واقعہ کے وقت کلمہ خود ابوطالب علیہ السلام سے سنا جو صحیح لذاتہ حدیث سے ثابت ہے اور پھر شک گذرا سوال کر دیا؟ یقیناً یہ اموی جھوٹا الزام ہے اس روایت کی بطور روایت کوئی حقیقت نہیں نہ یہ صحیح لذاتہ حدیث کا معارضہ کر سکتی ہے۔ تحقیق گزر چکی ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت جتنی بھی روایات ہیں خصوصاً ضحضاح والی روایت یعنی اس نفس محترم کے لیے جہنم کی بالائی سطح کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ انھوں نے بوقت وصال کلمہ نہیں پڑھا۔ اس اصول کے تحت انہیں جہنمی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پوری کائنات کے اہلِ علم کے پاس کوئی وجہ یا دلیل نہیں جس سے انھیں جہنمی بنایا جائے۔ جتنی روایات یا اشعار جن سے ان کے کفر کا استدلال کیا گیا ہے آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ وہ تمام روایات ایک ڈرامائی فراڈ ہیں اور وہ تمام روایات محض بیہودہ ہیں۔ نہ ان کا کوئی علمی مقام ہے نہ دینی نہ اخلاقی اور نہ ہی فنی۔ اب معلوم ہوا کہ جو روایت جہنمی ہونے کا باعث تھی وہ تو سراسر جھوٹی نکلی تو پھر حضرت ابوطالب علیہ السلام کو جہنمی کیوں کہا جاتا ہے۔ یعنی جو چیز وجہ ضحضاح تھی وہ تو رہی نہیں تو ضحضاح کس سزا کی بنیاد پر؟ اب طے یہ ہوا کہ جتنی بھی روایات حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت ضحضاح کے عنوان سے یا ان کے جہنمی ہونے کے عنوان سے موجود ہیں مثلاً ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت کہ ابوطالب علیہ السلام کو آگ کی جوتی پہنائی جائے گی جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے آگ کے جوتے پہنانے والی روایت اور ضحضاح والی روایت کی تمام تر روایات بے محل ہیں نا قابل قبول ہیں۔

نا قابل قبول اور رد ہونے کی صورتیں

پہلی صورت

یہ ہے کہ ظنی دلیل سے الزام ثابت نہیں ہوتا اور یہ تمام تر روایات اخبار احاد ہونے سے بھی گری ہوئی ہیں کیونکہ ان کی اسناد میں مطعون راوی ہیں۔

دوسری صورت

یہ ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام ان کا محل ہی نہیں اور بے محل کلام کرنا نبی کریم ﷺ سے ممکن ہی نہیں۔ اور نہ ہی ابوطالب پر

کائنات میں کفر وشرک کا الزام کوئی یقینی دلیل سے آج تک ثابت کر سکا ہے اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

تیسری صورت

یہ ہے کہ یہ روایات بداہت عقل کے بھی خلاف ہیں (اس کو عقل تسلیم ہی نہیں کرتی) کیونکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا روشن کردار ان کے اسلام کی واضح دلیل ہے۔ اور یہ تواتر سے ثابت ہے بنا بریں فقیر برملا کہہ رہا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن اور چمکدار ہے۔ نہ تو اس پر دلیل کی ضرورت ہے نہ ہی غور وفکر کی۔ اس پر دلیل مانگنا بدترین جہالت ہے اور دلیل دینا یقین کی کمزوری ہے۔ تاہم علمی دنیا میں دلیل وحجت سے ہی موقف کو پیش کیا جاتا ہے۔ ہم نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا کفر وشرک کا الزام نہایت ہی بیہودہ ہے اور جھوٹا ہے۔

چوتھی صورت

یہ ہے کہ اس باندھے گئے باب میں جتنی بھی روایات ہیں سب ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔

پانچویں صورت

یہ ہے کہ یہ روایات قرآنِ پاک کی قطعی آیات کے بھی خلاف ہیں۔ وہ آیات جو کفار ومشرکین کی مذمت میں نازل کی گئی ہیں اور ان سے تخفیفِ عذاب کی نفی کی گئی ہے جب کافر مشرک کے لیے طے شدہ قانون ہے کہ اس کے لیے تخفیف عذاب ممکن ہی نہیں تو پھر اہلِ علم پر حیرت ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ومشرک بھی کہتے ہیں اور پھر ان کے لیے تخفیف عذاب کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ یا تو انھیں کافر ومشرک نہ کہا جائے یا پھر ان کے لیے تخفیفِ عذاب کا عقیدہ چھوڑا جائے۔ یہ دوہرا معیار اہل علم کے لیے مناسب نہیں۔ تاہم یہ روایت معلول ہے اموی تعصب کی ساختہ برداختہ ہے قابلِ استدلال ہی نہیں اور نہ ہی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صحیح لذاتہ کا معارضہ کر سکتی ہے۔

ایک خاص بات

جب اہلِ علم اس معارضے سے گھبراتے ہیں تو ایک سہارا لیتے ہیں کہ جناب یہ تخفیفِ عذاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت کی بنا پر ہے۔ آیئے ہم آپ کی یہ بات ماننے کو بھی تیار ہیں مگر آپ کا وضع کردہ علم بتاتا ہے کہ نبوی خصوصیت بلا دلیل ثابت نہیں ہوتی۔ اب ایسا کریں کہ اس خصوصیت کی بھی یقینی دلیل لے آئیں ہم خاموش ہو جائیں گے۔ نہ تو دلیل دیتے ہو اور نہ ہی خصوصیت کی

رت چھوڑتے ہوئے یہ دوہرا معیار بھی آپ کے لیے موزوں نہیں۔

چھٹی صورت

حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت میں جناب ابوطالب علیہ السلام کے لیے آگ کی جوتی پہنانے کا ذکر ہے اور اس میں خاص بات یہ ہے کہ اس میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کا نام منصوص ہے اور حدیث نمبر ۱۲۵ میں حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں بھی نام کا ذکر تک نہیں۔ حدیث نمبر ۴۲۴ میں حضرت نعمان بن بشیر نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے ہلکا عذاب دوزخیوں کو قیامت کے دن ہی ہوگا یعنی سب سے کم تر عذاب والا شخص وہ ہوگا کہ جس کی پاؤں کی تلیوں کے نیچے دو چھوٹے چھوٹے انگارے رکھے جائیں گے جس سے اس کا دماغ کھولے گا۔ اب ان تینوں روایتوں میں خاص بات یہ ہے کہ یہاں کسی کا نام نہیں لیا گیا بلکہ کوئی ایک ہوگا جو دوزخی ہوگا۔

حدیث نمبر ۴۲۴ میں "رجل" کا لفظ نکرہ یہ دلالت کرتا ہے (یعنی کوئی شخص ہوگا کسی کا نام نہیں لیا گیا) اور حدیث نمبر ۴۲۵ میں اس تخفیف عذاب کی بابت جو کہا گیا ہے وہاں بھی لفظ مَن ہے جو مفیدِ عموم ہے یعنی کوئی شخص ہوگا۔ یہاں پر بھی کسی کا نام لے کر تعین نہیں کیا گیا ان تین روایات میں تعین نہیں جبکہ ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۴۲۳ میں نام کا تعین کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شعب ابی طالب علیہ السلام میں پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے بعد یعنی آٹھ ہجری کو اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کی اور کل بارہ یا تیرہ سال مکہ میں رہے اور اپنا بچپنا مکہ میں ہی گزارا۔ مدینہ طیبہ میں دو اڑھائی سال صحبتِ نبوی میسر رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ اتنی حساس بات کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی صرف ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ہی سرکار دوعالم نے بتائی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اتنا گہرا راز سرکار دوعالم ﷺ نے اکابر صحابہ سے تک چھپائے رکھا اور حضرت علی اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہما سے بھی چھپائے رکھا اور ایک کم سن بچے کو اتنی گہری اور بھاری بات بتائی۔ کیا یہ ان کی تربیت کا حصہ تھا۔ جو انہیں عطا کیا گیا؟ یا پھر اگر یہی کچھ علمی تحفہ عطاء کرنا تھا تو اس سن کے پس منظر میں ہونے والے واقعہ وفاتِ ابی طالب علیہ السلام بھی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی تشکیل روایت کے ساتھ انہیں بطور کہانی بیان کر دیتے تاکہ اس بچے کا دل بہلایا جا سکے۔ اور اس حقیقت کو اس کی تعلیم کا حصہ بنایا جا سکے۔ مگر ایسا کیوں نہیں ہوا ہے؟ صاحب صحیح مسلم نے اس روایت کو ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے متفرداً بیان کیا ہے جو غرابت روایت کا باعث ہے۔ یہ اشکالات ہیں اہل علم علمی طریقہ سے اس کا جواب دیں۔ اور اس میں بطور دلیل یہ بیان کریں کہ

رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ اتنی چھوٹی عمر کے بچوں کو بھی اتنی گہری مہیب بات بطور تربیت فرمایا کرتے تھے۔ میرے ان
تمام سوالات کا اہل علم پر جواب قرض ہے۔ تاہم اس حدیث کے دو راوی مجروح ہیں۔ حماد بن سلمہ تو ابی و اباک فی النار والی
روایت میں مجروح قرار پائے ہیں یہاں بھی مجروح ہیں۔

نوٹ:۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کلمہ پڑھنے والی روایت میں خود دوسرے راوی ہیں ان کا سماع اپنے باپ حضرت
عباس بن عبدالمطلب سے ثابت ہے۔ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب خود عینی شاہد ہیں کہ حضرت ابو طالب نے کلمہ پڑھا
ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ حضرت ابوطالب کے ایمان کے حامی ہیں نہ کہ منکر۔ تو پھر ضحضاح کا قول ان کی طرف منسوب کرنا
نہایت قبیح ہے۔ مذکورہ حدیث سیرت ابن اسحاق میں موجود ہے اور اس سند کے ساتھ ہے۔ عن عباس بن عبداللہ بن معبد بن
عباس بن عبدالمطلب عن بعض اہلہ عن ابن عباس۔۔۔ الخ۔ اب اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابراہیم بن عبداللہ بن معبد،
عبداللہ بن معبد، عبداللہ بن عباس عن بعض اہلہ کا واضح مصداق ہیں۔ ویسے بھی عن بعض اہلہ کے مصداق دار الفقہاء کے فقیہ
ہیں ان میں کوئی بھی راوی مطعون نہیں۔ یہ سب اس سند میں شامل ہیں بنابریں یہ روایت صحیح لذاتہ کا درجہ رکھتی ہے تاہم عن
بعض اہلہ کا جملہ کہیں بھی نقص روایت کا باعث نہیں رہا۔ یہ مستقل راوی کا سلسلۂ روایت ہے کہیں قابل اعتراض نہیں رہا۔

حدیثِ پنجم

ساتویں صورت مذکورہ باب کی آخری روایت حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جس کا متن یہ ہے
"وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ
يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۱۰)

ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب علیہ السلام کا
تذکرہ ہوا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا۔ اس کو دوزخ کے سب سے بالائی طبقہ میں رکھا
جائے گا جہاں آگ صرف اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی۔ جس کی شدت سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

یہ حدیث سنداً مردود ہے۔ حدیث نمبر ۴۲۱۔ خلاصہ اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں۔
(۱) لیث بن سعد، یحییٰ بن معین کہتے ہیں
"كان يتساهل في الشيوخ والسماع" یہ سماع حدیث میں تساہل پسند تھے۔

(۲) ابن الهاد "قال ابو حاتم لیس بقوی" امام ابوحاتم نے کہا کہ ابن الہاد قوی راوی نہیں (میزان الاعتدال ذہبی)

اس باب میں یہ سب سے بھاری حدیث سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس حدیث کے مندرجات پر غور کریں تو اس سے بھاری حدیث اس باب کی حدیث نمبر ۴۲۴ جس میں حضرت نعمان بن بشیر خطبہ دیتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں "سمعت رسول اللہ ﷺ" کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ سے۔ یہاں سماعت کی نصاً وضاحت ہے جبکہ دیگر روایات میں ایسا نہیں ہے۔ ترجیحاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس روایت میں سماعت واضح تر ہو گی وہ روایت دوسری روایات پر فوقیت رکھے گی۔ اس اعتبار سے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی روایت واضح تر ہے اور اس میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ذکر تک نہیں ہے بلکہ کوئی عام شخص ہے جس کی بات یہ فرمایا گیا ہے تاہم ان روایات کی فنی بحث پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے گی وہاں پورے علمی کوائف ملیں گے۔

بہر حال ایک سادہ وضاحت حاضر خدمت ہے۔

وضاحت

(۱) اس باب میں آنے والی والی تمام روایات اخبار احاد کا بھی درجہ نہیں رکھتیں بلکہ طعن راوی کی وجہ سے مردود قرار پائی۔ یہ کسی بھی طرح مفید یقین نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی بطور دلیل کفر ابی طالب علیہ السلام میں مؤثر یقینی ہو سکتی ہیں۔

نوٹ: یہ تمام روایات اپنی اسناد کے اعتبار سے انتہائی ضعیف ہیں۔

(۲) جب وجہ ضحضاح ختم ہو چکی ہے تو ضحضاح کی روایات بے محل ٹھہریں۔ اور بے محل کلام نبی ﷺ نہیں فرماتے۔ قرآن کی قطعیت کے بھی خلاف ہیں بیان گزر چکا ہے۔

(۳) حضرت ابوسعید خدری کی روایت جس کے تین راوی مجروح ہیں متکلم فیہ ہیں یہ روایت جناب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صحیح ترین صحیح لہذا یہ روایت کا معارضہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔

یہ تمام تر روایات ایک مضبوط تر تواتر کے خلاف ہیں لہذا قابل قبول ہی نہیں۔ وہ تواتر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نصرت، حفاظت نبوی، خدمت کا تواتر ہے۔ اس تواتر کو تمام دوست دشمن مانتے ہیں کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ رہا یہ سوال کہ یہ سب کچھ بغیر کلمہ کے تھا؟ ایسا ہر گز نہیں۔ انتخاب الٰہی اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا دل نور ایمان سے معمور تھا۔ نور رسالت کی نور بیزیوں سے مسرور تھا۔ تبھی تو زندگی بھر اس لذت بیدار کے لیے عمر بھر مشقتیں جھیلیں ورنہ کون جیے گا تیری زلف کے سر ہونے تک۔

دلیل

دلیل یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کے معجزات چیلنج ہوئے حتی کہ نبی اکرم ﷺ کے معجزات بھی چیلنج کیے گئے۔ اور ان کو جادو کہا گیا وغیرہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب اب وہ معجزہ پیش کرو جس کو قیامت تک چیلنج نہ کیا جا سکے۔ عرض کی مولا وہ کونسا معجزہ ہے فرمایا ان سے کہو۔ "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" تحقیق میں نے اپنی زندگی کے چالیس سال روشن کردار کی عظمت میں تم میں گزارے ہیں آؤ اسے کسی بنیاد پر چیلنج کر کے دکھاؤ۔

قارئین محترم! یہ نبوی معجزہ ایسا ہے کہ آج تک اس کو نہ کوئی چیلنج کر سکا ہے نہ کر سکتا ہے۔ نہ ہی قیامت تک کر سکے گا۔ گویا کردار وہ دلیل ہے جسے چیلنج کیا جا سکتا ہی نہیں۔ یہ عظمت کردار ہی نبی کریم ﷺ کی نبوت کی موثر دلیل ٹھہرا۔ کفار مکہ نے ہر دلیل کو ٹھکرایا ہے مگر اس کو نہ ٹھکرا سکے کیونکہ یہ لاجواب دلیل ہے بے مثال دلیل ہے۔ گویا قرآن پاک نے طے کر دیا کہ عظمت کردار ہی سچائی کی روشن دلیل ہے۔

اب اس آیت کی روشنی میں ذرا کردار ابوطالب علیہ السلام کو بھی دیکھا جائے کہ اس وقت تک جتنا قرآن پاک نازل ہو چکا تھا وہ سارے قرآن کے عملی شاہکار تھے یعنی اس وقت قرآنی آیات توحید و رسالت اور شرک سے نفرت، نصرت نبوت اور اطاعت و خدمت نبوت پر مشتمل تھیں اور ساتھ ساتھ یقین آخرت کی بھی دعوت تھی اس سب کچھ کا نقش اول پیکر اول حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی تھے۔ ان کے اس عظیم کردار پر ہی اللہ تعالیٰ نے اعتماد فرمایا اور رسول خدا نے بھی اعتماد فرمایا۔ یہ عظیم اعتماد ہے جو تواتر کے ساتھ ثابت اور مضبوط تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ یہی اعتماد سورج سے بھی زیادہ روشن تر دلیل ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کی اسلام کی ایقان کی عرفان کی۔ اس تواتر کے مدمقابل اخبار احاد بلکہ مردود روایات کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اگر اس تواتر کی علمی، اخلاقی، روحانی، حبی اور عشقی دلیل درکار ہو تو آپ دیوان ابی طالب علیہ السلام کا مطالعہ کریں۔ جس کا ہر شعر قرآن کی کسی نہ کسی آیت کی تفسیر ہے۔ اس عظیم اعتماد کو اللہ تعالیٰ کی ذات نے اپنے پاک کلام پاک قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا: "أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ" اے حبیب ہم نے آپ کو یتیم پایا پس آپ کو مضبوط ٹھکانا دیا۔ آغوش ابوطالب علیہ السلام کی صورت میں۔

تمام مفسرین نے یہاں "آویٰ" سے مراد حضرت ابوطالب علیہ السلام لیا ہے اور یہی زمینی حقائق بھی ہیں۔ تو کیا اتنا عظیم اور سورج سے روشن تر کردار ہے جس کی قرآن کریم نے بہت سارے مقامات پر پذیرائی فرمائی ہے جس کی تفصیلات کے لیے الگ سے ایک عنوان قائم کیا جائے گا اور آیات بینات کو پیش کیا جائے گا۔ وہاں دل بھر کر تسلی فرمائیں۔ سردست ہم آپ سے گزارش

کرتے ہیں کہ اتنے بڑے تواتر کے ساتھ اخبار احاد بلکہ مردود روایات کا موازنہ بنتا ہی نہیں۔ یہ وہ تواتر ہے جس کی نبوی زبان نے کئی بار تصدیق فرمائی۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وصال کے بعد جب کفارِ مکہ نے آپ کے سر مبارک پر مٹی ڈالی تو آپ ﷺ غمزدہ ہوئے گھر تشریف لائے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رونے لگیں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا جب تک میرے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام زندہ رہے تب تک کفار مکہ جرأت نہ کر سکے کہ مجھے ستائیں اب جب وہ فوت ہو گئے ہیں تو مجھے ستانا شروع کر دیا۔ پھر آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے۔ قحط سالی کی شکایت کی گئی بارش کی دعا کی استدعاء کی گئی آپ نے دعا فرمائی فوراً بارش ہوئی۔ اس پر آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ کوئی ہے جو میرے عم کریم جناب ابوطالب علیہ السلام کی یادوں سے سرشار کرے ان کے اشعار مجھے سنائے۔ زندگی بھر ان یادوں سے آقا مسرور رہوں اور اس تواتر کا اعتراف فرمائیں۔ پذیرائی فرمائیں۔ بولیے جناب وہ ظنی الاصل اخبار احاد مردود روایات اس یقینی تصدیق شدہ تواتر کا کیسے مقابلہ اور معارضہ کر سکیں تاہم اگر کوئی اتنی بڑی حقیقت کو بھی قبول نہیں کرتا اور ابوسعید خدری والی روایت پر بضد ہے کہ وہ مرفوع ہے تو آیئے ہم اس کا معارضہ اسی روایت سے کرتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری والی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے حضور جناب ابوطالب علیہ السلام کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہو سکتا ہے میری شفاعت انھیں پہنچے۔ قیامت کے دن اور اسے ضحضاح میں لایا جائے گا یعنی والی بات پر جبکہ اسی باب کی حدیث نمبر ۴۱۸، ۴۱۹ میں قیامت کا ذکر نہیں۔ یہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ حدیث نمبر ۴۲۲ ابوسعید خدری ہی کی روایت ہے اس میں جوتیوں کا ذکر ہے مگر قیامت کا ذکر تک نہیں نہ ہی ابوطالب علیہ السلام کا صاف ذکر ہے۔

اب میرا یہاں سوال ہے کہ مضمون ایک ہے مگر ان روایات میں الفاظ کی یکسانیت نہیں؟ حضرت ابوسعید خدری کی عمر مبارک تیرہ سال تھی جب رحمت دو عالم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے۔ ان کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ یعنی ابوطالب علیہ السلام قیامت کے دن ضحضاح میں ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ سوال کرنے والے کون تھے؟ اہل مکہ تھے یا اہل مدینہ؟ اگر اہل مکہ تھے تو اُن کو پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ حالانکہ مکی حالات کا سارا معاملہ ان کے سامنے تھا۔ اگر اہل مدینہ تھے تو ان کو اس معاملے سے کیا لینا دینا تھا؟ ان کا کون سا دینی مقصد اس سے وابستہ تھا؟ کہ انھوں نے تکلف کر کے یہ سب پوچھا۔ چلو اگر کسی نے بھی پوچھ ہی لیا کہ جی ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں آقا آپ کیا کہتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ضحضاح میں ہوں گے قیامت کے دن لیکن حیرت ہے اہل مدینہ کو یہ ضحضاح نہیں بتائی؟ آخر کیوں حالانکہ اہل مدینہ اس وقوعہ کے وقت مکہ میں تو تھے ہی نہیں تو سوال ابھر سکتا ہے کہ وہ کس وجہ سے ضحضاح میں ہیں؟ ان کا جرم کیا ہے؟ مگر ایسا کچھ بھی نہیں؟ یہ سارے معاملات اصل راوی کے ذاتی ہیں مگر ان پر کہیں بھی ان

کا غور و خوض نہیں ملتا۔ یہ جرمِ نبوت پر سنگین ترین الزام ہے۔ اس کی چھان بین بڑی ہی ضروری تھی۔ یہ روایت تخفیف عذاب بل
جاتی ہے جبکہ قرآن کریم کی بہت ساری آیات نے واضح فرمایا کافر کوئی بھی ہو اس کے لیے تخفیف عذاب نہیں۔ قرآن کا قاعدہ
ہے۔ قرآن کی قطعیت کا معارضہ مردود ظنی الاصل دلیل سے کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ روایت ویسے بھی محل نظر ہے کیونکہ ایک عظیم
تواتر کے خلاف ہے۔ جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت جو کہ
صحیح مسلم میں اسی باب میں ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی یہ سزا ان کو نصرت و خدمت
نبوت پر ملے گی۔ رہی کلمہ والی روایت وہ تو جھوٹ نکلی غیر ثابت ہے۔ اب حضرت ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
گزارش ہے کہ جناب آپ نے اپنے جد کریم حضرت ابوطالب علیہ السلام کو آگ کی جوتیاں پہنائی ہیں آخر ان کا قصور کیا ہے؟

(۱) اگر ان کا قصور کلمہ نہ پڑھنا تھا جیسا کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے تو اس کے برخلاف آپ کے
والد گرامی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی عینی شہادت ہے کہ کلمہ پڑھا گیا کم از کم آپ اپنے والد گرامی سے ہی
پوچھ لیتے۔ یہ معاملہ بھی آپ کا گھریلو تھا معاملے کی تحقیق کرنی ایک فقیہ کی ذمہ داری ہے اور آپ تو افقہ الناس ہیں۔ اور آپ
اس روایت میں براہِ راست شامل ہیں کہ کلمہ پڑھا گیا۔

(۲) حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ "اَتَرْجُوْ لِاَبِیْ طَالِبٍ خَیْرًا قَالَ
كُلَّ الْخَيْرِ اَرْجُوْ مِنْ رَّبِّيْ " آقا کیا آپ کسی خیر کی امید رکھتے ہیں جناب ابی طالب علیہ السلام کے حق میں (طبقات ابن
سعد) فرمایا ہاں میں اپنے رب سے جناب ابوطالب علیہ السلام کے حق میں تمام بھلائیوں کی امید رکھتا ہوں۔
بولیے جناب آگ کی جوتیاں پہنانا کون سی بھلائی ہے؟ جبکہ حدیث کے مطابق ہر بھلائی جناب بوطالب علیہ السلام کے
دامن میں بھر دی گئی ہے۔ یہ حدیث بھی آپ کے والد گرامی نے بیان فرمائی ہے کیا آپ نے اس بارے میں اپنے والد
گرامی سے مشورہ فرمایا تھا؟

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے
"قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ شَفَعْتُ لِاَبِيْ وَ اُمِّيْ وَ عَمِّيْ اَبِيْ طَالِبٍ وَ اَخٍ كَانَ لِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ" رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا جونہی قیامت قائم ہوگی میں اپنی شفاعت کا آغاز ہی اپنے پیارے والدین کریمین طیبین سے کروں گا اور
اپنے محبوب چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام سے کروں گا اور اپنے دودھ شریک بھائی سے کروں گا۔
ہاں جناب یہاں تو یہ شان ہے ان نفوسِ قدسیہ کی بتائیے آگ کی جوتیاں کہاں تیار ہو رہی ہیں؟
حضرت ابن عمر آپ سے عمر میں بھی بڑے ہیں اور فقیہ صحابی بھی ہیں۔

(۴) معارضاً اہم عرض کرتے ہیں مذکورہ دلائل کے ساتھ ساتھ آپ کی روایت قرآن کریم کی قطعی آیات کے سراسر خلاف ہے۔ "لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ" کہ کفار سے کسی بھی حالت میں عذاب کی تخفیف نہیں ہو سکتی جبکہ آپ کی روایت میں تخفیف کا مضمون ہے۔ یہ خبر مردود ہے کیونکہ اس کے دو راوی مطعون ہیں۔ قرآن کی قطعی آیت کا معارضہ کرنے کی اہل ہی نہیں۔ حماد بن سلمہ ابی و اباک فی النار والی روایت میں بھی مجروح مانا گیا ہے یہاں بھی مجروح ہے۔

(۵) آپ کی یہ روایت آپ کے جد کریم جناب ابوطالب علیہ السلام کی عظیم خدمات کے تواتر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ کوئی خبر مردود کسی تواتر کا معارضہ نہیں کر سکتی۔

(۶)۔۔ اسی باب میں مزید دو روایتیں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہیں اُنھوں نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ذکر تک نہیں کیا۔ کسی عام آدمی کا ذکر ہے۔ ایک روایت "رَجُلٌ" نکرہ ہے اور دوسری روایت میں مَن جو مفید عموم ہے کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں انگاروں کا ذکر ہے دوسری روایت میں آگ کی جوتیوں تسموں کا ذکر ہے۔

(۷) آپ خود کلمہ طیبہ والی حدیث کے راوی ہیں کہ جناب ابوطالب علیہ السلام نے پڑھا ہے۔ اب ہم آپ کی اس روایت کا جو صحیح ہے اس روایت سے معارضہ کرتے ہیں جس کے دو راوی متکلم فیہ ہیں وجہ ترجیح ظاہر ہے۔

سوال یہ ہے کہ

مذکورہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایات جن میں کسی عام آدمی کا ذکر ہے کہ اسے سب سے کم تر عذاب دیا جائے گا پاؤں کے نیچے دو انگارے رکھ کر دوسری روایت کے مطابق جوتے پہنا کر تسمے پہنا کر۔ بہرحال صورت کوئی بھی ہو یہ بتایا جائے کہ ان کو یہ سزا کس نوعیت کے جرم میں ملے گی؟ یہ جناب ابوطالب علیہ السلام کے جرم کے مطابق ہوگی کہ انھوں نے کلمہ نہیں پڑھا (جو کہ سراسر جھوٹ ہے) یا اس کی سزا الگ طور پر ہونی چاہیے۔ کیونکہ آگ کی جوتیوں کی سزا تو ابوطالب علیہ السلام کے لیے خاص ہے نہ کہ کسی اور کے لیے کیونکہ ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آگ کی جوتیوں کی سزا صرف ابوطالب علیہ السلام کے لیے خاص ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ سزا میں مناسبت جرم میں مناسبت کی بنیاد پر ہو ورنہ نظام عدالت الٰہی ایک غیر متوازن نظام قرار پائے گا۔ جو کہ محال ہے پھر اگر اس آدمی کی سزا اس کے کسی الگ سے جرم کی پاداش میں ہے تو جناب ابوطالب علیہ السلام کی سزا کے عین مطابق سزا کا تعین کیوں کیا گیا۔ جب جرم الگ ہے تو سزا بھی الگ ہونی چاہیے۔
حیرت ہے صحیح مسلم میں باب ابوطالب علیہ السلام کی بابت باندھا گیا مگر اس سزا میں اور کو بھی شامل کر لیا جائے اور بلا دلیل کر لیا جائے یہ دونوں روایتیں یہی بتاتی ہیں جو کوئی ابوطالب علیہ السلام کی طرح کلمہ نہ پڑھے اس کی یہی سزا ہے اسے آگ کے

جوتے پہنائے جائیں۔ ضحضاح (پتلی آگ) میں کھڑا کیا جائے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں محدثین کی ذمہ داری ہے کہ ابواب حدیث کی باب بندی میں احتیاط برتیں کم از کم باب حدیث کے مناسب حال ہو۔

صحیح مسلم و بخاری پر ایک سوال

قارئین محترم! مسکین ان ہر دو کتب کے مرتبین پر سوال عرض کرتا ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کی بابت انھوں نے مستقل باہتمام باب باندھے ہیں لگتا ہے ان کے نزدیک کفر ابی طالب علیہ السلام کوئی انتہائی اعلیٰ درجے کا کفر تھا اور تمام کفار مکہ کے کفر سے سنگین ترین کفر تھا اس لیے محدثین نے پورے اہتمام کے ساتھ باب باندھ کر اپنی کتابوں کا حسن بنایا حتیٰ کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے تو اپنی صحیح بخاری میں پورے التزام کے ساتھ متعدد مرتبہ اسے بیان فرمایا جبکہ دوسری طرف ذہن قوم کے کافر موجود ہیں مگر ان کے لیے کوئی تکلف نہیں فرمایا۔ کوئی مستقل باب نہیں باندھا۔ نجانے کیوں؟

(۲) مسلم و بخاری میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کو مشترک بیان کیا ہے۔ بخاری میں تو مستقل باب یوں باندھا ہے "اِذَا قَالَ الْمُشْرِكُ" یعنی جب موت کے وقت مشرک کلمہ پڑھے تو اس کا حکم کیا ہے؟ اس باب کا پہلا ہدف انھوں نے جناب ابوطالب علیہ السلام کو بنایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان محدثین کے نزدیک جناب ابوطالب علیہ السلام مشرک تھے؟ اگر مشرک تھے تو ان کے شرک کو ثابت کرنے کے لیے دلیل ضروری تھی وہ بھی قطعی، یقینی اور ٹھوس مگر ایک بھی دلیل ان حضرات نے نہیں دی۔ جس پر یقینی اعتماد کیا جائے۔ تو پھر ان کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ ابوطالب علیہ السلام کو مشرک کہیں۔ قائم کردہ باب کے ذیل میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت جو غیر متصل جڑ گئی تھی اسے پیش کیا ساتھ ہی آیتیں بھی جڑ دیں۔ امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف وہ احادیث لائے ہیں جو مجمع علیہا ہیں یعنی جن کی صحت پر اجماع ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس روایت کی صحت پر کتنے صحابہ کرام تابعین کا اجماع ہے؟ یہ روایت تو اپنی ذات میں بھی غیر صحیح اور مردود ہے۔ کم از کم اس کی سند ہی کا اتصال بیان کر دیتے؟

خود امام بخاری نے اپنی شرائط سے ہٹ کر اس روایت کو نقل کیا؟ مگر اس کی صحت کو ثابت نہ کر سکے؟ بخاری کے شارحین نے کھینچ تان کر اس کو مرسل ثابت کیا ہے جبکہ فقیر اس کو مرسل بھی نہیں مانتا۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ بلکہ یہ روایت ایک مصنوعی ڈرامے کا خیالی سکرپٹ ہے۔

تاہم یہ حدیث چونکہ اس بخاری کے ذریعے پھیلی ہے یا تو امام بخاری اس کی متصل سند بیان کریں درمیان کا راوی تلاش کریں یا کفر ابی طالب علیہ السلام پر قطعی دلائل پیش فرمائیں۔ یہ امام بخاری کی ذمہ داری ہے اور ان کے شیوخ کی ذمہ داری؟

اگر ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکیں گے تو پھر اس روایت سے رجوع فرمائیں اور توبہ کریں۔ حرم نبوت پر الزام لگانے کے حوالے سے ظاہر ہے یہ ذمہ داری اسحاق بن راہویہ پر ڈالیں گے وہ معمر بن راشد پر وہ زہری پر وہ سعید بن مسیب پر اور سعید اپنے باپ مسیب پر مگر مسیب آگے نہیں جا سکتے کیونکہ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

(۲) صحیح مسلم میں تین باب قائم ہیں تینوں کا نشانہ حرم نبوت ہے۔ اور یہ تینوں ابواب کتاب الایمان میں ہیں اور کتاب الجنائز میں بغیر باب کے آخر سے کچھ پہلے حدیث ۲۱۵۴، ۲۱۵۵ میں آقا ﷺ کی والدہ کریمہ کی بابت عدم استغفار پر تفصیلی روایت موجود ہے۔

یہ تینوں ابواب ایک دوسرے کے مضمون کو من و عن قبول نہیں کرتے دیکھیے پہلے باب میں جناب ابوطالب علیہ السلام کے خلاف یوں بیان ہے۔

باب نمبر ۸۔ ترجمہ: موت کے وقت ایمان کی صحت کا باب غرغرہ اور سانسوں کا اکھڑنا سے پہلے ایمان قبول ہے۔ نسخ استغفار مشرکین کے لیے، مشرک پر مرنے والا جہنمی ہے۔ اس باب میں تین امور کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) غرغرہ کے وقت ایمان لانا معتبر ہے صحیح ہے۔

(۲) مشرکین کے لیے استغفار کرنا منسوخ ہے۔

(۳) شرک پر مرنے والا مطلقاً جہنمی ہے یہ باب اس پر دلیل ہے۔

ان تینوں حالتوں کو صرف حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت سے ثابت کیا ہے حالانکہ ان تینوں حالتوں کا تعلق جناب ابوطالب علیہ السلام سے کسی بھی اعتبار سے نہیں۔ نہ تو آپ مشرک تھے اور نہ ہی آپ جہنمی ہیں نہ غرغرہ کے وقت اںکے ایمان کا تعلق ہے بلکہ ان کا ایمان سورج سے بھی زیادہ روشن ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔ اور یہ تواتر آج تک موجود ہے۔ اس کا انکار کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

امام مسلم کے ذمہ علم میں ہے کہ پہلے سید بطحا، حضرت ابوطالب کو مشرک ثابت کریں کسی یقینی دلیل سے بعد ازاں جہنمی ثابت کریں پھر ان کا کفر ثابت کریں کہ یہ غرغرہ کے وقت تک کافر ہے۔ کچھ بھی نہیں ثابت ہوگا امام صاحب سے کیونکہ یہ وقوعہ ہر اعتبار علم سے مردود ہے جھوٹا ہے خود ساختہ ہے۔ (فریدی)

مکی نبوی دور میں نصرتِ رسول اور حمایت رسول، محبتِ رسول اور عظمتِ رسول ﷺ کے یقین پر ہی اسلام مشتمل تھا توحیدِ باری تعالیٰ کے بعد یہی حقیقتیں کامل اسلام تھیں۔ قرآن مجید کی آیات اس وقت انہی عظمتوں کی ترغیب دیتی ہیں۔ اور اسی عنوان پر مشتمل ہیں اور یہ عظمتیں افضل البشر بعد الانبیاء، سید بطحا، محسن اُمت حضرت ابوطالب میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

ان کی خدمات دینی نصرت رسول حمایت اسلام اس کے علاوہ اور اسلام کیا ہے یہ تسلسل 50 سال تک کا ہے کوئی مائی کا لعل جو اسے
چیلنج کر سکے؟ ہے کوئی نصیب کا دھنی جس کے پاس اتنی نبوی صحبتیں ہوں خدمتیں ہوں نصرتیں ہوں؟ اپنے سمیت چار نسلوں کی
قربانیاں ہوں؟ پوری کائنات میں ان کے تقدس کو ترازو کرنے کے لیے کوئی میزان ہی نہیں۔ انہیں حضرت مسیب ابن حزن رضی
اللہ عنہ کی واہی جزئی روایت کی آڑ میں مشرک کہا جا سکتا ہے نہ جہنمی کہا جا سکتا ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس بابت
استغفار کو منسوخ کیا گیا حالانکہ نسخ وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی فعل پہلے سے شرعاً جاری وساری ہو بعد ازاں بیان مدت کی بنا پر
اسے منسوخ کیا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نکلا کہ صاحب مسلم کے نزدیک یا صحیح مسلم کے مرتب کے نزدیک مشرکین کے لیے خصوصاً ابوطالب علیہ السلام
کے لیے استغفار شرعاً جاری تھی۔ ازاں بعد اسے بیان مدت کی بناء پر منسوخ کر دیا گیا۔ رہا حضرت ابوطالب علیہ السلام پر شرک
کا الزام جس بنا پر ان کے جہنمی ہونے کا قول کیا گیا ہے جناب من! میں کئی مرتبہ وضاحت کر چکا ہوں کہ جناب ابوطالب علیہ
السلام پر لگایا گیا کفر و شرک کا الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے بلکہ حق یہ ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام عقیدہ توحید کے عظیم
ترجمان ہیں۔ بت پرستی سے شدید نفرت کرتے تھے اور بت پرستوں کو خوب مذمت میں کوسا ہے۔ رسول دو عالم ﷺ کا پیار تو
اساس دین متین ہے اسے بیان کرنے کے لیے تو کائنات میں لفظ ہی نہیں جو یہ بیان کر پائیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا
پیار رسول اللہ ﷺ سے کتنا تھا کس قدر شدید تھا کتنے حجم کا تھا؟

مجھے مزید حیرت اس بات پر ہوئی کہ ایک طرف ایک مستقل باب قائم کر کے کہا گیا کہ ان کی مغفرت کے لیے دعائے
مغفرت پر قرآن نے پابندی لگا دی ہے دوسری طرف اسی صحیح مسلم میں مزید ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان ہے
ابوطالب علیہ السلام کی شفاعت کا بیان۔ اور اس شفاعت کو موثر بھی مانا گیا۔ دیکھیے صحیح مسلم باب نمبر ۷۷ اور اسی میں ان
کے لیے تخفیف عذاب کا بھی رعایتی اظہار کیا گیا ہے اور اس میں ضحضاح (پتلی آگ) اور آگ کی جوتیاں ان کے لیے
بطور رعایت بیان کیا گیا۔ استغفر اللہ۔

جرم کیا ہے نصرت رسول، ماوی رسول، ملجائے رسول خدمت اہل اسلام اور خدمت بانی اسلام ﷺ۔ اگر یہی جرم ہے تو پھر اہل اسلام
کی جہنم سے نہ کوئی صحابی بچ سکتا ہے نہ تابعی نہ کوئی ولی۔ کیونکہ یہ عظمتیں حصہ بقدر جثہ کسی نہ کسی حوالے سے ہر ایک کو میسر ہوئی
ہیں۔ رہا حضرت ابوطالب علیہ السلام پر کلمہ نہ پڑھنے کا الزام تو وہ ثابت ہو چکا ہے کہ نرا فراڈ ہے۔

مزید ایک حیرت انگیز انکشاف اسی صحیح مسلم میں کتاب الایمان میں ایک باب قائم کیا گیا ہے باب نمبر ۷۶
"بَيَانُ أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَلَا تَنَالُهُ شَفَاعَةٌ وَلَا تَنْفَعُهُ قَرَابَةُ الْمُقَرَّبِينَ"

ترجمہ: جو شخص کفر پر مرا وہ دوزخ میں رہے گا اس کو مقربین کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی نہ اسے شفاعت کا فیض پہنچے گا۔

اس خصوصی باب کے تحت بطور حوالہ جو حدیث نمبر ۴۰۸ لا رہے ہیں اسے ذرا ملاحظہ فرمائیے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَيْنَ أَبِي؟ قَالَ "فِي النَّارِ"، «فَلَمَّا قَفَّى دَعَاهُ، فَقَالَ »إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حضور عظمت میں ایک شخص آیا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا آگ میں ہے جہنم میں ہے۔ راوی کہتے ہیں جب وہ شخص واپس لوٹا تو حضور ﷺ نے اسے پھر واپس اپنی پاس بلایا اور فرمایا بے شک میرا باپ اور تیرا باپ دونوں آگ میں ہیں جہنم میں ہیں۔

بعض اہل علم اپنا علمی شوق پورا کرنے کے لیے یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہاں باپ سے مراد چچا (ابوطالب) ہیں۔ یہ ان اہل علم کی خوش ذوقی ہے ورنہ اسلوب صحیح مسلم اسے نہیں مانتا کیونکہ باب ۸ میں ابوطالب علیہ السلام کو وضاحتاً فرمایا۔ باب ۷ میں شفاعت کی بابت بھی نصاً فرمایا اگر اس روایت میں ابوطالب علیہ السلام مراد ہوتے تو یقیناً ان کو نصاً بیان کیا جاتا اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی میں چچا باپ کے لیے بھی بولا جاتا ہے اگر یہاں چچا مراد لیا جائے تو پھر ایک اور حدیث کی تاویل کرنی پڑے گی جب ملیکہ کے بیٹوں نے آقا ﷺ سے اپنی والدہ کی بابت یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری ماں جہنم میں ہے۔ وہ جب پریشان لوٹے تو آپ نے انھیں فرمایا "امی مع امکما فی النار" میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ جہنم میں ہے۔ اب اس حدیث کی کیا تاویل کی جائے گی۔ اگر ماں کی بجائے چچی مراد لی جاتی ہے تو چچی مقابلۃً حضرت فاطمہ بنت اسد جنتی ہیں سلمہا اللہ تعالیٰ جنتی ہیں یہ وہ نفس رحمت ہے جس پر ایمان ناز کرتا ہے۔ اسی مسلم میں سنداً حدیث ہے کتاب الجنائز میں الغیر باب کے حدیث نمبر ۲۱۵۴، ۲۱۵۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأُمِّي فَلَمْ يَأْذَنْ لِي"

میں نے اپنی امی جان کے لیے دعائے مغفرت کی اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی دیگر روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورت توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳۔ نازل فرمائی کہ نبی کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرے۔ اگرچہ ان کے انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر جناب عبداللہ محل نار نہیں تو مائی آمنہ سلام اللہ علیہا کیسے محل نار ہو سکتی ہیں؟

اب اس روایت میں کونسی چچی مراد لی جائے گی؟ اس روایت میں بھی تو باپ کی طرح ماں کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر باپ کی جگہ چچا مراد ہو سکتا ہے تو ماں کی جگہ چچی کیوں مراد نہیں ہو سکتی؟ مگر ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔ یہ اہل علم کا دوہرا معیار ہے۔

قابل غور بات

قارئین محترم! حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ذمہ یہ جرم لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے مرتے وقت کلمہ نہیں پڑھا بنابریں وہ دعائے مغفرت سے محروم کر دیے گئے۔ مگر شفاعت ان کے حق میں خاص حد تک مانی گئی ہے۔

لیکن محسن عالمین مخدومِ کائنات ابو محمد حضرت عبداللہ علیہ السلام کا کیا قصور نکالا ہے اہل علم نے کہ ان کو تو حق شفاعت سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ اور محسنۂ عالمین مخدومۂ کائنات حضرت آمنہ علیہا السلام کا کیا قصور ہے کہ انہیں مغفرت کی دعا سے بھی اہل علم نے محروم رکھا ہوا ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کا صرف یہی قصور اور جرم ہے کہ یہ والدین مصطفیٰ ﷺ ہیں؟ اور جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام کا بھی قصور ہے کہ وہ عم مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اور 50 سالہ وفاؤں کی عظیم کائنات ہیں یا وہ حضرت علی کے باپ ہیں اس عظمت سے ان کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی قصور نہیں باقی سارے تراشے ہوئے بیہودہ جھوٹے الزامات ہیں۔ پوری تفصیلات فقیر کی کتاب حرمت والدین مصطفیٰ اور قرآن عظیم میں مشاہدہ فرمائیں۔

اب بولیے جناب! تاویل حدیث میں کوئی چچی تلاش کرنا اب ضروری ہو گیا ہے۔ کس چچی پر ہاتھ رکھو گے؟ وہی چچی تاویلاً مراد ہو سکتی ہے جس کا کفر و شرک یقینی ہے ورنہ یہ حدیث تاویل کے بغیر مادر نبوت پر مستقل مذموم حملہ ہے۔ ہاں ایک صورت یہ نکل سکتی ہے کہ چچی سے مراد ابولہب کی بیوی زیادہ موزوں ہے کیونکہ قرآنی نص کے مطابق اس کا کفر و شرک واضح ہے مگر یہ اخلاقی جرأت اہل علم کبھی بھی نہیں کریں گے کیونکہ اس صورت میں پھر چچا ابوطالب کی بجائے ابولہب ماننا پڑے گا کیونکہ اس کا کفر و شرک بھی قرآنی نص میں واضح جبکہ ابوطالب پر تو اسلام ناز کرتا ہے۔ اہل علم کا یہ دوہرا معیار سمجھ سے بالاتر ہے۔ قطعیات سے روگردانی اور واہمیات میں سرگردانی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

اب اہل علم اس مسئلے کا حل ضرور نکالیں اگرابی سے مراد چچا ابوطالب مراد لینا ہے تو اُمی سے فاطمہ بنت اسد بنتی ہیں مگر یہ خلاف اصل ہے کیونکہ یہ محسنۂ اسلام ہیں اگر اس روایت میں تاویل نہ کی تو یقیناً والدۂ مصطفیٰ ﷺ کافرہ اور مشرکہ ٹھہریں کیونکہ مذکورہ آیت و روایت کا مقتضا یہی ہے۔ اگرابی والی روایت میں تاویل ضروری ہے تو امی والی روایت میں تاویل اشد ضروری ہے۔ ورنہ رسول خدا کے باپ تاویلاً مومن قرار پائیں گے اور والدہ بغیر تاویل کے کافر و مشرک۔ اہل علم تاویل کی صورت میں یا تو کوئی چچی تلاش کریں یا جناب ابوطالب علیہ السلام کی جان چھوڑ دیں۔ ان پر کفر کا جھوٹا الزام نہ لگائیں۔ ہاں اگر ان روایات کی صورت میں کسی کے گلے کفر و شرک کا پھندہ ڈالنا اتنا ہی ضروری ہے تو ابولہب اور اس کی بیوی انتہائی موزوں ہیں کیونکہ ان کا کفر و شرک منصوص قرآن ہے اور چچا چچی بھی ہیں۔ مگر جرات اہل علم کبھی نہیں کریں گے کیونکہ ابولہب کی بیوی بنو اُمیہ سے ہے ابوسفیان کی

عقیدت ہی ہے اسی لیے آج تک سفیانی دین والوں نے اس منصوص کافرہ کا اس ضمن میں نام نہیں لیا اور نہ لے سکتے ہیں کیونکہ نظریہ ضرورت زد میں آجائے گا۔

نوٹ: قارئین محترم! میری اس ساری گفتگو کا مقصد کسی کی اہانت نہیں مگر حرم نبوت پر جھوٹے الزامات کا تعاقب میری ایمانی مجبوری ہے۔ میری گفتگو صرف ان روایات میں منحصر ہے جن کا استعمال ناجائز طور پر حرم نبوت کے خلاف کیا جاتا ہے۔ ورنہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم کردار کا نام ہے۔

آیئے نمونہ کے طور پر آپ کو صحیح بخاری کی ایک اچھوتی روایت کا مشاہدہ کراتے ہیں ایک مستقل باب کے تحت اس باب کا نام ہے "بَابُ نُزُوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ ابو عبد الله نسبۃ الدُّوْرِ اِلٰى عَقِيْلٍ تورث الدور تباع و تشرىٰ" (بخاری جلد اول صفحہ ۲۱۶، کتاب المناسک۔)

حدیث اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (حدیثِ دھم کا جواب)

حضرت ابوطالب علیہ السلام صحیح بخاری کی اچھوتی روایت کی زد میں

قارئین محترم! حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت ہی اپنی نوعیت کی ایک منفرد واہی روایت ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر صحیح بخاری کی ایک اچھوتی روایت ہے کفر ابی طالب علیہ السلام کی بابت جسے پڑھ کر شرم کا بھی شرم سے سر جھک جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حَدَّثَنَا أَصْبَغُ، قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَيْنَ تَنْزِلُ فِي دَارِكَ بِمَكَّةَ۔ فَقَالَ «وَهَلْ تَرَكَ عَقِيلٌ مِنْ رِبَاعٍ أَوْ دُورٍ»، وَكَانَ عَقِيلٌ وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ هُوَ وَطَالِبٌ، وَلَمْ يَرِثْهُ جَعْفَرٌ وَلاَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، شَيْئًا لأَنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ، وَكَانَ عَقِيلٌ وَطَالِبٌ كَافِرَيْنِ، فَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ لاَ يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ ص 148، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانُوا يَتَأَوَّلُونَ قَوْلَ اللهِ تَعَالَى {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ} الأنفال: 72 الآيَةَ"

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت وہ فرماتے ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ مکہ میں تشریف فرما ہوئے تو میں نے ان کی جہاں پناہ عالم آپ اپنے کس گھر میں قیام فرمائیں گے؟ فرمایا کیا عقیل نے ہمارے گھروں میں سے کچھ چھوڑا ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی مکان بچا ہے؟ جناب عقیل اور طالب دونوں وارث تھے ابوطالب علیہ السلام کے یہ دونوں اس وقت کافر تھے

جبکہ علی وجعفر اس وقت مسلمان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔ ابن شہاب نے کہا کہ اہل علم اللہ تعالیٰ کے اس قول کی یہی تاویل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ہجرت کی اپنی جان ومال کے ذریعے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی ایمان والوں کو۔ وہی ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اسی عنوان کی ایک اور روایت ہے صحیح بخاری میں۔ ایک دوسری سند کے ساتھ اس میں فتح مکہ کی تشریح ہے اور ایک اضافی جملہ ہے کوئی مومن کافر کا وارث نہیں ہوسکتا نہ ہی کافر مومن کا وارث ہوسکتا ہے۔ (بخاری جلد دوم صفحہ نمبر ۹۱۲ کتاب المغازی)

نوٹ:۔ ان ہر دو روایات سے اہل علم نے کفر ابی طالب علیہ السلام کا استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر حضرت ابو طالب علیہ السلام مسلمان ہوتے تو جناب رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں قیام ضرور فرماتے۔ حضور ﷺ کا ان کے گھر قیام نہ فرمانا ان کے کفر کی دلیل ہے۔ استغفر اللہ۔ مزید جس راوی نے اس روایت سے کفر ابی طالب ثابت کیا ہے اس کے پاس اس تحقیق کا ذریعہ کوئی تحقیقی ثبوت نہیں۔

یہ حدیث سنداً مردود اور متناً مضحکہ خیز ہے

قارئین محترم! اگر مسکین مذکورہ بالا استدلال کو کائناتی فراڈ کہے تو بھی کم ہے۔ اس حدیث پر علمی تبصرہ تو بعد میں کروں گا سردست عرض یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن سید عالم ﷺ کا ابوطالب علیہ السلام کے گھر قیام نہ فرمانا ان کے کفر کی دلیل ہے تو کبھی تو نبی ﷺ اپنے عظیم اتقاء کی وجہ سے وہاں نہیں ٹھہرے تو میرا سوال یہ ہے کہ فتح سے پہلے ہجرت سے پہلے پچاس سال کہاں رہے؟ کس کے پاس رہے؟ کس کے ساتھ رہے؟ اگر ابوطالب علیہ السلام کا کفر اتنا ہی سنگین تھا تو پچاس سال کفر کی آغوش میں کیوں آسودہ عظمت رہے۔؟ پچاس سال تک نبی کریم ﷺ کو کفر نظر نہ آیا جب وہ دنیا سے رحلت فرما گئے تب ان کا کفر نظر نہ آیا اسی گھر میں رہے۔ ہجرت کے بعد جب دوبارہ مکہ میں آپ ﷺ تشریف لائے تو ان کا کفر وشرک نظر آ گیا اور ان کا کفر محسوس ہونے لگا۔ عالم ماکان ومایکون کا علم رکھنے والے نبی ماں کے پیٹ میں رہ کر لوح محفوظ کی قلموں کی سرسراہٹ سننے والے نبی لوح محفوظ کی تحریروں کا مشاہدہ کرنے والے نبی ملک وملکوت میں کوئی شے نہ ہو جو ان پر عیاں نہ ہو۔ عقیدہ رکھنے والوں نے یہ کیسے مان لیا کہ کفر ابی طالب علیہ السلام نبی نہیں جانتے جو نبی پچاس سال تک یہ نہیں جان پائے کہ ابوطالب علیہ السلام کون ہیں؟ کافر ہیں یا مشرک؟ وہ عالم ماکان ومایکون کیسے ہوسکتے ہیں؟ انھیں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ

؎ سرِ عرش پر ہے تیری گزر   دلِ فرش پر ہے تیری نظر

حقیقت میں کوئی شے نہیں جو تجھ پر عیاں نہیں۔ میں مشورہ دوں گا کہ عالم ما کان و ما یکون کا نبی ﷺ کی بابت عقیدہ رکھنے والوں کو کہ یا اپنا عقیدہ بدل لو یا ماوئی رسول حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت تراشا ہوا نظریہ بدل لو کیونکہ یہ دونوں باتیں نقیضین ہیں نہ بیک وقت ایک وجود میں جمع ہو سکتی ہیں نہ مرتفع ہو سکتی ہیں۔ کاش اہل علم قرآن کریم کا مطالعہ فرماتے تو یقیناً یہ [illegible] خیال نہ تراشتے کہ ابوطالب علیہ السلام کافر و مشرک ہیں۔ آیئے قرآن حکیم کی خوشبو سے مستفیض ہوتے ہیں۔

اعلان نبوت سورۂ حجر نازل ہوئی یکبارگی کے ساتھ نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے واضح ارشاد فرمایا کہ اے محبوب پہلے آپ اسلام کی خفیہ تعلیم فرمارہے تھے۔ یہ اسلام قیامت تک ایک کائناتی دین ہے ضابطہ حیات ہے قرآن کی سرمدی آیتیں ہیں اس میں بے شمار طرز زندگی اور طرز بندگی ہے۔ لہٰذا اب اسے چھپ کر نہیں بلکہ کھلے عام بیان فرماؤ۔

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ" (حجر آیت: ۹۴)

واضح حق بیان فرماؤ یہی آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور ہاں جس بدبخت کے اندر شرک کی بدبو محسوس فرماؤ اس سے نفرت کرلو دور ہو جاؤ۔ یہ وحی الٰہی ہے حیرت ہے اللہ تعالیٰ آیت نازل فرما کر اپنے محبوب کو حکم دے رہا ہے کہ آپ مشرکین سے نفرت کریں مگر اللہ کے دین کا رسول، رسول ﷺ ہو کر ایک مشرک کے پہلو میں رہنا پسند کرتا ہے۔ تمام خلوتیں اسی کے نام کرتے ہیں تمام جلوتیں اسی کے نام کرتے ہیں یہ تعلق سانس اور روح سے بھی زیادہ گہرا نظر آتا ہے۔ بولیے جناب وحی کے بعد نبوی ذمہ داریاں کہاں گئیں وحی کا احترام کہاں ہے؟ کیا نبی وحی کی مخالفت کررہا ہے؟ یا وحی نبی کے حسب حال نہیں اُتری؟ نبی نزولِ وحی کے بعد وحی الٰہی کو اہمیت کیوں نہیں دے رہے؟ یا پہلی آیت میں ابوطالب علیہ السلام کے کفر و شرک کا استثناء کہیں بیان کر دیا گیا ہے؟ کہ اس شرک اور کافر کے ساتھ آپ اے حبیب ﷺ رہ سکتے ہیں۔

بولیے جناب یا پھر یہ معاملہ ہے کہ اس آیت نے مکفرین ابی طالب علیہ السلام کا گلہ دبا دیا ہے۔ صبح قیامت تک کوئی نہیں بولے گا کیونکہ بولنے کے لیے قرآن کریم کی آیت کا جواب قرآن کی آیت ہی ہو سکتی ہے جو تکفیر کرنے والوں کے پاس نہ تھی نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آخر حقیقت کیا ہے؟ آیئے ہم یہ بھی قرآن حکیم سے ہی پوچھ لیتے ہیں اے اللہ آپ کا حکم آ گیا کہ مشرکین سے بائیکاٹ کیا جائے۔ پروردگار ان سنگین حالات میں جب کفار مکہ آپ کے محبوب پر پھبتیاں کستے ہیں طنز کے تیر چلاتے ہیں آپ ﷺ کے لیے آپ کے پاس اس بیہودگی کو روکنے کے لیے انتظام کیا ہے؟ فرمایا اس آیت سے اگلی آیت پڑھو

"إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ" اے محبوب بے شک ہم ہی آپ کو کفایت کریں گے تمسخر اڑانے والوں کو ہم کافی ہیں۔ اے اللہ اس کی صورت کیا ہوگی؟ فرمایا "أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ" ہم نے آپ کو یتیم پایا پھر ہم نے آپ کو جائے پناہ دی ٹھکانا دیا۔ مضبوط حصار دیا آپ کے تقدس کے تحفظ کے لیے جناب ابوطالب علیہ السلام کو آپ کا ناصر بنایا۔ حامی بنایا۔ خدمتگار بنایا۔

غمگسار بنایا۔ ان کا عزم چٹانوں سے مضبوط ان کا یقین سمندر سے گہرا۔ ان کا آپ سے پیار سورج سے زیادہ روشن تر۔ ان کا تدبر کائناتی حکمت ان کا پہرہ حصارِ نور۔ سدِ سکندری ان کی فکر شعور کی معراج، ان کا حوصلہ آسمان سے وسیع، ان کا وقار آبروئے مکہ، ان کی شان سید بطحاء، ان کی وجاہت عربوں کا بھرم، ان کی حمیت بنو ہاشم کے وقار کا تحفظ۔ اے محبوب گھبراؤ نہیں ان کی للکار کفر کے کلیجے کو دہلا کے رکھ دے گی۔ ان کا جوش عالم کفر پر سکتہ طاری کر دے گا۔ ان کا رعب دشمنوں کو لرزہ براندام کر دے گا۔ یہ بابائے ملت اسلامیہ اکیلا ہی کافی ہے۔ بولیے اہل علم! آپ کے زعم باطل کے مطابق اگر ان کا دامن کفر و شرک سے نعوذ باللہ بھی آلودہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان پر کبھی بھی اعتماد نہ فرماتا۔ اپنا محبوب ان کے سپرد عظمت نہ کرتا اور دانائے کل غیوب ﷺ بھی بھی ان کی عزیمت کا یقین نہ کرتے۔ بلکہ حکم ربی کے مطابق فوراً ان سے الگ ہو جاتے نفرت کرتے بائیکاٹ کر دیتے۔

قارئین محترم! نزول آیت کے بعد نبی ﷺ تا حیات ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ جلوتوں اور خلوتوں میں قربتوں کی انتہا میں رہے۔ اور نبوی یقین نے یقیناً انھیں کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک یقین فرمایا تبھی تو ان پر اپنا نبوی اعتماد فرمایا۔ آج جو لوگ ان پر کفر و شرک کا بیہودہ الزام لگاتے ہیں وہ یقیناً نبوی یقین و اعتماد کا مذاق اڑاتے ہیں احترام نہیں کرتے۔ یاد رہے اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اندر رتی برابر بھی نعوذ باللہ کفر و شرک کا شائبہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنا محبوب ان کے سپرد نہ فرماتے۔ کیونکہ پس منظر میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے لیے پاکیزگیوں کے اہتمامات ایک روشن دلیل ہیں۔ اور قرآن کریم اس کا گواہ ہے متعدد گواہیاں قرآن دے چکا ہے۔ آپ ﷺ جس پشت میں رہے جس شکم میں رہے اللہ تعالیٰ نے انھیں فطری، اخلاقی، اعتقادی طہارتوں میں معراج بخشی۔ ان کے سروں پر شان مصطفائیت کا تاج سجایا پھر انھیں اپنا مقدس محبوب عطا فرمایا یہ ایک مسلم حقیقت ہے اور جناب ابوطالب علیہ السلام تو ان تمام مصطفاؤں کا بھی آخری اعتماد ہیں یہاں آلودگیوں کو کیسے راہ مل گئی؟ یہ وہ حرم ہے جہاں وسوسۂ کفر و شرک داخل کا خیال تک نہیں داخل ہو سکتا۔ یہ خدائی اعتماد ہے۔ اہل علم کا مخمصہ نہیں۔

اہل علم کا ایک ذہنی مخمصہ اور حقیقتِ حال

جب ہم رسول رحمت ﷺ کی جلوہ نمائی کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اُلوہی عظیم انتظامات فرمائے اپنے محبوب کی تشریف آوری کے حوالے سے خصوصاً "وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ" "محبوب ہم نے آپ کو بے شمار سجدوں کے تسلسل میں جلوہ نما فرمایا ہے۔ آپ ساجدین کی پشتوں سے تشریف لائے ساجدات کے رحموں سے تشریف لائے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اب ہم آپ کو کسی غیر معقول، غیر مہذب اور شرک سے آلودہ شخص کے سپرد کر دیں۔ اس پر اہل علم معارضاً فرماتے ہیں کہ جناب دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تو ایک کافر کے گھر پرورش پائی۔ فرعون کفر کا سرغنہ تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ

کے گھر پر پرورش پانا قدرت کی طرف سے فرعون کو ایک چیلنج کا جواب تھا۔ جب کاہنوں نے فرعون کو بتایا کہ تیرا السلام کا فرعون کو لٹنے والا ہے اور بنی اسرائیل کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا وہ تیرے خاتمے کا باعث بنے گا۔ اس نے انتقاماً کہا کہ ہم بچہ پیدا ہی نہیں ہونے دیں گے۔ ہزاروں بچے اس نے قتل کروا دیے۔ غضب الٰہی نے طے کیا کہ ہم تجھے برباد کرنے والا تیرے ہی گھر میں رکھیں گے سو ایسا ہوا رہا پرورش کا طعنہ تو اس کا جواب خود قرآنِ حکیم نے دیا ہے۔

"وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ" (شعراء: ۲۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تو مجھے پرورش کا طعنہ دے رہا ہے یہ غلط ہے میں نے تیرے مال میں سے کچھ نہیں کھایا میں نے بنی اسرائیل اپنی قوم کے سرمائے سے کھایا ہے جس کو تو نے صدیوں سے یرغمال بنا رکھا ہے اور ان کے خون پسینے کی کمائی پر ناجائز قبضہ جما رکھا ہے۔ ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ کسی کافر کے سرمائے پر نہیں پلے۔ رہا اس کے گھر رہنا تو یہ قدرت الٰہی کا انتقام تھا۔ بنا بریں حضرت ابو طالب علیہ السلام اور فرعون ملعون کے درمیان کسی بھی طرح کی کوئی مناسبت نہیں۔ ایک مختصر سا موازنہ پیش خدمت ہے۔ انتقام اور انتظام میں اہل علم فرق جانیں۔ انضمام اور انتقام میں فرق جانیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر انتقاماً رہے اور جناب سید بطحاء ابو طالب علیہ السلام انضماماً و اہتماماً رہے۔ فرق خود واضح ہے۔

(۱) فرعون نے کہا "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کہ لوگو میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں۔ جب کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام نے کہا کہ

"مَلِيكٌ لَيْسَ لَهُ شَرِيكٌ هُوَ الْوَهَّابُ وَالْمُبْدِئُ وَالْمُعِيدُ"

کہ میں تو اس رب کی عظمت کا یقین کرتا ہوں جس کا شریک ہی کوئی نہیں۔ وہی صاحب عطا ہے کائنات کے آغاز اور اختتام پر قادر ہے۔

(۲) فرعون نبی کا دشمن اور قاتل تھا جبکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام نبی کے محافظ ناصر، غمگسار اور دلدار تھے۔

(۳) فرعون نبی کے مدِ مقابل آیا۔ جبکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام نبی کے مدمقابل آنے والے بدبختوں کے مدِ مقابل آئے۔

(۴) فرعون ظالم تھا۔ جناب حضرت ابو طالب علیہ السلام راحم تھے۔

(۵) فرعون نبی کی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام نبی کی زندگی کی حفاظت کرتے تھے۔

(۶) فرعون کافر تھا حضرت ابو طالب علیہ السلام مومنوں کی شان تھے۔

(۷) فرعون اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن تھا۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا اعتماد تھا۔

نوٹ:۔ فرعون کے سامنے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی تبلیغ کی تو فرعون فوراً بھڑک اٹھا حضرت موسیٰ کا تعاقب شروع کر دیا وہاں تبلیغ روک دی جبکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کی احدیت کا

اعلان کیا گیا تو حضرت ابو طالب اس کلمہ حق کی حمایت کے لیے کھڑے ہو گئے اور انمٹ نقوش قائم کیے۔ ایسے پاکیزہ جذبات کو فرعون سے تمثیلاً ملانا بدترین جہالت ہے۔ (فریدی)

خاص بات

برسبیل تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی بات چھڑی تو اس میں ہمیں جناب حضرت ابو طالب علیہ السلام کا ایک مقام رفیع نظر آیا قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں۔ تو ہم نے ضروری سمجھا کہ اسے بھی بیان کر دیا جائے۔ سورہ قصص کی آیت نمبر 1 تا 13 میں ایک مضمون بیان کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کی بابت اس میں ایک خاص بات ہے۔ میرے عنوان سے متعلق بطور استدلال سامنے آئی۔ وہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کریمہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جناب موسیٰ کو سپرد دریا فرمایا۔ وہ صندوق جب فرعون کے شاہی محلات کے قریب سے گزرا اسے پکڑا گیا۔ کھولا گیا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نبوی حسن کی خیرات بانٹ رہے تھے۔ اچانک فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی بے تاب نگاہیں حسنِ نبوت پر پڑیں۔ تو بی بی آسیہ سو جان سے قربان ہو گئیں۔ فرطِ محبت اور جوشِ محبت سے بولیں

"وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ" (قصص)

یہ بچہ تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے بس اتنا کہنا تھا کہ رحمتِ الٰہی بھی جوش میں آئی فرمایا میرے کلیم کو ایک عورت نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا اٹھو فرشتو اس بی بی صاحبہ کے لیے میری جنت میں ایک عالی شان زبرجد کا محل تیار کیا جائے اور وہ محل بھی میرے حرم کے نزدیک بنایا جائے۔ تا کہ نبی سے محبت کرنے والی کو میری عظیم قربتوں کا نور میسر آئے۔ سورہ تحریم کی آیت نمبر 11 میں اللہ تعالیٰ نے بطور خاص اسے بیان فرمایا اور اسے مثال بنا کر بیان فرمایا

"وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے نبی موسیٰ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا ہم نے ان کی شان قرآن میں بیان فرما دی۔ ان کا یہ جذبہ ایک مثال بنا دیا۔ اور انھیں دولت ایمان بخشی اور ان کے لیے اپنی جنت میں اپنے قرب و حضور میں ایک عظیم محل عطا کرتے ہیں گویا نبی سے محبت کے صلے میں دیا جاتا ہے اس میں غور کیا ہے درج ذیل انعامات ملتے ہیں۔ یہ قاعدہ قرآنی ہے۔

ا۔ دولت ایمان ملتی ہے۔

۲۔ بقائے دوام ملتا ہے جب تک قرآن رہے گا خدمت گار حضرت آسیہ کی روحانی عظمتوں کو بیان کرتے رہیں گے۔

مغفرت

و عظمت نجات ملتی ہے۔

و جنت میں عظیم الشان محلات ملتے ہیں۔

جس بی بی نے غیر ارادی طور پر نبی علیہ السلام کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہا تو چار شانیں ملیں۔ قرآن اس کا گواہ ہے اور جس نے نبوت پر پہرہ دیا چار نسلوں کو قربان کر دیا۔ پچاس سال تک نبی کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے رکھا دل کا چین بنائے رکھا روح کی تازگی بنائے رکھا۔ پورے کفر کے مد مقابل رہے۔ ایک لمحہ کے لیے نہیں بلکہ پچاس سال تک نبی ﷺ کو سینے سے لگائے رکھا۔ بڑی بڑی مشقتیں جھیلیں۔ عمر بھر خادم بن کر رہے۔ رشتے کی عظمت کو بھی بالائے طاق رکھا۔ اپنی شخصی وجاہت کا بھرم بھی سامنے نہیں آنے دیا۔ سرداری کا تکلف بھی قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ وفا کی عظمت میں تمام ہولناک حالات کا تن تنہا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ حسن لطافت کی مدح سرائی فرمائی۔ حضورِ اُلوہیت میں نبی ﷺ کے وقار نبوی کے لیے گڑگڑاتے رہے۔ پورے مکہ کی دشمنی برداشت کی۔

اہل علم ذرا انصاف فرمائیں۔ ایک بی بی نے ایک جذباتی جملہ بولا قدرت نے اسے اپنی شایانِ شان چار عظیم الشان نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اور جس پیکر عصمت وعظمت نے سب کچھ بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا اس کو بارگاہ صمدیت سے نجانے کیا کیا ملا؟ کون ہے جو ان عظمتوں اور نعمتوں کا احاطہ کر سکے؟

اللہ تعالیٰ کی جنت اور اس کی طرف سے نجات اور دولت ایمان اور بقائے دوام تو صرف ایک جذباتی جملے کا عوض ٹھہرے۔ ذرا سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی خدمات، قربانیاں، غیور ولولے، بڑھاپے میں جوش انتقام، شعب ابی طالب علیہ السلام کی پہرے داریاں اور بہت بہت بہت کچھ ہے۔ جناب بولیے ان عظمتوں کا عوض کیا ہے؟ چونکہ یہ انعام اہل علم کی علمی دسترس سے کہیں بالا ہیں اسی لیے انھوں نے جناب ابوطالب علیہ السلام کی بابت خود ساختہ نظریہ تراشا ہے۔

اب آیئے نفس مسئلہ کی طرف بیان کردہ حدیث کی طرف کہ عقیل نے ہمارے لیے مکانوں سے کیا چھوڑا ہے؟ وہاں نہ رہنے سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ابوطالب علیہ السلام مسلمان نہیں تھے تبھی تو آپ ﷺ نے وہاں قیام نہیں فرمایا۔

جوابِ آں حدیث

(۱) مذکورہ روایت روایت گروں کا ذاتی تخیل ہے۔ اس کے مندرجات اس پر خود گواہ ہیں۔ ذہنی اندازوں سے عیب ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) اگر بر سبیل تسلیم اس روایت کو روایت مان بھی لیا جائے تو اس سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اسلام ثابت ہوتا ہے نہ کہ کفر؟

صورت اس کی یہ ہے کہ جب حضرت اسامہ بن زید نے سوال کیا کہ آپ ﷺ قیام کہاں فرمائیں گے تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ھَلْ تَرَكَ عَقِيلٌ مِنْ رِبَاعٍ اَوْ دُوْرٍ" کیا ہمارے لیے عقیل نے کچھ چھوڑا ہے؟ کوئی جگہ یا گھروں میں سے کوئی گھر؟ مطلب یہ ہے کہ عقیل نے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ سب فروخت کر ڈالا ہے اگر کچھ چھوڑا ہوتا تو یقیناً ہم وہاں قیام فرماتے۔ یعنی کاشانہ ابوطالب علیہ السلام ہماری قیام گاہ ہوتا۔ حضور ﷺ کا کاشانہ ابوطالب علیہ السلام کے پائے جانے میں وہاں قیام فرماتے گویا ان کے ایمان کی یقینی تصدیق ہے کیونکہ پچاس سال سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ اسی کاشانہ رحمت ہی میں قیام فرمایا۔ دس سن نبوی کو جناب ابوطالب علیہ السلام کا وصال پُرملال ہوا۔ تین سال مزید آپ ﷺ اسی گھر میں رہائش پذیر رہے۔ اہل علم کے زعم باطل کے مطابق ان کے خلاف قرآنی آیات سورۂ انعام کی آیت نمبر ۲۶ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ سورۂ قصص کی آیت نمبر ۵۶ مکہ میں ہی نازل ہو چکی تھیں۔ باوجود اس کے بھی سید المرسلین اسی کاشانہ ابوطالب علیہ السلام میں قیام پذیر رہے اگر مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا تو پھر رسول دو عالم ﷺ اور مولائے کائنات کس قانون کے تحت وہاں رہے؟ حالانکہ شادی خانہ آبادی کے بعد آپ کا اکثر حصہ اوقات جناب سیدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مکان پر گزرتا مگر پھر بھی کاشانہ ابوطالب علیہ السلام اتنا دور نہیں تھا مگر جب کفار کی مزاحمت حد سے زیادہ بڑھی تو سیدنا ابوطالب علیہ السلام سرکار دو عالم کو ہمیشہ اپنے ہی پاس رکھا کرتے تھے کبھی بھی جدا نہ ہوتے۔ نہ ہی رسول خدا ﷺ کو خود سے جدا ہونے دیتے۔ بولیے جناب دس سال نبوی زمانہ ابلاغِ رسالت کا مشن کس گھر سے جاری رہا؟ کیا صاحب شریعت یہ نہیں جانتے کہ یہ کفر کدہ ہے ظلمت کدہ ہے۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کو ایک مستقل آیت سورۂ حجر کی آیت نمبر ۹۴

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ"

مشرکین سے الگ ہو جاؤ کیونکہ مشرکین نجس ہیں اور آپ طہارتوں کا معیار ہیں۔

یہ آیت چار سن نبوی میں مکمل سورۂ کے ساتھ نازل ہوئی۔ مگر پھر بھی رسول پاک ﷺ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ شب و روز چھ سال کی تمام خلوتوں اور جلوتوں کے سمندر سے گہرے محبت کے رشتے میں پیوستہ رہے۔ لمحہ بھر کے لیے بھی جدائی نہ ہوئی سوائے خانگی امور کے۔ یہ قربتیں صحبتیں اس بات کا واضح اعلان ہیں عالم ما کان و ما یکون کا نبوی یقین تھا کہ سیدنا ابوطالب علیہ السلام ایک کامل و اکمل مخلص مومن ہیں تبھی تو ان سے جدا نہ ہوئے۔ ورنہ نبی پابند وحی ہوتے ہیں۔ خلاف وحی نہیں کرتے یہاں کسی خصوصیت کا ڈھونگ نہ رچایا جائے۔ یہاں خصوصیت بنتی ہی نہیں اور بلا دلیل خصوصیت ہوتی ہی نہیں۔ نبی غیور ہوتا ہے طبعاً بھی اخلاقاً بھی مصلحت کوش نہیں ہوتا۔ جب اسلام کے لیے اخفاء ضروری تھا تو تبلیغ اسلام

مقت... خفیہ ہوتی رہی اور جب حکمت الٰہی نے بہتر سمجھا اس کی تبلیغ کے لیے اعلانیہ کا حکم جاری فرمایا۔

رہا یہ سوال کہ نبوی یقین میں اگر ابوطالب علیہ السلام مؤمن تھے تو انھیں وقت نزع کلمہ کی دعوت کیوں دی؟ تو اس کا جواب آپ سابق اوراق میں پڑھ آئے ہیں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت تو نری ڈارامہ نکلی کسی بھی ذریعۂ علم سے اسے ثابت ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مد مقابل حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ والی صحیح روایت تو اس کا مضمون یہ بتاتا ہے کہ کلمہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے پڑھا ہے اس کی عینی شہادت موجود صحت روایت پر مکمل تبصرہ آگے آ رہا ہے۔ اس پر مزید سوال ہو سکتا ہے کہ جناب پھر بھی کلمہ کی دعوت تو ہے نا اگر ابوطالب علیہ السلام مؤمن ہوتے تو اس وقت کیوں دعوت دی گئی۔ جناب من کلمے کی دعوت بوقت وفات کفر کی دلیل نہیں بلکہ عظمت ایمان کی دلیل ہے۔ کیونکہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "لقنوا موتاکم" "لوگو اپنے فوت ہونے والوں کو تلقین کلمہ کرو جس کی زندگی کے آخر لمحات میں اس کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو جائے گا اس کی یقیناً بخشش بھی ہو جائے گی۔ یہ آج بھی مسلمانوں میں جاری و ساری ہے۔ بوقت آخر کلمہ کی تلقین ایمان والوں ہی کے لیے ہے۔ کافروں کے لیے نہیں ورنہ سید عالم ﷺ ہر کافر کو بوقت نزع کلمہ کی تلقین کرتے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ نزع کے عالم میں کلمہ مفید یقین نہیں ہو سکتا یہ قرآن کا فیصلہ ہے کفار کے لیے کوئی کافر بوقت مرگ کلمہ پڑھ بھی لے تو مسلمان نہیں ہوگا ورنہ فرعون کو بھی مسلمان ماننا پڑے گا۔ اس نے بھی عالم نزع میں کہا تھا

"اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" (القرآن)

اس پر ایک مستقل فصل قائم کی جائے گی۔ تفصیلات وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱) اس پوری روایت میں کوئی ایک لفظ بطور نص نہیں آیا۔ جس سے واضح ہو کہ جناب سیدنا ابوطالب علیہ السلام کافر تھے یا زندگی میں انھوں نے کبھی شرک کیا اور نہ ہی اس روایت میں نص کے کسی بھی اعتبار سے یعنی عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالت النص، اقتضاء النص سے ایسا کوئی بھی اشارہ نظر نہیں آیا۔ جس سے ثابت ہو کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کا کفر کسی ادنیٰ سے شائبہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔؟

۲) تشکیل کردہ حدیث کا جملہ کہ مؤمن کافر کا وارث نہیں اور کافر مؤمن کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ علی و جعفر رضی اللہ عنہما ابوطالب علیہ السلام کے وارث نہ بن سکے کہ مؤمن تھے لیکن حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے وہ نبوی وراثت کے وارث کیسے بن گئے۔ حالانکہ آقا ﷺ تو خود مرکز ایمان ہیں یہاں حدیث کا رخ کس طرح موڑیں گے۔ اہل علم ظاہر ہے کہ کسی بھونڈی تاویل ہی کا سہارا لیں گے مگر یہاں تاویل چل ہی نہیں سکتی۔

(۵) دس سن نبوی کو جناب ابو طالب علیہ السلام کا وصال ہوا۔ تیرہ سن نبوی کو ہجرت ہوئی۔ درمیان میں تین سال کا عرصہ دورانیہ بنتا ہے کیا مکمل دورانیے میں کسی کو بھی جناب ابو طالب علیہ السلام کی وراثت کی تقسیم کا خیال نہ آیا [illegible] ابو طالب علیہ السلام ختم ہو گئے تھے یا مکی سماج کے مطابق تقسیم میراث میں کوئی وقتی رکاوٹ تھی کیا ولی معاشرتی قانون آڑے تھا کہ تقسیم وراثت نہ ہو پائی؟ کیونکہ اسلامی شریعت میں قانون وراثت ہجرت کے بعد [illegible] ہوا۔ اہل مکہ کے لیے تو یہ قابل عمل ہی نہ تھا کیونکہ فتح سے پہلے باسیان مکہ کثیر تعداد میں مسلمان نہ تھے [illegible] ابو طالب علیہ السلام کی وراثت کا کیا بنا؟ کیسے تقسیم ہوئی؟ اور رسول دو عالم ﷺ کی اپنی وراثت [illegible] جائیداد تھی اسے کون لے گیا تو کیا غائب ہو گئی؟

(۶) اصل مسئلہ تھا کہ رسول دو عالم ﷺ ٹھہریں کہاں جو ان کی نبوی شان کے مطابق ہو۔ ابو طالب علیہ السلام نے [illegible] تے نہ ٹھہرنے دیا بالآخر کہاں ٹھہرے؟

(۷) خود رسول خدا ﷺ کے اپنے: اتی مکانات کہاں گئے جو ورثہ میں ملے۔ والد کی میراث سے اور دوسرے مکانات [illegible] جو محسنہ اسلام اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مکانات تھے جو سرکار دو عالم ﷺ کے لیے ہبہ تھے [illegible] ہبہ تھی پھر ان کا وصال بھی دس سن نبوی کو وصال حضرت ابو طالب علیہ السلام کے چند یوم بعد ہوا تو ان کے مکانات [illegible] گیا کہ حضور ﷺ کے لیے رہنے کے لیے بروقت معقول مکانات میسر نہ آئے؟ یہ حرم نبوت کے ساتھ [illegible] ڈرامہ کب تک چلے گا۔ وراثت کا بہانہ تراشا اور اس تراشے ہوئے بہانے کی آڑ میں حرم نبوت پر حملہ کر دیا۔ محسن اسلام عزت مآب قمر بنی ہاشم شمس بنی عبد المطلب حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کافر بنانے کی سعی نامشکور کر ڈالی جس وراثت کا بہانہ بنایا یہ کچھ دیر بعد جلد ہی منسوخ ہو گئی۔ اور وراثت اپنی اصل قرابت پر آ کر مستقل ہو گئی۔ آج وراثت کا قانون قرابت ہی کو تقسیم وراثت کا باعث جانتا ہے۔ اہل علم سے گزارش ہے کہ آپ اس آیت کا ناجائز استعمال چھوڑ دیں اور سورۃ انفال آیت نمبر ۷۰ تا ۷۵ کا مکمل مطالعہ کریں۔ اور یہ یقین کریں کہ اس ضابطے میں آپ کا تراشا ہوا تصور کفر ابی طالب علیہ السلام بالکل غلط ہے۔

نوٹ: اس روایت پر پورا مکمل علمی تبصرہ ایک الگ جلد میں آ رہا ہے۔

نوٹ: شروع کائنات سے آج تک فاتحین کا یہ طرز عمل رہا جب کسی علاقہ کو فتح کرتے تو اسے اپنی سلطنت میں ابتداءً داخل کرتے وہ کسی بھی اہل علم یا فقہی موشگافیوں میں نہ پڑتے نہ ہی اس وقت ضرورت ہوتی ہے۔ ہنگامی حالات ہوتے ہیں اس طرح کی اونچ نیچ ملحوظ ہی نہیں ہوتی۔ تاہم فتح مکہ کا معاملہ اسلام کی عظیم کامیابی ہے جس کی بشارت قبل از وقت موجود تھی۔

اور کائنات کے فاتح حضرت محمد ﷺ اپنی فاتحانہ شان سے تشریف لائے۔ اب حسب ضابطہ پورا مکہ آپ کی ملکیت تھی مفتوحہ علاقہ کا فاتح مالک ہوتا ہے مگر یہ شہر تو آپ کا اپنا شہر تھا چند معروضی حالات پر بحکم ربی ہجرت فرمائی۔ واپس اپنے شہر اپنی پہلی ملکیوں کو دوبارہ بحال فرمایا۔ یہاں آپ ایک عظیم مشن کی عظمت میں آئے نہ کہ کفر ابی طالب علیہ السلام کی نشاندہی کرنے آئے۔ اگر ایسی بات ہوتی جو اہل علم نے سوچی ہے تو وفات ابوطالب علیہ السلام کے فوراً بعد ہی آپ ﷺ بائیکاٹ کا اعلان کر دیتے بقول اہل علم کے آپ کے لیے مسلسل بارہ سال مغفرت کی دعا فرماتے رہے کم از کم دعا ہی ترک کر دیتے؟ مسلسل بارہ سال کی زحمت گوارہ کرنا پڑی۔

ابوسفیان اس وقت کافر تھے۔ اس کا گھر کفر سے نفرت کی بنیاد پر دار الامان قرار نہ پاتا پورے مکہ کے کفار کے گھروں کو دار الامان قرار دیا جس نے بھی اپنا دروازہ بند کیا یہ تو اس دن دشمنوں مخالفوں کو شان دی۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام تو محافظ تھے ان کے کفر کو پسند کرنا سمجھ نہیں آتا۔ جناب من بناوٹی اصولوں سے کبھی حقائق مسخ نہیں ہو سکتے۔ کاغذی پھولوں سے کبھی خوشبو نہیں آیا کرتی۔ پہلے روایت کو روایت تو بناؤ پھر استدلال کر لینا۔ پہلے اپنے راوی تو صحیح سالم لے آؤ اس روایت کے پھر اپنا شوق پورا کر لینا۔ یونس بن بکیر کی بابت۔

آپ صرف فتاویٰ رضویہ شریف پڑھ لیں روشنی ہو جائے گی قدیمی نسخہ جلد سوم صفحہ ۵۱ زہری سے ان کی روایات میں وہم ہے۔ نیز زہری سے خطا اثرم کہتے ہیں کہ یونس ضعیف ترین ہیں امام احمد نے کہا ضعیف ہے۔ ابن سعد نے کہا یہ حجت نہیں۔ وکیع کہتے ہیں ان کا حافظہ برا ہے۔ احمد نے ان کی حدیثوں کو منکر بنایا۔ میزان الاعتدال میں ساری تفصیلات ہیں۔ بولیے جناب ایسے راویوں سے روایت کردہ حدیث ثبوتِ عیب میں ثبوتِ الزام میں موثر دلیل ہو سکتی ہے؟ وہ بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مقدس مآب شخصیت پر؟

قارئین محترم! آپ صرف روایت کے مندرجات پر سادہ سا غور فرمائیں۔ ایسا کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا جیسا اہل علم نے سوچا ہے۔ روایت کے مطابق جب کچھ عقیل نے کچھ چھوڑا ہی نہیں تو وہاں رہنا کیسا؟ اس میں کفر ابی طالب علیہ السلام کیسے تلاش کر لیا؟ جھوٹ کی بھی حد ہوتی ہے۔ مگر یہاں تو ہر حد پھلانگ گئے ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانے کے لیے۔

نوٹ: اس روایت میں ایک جملہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ راوی کا ذاتی اضافہ ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ جملہ ہرگز نہیں بولا کسی صحیح حدیث سے سنداً یہ ثابت نہیں اور نہ ہی یہ اس عنوان سے متعلق ہے۔ صرف راوی نے اپنی روایت میں مصنوعی زور پیدا کرنے کے لیے یہ جملہ بولا ہے یونہی سرکار دو عالم ﷺ کی طرف اگلی روایت ایسی ایک ایسا جملہ ہے کہ مومن کافر کا وارث نہیں کافر مومن کا وارث نہیں۔ کلام نبوی کا اسلوب خود یہاں گواہ ہے کہ اس جملے سے کفر

ابی طالب علیہ السلام ہر گز مراد نہیں یہاں تو بات قیام فرمانے کی ہو رہی ہے۔ جن جملوں کو گھسیٹا گیا ہے ان سے اس روایت میں نہ زور پیدا ہوا ہے نہ دلیل کارآمد بنی ہے۔ کیونکہ پیچھے فکر دراصل مصنوعی تھی ان جملوں سے تو روایت کا اپنا حسن بگڑ گیا ہے۔ بریں یہ روایت روایت لگتی ہی نہیں۔

دلیل

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا وصال مبارک دس سن نبوی کو ہوا۔ تقسیم ترکہ کا معاملہ حسب حال اس وقت بنتا ہے جب وصال ہوا کچھ ایام گزرنے کے بعد یہ معاملہ ہونا چاہیے تھا۔ وصال کے بعد تقسیم وراثت کا آغاز ہوتا۔ نبی وحی کے ذریعے یا اپنے اجتہاد کے ذریعے اس مسئلہ کو بیان فرماتے کہ بھئی چچا ابوطالب کا کفر پر وصال ہوا ہے۔ اب جو ایمان لے آئے ہیں ان کی اولاد خصوصاً علی و جعفر رضی اللہ عنہما یہ مؤمن ہونے کی بنیاد پر ابوطالب کی میراث سے محروم رہیں گے اور طالب و عقیل اصل وارث قرار پائیں گے کفر کی بنیاد پر۔ حالانکہ اس وقت نہ تو اس معاملے پر کوئی وحی اُتری اور نہ ہی کوئی نبوی وضاحت موجود ہے۔ اس واقعہ کے گیارہ سال بعد فتح مکہ ہوا۔ عین ایسے سنگین حالات میں راوی کو یہ جملہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا صدیوں بعد یاد آیا کہ فاروق اعظم نے فرمایا کہ مؤمن کافر کا وارث نہیں۔ اپنی مصنوعی روایت کا حصہ بنا ڈالا۔

حیرت تو اس بات پر ہے کہ صاحب بخاری نے جو باب باندھا ہے اور اس کے حسب حال روایت لائے ہیں اس روایت سے جو مصنوعی استدلال کیا گیا ہے کفر ابی طالب علیہ السلام کا کم از کم استدلال کے باب اور ترجمۃ الباب والی روایت سے مناسبت کا ہی اہلِ علم خیال کر لیتے۔ باب کی تشکیل ملاحظہ ہو۔

"بَابُ نُزُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ ابوعبد الله نسبةُ الدُّوَرِ إِلَى عَقِيلٍ تورث الدور تباع و تشترى"

(بخاری جلد اول صفحہ ۲۱۶، کتاب المناسک۔)

نبی کریم ﷺ کا نزول مکہ کا باب جس میں ابو عبد اللہ نے کہا کہ جناب عقیل کی مکی گھروں کی نسبت جنھیں وارث بنایا گیا اور انھوں نے تمام گھروں کو بیچ ڈالا۔

ترجمۃ الباب کی روایت میں بھی یہی مضمون ہے کہ جناب عقیل نے تمام گھروں کو فروخت کر دیا تھا۔ ہمارے رہنے کو کچھ نہیں چھوڑا۔ اس پورے مضمون میں اہلِ علم کو کفر ابی طالب علیہ السلام کہاں سے نظر آیا۔ وہ کونسی ایسی روزن دیوار ہے جس سے اہلِ علم نے جھانک کر کفر ابوطالب علیہ السلام اس روایت سے ثابت کیا؟ فتح مکہ کے دن تو وراثت کا مسئلہ زیر بحث آیا ہی نہیں۔ وہاں تو صرف اتنی بات تھی کہ ہمارے لیے عقیل نے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ اس روایت میں وراثت کا معاملہ روایت کا حصہ ہی نہیں ہے

راویوں کی ذاتی جوڑ توڑ ہے۔ جو قابل اعتنا ہی نہیں۔ راویوں کے ذاتی اضافے ہی اصل رخنے کا باعث ہیں۔
نوٹ: آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس روایت کی سند ہی مجروح ہے۔ قابل اعتماد ہی نہیں۔ جب سند بے کار بیہودہ ہے متن پر یقین کرنا پاگل پن ہے۔ پھر متن کے مندرجات سب خود ساختہ ہیں۔ غیر مرتب ہیں۔ مصنوعی ہیں۔ اس میں ممکنہ طور پر صرف ایک آدھا جملہ حدیث ہو سکتا ہے کہ عقیل نے ہمارے لیے کیا چھوڑا ہے۔ باقی تمام مندرجات ذاتی اضافے ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ بخاری کو بخاری سمجھا جائے لوح محفوظ نہ بنایا جائے۔ روایات کی علمی چھان بین ہر ایک کا حق ہے۔ مگر سنجیدگی ضروری ہے۔ منصف مزاج تحقیق کار ضرور تحقیق کریں بخاری کی یہ جعلی روایت خود ساختہ ہے۔ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ والی صحیح لذاتہ روایت کا معارضہ نہیں کر سکتی ہیں۔ اس کی تحقیق آگے آ رہی ہے۔

حدیثِ ہشتم کا جواب

حضرت ابو طالب علیہ السلام حدیثِ مسلم کی زد میں

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ، وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ

ترجمہ: حضرت ابن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہنمیوں میں سب سے کم تر عذاب ابو طالب علیہ السلام کو ہوگا۔ اس کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔ جس سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ استغفر اللہ۔

یہ حدیث سنداً مردود ہے

قارئین محترم! اس حدیث سے کفر ابی طالب علیہ السلام کا استدلال کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہم اس حدیث کی سند پر گفتگو کریں گے اس میں دو راوی ہیں۔ جو متکلم فیہ ہیں۔ یعنی قابل اعتراض ہیں۔

(۱) **ابو بکر بن ابی شیبہ ہیں**۔ ان کا پورا نام عبد الرحمٰن بن عبد الملک بن شیبہ ہے ان کی بابت اہل اصول حدیث نے کہا ہے کہ یہ متانت سے خالی تھا اور ضعیف تھا۔ (یعنی قابل اعتماد نہ تھا)

"قال أبو أحمد الحاكم ليس بالمتين عندهم و قال ابو بكر بن ابو داؤد ضعيف" ابو احمد امام حاکم نے کہا یہ شخص غیر سنجیدہ تھا۔ ابو بکر بن داؤد نے کہا کہ یہ ضعیف تھا۔ (میزان الاعتدال)

(۲) **حماد بن سلمہ**۔ ان کی بابت ابتداءً اہل علم نے بڑے مناقب بیان کیے مگر انتہاءً معاملہ بالکل الٹ ہو گیا ان کا حافظہ قابل

اعتماد نہ رہا اور دوسری سنگین ترین بات یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں ملاوٹ کر دی گئی۔ تحریف کر دی گئی۔ من پسند لفظوں اور مفہوموں کو ان کی کتب میں گھسوڑا گیا۔ چنانچہ امام ذہبی نے اس کی پوری نشاندہی کی ہے۔

"قال ابن الثلجی فسمعت عباد بن صهیب یقول ان حمادا کان لا یحفظ، وکانوا یقولون انها دست فی کتبه وقد قیل ان ابن ابی العوجاء کان ربیبه فکان یدس فی کتبه قال الحاکم فی المدخل ما خرج مسلم لحماد بن سلمة فی الاصول الامن حدیث الثابت" (میزان الاعتدال، ذہبی)

ابن ثلجی نے کہا کہ میں نے عباد بن صہیب سے سنا وہ کہتے ہیں بیشک حماد بن سلمہ کا حافظ نہیں تھا یعنی روایت حدیث میں ان کا حافظہ مستحضر نہیں تھا۔ بہت سارے اہل علم نے یہ کہا کہ ان کی کتابوں میں ملاوٹ کر دی گئی بہت کچھ گھسیڑا گیا یہ کام ان کا ایک پھلگ لڑکا تھا ایک قول کے مطابق ابن ابی العوجاء نامی ربیب تھا۔ پھلگ تھا۔

اس نے شرارت کی اور حماد بن سلمہ کی کتابوں میں اپنے وضعی الفاظ اور مفاہیم داخل کیے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ اسی لیے امام مسلم نے ان کی روایات کو اصول میں نہیں لیا سوائے ان کے جو ثابت کی احادیث ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی بات کو مسالک الحنفاء میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"اِنَّ حَمَّادًا تُكُلِّمَ فِي حفظه وَقَعَ فِي حَدِيثِهِ مَنَاكِيرُ ذَكَرَ اَنَّ رَبِيبَهُ دَسَّهَا فِي كُتُبِهِ كَانَ حَمَّادٌ لَا يَحْفَظُ فَحَدَّثَ بِهَا فَوَهَمَ فِيهَا وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يُخْرِجْ لَهُ الْبُخَارِيُّ شَيْئًا وَلَا خَرَّجَ لَهُ مسلم فی الاصول الامن روایته عن ثابت"۔

ترجمہ: بے شک حماد راوی کی بابت بہت کلام کیا گیا ہے علماء نے ان کے حافظے پر اعتراض کیا ہے اور ایک یہ بھی ایک اعتراض کیا ہے کہ ان کی مرویات میں بہت سی مناکیر روایات موجود ہیں اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ایک لے پالک نے بہت سی باتیں ان کی کتابوں میں گھسیڑ دی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی لیے امام بخاری نے ان سے ایک بھی روایت قبول نہیں کی اور امام مسلم نے بھی اصول میں کوئی روایت نہیں لی سوائے ثابت کی حدیثوں کے اور حماد چونکہ اپنی روایات کے حافظ نہ تھے اس لیے وہ حدیث بیان کرتے وقت ان زائد باتوں کو بھی حدیث کے طور پر بیان کرتے جو فی الواقع حدیث نہ ہوتیں کیونکہ ان کو ان میں وہم پڑ گیا تھا۔

منکر روایت: منکر روایت اس کو کہا جاتا ہے جس میں راوی اپنے سے ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔ (فریدی)

دسویں عبارت کی دلیل

امام ذہبی علیہ الرحمہ نے جو موقف بیان کیا ہے کہ ان کی کتابوں میں ملاوٹ ہے من مانی عبارتوں کو گھسیڑا گیا ہے۔ وہ دلیل کے

طور پر ان کے ذخیرۂ علم سے چند ایک احادیث بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) "ابراهيم بن ابي سويد و مسور بن عامر حدثنا حماد عن قتادة عن عكرمة عن ابن عباس بن عبد المطلب رضي الله عنه مرفوعاً رايتُ ربي جعدًا امردًا عليه حلةُ الخضرآء"

ترجمہ: حماد قتادہ سے اور وہ عکرمہ سے وہ ابن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا نوخیز لڑکا تھا گھنگریالے بال تھے اور اس پر سبز پوشاک تھی۔ استغفر اللہ۔

(۲) "عن حماد عن عكرمة عن ابن عباس بن عبد المطلب رضي الله عنه انّ محمدًا راى ربهٗ في صورة شابٍ امرد دونه ستر من لؤلؤ قدميه او رجليه خضرة"

حماد نے عکرمہ سے انھوں نے ابن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو ایک نوخیز نوجوان کی صورت میں عریاناً دیکھا۔ ان کے قدموں میں موتیوں جیسی چمک تھی اس کے دونوں پاؤں سبز رنگ کے تھے۔

(۳) "حدثنا حماد عن قتادة عن الحسن عن سمرة مرفوعاً أنزلَ القرآنُ على ثلاثة أحرُفٍ"

ترجمہ: حضرت حماد قتادہ سے وہ حسن سے وہ سمرہ سے مرفوعاً روایت کرتے کہ قرآن تین قرأتوں میں نازل کیا گیا۔

نوٹ: یہ تینوں روایات ان کے ذخیرۂ علم میں ملاوٹ کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت ساری روایات مدسوس فی العبارۃ ہیں ان کی سنگینی کا اندازہ تو خود اہلِ علم ہی کر سکتے ہیں مجھے تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ملخص از میزان الاعتدال ذہبی)

قارئین محترم! جس روایت میں راویوں کی صورت حال یہ ہو اور روایت کی صورت حال یہ ہو جو آپ نے اوپر پڑھی تو انصاف فرمائیں ایسے راویوں کی روایت تو روایت کے طور پر بھی قابلِ قبول نہیں۔ چہ جائیکہ اسے حرمِ نبوت پر الزام میں بطورِ دلیل مؤثر ماننا یہ جبری تحکم ہے جارحیت ہے ظلم ہے ہرگز قابل قبول نہیں۔

جواب دوم: حدیث مسلم درج ذیل وجوہات کی بنا پر مردود ہے۔

(۱) قرآن کریم کے منصوص قاعدے کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں تخفیف عذاب کافر کے لیے ہرگز نہیں۔ اس میں تخفیفِ عذاب کا حوالہ ہے۔ خبر واحد قرآن کی قطعیت سے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

نوٹ: یہاں خصوصیت کا ڈرامہ نہیں چلے گا بلا دلیل خصوصیت ثابت ہی نہیں ہوتی۔

(۲) یہ حدیث مقام صحت سے گر چکی ہے۔ اس کے دو راوی زبردست متکلم فیہ ہیں۔ ایک شدید ضعیف ہے دوسرا بھی متکلم فیہ ہے

(۳) یہ روایت ایک عظیم تواتر کے خلاف ہے اس لیے قابل قبول نہیں۔ وہ تواتر سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کا کردار ہے۔

تفصیلات کے لیے کردار ابوطالب علیہ السلام کا باب ضرور پڑھیے۔

(۴) یہ روایت ایک صحیح حدیث کے مخالف ہے اور وہ صحیح حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے والد گرامی جناب سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ جس میں ان کا عینی مشاہدہ ہے کہ کلمہ طیبہ سید البطحاء جناب ابوطالب علیہ السلام نے پڑھا ہے اس کی صحت پر پورا تبصرۂ علمی آگے آ رہا ہے۔ وہاں ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس روایت میں شریکِ راوی ہیں۔

(۵) یہ روایت بداہت عقل کے خلاف ہے۔ قاعدۂ شریعت کے خلاف ہے۔ قاعدۂ شریعت یہ ہے کہ الزام لگانے والے کے لیے ضروری ہے کہ ثبوت الزام میں قطعی شواہد اور دلائل مہیا کرے مگر یہ روایت تو ظنی ہونے سے بھی عاری ہے۔ قطعیت اس میں خاک ہوگی؟ بداہت عقل کے اس لیے خلاف ہے کہ باپ ایک عظیم الشان عظمت کا مالک ہے اور حالات کا عینی شاہد ہے اور ہر بھلائی ابوطالب علیہ السلام کے لیے، والی روایت کا عظیم راوی ہے جبکہ بیٹا اپنی شان میں بہت ہی عظیم ہے مگر باپ کی عظمت کے مدمقابل نہیں اور نہ ہی یہ جائے وقوعہ پر موجود ہے تو کیسے ابوطالب علیہ السلام کے کفر پر مضمون رکھنے والی روایت کر سکتا ہے؟

نوٹ: اصول روایت یہ ہے کہ جس روایت کا ایک راوی متکلم فیہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں۔ صحت کے اعتبار سے خصوصاً الزام کی صورت میں مگر یہاں تو یک نہ شد دو شد ہیں۔ یہ روایت ثبوت الزام میں کیسے قبول ہو؟

(۶) حضرت ابوطالب علیہ السلام کا معاملہ کاشانہ نبوت کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر مذکورہ روایت کی کوئی حقیقت ہوتی تو یقیناً اسے مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، اُم الفضل سیدۃ فاطمۃ الزہراء، سیدہ ام کلثوم، سیدہ زینب، سیدہ رقیہ صلوٰۃ اللہ علیہن سیدنا امیر حمزہ، اور دیگر بزرگ و برتر نفوس قدسیہ ضرور بیان کرتے کیونکہ یہ معاملہ کوئی خفیہ نہ تھا بلکہ اظہر من الشمس تھا حیرت ہے اس کمسن صحابی ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو تو یہ روایت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دے دی جن کی نبوی صحبتیں صرف دو اڑھائی سال کی ہیں جبکہ مدمقابل نفوس قدسیہ کی نبوی صحبتوں کا تسلسل آپ خود اندازہ فرمائیں۔

(۱) مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پینتالیس سالہ نبوی صحبتیں ان میں ۲۳ سالہ اعلان نبوت کے بعد کی اور بقیہ اعلان نبوت سے پہلی کی جلوت وخلوت کی تمام صحبتیں۔

(۲) حضرت عباس بن عبدالمطلب کی نبوی صحبتیں کل تریسٹھ سالہ بنتی ہیں۔

(۳) حضرت امیر حمزہ کی تقریباً ۵۷ سالہ، اُم الفضل کی ۳۲ سالہ، بنات کرام صلوٰۃ اللہ علیہن کی ساری عمر کی نبوی صحبتیں اتنی

مقام ... محبتوں کے مالک لوگوں کو ابوطالب علیہ السلام کے پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنانے والی روایت کا علم نہ ہوا اور طویل ترین ... بھی ابوطالب علیہ السلام کے جہنمی ہونے کا ذکر تک کیا۔ مگر حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بطور تاسف خدا کو الگ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ روایت بطور نعمت عطا کی ہو؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

رہا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ والی ضحضاح کے عنوان سے متعلق روایت تو وہ کہا جا چکا ہے کہ وہ روایت بنوامیہ کی دانستہ پرداختہ ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تاہم حضرت حماد بن سلمہ کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے علمی ذخیرہ حدیث میں ملاوٹ کھوٹ کو داخل کر دیا گیا تھا اس لیے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں در آنے والی روایت ابی و اباک فی النار کو قبول نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف مستقل رسالے تحریر کر دیے۔ رسائل سیوطی کے نام سے آج بھی ملتے ہیں۔ بہر حال اور روایت کسی صورت بھی قابلِ قبول نہیں کیونکہ یہ کسی بھی صورت مفید یقین نہیں۔ یقین صرف قطعی دلائل پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً ثبوت عیب کی بابت۔

خصوصی بات

یہ روایت اس لیے بھی جعلی لگتی ہے کہ اس سے قبل کلمۂ طیبہ کے تکلم پر خود عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح ترین روایت یعنی صحیح لذاتہٖ روایت موجود ہے۔ اس روایت میں ان کے والد گرامی جناب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی راوی ہیں۔ عینی شاہد ہیں وقوعۂ وفاتِ ابی طالب علیہ السلام کے۔ مزید اس میں تمام راوی اہلبیتِ نبوت ہیں۔ تحقیق گزر چکی ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ عادل ہیں۔ اس کے مقابلے میں یہ جعلی روایت کوئی حیثیت نہیں رکھتی نہ یہ معارضہ کر سکتی ہے۔ ایسے ہی ابوسعید خدری کی طرف سے اسی قسم کی روایت ہے وہ بھی غیر صحیح ہے۔ جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت کا معارضہ نہیں کر سکتی جب وجہ ضحضاح نہیں رہی تو اس قسم کی روایات سے استدلال کرنا نہایت فضول اور جہالت ہے اور لائے گی کفر ابی طالب علیہ السلام کا استدلال؟ اور ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے تین راوی مجروح بھی ہیں۔

حدیثِ یازدھم ودوازدہم کا جواب

حضرت ابوطالب علیہ السلام الاصابہ کی روایت کی زد میں

قارئین محترم! حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانے کے لیے ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ کی ایک روایت کا مصنوعی سہارا لیا جاتا ہے۔ جب ہم نے اس روایت کا علمی جائزہ لیا تو وہ تارِ عنکبوت ہی نظر آئی۔ سو ہم نے بہتر جانا

کہ اس کا بھی ایک معروضی علمی جائزہ لیا جائے۔ مذکورہ روایت کا متن ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث: "ومن طريق محمد بن زكريا الغلابي، عن العباس بن بكار، عن أبي بكر الهذلي، عن الكلبي، عن أبي صالح، عن ابن عباس، قال جاء أبو بكر بأبي قحافة، وهو شيخ قد عمي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا تركت الشيخ حتى آتيه . «1» قال أردت أن يأجره الله، والذي بعثك بالحق لأنا كنت أشد فرحا بإسلام أبي طالب منه السلام مني بإسلام أبي، ألتمس بذلك قرة عينك "

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے باپ حضرت قحافہ کو اپنے ہمراہ لائے حالانکہ وہ بوڑھے بھی تھے اور نابینا بھی تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انھیں کیوں تکلیف دی یہاں آنے کی۔ آپ انھیں اپنے ہی گھر چھوڑ آتے۔ ہم خود چل کر ان کے پاس جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آقا میں نے اس بات کو محبوب جانا کہ یہ آپ کے حضور حاضر ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس مشقت پر بہتر اجر عطا فرمائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کا رسول بنا کر بھیجا ہے میں حد سے زیادہ خوشی محسوس کرتا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی ایمان لے آتے۔ مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ خوشی ہوتی ان کے اسلام لانے کی۔

الجواب بعون الوہاب

قارئین محترم! مجھے اس حدیث پر نقد و تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ خود صاحب اصابہ نے آخر میں فیصلہ دے دیا ہے۔ فرماتے ہیں

"وأسانيد هذه الأحاديث واهية، "

ان روایتوں کی سندیں واہی ہیں بیہودہ ہیں۔ جب حدیث نقل کرنے والے خود انھیں بیہودہ کہہ رہے ہیں مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن مجھے عجیب حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس حدیث کو بنیاد بنا کر ہمارے بہت سارے اہل علم نے اس سے کفر ابی طالب علیہ السلام ثابت کیا ہے۔ مبحث ابی طالب علیہ السلام والے ہمارے بزرگ نے بھی اس بہتی گنگا میں تیراکی فرمائی ہے اور اپنے موقف کی قوت میں اس حدیث کو بطورِ دلیل پیش کیا ہے۔ نجانے انھوں نے "وأسانيد هذه الأحاديث واهية، " کے جملے کو نقل کیوں نہیں فرمایا؟ ساتھ ہی ایک اسی عنوان پر مشتمل ایک اور روایت جڑ دی اور اس کی اسناد کی تصحیح امام حاکم کے حوالے سے بیان فرمادی۔ میرا سوال یہ ہے کہ وہی روایت بیہودہ ہے اور وہی صحیح، یہ دوہرا معیار اور دوہری منطق سمجھ سے بالا

ہے۔ اس روایت میں چند الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ رہی موخر الذکر حدیث جس کی صحت پر اطمینان کا اظہار فرمایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اسے امام حاکم نے تخریج کیا ہے۔ اور دلیل دی ہے کہ یہ حدیث شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ بطور ثبوت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی جعلی جز کی مصنوعی خود ساختہ بیہودہ روایت کو پیش کیا ہے۔ اس بارے میں لا حول ہی کہا جا سکتا ہے۔ اصابہ میں جن ماخذات کا ذکر ہے ان میں یہ حدیث ہے ہی نہیں۔ (فریدی)

مذکورہ حدیث مردود ہے

(۱) خود صاحب اصابہ نے اس کی سند کو واہی بتایا ہے۔ بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ قابل استدلال ہی نہیں کفر ابی طالب علیہ السلام کے ثبوت میں اسے نقل کرنا بدترین جسارت ہے۔

(۲) دوسری سند سے اس روایت کا آنا یہ مزید عجیب تر ہے۔ مزید اس پر دلیل قائم کرنا کہ اسے حاکم نے صحیح کہا اس کی صحت کی دلیل حاکم نے نہیں دی بلا دلیل دعویٰ باطل ہے۔ بنابریں یہ مردود ہے۔

(۳) حدیث حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کو اس کی دلیل بنانا مردود تر ہے۔ کیونکہ جس روایت کو دلیل بنایا جا رہا ہے اس کی اپنی صحت مخدوش ہے۔ بلکہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حدیث خود ساختہ ہے۔ بخاری و مسلم میں آنے سے اسے صحت کی معراج نہیں ملتی بلکہ صحت کی اصل قوت اتصال سند ہے۔ جو اسے میسر نہیں۔ اور راوی کے پاس اس روایت کے حصول کے لیے کوئی ذریعۂ علم ہی نہیں۔ اور یہ روایت کائنات کے بدترین الزام پر مبنی ہے۔ جسے ثابت کرنے کے لیے ٹھوس شواہد میسر ہی نہیں۔

(۴) یہ روایت بداہت عقل کے بھی خلاف ہے صورت اس کی یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحبت نبوی میں التزام ایک مثالی حقیقت ہے اور منفرد تقدس ہے۔ اگر کفر ابی طالب علیہ السلام کی کوئی حقیقت ہوتی تو سب سے پہلے اس کی اطلاع سیدنا صدیق کو ہوتی۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کو نہ ہوتی۔ جس تشکیل کے ساتھ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے اگر اس تشکیل کے ساتھ تاجدار صداقت بیان کرتے تو یقیناً قبول ہوتی کیونکہ ان کا صحبت نبوی میں التزام ایک مسلمہ حقیقت ہے اور وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت ان کا وہاں موجود ہونا ایک بدیہی بات ہے۔ مگر انھوں نے زندگی بھر ایسی کوئی روایت بیان نہیں کی بلکہ اپنے پاس جمع شدہ روایات کو جلا دیا مبادا کہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہ میں روایت کروں اور وہ خلاف حقیقت ہو۔ اتنا بڑا عظیم بندہ حرمِ نبوت کے خلاف اتنی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ دلیل

اس کی یہ ہے کہ یہ عظیم الظرف انسان آداب حرم نبوت میں اتنا بلند ہے کہ پوری اسلامی سلطنت کا حکمران ہے
پر بیٹھ کر عظیم خطبہ ارشاد فرمارہا ہے۔ دوران خطبہ حضرت حسین علیہ السلام اپنے بچپن کے لا ابالی پن میں تشریف لاتے
خلیفہ وقت خطبہ بھی ادھورا چھوڑ دیتے ہیں منبر سے بھی اتر آتے ہیں جہاں مولا حسین کھڑے ہیں وہاں آکر ان کے قدموں
میں بیٹھ جاتے ہیں۔ جب تک مولا حسین انہیں دوبارہ منبر پر جانے کا ارشاد نہیں فرماتے تب تک یہ سراپا ادب بن کر ان
کے حضور حاضر رہتے ہیں۔ بھلا ایسا صاحب اسوۂ ادب ان کے جدِّ کریم کے کفر کی بات کر سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔
یہ فراڈ ڈرامہ اہل علم کا خود ساختہ ہے۔ بطور حوالہ اس قدسی وجود کو پیش کرنے کی حماقت کرتے ہیں اور خود پیچھے چھپ جاتے ہیں۔
صاحب اصابہ نے ان روایات کے اصل ماخذات ذکر کیے مگر ان میں ان کا نشان تک نہیں۔

نوٹ:۔ امام حاکم نے جس روایت کی صحت کا حکم لگایا ہے اس کا سیدنا ابوطالب علیہ السلام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صاحب اصابہ نے فوائد ابی یعلی سمویہ ابو بشیر کتاب مکہ اور مستدرک للحاکم کا حوالہ دیا حالانکہ یہ روایت ان ماخذات میں بالکل نہیں۔ رہی حاکم کی تصحیح وہ بھی فضول ہے کیونکہ جس روایت کی تصحیح میں حاکم نے قول کیا ہے وہ روایت ابوطالب علیہ السلام سے متعلق ہی نہیں۔ (فریدی) (دیکھئے حاکم، کتاب المغازی میں یہ تصحیح مصنوعی ہے)

حدیث سیزدہم کا جواب

حضرت ابوطالب علیہ السلام الاصابہ کی ایک اور روایت کی زد میں

اہل علم! الاصابہ کی اس روایت کو بھی کفر ابی طالب علیہ السلام میں بطور دلیل لاتے ہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو۔ سند حدیث
"وفی زیادات یونس بن بکیر فی المغازی، عن یونس بن عمرو، عن أبی السفر، قال بعث أبو طالب إلی النبی ﷺ فقال أطعمنی من عنب جنتك فقال أبوبكر إن الله حرمها علی الكافرین"

ترجمہ: حضرت ابوطالب علیہ السلام نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کی مجھے اپنی جنت سے انگور لا کر دیں۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت کے انگوروں کو کافروں کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

الجواب بعون الوہاب

(۱) یہ روایت انہی روایتوں میں سے ہے جن کی بابت اس روایت کے اول ناقل علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں فرمایا اور انہی احادیث کے ذیل میں فرمایا

مقدمہ ... ذہ الاسانید هذه الأحاديث واهية"

ذہ روایات ہیں جن کی سندیں واہی اور بیہودہ ہیں۔ بنا بریں یہ روایت اصلاً مردود ہے۔ ناقل خود مانتے ہیں۔ مگر حیرت ہے وہ روایات ہیں اسے موثر دلیل مانا گیا ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔ بلا دلیل ہے۔ نا قابلِ قبول ہے۔

یہ مبحث شریف میں اسے موثر دلیل مانا گیا ہے۔

(۲) حیرت ہے سوال نبی ﷺ سے کیا گیا ہے جنتی انگور منگوا دو۔ اس روایت میں حضور ﷺ تو خاموش رہے مگر حضرت ابو بکر صدیق نے بغیر دلیل کے ابو طالب علیہ السلام کے کفر کا فتویٰ قبل از وقت ہی دے دیا حالانکہ قرآن کریم نے کہا

"مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ"

یہ خوب واضح ہوا کہ یہ اصحاب جحیم ہیں جہنمی ہیں تو ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ تمام اہل تفسیر نے اس قرآنی آیت کی وضاحت فرمائی ہے کہ جب تک کسی کی موت کفر پر نہ ہو جائے تب تک اسے اصحاب جحیم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے مرنے سے پہلے ایمان نصیب ہو جائے خصوصاً غرغرہ سے پہلے۔ اسی لیے تمام اہل تفسیر نے اس بات کو جائز رکھا کہ زندہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز ہے اس امر پر کہ شاید انھیں ایمان نصیب ہو جائے۔ (کتب تفسیر عامہ)

ب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبل از وقت جناب ابو طالب علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ کیوں لگایا کس قطعی دلیل سے لگایا یا قرآن کی نص صریح کے خلاف؟ اور یہ گستاخی نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے صدیق اکبر ہرگز نہیں کر سکتے۔ اگر بات حق ہوتی تو یقیناً زبان نبوت اس کی تصدیق کرتی۔ حضور کے ہوتے ہوئے تاجدارِ ادب و نیاز یہ جسارت ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ وہ اپنی صدیقی نگاہوں سے نزول وحی کے حالات سے واقف تھے۔ حیرت ہے وحی رسول پر آئے فتویٰ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دیں۔ ابھی تک جناب ابو طالب علیہ السلام بقید حیات ہیں حالت غرغرہ تک نہیں پہنچے تبھی تو انگور مانگے تاجدار صداقت کے خلق کے وقار کے ہی خلاف ہے وہ تاجدار نبوت کی موجودگی میں کفر کا فتویٰ دیں بنا بریں یہ روایت سنداً بھی مردود ہے اور متناً بھی اور حقیقتاً بھی۔ کیونکہ ابھی تک حضرت ابو طالب علیہ السلام کے خلاف نہ تو کچھ قرآن میں نازل ہوا اور نہ زبان نبوت نے ابھی تک کوئی فیصلہ فرمایا۔

بلکہ اگلی روایت جو مبحث شریف والوں نے محمد بن کعب قرظی کے حوالے سے حدیث چہاردہم کے عنوان میں بیان کی ہے۔ اس میں ایک وضاحت موجود ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جناب ابو طالب علیہ السلام کو دعوت اسلام دی۔ یارا ابھی تک تو دعوت اسلام دی ہی نہیں گئی نہ انکار کی صورت عمل میں آئی جس پر کفر کا حکم صادر کیا جاتا۔ دعوت و انکار دعوت سے قبل ہی تاجدار صداقت کا کفر ابی طالب علیہ السلام کا فتویٰ یہ قیامت سے پہلے قیامت کے مترادف ہے۔ جو نرا جھوٹ ہے فراڈ ہے۔ صداقت جھوٹ نہیں ہوتی گویا یہ حدیث ہی نہیں تبھی تو امام عسقلانی علیہ الرحمہ نے اسے سند کے اعتبار سے واہی کہا بیہودہ کہا ہے۔

الاصابہ کی ایک اور روایت

حدیثِ چہاردہم کا جواب

القرظی کے حوالے سے نقل ہے ملاحظہ فرمائیں۔ سند

"الواحدی من حدیث موسیٰ بن عبیدۃ قال اخبرنا محمد بن کعب القرظی قال بلغنی انہ لما اشتکیٰ ابو طالب شکواہ التی قبض فیھا قالت لہ قریش ارسل الی ابن اخیک یرسل الیک من ھذہ الجنۃ التی ذکرھا یکون لک شفاءً فارسل الیہ فقال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حرمھا علی الکافرین طعامھا و شرابھا فقال لو لا ان تعیرنی بھا فیقال جزع من الموت لاقررت بھا عینک واستغفر لہ بعد ما مات فقال المسلمون ما یمنعنا ان نستغفر لآبائنا و ذوی قرابتنا قد استغفر ابراھیم علیہ السلام لابیہ و محمد ﷺ لعمہ فاستغفروا للمشرکین حتی نزلت ما کان للنبی والذین امنوا۔۔۔ الآیہ"

ترجمہ:۔ حضرت محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کا مرض الموت شدت اختیار کر گیا تو قریش نے طنزاً کہا کہ آپ اپنے بھتیجے سے کہو کہ وہ جس جنت کا وعدہ دیتا ہے اس جنت سے آپ کو کوئی جنتی پھل لا کر دے تا کہ تم شفاء پاؤ۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے یہ بات آپ ﷺ سے کہلا بھیجی۔ پیغام پہنچایا گیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کا کھانا پینا کافروں کے لیے مشرکوں کے لیے حرام ہے۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور ابوطالب علیہ السلام پر اسلام پیش فرمایا۔ اس پر ابوطالب علیہ السلام نے کہا کہ لوگ حضور ﷺ پر طعنہ کریں گے کہ حضور کا چچا موت سے گھبرا گیا اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ کی خوشی میں ضرور کلمہ پڑھتا۔ جب ابوطالب علیہ السلام فوت ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا شروع کر دی۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم بھی اپنے والدین، قریبی رشتے داروں کے لیے دعائے مغفرت کریں گے۔ ہمیں کونسی چیز مانع ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لیے استغفار کی ہے اور محمد ﷺ نے اپنے چچا کے لیے کی ہے تو ہم بھی دعائے مغفرت اپنے آباؤ اجداد کے لیے کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کے لیے اور مسلمانوں کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ خاص کر جب روشن ہو گیا کہ وہ جہنمی ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

مقدمہ

الجواب بعون الوھاب

روایت بغیر واسطہ صحابی ہے۔

(۱) اس روایت میں صرف مردود روایات کا چربہ ہے یہ الگ سے کوئی روایت ہی نہیں کچھ حصہ کسی روایت کا ہے اور کچھ حصہ کسی روایت کا ہے۔ اس روایت کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا اپنا کوئی ذاتی علمی وجود ہی نہیں۔ روایت کرنے والا تابعی ہے صحابی نہیں جبکہ یہ معاملہ زمانہ نبوت کا ہے۔

(۲) یہ روایت اپنے سے پہلی روایت سے ٹکرا رہی ہے جو اسی مضمون کی ہے۔ پہلی روایت میں ابتداء کفرِ ابی طالب علیہ السلام کا فتویٰ جناب ابوبکر صدیق کی طرف منسوب ہے۔ یہ فتویٰ قبل از وقت ہے جو کسی بھی صورت قابل قبول نہیں۔ دوسرا فتویٰ اسی روایت میں کفرِ ابی طالب علیہ السلام کا حضور نبی کریم ﷺ کا فتویٰ۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ غلام پہلے بازی لے گئے کیونکہ یہاں تحقیق سے پہلے کفر کے فتوے؟ (نعوذ باللہ) ابھی تک تو ابوطالب علیہ السلام انگور مانگ رہے ہیں۔ اپنے مکمل حواس میں موجود ہیں۔ انھیں دعوتِ اسلام تو پہنچی ہی نہیں نہ ابھی تک انھوں نے اسلام کا انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا لیکن کفر کے فتوے پہلے ہی جاری کیے جا رہے ہیں۔ ایسا تو قانون شریعت کے بھی خلاف ہے کہ وہ کسی کو ارتکاب گناہ سے پہلے ہی گناہ گار ٹھہرائے اور سزا دے دے۔ رحمت اسلام کا بھی تو امتیاز ہے کہ اگر کوئی نیکی کا ارادہ کرے مگر نیکی نہ کر پائے تو محض ارادے پر اس کو ایک کامل رحمت سے نواز دیا جاتا ہے۔ اگر گناہ کا ارادہ کرے مگر گناہ نہ کرنے پائے تو محض ارادے پر گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اگر گناہ سے پوری عزیمت کے ساتھ باز رہے تو بھی ایک کامل نیکی کا حق دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ مگر اس روایت میں تو تاجدارِ صداقت بھی اور تاجدارِ نبوت بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑ رہے ہیں۔ ابھی تک تو سیدنا ابوطالب علیہ السلام نے ارادۂ کفر کیا ہی نہیں۔ انہیں پہلے ہی کر کے جرم میں گرفتار فتویٰ کیا جا رہا ہے۔ علمی طبقہ کچھ تو ہوش کے ناخن لے! نبوت بھی ایک عظیم منصب ہے خلافت وصداقت بھی ایک منصب۔ یہ وہ مناصب ہیں جہاں حکمتیں نازل ہوا کرتی ہیں اور ان کو اپنے منصب کا لحاظ کرنا بھی آتا ہے یہ اہل علم کی فتویٰ باز فیکٹریاں نہیں جہاں مصنوعی فتوے فروخت ہوتے ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرنا چاہیے آخر حرمِ نبوت ہے۔ بنا بریں یہ روایت مردود ہے شانِ نبوت وصداقت پر جھوٹا الزام ہے۔

(۳) اس روایت کا وہ حصہ جو پہلی روایت کی چربہ سازی ہے صرف تھوڑا سا فرق ہے وہاں تاجدارِ صداقت کو اس جھوٹ کا ملوث کیا گیا یہاں تاجدارِ نبوت کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔ اس روایت میں ابوطالب علیہ السلام نے خود اپنے ذوق سے

انگور مانگے ہیں اس روایت میں قریش کے اکسانے پر مانگے ہیں۔ باقی سارے مضمون میں یکسانیت ہے۔

معقولیت کیا تھی:

پہلے دعوتِ اسلام دی جاتی اگر وہ انکار کر دیتے تو یقیناً کافر تھے۔ یہ دونوں فتوے ان پر یقیناً صادق آتے مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ نہ دعوت دی گئی نہ انکار سامنے آیا پہلے ہی دونوں ذاتیں جذباتی ہو گئیں اور ٹھوک فتویٰ دیا کہ کافر کے لیے جنت کی نعمتیں حرام ہیں۔ خصوصاً ابو طالب علیہ السلام کے لیے۔ حالانکہ جنت کی ساری عظمتیں جناب ابو طالب علیہ السلام کے پوتوں تک آ کر تکمیل پذیر ہو جاتی ہیں۔ انکا مقام تو کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ پوری اُمت اور خود صاحبِ اُمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ممنون احسان ہیں۔ اگر شپرہ چشم نہ بیند آفتاب آفتاب راچہ گناہ

(۴) محمد بن کعب القرظی کو مبحث شریف والوں نے تابعین میں شمار کیا ہے۔ اجلہ آئمہ ومحدثین ومفسرین میں شمار کیا ہے یہ روایت بھی انہی سے درآمد فرمائی ہے۔ یہ درآمدی روایت خود بول رہی ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کوئی وجود ہی نہیں۔ وہ اس طرح کہ خود صاحبِ روایت محمد بن کعب القرظی فرما رہے ہیں "بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ" الخ۔ کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے یہ نہیں کہا "سمعت من فلان او اخبرنی فلان، انبانی فلان، قال لی فلان" یعنی کس سے پہنچی ہے کوئی پتہ نہیں۔ جب روایت کا اصل مصدر ماخذ ہی لاپتہ ہو تو اس روایت کی کیا حقیقت ہوتی ہے؟ نصف صدی سے بھی زائد وقوعہ کو محمد بن کعب بیان کر رہے ہیں وہ بھی بغیر سند کے بنابریں یہ روایت مردود ہے۔ کیا یہ اہلِ علم کا دوہرا معیار نہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت کو یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ منقطع ہے ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا لہٰذا ثبوت ایمان ابی طالب علیہ السلام میں قبول نہیں کی جاتی۔ حالانکہ اس روایت میں راوی ہے ضرور مگر نام نہیں لیا گیا مگر یہاں تو راوی کا نشان بھی نہیں ملتا اسے کیسے قبول کر لیا گیا ہے اور ظلم کی بات یہ ہے کہ اس روایت کو مبحث شریف والوں نے کفر ابی طالب علیہ السلام کے مصنوعی تصور میں بطور دلیل موثرہ مانا ہے۔

نوٹ:۔ یہ روایت جناب عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی صحیح لذاتہ روایت کا معارضہ نہیں کر سکتی اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

(۵) محمد بن کعب القرظی اور اس کے ناقلین کا علمی فرض بنتا ہے کہ پہلے اس کی سند کا اتصال بیان کریں۔ پھر اسے اس تشکیل کے ساتھ مستقل روایت بنائیں پھر کفر ابی طالب علیہ السلام ثابت کرنے کے لیے اس کی قطعیت تلاش کریں تاکہ یہ روایت بطور دلیلِ قطعی کفر ابی طالب علیہ السلام کے مصنوعی مزعومہ تصور میں مفیدِ یقین ہو کر موثر علمی بنے فقیر کا چیلنج ہے قیامت تک نہ راوی ایسا کر سکتا ہے نہ ناقلین روایت ایسا کر سکتے ہیں۔ جب ایسا ہی ہے تو پھر حرمِ نبوت پر اس درآمدی مصنوعی روایت کو بیہودہ دلیل بنا کر حملہ کرنے کی کس نے اجازت دی ہے؟ اب فراڈ نہیں چلے گا۔ (فقیر فریدی)

حقیقت تفسیر برملا کہہ رہا ہے یہ روایت بدترین مردود ہے۔

بیان فقیر پر ... محمد بن کعب القرظی ہیں جن کی روایت کو سند بنا کر ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے کفر میں ایک "الادلۃ" نامی مستقل کتاب لکھی ہے جس کا فقیر نے عصمت والدین مصطفی ﷺ اور قرآن کریم میں سرسری رد کیا ہے۔ مزید مفصل رد فقیر کی کتاب حرمت والدین مصطفی ﷺ اور قرآن کریم میں آپ کو ملے گا۔ ضرور مطالعہ فرمائیں۔

(۲) اس روایت کے آخر میں عدم استغفار کی آیت کا ناجائز استعمال کیا گیا ہے جس کی مکمل تفصیلات آپ ابتداء میں ملاحظہ فرما آئے ہیں۔ گویا اس روایت کو روایت کہنا روایتوں کی توہین کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن شرمناک بات یہ ہے کہ بڑے بڑے اہل علم نے نجانے اپنے مزعومہ نظریہ میں کیوں بیان کیا ہے؟ مجھے محسوس یہی ہوتا ہے کہ حرم نبوت کے خلاف جسے جو رطب ویابس ملتا ہے خصوصا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف تو یہ لوگ بڑے شوق سے اسے اپنی کتابوں کی زینت بنا کر اموی غنڈہ گردی کی تائید کرتے ہیں اور بس۔

(۳) موسیٰ بن عبیدہ بدترین ضعیف راوی ہے۔

کفر ابی طالب علیہ السلام کے عجیب دلائل کا جواب

(۱) بحث شریف میں کفر ابی طالب علیہ السلام کو ثابت کرنے کے لیے صاحب بحث شریف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انوکھا حوالہ قائم فرمایا الاصابہ فی تمیز الصحابہ بحوالہ ابن اسحاق یہ بیان کیا ہے حضرت فاروق اعظم امیر المؤمنین نے حضور نبی کریم ﷺ کے چچا جناب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا

"اِنَّا بِاسلامِكَ اِذَا اَسْلَمْتَ اَفْرَحُ مِنِّي باسلام الخطاب ذکرہ ابن اسحاق فی سیرتہ"

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے کی اتنی خوشی نہیں جتنی آپ کے اسلام لانے کی خوشی ہے۔

مذکورہ دلیل کا جواب

قارئین محترم! اس حوالے کو کفر ابی طالب علیہ السلام میں مؤثر دلیل ماننا عجیب سے بھی عجیب تر ہے۔ کہاں اسلام عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور کہاں کفر ابی طالب علیہ السلام؟ کائنات میں کیا کوئی ایسا اصول بھی ہے کہ ایک شخص کا اسلام لانا دوسرے کے لیے کفر کی دلیل بنے؟ منکرین ابی طالب علیہ السلام کے ذمے دلیل ہے اور قرض ہے پورے ذخیرہ علم سے تلاش کرکے کوئی ایک نظیر مہیا کریں اور اصول بتائیں دلیل کے ساتھ کہ ایک شخص کا اسلام لانا دوسرے شخص کے کفر کی دلیل ہے۔

جیسا یہاں بتایا گیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس اتو کھے حوالے کو صاحب مبحث شریف کی فصل نہم میں سے ایک گواہ قرار دیا حالانکہ پوری کتاب میں کفر ابی طالب علیہ السلام پر حضرت فاروق اعظم کا کوئی قول اور وضاحت نہیں مگر پھر بھی انہیں گواہوں میں نامزد کر دیا ہے جو کہ کسی بھی طرح ٹھیک نہیں۔

اس مبحث شریف میں کفر ابی طالب کا ایک عجیب حوالہ دیا گیا ہے۔

حدیث پنجم کے عنوان کے ذیل میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جو ضحضاح (پتلی آگ) جو ان کے پاؤں میں پہنائی جائے گی ٹخنوں تک آئے گی۔ جس کی شدت حرارت سے ان کا دماغ پگھل جائے گا۔ بھیجہ نکل کر پاؤں میں آپڑے گا۔ ایک روایت میں ہے وغیرہ

اس پر علمی تبصرہ کرتے ہوئے صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری، ارشاد الساری، شروح بخاری اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں امام سہیلی سے حدیث کی حکمت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پاؤں تک عذاب کی حکمت یہ ہے کہ

"الحکمة فیه ان ابا طالب کان تابعا لرسول الله ﷺ للجملته الا انه استمر ثابت القدم علی دین قومه فسلط العذاب علی قدمیه خاصة لتثبیته ایاهما علی دین قومه" (عمدۃ القاری باب قصہ ابی طالب)

ترجمہ:۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاؤں تک آگ رہنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم شکل عمل کی سزا دیتا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا سارا بدن تو حضور اقدس ﷺ کی حمایت میں سرگرم عمل اور تابع رہا مگر پاؤں ملت کفر پر ثابت قدم رہے اس لیے پاؤں پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ (ملخص از فتاویٰ رضویہ شریف بحوالہ مبحث المطالب)

الجواب بعون الوھاب

قارئین محترم! مجھے اس حوالہ کفر پر ہنسی اور رونا دونوں آ رہے ہیں۔ ہنسی تو اس لیے کہ اس سے زیادہ سطحی بات اور کائنات میں ممکن ہی نہیں رونا اس لیے کہ ہمارے عظیم بزرگ اتنی گھٹیا واہی سوچ کو بطور حوالہ پیش کر رہے ہیں اور اس سے کفر ابی طالب علیہ السلام ثابت کر رہے ہیں۔

وضاحت۔ اس بابت چند امور غور طلب ہیں

(۱) مذکورہ حدیث و روایت بذات خود متکلم فیہ ہے اور اس پر مزید حاشیہ آرائی انتہائی گھٹیا فکر کی عکاس ہے۔ اس کا علم سے تو تعلق ہی نہیں بنتا۔

(۲) ہمارے ان بزرگوں نے جناب ابو طالب علیہ السلام کے وجود کے دو حصے کیے ہیں۔ پاؤں الگ کر دیے ہیں باقی جسم الگ کر دیا۔ پاؤں کو مستحق عذاب ٹھہرایا باقی پورے جسم کو حمایت رسول کی وجہ سے عذاب کے تسلط سے محفوظ رکھا۔ ایک طرح کا یہ اعتراف حقیقت ہے کہ عذاب پاؤں کو ہو رہا ہے نہ کہ پورے جسم کو تو پھر باقی سارے جسم کو جنت میں ہونا چاہیے۔ حمایت واتباعِ رسول ﷺ کی وجہ سے۔ صرف پاؤں کو ثابت قدمی کی وجہ سے پتلی آگ میں ہونا چاہیے کیونکہ عذاب بشکل عمل ہوتا ہے۔ ہمارے ان بزرگوں کے مطابق اب ابو طالب علیہ السلام کو جہنمی کہنا "مِنۡ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ" میں بیان کرنا قطعاً غلط ہے۔ حیرت یہ ہے کہ یہ وضاحت جو امام سہیلی نے گھڑی اور صاحب شرح المطالب فی بحث ایمان ابی طالب نے اسے نقل کیا دلیل کفر ابی طالب علیہ السلام کے طور پر یہ سب کچھ مقتضائے روایت کے بذات خود خلاف ہے۔ کیونکہ روایت میں واضح الفاظ ہیں کہ جناب ابو طالب علیہ السلام کو پتلی آگ میں کھڑا کیا جائے گا۔ جس کی شدت سے ان کا دماغ کھولے گا حتی کہ دماغ پگھل کر ان کے قدموں میں آ جائے گا۔ یونس بن بکیر کی محمد بن اسحاق کے حوالے سے بیان کردہ روایت میں۔ اب اس صورت میں ان کے جسم کے دو حصے کرنے کا مقصد ہی ختم ہو گیا مگر اہلِ علم نے زور لگا کر دو حصے کر ہی دیے۔ بہر حال اب اس بیان کے مطابق جناب ابو طالب علیہ السلام اپنے مکمل جسم کے ساتھ جنت میں ہیں صرف دو پاؤں رہ گئے جہنم میں ان علماء کے مطابق اب آیئے ذرا ہم اللہ تعالیٰ کے قرآن سے پوچھ لیتے ہیں کہ علماء کے اس مخمصے کا حل کیا ہے؟ تو قرآن کریم نے کہا کہ ثابت قدم رہنا پاؤں کے ٹھہرے رہنے کا نام نہیں بلکہ ثابت قدمی یقین قلبی کا نام ہے استقامت یقینِ قلبی کا نام ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا "بے شک وہ لوگ ہماری ربوبیت کا یقین رکھتے ہیں پھر اس پر جم جاتے ہیں یعنی اسی یقین میں پختہ ہو جاتے ہیں ان کا جسم تو ٹوٹ سکتا ہے مگر انکا یقین نہیں ٹوٹ سکتا۔" وَتَثۡبِيۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ "وہ اپنے جی میں دلوں کی ثابت قدم ہیں یعنی ان کا یقین نہیں ٹوٹتا۔ فطرت بھی یہی کہتی ہے کہ ثابت قدمی یقین کی قوت کا نام ہے اور وجود دل کے تابع ہے نہ کہ دل وجود کے تابع۔ بہر حال اہل علم نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے دوسرے حصہ وجود کو حمایت رسول ﷺ کی بنیاد پر جہنم کی آگ سے الگ رکھا ان کا شکریہ۔ صرف پاؤں مبارک کو آگ میں داخل کرنے کے قائل ہو گئے۔ اپنی وضاحت کے مطابق قرآن نے ثابت قدمی سے پاؤں مراد نہیں لیے بلکہ یقین قلبی کی قوت مراد لیا ہے۔ فطرت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وجود کے تمام اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں۔ اب فطرت نے اور قرآن نے تمام وجود کو دل کی قوت کے تابع شمار کیا ہے۔ قرآن اور فطرت چونکہ اولین حقیقت ہیں اسی لیے دلیل میں ان کا پہلا وجود ہی مسلم ہے۔ پاؤں کے علاوہ جسم کے آگ میں نہ جانے کے اہلِ علم قائل ہیں۔ قرآن وفطرت کے مطابق استقامت میں پاؤں دل کے تابع ہیں اب اس صورت میں حضرت ابو

طالب علیہ السلام کا جہنم میں کچھ نہ رہا۔ وہ مکمل جہنم سے آزاد ہو گئے کہ وہ روایت تو سند کے اعتبار سے پہلے ہی ضعیف تھی اب حقیقت کے اعتبار سے بھی اس کی چھٹی ہو گئی۔ اب اہل علم کا واویلا بلا دلیل ہے۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام اپنی بے مثال شان کے مالک ہیں۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی ثابت قدمی کا اصل عنوان

قارئین محترم! اہلِ علم کی طرف سے جناب ابو طالب علیہ السلام پر لگایا گیا کفر و شرک کا الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے ان کو کفر پر ثابت قدم جاننا ظلم ہے۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ وہ کفر کے خلاف ثابت قدم ضرور تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبوب ہم نے آپ کو مضبوط پناہ گاہ دی ہے۔ (القرآن) ارے جس کا حوصلہ چٹان سے زیادہ مضبوط ہو یقین آسمان سے زیادہ بلند، نظر لطافت سے زیادہ پاکیزہ، غیرت سمندر سے زیادہ گہری، فکر حکمتوں کا سمندر، قوت ارادی لوہے سے زیادہ مضبوط ثابت قدمی پہاڑ سے زیادہ مضبوط، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا گواہ ہے اس پر دلیل دینا دلیل شرمندہ کرنے بلا دلیل یہ عظیم دلیل یقین ہیں (فریدی)

ایک عجیب حوالہ کفر ابی طالب علیہ السلام پر

(۳) تاریخ الخمیس کے حوالے سے موجود ہے متن حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

"قیل ان النبی ﷺ مسح ابا طالب بعد مَوْتِہٖ و اَنْسٰی تَحْتَ قَدَمَیْہِ وَلِذَا یَنْتَعَلُ بِنَعْلَیْنِ مِنَ النَّارِ"

ترجمہ:۔ کہا گیا ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے فوت ہونے کے بعد حضرت ابو طالب علیہ السلام کے پیکر عظمت پر نبوت والا اپنا ہاتھ پھیرا مگر ان کے قدموں کی تلیوں پر ہاتھ پھیرنا بھول گئے لہٰذا اسی لیے ابو طالب علیہ السلام کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔ اس روایت سے بھی کفر ابی طالب علیہ السلام ثابت کیا جاتا ہے۔

الجواب بعون الوھاب

(۱) مذکورہ بالا روایت کا راوی ہی نہیں جسے سند میں بطور ثبوت پیش کیا جائے اسی لیے اسے قیل سے شروع کیا گیا جو کسی بھی اعتبار سے قابلِ قبول نہیں۔

(۲) مبحث شریف کے اگلے صفحہ پر تین روایات نقل ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کا گمراہ چچا مر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اسے مٹی میں دبا دو۔

ایک روایت میں ہے کہ جا کر اسے نہلاؤ، غسل دو اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مشرک مرا ہے فرمایا جاؤ اسے مٹی میں دبا دو گویا ان روایات میں غضب نبوت کا اظہار ہے۔ ایک گونہ نفرت کا اظہار ہے نہ تو خود ہاتھ لگانا مناسب سمجھا نہ نہلانا پسند فرمایا۔ نہ دفن کفن میں شرکت کی بلکہ جلال نبوت سے فرمایا جاؤ اسے زمین میں دبا دو۔ کثیر فقہاء نے بھی اپنی فقاہت کی جولانیاں دکھائی ہیں اور بطور دلیل جناب علی علیہ السلام کو پیش کیا اور فتویٰ دیا کہ اگر کوئی کافر مرے تو اس کی کوئی تکریم نہ کی جائے بلکہ اہانت آمیز رویے سے گندے کپڑے کی طرح مٹی میں پھینک دیا جائے۔ یہ ساری باتیں اسی مبحث شریف میں ہیں۔

ان روایات کو سامنے رکھیں اور دوسری طرف وہ روایت جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وفات پانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کے سارے وجود اقدس پر نبوت کا ہاتھ پھیر اگر پاؤں کی تلیاں ہاتھ پھیرنے سے رہ گئیں یہ بھول گئے۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ

اگر پہلی روایت صحیح تھی تو دوسری روایات جو سراسر مخالف ہیں کیوں کر کتاب کا حصہ بنیں۔؟ انھیں کفر ابی طالب علیہ السلام میں بطور دلیل کیوں پیش کیا؟ اگر یہ روایت غلط تھی تو اسے کفر ابی طالب علیہ السلام میں کیوں پیش کیا اور ان مخالف روایات کے مقابلے میں کیوں پیش کیا؟

ثالثاً ان روایات کا تو آپس میں ٹکراؤ ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ "اذا تعارضا تساقطا" جب دو دلیلیں ٹکرا جائیں تو پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہیں۔ ان سے استدلال ممنوع ہو جاتا ہے آسان طریقے سے عرض کرتا ہوں۔

اگلی روایت میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وصالِ مبارک کے بعد نبی پاک نے ان کے پیکر شفقت سے انتہائی نبوی پیار فرمایا محبت سے وجود اقدس پر نبوت و رحمت والا ہاتھ پھیر اگر پاؤں کی تلیوں مبارکہ پر ہاتھ پھیرنا بھول گئے۔ یہ نعمت تو شاید ہی کسی کو ملی ہو؟ بعد از مرگ وصال دست نبوت نے اس کے وجود کو اپنی شفقتوں سے مالا مال کیا ہو؟ یہ روایت تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمتوں کی انتہاء ہے اس سے انکا کفر ثابت کرنا انتہائی ظلم ہے۔ اگلا جملہ "ولذا یتنعل بنعلین من النار" پاؤں مبارک پر دستِ نبوت کا نہ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پاؤں مبارک کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

اولاً یہ جملہ نہ حدیث ہے نہ روایت کا حصہ ہے۔ یہ الحاقی جملہ ہے کسی کا ذاتی استدلال ہے وہ بھی جاہلانہ علم کا اس سے تعلق ہی کوئی نہیں۔ روایت کا اسلوب گواہ ہے کہ نبی نے بھول کر ابوطالب علیہ السلام کے تلووں کو ہاتھ نہیں لگایا نہ کہ عناداً اور

دستِ نبوت کا مس کر جانا یہ کوئی چھوٹی بات نہیں یہ عظمتوں کی معراج ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَنْ مَسَّنِیْ حَرَّمَ اللہُ عَلَیْهِ النَّارَ" جس شخص نے یا جس چیز نے میرے وجود کو مس کر لیا اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ اللہ اکبر۔

جو وجود وجودِ نبوت سے لمحہ بھر کے لیے مس کر کے چھو لے اس پر جہنم حرام ہے اور سلام ہو اس وجود اقدس پر جس کو خود دست نبوت نے اپنی کامل رحمتوں سے شفقتوں سے مس کیا ہو چھوا ہو۔ اور مکمل وجود عظمت کو مس کیا عدم توجہ سے صرف پاؤں مبارک رہ گئے ہوں، پاؤں کوئی وجود کا الگ حصہ نہیں قرآن کے مطابق پاؤں بھی اور سارا وجود بھی مومن کی قلبی عظمتوں کے تحت ہے۔ اس وجود کے بخت پر نصیب کی عظمتوں پر پورے عالم اسلام پوری اُمت کو ناز کرنا چاہیے اور سلام عقیدت پیش کرنا چاہیے جس پر امام الانبیاء ﷺ نے اپنا نبوی ہاتھ مبارک پھیرا ہو۔ اللہ اکبر۔ اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔

سلام ہو اے سید بطحاء، اے رئیس مکہ اے سردار قریش، اے والد تاجدار "ھل اتی ای صہر" (سسر) سیدۃ النساء، اے جد حسن مجتبیٰ، جد تاجدار کربلا، اے عم مصطفیٰ ﷺ اے غیرت دوراں، اعتمادِ خالق کون و مکاں، اے پناہ گاہِ سید مرسلاں، اے اسلام کی تیغ و سناں، اے روحِ صاحبِ دلاں، اے کعبہ عاشقاں، اے قبلہ اہل عرفاں اے محسن و محافظ سید مرسلاں سیدنا ابوطالب علیہ السلام آپ اور آپ کی آل اطہار پر کہ جس کے وجود اقدس پر سردار انبیاء ﷺ کا ہاتھ مبارک لگا۔ مجھے حیرت ہوئی اس جملے پر کہ پاؤں پر چونکہ بھول کر ہاتھ نہیں پھیرا۔ لہٰذا ان کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ کیا دوہری منطق ہے اہلِ علم کی کہ باقی سارا وجود دستِ نبوت کے لگ جانے سے متبرک ہو گیا اس پر جہنم کی آگ حرام ہو گئی صرف پاؤں آگ میں رہیں او بھئی جنت اعلیٰ علیین میں سے ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہنم اسفل السافلین میں تمام زمینوں کی سب سے نچلی سطح کے نیچے ہے۔ اربوں کھربوں میل کی مسافت ہے یہ کیا جبری تحکم اور مخمصہ ہے پاؤں کائنات کی آخری انتہا کے نیچے اور باقی تمام وجود کائنات کی آخری اونچائی کے اوپر۔ اس صورت میں دو ہی معقول صورتیں نظر آتی ہیں یا تو جہنم کو جنت کے قریب تر کر دیا جائے تاکہ جناب ابوطالب علیہ السلام کی فطری قد و قامت کے لحاظ سے بات سمجھ میں آ جائے کہ پاؤں جہنم میں رہیں اور باقی وجود دستِ نبوت کی برکت سے جنت میں رہے۔ کیونکہ حدیث کے مطابق جس نے پیکر نبوت کو مس کیا یا دست نبوت نے کسی کو مس کیا اس پر جہنم حرام۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کے فطری وجود اقدس کو اتنا لمبا کر دیا جائے کہ پاؤں جہنم میں اور باقی وجود جنت میں رہے۔ کیونکہ دستِ نبوت کی برکت اپنے دینی اعزاز میں قائم رہے۔ اب یہ اہلِ علم طے کر لیں کہ ان کے مناسب حال بہتر کیا ہے؟ کیونکہ قدرت الٰہی نہ خود مذاق کرتی ہے اور نہ کرنے دیتی ہے۔ کہ ایک صاحب کی روایت کے کل پرزے سیدھے رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ اتنا تکلف فرمائے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

دستِ نبوت کے اثر کا فیض بار ہونا ایک حقیقت ہے

اہل علم کے ہاں یہ بات علمی مسلم ہے کہ نبوی ہاتھ مبارک جہاں جس جگہ جس چیز کو لگتے ہیں اسے بے مثال برکتوں سے، شرافتوں اور بزرگیوں سے مالامال فرمادیتے ہیں کسی کے چہرے پر لگ جائیں تو اسے روشنیوں کا منبع بنادیتے ہیں۔ ام معبد کی بغیر بچے والی سوکھی کھیری والی بکری کے سوکھے ہوئے تھنوں سے لگ جائیں تو خشک تھنوں سے دودھ کی نہریں جاری فرمادیتے ہیں۔ کسی لا علاج کے زخم پر لگ جائیں تو اسے شفائے کاملہ سے مالامال فرمادیتے ہیں۔ سنگریزوں پر لگ جائیں تو ان سے کلمہ پڑھوا دیتے ہیں۔ کسی مختصر کھانے کو لگ جائیں تو اسے برکتوں سے مالامال فرمادیتے ہیں۔ جب طاقت دکھانے پر آجائیں تو فطرت بدل جاتی ہے۔ اسے امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک ارے اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

اور ایک حسین پیرائے میں یوں فرماتے ہیں

آقا تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم تیری انگلی اٹھ گئی ماہ کا کلیجہ چر گیا

سینکڑوں مسلم روایات ہیں جن میں دستِ نبوت کے فیض بار ہونے کے واقعات موجود ہیں اور زبان زد عام ہیں یہ ایک مسلّم حقیقت ہے مگر حیرت ہے ہر جگہ دستِ نبوت کا فیض بار ہونا حتی کہ لکڑی پر بھی فیض بار ہونا تسلیم ہے مگر یہی دستِ نبوت اگر جناب ابوطالب علیہ السلام کے وجود اقدس پر ارادۂ نبوت سے پھیرے جائیں تو انکا فیض بار ہونا تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ دوہری ٹرمینالوجی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اہل علم خود مان رہے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وصال فرمانے کے بعد آقا کریم ﷺ نے ان کے پیکر شفقت پر رحمت و نبوت کا ہاتھ نبوی ارادے سے پھیرا سارے وجود پر پھیرا صرف پاؤں مبارک پر پھیرنا بھول گئے۔ سارے وجود میں ہاتھ پھیرنے کا اثر مانا جارہا ہے مگر لگتا ہے اہل علم جناب ابوطالب علیہ السلام کے مبارک پاؤں کو ان کے وجود کا حصہ ہی نہیں مانتے یا قرآنی وضاحت نہیں مانتے کہ استقامت قلبی عظمت ہے باقی سارا وجود اسی قلبی عظمت کے تحت ہوتا ہے تبھی کمال تشریحات کر رہے ہیں کہ پاؤں میں آگ کی جوتیاں ہوں گی۔ استغفر اللہ۔

اہل علم کے فلسفے کو مانا جائے تو پھر جنت کے اندر جہنم کے اثر کو بھی ماننا پڑے گا کیونکہ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق جناب ابوطالب علیہ السلام کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔ اس آگ کی شدت اتنی ہوگی کہ اس شدت سے ان کا دماغ پگھل کر ان کے قدموں میں آجائے گا۔ (استغفر اللہ)

مذکورہ روایت کے مطابق کہ جو وجود نبوت سے مس کرلے گا اس پر جہنم حرام ہے۔ اہل علم کے مطابق جناب ابوطالب علیہ

السلام کے باقی تمام جسم اقدس پر نبوت کا ہاتھ پھیرا گیا بنا بریں اس پر جہنم کی آگ حرام ہو گئی۔ نبوی ہاتھوں کی برکت سے سارا وجود ابوطالب علیہ السلام جنت میں ہو گا سوائے پاؤں کے اب پاؤں آگ میں ہیں اور آگ کی شدت دماغ کو پگھلائے گی۔ دماغ سر میں ہوتا ہے سر مبارک جنت میں ہے گویا اس اعتبار سے جہنم کا اثر جنت میں بھی پہنچے گا تو جنت اور جہنم اس حوالے سے متضاد حقیقتیں یکجا ہوں گی۔ جو سراسر قانون قدرت کے خلاف ہے۔ مگر اہل علم کو اس کا احساس ہی نہیں۔ العیاذ باللہ۔ یہ اہل علم فکری خمیازہ جوڑ توڑ۔ ذاتی اندازے ہیں اور کچھ نہیں۔

تعجب خیز بات

میں منکرین ابوطالب علیہ السلام سے عرض کرتا ہوں کہ تم دستِ نبوت کو جناب ابوطالب علیہ السلام کے پاؤں میں فیض یاب نہیں مانتے تو تمہارا فتویٰ شریعت کے بھی خلاف ہے اور فطرت کے بھی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ تم ڈاکٹر سے ٹیکہ لگواؤ اس کا اثر پورے وجود میں مانتے ہو۔ حلوہ کھاؤ تو اس کا اثر قوت وخوراک کے اعتبار سے پورے وجود میں مانتے ہیں آپ کے جسم میں کہیں کٹ لگے۔ زخم آئے تو اس کا اثر پورے وجود میں مانتے ہو۔ سورج کی شعاعیں آپ کے جسم سے مس ہوں اور پورے جسم سے پسینہ نکلے۔ اثر مانتے ہو۔ سراجاً منیراً کی شان والے نبی کے ہاتھ ابوطالب علیہ السلام کے پورے جسم مقدس پر لگیں صرف پاؤں مبارک رہ جائیں تو ان میں دستِ نبوت کا اثر نہیں مانتے یہ دوہرا معیار کب چھوڑو گے؟

قدو قامت ابوطالب علیہ السلام پہ لاکھوں سلام

قارئین محترم! اہل علم نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وجود مسعود کے دو حصے کیے۔ پاؤں پر عذاب مسلط کر دیا اور باقی وجود کو اتباع نبوت کے باعث معفور رکھا۔ صرف قدمین شریفین میں آگ کی جوتیاں پہنائیں وہ اس لیے کہ یہ پاؤں کفر پر استقامت پذیر رہے۔ اہل علم اپنے زعم باطل میں حد سے گزر گئے انہیں یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ یہی وہ قدمین عظمت ہیں جو سنگین ترین حالات میں بھی پورے کفر کے مدمقابل جمے رہے۔ استقامت پذیر رہے حتیٰ کہ شعب ابی طالب علیہ السلام کی تین سالہ قید میں بھی نہیں ڈگمگائے۔ پورے کفر کی دھمکیوں سے بھی مرعوب نہیں ہوئے آخری دم تک حمایت رسول ﷺ میں ڈٹے رہے لمحہ بھر کے لیے بھی پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ اور بھی یہ پاؤں کفر کے ہی تو خلاف مستقل مزاج رہے۔ وہ کون سا کفر ہے جس پر ان کے قدم ثابت رہے؟ رہی کلمہ نہ پڑھنے والی بات تو وہ متعدد مرتبہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ نرا جھوٹ ہے فراڈ، ڈرامہ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اب کونسا کفر اہل علم کو نظر آ گیا ہے اس کی نشاندہی کرنا اہل علم کی منصبی، علمی ذمہ داری ہے۔ کلمہ نہ پڑھنے والی پرانی جھوٹی بات نہ دوہرائی جائے

حدیثِ نہم کا جواب

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ، قَالَ "اذْهَبْ فَوَارِ أَبَاكَ" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۳۲۱۴)
إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ، يَعْنِي أَبَاهُ، قَالَ اذْهَبْ فَوَارِهِ، وَلَا تُحْدِثَنَّ حَدِيثًا حَتَّى تَأْتِيَنِي فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ، فَأَمَرَنِي فَاغْتَسَلْتُ "(السنن الکبریٰ حدیث ۶۶۶۶)
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَاتَ مُشْرِكًا قَالَ لِي "اذْهَبْ فَوَارِهِ"۔ (نصب الرایہ بحوالہ الشافعی، اصابہ صحیح ابن خزیمہ)
ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کہ وہ فرماتے ہیں جب وفاتِ ابی طالب علیہ السلام ہوئی تو میں نے جا کر بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ آقا آپ کا گمراہ چچا (آپ کی محبت میں خود رفتہ چچا) فوت ہو گیا ہے۔ فرمایا جاؤ اپنے ابا کو دفن کر دو۔ اگلی روایت میں ہے کہ آپ کا کافر چچا مر گیا ہے آپ اس کی بابت کیا فرماتے ہیں فرمایا میرے رائے یہ ہے کہ اسے غسل دو اور جناب علی رضی اللہ عنہ کو غسل دینے کا فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ مشرک مرا ہے فرمایا جاؤ اسے دبا آؤ۔ (ملخص از مبحث شریف)

یہ حدیث سنداً باطل متناً مضحکہ خیز ہے

(۱) ان روایات میں کسی بھی روایت کی سند ہی نہیں ذکر کی وجہ یہی ظاہر ہے کہ سند ذکر کرنے سے روایت کا راز کھل جاتا۔ دلیل بے حقیقت ہو جاتی۔ ذہن میں بنایا ہوا خیال بے حیثیت ہو جاتا۔
آیئے اب ہم آپ کے سامنے اس کی پوری سند اصل ماخذ کے ساتھ بیان کرتے ہیں بعد ازاں اس سند پر گفتگو یا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ سچائی آپ کے سامنے آ جائے گی۔
"أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ الرُّوذْبَارِيُّ، أنبا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ شَوْذَبٍ الْمُقْرِئُ بِوَاسِطٍ، ثنا شُعَيْبُ بْنُ أَيُّوبَ، ثنا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ نَاجِيَةَ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ، يَعْنِي أَبَاهُ، قَالَ اذْهَبْ فَوَارِهِ، وَلَا تُحْدِثَنَّ حَدِيثًا حَتَّى تَأْتِيَنِي فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ، فَأَمَرَنِي فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ دَعَا لِي بِدَعَوَاتٍ مَا يَسُرُّنِي مَا عَلَى الْأَرْضِ بِهِنَّ مِنْ شَيْءٍ" سنن ابی داؤد میں "تحدثن شيئا" کا لفظ ہے۔ مگر ان کے راوی مسدد یحییٰ ہیں ناجیہ احمد بن حنبل کی مسند میں اغتسل کے لفظ کا اضافہ ہے۔
تہذیب الکمال والوں نے اس روایت کو احمد بن حنبل کی سند سے نقل کر کے ابوداؤد اور نسائی کے حوالے سے کہا کہ "وقد وقع

لنا بعلوٍ عنه " کہ ہمارے من میں اس کے عالی۔ راوی کی بابت شک واضح ہے۔

امام نسائی کا انفرادی بیان کیا سند بیان کر کے کہا کہ "فوقع لنا بدلاً عالیاً" توثیق کے لیے ابن مدینی کا قول موجود ہے

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد گرامی جناب ابو طالب علیہ السلام کی وفات ہوئی تو میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ آقا ﷺ آپ کا چچا جو آپ کی محبت میں خود رفتہ ہے وہ فوت ہو گیا ہے (مگر یہ صحیح نہیں۔ ابو طالب علیہ السلام گمراہی کفر اور شرک کے محل ہی نہ تھے) (فریدی)۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ ان کے دفن کا انتظام کرو فراغت تک کسی سے بات نہ کرنا سیدھا میری ہی بارگاہ میں آ جانا۔ حضرت علی فرماتے ہیں میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گیا سب کچھ عرض کر دیا۔ پھر مجھے حکم فرمایا جاؤ غسل کرو میں نے غسل کرایا پھر بارگاہ عظمت میں حاضر ہوا۔ تو سید عالم ﷺ نے فرط محبت میں بہت بہت دعائیں دیں اور ایسی خوبصورت اور عظیم دعائیں دیں کہ کائنات بھر کی خوشیاں ایک طرف مگر میرے آقا ﷺ کی دعاؤں کی خوشی ایک طرف۔ مجھے کائنات بھر کی خوشیوں اور مسرتوں نے اتنا مسرور نہیں کیا جتنا میرے کریم آقا ﷺ کی دعاؤں نے مسرور کیا۔

قارئین محترم! یہ ہے اصل حدیث جو فقیر نے پوری سند کے ساتھ پیش کر دی ہے۔ اس میں کونسا ایسا لفظ ہے جو کفر ابی طالب علیہ السلام کو بیان کر رہا ہے؟ اس حدیث میں جناب علی علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے مغلوب الحال ہونے کی عظمت کو بیان فرمایا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی محبت میں کاملاً گم تھے یہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا خان صاحب نے فرمایا بحوالہ تاریخ الخمیس فی انفس النفیس۔ اپنی مبحث شریف میں یوں لکھتے ہیں

"قیل ان النبی ﷺ مسح ابا طالب بعد موته و انسیٰ تحت قدمیه"

رسول اللہ ﷺ جناب ابو طالب علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد ان کے پاس تشریف لائے دست نبوت سے پورے مکمل وجود اقدس پر مس فرمایا۔ مگر قدمین عظمت کے نیچے ہاتھ پھیرنا بھول گئے۔

(واہ نصیب اے سید بطحاء جناب ابو طالب علیہ السلام آپ کے وجود عفت پر سید العالمین ﷺ نے اپنا نبوی ہاتھ پھیرا۔ (فریدی)

(اللہ اکبر)

اب بولیے جناب! یہ کیا ہوا؟ یہ شفقت تو واضح طور پر اعلان کر رہی ہے کہ جناب ابو طالب علیہ السلام سے کتنا عظیم پیار تھا سید المرسلین ﷺ کو۔ ایسی محبت کے درمیان دراڑ ڈالنا وہ بھی حرم نبوت کے باسیوں کے درمیان؟ یہ کتنا عظیم ظلم ہے۔ یہ بات اعلیٰ

مقدمہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی روشنی میں بیان فرمائی ہے۔ بطور حوالہ تاریخ الخمیس کو پیش فرمایا ہے۔

نوٹ: اس حدیث کے ساتھ ایک الحاقی جملہ گھسیڑا گیا ہے "وَلِذَا يَتَنَعَّلُ بِنَعْلَيْنِ مِنَ النَّارِ" چونکہ پاؤں کے تلووں پر ہاتھ پھیرنا رسول اللہ ﷺ بھول گئے تھے اس لیے جناب ابوطالب علیہ السلام کو قیامت کے دن تلووں کے حوالے سے عذاب دیا جائے گا آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔

جواب: من اگزارش ہے کہ یہ جملہ اس عبارت میں نہ حدیث ہے نہ ہی آیت ہے۔ یہ اہلِ علم کی ذاتی اختراع ہے۔ ذہنی تراش ہے۔ ایسی ذہنی تراش کو اختراعوں کو تحقیق نہیں مانتی۔ یہ عقلی مخمصے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ صحیح مسلم کی روایتوں میں بھی یہ جملے ہیں تو اسکا جواب ان روایات کے ضمن میں دیا جا چکا ہے وہ روایات مجہول ہیں قابل اعتبار نہیں کیونکہ ایسی سکت نہیں کہ وہ مفیدِ یقین ہو سکیں۔ ان کا معارضہ صحیح لذاتہٖ حدیث عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہو چکا اب وہ قابل استدلال ہی نہیں

"اِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَ" کی تحقیق

قارئین محترم! اس روایت میں لفظ ضال آیا ہے جس کا ترجمہ اہلِ علم نے گمراہ کیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ بے حقیقت ہے اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

ا: یہ بات قدرت وحدہ لاشریک کی عظمتِ انتخاب کے ہی خلاف ہے۔ کہ حضور سید المرسلین کے لیے ایسی آغوش کا انتخاب کرے جو گمراہی سے معمور ہو۔ جس ذات عصمت مآب کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنا عظیم اور خصوصی الوہی اہتمام فرمایا ہو کہ از آدم علیہ السلام تا جناب عبداللہ علیہ السلام تک اور از سیدہ اُم انسانیت حضرت حواء علیہا السلام سے محسنہ عالمین حضرت سیدہ آمنہ علیہا السلام تک عصمتوں، عفتوں اور شرافتوں کا نوران نفوسِ قدسیہ کی فطرت بنایا ہو اور کامل سجدوں اور مقبول سجدوں کا نوران کی عادت بنایا ہو، اتنے بڑے اہتمام قدرت سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ذات ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کو کسی ایسے شخص کے سپرد کردے جو گمراہ ہو۔ اگر کسی کے من میں کھلبلی ہو کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کے ہاں پرورش پائی تھی تو مسکین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سید المرسلین ﷺ کے درمیان موازنہ بنتا ہی نہیں اور نہ ہی فرعون اور جناب ابوطالب علیہ السلام کے درمیان کوئی موازنہ ہے۔ اس کا فیصلہ تو قرآن کریم نے خود فرما دیا ہے۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا "(القصص: ۸)

دریا میں بہائے گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون والوں نے اٹھا لیا۔ اٹھا لینا گری پڑی چیز کو لقطہ کہتے ہیں۔ جناب موسیٰ

علیہ السلام کو اسی لیے لقطہ کہا یہ ان کی والدہ کریمہ نے انھیں دریا میں بہا دیا تھا۔ امر ربی۔ فرعونیوں سے ہاں ان کی پرورش انتقاماً تھی۔ حضور سید المرسلین ﷺ کو تو قدرت نے جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اہتماماً عطا فرمایا تھا۔ انھیں طلب رسول بنا کر ماوئ نبوی جان کر فرق خود واضح ہے۔ قرآن مجید نے فاوٰی کا ٹائٹل جناب ابوطالب کا بیان فرمایا ہے نہ کہ فرعون کا۔ فرعون کہاں؟ جناب ابوطالب علیہ السلام کہاں؟

چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔

لہٰذا یہ بہانہ بنانا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کے ہاں پرورش پائی وہ بھی کافر مرا۔ جناب خاتم النبیین ﷺ نے اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ہاں پرورش پائی ہے تو ان کے اسلام کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ فلسفہ کی جاہلانہ اور معاندانہ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اہل علم کو قدرت کے اہتمام اور انتقام میں فرق سمجھ لینا چاہیے۔ فرعون سے انتقام لیا گیا خدا تعالیٰ کی زمین پر خدائی دعویٰ کرتا فرعون ہرگز برداشت نہیں۔ بدحواسی کے خاتمہ کے لیے قدرت نے اسی کے گھر پلا کر پروان چڑھایا جبکہ وہ ان کی پیدائش کا بھی دشمن تھا اور کو یہ بھی دلیل بنانا تھا کہ فرعون نے خدائی کا دعویٰ تو کیا ہوا ہے لیکن اسے ابھی تک پتہ نہیں کہ اُسے تباہ و برباد کرنے والا کونسا بچہ ہوگا؟ ہزاروں بچے بے گناہ ذبح کر ڈالے حالانکہ ان بچوں نے اسے تباہ و برباد نہیں کرنا تھا ہاں جس بچے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے تباہ و برباد کرنا تھا قدرت نے اسے فرعون کے گھر پرورش کے لیے بھیج دیا کہ جھوٹے خدا اپنی تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں سے تیار کر اور جو بھلا بچوں سے ڈرتا ہو وہ خُدا کیسے ہو سکتا ہے؟

(۲) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کا ترجمہ کنز الایمان کی صورت میں سورۃ ضحیٰ کی آیت "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" میں یوں فرمایا (اے محبوب ﷺ!) اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ (سبحان اللہ) جبکہ دیگر مترجمین نے اس سے مختلف ترجمہ کیا ہے کسی نے بھولا ہوا کہہ دیا کسی نے بے راہ کہہ دیا کسی نے گمراہ کہہ دیا۔ استغفر اللہ۔

اب چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کے وجود اقدس کا معاملہ کسی بھی صورت ان ترجموں کا محل نہیں ہو سکتا تو لامحالہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ترجمہ ہی محل کلام کے لیے موزوں قرار دیا پایا اور اس میں کوئی علمی سقم بھی نہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ محل کلام اگر معنی موضوع لہ کے مناسب حال نہ ہو تو کسی معنوی مناسبت کی وجہ سے معنی موضوع لہ کے غیر میں یعنی مجاز کی طرف معنی کو پھیرا جائے گا چونکہ رسول دو عالم ﷺ کسی گمراہی کا محل اصلاً نہ تھے اسی لیے یہ ترجمہ نہیں کیا گیا کہ تمہیں گمراہ پایا پھر ہدایت دی بلکہ صحیح ترجمہ کیا گیا کہ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔" زمینی حقائق بھی اس ترجمے کے علمی شواہد ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ اہل علم کے ہاں۔ (کتب عام اصول فقہ) عین ایسے ہی سید بطحاء، سردار مکہ حضرت ابوطالب

حقیقت علیہ السلام بھی کسی گمراہی کے محل اصلاً نہ تھے کیونکہ ماویٰ رسول ﷺ تھے، ملجائے پیکر نبوت تھے۔ ناصرِ دین متین تھے، حامی اسلام و اہل اسلام تھے، میزبانِ رسول ﷺ تھے، یہ عوارضات تھے جس کی وجہ سے وہ کسی ضلالت و رذالت کے محل نہ تھے اور جب ضلالت اور رذالت کا محل ہی نہ تھے تو گمراہی کو ان کی طرف منسوب کرنا بالکل بے جا اور غلط ہے۔ اسی لیے مسکین اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی اقتداء کرتے ہوئے ترجمہ کر رہا ہے آپ کا چچا جو آپ کی محبت میں خود رفتہ ہے یہ خود رفتگی کا لطف تو صرف سید بطحا ہی محسوس کر سکتے ہیں کہ اس وقت ان کی سرشاریوں کی کیفیت کیا تھی؟ یہ ہی جانتے ہیں ان کے ان احساسات کو لفظ و معانی میں بیان کرنا میرے لیے ممکن ہی نہیں۔ اس روایت میں ضال کا معنی خود رفتہ بیان کرنا اس لیے بھی مناسب حال ہے کہ زمینی حقائق بھی یہی گواہی دے رہے ہیں۔ اس کا انکار ممکن نہیں۔ اس ضمن میں دیگر روایات جن میں کافر و مشرک کے الفاظ ملفوظ ہیں ان کی بطور روایت کوئی حقیقت نہیں۔ یہ صرف اس روایت کا چربہ ہے جسے مسکین نے سنن الکبریٰ کے حوالے سے بیان کیا ہے مگر یہ چربہ بھی کسی کام کا نہیں نہ ان کی سند غیر مجروح ہے نہ متن میں کہیں یکسانیت بلکہ یہ بعض اہل علم کے ذاتی اضافے ہیں۔ اگر ان روایتوں کی کوئی حقیقت ہوتی تو مولائے کائنات اعتمادِ خدا و رسول تاجدارِ ولایت کبھی بھی اپنی زبان ولایت سے یہ نہ فرماتے کہ ابوطالب علیہ السلام تو ظلمتوں کا نور تھے۔ مکمل کلام ملاحظہ فرمایئے۔

۔ "أبا طالب عصمة المستجير   وغيث المحول ونور الظلم"

ترجمہ۔ ابوطالب تو پناہ چاہنے والوں کی پناہ گاہ ہیں اے ابوطالب آپ تو خشک سالیوں میں رحمت کی بارش ہیں۔ اور اے ابو طالب آپ تو اندھیروں اور ظلمتوں کے عظیم نور ہیں۔

۔ "لقد هد فقدك اهل الحفاظ   وقد كنت للمصطفى خير عم"

ترجمہ: اے ابوطالب علیہ السلام آپ کے کھو جانے سے غیور لوگوں کے دل سکتہ میں ہو گئے آپ کی کتنی عظیم شان ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عظیم چچا ہیں آپ کی شان بے مثالی واہ واہ۔ (دیوان علی)

اس کے بعد مولائے کائنات اپنے والد گرامی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سانحہ ارتحال پر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور چند دن بعد محسنہ اسلام ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال پُر ملال ہو گیا تھا۔ اس جانکاہ حادثہ نے جہاں سید عالم ﷺ کو غمزدہ کر دیا وہاں مولائے کائنات بھی غم سے نڈھال ہو گئے۔ اسی لیے زبان نبوت نے اس سال کا نام عام الحزن (غم کا سال) رکھا۔ جب یہ مثالی شفقتیں بظاہر مولائے کائنات نے محسوس نہ کیں یعنی یہ دونوں عظمتیں نظر نہ آئیں قدرے تنہائی ہم جلیس ہوئی تو بے کل سے ہو گئے غم سے نڈھال ہو گئے زبان دل کی رفیق بن گئی جی بھر کے روئے مزید

اپنی آنکھوں کو مخاطب ہو کر فرمایا

۔ "عینی جودا بارک اللہ فیکما علیہا للھالکین لا تری لھما مثلا"

ترجمہ:۔ اے میری دونوں آنکھو! خوب آنسو بہاؤ خدا تمہیں اس رونے میں برکت دے ان وصال فرما جانے والوں پر جن کی کائنات میں کوئی مثال نہیں وہ اپنی عظمتوں میں بے مثال ہیں۔

۔ "علی سید البطحاء و ابن رئیسھا سیدۃ النسوان اول من صلیٰ"

ترجمہ:۔ یہ دونوں نفوس قدسیہ کتنے عظیم الشان ہیں ان میں ایک سید بطحاء ہیں سردار مکہ ہیں ایک خاتون عورتوں کی سردار ہیں۔ یہ وجود مکرم ہیں جنھوں نے عورتوں میں سب سے پہلے حضور صمدیت الٰہی میں اپنا سر مبارک سجدہ میں رکھا اے آنکھو ان پر آنسو مزید مزید بہاؤ ان کی کتنی شان ہے۔

۔ "مھذبۃ قد طیب اللہ خیمھا مبارکۃٌ واللہ ساق لھما فضلا"

ترجمہ:۔ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے تمام پاکیزگیوں طہارتوں میں عظمتِ معراج بخشی انھیں پاک بنایا ان کا پاکیزہ وجود سراپا برکات ہے۔ یہ دونوں نفوس قدسیہ اپنی شان وعظمت میں اتنے عظیم ہیں کہ خود خلاق کائنات اللہ تعالیٰ نے اپنی اُلوہی عظمت کے ساتھ ان کی شان فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ اکبر۔ اب مسکین فریدی کی کیا حقیقت کہ میں ان کے اوصاف بیان کرسکوں۔)

پھر فرمایا

۔ "لَقَد نَصَرَا فِی اللہ دینِ محمدٍ عَلٰی مَن بغیٰ فی الدین قد رَعیا الا"

ترجمہ:۔ یقیناً ان دونوں نفوس قدسیہ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور نصرت فرمائی اور ان کے خلوص کا میں گواہ ہوں انھوں نے جو بھی نصرت فرمائی محض محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی یہ نفوس قدسیہ اپنے عزم واستقلال میں اتنے بلند ہیں کہ انھوں نے تمام عہد وپیمان پورے کیے جو انھوں نے حمایت دین میں کیے تھے ہمیشہ سرکشوں کے مدمقابل رہے وفاؤں کی انتہا کردی تو پھر اے آنکھو ایسے عظیم محسنوں پر آنسو بہاؤ۔

۔ "مُصَابِیحھا الدجیٰ بی الجو والھوٰی فبت اقاسی منھما الھمّ والثکلا"

ترجمہ:۔ ان دونوں نفوسِ قدسیہ کے بچھڑ جانے سے میرے لیے فضا تاریک ہو گئی ہے ان کی شفقتوں کے بغیر میری زندگی اندھیری سی ہو گئی ہے۔ ان کی شفقتیں میرے لیے روشنی تھیں بس میں ان کے رنج میں مبتلا ہوں ان کا غم سونے نہیں دیتا۔ ساری ساری رات تکلیفوں سے گزرتی ہے بے قراری نے مضمحل کر دیا ہے۔

قارئین محترم اب اس کلام کے بعد جو قلب و روح کے ارمان ہیں مولائے کائنات اپنی زبان سے بیان فرما رہے ہیں کسی بھی ان کے مقابلے میں تراشی ہوئی روایت کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ اب مذکورہ روایت کی سند کی طرف چلتے ہیں۔

(۳) مذکورہ روایت میں بعض راوی سخت مجروح ہیں مختلف کتب میں چونکہ یہ روایت درج ہے لہٰذا ہر ایک مصنف نے اپنی اپنی سند کے ساتھ اسے بیان کیا ہے ہر ایک کی سند کی انتہاء ناجیہ بن کعب اسدی پر ہوتی ہے۔ آیئے ان کی بابت اہل علم کی رائے معلوم کرتے ہیں سب سے پہلے ہم سنن ابی داؤد کی بات کرتے ہیں کیونکہ اصحاب علم وفن نے اسے صحاح ستہ میں داخل کیا ہے بنابریں ہم اسی کی شرح سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ یہ شرح علامہ عینی نے فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیں

"ن ابی إسحاق به بلفظ السنن، زاد الشافعی فیه فقلت یا رسول الله، إنه مات مشركا، قال اذهب فواره ومن یق الشافعی رواه البیهقی فی سننه الوسطی ثم قال وناجیة بن کعب لا نعلم روی عنه غیر أبی إسحاق، قاله ابن لمدینی وغیره من الحفاظ، وروی البیهقی فی سننه حدیث علی هذا من طرق، وقال إنه حدیث باطل، وأسانیده کلها ضعیفة وبعضها منکر، وأما حدیث أبی هریرة مرفوعا من غسل میتا فلیغتسل، ومن حمله فلیتوضأ فقد رواه أبوداود، والترمذی، وحسنه وضعفه الجمهور، وبسط البیهقی القول فی طرقه، وقال الصحیح وقفه، قال قال الترمذی عن البخاری، عن أحمد بن حنبل، وابن المدینی، قالا لا یصح فی هذا الباب حدیث، وقال محمد بن یحیی الذهلی شیخ البخاری لا أعلم فیه حدیثا ثابتا، وقال ابن المنکدر لیس فیه حدیث ثابت"

"قال محمد بن یحیی الذهلی شیخ البخاری لا اعلم فیه حدیثا ثابتاً" (شرح سنن ابی داؤد، عینی)

ترجمہ وخلاصہ

امام علی بن مدینی مشہور نقاد ہیں فرماتے ہیں ناجیہ بن کعب کو نہیں جانتا کہ سوائے ابی اسحاق کے کسی اور نے روایت کیا ہو۔ تہذیب التہذیب میں ہے "وھو مجھول" اور وہ مجہول ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل باطل ہے۔ اس کی تمام اسناد ضعیف تر ہیں اور بعض احادیث منکر ہیں۔ نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ میں بھی مکمل یہی عبارت ہے۔

اس ضمن میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی میت کو غسل دیا اسے چاہیے کہ وہ خود بھی غسل کرے اور جس نے جنازہ کو کندھے پر اٹھایا اسے چاہیے کہ وہ خود وضو کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔۔۔۔ اس روایت کی بابت اہل علم نے کہا کہ اس باب میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں۔

۳۔ جمہور کے نزدیک اس قسم کی روایت ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے بخاری سے انھوں نے احمد بن حنبل سے اور ابن المدینی نے کہا میں نہیں جان پایا کہ اس قسم کی کوئی حدیث ثابت بھی ہے؟

محمد بن یحییٰ الذھلی شیخ البخاری نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ کوئی حدیث اس قسم کی صحیح ثابت ہے۔ ابن منذر نے کہا کہ اس حدیث کا ثبوت کہیں نہیں۔

۴۔ مزید توثیق ملاحظہ فرمایئے۔ ناجیہ بن کعب الاسدی

"فھو الراوی عن علی بن ابی طالب علیہ السلام فقد قال ابن المدینی ایضاً لا اعلمُ احداً روی عنہ غیر ابی اسحاق وھو مجھول وقال الجوزجانی مذموم" (تہذیب التہذیب)

ترجمہ:۔ ناجیہ بن کعب اسدی جس نے روایت کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے بغیر ابی اسحاق اور کسی کو میں نہیں جانتا اور وہ مجہول ہے۔ امام جوزجانی نے کہا کہ یہ شخص مذمت کیا ہوا ہے۔۔۔۔ مزید توثیق یا اس کی روایت مذموم ہے۔

"وذکرہ ابن حبان فی الکتاب المجروحین وقال کان شیخاً صالحاً الا ان فی حدیثہ تخلیط"

ترجمہ:۔ ابن حبان نے ذکر کیا کہ یہ بوڑھا شخص نیک تو تھا مگر اس کی حدیث میں خلط ملط بہت زیادہ تھا۔

ایک راوی شعیب بن ایوب ہے اس کی بابت اہل علم نے کہا کہ

"اخبرنا ابو عبید بن محمد علی الاجیر قالَ سَمِعْتُہٗ یعنی ابا داؤد سلیمان بن الاشعث یقولُ انی لاخاف اللہ فی الروایۃ عن شعیب بن ایوب الصریفینی"

ترجمہ: علامہ اجری نے کہا کہ میں نے سلیمان بن اشعث کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں شعیب بن ایوب الصریفینی کی روایت بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ (تاریخ بغداد) مزید توثیق

الثقات لابن حبان میں ہے۔ شعیب بن ایوب بن زریق ابوبکر الصریفینی "کانَ علی قضاء بواسط یروی عبید اللہ بن موسیٰ واھل العراق حدثنا عنہ محمد بن المنذر بن سعید وغیرہ یُخطی ویُدلس کل ما حدیثہ المناکیر مدلسہ"

ترجمہ:۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ شعیب بن ایوب بن زریق ابوبکر صریفینی وہ شہر واسط میں قاضی تھے۔ عبید اللہ بن موسیٰ اور اہل عراق سے روایت کرتے تھے۔ اور ان سے محمد بن منذر بن سعید روایت کرتے ہیں مگر یہ شعیب بن ایوب روایت حدیث میں خطاء کرتے تھے۔ اور تدلیس کرتے تھے یعنی سند میں الٹ پلٹ کرتے تھے اور ان کی تمام احادیث میں تدلیس بھی ہے اور تمام احادیث میں مناکیر بھی ہیں اور تدلیس کے عادی تھے۔

قارئین محترم! یہ تھی وہ روایت جس کو اہل علم حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے تمام

طرق سے کوئی بھی سندِ صحیح سالم نہیں۔ تمام اسناد متکلم فیہ ہیں۔ بنابریں یہ روایت تو خبر واحد ہونے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اہل علم نے اس حدیث کے ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن حیرت اور حیف ہے ان اہل علم پر جنھوں نے اس روایت کو بھی کفر ابی طالب علیہ السلام میں بطور دلیل موثر مانا ہے۔ حالانکہ ان کے نزدیک بھی ثبوت عیب میں دلیل قطعی ہی موثر ہو سکتی ہے نہ کہ ظنی۔ مگر اپنے مسلّم قاعدے کے خلاف بھی بضد ہو کر اس روایت کو بطور دلیل موثر استعمال کیا ہے جو کہ سراسر غلط اور زیادتی اور ظلم عظیم ہے۔

قارئین محترم! جس روایت کو مسکین نے اس مضمون میں ذکر کر کے ایک غیر جانبدارانہ تبصرہ کیا ہے یہ روایت السنن الکبریٰ سے لی ہے اسی سنن الکبریٰ میں اس روایت کا ایک معقول جواب موجود ہے جو اس روایت کے بعد والی روایت میں ہے ملاحظہ فرمائیں:

"رَوَى أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ بَقِيَّةَ، وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي الْمُغِيرَةِ، كِلَاهُمَا عَنْ صَفْوَانَ، عَنْ أَبِي الْيَمَانِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ أَبُو طَالِبٍ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَارِضُ جِنَازَتَهُ، قَالَ ابْنُ عَوْفٍ فَجَعَلَ يَمْشِي مُجَانِبًا لَهَا وَهُوَ يَقُولُ بَرَّتْكَ رَحِمٌ وَجُزِيتَ خَيْرًا" (السنن الکبریٰ کتاب الجنائز حدیث نمبر ۲۶۶۶)

ترجمہ: ابو یمان ھوزنی سے روایت ہے کہ جب جناب ابوطالب علیہ السلام کا وصال ہوا تو نبی کریم ﷺ اپنے گھر سے نکلے اور جا کر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے جنازے مبارک میں شریک عظمت ہوئے اور ایک طرف جا رہے تھے اور نبوی زبان رحمت سے فرما رہے تھے کہ اے پیارے چچا آپ نے ہماری عظمت محبت میں کمال کر دکھایا۔ صلہ رحمی کی انتہاء کر دی آپ کو اس کا بدلہ جزا ضرور ملے گا۔ اور تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ آپ کے دامنِ محبت میں رکھے گا۔

قارئین محترم! یہ کیا شفقت و محبت ہے۔ وصال کے بعد فوراً دستِ رحمت پیکر مقدس ابوطالب علیہ السلام پر مس فرما کر فیضان رحمت سے مالا مال فرمایا بعد ازاں جنازے میں شرکت فرمائی۔ جزائے خیر کی بشارت دی۔ محبتوں کی قبولیت کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔ لیکن یار لوگوں نے ہر عظمت کو مسخ کرنے کی ہمہ وقت ناکام کوشش کی۔ تکفیری فتوؤں کے تیر برسائے، یہودی اور امویوں کے بھی جذبوں کو تسکین کا سامان مہیا کیا۔ نعوذ باللہ۔

ثابت ہوا کہ یہ روایت بے حقیقت ہے کسی بھی صورت مفید یقین نہیں وفات ابی طالب علیہ السلام کے عینی شاہد سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صحیح لذاتہٖ حدیث کا معارضہ یہ حدیث نہیں کر سکتی۔ مزید یہ کہ یہ حدیث اصلاً باطل اور جھوٹی ہے۔ مکمل بحث آپ کو نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ میں ملے گی۔ کتاب الجنائز میں مکمل تفصیل ہے۔ یہ کتاب ہدایہ شریف کی حمایت میں لکھی گئی ہے جب اس میں مندرج روایات پر اعتراض کیا گیا تو جواباً یہ کتاب لکھی گئی یہ عام دستیاب ہے مکمل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

(وَإِذَا مَاتَ الْكَافِرُ وَلَهُ وَلِيٌّ مُسْلِمٌ فَإِنَّهُ يُغَسِّلُهُ وَيُكَفِّنُهُ وَيَدْفِنُهُ) بِذٰلِكَ أَمَرَ عَلِيٌّ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- فِي حَقِّ أَبِيهِ أَبِي طَالِبٍ لَكِنْ يُغَسَّلُ غُسْلَ الثَّوْبِ النَّجِسِ وَيُلَفُّ فِي خِرْقَةٍ وَتُحْفَرُ حُفَيْرَةٌ مِنْ غَيْرِ مُرَاعَاةِ سُنَّةِ التَّكْفِينِ وَاللَّحْدِ وَلَا يُوضَعُ فِيهَا بَلْ يُلْقَى.

الْحَدِيثُ الْحَادِي عَشَرَ: قَالَ الْمُصَنِّفُ رحمه الله: وَإِنْ مَاتَ الْكَافِرُ، وَلَهُ وَلِيٌّ مُسْلِمٌ يُغَسِّلُهُ وَيُكَفِّنُهُ وَيَدْفِنُهُ بِذٰلِكَ أَمَرَ عَلِيٌّ رضي الله عنه فِي حَقِّ أَبِيهِ أَبِي طَالِبٍ. قُلْتُ: أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد 3. وَالنَّسَائِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ نَاجِيَةَ بْنِ كَعْبٍ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا مَاتَ أَبُوهُ أَبُو طَالِبٍ، قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ، قَدْ مَاتَ. قَالَ: "اذْهَبْ فَوَارِ أَبَاكَ. ثُمَّ لَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي". فَذَهَبْتُ فَوَارَيْتُهُ وَجِئْتُهُ. فَأَمَرَنِي فَاغْتَسَلْتُ، وَدَعَا لِي، انْتَهَى. وَرَوَاهُ أَحْمَدُ 4. وَإِسْحَاقُ بْنُ رَاهْوَيْهِ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو يَعْلَى، وَالْبَزَّارُ فِي "مَسَانِيدِهِمْ". وَلَيْسَ فِي الْحَدِيثِ الْغُسْلُ وَالْكَفَنُ، إِلَّا أَنْ يُؤْخَذَ ذٰلِكَ مِنْ مَفْهُومِ قَوْلِهِ: فَأَمَرَنِي فَاغْتَسَلْتُ، فَإِنَّ الِاغْتِسَالَ شُرِعَ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ، وَلَمْ يُشْرَعْ مِنْ دَفْنِهِ وَلَمْ يَسْتَدِلَّ بِهِ الْبَيْهَقِيُّ، وَغَيْرُهُ

مِنَ الشَّافِعِيَّةِ، إِلَّا عَلَى الِاغْتِسَالِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ، مَعَ أَنَّهُ قَدْ جَاءَ مُصَرَّحًا بِهِ فِي بَعْضِ الْأَحَادِيثِ فَرَوَى ابْنُ سَعْدٍ فِي "الطَّبَقَاتِ" 5 أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ الْوَاقِدِيُّ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا أَخْبَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَوْتِ أَبِي طَالِبٍ بَكَى، ثُمَّ قَالَ لِي: "اذهب فاغسله وَكَفِّنْهُ وَوَارِهِ". قَالَ: فَفَعَلْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ. فَقَالَ لِي: "اذْهَبْ فَاغْتَسِلْ". قَالَ: وَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ أَيَّامًا، وَلَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ حَتَّى نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} الْآيَةَ. انْتَهَى. وَرَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي "مُصَنَّفِهِ" 6 الْحَدِيثَ بِسَنَدِ السُّنَنِ، قَالَ: إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الْكَافِرَ قَدْ مَاتَ، فَمَا تَرَى فِيهِ، قَالَ: "أَرَى أَنْ تُغَسِّلَهُ وَتُجِنَّهُ". وَأَمَرَهُ بِالْغُسْلِ انْتَهَى. وَرَوَى أَبُو يَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ فِي "مُسْنَدِهِ" 7 مِنْ طَرِيقِ السُّدِّيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ أَبُو طَالِبٍ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ: إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ. قَالَ: "اذْهَبْ فَوَارِهِ، وَلَا تُحْدِثْ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي". قَالَ: فَوَارَيْته، ثُمَّ أَتَيْتُهُ. قَالَ: "اذْهَبْ فَاغْتَسِلْ". فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ. فَدَعَا لِي بِدَعَوَاتٍ مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا حُمْرَ النَّعَمِ أَوْ سُودَهَا. قَالَ: وَكَانَ عَلِيٌّ إِذَا غَسَّلَ مَيِّتًا اغْتَسَلَ انْتَهَى. وَرَوَاهُ الشَّافِعِيُّ 1. وَأَبُو دَاوُد الطَّيَالِسِيُّ. وَابْنُ رَاهْوَيْهِ فِي "مَسَانِيدِهِمْ" عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ بِهِ.

بِلَفْظِ السُّنَنِ زَادَ الشَّافِعِيُّ فِيهِ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا. قَالَ: اذْهَبْ فَوَارِهِ. وَمِنْ طَرِيقِ الشَّافِعِيِّ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي "سُنَنِهِ الْوُسْطَى"2. ثُمَّ قَالَ: وَنَاجِيَةُ بْنُ كَعْبٍ لَا يعلم روى عنه روى غَيْرُ أَبِي إِسْحَاقَ. قَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ. وَغَيْرُهُ مِنَ الْحُفَّاظِ. انْتَهَى. وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي "سُنَنِهِ" حَدِيثَ عَلِيٍّ هَذَا مِنْ طُرُقٍ. وَقَالَ: إِنَّهُ حَدِيثٌ بَاطِلٌ. وَأَسَانِيدُهُ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ. وَبَعْضُهَا مُنْكَرٌ. وَأَمَّا حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا: مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا. فَلْيَغْتَسِلْ. وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ. فَقَدْ رَوَاهُ أَبُو دَاوُد3. وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ. وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ. وَبَسَطَ الْبَيْهَقِيُّ الْقَوْلَ فِي طُرُقِهِ. وَقَالَ: الصَّحِيحُ وَقْفُهُ. قَالَ: قَالَ التِّرْمِذِيُّ عَنِ الْبُخَارِيِّ. عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ. وَابْنِ الْمَدِينِيِّ قَالَا: لَا يَصِحُّ فِي هَذَا الْبَابِ شَيْءٌ. وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الذُّهْلِيُّ. شَيْخُ الْبُخَارِيِّ: لَا أَعْلَمُ فِيهِ حَدِيثًا ثَابِتًا. وَقَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ: لَيْسَ فِيهِ حَدِيثٌ ثَابِتٌ. وَأَمَّا حَدِيثُ عَائِشَةَ أَنَّهُ عليه الصلاة والسلام كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ. وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ. وَمِنَ الْحِجَامَةِ. وَغُسْلِ الْمَيِّتِ. فَرَوَاهُ أَبُو دَاوُد4 بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. وَاسْتَدَلَّ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي "التَّحْقِيقِ" لِلْإِمَامِ أَحْمَدَ فِي مَنْعِهِ الْمُسْلِمَ غَسْلَ قَرِيبِهِ الْكَافِرِ وَدَفْنِهِ. بِحَدِيثٍ أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي "سُنَنِهِ"5. عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ. قَالَ: جَاءَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ. وَهِيَ نَصْرَانِيَّةٌ. وَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَحْضُرَهَا. فَقَالَ عليه السلام: "ارْكَبْ دَابَّتَكَ. وَسِرْ أَمَامَهَا. فَإِنَّكَ إِذَا كُنْتَ أَمَامَهَا لَمْ تَكُنْ مَعَهَا". انْتَهَى. وَهَذَا مَعَ ضَعْفِهِ لَيْسَ فِيهِ حُجَّةٌ. كَمَا تَرَاهُ. ثُمَّ اسْتَدَلَّ لِخُصُومِهِ بِحَدِيثِ أَبِي طَالِبٍ. وَأَجَابَ بِأَنَّهُ كَانَ فِي ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ. وَهَذَا أَيْضًا مَمْنُوعٌ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

نوٹ:۔ مذکورہ حدیث کے تمام طرق بیان کرنے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہ حدیث اصلاً باطل ہے جھوٹی ہے مگر افسوس کہ مکفرین نے اس باطل جھوٹی حدیث کو بھی دلیل کفر بناڈالا جس دعوے کی دلیل جھوٹی ہو اس دعوے کے جھوٹے ہونے میں شک نہیں رہتا۔ (فریدی)

نوٹ:۔ مولائے کائنات کی طرف سے بیان کردہ اس روایت کو مفسرین نے ناجائز طور پر بغیر دلیل استعمال کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک آیت بھی جوڑی ہے۔ کسی محدث نے اس روایت کو سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۳ کا شانِ نزول نہیں قرار دیا مگر حیرت ہے اس روایت بے سند کو مفسرین نے اپنی تفسیروں کی زینت بناڈالا۔ اس پر کوئی علمی دلیل بھی نہیں جبکہ مذکورہ آیت کے تیرہ شانِ نزول اور بھی ہیں۔ لیکن نہ جانے اہلِ علم نے دیگر شانِ نزولوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی نہ اس پر مستقل کتابیں لکھیں مگر اس شانِ نزول جس کی علمی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اسے غیر معمولی اہمیت دے ڈالی جو کہ بالکل غلط اور ظلم ہے۔

حدیث نمبر ہفتم کا جواب

یہ حدیث بھی دیگر احادیث کی طرح سنداً متکلم فیہ ہے۔ طبرانی کے حوالے سے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں

"أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ عَلَى صِلَةِ الرَّحِمِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْجَارِ وَإِيوَاءِ الْيَتِيمِ وَإِطْعَامِ الضَّيْفِ وَإِطْعَامِ الْمَسَاكِينِ وَكُلُّ هَذَا قَدْ كَانَ يَفْعَلُهُ هِشَامُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، فَمَا ظَنُّكَ بِهِ أَيْ رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ "كُلُّ قَبْرٍ لَا يَشْهَدُ صَاحِبُهُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَهُوَ جَذْوَةٌ مِنَ النَّارِ، وَقَدْ وَجَدْتُ عَمِّي أَبَا طَالِبٍ فِي طَمْطَامٍ مِنَ النَّارِ فَأَخْرَجَهُ اللهُ بِمَكَانِهِ مِنِّي وَإِحْسَانِهِ إِلَيَّ فَجَعَلَهُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ" (معجم کبیر حدیث نمبر ۱۰۲۹)

ترجمہ:۔ بے شک حارث بن ہشام بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے حجۃ الوداع کے دن۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بے شک میں صلہ رحمی کرتا ہوں ہمسایہ سے اچھا سلوک کرتا ہوں، مہمان نوازی کرتا ہوں، مساکین کو کھانا کھلاتا ہوں میرے باپ ہشام بن مغیرہ بھی یہ کام کرتے تھے ان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس صاحب قبر نے بھی لا الہ اللہ نہیں کہا وہ دوزخ کا انگارہ ہے۔ میں نے خود اپنے چچا ابوطالب کو سر سے اونچی آگ میں پایا۔ میری قرابت وخدمت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے وہاں سے نکال کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا ہے۔

الجواب بعون الوہاب

قارئین محترم! مذکورہ روایت سے بھی مربوط انداز میں کفرابی طالب علیہ السلام ثابت کیا گیا ہے۔ اور اس روایت کو بھی بطور دلیل کفرابی طالب علیہ السلام میں پیش کیا گیا ہے۔ مگر تکفیر کرنے والی علمی دنیا میں سے کسی ایک کو بھی خیال تک نہیں آیا کہ یہ روایت اصلاً معلول ہے۔ اس کے اندر دو راوی ہیں جو انتہائی مجروح اور متکلم فیہ ہیں۔ لہٰذا یہ روایت کسی بھی اعتبار علم سے صحیح نہیں غیر صحیح سے کفر جیسے الزام کو ثابت کرنا غیر معقول جسارت ہے۔

آیئے اب ہم اس کی سند میں غور کرتے ہیں

(۱) اس روایت کی سند میں پہلا راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل ہے۔ اہل علم نے اس کی بابت جو آراء قائم فرمائی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

"عن يحيىٰ بن معين انه قال عبد الله بن محمد بن عقيل ضعيفٌ في كل امرهٖ"

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ بے شک عبداللہ بن محمد بن عقیل تمام اعتبار علم سے بالکل ضعیف ہے۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم)

(۲) ثنا عبد الرحمن قال سألت ابی عن عبد الله بن محمد بن عقیل فقال لَیِّنُ الْحَدِیْثِ لَیْسَ بِقَوِیٍّ وَلا مِمَّنْ یُحْتَجُّ بِحَدِیْثِہٖ

عبد الرحمن نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا عبد اللہ بن محمد بن عقیل کی بابت تو انھوں نے کہا کہ وہ حدیث کے فن میں قوی نہیں۔ انتہائی نرم لین ہے یہ ان لوگوں سے نہیں جن کی حدیث کو بطور حجت و دلیل کی صورت میں قبول کیا جائے۔ یہ اپنی بیان کردہ احادیث میں حجت نہیں نہ ہی اس کی حدیث قابل استدلال ہے۔ (ایضاً)

"حدثنا عبد الرحمن نا ابو زرعۃ نا الحمیدی قال قال سفیان کان ابن عقیل فی حفظہ شیءٌ فکرھتُ ان القیہُ"

عبد الرحمن ہمیں بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا امام ابو زرعہ نے انھوں نے امام الحمیدی سے فرمایا کہ سفیان نے کہا کہ ابن عقیل کے حافظے میں کوئی خرابی ہے۔ بنابریں میں انھیں نقل حدیث میں ملنا پسند نہیں کرتا۔ (ایضاً)

"روی جماعۃ عن ابن معین ضعیف و قال ابن حبان ردی الحفظ۔ یَجِیئُ بالحدیث علی غیر سننہ فوجبت مجانبۃ اخبارہ وکان یحیٰ بن سعید لایحدث عن ابن عقیل" (میزان الاعتدال)

ذہبی فرماتے ہیں ابن معین سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ ابن عقیل ضعیف ہے اور ابن حبان نے کہا انکا حافظہ ردی تھا۔ جس کی بابت یحییٰ کہتے ہیں ان کی اخبار کے نقل کرنے سے دور رہنا واجب ہے۔ یحییٰ بن سعید نے ابن عقیل سے کبھی بھی روایت کو نقل نہیں کیا۔

"قال یعقوب ابن عقیل (عبد اللہ بن محمد بن عقیل) صدوق و فی حدیثہ ضعف شدید جداً"

یعقوب نے کہا کہ ابن عقیل صادق مگر اس کی حدیث میں شدید ضعف ہے۔

"قال حنبل بن اسحاق عن احمد بن حنبل، ابن عقیل (عبد اللہ بن محمد بن عقیل) منکر الحدیث"

احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ ابنِ عقیل منکر الحدیث ہے۔ (اپنے سے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں)

"وقال ابن سعد بن ابی مریم عن یحیٰ ضعیف الحدیث"

اور ابن سعد بن ابی مریم نے یحییٰ سے روایت کیا ہے کہ ابن عقیل ضعیف الحدیث ہے۔

"وقال المفضل بن غسان الملائی و عن یحیٰ بن معین ابن عقیل و عاصم بن عبید اللہ مُتَشَابِھَانِ فی ضُعفِ الحدیث" (تہذیب الکمال)

مفضل بن غسان الملائی نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے کہ ابن عقیل اور عاصم بن عبید اللہ متشابہان ایک جیسے ہیں ضعف حدیث میں۔

(۲)" اسماعیل بن ابان المغنوی الکوفی المتوفی ۲۱۰ھ" یہ دوسرے راوی ہیں اس مذکورہ ضعیف تر روایت کے ان کے بارے میں امام ذہبی نے کھل کر بیان کیا ہے کہ ان کی کھل کر تکذیب کی ہے اہل علم نے ملاحظہ فرمائیں:

"اسماعیل بن ابان المغنوی الکوفی المتوفی کذبہ یحیٰ بن معین"

یحیٰ بن معین نے اسماعیل بن ابان المغنوی کی تکذیب کی ہے۔

"قال احمد بن حنبل کَتَبْنَا عَنْهُ عن ھشام بن عدی ثم روٰی مَوضُوعَۃً عَنْ فطر و غیرہ فترکنا"

امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ہم ہشام بن عدی کے طریق سے اسماعیل بن ابان الغنوی کی روایات کو بیان کرنا شروع کردیا ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہ فطر سے موضوع روایات روایت کرتے تھے۔

"وَقَالَ البخاری ترک احمدُ و الناسُ حدیثہٖ"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسماعیل بن ابان الغنوی سے روایت کرنا بوجہ ان کی کمزوری کے امام احمد اور تمام لوگوں نے روایت کرنا چھوڑ دیا ہے۔

"وقال ابن حبان کَانَ یَضَعُ الحدیثَ علی الثقاتِ"

ابن حبان نے کہا کہ اسماعیل بن ابان ثقات پر حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (گھڑا کرتا تھا) (میزان الاعتدال)

"و روی احمد بن زھیر عن ابن معین وَضَعَ اَحادیثَ علی سفیانَ"

احمد بن زہیر یحیٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ اسماعیل بن ابان حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ (اس نے سفیان پر بہت ساری احادیثیں گھڑی ہیں) ایضا

قارئین محترم! یہ ہیں راوی حدیث جن کی روایت کو پیش کر کے اہل علم نے کفر ابی طالب علیہ السلام پر فتوے دیے کتابیں لکھیں۔ مذہب بنائے بلکہ مذہب حقہ کی معروف شناخت بھی یہی قرار دیا کہ ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہا جائے۔ استغفر اللہ۔

اب اس شناخت والوں سے اہل محبت سوال کریں کہ جناب اس جھوٹی شناخت کا کوئی بھی تمہارے پاس ثبوت ہے؟

اب آیئے اندازہ لگائیں کہ جس روایت کے راویوں کا یہ حال ہو وہ روایت کفر ابی طالب علیہ السلام کیا خاک ثابت کرے گی الحمد للہ یہ وکٹ بھی گر گئی۔

حدیث نمبر (۱۵) پانزدہم کا جواب

...یف کے خزانہ علم میں یہ آخری حدیث ہے

...یم حلیہ میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"...ت مَشِیَّةُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فِی اِسْلَامِ عَمِّیَ الْعَبَّاس وَ مَشِیَّتِی فِی اِسْلَامِ عَمِّی اَبِیْ طَالِبٍ فَغَلَبَتْ مَشِیَّةُ اللهِ عَلٰی مَشِیَّتِی"

...: اللہ تعالیٰ کی مشیت نے میرے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا چاہا اور میری مشیت نے میرے ...ابوطالب علیہ السلام کا مسلمان ہونا چاہا پس اللہ تعالیٰ کی مشیت میری مشیت پر غالب آگئی۔

الجواب بعون الوھاب

...سند کے اعتبار سے۔

...س حدیث کا ماخذ حلیہ ابونعیم بتایا گیا لیکن اس کو مسکین نے بار بار کھنگالا مگر یہ حدیث اس میں کہیں نہ مل سکی۔ فتاویٰ رضویہ کی نئی تدوین میں جلد ۲۹ کے حاشیہ میں اس کا ماخذ کنز العمال بیان کیا گیا ہے۔ مسکین نے کنز العمال شریف کے اس متعلقہ مقام کو دیکھا تو اس حدیث کی سند کا نشان تک نظر نہیں آیا تو ایسے حالات میں اس حدیث کو مفیدِ یقین ماننا قبل از وقت ہے۔ کسی بھی صورت میں سند بیان کرنا مصنف کی علمی ذمہ داری تھی۔ ضابطہ یہ ہے کہ بے سند بات کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں۔ ہاں اگر اس حدیث کی سند میں معیاراتِ سند کوئی لے آئے اور وہ مفیدِ یقین ہوں تو اس حدیث کی صحت پر غور کیا جاسکتا ہے۔

...اس حدیث کا متن اس قابل نہیں کہ اس سے کفرِ ابی طالب علیہ السلام ثابت کیا جاسکے۔ دو حقیقی مشیتوں کا ٹکرا جانا کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" النجم۔

...کہ میرا محبوب خواہشِ نفس سے کبھی بھی کلام نہیں کرتا مگر جب بھی کلام فرماتا ہے تو مرضیٔ الٰہی کی عظمتوں میں فرماتا ہے۔ ...حیرت ہے یہاں وحی کیسے دولخت ہوگئی؟ وہ بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانے کے لیے۔ رہی یہ روایت تو اس کے مندرجات میں کہیں بھی کسی بھی اعتبار سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس میں کفرِ ابی طالب علیہ السلام کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا۔ بلکہ اس روایت میں مقدم اور مؤخر کا مفہوم ابھر رہا ہے کہ میں نے چاہا پہلے ابوطالب علیہ السلام ایمان لے آئیں مگر اللہ تعالیٰ کی رضا یہی رہی کہ پہلے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ایمان کے نور سے نوازے جائیں۔ سو اللہ تعالیٰ کی مشیت پہلے مؤثر ہوگئی۔

...ایک خطرناک پہلو یہ ہے کہ میں نے چاہا کہ ابوطالب علیہ السلام ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عباس بن

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ایمان لے آئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سید عالم ﷺ نے جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی چاہت نہیں کی حالانکہ یہ منصب نبوت کے خلاف ہے کسی بھی اعتبار سے قابل قبول نہیں۔

۴۔ قرآن کریم میں آیا ہے سورۂ کہف میں ہے

"وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ۝" (کہف آیت نمبر ۲۴،۲۵)

اے حبیب آپ کبھی یہ نہ کہا کریں کہ میں کل یہ کروں گا مگر یہ کہا کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی ان شاء اللہ کہا کرو یہ بات اور جب بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد فرماؤ اور کہو کہ یقیناً یہی ہدایت میرے رب کی طرف سے ہے اور یہی ہدایت [illegible] تک رسائی کا طرز ہے۔

اب نص قطعی کہتی ہے کہ مشیتِ مصطفیٰ ﷺ مربوط ہے مشیت خدا تعالیٰ کے ساتھ اور آپ کی مشیت میں اصل مشیت خداوندی ہی ہے اور یہی اصل ہے یہی حقیقت ہے۔ اب اس قطعی حقیقت کو کسی ایسی روایت کے ساتھ مختلف کر دیا جائے جس روایت کی نہ دینی حقیقت ہے نہ قانونی۔ دینی حقیقت تو اس لیے نہیں کہ یہاں منشائے الٰہی اور منشائے نبوی میں واضح فاصلوں کا تصور ہو جائے گا۔ جو سراسر غلط ہے۔ علمی حقیقت اس روایت کی اس لیے کوئی نہیں کہ اولاً اس روایت کی صحیح سالم سند ہی کہیں نہیں ملتی۔ ثانیاً یہ روایت اپنے مندرجات کے اعتبار سے مطلوبہ مضمون کفر ابی طالب علیہ السلام کے لیے کسی طرح بھی مفید یقین نہیں۔ ثالثاً یہ روایت قطعیت قرآن کا مقابلہ و معارضہ رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

مبحث کی حدیثِ ششم کا جواب

مسند ابی یعلی موصلی کی ایک روایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے متن حدیث ملاحظہ ہو

"قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ قَالَ أَخْرَجْتُهُ مِنْ غَمْرَةِ جَهَنَّمَ إِلَىٰ ضَحْضَاحٍ مِنْهَا"

مسند ابی یعلی کے یہ الفاظ نہیں بلکہ اصل ماخذ کے یہ الفاظ ہیں حدیث نمبر ۲۰۴۷

"حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِي طَالِبٍ هَلْ تَنْفَعُهُ نُبُوَّتُكَ... قَالَ «نَعَمْ، أَخْرَجْتُهُ مِنْ غَمْرَةِ جَهَنَّمَ إِلَى ضَحْضَاحٍ مِنْهَا» حکم حسین، سلیم، اسد (اسنادہ ضعیف)"

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ کی نبوت نے

جناب ابوطالب علیہ السلام کو کوئی نفع دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے اسے گہری جہنم سے نکال کر آخری اوپر والی سطح جہنم میں لا کھڑا کیا ہے۔ پتلی آگ میں وہ کھڑے ہیں۔

الجواب بعون الوہاب

قارئین محترم! اس روایت کا جواب خود واضح ہے اور روایت کے متن کے اندر منصوص ہے۔ (اسنادہ ضعیف) اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ جب خود صاحب کتاب اسے ضعیف کہہ رہے ہیں تو پھر اس کی گنجائش کفرابی طالب علیہ السلام میں کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اہل علم کو کچھ سوچنا چاہیے تھا کہ اس حدیث سے کفرابی طالب علیہ السلام ثابت کیا جا رہا ہے کم از کم حدیث کی صحت کا ہی نام کر لیا جاتا۔ یہاں تو خود محدث بول رہے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی اہل علم نے بضد ہو کر اسے کفرابی طالب علیہ السلام میں اپنی مبحث شریف میں جڑ دیا ہے۔ نہ تو اس سے کفرابی طالب علیہ السلام ثابت ہو سکتا ہے نہ ہی صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے شایان شان تھا۔ اب آیئے اس حدیث کی سند کی طرف چلتے ہیں۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی مجاہد بن سعید الہمدانی ہیں میزان الاعتدال نے والوں اسے یوں بیان فرمایا ہے۔

"مجاهد بن سعيد الهمداني مشهور صاحب حديث على لين فيه قال ابن معين وغيره لايحتج به

روى عن قيس بن ابي حازم والشعبي

قال ابن معين لايحتج به

وقال احمد يرفع كثيرا مما لايرفع الناس ليس بشيء

وقال النسائي ليس بقوي

وذكر الاشبح انه شيعي

وقال دارقطني ضعيف

وقال البخاري كان يحيى يُضَعِّفُهُ

وكان ابن مهدي لايروي عنه" (میزان الاعتدال ذہبی)

ترجمہ: مجاہد بن سعید ہمدانی شعبی سے روایت کرتے ہیں (اس میں انھوں نے شعبی سے روایت کیا ہے)

(1) یہ مشہور ہیں کہ یہ حدیث کی نقل میں لین و نرم ہیں۔ یعنی قابل اعتماد نہیں۔

2۔ ابن معین کہتے ہیں کہ یہ قابل حجت ہی نہیں۔

۳۔احمد کہتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں جن روایات کو دوسرے اہلِ علم مرفوع نہیں بیان کرتے یہ انہیں روایات کو مرفوع بیان کردیتے ہیں

۴۔نسائی نے کہا یہ قوی نہیں۔

۵۔اشج نے ذکر کیا کہ یہ شیعہ تھا۔

۶۔دار قطنی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔

۷۔امام بخاری نے کہا کہ یحییٰ ان کی تضعیف کرتے تھے۔

۸۔اور ابن مہدی اس سے روایت ہی نہیں کرتے تھے۔

قارئینِ محترم! یہ ہے وہ روایت جس میں کفرِ ابی طالب علیہ السلام کو ثابت کیا جاتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

حیرت اس بات پر ہے کہ جس حدیث کا اپنا وجود صحت سے عاری ہو اور وہ حدیث مفیدِ یقین تو دور کی بات ہے مفیدِ ظن بھی نہ بن سکے اس حدیث کو خود بیان کرنے والا بھی اعتراف کرے کہ یہ ضعیف ہے اور اس کی نشاندہی الگ سے نہیں بلکہ اسی روایت کے ضمن میں کردے تو پھر اس سے کفرِ ابی طالب علیہ السلام کا استدلال کرنا اور وہ بھی حرمِ نبوت کے عظیم ترین شخص کی بابت یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

فصل ثالث:

ضعیف، مردود، مصنوعی اور واہی روایات کا تحقیقی جائزہ

روایتِ اصابہ کا جواب

مبحث والے بزرگوں نے اصابہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ تھا کہ فتح مکہ کے دن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی حضرت ابو قحافہ کو اپنے ساتھ لائے۔ بارگاہ نبوت میں ابو قحافہ کے بڑھاپے کو دیکھ کر سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر آپ اس بزرگ کو یہاں نہ لاتے بلکہ ہم خود چل کر ان کے پاس جاتے اس پر جواباً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ان کا یہاں حاضر ہونا ان کی عظمت ہے۔ آپ کا ان کے ہاں چل کر جانے سے۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو پڑے عرض کی آقا اگر آپ کے دست مبارک میں میرے باپ کے ہاتھ کے علاوہ آپ کے چچا کا ہاتھ ہوتا تو مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے بھی ان کے اسلام لانے کی زیادہ خوشی ہوتی۔

نوٹ:۔ اس روایت کے اصابہ کے حوالے سے ماخذات یہ ذکر کیے گئے ہیں۔ کتاب مکہ، فوائد ابی یعلی ابو بشیر، مستدرک حاکم بلکہ حاکم کی مستدرک کو اس روایت کی صحت کا حوالہ بنایا گیا۔ مگر جب تحقیق کی گئی تو اصل ماخذات میں اس روایت کا نام و نشان بھی نہیں پایا گیا۔ نہ فوائد ابو یعلی میں یہ حدیث ہے۔ خاص کر جناب ابو طالب علیہ السلام کی بابت کوئی ذکر تک نہیں۔ نمونہ کے طور پر المستدرک للحاکم کی مذکورہ روایت کا متن حاضر خدمت ہے۔

"خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَتَّى جَاءَ بِأَبِيهِ يَقُودُهُ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتَّى أَجِيئَهُ فَقَالَ يَمْشِي هُوَ إِلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَحَقُّ مِنْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَيْهِ، فَأَجْلَسَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ مَسَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ، وَقَالَ أَسْلِمْ تَسْلَمْ فَأَسْلَمَ۔۔۔ الخ"

(مستدرک، کتاب المغازی)

قارئین محترم! اس روایت میں کہیں بھی سیدنا ابو طالب علیہ السلام کا ذکر تک نہیں۔ جب اصل ماخذات میں ایسا کچھ نہیں تو پھر صاحب اصابہ کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ بلا تحقیق و تصدیق اس روایت کو تکفیر ابی طالب علیہ السلام میں ناجائز استعمال کریں؟

نوٹ:۔ اسی روایت کو امام بیہقی نے اپنی دلائل میں مکمل سیاق و سباق کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر اس میں جناب ابو طالب علیہ السلام کا ذکر تک نہیں۔ نجانے اصابہ والوں کو کہاں یہ روایتیں ملی ہیں جن کو صاحب مبحث نے پورے وثوق سے نقل کر ڈالا ہے۔ تعجب ہے۔۔۔؟

حدیث مشکوۃ کا جواب

ذخیرہ احادیث کی ایک معروف کتاب مشکوۃ شریف کی کتاب الایمان کی فصل ثالث میں ایک حدیث نقل کی گئی جو تکفیرِ ابی طالب علیہ السلام میں اہل علم نے موثر مانی ہے۔ صاحب مشکوۃ نے اس روایت کو مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ بنابریں اصل ماخذ سے مکمل حدیث کا متن پیش کر رہے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، مِنْ أَهْلِ الْفِقْهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَدِّثُ، أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِنُوا عَلَيْهِ، حَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ، قَالَ عُثْمَانُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ فِي ظِلِّ أُطُمٍ مِنَ الْآطَامِ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَسَلَّمَ عَلَيَّ، فَلَمْ أَشْعُرْ أَنَّهُ مَرَّ وَلَا سَلَّمَ، فَانْطَلَقَ عُمَرُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ لَهُ مَا يُعْجِبُكَ أَنِّي مَرَرْتُ عَلَى عُثْمَانَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ؟ وَأَقْبَلَ هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ فِي وِلَايَةِ أَبِي بَكْرٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، حَتَّى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيعًا، ثُمَّ قَالَ أَبُو بَكْرٍ جَاءَنِي أَخُوكَ عُمَرُ، فَذَكَرَ أَنَّهُ مَرَّ عَلَيْكَ، فَسَلَّمَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ، فَمَا الَّذِي حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ؟ قَالَ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ، فَقَالَ عُمَرُ بَلَى وَاللَّهِ لَقَدْ فَعَلْتَ، وَلَكِنَّهَا عُبِّيَّتُكُمْ يَا بَنِي أُمَيَّةَ، قَالَ قُلْتُ وَاللَّهِ مَا شَعَرْتُ أَنَّكَ مَرَرْتَ بِي، وَلَا سَلَّمْتَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ عُثْمَانُ، وَقَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذَلِكَ أَمْرٌ؟ فَقُلْتُ أَجَلْ، قَالَ مَا هُوَ؟ فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَوَفَّى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَهُ عَنْ نَجَاةِ هَذَا الْأَمْرِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ قَدْ سَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، قَالَ فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا، قَالَ أَبُو بَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا نَجَاةُ هَذَا الْأَمْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَرَضْتُ عَلَى عَمِّي، فَرَدَّهَا عَلَيَّ، فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ"

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگ اصحاب رسول ﷺ میں سے غم سے نڈھال ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ وسوسے کے قریب جا پہنچے۔ اور میں اُن میں سے تھا ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک اونچی جگہ بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے قریب سے گزرے اور مجھے سلام کیا مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا نہ ہی ان کے گزرنے کا علم ہوا اور نہ ہی سلام کرنے کا علم ہوا۔ حضرت عمر کو میرا یہ رویہ ناگوار گزرا۔ اس پر انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس جا کر میری عدم توجہی کا شکوہ کیا۔ حضرت ابوبکر ان کو لے کر میرے پاس چلے آئے۔ ان دونوں نے مل کر مجھے سلام کیا۔ میں نے جواب میں سلام کیا۔ حضرت ابوبکر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے اس سے قبل اپنے بھائی عمر کے سلام کا

جواب کیوں نہیں دیا؟ اب اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تعجب کر رہے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں میں نے ایسی کوئی جسارت نہیں کی حضرت عمر بولے خدا کی قسم ایسا ہی ہوا ہے۔ لیکن آپ بنو امیہ ہو اپنے غرور اور گھمنڈ میں مگن رہتے ہو۔ اس پر میں نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے پتہ بھی نہیں چلا کہ آپ میرے پاس سے گزرے یا نہیں۔ (غم رسول ﷺ کی وجہ سے میرے حواس مضمحل تھے پتہ نہیں چل سکا کہ آپ گزرے ہیں) حضرت ابوبکر صدیق بولے کہ عثمان یقیناً سچ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر مزید فرمایا عثمان فرمائیے آپ کو کس چیز نے مضمحل کر رکھا تھا؟ پریشان کر رکھا تھا؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بولے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ابدی طور پر اپنے حضور عظمت میں بلا لیا ہے قبل اس کے کہ ہم ان سے سوال کر پاتے اس معاملہ سے نجات کی بابت (یعنی بقائے دین یا نجات آخرت کی بابت) اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ پریشان نہ ہو میں نے اس معاملہ کی بابت سید عالم ﷺ سے پوچھ لیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اٹھ کر جناب حضرت ابوبکر کی طرف آگے بڑھا اور ان کے قریب ہوا اور عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ ہی سب سے زیادہ حقدار تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے بارگاہ نبوت میں اس معاملہ کی بابت عرض کی کہ آقا فرمائیے کہ نجات کس چیز سے ممکن ہے۔ ہم کیا عمل کریں؟ اس پر محبوب ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ سے وہ کلمہ قبول کر لیا جس کو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تو انھوں نے وہ کلمہ مجھ پر رد کر دیا تھا یہی کلمہ طیبہ نجات کی اصل ضمانت ہے۔ (رضی اللہ عنہم)

قارئین محترم! مذکورہ حدیث شریف میں درج ذیل اُمور کی نشاندہی ہوئی ہے۔

۱۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شدت غم کی وجہ سے جواب نہ دے پانا۔

۲۔ دوبارہ استفسار پر معلوم ہوا کہ ایسا ہی ہوا ہے جس کا ازالہ کر دیا گیا۔

۳۔ کلمہ نجات کی بابت یہ کہنا کہ ہم نبی ﷺ سے نہ پوچھ پائے کہ کلمہ نجات کیا ہے؟

۴۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کلمہ نجات کی وضاحت نبی ﷺ نے تا حیات نہیں فرمائی۔ ورنہ سوال کرنا پوچھنا بے معنی ہو جائے گا۔ "وَلَمْ نسئَلہ" کا جملہ بے محل سا لگے گا۔

۵۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تسلی دیتے ہوئے یہ فرمانا کہ میں نے کلمہ نجات پوچھ لیا تھا۔

۶۔ کلمہ نجات وہ ہے جو سید عالم ﷺ نے اپنے چچا سے کہا تھا جو انھوں نے رد کر دیا۔

الجواب بعون الوہاب

پہلا جواب:۔ یہ روایت بداہت عقل کے ہی خلاف ہے کیونکہ جس کلمہ کی بابت سوال کرنا تھا وہ کلمہ نبی کریم ﷺ تئیس سال تک لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ اسی کلمہ کو پڑھ پڑھ کر خود راوی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وتمام صحابہ علیہم الرضوان مسلمان ہوئے یہ کلمہ اتنا متواتر تھا کہ اس کے راوی ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ بنے اور یہ تواتر آج تک موجود ہے۔ اور قیامت تک اربوں کھربوں راویوں میں تسلسل پذیر رہے گا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے اس تواتر سے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بے خبر رہیں۔

دوسرا جواب:۔ یہ وہی کلمہ ہے جس کی حدیث خود عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کر رہے ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ روایت اسی مشکوۃ بحوالہ مسلم اسی فصل میں موجود ہے۔ جس فصل میں کلمہ کے عدم علم کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ متن حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

"عَنْ عُثْمَانَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ »مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الہ نہیں اور کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اس یقین کا مالک یقیناً جنت میں جائے گا۔

قارئین محترم! اب طے ہوگیا کہ جس چیز کا اظہار حالت اضطرار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نہ پوچھ سکے کہ کلمہ نجات کیا ہے اب اسی کلمے کو یقین کی عظمت میں خود بیان فرما رہے ہیں۔ مضمحل حواس والی بات کے معارض یقین والی بات آ گئی تو ترجیح خود واضح ہوگئی۔ دلیل کی ضرورت نہ رہی۔

تیسرا جواب:۔ ایک کائناتی تواتر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کلمہ نجات کی روایت کا تسلسل بے شمار راویوں سے مروی ہے جبکہ دوسری طرف محض خبر مردود ہے جہالت راوی کی وجہ سے حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود اس تسلسل میں شامل ہیں۔ بنابریں پہلی روایت بہر حال محل نظر ہے۔ قابل یقین نہیں۔

چوتھا جواب:۔ کلمہ نجات کا تشخص وتعارف وہ نہیں کہ جسے نبی ﷺ کے چچا نے نہیں پڑھا ان کا نہ پڑھنا اس کلمہ کا بطور نجات تعارف ہے بلکہ یہ کلمہ نجات کسی تعارف کا محتاج ہی نہیں کیونکہ مکمل تواتر سے ثابت ہے کہ یہ کلمہ بنائے اسلام کی پہلی اکائی ہے۔ قوت ایمان میں پہلا موثر ہے۔ زبان زد عام ہے۔ بلکہ کائنات کے چپے چپے پر اس کا ورد ہو رہا ہے۔ اور اسی وقت بھی خود معروف ومشہور تھا نہ تو اس پر سوال بنتا تھا اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس سے بے خبر تھے۔ اس کے فضائل ومناقب پر نبی کریم ﷺ کی بے شمار وضاحتیں موجود تھیں۔ راوی کا اس سے بے خبر رہنا بداہت عقل کے خلاف ہے اور

عادت معلوم کے خلاف ہے۔

پانچواں جواب:۔ دنیائے حدیث کے عظیم محدث امام ابویعلی نے اپنی مسند میں اس روایت کو کاملاً روایت فرما کر آخر میں اس کا حکم بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں:

"اسنادہ ضعیف لجہالۃ شیخ الزھری"

اس حدیث کی اسناد ضعیف ہیں کیونکہ زہری کے اوپر کا راوی مجہول ہے۔

اب اس وضاحت کے بعد مزید اس کے مردود ہونے کی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

چھٹا جواب:۔ یہ روایت مزید تین اعتبار سے مردود ہے۔

ا۔ اس روایت کے پہلے راوی ابوالیمان حکم بن نافع کی اگلے راوی شعیب بن ابی حمزہ سے نہ ملاقات ثابت ہے اور نہ ہی سماع ثابت ہے۔ وضاحت حاضر ہے۔

"قال سعید بن عمرو البردعی لم یسمع ابو الیمان من شعیب بن ابی حمزۃ" (تہذیب الکمال، میزان الاعتدال)

"قال ابو داؤد حدثنا محمد بن عوف قال لم یسمع ابو الیمان من شعیب بن ابی حمزۃ و روی الاثرم عن احمد قال کان ابو الیمان یقول اخبرنا شعیب و استجاز ذالک بشیء عجیب کان شعیبا عسرا فی الحدیث"

"قال احمد بن حنبل قال بشر بن شعیب جاءنی ابو الیمان بعد موت ابی فاخذ کتابہ والساعۃ یقول اخبرنا شعیب فکیف یستحل ھذا" (تہذیب الکمال، میزان الاعتدال)

ترجمہ: سعید بن عمرو البردعی نے کہا کہ ابوالیمان نے شعیب بن ابی حمزہ سے سماع نہیں کیا۔ روایت کیا ابوداؤد نے محمد بن عوف سے کہا کہ ابوالیمان نے شعیب سے نہیں سنا۔

اثرم نے احمد سے روایت کیا کہ ابویمان یہ کہتے رہے کہ ہمیں خبر دی شعیب نے یہ کھلا ہوا تجاوز ہے اور عجب شے ہے۔ اور خود شعیب حدیث سے تنگ دست تھے۔

احمد بن حنبل نے کہا بشر بن شعیب نے کہا کہ ابویمان میرے پاس اس وقت آئے جب میرے باپ شعیب کا انتقال ہو چکا تھا یعنی ان کے فوت ہونے کے بعد آئے۔ پس ان کی کتاب لی اور کہنا شروع کر دیا کہ مجھے خبر دی شعیب نے حالانکہ یہ مناسب نہیں۔ ثابت ہوا کہ ابویمان کا سماع شعیب بن ابوحمزہ سے ثابت نہیں۔

۲۔ "شعیب بن ابی حمزۃ و اسمہ دینار القرشی الاموی" ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ اُموی ہیں اور اُمویوں کا تعصب خاندان نبوت سے بالکل واضح ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ متعصب راوی کی روایت مخالف کی بابت ہرگز قبول نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کا آخری راوی مجہول ہے جس کی وضاحت مسند ابی یعلی کے حوالے سے ہو چکی ہے۔ جہالت راوی نقص روایت ہے
ثابت یہ ہوا کہ مذکورہ روایت کسی بھی اعتبار سے قابل قبول نہیں نہ اُصول روایت کے اعتبار سے اور نہ ہی اصول درایت سے۔

پھر اس روایت کی تائید میں ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے جس کا متن ملاحظہ فرمائیں۔

"عن عثمان قال تمنیتُ أن أکونَ سألتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ما ذا ینجینا مما یلقی الشیطان فی انفسنا۔ فقال ابو بکر قد سألتهُ عن ذالك فقال یُنجیکُم من ذالك ان تقولوا ما أمرتُ به عمی ان یقوله فلم یقله"

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس خواہش میں رہا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں شیطانی وسوسوں سے نجات کا باعث کیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس بابت سید دو عالم ﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وسوسوں سے نجات کے لیے وہ کلمہ کہو جس کا میں نے اپنے چچا کو حکم دیا تھا مگر انھوں نے کلمہ کہنے سے انکار کر دیا۔

قارئین محترم! مذکورہ حدیث کو ماسبق روایت کا مؤید قرار دیا گیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مؤید خود مضبوط ہوگا تو تائید کے قابل ہوگا۔ اور اگر شاہد مؤید خود کمزور ہو تو وہ کسی کمزور دلیل کا مؤید کیسے ہو سکتا ہے؟

مندرجہ بالا قاعدہ کی صورت میں چھان بین کے بعد فقیر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ مؤید مؤید علمی کے قابل ہی نہیں کیونکہ یہ بذات خود کمزور تر ہے صورت اس کی یہ ہے کہ اس روایت میں کل چھ راوی ہیں ان میں چار راوی ضعیف اور متکلم فیہ ہیں۔ اور آخری راوی کا اصل راوی سے واضح انقطاع ہے اس صورت میں قوت کے اعتبار سے اس روایت کے پلے کچھ نہیں رہا۔ یہ روایت تو مفید ظن ہونے کے بھی لائق نہیں اس پر یقین کیسے ہو سکتا ہے؟ تکفیر ابوطالب علیہ السلام کی بابت صورت اس کی یہ ہے۔

پہلا راوی: "محمد بن جبیر بن معطم لم یسمع عن عثمان بن عفان و هذا حدیث ضعیف لانقطاع راو" (تخریج مسند احمد بن حنبل)

محمد بن جبیر کا سماع عثمان بن عفان سے ثابت ہی نہیں بنابریں یہ حدیث ضعیف ہے۔

دوسرا راوی: ابوالحویرث عبدالرحمن بن معاویہ

۱۔ قال ابن معین وغیرہ لا یحتج به "ابن معین وغیرہ نے کہا کہ ابوالحویرث قابل حجت ہی نہیں۔

۲۔ وقال مالك لیس بثقة "امام مالک نے کہا کہ ابوالحویرث ثقہ نہیں مضبوط نہیں۔

۳۔ وقال النسائی لیس بثقة "امام نسائی نے کہا کہ ابوالحویرث ثقہ نہیں مضبوط نہیں۔

۴۔ " وقال عبداللہ بن احمد بن حنبل سالتُ مالکاً عن ابی الحویرث قال لیس بثقۃ "
عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے سوال کیا مالک سے ابوالحویرث کی بابت تو انھوں نے کہا وہ ثقہ نہیں

۵ " وقال عباس الدوری عن یحییٰ بن معین عن ابی الحویرث قال لا یُحتَجُّ بحدیثہٖ "
عباس دوری نے یحییٰ بن معین سے ابوالحویرث کی بابت پوچھا انھوں نے کہا کہ ان کی حدیث قابل حجت ہی نہیں۔

۶۔ " قال ابو عبید الآجری قُلتُ لابی داؤدَ عن ابی الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویۃ قال نَعَمْ قال مالکٌ قدم علینا سُفیانُ فکَتَبَ عَن قومٍ یَرمُون بالتخنیث یعنی ابو الحویرث قال ابو داؤد و کان یَخضِبُ رِجلَیْنِ اراہ یعنی قال و سمعتُ یقول مُرجِئۃٌ قال النسائی لیس بذالک " (تہذیب الکمال مزی)
یعنی ابوعبید آجری کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد سے ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی بابت پوچھا تو انھوں نے جواباً کہا کہ ہاں میں بتاتا ہوں مالک نے کہا کہ ہمارے پاس سفیان آئے اور بتایا کہ لوگوں کی ایک خاص تعداد ابوالحویرث پر الزام لگاتے کہ ابوالحویرث حدیث میں تخنیث کا حامل ہے۔ (مخنث ہے)
ابوداؤد نے کہا کہ وہ پاؤں کو خضاب کرتا تھا میرے ہاں اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اسے مرجیہ والا قول کرتے دیکھا۔ نسائی نے کہا کہ ایسا نہیں۔

۷۔ " وقال ابوحاتم لیس بقوی حدیثُہ و لا یُحتج بہ "
ابوحاتم نے کہا ابوالحویرث حدیث کے اعتبار سے قوی نہیں اور نہ ہی اس کی روایت کسی اعتبار سے قابل حجت ہے۔ (الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم)

۸ " قال ابن حجر بالتقریب صدوق سیئ الحفظ رُمی بالارجاء "
امام ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ ابوالحویرث صدوق ہے مگر ان کا حافظہ بُرا ہے۔ لوگ اس پر فرقہ مرجئہ سے متعلق ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ (تقریب التہذیب)

تیسرا راوی: " عمرو بن ابی عمرو اسمہ میسرۃ مولی المطلب بن عبداللہ بن حنطب القرشی المخزومی ابوعثمان المدنی "

۱ " قال عباس الدوری عن یحیٰ بن معین فی حدیثہ ضعفٌ لیس بقوی و لیس بحجۃ "
عباس الدوری نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے کہ عمرو بن ابی عمرو اپنی حدیث میں ضعیف ہے قوی نہیں اور حجت بھی نہیں۔

۲۔ " قال ابراھیم بن عبداللہ بن الجنید عن یحیٰ بن معین لیس بذالک القوی "
ابراہیم بن عبداللہ بن جنید نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا کہ عمرو بن ابی عمرو قوی نہیں۔

"قال ابو بکر من ابی خیثمہ عن یحیٰ بن معین ضعیف"

ابو بکر ابی خیثمہ سے یحیٰ بن معین کے حوالے روایت کیا عمرو بن ابی عمرو ضعیف ہے۔ (تہذیب الکمال)

"قال الدوری عن یحیٰ ایضاً لیس ھو بالقوی"

دوری نے کہا کہ عمرو بن ابی عمرو ضعیف ہے یہ بات یحیٰ بن معین نے اپنی تاریخ میں تحریر کی ہے۔

"قال الدارمی عنہ لیس بقوی" (ضعفاء للعقیلی)

امام دارمی نے کہا کہ عمرو بن ابی عمرو قوی نہیں ہیں۔

"قال ابو داؤد لیس بذالک وفی لفظ لیس بقوی"

ابو داؤد نے کہا کہ ایسا نہیں اور ایک روایت میں کہا کہ عمرو بن ابی عمرو قوی نہیں۔

"روی عباس عن یحیٰ لایحتج بحدیثہ"

عباس نے یحیٰ سے روایت کیا ہے کہ عمرو بن ابی عمرو کی حدیث قابل حجت نہیں۔

"روی عثمان بن سعید عن یحیٰ لیس بقوی"

عثمان بن سعید نے یحیٰ سے بیان کیا ہے کہ عمرو بن ابی عمرو قوی نہیں ہیں۔

"قال الجوزجانی مضطرب الحدیث"

جوزجانی نے کہا عمرو مضطرب الحدیث ہیں۔

"قال النسائی لیس بقوی"

امام نسائی نے کہا کہ عمرو قوی نہیں ہیں۔

"قال عبد الحق عقبیہ عمرو لایحتج بہ"

عبد الحق نے کہا کہ عمرو قابل حجت نہیں۔

"قال ابن القطان الرجل مستضعف"

ابن قطان نے کہا کہ عمرو ایسا شخص ہے جس کی تضعیف کی جائے گی۔ (میزان الاعتدال)

نمبر۵ راوی: سعید بن سلمہ بن ابی الحسام بصری

"خرج لہ النسائی وضعفہ فقال شیخ ضعیف"

امام نسائی نے ان سے تخریج کی اور سعید بن سلمہ بن ابی الحسام کی تضعیف کی ہے پس فرمایا کہ یہ شیخ ہیں ضعیف

۲ "قال ابوحاتم سالتُ ابن معین فلم یعرفه"
ابوحاتم نے کہا کہ میں نے ابن معین سے ان کی بابت سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ اس کی کوئی علمی شناخت نہیں (میزان ذہبی)
۳ "قال ابوعبید آجری سالتُ ابا داؤد عنه فقال فی لسانه و لیس فی حدیثه"
ابوعبید آجری نے کہا کہ میں نے سوال کیا ابوداؤد سے سعید بن سلمہ بن ابی الحسام کی بابت تو انھوں نے کہا کہ اس کی زبان پر تو اعتماد کیا جاسکتا ہے مگر اس کی روایت کردہ حدیث پر نہیں۔ (تہذیب الکمال)

چوتھا راوی: عبدالعزیز بن محمد الدراوردی۔

ا۔ "قال احمد بن حنبل اذا حدث من کتبه لیس هو بشیٔ اذا حدث من حفظه جاء ببواطیل"
احمد بن حنبل نے کہا کہ جب عبدالعزیز بن محمد اپنی کتابوں سے کچھ بیان کرتے ہیں تو وہ کسی شے کے ساتھ نظر نہیں آتے اور جب اپنے حفظ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو جھوٹی روایات ہی سے روایت کرتے ہیں۔
۲ "قال ابوحاتم لایحتج به"
ابوحاتم نے کہا کہ اس کی حدیث قابل حجت نہیں۔
۳۔ "قال ابوزرعه بسیئ الحفظ"
ابوزرعہ نے کہا کہ اس کا حافظہ برا ہے۔
"فربما حدث من حفظه الشیٔ فیخطئ"
اکثر اوقات جب اپنے حفظ سے کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو بہت مرتبہ خطا کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال)
۴ "فقال عبدالعزیز محدث و یوسف شیخ یُخطئ"
عبدالعزیز محدث نے کہا کہ شیخ ہے بیان حدیث میں خطا کرتا ہے۔
۵ "قال النسائی قرأتُ بخطه عبدالعزیز لیس بقوی"
امام نسائی نے کہا کہ عبدالعزیز قوی نہیں۔
۶ محمد بن سعید نے کہا کہ "کثیر الحدیث یغلط"
حدیث میں کثرت کے ساتھ عبدالعزیز بن محمد غلطیاں کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال مزی)

قارئین محترم! اب آپ فیصلہ خود فرمائیں کہ جس روایت کے کل چھ راوی ہوں اور ان میں سے چار ضعیف ہوں مجروح ہوں جرح ظاہر کے ساتھ پانچویں راوی کا سماع ہی حدیث کے اصل راوی سے ثابت نہ ہو۔ بولیے کہ وہ روایت روایت کہلانے کی حق دار

کیسے بن سکتی ہے؟ اور وہ بھی ثبوت الزام میں اور جو روایت اپنا وجود صحت کے اعتبار سے برقرار نہیں رکھ سکتی بھلا وہ کسی دوسری ضعیف روایت کا مؤید و شاہد کیسے بن سکتی ہے۔؟ بنا بریں یہ ہر دو روایات سے کفر ابی طالب علیہ السلام کا استدلال کرنا کسی بھی صورت صحیح نہیں۔ اگر پھر بھی کوئی کرتا ہے تو یہ اس کا جبری تحکم ہے جو نا قابل قبول اور نا قابل برداشت ہے۔ ہاں اگر کوئی ان روایات کو کسی یقینی دلیل کے ساتھ مفید یقین ہونے کی وضاحت کر دے تو یہ الگ بات ہے ہم رجوع پر غور کر لیں گے۔ مگر بات یقینی دلائل کی صورت میں قابل قبول ہوگی۔

باب ہشتم:

سید بطحاء، رئیس مکہ،
سردار قریش، ماویٰ رسول، مخدومِ اُمت،
حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی شہادتِ یقین پر مشتمل
حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہ السلام والی روایت
کی صحت کی تحقیق

تعارف باب ہشتم

یہ باب سید بطحاء، رئیس مکہ، سردار قریش، ماوئ رسول، مخدوم اُمت، حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی شہادتِ یقین پر مشتمل ہے حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہ السلام والی روایت کی صحت کی تحقیق بھی تین درج ذیل فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول:

تحقیق حدیثِ حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہما السلام

فصل ثانی:

راویانِ حدیث کا علمی و تفصیلی تعارف

فصل ثالث:

راوئ حدیث حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہما السلام کے قدیم الاسلام ہونے کے بدیہی شواہد

فصل اوّل:

تحقیق حدیثِ حضرت عباس بن عبدالمطلب علیہما السلام

سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تحقیق

قارئین محترم! حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت جس میں انھوں نے چشم دید گواہی، عینی شہادت دی کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال کلمۂ طیبہ پڑھ لیا ہے اور یہ بات انھوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ جس کلمۂ طیبہ کی آپ نے اپنے عم کریم کو تلقین فرمائی تھی وہ کلمۂ طیبہ اُنھوں نے پڑھ لیا ہے۔ اس پر رسول رحمت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا۔ اس پر اہلِ علم نے واویلا مچادیا کہ وہ کفر پر مرے ہیں۔

حالانکہ ایسا ہرگز نہیں وہ یقیناً کلمۂ طیبہ پڑھ کر ہی وصال فرما ہوئے ہیں۔ رہا اہلِ علم کا یہ ناجائز شور شرابہ کہ جب رسول دو عالم ﷺ نے نہیں سنا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافر مرے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اہلِ علم کا یہ تبصرہ نہ تو دینی دلیل ہے نہ ہی علمی۔ یہ اُن کا ذاتی تراشا ہوا ایک خیال ہے۔ اس پر مستقل علمی تبصرہ بعد میں کروں گا۔ سردست اہلِ علم کا مذکورہ روایت پر اعتراضات کا علمی تحقیقی جائزہ پیش کروں گا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ جب اہلِ علم اپنے پیش کردہ دلائل کی قطعیت ثابت نہیں کر سکتے جس سے الزام کفر ثابت کیا جاتا ہے جن کا حشر آپ نے سابقہ اوراق میں ملاحظہ فرمایا اور سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت جو عینی شہادت پر مبنی ہے جو ایک یقینی حقیقت ہے اس پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ روایت قابلِ استدلال ہی نہیں۔ یہ اُلٹی گنگا بہاتے ہیں عینی شاہد کی بات نہیں مانتے جو شرعاً مقبول ہے مگر اس کی بات ضرور مانتے ہیں جو عینی شاہد بھی نہیں اور یہ شریعت کا مذاق اڑانا ہے۔

آیئے ہم ان بیہودہ اعتراضات کا علمی جائزہ لیتے ہیں۔

اہلِ علم کے اعتراضات کا تحقیقی جواب

بنیادی طور پر اہلِ علم خود حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ روایت جو عینی مشاہدے پر مشتمل ہے اس پر دو اعتراض کرتے ہیں:

۱۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت جس کا مضمون ہے کہ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا ہے یہ روایت سنداً صحیح نہیں بلکہ منقطع ہے اور منقطع روایت ضعاف روایات کی ضعیف ترصورت ہے۔ لہٰذا قابلِ استدلال نہیں۔

۲۔ اس روایت کے راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما بوقت ادائے روایت اور تحمل روایت مسلمان ہی نہ تھے لہٰذا بریں ان کی عینی شہادت قابل قبول ہی نہیں۔

پہلے سوال کا جواب

سب سے پہلے ہم اس روایت کو پوری سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کی سند پر کیے جانے والے اعتراض کا تحقیقی جائزہ پیش کریں گے۔ روایت کی سند اور متن ملاحظہ فرمائیں۔

"عَنْ ابْنِ اِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِی الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَتٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَا طَالِبٍ فِیْ مَرَضِهٖ فَقَالَ لَهٗ یَا عَمِّ، قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَسْتَحِلُّ لَكَ بِهَا الشَّفَاعَةَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ وَاللّٰهِ لَوْلَا مَخَافَةُ السُّبَّةِ عَلَیْكَ وَعَلٰی بَنِیْ اَبِیْكَ مِنْ بَعْدِیْ، یرون انی قلتها جزعاً حین نزل بی الموت لقلتها، لا اقولها الا لاسرك بها قَالَ فَلَمَّا ثَقُلَ اَبُوْ طَالِبٍ رُؤِیَ یُحَرِّكُ شَفَتَیْهِ، قَالَ فَاَصْغٰی اِلَیْهِ الْعَبَّاسُ لیستمع قوله فرفع العباس عنه فقال یا رسول اللّٰه! وَاللّٰهِ لَقَدْ قَالَ یَا ابْنَ اَخِی الْكَلِمَةَ الَّتِیْ اَمَرْتَهٗ اَنْ یَقُوْلَهَا، قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ اَسْمَعْ" (سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، مبحث المطالب)

ترجمہ:۔ امام ابن اسحاق نے عباس بن عبداللہ بن معبد بن (عباس) سے روایت کیا انھوں نے اپنے گھر والوں سے کچھ لوگوں سے روایت کیا۔ انھوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سید بطحا، حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی حالت بیماری میں ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عم محترم (چچا) آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں میں قیامت کے دن آپ کی شفاعت اس کلمہ کے وسیلہ سے کروں گا۔ اس پر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے بھائی کے بیٹے اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہو کہ میرے بعد لوگ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو گالی گلوچ کریں تو میں ضرور یہ کلمہ پڑھ کر آپ کو خوش کر دیتا۔ مزید یہ بات بھی ہے کہ لوگ کہیں گے کہ اب موت کے ڈر سے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا ہے۔ پس جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر مرض شدت اختیار کر گیا تو دیکھا گیا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے لب مبارک حرکت فرما رہے ہیں۔ عباس جو اس وقت وہاں موجود تھے آگے بڑھے اور اپنا کان ان کے منہ مبارک کے قریب کر دیا تاکہ وہ سن سکیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کیا فرما رہے ہیں۔ پس حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے بھائی نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا ہے جس کا آپ نے انھیں حکم فرمایا تھا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو نہیں سن سکا۔

نتیجہ فکر

ا۔ اس روایت میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے عینی شہادت دی کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال کلمہ طیبہ کا ورد فرمایا۔ کلمہ نہ پڑھنے والی روایات سب بیہودہ ہیں کیونکہ کسی بھی روایت میں کسی راوی کے پاس کوئی عینی شہادت نہیں اور نہ یہ کسی وحی میں اس کو بطور نص بیان فرمایا گیا۔ نہ ہی صاحب وحی ﷺ نے بطور نص حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے کلمہ نہ پڑھنے والی صورت کو زندگی بھر کبھی بیان فرمایا اور نہ ہی کسی عینی شاہد نے ان راویوں کو بطور نص بیان فرمایا۔ بنابریں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر لگایا جانے والا کفر وشرک کا الزام کائنات کا بیہودہ ترین اور بدترین جھوٹ ہے۔ اکابرین اُمت سے یہ سہواً نقل ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔ آمین۔

۲۔ نفس روایت میں سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب کا قدیم الاسلام ہونا بھی واضح ہو گیا اسی لیے انھوں نے اس روایت میں یارسول اللہ ﷺ کا لفظ استعمال فرمایا کیونکہ کوئی کافر حالت کفر میں یارسول اللہ کا لفظ نہیں استعمال کرتا بلکہ یارسول اللہ کہنا مومن کی ہی شناخت ہے۔ نہ کہ کافر کی۔ لہٰذا اہل علم کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ ادائے روایت کے وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما مسلمان نہ تھے۔ اسی لیے ان کی روایت کو قبول نہیں کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اگر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما مسلمان ہوتے تو یقیناً یہ روایت قبول ہوتی اور یہ روایت منقطع نہ ہوتی تو قابل قبول ہوتی۔ لیکن اب ہماری علمی ذمہ داری ہے کہ ہم ثابت کریں کہ یہ روایت متصل بھی ہے صحیح سند کے ساتھ اور راوی بوقت تحمل روایت اور ادائے روایت ہر دو اعتبار سے مسلمان تھے سب سے پہلے ہم اسی روایت کے راویوں پر گفتگو کریں گے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سند حدیث کا پہلا راوی

حضرت عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف الہاشمی القرشی عم رسول اللہ ﷺ ان کے مکمل حالات زندگی گزر چکے ہیں۔ ان کی عدالت تو زبان نبوت سے بیان کی گئی ہے۔ مزید کسی تصدیق کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کی محبت کے بغیر تو کسی شخص کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے براہ راست تاجدار انبیاء ﷺ سے اخذ فیض روایت فرمایا۔ ان سے درج ذیل لوگوں نے بیان کیا:

۱۔ عبداللہ بن عباس انہی کے بیٹے ہیں۔ ۲۔ عبید اللہ بن عباس۔

۳۔ کثیر بن عباس۔ ۴۔ اُم کلثوم بنت عباس

یہ سب نفوس قدسیہ آپ کے بیٹے بیٹی ہیں ایک بیٹی اُم حبیبہ بھی ہیں وہ اُم الفضل سے ہے۔

۵۔	احنف بن قیس۔	۶	۔اسحاق بن الحارث۔
۷۔	جابر بن عبداللہ۔	۸۔	صہیب۔
۹۔	عامر بن سعد بن ابی وقاص	۱۰۔	عباس بن عبدالرحمن مولی بنی ہاشم
۱۱۔	عبداللہ بن حارث بن نوفل	۱۲۔	عبداللہ بن عصمۃ المزنی
۱۳۔	عبدالرحمن بن سابط الجمعی	۱۴۔	مالک بن اوس بن الحرثان
۱۵۔	محمد بن کعب القرظی	۱۶۔	نافع بن جبیر بن مطعم (رضوان اللہ علیہم اجمعین) (تہذیب الکمال)

اندازہ فرمایئے خود کتنے عظیم عالم ہیں اور کتنے عظیم اہلِ علم نے ان سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اسی لیے انھیں جواد کہا جاتا ہے ان کے گھر کو دار الفقہاء کہا جاتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء)

سند حدیث کا دوسرا راوی

حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف الہاشمی القرشی، کنیت ابا العباس، شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے وصال نبی ﷺ کے وقت عمر مبارک کے تدریجی اقوال ہیں بارہ سال نیز چودہ پندرہ تک ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ وصال مبارک اڑسٹھ (۶۸) ہجری طائف میں ہوا۔ محمد بن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ اس اُمت کا ایک ربانی عالم فوت ہو گیا۔ شرفِ صحابیت پایا البحر کا لقب پایا یعنی علم کا سمندر بے شمار علمی مناقب کے مالک ہیں۔ براہ راست نبی کریم ﷺ سے علم روایت کیا اور عظیم نبوی دعاؤں سے مستفیض ہوئے۔ فقیہہ اُمت کا ٹائٹل اپنے نام کیا تمام صحابہ اکابر تابعین معتمد علیہ ٹھہرے۔ بے مثال مقام علم پایا کائنات بھر کے اہلِ علم معترف ہیں

ا۔حضرت جبریل علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے فتحِ مکہ سے پہلے اسلام لائے یہی صحیح ہے۔

۲۔خلفائے راشدین سے روایات کی ہیں۔

۳۔اپنے والدِ گرامی سے براہِ راست روایت لی ہیں۔

۴۔والدہ گرامی اُم الفضل سے اجلہ صحابہ سے اخذ فیض کیا ہے۔

۳۔ان سے ایک خلق نے علم روایت کیا ہے چند ایک کے خصوصی نام یہ ہیں۔

ا۔	ان کے اپنے بیٹے علی بن عبداللہ	۲۔	بھتیجے عبداللہ بن معبد بن عباس
۳۔	ان کے بھائی کثیر بن عباس	۴۔	بھتیجے ابراہیم بن عبداللہ بن معبد

علقمہ
عکرمہ مولی ابنِ عباس (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

زیادہ ہوئے زائد راویانِ حدیث نے ان سے روایت کیا ہے۔

عباس بن عبداللہ بن معبد نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں۔

تحول ابن عباس مع ابویه الی دار الجهرة سنة الفتح و قد اسلم قبل ذالك فانه صح عنه انه قال كُنْتُ انا و امی من المستضعفون انا من الولدان و امی من النساء"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والدین کریمین کے ساتھ فتح مکہ کے دن مدینہ طیبہ منتقل ہوئے مگر اسلام فتح سے پہلے ہی لا چکے تھے۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ انھوں نے خود اس کی وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اور میری ماں ان کمزوروں سے تھے جو بوقت ہجرت نبوی ہجرت نہ کر سکے اور پیچھے رہ گئے۔ میں بچوں میں اور میری والدہ عورتوں سے تھیں۔ (سیر اعلام النبلاء، کتب کثیر اسماء الرجال وغیرہا)

سندِ حدیث کا تیسرا راوی

روایت کے تیسرے راوی حضرت عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی ہیں۔ یہ عظیم تابعی ہیں۔ انھوں نے درج ذیل اہلِ علم سے روایت کیا۔

انھوں نے براہ راست اپنے جدِ کریم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اپنے باپ عبداللہ بن معبد بن عباس سے روایت کیا۔

اپنے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس سے روایت کیا۔

عکرمہ مولی عبداللہ بن عباس سے روایت کیا۔

عاصم بن عبداللہ بن قتادہ سے روایت کیا۔

اسماعیل بن ابراہیم اسلمی سے روایت کیا۔

عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ "یعنی اپنے گھر والوں سے بعض افراد سے بھی روایت کیا" عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ "مستقل ان کا سلسلہ روایت ہے اور کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ (تہذیب الکمال مزی)

ان کی ثقاہت کی بابت اہلِ علم کی آراء

ا۔"قال احمد بن حنبل عن ابیہ لیس بہ باس"

احمد بن حنبل نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ عباس بن عبداللہ بن معبد سے روایت کرتے ہیں کوئی حرج نہیں (یعنی یہ قابل اعتماد ہیں)

۲۔"قال اسحق بن منصور عن یحیٰ بن معین ثقۃ"

اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا کہ وہ کہتے ہیں عباس بن عبداللہ بن معبد ثقہ راوی ہیں مضبوط اور معتبر ہیں۔

۳۔"قال سفیان بن عیینہ کان رجلاً صالحًا"

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں عباس بن عبداللہ بن معبد ایک عظیم صالح انسان تھے۔ (تہذیب الکمال)

۴۔"ذکرہ ابنِ حبان فی کتاب الثقات"

ابنِ حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ثقہ بیان فرمایا۔

بنابریں اس راوی پر کہیں جرح نظر نہیں آئی بلکہ تعدیل ہی ہے۔

قارئین محترم! یہ ہیں مذکورہ روایت میں مذکور راوی جن کی عدالت بھی مسلم ہے اور ثقاہت بھی بے مثال ہے۔ پورے ذخیرہ اسماء الرجال میں ان نفوسِ قدسیہ پر کہیں کوئی جرح نہیں۔ جس روایت میں اس شان کے راوی ہوں اس روایت پر یقین نہ کرنا بدترین علمی محرومی ہے۔ اس حدیث کی سب سے بڑی قوت راوی کا عینی مشاہدہ ہے۔ جو مخالف روایات میں کسی کو نصیب نہیں۔ قانونِ روایت وقانونِ شہادت کا اولین تقاضا ہے کہ مبصر محسوس اُمور میں وہی روایت قابلِ قبول ہوگی جس کا راوی وقوعہ کا عینی شاہد ہو ورنہ وہ روایت اصلاً مردود ہے۔

رہا اس روایت میں راوی کا "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کا جملہ کہ اس نے اپنے بعض گھر والوں سے روایت کیا ہے یہاں راوی نے اپنے ان گھر والوں کا نام نہیں لیا یہ جرم ہے جس پر اہلِ علم سیخ پا ہو گئے اور فوراً مدہوشی میں فتویٰ دے دیا کہ چونکہ راوی کا نام نہیں بنا بریں یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی عظمت ایمان میں مسترد کی جاتی ہے۔ اس امکان پر کہ ہوسکتا ہے یہ رواۃ غیر عادل ہوں غیر ثقہ ہوں غیر معتبر ہوں۔

میرا اہلِ علم سے سوال ہے کہ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کے ضمن میں آنے والے راویان حدیث کی بابت آپ کو کس وحی یا الہام کی صورت میں یقین ہوگیا ہے کہ یہ راوی غیر عادل، غیر ثقہ ہیں۔ قرآن وسنت اور دین اسلام بلکہ ہر دین کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ جب

حقیقت ہی کسی کا عیب کسی یقینی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے تب تک کسی کو پایہ اعتبار سے گرانا قطعاً جائز نہیں۔
بر اہل علم سے اور قیامت تک مطالبہ ہے کہ حرم نبوت کے نفوسِ قدسیہ جو "عَنْ بُغْضِ اَھْلِہٖ" کے ضمن میں تمہارے مزعومہ افراد
متعلق ہیں ان کی سب سے پہلے انفرادی یا اجتماعی طور پر نشاندہی کریں اور ان کے ان عیوب کی نشاندہی کریں جن عیوب کے
باعث میں ان کی طرف سے بیان کردہ روایت کو آپ نے رد کیا ہے۔ نقد و جرح کے ماہرین آگے بڑھیں ان کی بابت کچھ تو
ہمیں بتائیں قیامت تک کچھ نہیں بتا پاؤ گے۔ کیونکہ قرآن کریم نے اور زبانِ نبوت نے ان کی تعدیل فرما دی ہے۔
"وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" انہی کی شان میں آیا ہے۔ "اَنَا وَ اَھْلُ بَیْتِیْ مُطَھَّرُوْنَ" (حدیث) میں اور میری اہل بیت تمام پاکیزگیوں
کے اعتبار پر ہیں۔ یہ رواۃ تو ویسے بھی خیر قرون سے تعلق رکھتے ہیں ان کا تقدس ہی ان کی شناخت ہے۔ ان کا نام روایت میں نہ
بھی ذکر کیا جائے تو بھی ان کی روایت روایتوں کی معراج ہے۔ یہ تمام راوی کاشانہ نبوت کے نفوسِ قدسیہ ہیں غیر نہیں۔ یہ دنیا کے
تمام اہل علم سے بہر لحاظ افضل ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اہل علم کے دوہرے معیار پر کہ جب تعدیل کرنے پر تل جائیں تو اُموی
کذابوں کو بھی عادل بنا دیتے ہیں مروان بن حکم جیسا کمینہ آدمی بھی صحیح بخاری کا عظیم راوی قرار پاتا ہے۔ اور اگر جرح کرنے پر تل
جائیں تو تنقید کرنے پر بپھر جائیں تو "عَنْ بُغْضِ اَھْلِہٖ" کے ضمن میں آنے والے خاندانِ نبوت کے عظیم لوگوں کو بھی ہدف تنقید بنا
کر ان کی روایت کو یکسر بیک نوک قلم مسترد کر دیتے ہیں۔ کیا یہی علمی تحقیق ہے؟
اگر یہی ہے تو ہم بھی اسے مسترد کرتے ہیں مگر دلیل کے ساتھ۔ حیرت ہے اہل علم کے دوہرے معیار پر انہیں غار ثور میں تین
راتوں کے صدیقی جگ رتوں کی عظمت تو یاد رہی مگر بوڑھے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی شعب ابی طالب کے مسلسل تین
سالوں کے جگ رتوں کی عظمت یاد نہیں؟ یہ من مانیاں نہیں چلیں گی۔ اب اُمت کا ہر فرد پکار اٹھے گا سرعام بولے گا برملا کہے گا۔
حرمِ نبوت کا تقدس زندہ باد۔ وفائے ابوطالب پائندہ باد۔
آئیے اب ہم اہل علم کے دماغوں میں جو "عَنْ بُغْضِ اَھْلِہٖ" کا کیڑا گھسا ہوا ہے ذرا اُس کی خبر لیتے ہیں اور جبری تحکم کی زنجیروں
کو توڑتے ہیں۔ مذہبی اجارہ داروں کا قائم کیا ہوا ہوا دفن کرتے ہیں۔ اہل علم کے طلسماتی تصورات کا تعاقب کرتے ہیں۔ اموی
غنڈہ گردی کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔ معاندین اہل بیت نبوت کو چھٹی کا دودھ یاد دلاتے ہیں۔

روایتِ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی علمی وفنی حیثیت

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت جس کا عنوان ایمان ابوطالب ہے اس پر اہل علم نے اعتراض کیا ہے کہ یہ
حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کا ایک راوی مذکور نہیں جبکہ صحت حدیث کی شرائط میں بنیادی شرط اتصال سند ہے یہ ابتدائے سند سے

لے کر انتہائے سند تک ضروری ہے۔
دوسری شرط راوی کا عدالت ہے یعنی راوی اخلاق حمیدہ رکھتا ہو۔
تیسری بنیادی شرط راوی کا حفظ و اتقان ہے مذکورہ حدیث و روایت میں درمیان روایت میں چونکہ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کا جملہ ہے اس میں متعلقہ راوی کا نام نہیں لیا گیا نجانے اس کے اندر شرائط روایت اور اہلیت روایت ہے یا نہیں بنابریں اس ابہام کی وجہ سے یہ روایت منقطع ہے۔ قابل استدلال ہی نہیں۔

"عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کے مصداق راوی

ا۔ اس روایت کا پہلا راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما ہیں اکی عدالت وثقاہت ایک مسلم حقیقت ہے ان کی محبت کے بغیر کسی کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسرا راوی عبداللہ بن عباس ہیں یہ حبر الامۃ ہیں صحابی ہیں ان کی عدالت وثقاہت سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔

۳۔ تیسرے راوی عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس تابعی ہیں۔ اہلبیت نبوت کی عظیم شخصیت ہیں ان کی عدالت بھی مسلم ہے ثقاہت کی اہل علم نے شہادتیں دی ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ثقہ ہیں جس سے اہل علم کو وہم ہوا کہ نجانے یہ لوگ کتنے خطرناک ہیں کہ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کے تمام لوگ اہلبیت نبوت ہیں۔ عدالت ان نفوسِ قدسیہ کی فطرت ہے۔ ثقاہت کی یہ لوگ خود شناخت ہیں۔ انھی کے گھر کو دار الفقہاء کہا گیا ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کی فطرت ہی ثقاہت ہے۔ انھوں نے براہ راست ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع کیا ہے۔ ان میں دو نام معروف ہیں۔ ایک عبداللہ بن معبد بن عباس تابعی عظیم ہیں۔ ثقاہت کے تاجدار ہیں دوسرے ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس ہیں یہ ثقاہت میں امام ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے براہ راست سماع کیا ہے۔ باقی کچھ مستورات سادات عظمت ہیں۔ عدالت ان کا خمیر ہے علمی بصیرت کی شناخت ہیں تفصیلات آگے آرہی ہیں عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس ان تمام عظمتوں کے مظہر ہیں تابعی ہیں۔ اب بولیے جناب ابہام کہاں گیا؟ بنابریں یہ حدیث سنداً صحیح لذاتہ ہے متصل ہے مرفوع ہے مسند ہے۔ اسے منقطع کہنا قطعاً غلط ہے۔

اب اہل علم پر واجب ہے کہ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" میں شامل افراد پر جرح کریں یقینی دلائل کے ساتھ ورنہ اس حدیث کو منقطع مرسل کہنا چھوڑ دیں۔ حرمِ نبوت کی توہین کے مرتکب نہ بنیں کیونکہ یہ معاملہ بھی حرمِ نبوت کا ہے راویان حدیث بھی اہل بیت نبوت ہیں۔ یہ عینی شاہد بھی ہیں معاملہ کے جیسے حضرت عباس۔ اسی عظمت پر یقین کیا جائے حرمِ نبوت کی بابت کسی کو حق ہی نہیں کہ وہ ان کے اندرونی معاملات کے فیصلے کرے۔

مقدمہ

رہا اہلِ علم کا وہم تو وہ ہم نے دور کر دیا ہے دلیل کے ساتھ۔ ہم معارضۃً کہیں گے کہ اگر مذکورہ روایت کی سند میں کسی جگہ راوی کا نام ذکر نہیں کیا جا سکا جس پر اہلِ علم شاکی ہو گئے۔ اس طرح ساری صحاح سنداً بالخصوص بخاری و مسلم کی بہت ساری روایات ہیں جن کی سندوں میں راویوں کے نام مذکور نہیں۔ اس صورت میں سب کچھ ادھڑ جائے گا۔ نمونے کے طور پر چند ایک مقامات ملاحظہ کریں۔

"حدثنی رجال عن ابی هریرہ بمثل حدیث من شهد الجنازۃ ۔۔۔ الخ" (صحیح مسلم کتاب الجنائز)

"حدثنی بعض اصحابنا" (ایضاً کتاب الاحتکار) "حدثنا صاحب لنا عن اسماعیل بن زکریا عن الاعمش" (مسلم، کتاب الصلوۃ) "حدثنی من سمع حجاجا الاعور بحدیث خروجه ﷺ الی البقیع ۔۔۔ الخ"۔ ان تمام روایات میں راوی بغیر نام کے ہیں یہ روایات بہر لحاظ قبول ہیں بخاری و مسلم میں تو ایسی حدیثوں کی کثرت ہے لیکن حیرت ہے اگر قبول نہیں تو صرف وہ حدیث جو حرم نبوت کی عظمت کو بیان کر رہی ہے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی عظمت ایمان کو بیان کر رہی ہے۔ یہی اہلِ علم کا دوہرا معیار ہے جو کسی بھی صورت قابلِ قبول نہیں۔ اہلِ علم نے ظلم یہ کیا کہ معلول روایات کو صحیح اور صحیح کو معلول قرار دیا۔ اس ضمن میں الحمدللہ ہم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت کا دلائل سے سقم دور کر دیا۔

اب اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنی بیان کردہ روایات کا سقم دور کر کے دکھائیں۔ کم از کم حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کی صحت کو شرائط کے ساتھ ثابت کر کے دکھائیں۔ ہمیں دھمکی دی جاتی ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت صحیح تر روایات کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ اب ہم برملا کہہ رہے ہیں کہ تمہاری تمام معلول روایات ہماری روایت سے مقابلہ، معارضہ کرنے کی اہل ہی نہیں رہیں۔

"عَنْ بَعْضِ اَھْلِهٖ" کی حقیقت

"عَنْ بَعْضِ اَھْلِهٖ" عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب کا مستقل سلسلہ روایت ہے۔ یہ سلسلہ کبھی قابلِ اعتراض نہیں رہا۔ دیکھئے سیرتِ ابنِ اسحاق باب سفرِ امِ الرسول ﷺ "فَحَدَّثَنِیْ الْعَبَّاسُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَعْبَدٍعَنْ بَعْضِ اَھْلِهٖ" میں مستقل سلسلۂ سند مانا گیا ہے کسی بھی روایت میں کہیں بھی یہ قابلِ اعتراض نہیں تو عظمتِ ابی طالب علیہ السلام میں قابلِ اعتراض کیوں؟ معاصر اہلِ علم اس کا جواب دیں۔ بلا دلیل انکار محض جہالت ہے۔ (فریدی)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت میں "عَنْ بَعْضِ اَھْلِهٖ" کو انقطاع کا باعث جاننا قابلِ مذمت ہے۔ بلا دلیل ہے اور کھلی جارحیت بھی ہے۔

قارئین محترم! اہلِ علم نے صرف اس جملے "عَنْ بَعْضِ اَھْلِهٖ" کا جو جملہ ہے اس روایت کی سند کا حصہ ہے۔ اس بنا پر اس صحیح

روایت جو متصل ہے اس کا انکار کیا اور کہا کہ یہ روایت قابل قبول نہیں کیونکہ اس روایت میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا بنابریں یہ روایت ایمان ابی طالب میں قابل قبول نہیں۔ آیئے اب ہم اس کی تحقیق میں اُترتے ہیں۔

کسی روایت میں سندروایت سے ایک راوی کا نہ ہونا دو اعتبار سے جانا جاتا ہے۔

(الف) سند میں راوی اصلاً نہ ہو یعنی مفقود ہو تو اس کو منقطع کہا جاتا ہے۔ اگر مسلسل دو راوی نہ ہوں تو اس روایت کو معضل کہا جاتا ہے یہ ضعیف کی اقسام سے ہے۔

(ب) کسی روایت کی سند میں راوی اصلاً ہو مگر اس کا نام نہ لیا گیا ہو تو اس کو اہل فن مرسل کہتے ہیں یعنی راوی نے اپنے سے والا راوی کو چھوڑ کر اس سے اوپر والے راوی کو بیان کیا ہو۔ مگر راوی سند روایت میں ہو ضرور ورنہ پہلی صورت بن جائے گی۔

اب اس باب میں جو ایمان ابی طالب پر مشتمل ہے آنے والی حضرت عباس کی روایت میں راوی تو ضرور ہے مذکور بھی ہے "عن بَعْضِ اَهْلِهِ" کی صورت میں مگر واضح نام نہیں لیا گیا جس سے اہل علم کو اس روایت کے قبول کرنے میں ابہام نظر آیا۔ علاوہ یہاں ابہام کی کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ گھر میں رہنے والے افراد مجہول نہیں ہوتے۔ معلوم ہوتے ہیں مبہم نہیں ہوتے بلکہ معلوم ہوتے ہیں۔

نوٹ: "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهِ" میں صرف ایک ہی راوی مراد نہیں بلکہ کئی راوی مراد ہیں چونکہ اگر ایک ہی راوی ہوتا تو کہا جاتا عن احد من اهلہ کہ گھر والوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا جبکہ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهِ" سے پتہ چل رہا ہے کہ راوی کئی تھے اس لیے طوالت کی وجہ سے ناموں کے بجائے "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهِ" کہہ دیا۔

اب حضرت عباس بن عبداللہ بن معبد کو نہ تو کوئی وہم تھا کسی کی بابت کیونکہ ان کو قطعاً معلوم تھا یہ روایت کاشانہ نبوت میں زبان زد عام تھی ہر ایک اس حقیقت کو پورے تسلسل کے ساتھ جانتا تھا کیونکہ یہ حقیقت اس گھر کے جد اعلیٰ حضرت عباس بن عبدالمطلب کا عینی مشاہدہ تھا۔ بنابریں یہ عظمت کا مظہر ہر ایک کے ہاں معروف تھی عربوں کا حافظہ بھی ضرب المثل ہے۔

حیرت ہے کہ ہزاروں اشعار اور علم الانساب میں لاکھوں نام تو انھیں یاد رہیں مگر اپنے ہی گھر کے چند افراد جو ایک چھت میں رہنے والے ہیں یہ یاد نہ رہیں؟ کیا یہ اُلٹی منطق نہیں۔ "اھلہ" کی ضمیر کا مرجع خود راوی ہیں خوب جانتے ہیں گھر والے کون ہو سکتے ہیں؟ جو قابلِ اعتبار بھی ہیں ثقہ بھی ہیں۔ صالح بھی ہیں عادل بھی ہیں۔ کیونکہ جن سے یہ بزرگ روایت کر رہے ہیں وہ کائنات کے عظیم راوی ہیں۔ وہ عبداللہ بن عباس ہیں۔ عبداللہ بن معبد ہیں۔ ابراہیم بن عبداللہ بن معبد ہیں۔ یہ نفوس قدسیہ بھی اسی گھر کے عظیم افراد ہیں۔ اور ان سے وہ حسب عادت روایت بھی کرتے ہیں۔ ان کی عادت بھی ثقہ راویوں سے روایت کرنا ہے۔ کیونکہ جن رواۃ سے وہ روایت کرتے ہیں وہ تمام ثقہ بھی ہیں اور اوثقہ بھی۔ جیسے عبداللہ بن عباس وغیرہ۔ اور عجب اتفاق ہے

مقدمہ

ہے کہ "عَنۡ بَعۡضِ اَهۡلِه" سے آگے راوی اس روایت میں حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس ہیں۔ اور "عَنۡ بَعۡضِ اَهۡلِه" کا فرد ہیں اور ان سے آگے اس منظر نامے کی سب سے بڑی عظمت گواہی حضرت عباس بن عبدالمطلب ہیں۔

یہ تینوں راوی براہ راست "عَنۡ بَعۡضِ اَهۡلِه" کا مستقل فرد ہیں۔ اور عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس ان مذکورہ تینوں راویوں سے مستقلاً براہِ راست روایت بھی کرتے ہیں یہ روایت اسی سلسلہ سند کا نصا حصہ ہے۔ مزید اس کی عظمت یہ ہے کہ یہ روایت عینی مشاہدے پر مشتمل مبنی ہے جبکہ کفر ثابت کرنے والی روایات میں سے ایک بھی روایت کا راوی عینی شاہد نہیں۔ نہ ہی راویوں کے پاس کسی عینی شاہد کا مشاہدہ ہے اور گواہی بھی نہیں۔ نہایت افسوس ہے اہل علم پر کہ وہ عینی شاہد و گواہ کی بات نہیں مان رہے اور جن راویوں کے پاس نہ ذاتی عینی مشاہدہ ہے نہ کسی اور کا تفویضی مشاہدہ ہے نہ کوئی یقینی تصدیق ہے ان کی بات مان رہے ہیں۔ یہی جبری تحکم ہے۔ اگر راویوں کا باہمی موازنہ کیا جائے عدالت وثقاہت کے اعتبار سے تو مکفرین کے پلے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

اب بولیے جناب ابہام دور ہوا کہ نہیں؟ اہل علم کو ایک مشورہ عرض ہے چونکہ آپ نے میرا تعاقب کرنا ہے تو ایک مفت مشورہ ہے کہ آپ کسی یقینی دلیل سے ثابت کر دیں کہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس، (۲) عبداللہ بن معبد (۳) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد۔ (۴) عباس رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عباس کے گھر کے فرد نہیں ہیں اس صورت میں آپ کے فکری مزعومہ زاویے بھی بچ جائیں گے اور روایت بھی مسترد ہی رہے گی مگر ایسا کرنا آپ کے بس کی بات ہی نہیں رہی۔

اب رہا یہ سوال کہ ہو سکتا ہے "عَنۡ بَعۡضِ اَهۡلِه" کے افراد مذکورہ راویوں جو ثقاہت وعدالت میں سورج سے زیادہ روشن ہیں۔ ان کے علاوہ ہوں۔ جناب عالی مان لیا کہ ایسا ہی ہے کہ جیسا آپ کہہ رہے ہیں تو آپ ان کی نشاندہی فرما دیں۔ اور ساتھ ہی ان پر جرح بھی کر دیں تاکہ آپ کے موقف میں قوت پیدا ہو جائے یہ آپ قیامت تک نہیں کر سکتے کیونکہ پاسبان حرمِ نبوت کی طہارت پر قرآن کریم گواہ ہے طہارت وعدالت تو ان پر ناز کرتی ہے ثقاہت ان کا طواف کرتی ہے بصیرت ان کی فطری عظمت ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ خود تحفظ دیتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ قریش سے آگے نہ بڑھو اور زیادہ پیچھے بھی نہ رہو۔ ان کو نہ سکھاؤ بلکہ ان سے سیکھو ان کا ادب کرو۔ بے شمار احادیث ہیں جو ان کی شخصی عظمت علمی وقار اور روحانی تقدس کو بیان کر رہی ہیں۔ اب ہم ان واضح نبوی ارشادات کو چھوڑ کر غصیلے اہل علم کے غصہ کی نذر کیوں ہوں؟

ہمارا صرف اتنا مطالبہ ہے اس کے انکار کی کوئی واضح یقینی دلیل دے دیں۔ ہم اپنا قلم روک لیں گے۔ رہا "عَنۡ بَعۡضِ اَهۡلِه" کے نکتے پر روایت کی گرفت کرنا یہ فضول ہے بلا دلیل ہے۔ ایک روشن حقیقت کا انکار ہے جو کسی بھی صورت برداشت نہیں۔ ظلم یہ ہے

کہ اہل علم نے طے کر لیا ہے کہ یہ روایت سنداً صحیح بھی ہو جائے تو بھی تسلیم نہیں کیونکہ مد مقابل جو روایات ہیں وہ صحیح تر ہیں یہ امر بھی
ایک سوال ہے جن احادیث کو اہل علم اس روایت کے مد مقابل صحیح تر فرما رہے ہیں کیا ان کی صحت کی کوئی یقینی دلیل دے سکتے
ہیں؟ حالانکہ یہ روایات اصلاً مردود ہیں جناب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی صحیح لذاتہ روایت کا مقابلہ قیامت
تک نہیں کر سکتیں۔ اہل علم میرے معارضے کا جواب دیں۔ قیامت تک نہیں دے سکتے۔ میں نے پہلے بھی چیلنج کیا ہے کہ
منکرین ابی طالب اپنی بیان کردہ روایات سے کوئی ایک روایت پیش کر دیں جس کا ثبوت قطعی ہو؟ جن آیات کا ناجائز استعمال
کیا ہے کسی ایک آیت کی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے کفر میں دلالت قطعی ہو؟ یا ان پر لگایا گیا کفر و شرک کا بیہودہ الزام کسی
بھی یقینی دلیل سے ثابت کیا ہو اگر ایسا کچھ نہیں تو پھر اب حرم نبوت کے خلاف ہرزہ سرائی بند ہونی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ
تعالیٰ کا غضب منکرین ابی طالب کی سانسیں بند کر دے۔ اہل محبت کو دھمکی دی جاتی ہے کہ روایت حضرت عباس بن عبدالمطلب
رضی اللہ عنہما منقطع روایت ہے یا مرسل روایت ہے لہٰذا یہ صحیح روایات کا مقابلہ اور معارضہ نہیں کر سکتی۔

جناب من! اس روایت کا انقطاع بھی ختم ہو گیا ارسال بھی۔ جن روایات کو آپ نے صحیح تر روایات مانا ہے ذرا ان کا حشر تو ملاحظہ
فرمائیں؟ آپ جس روایت کی صحت کا دعویٰ کر رہے ہیں جناب آپ کی سب سے بڑی مہیب روایت حضرت مسیب بن حزن
رضی اللہ عنہ والی ہے آپ کسی دلیل سے اس کی سند کا اتصال ہی ثابت کر دیں؟ پھر اس کی وضع تشکیل پر کوئی علمی دلیل ہی دے
دیں؟ یا اس کے حصول کے ذرائع علم ہی کی نشاندہی کر دیں؟

اس کی قطعیت ہی کا کہیں سے گنجا کا نا یقینی ثبوت ہی مہیا کر دیں۔ پھر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی چشم
مشاہدے پر مشتمل روایت کا معارضہ کریں اپنا شوق پورا کریں کیونکہ کفر ابی طالب کا قول آپ نے کیا ہے دلیل بھی آپ کے ہی
ذمہ ہے۔

دار الفقہاء کاشانۂ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا علمی ماحول

قارئین محترم! سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا گھر اہل علم کے ہاں دار الفقہاء کے نام سے معروف و مشہور
ہے۔ آپ کی تمام اولاد بمع بنات کرام سب کامل اہل علم، فقیہ اور بہت سارے علوم نبوت کے وارث تھے۔ بعض بعض پر شہرت
میں فوقیت لے گئے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس، کثیر بن عباس، تمام بن عباس وغیرہ۔ تاہم آپ کی تمام اولاد علم و فضل
میں معروف تھی۔ کیونکہ اُم الفضل لبابہ بنت الحارث الہلالیہ کے بطن سے چھ (۶) بیٹے: فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم،
عبدالرحمن اور اُم حبیبہ یہ تمام صحابہ ہیں۔ ان کی والدہ اُم الفضل خود محدثہ تھیں۔ بنابریں علوم نبوت انھوں نے براہ راست نبی کریم

مقدمہ عظیم اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ یہ خاتون اول محسنہ اسلام حضرت اُم المومنین خدیجہ

الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے بعد سب سے پہلے عورتوں میں سے اسلام لے آئیں۔ ان کی صحبت فیض سے ان کے تمام بچے بھی صحابی حاصل فرمائے۔ ان کی سب سے

عالم ربانی، عارف اور فقیہ بنے۔ اسی لیے ان کے گھر کو اہل علم دار الفقہاء کہتے ہیں۔

یہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے بھی جو علوم نبوی فیض سے حاصل کیے تھے وہ بھی اپنے بچوں کو من وعن منتقل

کیے۔ بچوں نے دیگر صحابہ کرام سے بھی علوم نبوت میں اکتساب فیض فرمایا۔ گویا علم وفضل ان نفوس قدسیہ کی گھٹی سے شروع ہوا

یوں تقریباً بچے علم نبوت سے وابستہ رہے۔ پہلے خود مہارتیں حاصل کیں بعد ازاں حسب روایت اپنے بچوں کو علم کی دولت سے

مالا مال فرمایا اور دیگر صحابہ کے علوم کے بھی وارث بنے۔ پھر ان کے بچوں نے حسب روایت اپنے بچوں میں یہ میراث نبوت تقسیم

اسی اس طرح یہ سلسلہ صدیوں پر مشتمل اور محیط رہا۔ اسی لیے اہل علم نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے گھر کو دار

العلم قرار دیا۔ اسی طرح ہی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نسل در نسل علم سے وابستہ رہی۔ روایت حدیث میں اکثر

مرویات کا ہے۔ حدیث مذکور کی بابت مکمل ریکارڈ جو عینی شہادت پر مشتمل ہے اسی خانوادے میں تسلسل پذیر رہا۔ ان کا روشن

علمی کردار ان کی عدالت ثقاہت کی یقینی گواہی ہے۔ مسیب بن حزن کے پاس کونسی علمی فقہی عظمت ہے۔

نہ جانے اہل علم نے اس حدیث میں انقطاع کہاں سے تلاش کر لیا یا تراش لیا؟ اس کی دلیل کوئی نہیں دیتا۔ بس "عَنْ بَعْضِ

اَهْلِهٖ" کے جملے والی بات کو بتنگڑ بنا دیا وہ بھی بغیر دلیل۔ حالانکہ اہل علم نے خود اصول وضع کیا ہے کہ اگر کوئی ثقہ راوی حسب

عادت ثقہ راویوں سے ہی روایت کرتا ہے تو وہ اگر کسی راوی کا نام نہ بھی لے تو بھی اس کی روایت قابل استدلال ہے۔ (تدریب

الراوی، تقریب النواوی) اپنے وضع کردہ اُصول کے باوجود بھی بضد ہیں یہ حدیث منقطع ہے (ذہبی) مرسل ہے (اعلیٰ حضرت

عبدالرحمہ) واہی ہے (مبحث)

اب ہم نے بفضل تعالیٰ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کے ابہام کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس دور کے اہل علم کی علمی دیانت کیا

جواب دیتی ہے؟ اصول یہ ہے کہ کسی روایت میں پیش آمدہ سقم اگر کسی دلیل سے رفع ہو جائے تو پھر اس روایت پر اعتماد لازمی ہو

جاتا ہے۔

اہلِ علم کی طرف سے ایک فضول اعتراض کا جواب

بعض اہل علم ایک فضول اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے اور

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک بعد میں ہوا۔ اس گھاٹی سے باہر آنے کے چند ماہ بعد۔ تو جناب ابن عباس رضی اللہ

عنہما اس وقت بالکل چھوٹے تھے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یہ وہاں موجود نہ تھے۔ لہٰذا ان کی روایت اس بابت قابل قبول نہیں؟

الجواب بعون الوہاب

جناب من! ایسا ہی ہے کہ یہ چھوٹے تھے مگر آپ نے روایت کی پوری تقویم پر غور نہیں فرمایا۔ اگر غور فرما لیتے تو یقیناً ایسا بیہودہ اعتراض نہ فرماتے۔ مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے اگر یہاں تک آ کر رُک جاتی تو یہ اعتراض بنتا تھا مگر بھلے نصیب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے کہ یہ روایت یہاں نہیں رُکی بلکہ اس کی سند میں ان کے علاوہ ایک اور عظیم راوی ہے وہ ان کا والد گرامی سیدنا عباس ہے جو وہاں یقیناً موجود تھے اور عینی شاہد بھی تھے۔ بلکہ وقوعہ کی حقیقت سے خود وابستہ تھے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس سے کلمہ طیبہ کا ورد انھوں نے خود اپنے کانوں سے سنا۔ آپ ان کے تذکرہ عظمت میں پڑھ چکے ہیں کہ "رَوٰی عَنْہُ اِبْنُہٗ" عبداللہ بن عباس کہ ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا ہے اور مزید آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباس کے تذکرہ رحمت میں بھی پڑھا ہے کہ "رَوٰی عن اَبِیْہٖ" کہ جناب عبداللہ بن عباس نے اپنے باپ عباس سے روایت کیا ہے۔ اور اس روایت میں ان دونوں بزرگوں کا نام بتدریج موجود ہے۔ اب بھی موجود ہے۔ اب ابہام نہ رہا اعتراض کی گنجائش ہی ختم ہو گئی مگر

معترض پر مسکین کا ایک سوال ہے کہ آپ کو حضرت عبداللہ بن عباس کی عدم موجودگی کا بطورِ خاص خیال رہا لیکن اپنی قائم کردہ دلیل صحیح بخاری حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی نظر نہیں آئی؟ جو کہ آج تک کوئی ثابت نہیں کر سکا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ ہم نے تو آپ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اوپر ایک عظیم راوی دکھایا ہے۔ حضرت عباس جو وقوعے کا عینی شاہد ہے۔ اب آپ کی بھی مقابلۂ ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ بھی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے اوپر کوئی راوی دکھا دیں تا کہ آپ کا خود ساختہ وقوعہ سچائی کے قریب ہو سکے۔ مگر آپ یہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ چونکہ ایسا ہے ہی نہیں جو آپ بیان کرتے ہیں۔

عین ایسے ہی اس بابت آپ کے پاس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے اُس میں بھی آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی قطعاً نہیں دکھا سکتے کیونکہ وقوعہ کے وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یمن میں تھے۔ وقوعہ کے دس سال بعد سات سن ہجری کو وہ مدینہ آئے۔ دوسیوں کے ہمراہ خیبر پر جا کر مسلمان ہوئے۔ مگر افسوس کہ آپ اس روایت کے بھی مداح ہیں حالانکہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ حسی مبصر محسوس معاملہ کی خبر بغیر مشاہدے کے دینا بھی جائز نہیں اور اس پر یقین کرنا بھی جائز نہیں۔

ب ہم اہل علم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کو قیامت تک وقت دیا جاتا ہے کہ آپ مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کی
کا اتصال کسی یقینی دلیل سے ثابت کریں اور ان کی موجودگی بھی جائے وقوعہ پر کسی یقینی دلیل سے ثابت کریں اور ایسے ہی
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی جائے وقوعہ پر ثابت کریں۔ یہ قانونِ شریعت کا بھی تقاضا ہے اور قانون روایت کا
بھی۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو آپ کو ان ہر دو روایات سے کفر ابی طالب پر استدلال کرنے کا کوئی حق
نہیں۔ یہی علمی دیانت کا تقاضا ہے۔ آپ کی ظرافت طبع کے لیے سر راہ چلتے چلتے ایک پر مغز لطیفہ ملاحظہ فرمائیں، لطف آئے گا۔

مجھے دینہ ضلع جہلم میں ایک عالم دین ملے جو اپنے خیال میں خود کو اس شہر کا علمی فخر خیال کرتے تھے۔ ملاقات ہوئی قدرے گرما
گرمی ہوئی بعد ازاں مولانا نے مجھ سے تقلید کے معنی پوچھے میں نے کہا کہ کسی پر علمی اعتماد کرنا اس کی تحقیق کو قبول کرنا انھوں نے
اِتراتے ہوئے فرمایا اُوں ہوں! تقلید کا معنی ہے جس کے تم مقلد ہو اس کے قول کے خلاف حدیث صحیح بھی آ جائے تو امام کے
قول کو اختیار کرنا چاہیے۔ حدیث صحیح کو چھوڑ دینا چاہیے۔ میں نے کہا حضرت پھر تو بات ہی آسان ہو گئی۔ امام الائمہ سراج الائمہ
حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے قول کے مدمقابل اگر حدیث ضعیف بھی آ جائے تو میرا قول چھوڑ دینا حدیث
ضعیف پر عمل کرنا یہی میرا مذہب ہے۔ مولانا امام صاحب کے قول سے آپ نے اب بھاگنا نہیں۔ آپ نے قول امام کے مقابل
صحیح حدیث کے ترک کا مشورہ دیا جبکہ امام صاحب کا مشورہ تو حدیث ضعیف کو بھی اپنے قول پر ترجیح دیتا ہے۔ اب آپ کا قول
معتبر ہے یا آپ کے امام کا؟

میں کس قول اور کس مشورے کو قبول کروں؟ میں آپ کی تقلید کروں یا آپ کے امام کی؟ آپ بڑے مجتہد ہیں یا آپ کے امام؟ تو
مولانا شاید شرمندہ ہوئے۔

قارئین محترم! یہ ہے ہمارا علمی معیار! بہر حال نفس مسئلہ کی طرف چلتے ہیں مسکین فریدی نے اس دار الفقہاء کے علمی وارثوں کو تلاش
کیا ہے میرے جزوی استقراء کے مطابق حضرت عباس بن عبد اللہ بن معبد بن عباس بن عبد المطلب کے لیے ہزار صفحے پر مشتمل
ایک جلد تیار ہو رہی ہے دعا فرمائیں۔ جن میں اہل بیت نبوت کے فقہاء کا علمی مقام بیان کیا جائے گا اب "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" کے
فقہاء کو سامنے رکھیں۔ حدیث کی روح نظر آئے گی۔ اس کی حقیقت بھی سامنے آ جائے گی۔ کائنات بھر کے اہل علم نے ان فقہاء
کی عظمت کو سلام کیا ہے۔ اگر مذکورہ جملہ ان میں سے کسی ایک سے بھی متعلق ہے تو پھر بھی یہ حدیث متصل الاسناد بھی ہے اور صحیح
بھی۔ کیونکہ یہ تمام تابعین ہیں یا اتباع تابعین ہیں اور خیر قرون سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاندان بو طلبی کے فقہاء بھی اسی سلسلہ کا ایک
عظیم عنوان ہیں۔ "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" کا عظیم مقتدر حصہ ہیں۔ اس اعتبار سے تو جتنا شرف حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ
عنہما کی روایت کا ہے شاید کسی اور روایت کا ہو؟ یہ روایت اپنے شرف و مجد پر جتنا ناز کرے کم ہے۔ کیونکہ اس کے تمام راوی

خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس عظیم ترین روایت کو بیہودہ کہنا بذات خود ایک بیہودگی ہے۔ بلا دلیل کسی عظمت کا انکار کرنا کس قدر علمی خیانت ہے۔

"عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کے جملے سے اہل علم کو وہم ہو جانا ایک تلخ حقیقت۔ بخاری و مسلم میں بے شمار ایسی احادیث ہیں جن کی اسناد میں مبہم راوی ہیں اس حوالے سے فقیر مسکین ایک کتاب لکھ رہا ہے بعنوان "مبہمات بخاری و مسلم" لیکن پھر بھی اہل علم ان روایات کو صحیح قرار دے چکے ہیں۔ حالانکہ ان میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن کا ابہام دور کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن بھی ہے۔ مگر چونکہ بخاری و مسلم میں آ گئی ہیں بنا بریں یہ سب صحیح ہے یہ کوئی علمی معیار نہیں؟ روایت کی اصل قوت سند ہوتی ہے نہ کہ کتاب۔ یہ عجیب منطق ہے جن کے گھر علم نازل ہوا جن کے سامنے نازل ہوا، علم جن کی فطرت بنا، شناخت بنا، بزاروں احادیث جن کے سینے میں محفوظ ہیں کاشانہ نبوت کے باسی ہیں ان کا علم تو قابل اعتبار نہ ٹھہرا اگر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ جو 21 سال تک کافر رہے طلوع اسلام کے 21 سال بعد اسلام قبول کیا۔ ٹوٹل سات حدیثوں کے راوی ہیں جن کی یہ حدیث ہی جڑ گئی ہے جو بخاری و مسلم میں درج ہے۔ اسے اہل علم نے جھٹ قبول فرما لیا ہے یہ مکفرین ابی طالب ہی جانتے ہیں مگر مسکین اس دوہرے معیار کا کبھی بھی پابند نہ تھا نہ ہی ہو سکتا ہے اور بلا دلیل روایتیں ماننا مرتبہ حدیث کے ساتھ مذاق ہے۔

دوسری طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی حدیث جو سنداً متصل ہے کیونکہ اب "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" مبہم نہیں رہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس سند و روایت کا مستقل حصہ ہیں۔ ان کے بعد عبداللہ بن معبد بھی اس کا مستقل حصہ ہیں۔ ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس بھی اس کا مستقل حصہ ہیں اور خود عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب اس کا مستقل عضو ہیں دیگر اہل بیت نبوت بھی بغیر نام لیے "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کا مستقل حصہ ہیں۔

اتنے ثقہ راویوں سے روایت کرنے والا کیسے ایک مبہم بات کو روایت کہہ سکتا ہے؟ اس کا شانہ رحمت کی مستورات بھی فقیہہ تھیں۔ بولیے جناب ابہام کہاں ہے؟ وہ کون سے ابہام ہیں؟ آپ کا موقف کیا ہے؟ کہ اس روایت میں راوی مبہم ہے آپ ایسا کریں وہ مبہم راوی تلاش کریں اور ان پر فرداً فرداً جرح فرمائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں جب ایسا کچھ بھی نہیں تو پھر کفر ابی طالب کا واویلا کیوں؟ دوسری جانب آپ کی روایت ہے حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے۔ آج تک آپ نے اس روایت کے یقینی ذرائع علم کی بھی نشاندہی نہیں کر سکے اور نہ ہی کر سکتے ہیں تو پھر کفر ابی طالب کا شور شرابہ کیوں؟ فرسودہ عقیدہ کیوں؟ کیا یہ کہیں اُموی جارحیت کا تسلسل تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ سے گلہ نہیں۔ حیرت ہے عینی شہادت آپ کے ہاں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی جبکہ دوسری طرف خود ساختہ روایت آپ کے نزدیک حقیقت بن گئی اس سے بڑا دوہرا معیار کیا ہو سکتا ہے؟ اور ظلم کیا ہو سکتا ہے؟

نقشہ روایتِ ہذا

روایت کا مبداُ اول حضرت عباس بن عبدالمطلب (عظیم صحابی) ہیں۔ رضی اللہ عنہم

ان سب کا سماع متصلاً ثابت ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی (صحابی) رضی اللہ عنہما

۲۔ "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" تابعی۔ رضی اللہ عنہم

۳۔ حضرت عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی۔ رضی اللہ عنہم (تابعی)

۴۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ تابعی ناقل متوفی ۱۵۰ھ متولد ۸۵ھ (تہذیب الکمال)

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس (صحابی) رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عبداللہ بن معبد (تابعی) رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن معبد۔ (تابعی) رضی اللہ عنہ

۴۔ عباس بن عبداللہ بن معبد۔ (تابعی) رضی اللہ عنہ

دیگر اہل خانہ بغیر نام کے مخصوص اہلِ بیتِ نبوت ہیں تابعی ہیں۔ رضی اللہ عنہم

نوٹ:۔ مذکورہ تمام ثقات میں سے کسی بھی ایک راوی کا کہیں بھی کوئی استثناء نہیں۔ یہ تمام "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" میں شامل بھی ہیں اور مذکور بھی اور ممکن بھی ہیں۔ لہٰذا اب "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" کا جملہ ابہام پر نہ مشتمل ہے اور نہ ہی ابہام کا مطابقی معنی ہے اب اس اعتبار سے مذکورہ حدیث منقطع نہیں بلکہ متصل اور صحیح ہے اس کی صحت کی اضافی دلیل یہ روایت امر محسوس عینی شہادت پر مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح لذاتہ ہے۔ کیونکہ اس کی صحت ذاتی ہے کسی اور مؤید صحت کی مرہونِ منت نہیں۔ (فریدی)

فصل ثانی:

راویانِ حدیث کا علمی و تفصیلی تعارف

تعارف فصل ثانی

اس فصل میں
دار الفقہاء کے اُن اہل علم کا اجمالی تعارف کرایا جا رہا ہے
جو حدیث عباس بن عبد المطلب علیہما السلام کے راوی ہیں اور یہ تعارف نقد و جرح کے مسلم آئمہ کی تحقیق
کے مطابق ہے۔

راویانِ حدیث کا علمی تعارف

علمی تعارف اس لیے ضروری سمجھا کہ اہل علم اسی مرتبہ علم کا اعتبار کرتے ہیں بنابریں اسماء الرجال کی ہی کتب سے یہ تعارف کرایا رہا ہے تا کہ اہل علم کا اطمینان بحال رہے۔

"عَبَّاس بن عَبد اللہ بْن معبد بْن عباس بن عبد المطلب القرشي، الهاشمي، المدني

⊙رَوَى عَن أخيه إِبْرَاهِيم بْن عَبد اللَّهِ بْن معبد بْن عباس⊙، وإسماعيل بْن إِبْرَاهِيمَ، ويُقال إِبْرَاهِيم بْن إسماعيل السلمي، ⊙وعَاصِم بْن عُمَر بْن قَتَادَة، ⊙وأبيه عَبد اللَّه بْن معبد بْن عباس، ⊙وعكرمة مولى ابْن عباس⊙، وعَن بَعْض أهله⊙، عَنْ عَبد اللَّهِ بْن عباس "

۱۔"قَال عَبد اللَّهِ بْن أحمد بْن حنبل عَن أبيه ليس به بأس

۲۔وَقَال إِسْحَاق بْن منصور عَن يحيى بْن مَعِين ثقة

۳۔وَقَال سُفْيَان بْن عُيَيْنَة كَانَ رجلا صالحا

۴۔وذكره ابنُ حِبَّان فِي كتاب الثقات "(تہذیب الکمال)

198 "إِبْرَاهِيم بْن عَبد اللَّهِ بْن معبد بن عباس بن عبد المطلب بن هاشم القرشي الهاشمي المدني

⊙رَوَى عَن عم أبيه عَبد اللَّه بْن عباس⊙، وأبيه عَبد اللَّه بن معبد ابْن عباس⊙، وميمونة بنت الحارث زوج النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ ⊙رَوَى عَنه أخوه عباس بْن عَبد اللَّه بْن معبد بْن عباس "وغیرہ صدوق (تقریب التہذیب)

3184 "عبد الله بن معبد بن عباس بن عبد المطلب القرشي الهاشمي⊙عن عمه عبد الله بن عباس⊙روى عنه ابنه ابراهيم بن عبد الله بن معبد (تهذيب الكمال) قال مديني ثقة قال ابو زرعة عن عبد الله بن معبد ثقة "(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم)

4947 "كثير بن العباس بن عبد المطلب بن هاشم الهاشمي أَبُو تَمَّام المدني، ابن عم النَّبِيّ صلى الله عليه وسلم، وكان شَقِيق تَمَّام بْن الْعَبَّاس، أمهما أم ولد "

"⊙ روى ابيه العباس بن عبد المطلب⊙ واخيه عبد الله بن عباس⊙ عثمان بن عفان⊙ عمر بن الخطاب⊙ وابي بكر الصديق وولد على عهد النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "

علاء"

و قال عبد الله بن جعفر اعبد الناس كثير بن العباس"

و قال مصعب الزبيري كان فقيها فاضلاً"

و مات كثير بن العباس في ايام عبد الملك بن مروان "(تہذیب الکمال)

239 "تمام بن العباس بن عبد المطلب و شقيقه كثير بن العباس ○ روى عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم"

3865 "عبد الرحمٰن بن عباس القرشي، ○ روى عن ابي هريرة، روى عنه ثابت البناني"

3129 "عباس بن عبد المطلب بْن هاشم بْن عَبْد مناف القُرَشِي الهاشمي، أَبُو الفضل المَكِّي، عم رَسُول الله صَلَّى الله عليه"

○ و روى عنه الأحنف بْن قيس ○ عباس بن عبد الرحمٰن مولى بني هاشم و عبد الرحمٰن بن الحارث بن نوفل ○ و ابنه عبد الله بن عباس ○ و ابناه عبيد الله بن عباس و كثير بن عباس ○ و ابنته أم كلثوم بنت العباس بن عبد المطلب "(تہذیب الکمال)

3130 "عَبَّاس بْن عُبَيد الله بْن عباس بن عبد المطلب القرشي الهاشمي"

○ روى عن عمه الفضل بن عباس بن عبد المطلب و محمد بن مسلمه صاحب ابوهريره ذكر ابن حبان في الثقات "(ایضاً)

3746 "عُبَيد الله بن عَبَّاس بن عبد المطلب القرشي الهاشمي أَبُو مُحَمَّد المدني، وهُوَ شقيق عَبد اللهِ بْن عَبَّاس، وقثم بْن عَبَّاس، ومعبد بْن عَبَّاس أمهم أم الفضل بنت الحَارِث الهلالية

○ روى عن النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ

○ أبيه العباس بن عبد المطلب

○ روى عنه سُلَيْمان بْن يسار، ○ وابنه عَبد اللهِ بْن عُبَيد الله بْن عَبَّاس، ○ وعطاء بْن أَبي رباح، ○ ومُحَمَّد بن سيرين، دار الفقهاء دار العباس بن عبد المطلب "(ایضاً)

"أنه مات سنة سبع وثمانين "(ایضاً)

"عبد الله بن عبيد الله بن عباس ثقة "(تقریب التہذیب)

7923 "أم الفضل لبابة بنت الحارث بْن حزن الهلالية، زوجة العباس بن عبد المطلب"

○ روت عن النبي صلى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ

○ روی عنها انس بن مالك ○ وتمام بن العباس، ○ وعبد الله بن الحارث بن نوفل ○ وابنها عبد الله بن عباس ○ ومولاها عمير ابو عبد الله ○ وكريب مولی ابن عباس "

"قال ابو عمر بن عبد البر: (2) يقال انها اول امرأة اسلمت بعد خديجة، وكان النبي صلی الله عليه وسلم يزورها ويقيل عندها --- الخ"

حضرت عباس کی ان سے اولاد چھ بیٹے ایک بیٹی ہے۔ فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن، اُم حبیبہ۔

ماں باپ کی طرف سے سگی بہنیں، میمونہ بنت حارث زوج النبی ﷺ اور لبابہ صغریٰ، عصماء، عزہ، ھزیلہ، ماں کی طرف سے سگی بہنیں: اسماء، سلمیٰ، سلامۃ بنات عمیس الخثعمیات، باپ کی طرف سے بھائی محمیہ بن جزء الزبیدی۔ چھ بہنیں والدین کی طرف سے نو بہنیں ماں کی طرف سے یہ تمام ہند بنت عوف الکنانیہ (الاستعیاب، سیر الاعلام النبلاء)۔

"قثم بن العباس بن عبد المطلب بن هاشم الهاشمي عم النبي ﷺ كان يشبه النبي ﷺ واردفه النبي ﷺ امه ام الفضل لبابه لقثم صحبة النبي ﷺ

ان حبيبه بنت العباس بن عبد المطلب مذكورة في حديث ام الفضل ان رسول الله ﷺ قال لو بلغت أم حبيبة بنت العباس وانا حي لتزوجتها" (الاستعیاب) ترجمہ ان کا ہو چکا ہے۔

اہلِ علم کا دوسرا اعتراض

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما بوقت تحمل ادائے روایت مسلمان نہ تھے

قارئین محترم! یہ اعتراض بھی ایک سازشی اعتراض ہے اور اس کی کسی کے پاس کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ غزوہ بدر کی بابت روایت ہے کہ جب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما قیدی بنائے گئے۔ فدیہ طلب کرنے پر انھوں نے عذر ظاہر کیا کہ اس وقت فدیہ کے لیے میرے پاس رقم نہیں۔ اس پر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو سونا آپ میری چچی ام الفضل کو دے کر آ گئے ہیں وہ کہاں ہے؟ اس پر آپ جذباتی ہو گئے کہ اس بات کا علم تو صرف مجھے اور میری بیوی ام الفضل کو ہے رسول دو عالم ﷺ کو کیسے معلوم ہوا تو فرطِ شوق میں بول اٹھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اس جملے کے تکلم سے پہلے اہلِ علم کے نزدیک وہ مسلمان نہ تھے اس جملے کا تکلم کرتے ہی آپ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ تھی وہ صورت جس سے اہلِ علم کو وہم ہو گیا کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما اس سے پہلے مسلمان نہ تھے۔ بعض اہلِ علم نے تو ان کا اسلام فتح مکہ کے دن مانا ہے۔ دیکھیے مبحث المطالب (اعلیٰ حضرت) بہرحال ان ہر دو صورتوں کی وضاحت کا یہ مطلب

نہیں کہ وہ اس سے قبل اسلام نہیں لائے تھے۔ میں وضاحت کر چکا ہوں کہ سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما قدیم الاسلام ہیں مذکورہ روایات ان کے قدیم الاسلام ہونے کے ہرگز منافی نہیں ہیں۔ نہ ہی علمی معارض ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ ان روایات سے زیادہ مضبوط علمی شواہد ان کے قدیم الاسلام ہونے کے ہیں۔ رہا بدر میں ان کا شہادتین کا تکلم کرنا وہ کسی بھی صورت میں ان کے قدیم الاسلام ہونے میں یقینی مانع نہیں ہو سکتا ورنہ بہت سارے حقیقی شواہد کا انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بہت سارے صحابہ کرام نے اسلام لانے کے عرصہ بعد فرطِ ذوق سے شہادتین کا تکلم فرمایا تو کیا ان کو بھی اُس وقت مسلمان گردانیں گے؟ میں ایسے ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب سید دو عالم ﷺ کا علم غیب کا معجزہ دیکھا تو فرطِ ذوق سے بول اُٹھے میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس روایت سے اہل علم کو وہم ہوا کہ اب اسلام لائے حالانکہ اس واقعہ سے پہلے بھی ان کے ایمان کے شواہد ملتے ہیں۔

فصل ثالث:

راویٔ حدیث حضرت عباس بن عبد المطلب علیہما السلام کے قدیم الاسلام ہونے کے بدیہی شواہد

حضرت عباس کے قدیم الاسلام ہونے کے بدیہی شواہد

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے قدیم الاسلام ہونے کی اپنی ذاتی وضاحت ملاحظہ ہو

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، دَعَانِي إِلَى الدُّخُولِ فِي دِينِكَ أَمَارَةٌ لِنُبُوَّتِكَ، رَأَيْتُكَ فِي الْمَهْدِ سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب
عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ،
فَحَيْثُ أَشَرْتَ إِلَيْهِ مَالَ قَالَ إِنِّي كُنْتُ أُحَدِّثُهُ وَيُحَدِّثُنِي، وَيُلْهِينِي عَنِ الْبُكَاءِ"
تُنَاغِي الْقَمَرَ وَتُشِيرُ إِلَيْهِ بِأُصْبُعِكَ،

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے دین میں داخلے کا ترجمہ:
جب آپ کی نبوت کی وہ نشانی بنی اور دلیل بنی جب آپ چھوٹے بچے تھے میں نے آپ کو پنگھوڑے میں دیکھا کہ چاند سے
آپ کھیل رہے ہیں۔ آپ اپنی نبوت والی انگلی سے اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جدھر آپ کی نبوی انگلی کا اشارہ ہوتا چاند
ادھر جھک جاتا گویا چاند آپ کے اشاروں پر وجد کناں تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے چاند رونے نہیں دیتا تھا میرا دل بہلائے رکھتا تھا۔
(دلائل النبوۃ، بیہقی، سبل الہدیٰ والرشاد)
گویا چاند میرے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔

قارئین محترم! یہ وہ حوالۂ عظمت ہے جو خود حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا۔ ان کے دل میں عظمت
اسلام قدیمی ہے یہ ان کا ذاتی مشاہدہ ہے اور اسی کو ہی انھوں نے اپنے اسلام لانے کا سبب قرار دیا ہے۔ یہی واقعہ ان کی
عظمت یقین کا باعث بنا۔ بداہتِ عقل اسے تسلیم بھی کرتی ہے اور حقائق بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی تشریف
آوری کی بشارات کا شانۂ نبوت میں تدریجاً تسلسل پذیر تھیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا دعوت اسلام
کے مزاحم نہ ہونا بھی آپ کے قدیم الاسلام ہونے کا عظیم قرینہ ہے۔ جب ان کی اپنی وضاحت آگئی ہے تو مزید کسی دلیل کی
ضرورت ہی نہیں رہی۔ اہل علم کا بعض روایات سے اندازے لگانا اُن کا اپنا ذاتی خیال ہے حقیقت نہیں۔ حقیقت وہی ہے
جو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے کھول کر سامنے رکھ دی ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے گھر میں سب سے پہلے اسلام داخل ہوا۔ حضرت سیدتنا محسنۂ اسلام اُم المومنین
حضرت خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے سیدتنا اُم الفضل زوجہ عباس علیہا السلام نے
اسلام قبول کیا۔

"قال ابو عمر بن عبد البر یقال انها اول امرأة اسلمت بعد خدیجة و کان النبی ﷺ یزورها و یقیل عندها" اور

رسول اللہ ﷺ اس کی زیارت کرنے ان کے گھر آیا کرتے تھے اور ان کے ہاں دوپہر کو آرام فرماتے، قیلولہ فرماتے۔ یہ کاشانہ عباس ہے کہ اسلام اس گھر کا اولین حسن بنا۔ اگر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کافر ہوتے تو یقیناً نبی کا مواخذہ فرماتے۔ یہ واضح قرینہ ہے ان کے قدیم الاسلام ہونے اور بوقت وصال ابوطالب حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے یارسول اللہ کا تکلم کیا۔ جبکہ کوئی کافر ایسا نہیں کہتا۔ خود ابن عباس فرماتے ہیں (اسلم عباس واسلمت امی معہ) (سیر اعلام النبلاء) جناب عباس اسلام لائے اور میری ماں نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کیا گویا حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے عباس اور ان کی زوجہ محترمہ ہیں۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تذکروں میں موجود ہے کہ یہ اپنے والدین کے ساتھ ہجرت کر کے فتح مکہ کے بعد تشریف فرما ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں لیکن ان کا اسلام فتح مکہ سے سالوں پہلے کا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں "انا و امی من الْمُسْتَضْعَفِيْنَ" میں اور میری ماں اُن مسلمانوں میں سے ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے۔ اپنی کمزوری کی وجہ سے۔ قرآن کریم نے بھی اسے بیان فرمایا۔ فرماتے ہیں "انا مِنَ الولدان و امی من النساء" میں بچوں سے تھا اور میری ماں عورتوں میں سے تھیں۔ اب بولیے جناب ان کو اسلام کس نے دیا ہے؟ شب ہجرت تو یہ قریباً تین سال کے تھے۔ آٹھ سال بعد فتح مکہ ہوا۔ ان کا اسلام فتح مکہ سے بہت پہلے کا ہے۔ یہ مختصر سا گھر اسلام کے نور سے ابتدا ہی معمور تھا۔ اہل علم نے دانستہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کو اسلام سے دور رکھا۔ یعنی ان کا قدیمی اسلام قبول نہ کیا۔ نجانے کیوں؟

اس معصوم نوزائیدے کو اسلام کس نے دیا گھر میں کچھ تھا تو یہ سب کچھ ہوا۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما اس گھر کے مالک تھے اگر یہ مسلمان نہ ہوتے تو گھر میں کیسے اسلام داخل ہونے دیتے؟ قرآن کریم نے ہجرت نہ کر سکنے والوں کی بابت فرمایا

"اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝"

جو کمزور مرد عورتیں اور چھوٹے بچے ہجرت کرنے سے معذور ہیں ان پر ہجرت نہ کرنے کا کوئی مواخذہ نہیں بلکہ

"فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ" وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ "(النساء: ۹۹-۹۸)

یہ کمزور لوگ ہی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔

یعنی ان کی مجبوری کی بناء پر ہجرت نہ کرنے کی بابت مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ اور بخش دینے والا ہے۔

اب اس صورت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایمان کی توثیق بھی ہو گئی۔ اگر حضرت عباس غیر مسلم ہوتے تو اپنی بیوی اور بیٹے پر ضرور برہمی کا اظہار فرماتے۔ گویا ان کے ایمان کی بھی تصدیق ہے کہ گھر میں مکمل اسلام ہے اور یہ دانستہ خاموش رہے۔ ان کے ایک خادم نے مزید گواہی دی یہ ابو رافع ہیں ان کے گھریلو ملازم ہیں کہتے ہیں "اِنَّ عَبَّاسًا کَانَ مُسْلِمًا وَیَکْتُمُ اِیْمَانَہٗ" بے شک حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما مسلمان تھے مگر اپنا ایمان انھوں نے چھپائے رکھا اور بدر میں خود اس کا اظہار فرمایا۔ جب فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو انھوں نے برملا کہا کہ میں مسلمان ہوں۔

وقت ہجرت انھوں نے سید عالم ﷺ سے درخواست کی کہ میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہجرت بننا چاہتا ہوں۔ اس پر جواباً نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اَنْتَ عَلٰی مَکَانِکَ" کہ چچا ابھی آپ کا یہاں مکہ میں رہنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح آپ کفار مکہ کی سرگرمیوں سے ہمیں مطلع رکھنا اور ایسا ہوتا رہا۔ خطوط کے ذریعے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کو حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ یہ واضح دلیل ہے ان کے اسلام کی۔

جب جنگ بدر ہوئی تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو آگاہ فرمایا تھا کہ چچا عباس مجبوراً جنگ میں لائے گئے ہیں۔ تم میں سے جب کسی کے سامنے آئیں تو ان کو کچھ نہ کہنا۔ پھر یہ حکمتاً قیدی بنائے گئے۔ جس پر انھوں نے اپنے اسلام کا برملا اظہار فرمایا۔ یہ حالات کی سنگینی کے مطابق ایسا کرنا جائز بھی ہے۔ ویسے بھی حکمت کی عظمت یہی تھی اس برملا اظہار سے اہل علم نے سمجھا کہ مسلمان ہی اب ہوئے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ اس مسئلہ کی صورت یہی بنی تھی جیسی نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صورت بنی تھی۔ نبوت تو ابتداء ہی سے تھی مگر اعلان چالیس سال بعد فرمایا۔ اس پر بھی بعض اہل علم کو وہم ہو گیا کہ نبوت ہی چالیس سال بعد ملی ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ قرآن و حدیث کے علمی کوائف کے بالکل خلاف ہے۔ عین ایسے ہی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے اسلام کا معاملہ آپ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وصال کے وقت بھی مسلمان ہی تھے مگر اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ جس کا اظہار بعد میں کئی مواقع پر فرمایا۔

مکہ کے حالات کی سنگینی بھی اس بات کی متقاضی تھی کہ اسلام پوشیدہ ہی رکھا جائے بلکہ آپ ﷺ نے کئی احباب کو حکماً فرمایا تھا کہ "اُکْتُمْ اَمْرَکَ" کہ تم اپنے معاملہ اسلام کو پوشیدہ رکھو۔ اس وقت اسلام پوشیدہ رکھنا نہ تو معیوب تھا اور نہ ہی غلط۔ بلکہ جائز تھا جس پر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے عمل کیا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وصال کے بعد حضور نبی کریم ﷺ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کی شفقتوں کے سائے میں رہے۔ اسلام کے فروغ کے لیے انہی کے گھر مشورے ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے فروغ کی بابت جب اہل مدینہ آتے تو انہی کے گھر تمام اہل مدینہ کا قیام ہوتا۔ جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو رازداری سے کسی گھاٹی میں جمع ہو

جاتے ان کی قیادت خود حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما فرماتے اور آنے والے اہل مدینہ کو پرزور خطبہ دیتے عظمت نبوت کا اور اس کی حفاظت پر اُکساتے اور یہ سب کچھ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ بولیے جناب کوئی کافر بھی ایسی راز داریوں کے ساتھ اسلام اور بانی اسلام کی عظمت کے درس دیتا ہے؟ بطور گواہ بیعت عقبہ ثانیہ کو پیش کرتا ہوں آئے کوئی اہل علم انکار کر کے دکھائے؟

۹۔ ہجرت کے موقع پر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے حضور سرور کائنات ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہارا یہاں رہنا زیادہ فائدہ مند اور مفید ہے۔ اور آپ کی وجہ سے یہاں کے کمزور مسلمانوں کو قوت حاصل رہے گی۔ انہیں حوصلہ رہے گا۔ اہل علم کی یہ دوہری منطق سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک عظیم انسان کمزور مسلمانوں کو تقویت دینے کے لیے ہجرت نہ کرے پھر بھی کافر ہے؟ نعوذ باللہ۔

۱۰۔ حضور نبی کریم ﷺ عمر بھر ان کا اکرام کرتے رہے۔ خواہ مکہ میں رہے یا مدینہ میں۔ اگر یہ کافر ہوتے تو یقیناً صاحب نبوت ان کا اکرام نہ فرماتے بلکہ کامل اعتماد یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کے گھر میں جاتے۔ اپنی چچی کی زیارت بھی کرتے اور ان کے ہاں دوپہر کو آرام بھی فرماتے۔ اگر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کافر ہوتے تو یقیناً صورت حال مختلف ہوتی۔ (ملخص از کتب سیر و کتب اسماء الرجال)

"تلک عشرۃ کاملۃ" یہ دس شواہد مکمل ہوئے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے قدیم الاسلام ہونے کے اور بھی بہت سے علمی شواہد ہیں جنہیں حسب ضرورت پیش کیا جائے گا بفضل تعالیٰ۔

نوٹ: میں نے اہل علم کے جتنے بھی علمی ذخائر دیکھے ہیں اس بابت ان میں کہیں بھی کوئی ایک ٹھوس، یقینی اور قطعی دلیل نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما وفات ابو طالب علیہ السلام کے وقت کافر تھے جس وجہ سے ان کی شہادت مسترد کر دی گئی تھی۔ یہ سب اہل علم کے ذاتی اندازے تھے۔ ذاتی اندازوں سے کسی پر کفر کا الزام ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں اہل علم نے جبری تحکم سے کام لیا ہے۔ وہ صرف اپنی مزعومہ بات منوانے کے چکر میں ہیں۔ اس لیے بلا کسی ٹھوس یقینی دلیل کے ان کی بابت جتنے بھی حمایت میں علمی شواہد ہیں ہر ایک کا جبری انکار کر رہے ہیں۔ یہ سراسر زیادتی کی ہے پھر اوپر سے کہہ رہے ہیں کہ یہ کوئی ضروریات دین کا مسئلہ نہیں۔ میرا اُن سے سوال ہے کہ اگر یہ مسئلہ ضروریات دین سے نہیں تو پھر آپ نے ان کو کافر بنانے کا شوق پورا کیوں کیا؟ ان کے کفر پر مستقل کتابیں کیوں لکھیں۔ آپ نے یقینی کافروں پر تو کبھی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مگر ایک معصوم عصمت مآب وجودِ محبت کو جبراً کفر سے آلودہ کر دیا وہ بھی بغیر کسی دلیل کے؟

اہلِ علم کا جبر و استبداد

قارئین محترم! یہ کل کہانی تھی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو کافر بنانے کی وہ بھی جبراً۔ جب اہل علم اس جارحیت میں ناکام ہوئے اور بُری طرح ناکام ہوئے۔ کیونکہ ان کے پاس آج تک کوئی ایک بھی قطعی دلیل نہیں جس سے کفرِ ابی طالب کہیں اشارۃً ہی ثابت ہو۔ نہ ان کے پاس پورے قرآن کریم سے کوئی ایک آیت ایسی ہے جس کی نصاً دلالت ابوطالب علیہ السلام کے حق میں قطعی ہو اور نہ ہی ان کے پاس پورے ذخیرہ علم میں کوئی ایک روایت ایسی ہے جس کا ثبوت قطعی ہو کسی تواتر سے ثابت ہو یا روایت کا باعث ہو مشہور روایات کی صورت میں۔

اہلِ علم کی جارحیت اور عناد

قارئین محترم! حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی بابت اہل علم نے قدغن لگائی ہے کہ یہ وفاتِ ابی طالب کے وقت شہادت کے اہل ہی نہ تھے۔ اصل اعتبار تحمل روایت کا ہے یعنی حصول روایت کے وقت یہ مسلمان نہ تھے بنابریں اہل شہادت نہ تھے۔

الجواب بعون الوہاب

کاش اہل علم اپنے گریبان میں جھانک لیتے تو یہ اعتراض کبھی نہ کرتے۔ انھیں اپنے راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے ایمان کا ضرور اندازہ ہو جاتا۔ معارضۃً میں اہل علم سے پوچھتا ہوں کیا تحمل روایت کے وقت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ مسلمان تھے؟ یقیناً نہیں۔ نہ ہی حضرت ابو ہریرہ اس وقت مسلمان تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے کئی سال بعد ایمان لائے۔ اگر اہل علم کے معارضے کی کوئی حقیقت ہوتی تو حضرت حبر ۃ الامت، فقیہ اُمت حضرت عبداللہ بن عباس اس مسئلہ کو تحمل روایت کے وقت اپنے باپ سے ضرور سوال کرتے کہ ابا جی آپ تو تحمل روایت کے وقت مسلمان نہ تھے ادائے شہادت کے اہل نہ تھے لہٰذا میں آپ کی روایت کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ بصد احترام حضرت عبداللہ بن عباس نے اس روایت کو قبول و سماع کیا اور حضرت عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب کے گھر والوں کو روایت کیا۔ ایک صحابی فقیہ کا یہ اعتماد اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ یہ دلیل عظمت ایمان ابی طالب کی بھی عظیم دلیل ہے اور خصوصاً حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے صاحب ایمان اور صاحب یقین ہونے کی بھی عظیم دلیل ہے۔

کسی میں دم خم ہے تو دلیل سے رد کر کے دکھائے؟ مسیب بن حزن طلوع اسلام سے لے کر 21 سال تک کافر ہے۔ 21 سال

بعد ایمان لائے۔ اہلِ علم کو ان کا اتنا طویل کفر نظر کیوں نہیں آیا؟ جبکہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے گھر تو اسلام طلوع ہوتے ہی داخل ہو گیا تھا۔ سیدہ اُمِ الفضل سلم اللہ علیہا اس کا عملی ثبوت ہیں۔ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عملی ثبوت ہیں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما تو فانوس بن کر اسلام کی حفاظت فرماتے رہے۔ کہاں اہلِ علم کا راوی اور کہاں کاشانہ نبوت کے نفوسِ قدسیہ؟

ادائے روایت کا امتیاز

محسن ملت اسلامیہ سیدنا ابو الفقہاء ابو الفضل حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما یقیناً تحمل روایت کے وقت صادق الایمان تھے۔ یہ روایت انھوں نے اپنے لختِ جگر عظیم المرتبت فقیہ اُمت مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس کو منتقل کی۔ اہلِ علم کے نزدیک حصول روایت کی عمر کم از کم پانچ سال ہے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ سات سال۔ بارہ سال۔ حد بلوغت تک بہر حال گھر کی بات تھی کتنی دیر تک ادا نہ کیا ہوگا۔ تاہم اس دورانیے میں حضرت عبد اللہ بن عباس کو روایت منتقل ہو گئی۔ بوقت وصال نبوی ان کی عمر ۱۳، ۱۴، ۱۵ سال تک کے اقوال ملتے ہیں مذکورہ حدیث کی تقویم سے ثابت ہوا کہ حضرت عباس بھی مسلمان تھے حضرت عبد اللہ بن عباس بھی مسلمان تھے۔ جبکہ ۔۔۔۔۔ امتیاز واضح ہے۔ ابن عباس "عَنْ بَعْضِ أَهْلِهِ" کا نصاً مصداق ہیں۔

دوسری طرف حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت نہ تو یہ روایت ہے نہ ہی اس کی کوئی علمی حقیقت ہے کیونکہ جناب حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس اس روایت کے حصول کے لیے کوئی ذریعہ علم ہی نہیں۔ نہ یہ وقوعہ کے عینی شاہد ہیں نہ انھیں کسی عینی شاہد نے روایت کیا۔ نہ ان پر وحی آئی (کیونکہ انھوں نے قرآن کی آیات بھی اپنی روایت میں ذکر کی ہیں۔ نہ ہی صاحب وحی ﷺ نے انھیں خبر دی نہ ہی روایت کیا۔ یہ جزئی روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے پاس پندرہ سال تک رہی۔ ان کا باپ ان کے ساتھ رہا اور ان کا بھائی حکیم بن حزن ان کے ہمراہ رہا۔ دیگر سنگی ساتھی بھی ہوں گے۔ سوسائٹی کے لوگ بھی ہوں گے۔ کسی کو بھی انھوں نے یہ روایت منتقل نہیں کی۔ آخر کیوں؟ اہلِ علم جواب دیں دلیل شرعی کے ساتھ۔

وقوعہ کے دس سال بعد یہ مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ کے بعد یہ مدینہ آئے۔ نبوی دور سارا گزر گیا مگر انھوں نے کسی کو بھی یہ روایت منتقل نہ کی۔ نہ روایت کیا بعد ازاں دور صدیقی آیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور آیا ان کے پورے دور میں انھوں نے اس جزئی روایت کو کسی سے بیان نہیں کیا پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور آیا ان کے مکمل خلافت کے دورانیے میں کسی سے یہ روایت بیان نہ کی پھر دو سال خلافت فاروقی کے گزرے تو ان کے ہاں سعید نامی بیٹا پیدا ہوا۔ پھر بڑے ہونے کا انتظار کیا جب وہ تحمل روایت کے اہل ہوا بتدریج ۵، ۷، ۱۲، ۱۳، ۱۴ سن بلوغ تک پہنچا تو اس دورانیے میں صرف اپنے بیٹے کو یہ روایت

مقدمہ

عمل فرمائی۔ اگر حتمی صورت سن بلوغ کی مانی جائے تو قریباً تینتیس (۳۳) سال کا عرصہ بنتا ہے۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ اس جزئی روایت کا اس عرصے میں کیا حشر ہو گیا ہوگا؟ امتیاز خود واضح ہے۔ مگر حیرت ہے اہل علم پر اس مشکوک جزئی روایت پر یقین کر لیا نہ اس کے مندرجات میں غور کیا نہ اس کے نقصانات پر۔ نہ اس میں مذکور دو سلطانی گواہوں کا کفر نظر آیا اور نہ ان کی مسلسل خاموشی۔ مگر عصمت مآب حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا کفر فوراً نظر آ گیا۔ تعصب اور عناد اس کو کہتے ہیں۔

عظمت سند کے اعتبار سے امتیاز

حضرت عباس بن عبدالمطلب کی روایت کے رواۃ

۱۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما عدالت وثقاہت کے تاجدار ہیں۔ علوم نبوت کے حقیقی وارث اور بہت ساری روایات کے راوی ہیں۔ کاشانہ نبوت کے عظیم فرد ہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس یہ بے مثل و بے مثال فقیہ ہیں حبر الامت ہیں بحر العلوم نبوت ہیں۔ لاتعداد فضائل و مناقب رکھنے والے ہیں۔ لاتعداد علوم سینے میں محفوظ ہیں اولین مفسر قرآن ہیں عدالت وثقاہت میں عظیم الشان ہیں زمانہ صحابہ میں معتمد علیہ ہیں ان گنت خوبیوں کے مالک ہیں۔

۳۔ "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" اس میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی یہ تمام سادات ہیں۔ عدالت میں ثقاہت میں اور دیگر اہل خانہ تمام اہلبیت نبوت ہیں کیونکہ عدالت وثقاہت ان کا خمیر ہے۔ "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" کا براہ راست نصاً مصداق ہیں۔

نوٹ: "عَنْ بَعْضِ اَھْلِہٖ" کا جملہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ روایت کاشانہ نبوت میں معروف تھی تبھی تو اہل بیت نبوت کے کسی فرد نے زندگی بھر کوئی ایک بھی ایسی روایت بیان نہیں کی جو کفر ابوطالب علیہ السلام پر ادنیٰ سی بھی دلالت کرے حالانکہ یہ تمام نفوسِ قدسیہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے عینی شاہد تھے۔ مگر افسوس ہے اہل علم پر کہ عینی شاہدوں کی بات نہیں مانتے اور جنھوں نے نہ کچھ دیکھا نہ سنا نہ وہاں موجود تھے ان کی بات بلا چوں و چراں مان رہے ہیں حالانکہ اہل بیت نبوت کے تمام راوی ان کے راویوں سے کہیں زیادہ مضبوط ہیں۔

۴۔ عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی عدالت وثقاہت میں مسلم ہیں تفصیل گزر چکی ہے۔

خاص بات

مذکورہ تمام راوی اس شان کے ہیں کہ ان نفوسِ قدسیہ پر کہیں بھی نقد و جرح نہیں ملی بلکہ تعدیل ہی تعدیل ملتی ہے۔ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ نفوسِ قدسیہ تمام اہلبیت نبوت ہیں یہی ان کی شان بے مثالی ہے۔ظاہر ہے جس حدیث و روایت کے راوی اتنی بے مثال شان والے ہوں اس روایت کا مقام کیا ہوگا؟ اللہ اکبر۔مگر نجانے اہل علم نے حقیقت سے آنکھیں کیوں موند لی ہیں۔ جہت سے اس حدیث کو منقطع کہہ دیا مرسل کہہ دیا۔یا بعض اہل علم تو ظلم میں حد سے بڑھ گئے اس حدیث کی بابت کہہ دیا کہ یہ شیعہ کی روایت ہے۔نعوذ باللہ۔

قارئین محترم! آپ نے تمام راویوں کا مکمل ریکارڈ ملاحظہ فرمایا ان میں کون سا ایسا راوی ہے جو شیعہ ہو یہ تمام راوی خاندان نبوت کے عظیم سپوت ہیں۔اگر الزام لگانے والوں میں کوئی علمی دم خم ہے تو ان میں سے کسی ایک راوی کو شیعہ ثابت کر کے دکھائیں؟ کیا حضرت عباس شیعہ ہیں یا ابن عباس؟ عباس بن عبداللہ شیعہ ہیں یا محمد بن اسحاق ناقل روایت؟ اگر ان اہل علم میں دم خم ہے تو ان کو شیعہ ثابت کر کے دکھائیں؟

اگر حرمِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ شیعہ ہیں تو پھر پوری اُمت کو شیعہ ہونا چاہیے کیونکہ قرآن اسی حرم میں اُترا ہے۔کسی ملاں کی بھیک جمع کرنے والی بغلی میں نہیں اُترا۔اسی لیے مجھے اس دوہرے معیار سے شدید نفرت ہے۔کوئی علمی جواب نہ بن پڑے تو الزام تراشی پر اتر آتے ہیں۔یہ کیسا دوغلہ پن ہے کہ اہل علم کا جو صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تبرا بولے اسے کافر کہہ دیتے ہیں اور جو اہل بیت نبوت کو غلیظ گالیاں دے اسے کچھ نہیں کہتے؟ بلکہ مجتہد بنا دیتے ہیں۔

بہرحال حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت کے تمام راوی اپنی علمی، اخلاقی اور روحانی عظمتوں میں بے مثل ہیں۔

نوٹ:۔اس حدیث کے تمام راوی صحابی ہیں یا تابعی۔تابعی سے کم درجے کا کوئی راوی نہیں حتی کہ اس روایت کے نقل کرنے والے حضرت محمد بن اسحاق بھی تابعی ہیں۔جو ۸۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں وصال فرمایا یہ بھی تابعی ہیں ان سے اوپر عباس بن عبداللہ بن معبد بھی عظیم تابعی ہیں۔کیونکہ ان کے والد معبد خود صحابی ہیں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے سماع کیا۔اس بنیاد پر بھی وہ تابعی۔ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بھی تابعی ہیں کیونکہ انھوں نے عبداللہ بن عباس سے براہ راست سماع کیا ہے۔(تہذیب الکمال)

"عَنْ بَعضِ أَهْلِهٖ" میں براہ راست شامل عظمت ہیں۔

حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کے راوی

1۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ ہیں طلوع اسلام کے 21 سال بعد ان کا اسلام ثابت ہے۔ ابن حبان نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے مگر ابن حبان اپنے قول میں متفرد ہیں جس طرح خود حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں متفرد ہیں۔ ان کے دامن میں ضرور سات روایتیں ہیں جن میں صرف تین صحیح بخاری کی زینت بنی۔ ان تینوں میں ایک روایت ہمارے عنوان سے متعلق ہے۔ جس سے اہل علم حضرت ابو طالب علیہ السلام کا کفر ثابت کرتے ہیں جو کہ نہ ہو سکا۔ اسی روایت کا حشر آپ نے متعدد مقامات پر ملاحظہ فرمالیا ہے۔

2۔ حضرت سعید بن مسیب ہیں یہ خلافت فاروقی کے دوسال بعد پیدا ہوئے۔ علم حاصل کیا فقیہ مدینہ کہلائے واقعہ حرہ میں مصنوعی جنوں طاری فرمایا اور جان بچائی۔

3۔ ابن شہاب زہری ہیں کمسن تابعی یہ سعید بن مسیب کے مکتب کے شاگرد ہیں اہل علم میں معروف ہیں۔ مگر بعض اہل علم کے مطابق ان کی ملاقات سعید بن مسیب سے ثابت نہیں۔

4۔ معمر بن راشد ہیں یہ بھی اہل علم میں ثقہ جانے گئے ہیں بعد میں ثقاہت متکلم فیہ ہوگئی۔

5۔ اسحاق بن راہویہ ہیں عظیم عالم دین ہیں آخر میں ثقاہت متکلم فیہ ہوگئی۔

6۔ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں عظیم محتاط محدث ہیں مگر ان کی فقاہت متکلم فیہ ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

رواۃ کا ایک تقابلی جائزہ

روایت حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے راویوں کا اگر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کے راویوں سے مقابلہ کیا جائے تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کا کوئی بھی راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے راویوں کے پائے کا اور مقابلے کا نہیں کسی بھی اعتبار سے مثلاً

1۔ اگر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا مقابلہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے کیا جائے تو کیا حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی عظمتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کہاں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا مرتبہ اور کہاں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ۔

الف۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما براہ راست نبی کریم کے علوم کے وافر حصہ کے مالک و راوی ہیں جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے دامن میں صرف سات روایتیں ہیں ان کی پہلی روایت کا حشر آپ نے دیکھ لیا ہے۔

ب۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت عینی مشاہدے پر مبنی ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کے حصول کا ذریعہ علم ہی کوئی نہیں۔ فیصلہ تو اسی بات پر ہو چکا۔ باقی اضافی معلومات کی طرف چلتے ہیں۔

ج۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت متصل مرفوع مسند ہے۔ جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت غیر متصل زیادہ سے زیادہ مرسل ہے۔ متصل صحیح کا معارضہ مرسل نہیں کر سکتی۔

د۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے دامن میں بے شمار فضائل ہیں حتیٰ کہ ان کی محبت کے بغیر کسی کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ مولائے کائنات ان کے تلووں کو بوسے دیا کرتے تھے۔ اسلام کی خدمت میں اشاعت میں بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ جبکہ ان کے مقابلے میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے دامن میں صرف صحابیت کا دامن ہے وہ بھی متکلم فیہ ہے کیونکہ ابن حبان نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے اگرچہ ابن حبان ان کی طرح متفرد ہیں۔ مزید یہ کہ طلقاء میں سے ہیں ان کی صحابیت متکلم فیہ ہے۔

۲۔ حبر الامۃ فقیہ اُمت حضرت عبداللہ بن عباس ہیں جو صحابہ کرام میں بحر العلوم کے حوالے سے متعارف تھے۔ ان کے علم وفضل کے خلفائے راشدین مہدیین مداح ہیں گواہ ہیں تمام صحابہ ان پر علمی اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کریم کے سب سے پہلے مفسر ہیں کثیر علوم نبوت ان میں منتقل کیے گئے۔ فضائل ومناقب میں اپنی مثال آپ ہیں روئے کائنات کے اہل علم ان کی علمی عظمت کے معترف ہیں حتیٰ کہ صحابہ کرام بھی معترف ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں حضرت سعید بن مسیب ان کی کونسی حیثیت کا مقابلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مقامات سے کروں۔ ان کے پاس ایسا کچھ بھی نہیں۔ وہ صحابی ہیں یہ تابعی ہیں آگے خود اندازہ لگالیں۔ ہاں مدینہ طیبہ میں اپنے زمانے میں بہت بڑے عالم اور فقیہہ تھے۔

۳۔ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" میں سے حضرت عبداللہ بن معبد بن عباس ہیں، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب ہیں، اہلبیت نبوت کے علوم اور ابن عباس کے علوم کے حقیقی وارث ہیں۔ لاتعداد فضائل ان کا خمیر ہیں۔ جبکہ ان کے مقابلے میں ابن شہاب الزہری ہیں کسی بھی حوالے سے ان کا مقابلہ ان سے نہیں کیا جاسکتا۔ امام زہری بہت سے مقامات پر متکلم فیہ ہیں۔ مجروح ہیں یہ کیسے اہلبیت نبوت سے علمی، اخلاقی طور پر مقابلہ کرسکتے ہیں۔

۴۔ حضرت سیدنا عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی براہ راست عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں تابعی ہیں ان کے علوم کے وارث ہیں۔ یہ اپنے برادر اکبر ابراہیم بن عبداللہ اپنے والد گرامی عبداللہ بن معبد بن عباس کے علوم کے وارث ہیں۔ خصوصاً سیدنا عبداللہ بن عباس کے علوم کے وارث ہیں تابعی ہیں۔ سادات ہیں۔ اہلبیت نبوت ہیں۔ ثقاہت میں امام ہیں۔ جبکہ ان کے مدمقابل اسحاق بن راہویہ ہیں کس فضیلت میں ان کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ ان کی

مقدمہ: آخری عمر کی روایات متکلم فیہ ہیں کیونکہ ان کا حافظہ مختل ہو گیا تھا۔ (میزان الاعتدال)

د۔ محمد بن اسحاق صاحب سیرت ابن اسحاق یہ ناقل ہیں۔ مذکورہ عظیم ترین روایت کے مگر یہ بھی اپنی عظمت میں بے مثال ہیں۔ سیر و مغازی میں امام مانے جاتے ہیں تابعی ہیں۔ ۸۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ جبکہ مدمقابل محمد بن اسماعیل البخاری ہیں یہ عظیم محتاط محدث ہیں ۱۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے ۲۵۶ھ میں وصال فرمایا۔ ان کا مقابلہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ب۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی صحیح متصل مرفوع مسند روایت کے راویوں کا کائنات میں کوئی جوڑ نہیں خصوصاً حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کے راویوں کے مقابلے میں تو پھر ان کی روایت کا مقابلہ کونسی روایت کر سکتی ہے؟ ایسے ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ والی روایت جو اس عنوان سے متعلق ہے اس کا بھی کوئی راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت کے راویوں کا کسی بھی اعتبار سے کوئی مقابل نہیں۔ کیونکہ ان کی روایت ہی غیر متصل ہے مشاہدے پر مبنی نہیں۔

روایت کا بطور روایت تقابلی جائزہ

ا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت متصل ہے مرفوع ہے اسکا انقطاع روشن دلائل سے ختم کر دیا گیا ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت متصل نہیں غیر متصل ہے مرسل ہے متصل روایت کا مقابلہ معارضہ غیر متصل نہیں کر سکتی۔

۲۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت عینی مشاہدے پر مشتمل ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت مشاہدے پر مشتمل نہیں۔ عینی مشاہدے والی روایت کا مقابلہ معارضہ بغیر مشاہدے والی روایت نہیں کر سکتی۔

۳۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت ایک حقیقت پر مبنی ہے اس کے علمی شواہد گواہ ہیں جبکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کی کوئی حقیقت نہیں یہ خود ساختہ ہے کیونکہ اس کے حصول کا ذریعہ علم ہی کوئی نہیں لہٰذا ترجیحاً حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت فائق ہے بوجہ ترجیح ظاہر ہے۔

۴۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت کے تمام راوی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت کے راویوں پر بہر لحاظ فائق ہیں بنابریں وجہ ترجیح ظاہر ہے۔

۵۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت ایک جھوٹے الزام پر مبنی ہے اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما

والی روایت عظمت ایمان پر مبنی ہے ثبوتِ الزام میں ٹھوس، قطعی اور یقینی دلائل کی محتاج ہے یہ روایت جبکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت بذات خود دلیل ہے عظمت ایمان کی۔ وجہ ترجیح ظاہر ہے۔ لہٰذا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت افضل ہے قابلِ اعتماد ہے اور قابل استدلال ہے اس کے مقابل کوئی روایت نہیں آسکی۔

نوٹ:۔ تکفیر ابوطالب علیہ السلام کی بابت اہل علم سے سہو ہوا اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی روایت کی انفرادی عظمت

قارئین محترم! حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت اتنی عظیم ہے جس میں عظمت ایمان ابوطالب پر روشن تر دلیل ہے کائنات کی کوئی روایت اس حوالے سے اس کا مقابلہ اور معارضہ نہیں کرسکتی۔

۲۔ اس روایت کی انفرادی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے تمام راوی اہلبیت نبوت ہیں کوئی غیر اہل بیت نبوت نہیں۔ تمام راوی ثقہ ہیں کوئی راوی مجروح یا متکلم فیہ نہیں۔

۳۔ یہ روایت اس اعتبار سے بھی منفرد ہے کہ اس نے ایک عظیم کردار کی حفاظت کی ہے جسے مسخ کرنے کے لیے ہر ممکن ناکام کوشش کی گئی اور وہ کردار ہے محسنِ ملت اسلامیہ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ذات گرامی کا۔ اور ان کی نصرتیں، مدحتیں اور حفاظتیں جو انھوں نے پیکر نبوت کی کی ہیں مزید اس روایت نے حرمِ نبوت کو کفر کی آگ لگنے سے بچایا جبکہ لگانے والوں نے بہت کوشش کی۔

۳۔ یہ روایت اس اعتبار سے بھی منفرد ہے کہ اس کی قوت کے سامنے وہ تمام روایات دم توڑ گئیں جو ابوطالب علیہ السلام کے تقدس کو پائمال کرتی تھیں۔ مثلاً

الف۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت اس کے تمام راوی متکلم فیہ ہیں مجروح ہیں اس کو اتصال سند کی قوت بھی حاصل نہیں نہ ہی اس کے پاس حصول علم کا کوئی یقینی ذریعہ ہے۔

ب۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت جو اسی مضمون پر مشتمل ہے وہ بھی اس کے سامنے دم توڑ گئی کیونکہ وہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت سے بھی زیادہ سطحی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وقوعہ مکہ کا ہے ابوہریرہ یمن کے ہیں وقوعہ کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مکہ میں موجود ہونا ممکن ہی نہیں۔ یہ دس سال بعد خیبر پر جاکر ایمان لائے گویا یہ روایت حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ان کی وضاحتیں بہر لحاظ ہو

مقدمہ

جگہ ہیں متعلقہ مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔
یہ ابوسعید خدری کی روایت میں دو راوی مجروح ہیں اور "ذُکِرَ" کا لفظ بھی کسی مجہول راوی کی نشاندہی کر رہا ہے بنابریں یہ بھی
اس صحیح ترین اور عظیم ترین منفرد روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی تفصیل آگے آرہی ہے ملاحظہ فرمائیں۔
ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے مروی آگ کی جوتیوں والی روایت کے بھی دو راوی مجروح اور متکلم فیہ ہیں۔ ساتھ
ساتھ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عظیم روایت کی بھی روایت کریں جو انھیں اپنے باپ کے اثاثۂ علم
سے میسر آئے جس کا مضمون ہی عظمت ابوطالب علیہ السلام ہو اور اس کے تمام راوی اہلبیت نبوت سے ہوں اور آگ کی
جوتیوں والی روایت کو بھی روایت کریں دوہرا معیار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ممکن ہی نہیں۔ بہر حال یہ مجروح
راو پر مشتمل روایات ایک صحیح ترین عظیم ترین روایت کا نہ مقابلہ کر سکتی ہیں نہ معارضہ۔ تفصیل آگے آرہی ہے متعلقہ مقام
پر مطالعہ فرمائیں۔
و جناب علی المرتضیٰ کی طرف سے کچھ روایات منسوب ہیں ان کی بابت تو خود مکفر ابی طالب نے اعتراف کیا ہے کہ ضعیف
ہیں۔ ضعیف روایات ایک صحیح ترین روایت کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ اہل علم نے اس روایت کا تمام طرق میں ابطال کیا ہے۔
کہا ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے تحقیق گزر چکی ہے (فریدی)

اہلِ علم کا آخری شوشہ

اہل علم جب ہر طرف سے بے بس ہوتے ہیں تو ایک علمی شوشہ چھوڑتے ہیں۔ وہ یہ کہ ثقہ راوی اگر اثقہ کی مخالفت کرے تو قبول
بھی ترجیح اثقہ کی روایت کو ہوگی جیسا کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوطالب کو کلمہ پڑھتے دیکھا سنا
مگر اثقہ راوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لَمْ اَسْمَعْ" میں نے نہیں سنا۔ اس پر اہل علم خوش فہمی بلکہ وہم کا شکار ہو گئے اور کہنے لگے کہ
حضرت عباس بن عبدالمطلب والی روایت ایمان ابی طالب میں قبول ہی نہیں کیونکہ اس اثقہ راوی کا انکار موجود ہے۔؟
جواب: جب نبی علیہ السلام تلقین فرما کر ہٹے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی کہ حضرت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے
تھے حدیث میں "فَاَصْغٰی" کا لفظ ہے کہ حضرت عباس نے لبوں کی حرکت دیکھتے ہی سننے کے لیے اپنے کان حضرت ابوطالب
کے قریب کر دیے اور سب کچھ سنا اور گواہی دی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سننے کی کوشش ہی نہیں فرمائی بنابریں نہ سن سکے۔ اب یہ نہ
سننا یا سننے کی کوشش نہ فرمانا کفر ابی طالب کا باعث کیسے بن سکتا ہے؟ رہا ثقہ اور اثقہ کا معاملہ یہ زیادہ سے زیادہ شذوذ کا باعث ہو
سکتا اور کچھ نہیں۔ شاذ بھی حدیث ہی ہوتی ہے۔ مگر یہاں شذوذ کا بہانہ بھی نہیں چلے گا کیونکہ شذوذ دو مختلف روایتوں میں ہوتا ہے

۔اس روایت میں راوی بھی مختلف ہوں پھر ثقہ اثقہ کی مخالفت کرے تو شذوذ واقع ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ جبکہ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ راوی نہیں ہیں عباس بن عبدالمطلب راوی ہیں۔ عینی شاہد ہیں کیونکہ (فاصغی الیہ العباس) حضرت عباس نے سید بطحاء کے قریب کان کیے نہ کہ نبی کریم ﷺ۔ نہ ہی یہ جملہ ذخیرہ حدیث میں کسی صحیح سند کے ساتھ موجود ہے کہ (فاصغی الیہ رسول اللہ ﷺ) نے ان کے منہ کے قریب اپنے کان کیے۔ کسی پس منظر میں چونکہ جناب عباس نے اپنے کان مبارک حضرت ابوطالب کے ہلتے لبوں کے قریب کیے اور لبوں کی حرکت جناب عباس نے ہی مشاہدہ فرمائی۔ اسی لیے برملا بولے کہ آقا جناب ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ میں نے خود سنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے چونکہ قریب نہیں تھے لہٰذا فرمایا کہ (لم اسمع) میں نے نہیں سنا۔ لہٰذا (لم اسمع) سے کفر ابی طالب کا استدلال غیر علمی ہے فضول ہے بلکہ جبری تحکم ہے۔ (فریدی)

نوٹ: فقیر نے اہل علم کو ایمان ابوطالب پر ایک صحیح لذاتہ حدیث بھی پیش کر دی ہے اور اس عظمت کا عینی شاہد بھی پیش کر دیا ہے الحمد للہ علی ذالک۔ اب اہل علم کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے تکفیری افسانے کے راویوں کو عینی مشاہدہ پیش کریں۔

باب نہم

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب پر نقد تبصرہ

تعارف باب نہم

باب نہم یعنی شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب پر نقد تبصرہ، تین درج ذیل فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول:

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب کی ذاتی وعلمی حیثیت

فصل ثانی:

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب پر ایک نظر

فصل ثالث:

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب میں مندرج تمام فصول پر الگ الگ نقد و تبصرہ

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب کی ذاتی وعلمی حیثیت

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب کی ذاتی علمی حیثیت

قارئین محترم! درج ذیل اعتبارات سے مذکورہ کتاب کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔

ا۔ مبحث شریف مکمل طور پر تضادات کا مجموعہ ہے۔ جس میں روایات کا روایات سے ٹکراؤ ہے اور استدلالات کا استدلالات سے واضح باہمی ٹکراؤ ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ جہاں دلائل میں تضاد ہو وہاں اعتماد نہیں ہوتا۔

۲۔ مبحث شریف میں ایک بھی دلیل ایسی نہیں جو دلالت اور ثبوت کے اعتبار سے مفید یقین ہو۔

۳۔ مبحث شریف کی تمام روایات سند کی حیثیت سے ناقص ہیں۔ بعض روایات کی اسناد واہی اور بیہودہ ہیں بعض کی سندی نہیں۔ بعض کی اسناد متکلم فیہ اور مجروح ہیں بعض اصلاً غیر واقعاتی ہیں۔

۴۔ جب روایات غیر یقینی ہیں تو ان میں ناجائز طور پر آیات کا استعمال بھی مفید یقین نہیں ہو سکتا جن روایتوں کا اپنا وجود ہی غیر یقینی اور غیر قطعی ہو وہ آیات کو اپنے ضمن میں کیسے حوالہ بنا سکتی ہیں؟

۵۔ مبحث شریف میں مندرج علماء کے فتاویٰ جات ذاتی رائے پر مبنی ہیں۔ بلا دلیل ہیں ان فتاویٰ جات میں مندرج کہیں کہیں روایات بھی ہیں مگر وہ بھی غیر یقینی اور انتہائی ضعیف ہیں بلکہ باطل ہیں۔

۶۔ مبحث شریف میں جن روایات پر صحت کا فیصلہ سنایا گیا ہے ان میں سے کسی بھی ایک روایت کی کہیں بھی صحت کی کوئی دلیل نہیں دی۔ ذاتی حیثیت سے صحت کا فتویٰ دیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔

۷۔ مبحث شریف میں کفر ابی طالب میں دیے گئے گواہوں میں سے ایک بھی عینی گواہ نہیں صرف جوڑ توڑ کر کے گواہ گھوڑے گئے ہیں مگر عینی شاہد کی شہادت کو بلا دلیل رد کر دیا گیا ہے۔

۸۔ مبحث شریف کا مکمل اسلوب تحکمانہ ہے تحقیق کے آداب کا کہیں بھی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

۹۔ مبحث شریف میں ہر رطب و یابس کو بلا تحقیق درج کر دیا گیا ہے کسی بھی دلیل کا علمی جائزہ نہیں لیا گیا اور نہ ہی اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۱۰۔ مبحث شریف میں ثبوتِ الزام میں شرعی قواعد کا کسی جگہ لحاظ نہیں رکھا گیا۔

ا۔ بحث شریف کا زیادہ سے زیادہ علمی مقام ایک مصنوعی فسانے سے زیادہ نہیں۔ مزید یہ کہ یہ ایک فضول جبری تحکم ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ (مسکین فریدی)

نوٹ: میں بصد احترام شکریہ ادا کرتا ہوں صاحب مبحث رحمہ اللہ علیہ کا کہ انھوں نے مجھے ایک مربوط مطالعہ دیا ورنہ نجانے میں کہاں کہاں خاک چھانتا۔ مجھے کفر ابی طالب کے مذموم نظریے کے رد میں جواب لکھنے میں آسانی مہیا فرمائی۔
(فریدی)

فصل ثانی:

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب پر ایک نظر

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب پر ایک نظر

ہمارے ایک عظیم بزرگ جو برصغیر میں شان مجددیت سے متعارف ہیں ان کے حضور جناب سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا مسئلہ پیش کیا گیا جس سے آپ خوب جلال میں آئے اور کفر ابی طالب پر ایک مستقل کتاب لکھ ماری اور اب یہ کتاب فتاوی رضویہ کا مستقل حصہ ہے۔ رضا فاونڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان سے چھپی۔ اس کی ۲۹ ویں جلد میں یہ کتاب موجود ہے۔ غالباً ہر لائبریری کا یہ حصہ ہے۔ میں ایک ادنی ترین طالب علم ہوں اور تحقیق کا طالب علم ہوں۔ من مسکین نے اس کا مطالعہ کیا اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کتاب اپنے مندرجات کے اعتبار سے تحقیق کے تقدس سے بالکل عاری ہے کیونکہ تحقیق کی اصل قوت دلیل کی قطعیت ہوتی ہے۔ یقینی دلائل کی روشنی میں تحقیق چلتی ہے۔ ظنی افکار باعث یقین نہیں ہوتے۔ اس پوری کتاب میں ایک بھی ایسی دلیل نہیں جو قطعیت کے اعتبار سے مفید یقین ہو۔ دی گئی روایات میں کوئی ایک روایت ایسی نہیں جس کا ثبوت قطعی اور یقینی ہو۔ ان روایات میں بیان کردہ آیات میں کوئی ایک آیت ایسی نہیں جس کی دلالت کفر ابی طالب میں قطعی ہو۔ ان روایات میں بعض بالکل واہی الاسناد ہیں بعض کی اسناد ہی نہیں بعض کے رواۃ متکلم فیہ ہیں اور بعض کے رواۃ انتہائی مجروح ہیں۔ تو ایسے میں کفر ابی طالب کا یقین کرنا بدترین ظلم ہے۔ اور ناقابل برداشت ہے۔ اس کتاب میں علماء کے فتاوی جات تو ان علماء کے ذاتی خیال ہیں اور بلا دلیل ہیں۔ انتہائی باطل ہیں ان کی تحقیقی، یقینی اور دینی نہ کوئی حیثیت ہے نہ ہی کوئی حقیقت۔ یہ فضول خامہ فرسائیاں ہیں جو ہرگز قابل اعتنا نہیں۔

ہاں صاحب مبحث یا دیگر اہل علم علیہم الرحمہ کا ذاتی تقدس تو میں ہر سانس میں ان کا احترام اپنی ذات پر واجب سمجھتا ہوں ان کی غلامی اپنی معراج سمجھتا ہوں۔ مگر دلیل کی قوت تحقیقی مجبوری ہے اور یہ ہر جا مسلم ہے اس سے کہیں بھی فرار نہیں۔ کتاب ہذا چونکہ ایک الزام پر مبنی ہے اور وہ بھی حرم نبوت پر بنا بریں فقیر مسکین نے ضروری سمجھا کہ اس کتاب میں بیان کیے گئے دلائل کا علمی جائزہ لوں۔ سو میں نے لیا جو آپ پہلے پڑھ آئے ہیں طوعاً نہیں چاہتا تھا کہ مبحث شریف کا نام لوں کیونکہ اس کتاب والے مصنف بزرگ رحمۃ اللہ علیہ میرے لیے انتہاء سے بھی زیادہ قابل احترام ہیں مگر میری یہ تحقیقی مجبوری بنی کیونکہ میرے مطالعہ کی حد تک اس کتاب میں کفر ابی طالب کو بڑے مربوط انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تاہم تحقیق کے طالب علم کا ویسے بھی حق بنتا ہے نفس مسئلہ میں دیے گئے دلائل کا علمی تجزیہ کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرے ایمان کا بھی مسئلہ تھا کہ حرم نبوت کائنات کا محترم ترین وجود ہے اس کو ہدفِ تنقید اور ہدفِ تکفیر بنایا گیا آخر کیوں؟ دین کی آبیاری کے لیے قربانیاں بھی حرم نبوت کے تقدس مآب لوگ دیں اور تکفیری تیر بھی انہیں پر چلائے جائیں آخر کیوں؟

مبحث شریف والی کتاب میں کل دس فصول قائم کی گئی ہیں ہر ایک فصل پر الگ سے مختصر ترین نقد و تبصرہ ہو گا مکمل تفصیلات اگلی مجلدات میں آئیں گی اس مقدمہ میں اتنی گنجائش نہیں۔

ضروری وضاحت

اس نقد و تبصرہ میں نہ تو میں کسی علمی شخصیت کا تقدس پائمال کرنا چاہتا ہوں نہ ہی کسی مذہب و مسلک کو نشانہ بنانا چاہتا ہوں صرف اس مسئلہ میں مطلوبہ علمی کوائف کا علمی جائزہ لینا چاہتا ہوں یہ میرا علمی حق ہے۔ جواب الجواب کا بھی تحقیقی بنیادوں پر پابند ہوں۔

فصل ثالث:

شرح المطالب فی مبحث ایمانِ ابی طالب میں مندرج تمام فصول پر الگ الگ نقد و تبصرہ

فصل اول پر نقد و تبصرہ

پہلی فصل میں صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے تین آیتیں ذکر فرمائیں کفر ابی طالب میں اور ان سے منسلک روایتیں بیان فرمائیں اور ایک اجماع نقل کیا۔ آیت اولی: سورہ قصص کی آیت نمبر 56۔

"اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ۔۔۔ الخ"

ترجمہ:۔ حبیب آپ اپنی پسند کی شخصیت کو ہدایت نہیں دے سکتے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

صاحب مبحث نے چند تفاسیر کا حوالہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کی بابت امام زجاج کے حوالے سے اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت کفر ابی طالب میں نازل ہوئی۔

نقد و تبصرہ

(۱) امام زجاج کا اجماع نقل کرنا کبھی مفسروں کے حوالے سے ہے کبھی المسلمون کے حوالے سے ہے یہ اجماع کیا دلیل شرعیہ بن سکتا ہے؟ حالانکہ دلیل شرعی اجماع اُمت ہی ہوتا ہے اس کی تردید صاحب روح المعانی نے کر دی ہے۔

(۲) اس اجماع سے پہلے کتنے دواعیات اجماع لاحق ہوئے جس پر یہ اجماع ہوا؟ کیا یہ اجماع دورِ صحابہ کا ہے؟ یا دور تابعین کا ہے؟ کون کون سے مجتہد صحابہ یا تابعین اس اجماع میں شریک ہوئے؟ صاحب مبحث علیہ الرحمہ کی علمی ذمہ داری ہے وہ واضح کریں اس کی مکمل یقینی تفصیل دیں۔ کیونکہ ناقل کی ذمہ داری ہے کہ نقل صحیح تک پہنچے یا مبحث شریف کی حقانیت پر اندھا اعتماد کرنے والے معاصر اہل علم کی ذمہ داری ہے وہ مطلوبہ مواد فراہم فرمائیں۔ ورنہ اس فتویٰ فاجعہ سے توبہ کریں اور رجوع کریں۔ کیونکہ حرمِ نبوت کا تقدس صاحب مبحث علیہ الرحمہ سے کہیں زیادہ ہے۔ سیاق و سباق کلام الٰہی بھی اس وضعی اجماع کی مخالفت کر رہا ہے تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔

جواب (۲)۔ یہ آیت ایک روایت کے ضمن میں درج ہے اس آیت کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی یہ روایت اصلاً مردود ہے تفصیل گزر چکی ہے اختصار اَعرض ہے۔

ا۔ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کا وقوعہ مبصر اور محسوس ہے اس کو روایت کرنے کی صلاحیت صرف اس کو ہے جو اس وقوعہ کا عینی شاہد ہے وقوعہ دس سن نبوی کا ہے اور مکہ میں وقوع پذیر ہوا ہے مگر اس وقوعہ کا راوی مکہ سے ہزاروں میل دور یمن میں ہے کسی دور

اقتادہ بستی کا رہنے والا ہے۔

(۲) راوی اس وقت مسلمان بھی نہیں ہے۔

(۳) اسے وقوعے کا مشاہدہ بھی نہیں ہے۔

(۴) کسی عینی شاہد نے اسے بتایا بھی نہیں ہے۔

(۵) درمیان میں گیارہ سال کا فاصلہ ہے۔

(۶) اس وقت نہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو طے زمانی حاصل ہے نہ طے مکانی حاصل ہے۔ اس وقت وہ محض کافر ہیں۔

(۷) وقوعہ کے دس گیارہ سال بعد ان کا اسلام ثابت ہے۔

(۸) نہ وہ صاحب وحی ہیں۔

(۹) نہ صاحب وحی نے انھیں اپنی طرف سے روایت کیا ہے۔

(۱۰) نہ اس آیت کو زندگی بھر صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی رازدار کو کفر ابی طالب کے ضمن میں اترنے کا اشارہ دیا ہے۔

(۱۱) تمام مفسرین محدثین فقہاء اور مجددین کے پاس کوئی عینی شہادت ہے نہ یقینی دلیل ہے جس بنا پر وہ اس آیت کا شانِ نزول کفر ابی طالب میں مان رہے ہیں۔ ناقل کی حیثیت کا تو ثبوتِ الزام میں کہیں بھی اعتبار نہیں ثبوتِ الزام میں اصل عینی شاہد کا اعتبار ہے۔ بالآخر یہ اندھا اجماع کس علمی یقینی اعتبار سے کیا گیا ہے؟

(۱۲) ثبوت الزام میں دلیل قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ درکار ہے یہ روایت تو مفید ظن ہونے کی بھی اہلیت نہیں رکھتی جو دلیل خود مفید یقین نہ ہو اس پر یقین کرنا شرعاً کیسا ہے؟ دلائل سے واضح کیا جائے۔

جواب (۳): کوئی ایسا وضعی استقرائی قاعدہ بتایا جائے کہ کوئی مقتدر علمی شخصیت قانونِ روایت سے قانونِ شہادت سے مستثنیٰ ہو مہربانی فرما کر اس وضع استقرائی قانون کی قوت میں قرآن وسنت سے یقینی مؤید دلائل بھی ساتھ ہی مہیا فرمائے جائیں تا کہ ہم کفر ابی طالب پر سوچنے پر مجبور ہوں۔

جواب (۴) یہ روایت صحیحین میں مندرج روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے اس سے بھی قدرے معارض ہے کیونکہ اس میں دو آیتیں استعمال کی گئی ہیں جبکہ اس میں ایک ہم مثل آیت ہے۔ (۲) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو سلطانی گواہ ہیں اس روایت میں ایک بھی گواہ نہیں۔ (۳) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت میں عار کا کوئی ذکر نہیں یمن میں بیٹھے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عار کیسے معلوم ہوئی۔ (۴) حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت گفتگو مقابلۃً تھی مگر اس روایت میں ایسا ہرگز نہیں۔

جواب (۵) زیادہ سے زیادہ اس روایت کو مرسل صحابی کہا جائے گا جبکہ مرسل کا قاعدہ یہ ہے کہ مرسل اور مرسل کے درمیان کوئی راوی ضرور ہوتا ہے جسے ارسال کرنے والا ذکر نہیں کرتا مگر یہاں درمیانی راوی مکمل ہضم ہے کدھر گیا؟ نیز قرآن وسنت کی یقینی دلیل سے بیان کیا جائے کہ مرسل صحابی ثبوتِ الزام میں مفید یقین ہے کیونکہ اس روایت میں حرم نبوت پر الزام کا مضمون ہے ساتھ میں ایک آیت کا بھی ناجائز استعمال ہے۔

جواب (۶): اُصول تفسیر کا قاعدہ ہے کہ جس راوی نے کسی آیت کریمہ کا شانِ نزول بیان کرنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائے نزول پر موجود ہو نزول آیت کے قرائن کا عینی شاہد ہو نزول قرآن کا فہم رکھتا ہو۔ (الاتقان)۔

میرا سوال یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یمن میں تھے۔ آیت کا نزول مکہ میں ہزاروں میل دور ہو رہا ہے اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وحی سے آشنا ہی نہ تھے۔ اس وحی سے گیارہ سال بعد ایمان لائے ذخیرہ علم میں آیت کی بابت کہیں منقول نہیں کہ اس آیت کو صاحب وحی ﷺ نے اس اعتبار سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہو؟ تو پھر اس آیت کا وفاتِ ابی طالب کی بابت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیسے معلوم ہوا؟ بس ایک صورت رہ جاتی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ صاحبِ وحی مان لیا جائے العیاذ باللہ۔

اس سوال کا جواب صاحب مبحث پر یقین کرنے والوں کے ذمے ہے۔

آیتِ ثانیہ: سورہ براۃ کی آیت نمبر ۱۱۳

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ ان کے انتہائی قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔

صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے یہاں بھی حسب روایت یہ بات نقل فرما دی ہے کہ اس آیت کریمہ کی بابت بھی طے شدہ اجماع ہے کہ یہ کفرِ ابی طالب میں ہی نازل ہوئی ہے بطور حوالہ امام واحدی کو پیش کر دیا ہے۔ اور اقوال کا رعب بھی ڈال دیا ہے۔ ساتھ ہی حدیث دوم میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی صحیحین کی معروف روایت کو بطور حوالہ پیش فرمایا ہے توثیق کے لیے۔

جواب (۱): لگتا ہے صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے نزدیک اجماع ایک مذاق ہے کیونکہ اجماع کے منعقد کرنے کے قواعد ہیں:

(۱) جب شرعی دلائل میسر نہ ہوں۔

(۲) دلائل کے مدمقابل نہ ہو۔

حقیقت

(۳) عند الضرورت ہو۔

(۴) اجماع کرنے والے مرتبہ اجتہاد پر فائز ہوں۔

(۵) اجماع پیش آمدہ مسئلہ پر ہو۔

(۶) دواعیات اجماع میں سے کوئی داعیہ اجماع پایا گیا ہو۔

(۷) اس نوئی مسئلہ پر پوری اُمت کے مقتدر مجتہد کاملاً متفق ہوں۔ کوئی ایک بھی خلاف کرے گا تو اجماع منعقد نہیں ہوگا وغیرہ۔

مسئلہ کفر ابی طالب پر اجماع کس اعتبار سے کیا گیا ہے؟ اس پورے اجماع کو ہم کس علمی نوعیت میں دیکھیں؟

جبکہ اس آیت کریمہ کے شان نزولوں کی تعداد قریباً چودہ کے قریب قریب ہے۔ ہر شانِ نزول پر مستقل روایت موجود ہے راوی موجود ہے سلسلہ سند موجود ہے علمی مؤیدات موجود ہیں۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کے زمانہ کفر کی یہ روایت ہے اس پر پوری تفصیل گزر چکی ہے لگتا ہے یہ اجماع اس جھوٹ کو سچ کرنے کے لیے کیا گیا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس روایت کی بابت گزر چکا ہے کہ یہ واہی روایت ہے۔ راوی کے تحمل روایت کے تمام حالات مخدوش ہیں وقوعہ کے وقت نہ اس کا قرآن پر ایمان تھا نہ صاحب قرآن پر۔ اسے ان آیات کے نزول کا فہم کیسے آیا؟ ایک آیت وقوعہ سے عرصہ پہلے نازل ہوئی دوسری بارہ سال بعد نازل ہوئی۔

جواب (۲)۔ مذکورہ بودی روایت کی صحت پر کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ جزئی روایت اپنے مندرجات کے اعتبار سے بھی واہی ہے۔ اس میں درج آیات کا اس روایت سے کوئی تعلق ہی نہیں نہ اسے زمینی حقائق مانتے ہیں نہ اس روایت کے کوئی علمی یقینی شواہد ہیں۔

جواب (۳)۔ جب اہل علم نے گرفت کی کہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام دس سن نبوی کو ہوئی۔ آیت توبہ ۹ سن ہجری کو بالاتفاق نازل ہوئی درمیانی عرصہ ۱۲ سال بنتا ہے اس طرح کے نزول کی پورے قرآن میں کوئی مثال ونظیر نہیں ملتی۔ تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ "یحتمل" احتمال ہے کہ وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت سے لے کر ۹ سن ہجری تک سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلسل ابوطالب علیہ السلام کی مغفرت کے لیے دعائے مغفرت کی ہو پھر منع کر دیے گئے ہوں۔ اس نظریے کے خالق امام واحدی ہیں۔ جب احتمال سے کام نہ چلا تو چودھویں صدی کے مجدد دین وملت جلال میں آ گئے فرمایا احتمال نہیں یقین اور جزم سے کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ دلیل دی "مالم انہ" کہ جب تک میں منع نہ کیا جاؤں۔ جناب اگر ایسا ہی ہے تو دو نقصان آپ کے کھاتے لگتے ہیں۔

پہلا نقصان۔ نبی اگر کوئی کام بغیر وحی کے کرے تو یہ اس کا اجتہاد ہوتا ہے اس پر ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ اجتہاد عند اللہ درست ہو تو

اس عمل سے نبی کو روکا نہیں جاتا۔ اگر درست نہ ہو تو نبی کو فوراً تنبیہ فرمادی جاتی ہے اور اس عمل سے روک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ
نبی کے عمل نے اسوہ بننا ہوتا ہے۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ وفات ابی طالب کے بعد نبی ﷺ نے جب ان کے لیے مغفرت کی دعا کا آغاز فرمایا تھا کیا اپنے
جتہاد سے تھا یا وحی الٰہی سے تھا؟ اگر یہ آغاز وحی سے تھا تو پھر اس کو روکنا بے محل نظر آتا ہے یہاں نسخ کا معاملہ بھی نہیں چل سکتا
کیونکہ نسخ بیان مدت کو کہتے ہیں گویا پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک امر فرمایا جب اس کی بارہ سال بعد مدت پوری ہوگئی تو بارہ سال
بعد دعائے مغفرت سے نبی کریم ﷺ کو روک دیا گیا۔

دوسرا نقصان۔ اگر دعائے مغفرت کا عمل نبی نے اپنے اجتہاد سے شروع فرمایا تھا تو ضابطے کے مطابق اس اجتہاد پر فوراً تنبیہ
کیوں نہیں فرمائی گئی؟ ایک فضول ناجائز اور بیہودہ کام اللہ تعالیٰ بارہ سال تک کیوں برداشت کرتا رہا؟ اور بارہ سال کی مانگی
ہوئی دعائیں کہاں گئیں؟ اپنے جزم والے یقین سے کوئی یقینی دلیل عطا فرمائیں تاکہ اس بابت آپ کے اس نظریاتی نسخے
پر یقین کیا جائے۔

جواب (۴)۔ صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے اپنے موقف کی تائید میں امام سیوطی علیہ الرحمہ کی اصول تفسیر کی مسلم کتاب الاتقان
سے بھی خوشہ چینی فرمائی مگر اس دفعہ ہوا کا رُخ بدلا نظر آتا ہے۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے مکی اور مدنی سورتوں کی تخصیص فرمائی
ہے۔ حالانکہ سورہ توبہ بالاتفاق مدنی ہے مگر پھر بھی لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک آیت "ما کان للنبی۔۔۔ الخ" مکی ہے
حیرت اس بات پر ہے پہلے ہمیں مدینہ کا اعتماد دلایا اس پر جزم فرمایا بارہ سال کی مسلسل دعائے مغفرت کے اعتبار سے
کیونکہ سورہ براۃ مدینہ میں نازل ہوئی ہے یہ نزول اتفاقی ہے جبکہ اس آیت کا نزول مکہ میں اتفاقی نہیں بعض علماء کا قول ہے
مگر کسی بھی عالم کی نشاندہی نہیں فرمائی تاکہ ہم اس عالم سے اس غیر اتفاقی نزول پر دلیل ہی طلب کرلیں۔ تاہم اب ذمہ
داری صاحب مبحث علیہ الرحمہ کی ہے کہ وہ بعض علماء ہمیں تلاش کر کے دیں یا امام سیوطی علیہ الرحمہ سے پوچھ کر بتائیں کہ وہ
کون سے بعض علماء ہیں جنھوں نے پوری اُمت کے اتفاق کو توڑا ہے اور کس دلیل سے توڑا ہے؟ کس دلیل کی بنیاد پر اس
آیت کے مکی نزول کا قول فرمایا ہے؟

صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے حسب عادت اپنے "اَقُوْلُ" میں یہ بھی وضاحت فرمادی ہے کہ امام سیوطی علیہ الرحمہ کے مکی نزول کو ہی
برقرار رکھا ہے پھر اسی پر اپنی خوشی کا بھی صاحب مبحث نے اظہار فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ اب تو کفر ابی طالب پر وارد کیا
جانے والا اشکال سرے سے ہی دفع ہوگیا ہے۔ مزید مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے صاحب فتح الباری علیہ الرحمہ کی
صراحت پر کامل اطمینان فرمایا ہے۔ گویا مذکورہ آیت کا نزول مکی صاحب مبحث کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اس پر کامل

مقدمہ

اطمینان لگتا ہے حضرت قبلہ کا۔ اب مسکین یہاں سوال عرض کرتا ہے کہ اگر مذکورہ آیت کا نزول مکی آپ کے اطمینان کا باعث تھا تو پھر نزول مدنی کی بابت آپ نے اتنی مشقت کیوں جھیلی کہ آپ کو ایک پر تکلف بلا دلیل توجیہہ کرنے کی ضرورت پڑ گئی ؟ میں یقین سے کہتا ہوں وفاتِ ابوطالب علیہ السلام سے لے کر مسلسل بارہ سال تک نبی نے ان کی مغفرت کی مسلسل دعا مانگی پھر آیت نازل ہوگئی کہ مشرک کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ پہلے حضور والا آپ نے مسلسل بارہ سال تک ایک مشرک کی مغفرت کے لیے نبی کا دعا کرتے رہنا برداشت فرمایا پھر جب آپ کی برداشت جواب دے گئی تو اس نزول کو چھوڑ کر مکی نزول پر جازم ہو گئے۔ فرمائیے اب ہم کس نزول پر یقین کریں؟ ایک طرف تو پوری اُمت کا اتفاق ہے دوسری طرف آپ ان چند بعض علماء کے ساتھ کھڑے ہیں بتائیے ہم آپ کے دامن میں پناہ لیں یا جمہور اُمت کی بات مانیں؟ بولیے کدھر جائیں؟ حالانکہ اکثر اوقات یہ جملہ بولا جاتا ہے "ید الله علی الجماعة" چلو ہم سب کچھ ایک طرف رکھ کر آپ کے حضور نیاز حاصل کرتے ہیں؟ ہم آپ کی مسرت کا احترام کرتے ہیں۔ مکی نزول آیت کا یقین کرتے ہیں تو اس طرح مرتبہ نبوت زد میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ یہ آیت دس سن نبوی کو نازل ہوئی پھر نبی نے نزول آیت کے بعد خود کو دعائے مغفرت سے کیوں نہیں روکا؟ حالانکہ آپ کی نبوی ذمہ داری تھی اگر رُک گئے ہیں تو پھر سے بارہ سال بعد اسی حوالے سے کیوں آیت نازل ہوئی؟ پھر دوبارہ اسی عمل سے نبی کو روکنا پڑا؟! اگر ایسا ہی ہے درمیانی عرصہ بارہ سال تک نبی وحی کو توڑتے رہے اور اپنے رب کی نافرمانی کرتے رہے تو کیا نبی اللہ تعالیٰ کا نافرمان بھی ہو سکتا ہے؟ نعوذ باللہ۔

دوسری صورت میں بھی خوش فہمی آپ کی ہے جواب بھی آپ کے ہی ذمہ ہے یا مبحث شریف کے اوپر اندھا اعتقاد کرنے والوں کے ذمے ہے؟ رہا ہمارا موقف تو وہ ظاہر ہے ہماری تحقیق کے مطابق حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کسی بھی اعتبار سے مفید یقین نہیں۔ امام سیوطی کی وضاحت بھی بلا دلیل ہے اور وہ بھی بعض کا قول ہے وہ بھی ہمارے لیے کسی طرح مفید یقین نہیں ہے۔ الزام پر یقین کے لیے ثبوتوں کا قطعی اور یقینی ہونا ضروری ہے جو مبحث شریف کے دامن میں کہیں نہیں رہا کسی اور کا یقین کرنا تو ہمارے لیے قطعا دلیل نہیں ہو سکتا ہم یقینی دلائل شرعیہ پر یقین کرنے کے پابند ہیں جب کہ روایت حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی روایت مفید ظن بھی نہیں ہو سکتی۔ مفید یقین کیسے ہو پائے گی؟ کیونکہ مسیب نہ تو نزول آیت کے وقت جائے نزول پر موجود تھے اور نہ ہی وفاتِ ابی طالب کے وقت ان کے قریب تھے اور نہ اس وقت وہ مسلمان تھے۔ طلوع اسلام کے 21 سال بعد اسلام قبول کیا وقوعہ کے گیارہ سال بعد مسلمان ہوئے۔ ۳۲ سال بعد اس وقوعہ کو اپنے بیٹے کو بیان کیا۔

نوٹ: مجھے حیرت ہوئی صاحب مبحث علیہ الرحمہ پر کہ انھوں امام سہیلی کا قول نقل کیا کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما

کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام موصوف نے وضاحت فرمائی یہ روایت اس لیے قابل قبول نہیں کہ اس وقت اس کا راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما مسلمان نہیں تھا۔ صاحب مبحث شریف نے تاریخی حقائق کا قتل کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ عباس فتح مکہ کے دن اسلام لائے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔

یہاں میرا سوال یہ ہے کہ صاحب مبحث شریف کو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کا اس وقت کا کفر نظر آ گیا مگر عین اس وقت یمن میں رہنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کفر نظر آیا اور نہ ہی اس وقت کا مسیب کا کفر نظر آیا حالانکہ یہ کفر عین تحمل روایت کے وقت کا کفر ہے یہ دونوں حضرات حضرت عباس کے کئی سال بعد ایمان لائے۔ صاحب مبحث شریف کو اگر تکفیر ابی طالب کا اتنا ہی شوق ہے تو کم از کم اپنے دلائل میں ہی قطعیت کا زور پیدا کر لیں؟ کوئی علمی معقولیت ہی کا لحاظ فرما لیں۔ تحمل روایت کے وقت اپنے راویوں کا ایمان ہی ثابت کر لیں پھر اپنا شوق پورا کر لیں۔

آیت ثالثہ: صاحب مبحث شریف علیہ الرحمہ نے تیسری آیت

"وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ⑳"

ترجمہ:۔ وہ اس نبی سے اوروں کو روکتے ہیں اور باز رکھتے ہیں اور خود ایمان لانے سے بچتے ہیں اور دور رہتے ہیں اور اس کے باعث خود اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔

قارئین محترم! اس آیت کریمہ کا بھی صاحبِ مبحث نے حسب روایت ناجائز استعمال فرمایا اور علمی اقدار کا خوب خون بہایا ہے۔

نقد و تبصرہ: اس آیت کو کفرِ ابی طالب میں بطور دلیل پیش فرمایا ہے تائید میں حضرت عبداللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے یہ کہ آیت کریمہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی مذمت میں نازل ہوئی چند ایک تفاسیر کا حوالہ دیا مثلاً تفسیر امام بغوی، تفسیر انوار التنزیل وغیرہ۔ ساتھ ہی حدیث سوم کے عنوان سے ایک روایت بھی نقل فرمائی۔ جس کا مدعا یہ ہے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام لوگوں کو رسول خدا کو ایذا دینے سے روکتے تھے۔ اور خود حضور نبی کریم ﷺ سے دور رہتے تھے یعنی ان کی اتباع نہیں کرتے تھے اسی لیے قابلِ مذمت ٹھہرے۔

الجواب بعون الوہاب

قول حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا تحقیقی جائزہ اور تبصرہ

حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف یہ منسوب قول چند وجوہ سے مردود ہے:

ا۔ قرآن کریم کے نظم کے خلاف ہے اس قول کو ماننے سے قرآن کا نظم ٹوٹ جاتا ہے۔

مقدمہ

ii۔ صورت اس کی یہ ہے کہ سباق کلام میں قرآنی آیات میں کفار مکہ کے رویوں کی مذمت کی گئی ہے خاص کر انھوں نے قرآن کی اہانت کرتے ہوئے کہا کہ یہ اساطیر الاولین ہے پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

iii۔ کفار مکہ مقامی اور غیر مقامی آنے والے وفود کو دربار رسالت ﷺ میں آنے سے پوری جارحیت کے ساتھ روکتے تھے نفرت دلاتے تھے نبی کریم ﷺ کو کاہن اور جادوگر کہتے تھے اور آپ کو ایذا دیتے تھے۔

iv۔ خود بھی نبی کریم ﷺ سے دور بھاگتے تھے نفرت کرتے تھے اسی لیے قرآن نے ان کی ہلاکت کا کہا ہے۔

سیاق وسباق کلام الٰہی اسی کی تائید کرتا ہے افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس آیت کو کئی ایک مفسرین نے بھی اور جناب صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے بھی کفرِ ابی طالب میں ناجائز استعمال کیا ہے۔مگر دیگر مفسرین اور صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے استعمال میں واضح فرق ہے۔فرق کی صورت یہ ہے کہ دیگر مفسرین کرام نے ہر دو اعتبارات کو بیان کیا ہے۔اولاً انھوں نے کفار مکہ ہی مراد لیے ہیں اور یہی حقیقت ہے نظم قرآنی بھی اپنی قطعیت میں یہی بیان کرتا ہے۔اس پر کسی کو اختلاف نہیں۔ثانیاً مفسرین نے قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اعتبار سے صرف یہی کہا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ ابوطالب علیہ السلام کی بابت نازل ہوئی ہے۔میلان اکثیر مفسرین کا قولِ اول کی طرف ہے۔ بلکہ کئی ایک مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تردید کی ہے۔ترجیحاً قول اول کو ہی صحیح مانا ہے۔امام ابن کثیر نے کھل کر کہا کہ کفار مکہ ہی کو مراد لینا ظاہر تر ہے۔(تفسیر ابن کثیر) قاضی بیضاوی کی تفسیر بیضاوی پر حاشیہ شہاب والوں نے بھی تردید کی ہے کہا ہے کہ یہاں صیغہ جمع کا ہے"یُشِیْرُالٰی عَدَمِ اِخْتِصَاصِہٖ" کہ اس آیت میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو خاص کرنا کسی صورت میں مناسب نہیں (حاشیہ)۔امام مفسرین جناب امام فخر الدین رازی نے تو کھل کر علمی کوائف کے ساتھ اس قول کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ قول اول یعنی کفار مکہ کا ہی مراد ہونا دو وجہ سے ظاہر تر ہے۔

(الف) سیاق وسباق کلام الٰہی کا تقاضا یہی ہے کیونکہ قرآن کی آیات اس معنی میں نص ہیں۔کفار لوگوں کو بارگاہ نبوت میں آنے سے روکتے تھے بنابریں ان کا یہ رویہ قابلِ مذمت ٹھہرا۔لوگوں کو نبی کی نفرت کی بنیاد پر روکنا واقعی قابلِ مذمت ہے۔مگر ابو طالب علیہ السلام تو نبی سے محبت کی انتہاء پر تھے وہ لوگوں کو ایذائے رسول سے روکتے تھے ایذائے رسول سے روکنا تو قابلِ مذمت نہیں یہ تو نصرت رسول ہے حیرت ہے صاحب مبحث علیہ الرحمہ کو نصرت اور نفرت کے معنی سمجھ میں نہیں آئے۔

(ب) وجہ ثانی یہ ہے کہ نبی سے نفرت کرنے والوں کی ہلاکت یقینی ہے یہی مدعائے قرآن ہے جب ہلاکت کا باعث نبی سے نفرت ہے تو دفاع نبوت نفرت نہیں بلکہ محبت کی معراج ہے یہ احسن عمل ہے۔احسن عمل موجب ہلاکت نہیں تو پھر ابوطالب علیہ السلام پر ہلاکت کی صورت کیا ہوئی اور کیوں ہوئی؟ (تفسیر رازی) اور بھی بہت سے مفسرین نے اس طرح کی گفتگو کی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو مرجوح قرار دیا ہے۔

مزید یہ کہ صاحب مبحث کو جہالت راوی کی بنیاد پر اس قول کا ضعف نظر نہیں آیا؟

صاحبِ مبحث علیہ الرحمہ کا جلال

صاحب مبحث علیہ الرحمہ جب دلائل کی عظمت سے اُکتا گئے تو ایک نئے نظریے کی بناء ڈالی۔ اپنی کتاب مبحث ابی طالب میں ہر دو روایتی صورتوں کا ذکر نہیں کیا یعنی قول اول کو ملحوظ تک نہیں رکھا یعنی جن کی مذمت میں قرآن نازل ہوا تھا ان کا ذکر تک نہیں کیا مگر سید بطحا، محسنِ ملت اسلامیہ حضرت ابو طالب علیہ السلام پر چڑھ دوڑے کہ یہ مذمت قرآن دراصل ابو طالب علیہ السلام کی ہی ہے۔ تائید میں بے سند قول جڑ دیا۔ اس واہی قول کو راہنما مان لیا کیونکہ ان کے ذہن کے قریب تر تھا۔ ترجیحاً اسے ذکر کر دیا۔ مگر حیرت ہے۔۔۔ نہ وجۂ ترجیح بیان فرمائی نہ دلیل ترجیح دی لگتا ہے ان کے نزدیک قول اول کی کوئی حیثیت ہی نہیں اس قطعیت سے یکسر روگردانی فرمائی۔ اور اپنے واہی موقف میں ایک واہی قول کو ہی قطعیت کا درجہ اپنی طرف سے دے ڈالا۔ اسی کو جبری تحکم کہتے ہیں۔

"اَقُوْلُ" کے ذریعے سے ایک طویل عربی عبارت کا علمی رُعب ڈالا وہ بھی بے ربط نکلا فرماتے ہیں "اصل الذم النائی" میں کہتا ہوں اصل مذمت تو "نائی" یعنی دور رہنے کی وجہ سے ہے۔ ابو طالب علیہ السلام کی مذمت محض اس لیے ہے کہ یہ نبی ﷺ سے دور رہے۔ استغفر اللہ۔

"ینھون" کی صورت میں جو کردار رہا سیدِ بطحا، حضرت ابو طالب علیہ السلام کا یعنی دفاع پیکر نبوت کا اس کو صاحب مبحث بالکل گول مول کر گئے۔ کم از کم اس کا تقدس تو بیان کرنا چاہیے تھا یہی علمی دیانت ہے کیونکہ یہ اسی قرآن کا حصہ ہے مگر صاحب مبحث اسے یکسر نظر انداز کر گئے یہ ان کے ذمہ قرض ہے۔ مگر یہ ادا نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ان کے ذہنی تقدس کے خلاف ہے۔ اب آتے ہیں اس ضمن میں صاحب مبحث کی اصل سوچ کی طرف کہ اصل مذمت نائی کی ہے یعنی دور رہنے والے کی ہے۔ اس قلندرے کی قوت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بے حقیقت قول کا سہارا لیا گیا ہے۔ آیئے اب ہم اس مسئلے کا حل قرآن کریم سے ہی لیتے ہیں۔

قرآن کریم نے فرمایا "فَاٰوٰی" حبیب ﷺ ہم نے آپ کو ملا دیا ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ "ای ضمّک الی عمّک" تمام مفسرین نے یہی تصریح کی اور زمینی حقائق بھی پورے تواتر کے ساتھ اسی حقیقت کو بطورِ حقیقت بیان فرما رہے ہیں گواہی دے رہے ہیں۔ اب حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے اپنے حبیب ﷺ کو ابو طالب علیہ السلام کے ساتھ ملا

رہا ہے۔ مگر صاحب بحث فرماتے ہیں ابوطالب علیہ السلام نبی سے دور رہے۔ "فَاوٰی" کا قرآنی جملہ علی الاطلاق ہے۔ اس اطلاق کی تقیید بیان کردیں اور ساتھ دلیل تقیید بھی مہیا کردیں۔ میں قلم روک لوں گا۔ مگر تقییدی دلیل اطلاق کی دلیل کے درجے کی ہو۔ آئیں بائیں شائیں نہیں چلے گا۔ رہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تو ملاحظہ فرمایئے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مردود ہونے کی وجوہات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس منسوب تفسیری قول کی تردیدی وجوہات:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ اس کے قبول کرنے سے نظم قرآنی ٹوٹتا ہے نظم قرآنی قطعی ہے یہ قول ظنیت کے درجے سے بھی گرا ہوا ہے بنا بریں یہ قول مردود ہے کیونکہ سند مجہول ہے۔

دوسری وجہ: اُصول تفسیر کے ماہرین نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس راوی نے کسی آیت کے شانِ نزول کو بیان کرنا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائے نزول پر موجود ہو۔ نزول آیت کا عینی شاہد ہو۔ (الاتقان) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ آیت سورہ انعام کی ہے اور سورہ انعام مکی ہے یکبارگی نازل ہوئی اور اس کا زمانہ نزول سورۂ حجر کے نزول کے بعد ہے اور سورہ حجر چار سن نبوی کو نازل ہوئی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی مبحث شریف میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس وفاتِ ابی طالب کے بعد پیدا ہوئے۔ وفاتِ ابی طالب دس سن نبوی کو ہے گویا مذکورہ آیت اس وفات سے قریباً ساڑھے پانچ سال پہلے نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پیدائش سے بھی اتنے سال پہلے نازل ہوئی۔۔۔ حیرت اس بات پر ہے کہ یہی امام موصوف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے باپ حضرت عباس بن عبدالمطلب والی روایت جو عظمت ابوطالب علیہ السلام کی روشن دلیل ہے جب اسے رد کرتے ہیں تو دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس روایت میں عبداللہ بن عباس بھی راوی ہیں اور وہ وفاتِ ابی طالب کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ (شرح تاسعہ مبحث) مگر اپنے ہی قائم کردہ ضابطے سے خود موصوف ہٹ گئے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو سند کے طور پر بیان کر رہے ہیں حالانکہ یہ آیت وفاتِ ابوطالب علیہ السلام سے قریباً ساڑھے پانچ سال پہلے نازل ہوئی اس میں تو عدم حاضری کا دورانیہ زیادہ بنتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مگر پھر بھی یہ قول بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ موصوف بضد ہیں یہ دوہری منطق سمجھ سے بالاتر ہے۔ یا تو حسب ضابطہ اس قول کو بھی رد کر دیا جائے یا پھر حسب ذوق عباس بن عبدالمطلب کی روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر نہیں چلے گا۔ صاحب وحی کو یہ علم نہیں ہو سکا جبکہ ابن عباس کو اٹھارہ سال بعد یہ علم القا ہوا۔ استغفر اللہ۔

تیسری وجہ:۔ یہ ہے کہ اس قول کی سند متصل نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قول حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں۔ ہاں تفاسیر میں اسے نقل کیا گیا ہے اکثر مفسرین نے اسے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ چند ایک لوگوں نے اسے سند ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر نے مختلف طرق سے اسے نقل کیا ہے۔

"عن سفیان عن حبیب بن ابی ثابت عمن سمع ابن عباس نزلت فی ابی طالب، عمن سمع" ابن عباس ہر سند میں ہے۔ یہی ابہام ہے کہ کون ہے جس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہے؟ کسی کا کوئی پتہ نہیں۔ تا کہ اس کا جائزہ لیا جائے کہ وہ کیسا ہے اہل ہے یا نہیں؟ اس کے باوجود بھی صاحب مبحث نے اس قول کو دلیل بنا ڈالا۔ مجھے مزید حیرت ہوئی صاحب مبحث کی دوہری منطق پر اگر یہی ستم جناب عباس کی روایت میں ہو تو وہ روایت مردود ہے کہ اس میں بھی "عن بَعْضِ اَهْلِهٖ" میں غیر مسمی افراد کی نشاندہی ہے نام ظاہری نہیں لیا گیا اور "عَمَّنْ سَمِعَ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں نام ہی نہیں لیا گیا مگر پھر بھی قول قبول ہے کیونکہ وضعی خیال کے ہم آہنگ ہے کیا یہ انصاف کا خون نہیں؟ کیا یہ علمی تحقیق اقدار کا قتل نہیں؟ "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کا ابہام "عَمَّنْ سَمِعَ" سے بہت کم بلکہ قابل رفع ہے۔ بلکہ رفع ہو چکا ہے۔ اگر بالفرض کہیں اونچ نیچ کر کے اس قول کی سند تراش لی جائے تو بھی یہ قول موصوف کو مفید نہیں ہو سکتا پہلی دو وجوہات رد انتہائی مضبوط ہیں۔

نوٹ:۔ اگر یہ روایت حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما صرف اس بنا پر مردود ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات ابی طالب کے وقت موجودگی نہیں پائی گئی تو پھر موصوف کو بہت کچھ مردود ماننا پڑے گا۔

ا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود نہیں تھے بلکہ یمن میں تھے۔

۲۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ بھی وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ ابن حجر کی وضاحت بلا دلیل ہے مردود ہے۔ مخزومی ہونا موجودگی کا باعث اور دلیل نہیں۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی نزول آیت کے وقت موجود نہیں تھے۔

۴۔ مبحث شریف میں نقل کردہ کل پندرہ روایتیں ہیں کسی ایک روایت کا راوی بوقت وفاتِ ابوطالب علیہ السلام موجود نہیں تھا۔ رہی حضرت علی کی روایت تو وہ مکفرین کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔ (تبیان) بلکہ ثابت ہو چکا کہ باطل اور جھوٹی ہے۔

خلاصہ کلام

صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی فصل میں جو دلائل دیے کفر ابی طالب میں وہ تمام دلائل ان کے اپنے ضابطے کے مطابق

مردود قرار پائے۔ مزید مجھے کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہی۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما والی روایت کی صاحب بحث کی طرف سے تردید تو وہ غیر علمی ہے کیونکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما وقوعہ وفات ابی طالب کے وقت وہاں موجود تھے عینی شاہد تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے لبہائے ابوطالب علیہ السلام سے کلمہ ادا کرتے ہوئے سنا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے۔ اس کی اجمالی تحقیق گزر چکی ہے۔ رہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہاں موجود نہ ہونا تو یہ کوئی علمی مانع نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر یہ بات معروف تھی مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ان کی اپنے والد سے ملاقاتیں بھی ہیں علمی استفادہ بھی ہے۔ عن بعض اھلہ کا جملہ خود گواہ ہے۔

صاحبِ مبحث سے مسکین کا مطالبہ

ابحث شریف پر اعتماد کرنے والوں سے مسکین مطالبہ کرتا ہے مبحث میں دیے گئے دلائل میں قطعیت کا زور پیدا کریں۔

۱۔ صاحبِ مبحث رحمۃ اللہ علیہ پہلی فصل میں حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بطورِ دلیل لائے ان کا اپنا علمی وجود خود غیر یقینی ہے تو پھر اس پر یقین کی بنا کس بنیاد پر ڈالی ہے حالانکہ مفیدِ یقین دلیل ہی یقین کا باعث ہے۔ صاحبِ مبحث کو کیسے کفرِ ابی طالب کا یقین آیا؟ کیا واہی روایات باعث یقین ہو سکتی ہیں؟

۲۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ قریباً چودہ شانِ نزول ہیں اصول روایت و درایت کے اعتبار سے سب سے کمزور شانِ نزول غیر واقعاتی غیر معقول وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے حوالے سے ہے۔ صاحبِ مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس شانِ نزول کو بطورِ خاص نقل کیا ہے اور ترجیحاً نقل کیا ہے۔ باقی تمام شان نزولوں میں سے کسی ایک کو بھی نقل نہیں کیا گویا ان کے نزدیک ترجیحاً صرف یہی شانِ نزول ہے جس کو انھوں نے اپنی کتاب کی زینت بنایا۔ میں اس ترجیح پر صاحب کتاب اور اس پر اندھا اعتماد کرنے والے معاصر علماء سے مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھے وجہِ ترجیح بتائی جائے اور مہربانی کر کے دلیل ترجیح بھی دی جائے۔ مگر ایسا ممکن نظر نہیں آتا۔

۳۔ سورہ انعام کی آیت نمبر ۲۶ میں قول حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو ترجیحاً نقل کیا ہے اس آیت کے حقیقی قطعی نزول کو ذکر تک نہیں کیا حالانکہ تفاسیر نے ہر دو قولوں کو بیان کیا اکثر مفسرین نے قول اول کو ہی مصداق آیت مانا ہے کیونکہ اسلوب کلام الٰہی بھی اسی میں نص ہے نہ کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں۔ اس کی صاحب مبحث نے اس نص کے خلاف اپنی کتاب میں ایک غیر معقول اور مردود قول کو نقل کیا ہے نہ وجہِ ترجیح بتائی نہ دلیل ترجیح دی۔ کیونکہ ان کے لیے ایسا ممکن ہی نہیں نہ ان کے ماننے والوں سے ایسا ممکن ہے۔ میرا مطالبہ ہے کہ معاصر اہلِ علم جو کفرِ ابی طالب کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ مجھے

ضرور بتائیں اس قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بنا پر اگر آپ نے سید بطحاء کی تکفیر کی ہے تو یہ قول قرآن کی نص صریح کے خلاف ہے آپ اس قول کی قطعیت ہی بیان کردیں اور نص قرآنی کے خلاف اس قول کی وجہ ترجیح اور دلیل ترجیح آپ کے ذمے قرض ہے۔

نوٹ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی اصل کیا ہے؟ کیونکہ اتنا بڑا مفسر اندازے سے بات نہیں کرتا مگر اس کی وضاحت صاحب وحی کی طرف سے کہیں بھی منقول نہیں تو پھر یہ بلنڈر کیوں ہوا؟ ٹھوس یقینی شواہد مکفرین ابی طالب کے ذمہ ہیں۔ قیامت تک انتظار رہے گا۔ عینی شاہدوں کو علم نہ ہو سکا کہ یہ آیت ابوطالب کی بابت نازل ہوئی نہ ہی صاحب وحی ﷺ کو علم ہو سکا۔ اٹھارہ سال بعد میں آنے والے کو نجانے کیسے علم ہو گیا کہ یہ آیت ابو طالب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ عینی شاہد جس طرح وفات ابی طالب کے عینی شاہد تھے عین ایسے ہی ان کی حیات طیبہ کے گزرے عظیم لمحات کے بھی عینی شاہد تھے عمر بھر ان کو تو حضرت ابوطالب میں وجودِ نبوت سے نفرت نظر نہیں آئی مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وفاتِ ابی طالب کے اٹھارہ سال بعد یہ نفرت نظر آگئی؟ حالانکہ عینی شاہدوں میں ایک حضرت ابن عباس کے والد ہیں اور ایک چچا باب علم نبوت ہیں۔

نوٹ:۔ مذکورہ آیت میں جن رویوں کی مذمت کی گئی ہے ان رویوں میں سے کوئی ایک رویہ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام میں کسی یقینی دلیل سے ثابت کردیں؟ تاحیات انتظار رہے گا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول پر مزید علمی گرفت

قارئین محترم! یہ قول اولاً قرآن کی نص صریح کے ہی خلاف ہے۔ قرآن کریم نے جن کفار کی مذمت بیان کی ہے حضرت ابو طالب علیہ السلام اُن میں کسی اعتبار سے شامل نہیں نہ رویوں کے اعتبار سے نہ سرگرمیوں کے اعتبار سے۔ نہ معاشرتی اقدار کے اعتبار سے نہ ان کے مذہبی اعتقادی اعتبار سے تو پھر کس قانون یقین کے تحت ان کو شامل مذمت کیا جارہا ہے؟ کسی کے پاس اس کا جواب ہے تو سامنے لائے۔ درج ذیل وجوہ پر غور فرمائیں:

۱۔ کفار مکہ کی حضرت محمد ﷺ سے دشمنی خاندانی، سماجی اور معاشی نہ تھی کیونکہ یہ خود اعلان نبوت سے پہلے آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ آپ کی عصمت و عفت کے گن گاتے تھے۔ بلکہ یہ دشمنی دینی، مذہبی اور نظریاتی تھی۔ مد مقابل سید بطحاء کی حمایت، نصرت اور حفاظت یہ سب کچھ دین اسلام کی حقانیت کی بنیاد پر تھا کفار سے مزاحمت بھی محض دینی اعتبار سے تھی ورنہ تحریک اسلام کا آغاز ہوتے ہی سید بطحاء نبی کریم ﷺ سے دور ہو جاتے اس حقیقت کا اظہار حضرت ابوطالب علیہ السلام

مقدمہ

نے اپنے کلام میں بار بار فرمایا ہے کہ میری حمایت ونصرت دینی ہے۔

٭ بعض اہل علم نے یہ وہم کیا ہے کہ حمایت خاندانی تھی یہ سراسر غلط ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اس کی بار بار تردید فرمائی ہے۔ کہاں اہلِ علم کی خیال آرائی اور کہاں اعتمادِ خدا، سیدِ بطحاء کے جگر سے نکلنے والی حقیقت کی ترجمان آواز۔ اس سچی آواز کے مدمقابل سینکڑوں سال بعد میں آنے والے اہلِ علم کی ذاتی رائے کی کیا حقیقت ہے؟ اسے محض ذہنی جوڑ توڑ کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

٭ قرآن کریم کی آیت مذکورہ نے ہر دو مختلف رویوں کی یکساں مذمت بیان فرمائی ہے یہ دونوں رویے نفرت کی بنیاد پر تھے کہ کفار لوگوں کو بھی دینِ حق سے دور رکھتے تھے اور خود بھی نفرت کی بنیاد پر دور رہتے تھے۔ یہی ان کی ہلاکت کا سبب بنا جسے قرآن کریم نے واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا "ینھون" کا منصوص مقتضاء یہی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ کہ کفار لوگوں کو نفرت دلاتے کہ محمد ﷺ کے قریب نہ جاؤ یہ جادوگر ہے کاہن ہے وغیرہ۔ جبکہ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام تو سینہ سپر ہوجاتے کسی بھی دشمن کو ایذائے نبوت سے روکتے دشمن کو قریب نہیں آنے دیتے تاکہ کوئی دشمن نبی کریم ﷺ کو ایذا نہ پہنچائے۔

فرق کی اصل صورت

لفظ "ینھون" کا معنی روکنا ہے مگر نفرت کی بنیاد پر لوگوں کو نبی ﷺ کے قریب جانے سے روکنا اور ہے اور نبی کی محبت سے سرشار ہو کر نبی پر حملہ آوروں کو روکنا اور ہے۔ جبکہ کفار تو نبی ﷺ پر خود حملہ آور بھی رہتے اور لوگوں کو بھی اس گھناؤنے عمل پر اکساتے۔ مگر سیدِ حرم حضرت ابوطالب علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی حفاظت میں قربان ہونا شان سمجھتے تھے اسی لیے لوگوں کو نبی پر حملہ آور ہونے سے روکتے تھے۔ اس واضح حقیقت کے بعد کوئی دل کا اندھا ہی ہے جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لیے کفار کی طرح کی ہلاکت کا تصور بھی کرے۔ کفار کا روکنا قابلِ مذمت ہے باعث ہلاکت ہے قرآنی نصوص کے مطابق اور سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا روکنا عین اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چلنے والا ہلاک نہیں کیا جاتا بلکہ آغوشِ رحمتِ الٰہی میں آباد کیا جاتا ہے۔ یہی پورے قرآن کی آیات کا مقتضاء ہے۔

٭ صاحبِ بحث علیہ الرحمہ حنفی عالم ہیں حنفیوں کے نزدیک کوئی مشترک المعنیٰ لفظ ہو تو اس کو بیک وقت ہر معنیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ (نورالانوار) یہاں دو مختلف معانی ہیں

(۱) نفرت سے روکنا (۲) محبت کی بنیاد پر دفاعی حوالے سے روکنا۔ رسول ﷺ سے نفرت کرنا لعنت کا باعث ہوتی ہے نبی سے

ٹوٹ کر محبت کرنا دفاعی اعتبار سے نبی کی حفاظت میں دشمنوں کو روکنا رحمت ہی رحمت کا باعث ہوتی ہے۔فرق واضح تر ہے۔
اب ہر دو مختلف معنی پر ایک ہی نتیجہ مرتب کرنا عین جہالت ہے نبی کے قاتل پر بھی لعنت ہو اور نبی کی حفاظت کرنے والے پر بھی
لعنت ہو۔ان دو نقیضوں کا اجتماع محال ہے۔

"يَنْهَوْنَ" کا عطف "وَيَنْئَوْنَ" پر

"ينئون عنه" کا معنی ہے دور رہنا کفار مکہ چونکہ جس طرح لوگوں کو نفرت کی بنیاد پر نبی سے دور رکھتے تھے ایسے ہی خود بھی نفرت کی بنیاد پر نبی ﷺ سے دور رہتے تھے۔قرآن کریم نے اسی عمل کو ہلاکت سے تعبیر کیا ہے۔جبکہ سید بطحا ،حضرت ابوطالب علیہ السلام کا نبی ﷺ کی ذات سے دور رہنا یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اللہ اس کا خود گواہ "فَآوٰی ای ضمك الى عمك" محبوب ﷺ ہم نے آپ کو آپ کے چچا محترم کے ساتھ پیوست کر دیا ہے۔ملا دیا ہے۔ہمارا بہت بڑا احسان ہے۔اب رہی اہل علم کی نکتہ آفرینی کہ ویسے تو ابوطالب علیہ السلام کے قریب رہتے تھے مگر دل سے دور رہتے تھے یہ پہلے جھوٹ سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔کیونکہ ان کا دل تو دھڑکتا ہی مصطفیٰ کریم ﷺ کے لیے تھا۔پھر اہل علم ایک واہی شوشہ چھوڑتے ہیں کہ جناب دینی اعتبار سے انھوں نے خود کو نبی سے دور رکھا۔یہ تو سب جھوٹوں سے بڑا جھوٹ ہے کیونکہ جو شخص سب کچھ دین پر قربان کرتا ہو اس کو دین سے دور جانا بدترین جھوٹ ہے کیونکہ پوری کائنات کے اہل علم زور لگالیں قیامت تک ان کے پاس ایک بھی ایسی دلیل میسر نہیں آئے گی جو دلالت وثبوت میں قطعی ہو اور اس کا مقتضاء یہ ہو کہ ابوطالب علیہ السلام دین سے دور تھے۔

۲۔"ينئون" کے معنی میں ابوطالب علیہ السلام کو شامل کرنا براہ راست قرآن کے تقدس پر حملہ ہے چونکہ اس کا عطف "ينهون" پر ہے "ينهون" کے مصداق افراد بھی قابلِ مذمت ہیں اپنی نفرت کی بنیاد پر اور "ينئون" کے مصداق افراد بھی قابل مذمت ہیں نفرت کی بنیاد پر دور رہنے کی وجہ سے۔

جبکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام تو اہل محبت کے امام ہیں اور اسوہ محبت رسول ہیں وہ نہ "ينهون" کا معنوی فرد بنتے ہیں اور نہ "ينئون" کا معنی فرد بنتے ہیں۔وہ بھی ایک مخدوش قول کی بنیاد پر۔

نوٹ: "يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ" کا قطعی مصداق صرف وہی لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کو اساطیر الاولین کہا اور نبی ﷺ سے شدید نفرت کی۔یہی سورہ انعام کی ان آیات بینات کا منصوص مدعا ہے اور کوئی نہیں جو اس قطعیت کو توڑ سکے۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب مخدوش قول کی ہی منصوص قطعیت کے مقابل کوئی حقیقت نہیں۔

اہلِ علم سے چیلنج کے طور پر مطالبہ

کائنات بھر کے اہل علم کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ "وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا" میں اتر کر قیامت تک زور لگالیں اور قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ثبوت کے اعتبار سے قطعیت پیدا کر دیں میں قلم روک لوں گا۔ آپ کی سچائی پر یقین کر لوں گا۔

اگر آپ اپنی پیش کردہ دلیل میں قطعیت پیدا ہی نہیں کر سکتے تو پھر اس مخدوش قول کی بنیاد پر آپ کو کس نے حق دیا ہے کہ محسن اسلام کو کافر کہنے کا؟ حالانکہ یہ قول ظنیت کے مرتبے سے بھی عاری ہے اس پر یقین کیسے کیا جائے؟

قول حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بہر اعتبار مردود ہے

اگر بالفرض والمحال یہ ان کا ہی قول ہے تو اس کی دو حیثیتیں ہیں (۱) یہ قول انھوں نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں سنا ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہمیں اس کی نقل صحیح کسی معتبر صحیح حدیث میں دکھادیں۔ یہ بھی اہلِ علم کے لیے محال ہے۔ یہ نقل صحیح بطور نص ہو ابو طالب علیہ السلام کی بابت کہ رسول دو عالم ﷺ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو مذکورہ آیت کے شانِ نزول کی وضاحت میں یہی بیان کیا تھا اور انھوں نے اس قول کو براہ راست رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی ہیں براہ راست روایت کر سکتے ہیں۔ یہ معاصر اہلِ علم کے بس کی بات ہی نہیں۔

(۲) اگر یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صاحب وحی سے نہیں سنا بلکہ خود کیا تو قانوناً روایتاً، درایتاً اور شرعاً وہ یہ قول کرنے کے اہل ہی نہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ صاحب وحی ہیں نہ ہی صاحب وحی نے ان کو اس آیت کی بابت کبھی یہ وضاحت فرمائی کہ یہ ابو طالب علیہ السلام کی بابت نازل ہے۔ نہ ہی مذکورہ آیت کے نزول کے وقت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وہاں موجود تھے بلکہ پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔ ضابطہ یہ ہے کہ جس راوی نے کسی آیت کے شانِ نزول کو بیان کرنا ہو اس کا جائے نزول پر ہونا ضروری ہے کیفیات وحی کے قرائن کا جاننا ضروری ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نزول آیت کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کا زمانہ پایا ہی نہیں ان کی وفات حسرت آیات کے بعد پیدا ہوئے۔ یہاں بھی وہی ضابطہ ہے کہ مبصر محسوس معاملات کی روایت وہی کر سکتا ہے جو وقوعہ کا عینی شاہد ہو۔ ان کا معاملہ تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے بھی بہت نیچے ہے کیونکہ وہ دونوں دنیا میں تو تھے معاملے کے وقت اگرچہ معاملہ میں موجود نہ تھے۔ یہ شہزادے تو نہ معاملے کے وقت پیدا ہوئے نہ نزول آیت کے وقت جہاں میں تھے۔ تو پھر ان کو کفر ابی طالب کا گواہ صاحب مبحث نے کیسے مان لیا؟

حالانکہ ثبوتِ الزام میں گواہ کا عینی شاہد ہونا ضروری ہے نہ تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما عینی شاہد ہیں نہ ان کے پاس کی عینی شاہد کی شہادت موجود ہے۔ معارضۃً عرض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بڑے عالم ہیں قرآن کے بارے میں ان کا دعویٰ بھی ہے کہ میں قرآن کی ہر آیت کو جانتا ہوں کہاں نازل ہوئی کیوں نازل ہوئی؟ اگر کسی سندِ صحیح کے ساتھ یہ قول ان کا ہوتا تو یقیناً قابلِ قبول تھا کیونکہ ایک تو وہ باب علوم نبوت ہیں دوسرے تمام حالات کے عینی شاہد ہیں۔ حیرت ہے عمر بھر وہ تو اس آیت کی بابت اس وضعی اعتبار سے خاموش رہے انہیں علم نہ ہوسکا دعوے کے باوجود بھی بیان نہ کیا اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو نجانے کیسے وحی ہوگئی اس بابت۔ میرا اہلِ علم سے پرزور مطالبہ ہے کہ مجھے وہ ذریعہ علم بتائیں اور یقینی ذریعہ علم بتائیں جس کے ذریعے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما تک اس آیت کی بابت یہ بات پہنچی ہو کہ یہ ابوطالب علیہ السلام کی مذمت میں اُتری ہے۔ ورنہ یہ فراڈ، ڈرامہ بند کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ قول مردود ہے۔ حیرت ہے ابوطالب میں ابنِ عباس کے والد عباس کو تو دینی نفرت نظر نہیں آسکی نجانے ابنِ عباس کو اٹھارہ سال بعد یہ نفرت کیسے نظر آگئی؟

نوٹ:۔ وہ ذریعہ علم صحیح سلسلہ سند کے ساتھ پوری کامل قطعیت کے ساتھ ہو۔ قیامت تک انتظار رہے گا۔

۳۔ یہ قول براہ راست قرآن کی قطعیت کے خلاف ہے۔ اس لیے مردود ہے قرآن کریم نے کفار کے رویوں کی بھرپور مذمت کی ہے۔ کسی محسنِ نبوت کی مذمت نہیں کی۔ ویسے بھی ثابت ہو چکا ہے محسنِ نبوت پر لگایا جانے والا کفر و شرک کا الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ اس کی کوئی یقینی حقیقت نہیں نہ ہی اس پر کوئی یقینی دلیل ہے۔ ثبوت و دلالت کے اعتبار سے۔

۴۔ یہ قول سند کے اعتبار سے بھی مفید یقین نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے درمیانی راویوں کی حالت مخدوش ہے۔ یہ خبرِ واحد بننے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ مفیدِ ظن بھی نہیں ہے۔ مفیدِ یقین کیسے ہوسکتا ہے۔ بنابریں یہ قول بہر لحاظ علمی مردود ہے۔ علم کا کوئی یقینی قاعدہ اسے قبول نہیں کرتا۔

نوٹ:۔ اس کا نقل در نقل ہونا تفاسیر میں دلیل یقینی نہیں ہوسکتا۔

۵۔ یہ قول بداہتِ عقل کے خلاف ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایک متبحر عالم دین ہیں وہ اس طرح کی واہی بات قرآن کے اندر نہیں کرسکتے۔

درج بالا علمی اعتبارات کے حوالے سے یہ قول بہر حال مردود ہے۔ اس کی صحت پر یقین رکھنے والے اس کی صحت و قطعیت کے یقینی دلائل مہیا کریں جو حسب ضابطہ شریعت میں محمود ہوں۔ آخر حرمِ نبوت پر الزام ہے ثبوتِ الزام میں اندازے نہیں چلتے۔ قطعی، یقینی اور ٹھوس دلائل چلتے ہیں۔ جب دلائل مفیدِ یقین نہ ہوں تو دعویٰ مسترد ہو جاتا ہے جیسا کہ کفرِ ابی طالب کا دعویٰ مسترد کیا جا چکا ہے۔ کائنات کی کوئی علمی شخصیت دلیل نہیں ہوسکتی۔ تمام اہلِ علم خود محتاجِ دلیل ہیں۔ دلیل کی

مقدمہ تقویت ہی پر تحقیق کا مدار ہے۔ جس سے مبحث شریف بالکل عاری ہے۔

مبحث شریف کی فصل ثانی پر نقد و تبصرہ

قارئین محترم! پہلی فصل میں حضرت نے تین روایات بمعہ آیات ذکر فرمائیں جن کا حال آپ کو معلوم ہو چکا۔ اب اس فصل میں زیادہ گیارہ احادیث ہیں ہر ایک حدیث پر الگ سے نقد و تبصرہ آپ نے حصہ حدیث میں پوری تفصیل کے ساتھ معلوم فرمایا کہ یہ تمام روایات مردود ہیں ان میں کچھ مصنوعی روایات بھی ہیں کسی بھی ایک روایت کا آپ کو بطور ثبوت یقینی وجود نہیں ملے گا۔ بلکہ بہت ساری احادیث تو درجہ ظن سے بھی گری ہوئی ہیں۔ لیکن صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے انہیں بھی بلا دلیل درجہ یقین عطا کر دیا ہے اور کفر ابی طالب کے عقیدہ باطلہ فاسدہ فاجعہ ناشزہ مردودہ کا یقین دلانے کی ناکام کوشش فرمائی ہے۔ جو کہ سراسر باطل ہے۔ مگر تعجب خیز بات یہ ہے کہ آج بھی اس فکر مردود پر بڑی شدت سے پہرہ دیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی بلند بخت حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت حسن ظن رکھتا ہے تو عصبیت طراز اس کا بہیمانہ تعاقب شروع کر دیتے ہیں۔ اور کچھ نہ بن پڑے تو اس بیچارے پر رافضیت کا الزام ضرور لگا دیتے ہیں اگر وہ کسی مذہبی ادارے میں ملازم ہو تو اسے ملازمت سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد منشا تابش قصوری کے ساتھ جامعہ نظامیہ لاہور والوں نے کیا۔ اور جب ان سے اس بابت دلیل مانگی جاتی ہے تو یہی مبحث شریف لے آتے ہیں اور جب اس مبحث شریف کی علمی عصمت کی دلیل ان سے طلب کی جاتی ہے تو منہ بسورتے ہیں پھر آخری صورت ان کے پاس بائیکاٹ کی رہ جاتی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ حالانکہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ کی وفا کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں مندرج مربوط دلائل میں قطعیت اور یقینیت کا قوی دلائل کی صورت میں زور پیدا کریں تا کہ مبحث شریف مفید یقین ہو جائے مگر یہ لوگ وفا کا دم بھی بھرتے ہیں اور وفا کرتے بھی نہیں۔ بس اہلِ محبت پر چڑھائی کر دیتے ہیں۔ اب آیئے فصل ثانی کی احادیث کا جائزہ انتہائی اختصار سے لیتے ہیں۔ مزید تفصیلات حصہ حدیث میں دیکھیے۔

حدیث چہارم:۔ یہ حدیث و روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیح مسلم میں درج شفاعت ابی طالب کے باب میں کتاب الایمان میں جس کا مضمون یہ ہے کہ جناب عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی ابو طالب آپ ﷺ کی حفاظت اور حمایت کرتا تھا تو کیا آپ نے انہیں نفع پہنچایا؟ تو جواب میں فرمایا گیا ہاں! اس وقت ابو طالب جہنم کی پتلی آگ میں ہیں اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوتے۔

نقد و تبصرہ:

صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے حضور عرض ہے کہ یہ روایت تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کی مبحث میں نقل کرنی یاد

رہی مگر وہ روایت آپ کو یاد نہیں جس میں اسی سوال پر یہ جواب دیا گیا "ارجوا کل خیر یعنی ابی طالب" کہ میں اپنے چچا ابو طالب کے بارے میں تمام بھلائیوں کی امید رکھتا ہوں۔ یہ بھی اُسی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ (طبقات ابن سعد)

۲۔ حدیث چہارم والی روایت میں ایک راوی ہیں جن کا نام محمد بن عبد الملک الاموی ہے یہ مروان کا بیٹا ہے۔ مروانیوں کی غنڈہ گردی حرمِ نبوت کی بابت پوری کائنات میں معروف ہے۔ اور محدثین کے ہاں یہ مسلّم ضابطہ ہے کہ متعصب راوی کی روایت اس کے مخالف کے خلاف ہرگز قبول نہیں۔ لگتا ہے کہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے نزدیک اُمویوں کی غنڈہ گردی حرمِ نبوت پر کوئی حیثیت نہیں رکھتی ورنہ وہ اس راوی کی روایت ہرگز قبول نہ کرتے۔ اس واضح ترین قانونی شرعی حکم کے باوجود اُموی غنڈے کی گواہی کفرِ ابی طالب میں قبول کرنا نہایت قبیح ہے کیونکہ ان اُموی غنڈوں نے کبھی بھی اہل بیت نبوت کا مقام ملحوظ نہیں رکھا۔

۳۔ اسی لیے امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسے فاتر العقل قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا عقل مختل تھا یہ بدیہی بات ہے کہ اہلِ بیتِ نبوت کی بابت دشمنی میں اُموی غنڈے اپنے حواس کھو بیٹھتے تھے۔ تو ایسے میں ایسے راویوں کے منہ سے وہی کچھ نکلتا جو کچھ صاحبِ مبحث نے لکھا ہے۔

حدیث پنجم:۔ یہ روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جس کا مضمون یہ کہتا ہے کہ آگ ابو طالب کے ٹخنوں تک ہوگی جس سے ان کا بھیجہ نکل پڑے گا ابلے گا وغیرہ۔

نقد و تبصرہ:۔ صاحبِ مبحث علیہ الرحمہ کو اس روایت کی سند میں دو راویوں کا مسلسل ضعف نظر نہیں آیا۔ نجانے کیوں؟ تفصیلات حصہ حدیث میں گزر چکی ہیں۔

نوٹ: حدیث ششم اور حدیث ہفتم میں قریب قریب یہی کچھ ہے اور ان کا جواب ویسا ہی ہے

حدیث ہشتم:۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت لائے ہیں۔ جس کا مختصر مضمون یہ ہے کہ سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو ہوگا انہیں آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔ جس سے ان کا دماغ کھول جائے گا۔ وغیرہ۔

نقد و تبصرہ:۔ اس روایت میں دو راوی متکلم فیہ ہیں اور مجروح ہیں۔

حیرت ہے کہ اہلِ علم کو "ابی و اباک فی النار" والی روایت میں حماد بن سلمہ کا ضعف نظر آ گیا ان کے ربیب ان کی کتابوں میں عبارتیں گھسیڑتا نظر آیا مگر اس کا یہ ضعف حضرت ابو طالب پر لگائے گئے جھوٹے الزام میں نظر نہ آیا۔ نجانے کیوں؟ ایسا ہی دوسرا راوی ہے جس کا ضعف ظاہر ہے۔ تفصیلات گزر چکی ہیں۔

اہم ترین وضاحت

ذکر وہی روایات آگ والے مضمون کا بیان کر رہی ہیں یہ تمام روایات بے محل ہیں ان کی کوئی علمی، یقینی، حقیقت اور حیثیت نہیں۔ نہ ہی مفید یقین ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں نہ ہی مفید ظن ہیں۔ بلکہ اصلاً بے محل ہیں اور بے محل کلام کرنا شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر کچھ روایات کے ذریعے الزام لگایا گیا کہ وہ کفر پر مرے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ ساتھ آیات کا بھی بلا دلیل ناجائز استعمال کیا گیا۔

جب ان روایات کی علمی چھان بین کی گئی تو تمام روایات مصنوعی، بیہودہ اور سازشی نکلیں جو بزرگوں کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ جو کسی بھی طرح ثبوتِ الزام میں مفید یقین نہ بن سکیں۔ بنابریں الزام جھوٹا نکلا۔ اسی جھوٹے الزام کی وجہ آگ والی روایتیں تشکیل دی گئیں جو اپنے وجود میں مرتبہ ظن سے بھی نیچے گری ہوئی ہیں تو ان پر یقین کون کرے۔ جب وجہ ضحضاح ہی جھوٹی ہے تو ضحضاح کس بنا پر رہا؟ بغیر جرم کے سزا جہالت ہے۔ کائنات کا کوئی مہذب اور شریف معاشرہ اس طرح کی بربریت کی اجازت نہیں دیتا۔ رئیسِ حرم کی تکفیر کرنے والے اہلِ علم اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ بغیر جرم کے سزا اُلوہی تقدس کے خلاف ہے۔ ایک نفسِ محترم محسنِ ملتِ اسلامیہ کے لیے بغیر ثبوت کے قطعیت کے کفر جیسے بیہودہ الزام کا یقین کرنا کس قدر سنگین ہے؟ اور بغیر ثبوت جرم کے اس تقدس مآب شخصیت کو جہنم کی سزا سنانا یہ سنگین سے بھی سنگین تر ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اور مصطفیٰ کریم ﷺ کو اس ظلم میں شریک کرنا انتہائی ظلم ہے۔

ایک سوال کا جواب

سوال یہ ہے کہ اس تکفیر میں بڑے بڑے اجلہ علماء شامل ہیں؟

جواب: ہاں ایسا ہی ہے مگر میں وضاحت کر چکا ہوں زمانہ قدیم میں ذرائع ابلاغ کی فوری دستیابی نہ تھی روایات کی چھان بین کا معاملہ انتہائی مشکل تھا کتب کی فراہمی آسان نہ تھی۔ ماخذات تک پہنچنا جوئے شیر سے کم نہ تھا۔ اس بنا پر ایسا ہوا۔ بنابریں یہ تمام اہلِ علم معفو ہیں حتیٰ کہ میرے جیسے ایک مبتدی کے پاس لاکھوں کتابوں کا علمی ذخیرہ موجود ہے محفوظ ہے۔ اور اکثر اوقات میری جیب میں یا گاڑی میں رکھا ہوتا ہے ایک لمحے ایک بٹن دبانے سے سب کچھ عیاں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب وہ عذر ختم ہو گیا ہے کہیں کوئی پیچیدگی نہیں رہی۔ اب اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام مختلف فیہ مسائل میں انتہائی اعتدال کے ساتھ آگے بڑھیں اور اُمت کو اُمت کا کھویا ہوا مقام دوبارہ لوٹائیں یہ منصبی ذمہ داری ہے۔

نوٹ: حدیث ہشتم کے ذیل میں صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے مزید دو روایتیں اسی آگ والی روایات کے ضمن میں بیان کی

ہیں۔ ایک حضرت نعمان بن بشیر کے حوالے سے اور ایک انس بن مالک کے حوالے سے۔ حالانکہ ان دونوں روایات
میں کسی ایک جگہ بھی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں آیا۔ مگر پھر بھی صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے ان سے
حضرت ابوطالب کو آگ میں جھونکنے کی مزید ناکام کوشش فرمائی ہے۔ جو سراسر غلط ہے اور ظلم ہے۔ یہ تو اکثر اوقات مشاہدہ
کے لیے جانا جاتا ہے ان روایتوں سے کفر ابی طالب کا استدلال یہ جبری تحکم اور مردود ہے۔

خصوصی وضاحت

صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے ان احادیث کی وضاحت فرماتے ہوئے ان کی حکمت کو بیان فرمایا ہے۔ حدیث پنجم کے ذیل میں فرمایا ہے کہ کفر پر ثابت قدمی رہنے کی وجہ سے ابوطالب کے پاؤں آگ میں جلائے جائیں گے۔ بطور حوالہ امام سبکی کا ایک قول نقل فرمایا ہے۔

"اَلْحِكْمَةُ فِيهِ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ كَانَ تَابِعًا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُمْلَتِهِ"

"إِلَّا أَنَّهُ اسْتَمَرَّ ثَابِتَ الْقَدَمِ عَلَى دِيْنِ قَوْمِهِ"

"فَسُلِّطَ الْعَذَابُ عَلَى قَدَمَيْهِ خَاصَّةً لِتَثْبِيْتِهِ إِيَّاهُمَا عَلَى دِيْنِ قَوْمِهِ"

ترجمہ: حضرت ابوطالب اپنی ذات کے اعتبار سے پورے وجود اقدس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والے تھے۔ مگر مسلسل اپنی قوم کے دین پر ثابت قدم رہے اسی لیے ان کے دونوں قدموں پر عذاب کیا جائے گا خصوصاً کیونکہ وہ ان دو قدموں سے اپنی قوم کے دین پر جمے رہے۔

قارئین محترم! مذکورہ عبارت کے تینوں اجزاء پر الگ الگ غور فرمائیں صورت حال واضح ہو جائے گی۔

عبارت کا پہلا حصہ یہ بتا رہا ہے کہ سیدنا ابوطالب علیہ السلام کا پورا وجود اقدس اتباع رسول کا کامل نمونہ تھا۔ اور اتباع رسول کا لازمی نتیجہ جنت ہے۔ خدا کی رضا ہے انسانی عظمتوں کی اعلیٰ معراج ہے۔ فطرت کا حسن ہے۔ زندگی کا وقار ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب وحضور کا یقینی باعث ہے۔ جو کہ الحمد للہ حضرت ابوطالب کو حاصل بھی ہے میسر بھی۔ یہی حقیقت ہے کردار ابوطالب علیہ السلام اس حقیقت کا خود گواہ ہے۔

عبارت کا دوسرا حصہ یہ بتا رہا ہے کہ پاؤں مبارک قوم کے دین پر جمے رہے جس کا لازمی نتیجہ جہنم ہے آگ ہے۔ پوری کائنات میں ایک بھی دلیل وروایت ایسی نہیں جو کسی تواتر کے ساتھ صرف پاؤں کا کفر پر جمے رہنے کو بیان کرے۔ اہل علم نے محض ذاتی اندازے پر حضرت ابوطالب علیہ السلام رضی اللہ عنہ کے دو حصے کیے۔ وجود اقدس کے ننانوے فیصد حصہ اتباع

مقدمہ رسول پر مشتمل تھا۔ صرف ٹخنوں سے نیچے کا حصہ اتباعِ نبوی سے ہٹ کر تھا اسی لیے بزعم باطل اسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اہلِ علم پر سوال

اب میرا پوری کائنات کے معاصر اہلِ علم پر سوال ہے کہ جن قدموں کو اہلِ علم نے آگ کی جوتیاں پہنائی ہیں اور ضحضاح میں کھڑا کیا ہے یہی وہ پاؤں مبارک ہیں جو پچاس سال تک خدمتِ رسول، حمایتِ رسول، نصرتِ رسول اور اطاعتِ رسول میں پیش پیش ہے۔ اور انھی قدموں پر چل کر حضرت ابوطالب علیہ السلام یہ ساری خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان کو تو اس خدمت کے علاوہ پچاس تک نہ کوئی ایسی فرصت ملی کہ کسی اور کے لیے حرکت ہی کر سکیں یا کفر کے لیے سوچ بھی سکیں کوئی لمحہ کائنات بھر کے اہلِ علم کسی یقینی دلیل سے ثابت کر دیں کہ یہ قدم مبارک ایک لمحہ بھر کفر اور کفار کی حمایت میں اٹھے ہوں۔۔۔؟ ان قدموں نے پچاس سال تک ایک سیکنڈ کے لیے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی ہو۔۔۔؟ یہی وہ قدم تھے جو پورے کفار کا پوری استعداد کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔۔۔۔ یہی وہ قدم تھے جنھوں نے شعب ابی طالب کی قید تنہائی میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ساتھ دیا۔۔۔۔ یہی وہ قدم مبارک ہیں جن پر حضرت ابوطالب علیہ السلام "تَابِعًا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کا وجود اقدس ٹھہر کر مسلسل دن رات پیکرِ نبوت پر پہرہ دیتا رہا۔ یہی وہ قدم مبارک ہیں جن پر چل کر مظہرِ غیرتِ خدا حضرت ابوطالب علیہ السلام آئے اور انتقاماً عبداللہ بن زبعری کے چہرے پر کیچڑ ملا۔۔۔۔ میں ان مبارک قدموں کی شان کیسے بیان کر پاؤں کہ ساری داستان انھی قدموں پر چل کر رقم ہوتی رہی۔۔۔ نجانے اہلِ علم کو ان قدموں کی بابت ڈراؤنا خواب کب آیا کہ یہ کفر پر ثابت قدم رہے تھے اور واہیات باتیں حکمت نہیں بلکہ حکمت کے ساتھ مذاق ہیں

نوٹ: حدیث چہارم سے لے کر حدیث ہشتم تک روایات کا مضمون بھی صرف پاؤں مبارک تک محدود ہے۔ آگ اوپر نہیں آسکتی مگر حکمت کے مطابق پاؤں کے علاوہ وجود چونکہ تابع رسول تھا اس کے جنتی ہونے کی کسی میں ہمت نہیں وہ ایسا قول کرے۔ یہاں اتباعِ نبی کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ نعوذ باللہ۔

اہلِ علم سے اور کچھ نہ بن پڑا تو کلمہ نہ پڑھنے والی بیہودہ روایات پر یقین کر ڈالا۔ آج بھی کچھ ہوتا ہے جب ہم کسی روایت کا قطعی ثبوت ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہی اہلِ علم آئیں بائیں شائیں کے علاوہ کچھ نہیں بول پاتے۔

صاحبِ مبحث رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب منطق

آپ نے اپنی مبحث شریف میں قیل کے ساتھ ایک روایت بیان فرمائی۔ اور بغیر سند کے بیان فرمائی روایت یہ ہے

"ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسح ابا طالب بعد موتہ وانسوا تحت قدمیہ ولذا یتنعل بنعلین من النار"

ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وصال فرما جانے کے بعد پیکر سید بطحا، پر اپنی نبوت والا ہاتھ شفقت سے پھیرا پورے وجود اقدس پر ہاتھ مبارک پھیرا مگر آپ کے دونوں قدموں یعنی پاؤں مبارک کی تلیوں پر ہاتھ پھیرنا بھول گئے۔

اسی لیے ان دونوں قدموں میں آگ کی جوتی پہنائی جائے گی۔

یہ آخری جملہ راوی کا ذاتی اضافہ لگتا ہے۔ اوپر والے جملے حدیث لگتے ہیں۔ شفقت نبوی کی کیا عظیم شان ہے کہ عمر بھر کی قربتوں کو وصال ابوطالب علیہ السلام کے وقت بھی نہ بھولے۔ تشریف لائے نبوی ہاتھوں سے فیض رحمت و شفقت پورے وجود مقدس میں منتقل فرمایا۔ روایت کے مطابق صرف پاؤں مبارک کی تلیاں رہ گئیں وہ بھی توجہ نہ فرمانے کی وجہ سے۔

قارئین محترم! اہل علم نے کیا سزا دی کہ ان تلیوں میں آگ کی جوتیاں پہنا دیں۔ مگر اہل علم اپنا دوہرا معیار کیوں نہیں ترک کرتے۔ تلیوں کے علاوہ پورا وجود تو مستنیر ہوا ہے دست نبوت سے مگر کسی نے بھی اس تقدس کو احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھا ایک طرف تو ایک سوکھی لکڑی پر نبی ہاتھ لگا دیں تو وہ لکڑی نور سے بھر جاتی ہے مگر یہاں وہی دست نبوت ہے مگر اہل علم کو بے فیض نظر آیا۔ یہ دوہری منطق سمجھ سے بالاتر ہے۔ مگر چمڑے کے جوتے نبی کی تلیوں کو چند لمحے چوم لیں تو یہی صاحب مبحث شریف ہیں جو فرط محبت میں بول اٹھتے ہیں:

؎ سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

مگر یہی لمس نبوت کسی بخت کے تاجدار کو پچاس سال مسلسل دن رات میسر رہے تو اب قادر الکلام کی رگ محبت لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں پھڑکتی بلکہ اس کی تکفیر ہی علمی عظمت جانی جاتی ہے۔ استغفر اللہ۔

نسبت نبوی کے امتیاز، فضلات مبارکہ کے مناقب وفضائل کے انبار لگائے جاتے ہیں مگر مخزن فضیلت کی حرمت میں ایک لفظ بولنا بھی گوارا نہیں بس اس نفس مقدس کی تکفیر پر ہی شوق پورا فرمایا جاتا ہے۔ یہی عجیب منطق ہے۔

صاحب مبحث کی عجیب منطق کا دوسرا تسلسل

قارئین محترم! آپ نے مذکورہ بالا عجیب منطق کا جائزہ لیا اب اسی تصویر کا ذرا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث نمبر کے حوالے سے حضرت موصوف ایک روایت تین اعتبار سے لاتے ہیں۔ جس کے راوی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔ وصال ابوطالب علیہ السلام ہوتا ہے یہ اپنے والد گرامی کی وفات کی خبر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان الفاظ میں جا کر دیتے ہیں

"إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخُ الضَّالُّ قَدْ مَاتَ"

آپ کا گمراہ چچا مر گیا ہے۔

"إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخُ الْكَافِرُ قَدْ مَاتَ فَمَا تَرَى"

بے شک آپ کا کافر چچا مر گیا ہے آپ کا حکم کیا ہے؟

"يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا"

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا چچا مشرک مرا ہے۔

ان تمام اطلاعات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے

"اِذْهَبْ فَوَارِهْ"

جا اُسے دبا آ۔

گویا ان روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غضب کا اظہار ہے نہ تو ان روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے ہیں نہ ہاتھ پھیرا ہے۔ ان روایات میں نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہاں موجودگی کا کوئی لفظ موجود ہے۔ حالانکہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے اس میں واضح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کا مفہوم ہے۔ جبکہ پہلے یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے وجود اقدس پر دست رحمت پھیرا ہے۔ سارے وجود پر پھیرا ہے سوائے تلیوں کے کیونکہ یہ یاد نہیں رہا؟ اب کیا صحیح ہے کیا غلط ہے؟ یہ تو صاحب مبحث ہی جانیں؟

مگر سر دست اتنا ضرور اندازہ ہو گیا ہے کہ پوری مبحث شریف محض تضادات کا ہی مجموعہ ہے یہ قابل اعتنا ہی نہیں اہل محبت اسے یکسر مسترد کر دیں۔

نقد و تبصرہ

صاحب مبحث اس تضاد بیانی کو حدیث جلیل کہہ رہے ہیں کہیں حضرت علی کو اپنے باپ میں گمراہی نظر آتی ہے، کہیں کفر نظر آیا، کہیں شرک نظر آیا؟ کاش یہاں بھی صاحب مبحث علیہ الرحمہ ضال کا معنی حسب روایت وہی کر دیتے جو قرآن مجید کی سورہ والضحیٰ میں لفظ ضال کا فرمایا ہے۔ تاہم صاحب مبحث علیہ الرحمہ کا تکفیر ابی طالب کی تائید میں ضعیف ترین اور واہی روایت کو حدیث جلیل کہنا صرف انہی کا خاصہ ہے کائنات بھر کے اہل علم نے کبھی بھی ایسی روایات کو جن کا علمی مقام انتہائی ضعیف ہو ان کو حدیث جلیل کا ٹائٹل نہیں دیا۔ پورا علمی ذخیرہ گواہ ہے پھر جنازے پر نہ جانے کا ذہن تراشا حالانکہ وہ روایات بھی اسی علمی ذخیرہ کا

ہی حصہ ہیں۔ جن میں باقاعدہ یہ مضمون نصاً موجود ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے جنازے پر باقاعدہ تشریف لے گئے ہیں۔ اس پورے خرام ناز میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لیے دعائیہ کلمات بھی گوہرفشانی فرماتے جارہے تھے کیا ہی اچھا ہوتا کہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ اپنی ان روایات میں شرکت جنازہ کی روایات اور ان میں دعائیہ کلمات کا موازنہ فرما لیتے؟ مگر ذہن مبارک نے تکفیر ابی طالب کی ٹھان لی تھی۔ العیاذ باللہ۔ پیش کردہ تمام روایات باطل ہیں دیکھئے نصب الرایہ تخریج احادیث ہدایہ کتاب الجنائز۔ حوالہ دیا جاچکا ہے۔ مطلوبہ مقام پر ملاحظہ کریں۔

حدیث دہم: یہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ مضمون اس کا یہ ہے۔

فتح مکہ کے بعد حضرت اسامہ نے بارگاہ عظمت میں عرض کی آقا ﷺ کل آپ کا قیام کس محلے/ مکان پر ہوگا؟ جواباً آپ ﷺ نے فرمایا: عقیل نے کوئی محلہ یا مکان چھوڑا ہی نہیں (سب بیچ دیے ہیں) اس روایت سے کفر ابی طالب کا استدلال کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا ابوطالب علیہ السلام کے مکان پر قیام نہ فرمانا ان کے کفر کی دلیل ہے۔

نقد و تبصرہ

روایت کا یہ حصہ تو اسلام ابی طالب کو بیان کر رہا ہے یعنی اگر عقیل نے مکان بیچے نہ ہوتے تو ہم یقیناً وہیں قیام فرماتے۔ مکمل تفصیلات حصہ حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث یازدہم سے لے کر پانزدہم تک یہ الاصابہ کی روایات ہیں اس حوالے سے صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے ان کو کفر ابی طالب کے موقف میں بطور دلیل تو نقل کر دیا ہے مگر صاحب اصابہ علیہ الرحمہ سے ان روایات کا حکم معلوم نہیں فرمایا کاش ایسا کر لیتے صاحب اصابہ نے روایات نقل کرنے کے بعد ان روایات کی حقیقت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ "وَاهِيَةُ الْاَسْنَادِ" کہ ان کی سندیں بے ہودہ ہیں۔ شان مجددیت کے بھرم کا عالم ربانی بے ہودہ اسناد، واہی روایات کا استعمال الزام کفر میں بطور دلیل پیش کرے تو اس سے بڑی قیامت اور کیا ہو سکتی ہے؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

حدیث چہاردہم محض واہی روایات کا مجموعہ ہے تحقیق گزر چکی ہے۔ حدیث پانزدہم کی سند ہی کوئی نہیں نہ یہاں نہ اس کے اصل ماخذ میں۔ صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے اصل ماخذ حلیۃ ابونعیم بتایا مگر یہ وہاں نہیں اسی لیے نظامیہ والوں نے کنز العمال حاشیہ میں لکھا ہے میں نے اس کے بھی کئی نسخے دیکھے مگر سند کہیں نہیں ملی۔ مزید تفصیلات حصہ حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

فصل ثالث پر نقد و تبصرہ

قارئین محترم! فصل سوم سے فصل ششم تک ان تمام میں صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے اہل علم مقتدر فقہاء کے فتاوی جات دیے ہیں

[illegible] ان میں کافر کی تجہیز و تکفین کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کہ ان کو اہانت آمیز طریقے سے دفن کیا جائے۔ تمام فقہاء نے اپنے ان فقہی جزیے میں پیش کردہ مسئلے کی قوت میں بطورِ دلیل حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات والا قصہ جڑ دیا ہے۔ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا کفر و شرک کا الزام جھوٹا ہے۔ اس کی کوئی یقینی حقیقت نہیں ان کے کفر کی بابت کائنات کے کسی شخص کے پاس کوئی مفید یقین دلیل ہی نہیں مجھے حیرت ہوئی اس بات پر کہ ان فقہاء کو پورے مکہ میں کوئی بجز کفارِ مکہ کے کافر نظر نہیں آیا۔ سوائے ابوطالب علیہ السلام کے جسے وہ بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔

بنام اہانت کافر میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کو بطورِ دلیل پیش کرنا انتہائی ظلم ہے۔ بلا دلیل ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہی فقہاء جنھوں نے قرآن وسنت میں استقراء کر کے یہ ضابطہ ترتیب دیا ہے کہ ثبوتِ الزام میں ٹھوس شواہد اور قطعی، یقینی دلائل ہی قابلِ قبول ہیں۔ دلیل میں ادنیٰ سا شائبہ بھی ہو تو الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ مگر حیرت ہے انہی فقہاء نے اپنے قائم کردہ ضابطے کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت یکسر توڑ دیا۔ نجانے کیوں۔ یہ ارتکاب کیا؟ کس دلیل سے یہ قرآنی اور نبوی ضابطہ توڑا؟

نیز حضرت علی سے مروی اس بابت تمام روایات نصب الرایہ کے مطابق باطل ہیں۔

بنام ہم نے کفرِ ابی طالب پر مشتمل آیات و روایات کا مکمل تجزیہ کر دیا ہے۔ کسی ایک آیت کا دلالت کے اعتبار سے کفرِ ابی طالب میں کوئی یقینی وجود نہیں بلکہ اور کسی ایک روایت میں بھی ثبوت کے اعتبار سے کوئی یقینی وجود نہیں۔ نجانے سینکڑوں سال بعد میں آنے والے ان فقہاء کو ان دلائل میں قطعیت کیسے نظر آ گئی؟

ایک وہم کا ازالہ

بعض اہل علم یہ علمی رعب ڈالتے ہیں کہ اگر کوئی مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو حدیث کا ضعف جاتا رہتا ہے یہ منطق بڑی عجیب ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب خود مجتہد کا اجتہاد ممکن الخطاء ہے اس میں خطا کا امکان موجود ہے تو یہ پھر کیسے مفید یقین ہو سکتا ہے؟ ہاں جس مجتہد نے کسی ضعیف واہی روایت سے استدلال کیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ہو۔ مگر اب اس صورت میں مجتہد کی اجتہادی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دلیل کی اصل قوت بیان کرے صحت سند روایت پر دلیل پیش کرے۔ ورنہ اس کا خالی اعتماد مفید یقین نہیں ہو سکتا۔ ہاں کوئی ان کا مقلد ہو تو وہ تو اپنے امام پر اعتماد کرے گا۔ مگر تحقیق کا طالب علم اس اعتماد پر اعتماد نہیں کرے گا بلکہ دلیل کی اصلی قوت صحت سند اور اتصال سند پر ہی یقین کرے گا مگر وہ بھی اس صورت میں کہ وہ سند روایت اس درجہ کی ہو کہ وہ مفید یقین ہو ورنہ بات صرف ظن

تک ہی رہے گی مگر ظن سے الزام ثابت ہرگز نہیں ہو سکتا۔

میرا پہلا مطالبہ

مبحث شریف میں بیان کردہ فقہاء اور ان کے جملہ مقلدین سے مطالبہ ہے کہ کفر ابی طالب میں دی گئی روایات کی کامل صحت، قطعیت پر مفید یقین دلائل مہیا کریں ورنہ یہ سب کچھ ہرزہ سرائی سمجھا جائے گا۔

میرا دوسرا مطالبہ

ا۔ کائنات بھر کے فقہاء اہل علم پر واضح کریں کہ جتنی بھی روایات اس ضمن لائی گئی ہیں ان میں کوئی ایک روایت بھی ایسی ہے جس کا ثبوت یقینی اور مفید یقین ہے۔؟

۲۔ ان واہی روایات میں قرآن کریم کی روشن آیات کا ناجائز استعمال کس یقینی دلیل کی بنیاد پر ہوا؟ دلیل کی وضاحت یقینی بنیادوں پر ہو۔

۳۔ مبحث میں مندرج علماء وفقہاء ان کی بیان کردہ روایتوں کے راوی بمعہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ اور کوئی بھی ایسا فقیہ محدث مفسر مجتہد ہے جو وفات ابی طالب کا عینی شاہد ہے؟ قطعاً نہیں تو پھر یہ جھوٹا الزام کس حیثیت سے لگایا کیوں لگایا؟

۴۔ پھر مبحث میں مندرج راویوں، محدثین، مفسرین، مجتہدین، متکلمین بمعہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ سے میرا سوال یہ ہے کہ آپ تو یقیناً وفاتِ ابی طالب کے عینی شاہد و گواہ نہیں تو پھر کیا آپ کو یہ سب کچھ کسی عینی شاہد نے آکر بتایا؟ قطعاً نہیں۔ اگر کسی عینی شاہد نے آپ کو آکر اس حادثہ فاجعہ کی خبر دی تو اس عینی شاہد کا مضبوط سند کے ساتھ نام تو لو۔ ہم اس سے پوچھ لیں گے۔ اگر یہ سب کچھ نہیں تو آپ کو حرم نبوت پر بہتان لگانے کی کس نے اجازت دی؟

۵۔ مبحث شریف میں مندرج روایات کے راویوں، ناقلوں، محدثوں، مفسروں مجتہدوں سے میرا سوال ہے کہ آپ نہ تو وفات ابی طالب کے عینی شاہد ہیں، نہ کسی عینی شاہد نے آپ کو اس بابت عینی شہادت سے آگاہ کیا ہے؟ آپ نے اپنی روایات میں قرآنی آیات کو بھی بیان کیا ہے؟ کیا آپ صاحب وحی ہیں؟ قطعاً نہیں! تو پھر ان آیات کے ذریعے حرمِ نبوت پر حملہ کیوں کیا؟

۶۔ مبحث شریف میں مندرج روایات کے راویوں، ناقلین، محدثین، مفسرین، مجتہدین اور متکلمین فقہاء علمائے کاملین سے میرا سوال ہے کہ جب آپ میں سے کوئی بھی وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کا عینی شاہد نہیں، نہ کسی عینی شاہد نے آپ کو شہادت علی الشہادت کی صورت میں اپنی عینی شہادت تفویض کی، نہ آپ پر وحی اتری تو پھر کیا آپ کو صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر بیان

آیات کی بابت بتایا کہ یہ آیات کفرِ ابی طالب میں اُتری ہیں؟ قطعاً نہیں۔ کسی ایک کے پاس کوئی ایک بھی یقینی دلیل نہیں۔ تو پھر حرمِ نبوت کا مذاق کس کے کہنے پر اڑایا گیا؟ یہ وضاحت معاصر اہلِ علم ہی فرمادیں اس خبر کو کسی یقینی ذریعہ علم سے حاصل کیا ہے؟ جواب آپ پر قرض ہے۔ کہاں ہے فقیہوں کی فقاہت؟

ا کہ جس نے بغیر کسی ٹھوس ثبوت اور یقینی دلیل کے حضرت ابوطالب علیہ السلام پر کفر جیسا بدترین الزام لگا دیا ہے؟

د کہ جس نے قانونِ قدرت توڑا، قانونِ نبوت توڑا، اخلاقیات کا تقدس پامال کیا، حرمِ نبوت کو ہدف بنایا، کیا قانونِ شریعت کا کوئی ایسا بھی قانون ہے کہ گھر بیٹھے بیٹھائے کسی حرمت مآب پر کفر جیسا اندھا الزام لگایا جائے۔ مہربانی فرما کر دلائل کی روشنی میں اُس قانون کی نشاندہی کرادیں۔

کہاں ہے وہ فقاہت جو چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں ہر دلیل بلکہ مدمقابل کی دلیل کی چھان بین میں انتہا کر دیتی تھی مگر حرمِ نبوت کو آگ لگانے والی روایات کی چھان بین کو ضروری نہیں سمجھا گیا؟ پر کیوں؟ یہ دوہرا معیار کیوں؟

و فقہ اکبر سے لے کر فتاویٰ رضویہ تک اور اس میں مندرج مبحث المطالب تک کوئی ایک بھی کتاب ایسی ہے جو منزل من اللہ ہو۔ یا ان کی علمی عصمت کی کوئی دلیل منزل من اللہ ہو؟ یا ان کے مندرجات سے علمی اختلاف ممنوع شرعی ہو؟ معاصر اہل علم ثابت کریں آئیں بائیں چونکہ چنانچہ نہیں چلے گا اگر ایسا کچھ نہیں تو پھر میرا علمی حق ہے کہ میں دلیل کی اصل کنہ تک پہنچوں، تقلید کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنی حقائق میں نبوی ارشادات میں مقلد کے لیے غور و فکر ممنوع شرعی سمجھا جائے۔ اب ہمیں اس سطحیت سے باہر آجانا چاہیے۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ دیے گئے فتاویٰ جات اہلِ علم کی ذاتی رائے اور سینکڑوں سال بعد کی رائے اور بلا دلیل ہے۔ ایسی رائے سے متفق ہونا کوئی ضروری نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی دینی شرعی حیثیت ہے۔ جو روایات ان میں کہیں کہیں ملتی ہیں ان روایات کا اپنا کوئی یقینی مقام نہیں اور جو دلیل خود مفید یقین نہ ہو اس پر یقین عبث ہے۔ صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے اپنی مبحث شریف میں ان فقہی روایات کو درج کر کے محض علمی رعب ڈالا ہے۔ وہ بھی پھوکا رعب ہے۔ کیونکہ بلا دلیل ہے۔ بلا دلیل دعویٰ باطل ہے۔ باطل ہے باطل ہے۔ یہ روایات بھی باطل ہیں۔ دیکھیے (نصب الرایہ)

فصلِ ہفتم پر نقد و تبصرہ

صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل کے آغاز میں اپنی مصنوعی فکر کے مطابق حرمِ نبوت پر حملہ کی مصنوعی کامیابی پر اللہ تعالیٰ

کی حمد بیان فرمائی۔ مزید اس فصل میں چند شبہوں پر تفصیلی گفتگو فرمائی کہ یہ شبہے بدعقیدہ رافضی لوگ ڈالتے ہیں۔ ان شبہوں کے حضرت نے ازالے کی صورت میں جواب شبہ داخل فرمایا ہے۔ مبحث شریف میں مسکین صرف ازالہ شبہ پر ایک انتہائی مختصر علمی جائزہ پیش کرے گا۔

قارئین محترم! آپ نے شبہ پر غور کرنا ہے حضرت کی طرف سے ازالہ شبہ کی علمی عظمت وقوت میں غور کرنا ہے۔ اور نقد وتبصرہ کی صورت میں مسکین کا جواب ملاحظہ فرمانا ہے اور پھر اپنے علمی ودینی ضمیر سے ترازو کرنا ہے بعد ازاں فیصلہ کرنا ہے۔

ا۔ شبہ اُولیٰ کفالت:۔ حضرت فرماتے ہیں کہ بعض روافض کفر ابی طالب میں شبہ ڈالتے ہیں اور ان کے مسلمان ہونے کا خیال کرتے ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی کفالت کی۔ اس بنا پر وہ صاحب ایمان ہیں۔ (روافض)

ازالہ شبہ میں حضرت جواب دیتے ہیں کہ اگر کافر نبی کی کفالت کرنے سے مسلمان ہو سکتا تو فرعون بہت بڑا مسلمان ہوتا۔ مسلمان ہونے کے لیے نبی کی اطاعت ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر پلے مگر قرآن اسے مسلمان نہیں کہتا، کافر کہتا ہے۔ قرآن نے کھلے لفظوں میں فرمایا "قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ" کہ اے موسیٰ! کیا ہم نے آپ کو پالا نہیں؟ کیا تو ہمارے گھر کئی سال تک نہیں رہا؟ یہ تھا حضرت کا زورِ قلم! جس کا سارا مدعا یہ تھا کہ پچاس سال تک ابو طالب علیہ السلام کی پرورش کرنا نبی کی یہ ان کے ایمان کی تصدیق نہیں بلکہ یہ سب بیکار رائیگاں ہے۔

ازالہ شبہ پر مسکین کا جواب

ا۔ جہاں تک حضرت نے قرآنی آیت کو پیش کر کے فرعون کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا پرورش کنندہ یقین کیا ہے۔ قرآن خود اس کی تردید کرتا ہے حضرت کا یہ سب کچھ کہنا قرآن کے ہی خلاف ہے۔

اصل صورت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ تعالیٰ دربار فرعون میں حق کا پیغام سنایا تو فرعون رعونت سے بولا

"قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ" (الشعراء)

اے موسیٰ ہم نے تمہیں پالا ہے، کئی سال تک اپنے گھر رکھا ہے۔ پھر بھی ہماری ناشکری کرتے ہو؟ (القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ نبی ناشکرے نہیں ہوتے۔ (القرآن)

رہا تیرا یہ طعنہ کہ میں تمہارے گھر سے کچھ کھاتا رہا ہوں تو یہ سراسر جھوٹ ہے۔ قرآن اسے یوں بیان فرماتا ہے۔

"وَتِلۡكَ نِعۡمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَنۡ عَبَّدْتَّ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ"

حقیقت

جس نعت کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے وہ تیری جیب سے تعلق ہی نہیں رکھتی الامگر
"أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ" وہ تو بنی اسرائیل میری قوم کی خون پسینے کی کمائی تھی۔ تیرا اس پر جبری ناجائز قبضہ ہے۔ میری
پرورش میری قوم کے سرمائے سے ہوئی ہے۔ تیرا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ (القرآن)

قارئین محترم اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے کس قدر جسارت فرمائی؟ کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ثابت کرنے میں اتنے حد سے تجاوز فرما گئے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ فرعون نے نہیں پالا مگر آپ فرماتے ہیں فرعون ہی نے پالا ہے۔ جو فرعون نے کلمات بولے قرآن نے انھیں سوال بنایا۔ فرعون کا جواب جو موسیٰ علیہ السلام بولے قرآن نے اسے بطور فیصلہ فرمایا۔ اب فیصلہ آپ پر ہے قرآن کو حق مان لو یا صاحب مبحث حضرت کو؟

ابلاغ حق کے بعد فرعون کا رویہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیسا تھا؟ سینکڑوں آیات بینات اس کی مذمت میں بول رہی ہیں کتنی مرتبہ فرعون قتل تک پہنچا۔ جبکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا رویہ نبی علیہ السلام سے اعلان نبوت سے پہلے کیا تھا اور اعلان نبوت کے بعد ان کی محبت کس معراج پر تھی موازانہ کرلیں۔ حق واضح ہو جائے گا۔

بہرحال حقیقت یہی ہے کہ صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہے کے انداز میں واضح جبری تحکم کا اظہار فرمایا ہے جس کی اُن کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں۔

شبہ ثانیہ کا ازالہ

نصرت وحمایت ہے۔ مجھے حیرت ہے اس بدیہی متواتر حقیقت کو بھی حضرت نے شبہ ہی بنا ڈالا۔ مگر اپنی پیش کردہ روایات کا شبہ حضرت کو نظر نہیں آیا۔ الاصابہ کی ایک طویل عربی عبارت لائے ہیں۔ نصرت پر مشتمل آیت کی بابت رافضیوں کے استدلال پر نقد وارد کرتے ہیں کہ نصرت کے باوجود بھی ابوطالب علیہ السلام کافر ہی رہے۔ ایک بڑے سارے اقول کے تحت چار جواب دے مارے۔

پہلا جواب

کہ نصرت وحمایت کا قصہ دربار رسالت میں پیش ہو چکا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے عرض کی کہ آقا ابوطالب آپ کی نصرت وحمایت کرتا تھا اسے کیا نفع ملا۔ جواب دیا گیا کہ وہ جہنم میں گہری آگ میں تھا مگر میں اُسے اوپر لے آیا ٹخنے تک آگ تک۔ یہ تھا شبہ کا ازالہ

مسکین کا ازالہ شبہ کا جواب

میرا حضرت کی بارگاہ میں دست بستہ سوال ہے کہ کیا آپ نے کسی یقینی دلیل سے سید بطحا، حضرت ابوطالب کو محل عذاب، محل نار ثابت کیا ہے؟ وجہ نار کی کوئی معقول اور یقینی دلیل دی ہے؟ کیا آپ کو اس روایت کے دو راویوں کا ضعیف ہونا نظر آیا ہے؟ وہ کس وجہ سے جہنم میں جائیں گے؟ اگر وہ وقت وفات والی کلمہ نہ پڑھنے والی روایات آپ کی دلیل ہیں تو رکیک واہی اور بیہودہ ہیں۔ مُبصر محسوس معاملات کو وہ بھی الزام کی صورت میں ایسے راویوں کو بیان کرنے کا شرعاً حق ہی نہیں پہنچتا۔ اگر یہ وہی باعث ہے جہنمی ہونے کا تو وہ محض مصنوعی ہے۔ اس کی کوئی دینی حقیقت نہیں۔ اگر اس کے علاوہ ہے تو اس کا بیان آپ کے ذمے ہے۔ حضرت یہ روایت تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یاد رہی مگر انہی کے حوالے سے "اَرْجُو کُلَّ خَیْرٍ" کے نبوی جملے یاد نہیں رہے نجانے کیوں؟

دوسرا جواب

شبہے کے ازالہ میں حضرت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے۔ حضرت ابوطالب لوگوں کو نبی سے دور ہٹاتے مگر خود بھی نبی سے دور رہتے۔ اتباع نہ کرتے۔

مسکین کا ازالہ شبہ کا جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول قبل از وقت ہے موصوف تو نزول آیت کے وقت ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ قرآنی آیات کا خلاصہ کفار مکہ کے حق میں نص ہے اگر اس قول کو تسلیم کیا جائے تو دو خرابیاں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ اس قول کے مطابق مذکورہ آیت کے مصداق صرف ابوطالب علیہ السلام ہیں کیونکہ اس قول کی پوری تقویم میں کسی دوسرے کافر کا اشارہ تک بھی نہیں گویا آیت کا مکمل معنی ابوطالب علیہ السلام ہیں۔ اگر یہ قول صحیح مان لیا جائے تو اس قول کے مطابق اس آیت کا مکمل مصداق ابوطالب علیہ السلام ہیں دوسرے کفار نہیں۔ یہ خلاف نص ہے کیونکہ اس طرح دیگر کفار اس آیت کے معنی سے خارج ہوتے ہیں اور قرآنی مذمت سے بری ہوتے ہیں۔ جبکہ اکثر مفسرین نے کفار مکہ ہی مراد لیے ہیں یہی اصل ہے۔ اس اعتبار سے ابوطالب علیہ السلام اس آیت کے معنی سے ہٹ گئے۔ اب صورت یہ تھی کہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بنا پر دیگر کفار معنی آیت سے ہٹ گئے اور مفسرین کی ترجیح کے مطابق ابوطالب علیہ السلام معنی آیت بننے سے ہٹ گئے۔ اب مذکورہ آیت اپنے مصداق کے اعتبار سے بے معنی رہ گئی۔ یہ محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے معنی کلام

مقتضی نہیں فرماتا۔ لامحالہ ہم نظم قرآنی میں غور کریں گے نظم قرآنی کے سیاق و سباق میں جو رویے کفار کے بیان کیے گئے ہیں جن کی مذمت قرآن کرتا ہے اور ہولناک نتیجہ ہلاکت بیان کرتا ہے ان رویوں میں سے ایک بھی رویہ ایسا نہیں جو ابو طالب علیہ السلام میں موجود ہو۔ چونکہ کفار کی مذمت ہی غلط رویوں کی بنیاد پر تھی اسی بابت قرآن کی آیات کا نزول ہوا اسی معنی میں آیات نص ہیں۔ گویا کفار مکہ ہی آیات کے قطعی مصداق ہیں اور کوئی نہیں۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کو ملوث کرنا وہ بھی ایک ذہنی اندازے کے مطابق اور بلا دلیل یہ کھلی جارحیت ہے۔ کیونکہ پوری کائنات میں کوئی ایک بھی یقینی حوالہ ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ابو طالب علیہ السلام نبی سے نفرت کرتے تھے۔ یا اُن کے دین سے دور رہتے تھے۔ رہی وہ روایات جن میں ان کے کفر پر مرنے کا مواد ملتا ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ تمام روایات اصلاً شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً مردود ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہی نہیں کیونکہ کسی بھی سند صحیح سے ثابت نہیں۔ مدعائے کلام الٰہی کے سراسر خلاف نص کے خلاف ہے۔ یہ دھڑ کٹا قول کیسے ٹھہر پائے گا۔ نہ ہی ایسا قول مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شایان شان ہے۔ اگر صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی صحت پر یقین رکھتے تو دلیل صحت مہیا کرنا ان کا منصبی فرض ہے۔ کثرتِ نقل کسی جھوٹ کو سچ نہیں بنا سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ثالثاً یعنی تیسرا ازالہ شبہ

اس جواب میں حضرت نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ اعمال کا دارومدار اچھے خاتمے پر ہے۔ فرماتے ہیں جب ابو طالب علیہ السلام کا کفر پر مرنا ثابت ہے قرآن و حدیث سے تو اگلے قصے سے سنانا حمایت و نصرت کے اور ان سے دلیل لانا محض ساقط ہے ساتھ ہی ایک حدیث جڑ دی جو تقدیر کے عنوان پر مشتمل ہے۔

مسکین کا جواب شبہ ازالہ شدہ

مسکین حضرت سے عرض پرداز ہے کہ آپ نے قرآن کی کس آیت سے ثابت کیا ہے۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کا کفر پر مرنا؟ کیا اس آیت کی دلالت معنی ابو طالب علیہ السلام میں قطعی ہے؟ یا اس کا ثبوت صرف ابو طالب علیہ السلام کے کفر میں ہے؟ اگر تو حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے ہی آپ ثابت کرتے ہیں تو پھر اس سے بڑی قیامت ہی کوئی نہیں یا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت کرتے ہیں تو اس سے بڑی اُمت کی شامت ہی کوئی نہیں۔ اگر کوئی اس کے علاوہ اور آیت آپ کے پاس ہے تو حضور عطا فرمائیں۔ تاکہ ہم لکھنے کی مزید زحمت نہ کریں۔ آپ کی پیش کردہ روایات جھوٹ کا پلندہ ثابت ہو چکی ہیں کیونکہ ان کا مبداء علم ہی کہیں نہیں۔ (فریدی)

رہا آپ کا اس ضمن ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرنا اور ابو طالب علیہ السلام کی بابت تقدیری اور حصوری تشریح کرنا تو ہمیں ہرگز قبول نہیں کیونکہ یہ روایت ایک مسلم قاعدے کلیے پر مشتمل ہے اس میں پوری کائنات کے لوگ شامل ہیں نہ کہ صرف ابو طالب علیہ السلام۔ باقی رہیں آپ کی وہ روایات جن کا مضمون کہ اللہ تعالیٰ فاسق فاجر سے بھی دین کا کام لے لیتا ہے۔ حضور والا! اب آپ کے ذمے فرض اور قرض ہے کہ کسی یقینی دلیل سے حضرت ابو طالب علیہ السلام کا معاذ اللہ فسق و فجور ثابت فرمادیں۔ ہاں حضرت ابو طالب علیہ السلام کا نصرت وحمایت رسول ﷺ، خدمت رسول ﷺ، اطاعت رسول ﷺ کرنا آپ کو فسق وفجور ہی لگتا ہے۔ یہ آپ کو مبارک ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس فرسودہ خیال سے کیونکہ آپ نے ان روایات کو اپنے مزعومہ نقطہ نظر میں بطور دلیل نقل فرمایا۔ اس لیے ہم سے سہواً تلخ نوائی سرزد ہوگئی معافی چاہتا ہوں۔ مگر حرم نبوت کا تقدس پہلی ترجیح ہے۔

شبہ ثالثہ، محبت کا ازالہ

صاحب مبحث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کی سورج سے زیادہ روشن محبت اور سمندر سے زیادہ گہری محبت اور کائنات کی وسعتوں سے زیادہ وسیع محبت اور آسمان سے زیادہ بلند محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد سب سے زیادہ محبت جو رسول دو عالم ﷺ سے تھی اس محبت کو اپنے محدود فکری وضعی پیمانوں سے صرف طبعی محبت قرار دیا ہے۔ اور اس کو یقین بوطی میں موثر نہ مانا ہے۔ اور وہ بھی بلا دلیل تو اس سے بڑا حقیقت کے ساتھ اور کیا مذاق ہوسکتا ہے؟ اور بلا جواز جسارت کیا ہو سکتی ہے؟ دلیل میں سینکڑوں سال بعد میں آنے والے اہل علم کے صرف بلا دلیل ذہنی اندازے ہی بیان فرمائے ہیں۔ معاً حسب عادت اپنے بڑے اقول کا اختراعی رعب بھی ڈالا ہے۔ اور مصنوعی حکمت دے ماری ہے۔ ذاتی مشاہدے نما جنازے کی نبوی عدم شمولیت کا ذاتی تراشہ جڑ دیا ہے۔ متبع اول یقین کے نقش اول اطاعت کے وجود اول خدمت کے امام اول نصرت وحمایت کے اسوہ کامل، حفاظت کے سائبان اول کو نافرمانی کا طعنہ دینا اور الزام دینا بھی دیانت علمی کا خون ناحق ہے۔ میں اس پر کیا نقد وتبصرہ کروں؟ مجھے تو زیب ہی نہیں دیتا کہ میں نبی کی شرع کو طبع سے یا طبع کو شرع سے مختلف کرنے کا سوچ بھی سکوں۔

حضرت سے میرا سوال یہ ہے کہ ابو طالب کو تو طبعی محبت تھی۔ فرمایئے صاحب شریعت کو ابو طالب سے کون سی شدید محبت تھی؟ شرعی یا طبعی؟ اگر طبعی تھی تو نبی نے شریعت کو کیوں توڑ طبع کے تابع کردیا کیونکہ شریعت کا تقاضا تو کفر سے نفرت کرنے کا ہے مگر نبی علیہ السلام جناب ابو طالب سے عمر بھر شدید محبت فرماتے رہے۔ وصال ابو طالب کے بعد بھی ان سے بے مثال محبتوں کو

تازہ فرماتے رہے۔ ابوطالب کو طبعی محبت کے جرم میں کفر کی سزا سنائی گئی۔ اب رسالت پناہ عالم کو اس جرم میں کونسی سزا سنائی جائے گی؟ کیونکہ دونوں نفوسِ قدسیہ کا جرم ایک ہی ہے۔ اور وہ باہمی محبت ہے۔ ابوطالب نبی نہیں جبکہ آقا علیہ السلام نبی ہیں۔ ابوطالب پر کوئی وحی نہیں آئی جبکہ آقا علیہ السلام پر اعرض عن المشرکین کی وحی بھی چار سن نبوی میں نازل ہو چکی تھی۔ اگر ابوطالب مشرک تھے تو نبوی ذمہ داری تھی کہ اس مشرک کو چھوڑ دیا جاتا۔ چھ سال تک نزول آیت کے باوجود بھی حبا شدیدا کی تفسیر نبوی عمل سے تحریر ہوتی رہی۔ اب بولیے جناب کدھر گئی شریعت؟ اگر جرم ایک ہے تو سزا بھی ایک ہی ہونی چاہیے ابوطالب طبعی محبت کرنے پر کافر ٹھہرے تو نبی طبعی یا شرعی محبت ایک کافر مشرک سے کرنے پر کیا ٹھہریں گے؟ نجانے حضرت مجدد کی شان مجددیت میں کون سا طوفان برپا تھا کہ اتنے بڑے متواتر تقدس کو بیک حکم پامال کر دیا۔ اہل علم تو نبوی خادم کی حرمتوں کے پاسدار ہوتے ہیں مگر حضرت نے نجانے حضرت ابوطالب علیہ السلام سے کونسا انتقام لینا تھا؟ کہ ایک مقدس محبت کو حیوان کی محبت سے باہم یکجا کر دیا۔ حضرت نے تو کتابوں کی تحریروں سے شریعت سیکھی ہے مگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی گواہی میں شریعت تشکیل پاتی رہی ہے۔ حضرت کی شرع میں لیاقت سے ارب درجہ بالا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شرع میں فہم و لیاقت بلند و بالا ہے۔ کیونکہ یہ شریعت ان کی آنکھوں کے سامنے پروان چڑھتی رہی ہے۔ حضرت کو یہ امتیاز چودہ سو سال بعد سوجھا ہے۔ جن کی فطرت شریعت کے نور میں نہائی ہو ان کو کسی مجدد سے شرع اور طبع میں فرق سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو اعتماد ہو، اور رسول دو عالم ﷺ کا انتخاب ہو اعتماد ہو اس پر صاحب مبحث جیسے لوگوں کا نبوی شرع اور طبع کا امتیازی تصور وضعی خیال موثر نہیں مانا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح کا واہی خیال بلا دلیل ہے۔

قارئین محترم! اعلان نبوت تک طبعی محبت سمجھ میں آتی ہے۔ اعلان نبوت کے بعد سمجھ سے بالاتر ہے۔ حیرت ہے کہ کوئی شخص کسی کی مذہبی اقدار کے خلاف کھڑا ہو جائے۔ اس کی مذہبی نظریاتی اقدار کے خلاف مہم جوئی بھی کرے دن رات اس کی مذمت بھی کرے۔ اسے زندہ دفن کرنا اپنا منصبی حق بھی سمجھے مگر پھر بھی وہ اس کی ان ساری سرگرمیوں کو برداشت بھی کرے اور ان تمام سرگرمیوں میں مکمل اور بھرپور ساتھ دے، قربانیاں بھی دے؟ اس کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ پاگل ہے یا پھر اس ایسا کرنے والے سے مکمل ہم آہنگ ہے۔ متفق ہے۔ اب حضرت ابوطالب علیہ السلام تو وہ ہیں کہ حکمتیں اور دانائیاں ان کا طواف کرتی ہیں اور نبوی سرگرمیوں میں مکمل ساتھ دینا ساتھ رہنا اذیتیں جھیلنا اس حق پر ڈٹے رہنا سب کچھ قربان کر دینا حضرت جعفر طیار بیٹے کو سوشل بائیکاٹ سے قبل ہجرت حبشہ کی اجازت دینا، حضرت علی، حضرت جعفر کو نبی کے ساتھ نماز پڑھنے دینا، اُن کی غلامی اور اُن پر قربانی کا درس دیتے رہنا، سید بطحاء کے دینی اعجاز ہیں۔ دین حقہ کی ہر طرح خدمت کرتے رہنا، دین کے

پرستاروں سے مکمل حمایت میں رہنا، یہ اتنی بڑی دینی عظمت ہے کہ اس بلندی کو آسمان کی بلندیاں بھی نہیں چھو سکتیں۔ کروڑوں مجددوں کی مجددیت اس نفسِ محترم کی گردِ راہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ باقی رہا صاحب مجث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سید بطحاء کے ایمان پر مشتمل کوئی نص صریح نہیں پہنچی جس پر حضرت سیخ پا ہو گئے اور آپ کی تکفیر فرما دی۔ اس بابت میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت سے لے کر امام بخاری تک کتنے اہلِ علم ہیں جن کی تصدیق ایمانی کسی نص قرآنی میں موجود و مرقوم ہے یا حدیث کی کسی کتاب میں بطور نص تاج دارِ نبوت نے ان کے ایمان کی تصدیقی سند جاری فرمائی ہے؟ اب اگر ایسا کچھ نہیں اور واقعی کچھ نہیں تو پھر ہم ان کے ایمان کا یقین کیسے کریں؟ نہ کوئی عینی شاہد ہے نہ ان کے ایمان کا کسی کتاب میں ثبوت ہے لیکن پھر بھی ہم اور پوری امت ان بزرگوں کو مومن یقین کرتی ہے۔ آخر وجہ کیا ہے بطورِ دلیل شرعی تو کسی کے پاس الگ سے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں تو پھر ہمارے یقین کا باعث کیا ہے بس ایک ہی صورت بچ جاتی ہے وہ ان بزرگوں کا علمی اخلاقی اور روحانی کردار ان کی تحریریں ان کی عظمت یقین کی گواہ ہیں۔ گویا ان کا کردار ہی ان کے ایمان و یقین کا گواہ ہے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ اب آیئے اسی تصورِ عظمت میں ہم حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمت کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان کا کردار سورج سے زیادہ روشن، سمندر سے زیادہ گہرا یقین، آسمانوں سے زیادہ بلند وسعت میں کائناتوں پر وسیع، عظمت کردار کا مبدا وفا کی انتہاء ہیں ہر یقین سے پختہ یقین پوری کائنات میں کوئی پیمانہ ہے نہیں جس پیمانے میں ان کے کردار کو پیار و وفا کو تولا جا سکے تو پھر کس سند سے ان کی تکفیر کرتے ہیں اہلِ علم۔؟ ذرا اہلِ علم اپنے کردار کا بوطلبی کردار کے ساتھ موازانہ کر لیں پھر فتویٰ بھی دے دیں۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک؟ کہاں حجرے میں بیٹھ کر قلم کاری کرنے والا اور کہاں پتھریلی وادیوں میں پچاس سال تک پہرے داری کرنے والا؟ کہاں فتوے لکھنے والا اور کہاں تین نسلوں کی قربانی دینے والا؟ اگر اہلِ علم کا کردار وہ بھی تحریروں کی صورت میں ان کے ایمان و یقین اور علمی عظمت کا باعث ہو سکتا ہے تو حضرت ابوطالب کا کردارِ عظیم جہاں عظمتیں بھی سلام کرتی ہیں یہ کیوں نہیں؟ ان کی عظمت یقین اور ایمان کی تصدیق ہو سکتا؟ اہلِ علم اپنی سیفٹی کو لازم سمجھتے ہیں مگر حرمِ نبوت کے تقدس کی سیفٹی کو پس پشت کیوں ڈالتے ہیں؟ کیا اہل علم کا تقدس حرمِ نبوت کے تقدس سے فزوں تر ہے۔؟ نہیں ہرگز نہیں؟ یار انصاف بھی کوئی شے ہوتی ہے میں اس شبے کے ازالے پر مزید نقد و تبصرہ کرنے پر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔ معاصر اہلِ علم سے صرف انصاف کی توقع ہی کر سکتا ہوں۔ مجث شریف میں کفرِ ابی طالب پر مبنی تمام روایات محض بیہودگی کا پلندہ ہیں اور بس۔ کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس کا ثبوت یقینی ہو بلکہ وہ ظنیت کے مرتبے سے بھی نیچے گری ہوئی ہیں۔ مگر پھر بھی صاحبِ مجث رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں یقینی مان کر ثبوت الزام میں موثر مانا ہے۔ یہ جسارت کسی بھی اعتبار سے قابلِ اعتبار نہیں۔

حُسنِ نظر ہو تو کچھ بُرا لگتا نہیں ❊ آشناؤں سے نا آشنائی کا گلہ اچھا نہیں

مقدمہ

کلمے کا تکلم نہ کرنے کی بابت تکفیر کا الزام اچھا نہیں بسا اوقات کلمہ کا تکلم کرنے والوں کو بھی قرآن نے جھوٹا کہا ہے (القرآن ، منافقون) "امنا" کہنے والوں کو قرآن نے شیطان کہا ہے۔ (البقرہ) یہاں شریعت کا ظاہر کدھر گیا؟ اب بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ شریعت ظاہر پر ہے۔ اگر ایسا ہی ہے بولیے "کاذبون" کا لفظ اور "خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ" کا جملہ ظاہر والوں پر ہی بولا گیا ہے۔ کسی باطن والے پر نہیں بولا گیا۔ دراصل بات رویوں کی ہے ان کلمہ پڑھنے والوں کو قرآن مجید نے جھوٹا اور شیطان کہا ہے۔ "ظاہری کلمہ پڑھنے والوں ہی کے لیے ہے یہ بھی قرآن کا فیصلہ ہے کیونکہ ان کے منہ سفید تھے دل کالے تھے۔ دل والے کالے ہیں منہ کالا چنگا یہ عارفوں کے سلطان نے کہا ہے۔ قرآن کریم نے بھی یہی کہا۔ "وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ" (حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ) کے ایمان کی تصدیق قرآن کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ منہ سے ظاہری طور پر حالت اکراہ میں کلمات کفر بول رہے تھے مگر پھر بھی قرآن کریم ان کے ایمان کی نصاً تصدیق فرمائی۔ تو کیا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا اکراہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اکراہ سے بھی بڑا تھا؟ حالانکہ ان کا اکراہ اپنے والدین کریمین اور اپنی ذات کی بابت تھا جبکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کا اکراہ ذات مصطفیٰ ﷺ کی جان کی بابت تھا کاش اہلِ علم اس اکراہ کو دیکھ کر ہی خاموش ہو جاتے۔ مگر ایسا نہیں کیا نجانے کیوں؟ بہرحال مذکورہ اکراہ کا معاملہ ضمناً آ گیا۔ مسکین نے تو الزام کو ابتداء ہی جھوٹا قرار دیا ہے۔ غیر ثابت قرار دیا ہے۔

شبہ رابعہ

نعت: یہاں بھی صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے حسب عادت اقول سے رُعب ڈالا ہے۔ نعت پڑھنے کو بھی زد میں لائے ہیں کہ ابوطالب علیہ السلام نے جو نعت پڑھی ہے وہ ان کے ایمان کی بابت قابلِ قبول نہیں کیونکہ اس طرح تو ہندوؤں نے نعتیں لکھی ہیں۔ حیرت ہے امام موصوف علیہ الرحمہ نے عجیب منطق استعمال فرمائی ہے۔ اپنے تکفیری مخمصے میں تو کوئی مفید یقین دلیل پیش نہیں کر پائے۔ نعت پر چڑھ دوڑے کہ اس سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ خود برصغیر کے عظیم نعت خوان، نعت گو معروف ہوئے ہیں۔

سیدِ بطحاء کا موازانہ ہندوؤں سے کر ڈالا۔ کیا صاحب مبحث یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہندوؤں کی نعت گوئی اور سیدِ بطحاء کی نعت گوئی یکساں ہے؟

کیا کسی ہندو نے یہ کہا ہے؟

ملیكُ النَّاسِ لَیسَ لَهُ شَرِیكٌ وهُوَ الْوَهَّابُ وَالْمُبْدِیُ وَالْمُعِیدُ
مِن تحتِ السماء له بحق و من فوق السماء له عبیدٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں وہ پوری کائنات کا مالک ہے جو آسمان کے نیچے ہے اسی کے حضور سجدہ ریز ہے اور جو آسمان کے اوپر ہے اسی کی بندگی میں جھکا ہوا ہے۔

"یَاشَاهِدَ الْخَلْقِ فَاشْهَدْ اَنِّیْ عَلٰی دِیْنِ النَّبِیِّ اَحْمَدْ
مَنْ ضَلَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنِّیْ مُهْتَدِیْ یَا رَبِّ فَاجْعَلْ فِی الْجِنَانِ مَقْعَدِیْ"

ترجمہ:۔ اے مخلوق کے شاہد حقیقی تو گواہ ہو جا میں نبی احمد ﷺ کے دین پر ہوں کوئی اس دین سے گمراہ ہے تو ہوا کرے بیشک میں تو اس دین کی ہدایت پر ہوں اے رب میرا ٹھکانہ اپنی جنت میں بنانا۔

قارئین محترم! آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ دراصل بات رویوں کی ہے۔ اسی پر جزاو سزا کا قانون بنایا گیا ہے۔ چیلنج کرتا ہوں پوری کائنات میں کوئی ایک ایسا شخص مہیا کر دیں جس کے دامن میں اتنی وفائیں ہوں جتنی حضرت ابوطالب علیہ السلام میں ہیں۔ کوئی ایسا مائی کا لال سامنے آئے وہ نقوش وفا اور خطوط عشق قائم کر کے دکھا دے جو حضرت ابوطالب علیہ السلام نے قائم کیے ہیں۔ اور یہ سب کچھ مکمل تواتر سے ثابت ہے۔ منکرین کے پاس کونسا تواتر ہے جو مفید یقین ہو سکے۔ سامنے لائیں۔ ہم قلم روک لیں گے۔

صاحبِ مبحث کا انوکھا اجتہاد

صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے اپنے اجتہاد کی ایک عبارت نقل فرمائی ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ سید بطحاء کے نعتیہ اشعار میں جہاں شہادتیں کے اظہار کا معنی ملتا ہے اس کی حیثیت محض کفار کے یقین کی سی ہے کہ انھیں بھی یقین تو تھا کہ نبی برحق ہیں مگر عناداً حق کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ابوطالب علیہ السلام نے خود اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مجھے قریش سے عار نہ ہوتی طعنہ زنی کی تو میں اسلام لے آتا۔

مسکین کی طرف سے جواب بعون الوہاب

قارئین محترم! مذکورہ بالا بیان الاصابہ سے تراشا گیا ہے صاحب الاصابہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال ذاتی ہے اور واہی بیہودہ ہے کیونکہ بلا دلیل ہے بلکہ الزام ہے سید بطحاء پر۔ کفار کا عناد تو عیاں ہے کہ انھوں نے رسول اسلام ﷺ کے ساتھ کیا کیا ظلم کیے؟ کیا

حضرت ابوطالب نے بھی کوئی ایسا ظلم کیا ہے؟ حضرت ابوطالب علیہ السلام تو کفار کے ظلموں کو اپنی ذات پر برداشت کرتے رہے نبی ﷺ کی ڈھال بنے رہے سینکڑوں سال بعد نجانے ابن حجر کو ابوطالب علیہ السلام کے قلب مصفیٰ میں کیسے عناد نظر آ گیا؟ جس قلب منور کی وسعتوں میں ذات مصطفیٰ ﷺ کی عظمت ومحبت کے سوا اور کچھ نہ تھا ہم ابن حجر کے کہنے پر وہ بھی بلا دلیل کیسے اعتماد کر لیں؟ صاحب مبحث تو فضول اعتماد کر سکتے ہیں کیونکہ یہ بات ان کے مصنوعی نقطہ نظر کے قریب تر ہے۔ مسکین اس فحش کا اس لیے اعتماد نہیں کرتا کہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے بھی اپنا ایک ذاتی اندازہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ بھی مخزومی تھا اور ابوجہل بھی مخزومی تھا اس لیے ہوسکتا ہے مخزومی ہونے کی نسبت سے ابوجہل کی طرح حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ بھی وفات ابوطالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود ہو۔ یہ ہے صاحب اصابہ کے اندازے کا حال تو ایسے بے جا اندازوں پر تحقیق کا ایک ادنیٰ سا طالب علم کیسے اعتماد کرے۔ ایسے بیہودہ اندازوں نے ہی اُمت کو اُمت نہیں رہنے دیا بلکہ فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے لہٰذا ایسے فحش اندازے ہرگز قابل قبول نہیں۔

رہی سید بطحاء کی طرف منسوب عار اور طعنوں والی بات تو یہ نرا جھوٹ ہے۔ جو کبھی بھی پورے مکہ کے انتقام سے خوف زدہ نہیں ہوا وہ زنانیوں کے طعنے اور بے جا فحش گوئی متاثر نہیں کر سکتے۔ یہ طعنوں والی باتیں نازنین مزاجوں نے خود جوڑی ہیں سید بطحاء جیسے صاحب وجاہت ایسے ہلکی باتیں نہیں کر سکتے۔ اگر اس بات کا کسی کے پاس کسی یقینی دلیل سے ثبوت ہے تو لے آئے ہم حاضر ہیں۔ تاہم حضرت کا یہ اجتہاد فضول ہے اور بلا دلیل ہے۔

شبہ خامسہ کا ازالہ: حضور کا استغفار فرمانا

صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے اس عمل کو بھی شبہ قرار دیا ہے کہ حضور ﷺ ابوطالب کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے کہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ابوطالب علیہ السلام کافر ہیں تو ان کے لیے نبی نے مغفرت کی دعا کیوں کی؟ ازالہ شبہ میں اقول کے ساتھ فرمایا کہ اولاً اس کا جواب اللہ تعالیٰ دے چکا ہے کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ کہ "مَالَمْ اُنْهَ" حدیث کا جملہ ہے کہ جب تک میں منع نہ کیا جاؤں تب تک ابوطالب علیہ السلام کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا۔ ثانیاً یہ وعدہ ہی انکار حق کر کیا گیا تھا دیکھو حدیث دوم پھر اسے دلیل اسلام ٹھہرانا عجیب ہے۔

جواب ازالہ شبہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے خود مانا ہے کہ مسلسل بارہ سال تک نبی کریم ﷺ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے لیے نبوی زبان سے مغفرت کی دعا فرماتے رہے۔ حیرت ہے کہ خود ہی اقرار فرمایا خود ہی اسے شبہ قرار دیا اور خود ہی اس کا ازالہ فرما دیا۔

اب میں معارضۃً عرض کرتا ہوں اگر ایسا ہی ہے تو اب اسلام ابی طالب میں شک کی کوئی گنجائش نہیں
خود امام موصوف یہ بھی مانتے ہیں کہ اس آیت کا نزول ایک مرتبہ مکہ میں بھی ہوا بارہ سال پہلے
پہلے عدم استغفار للمشرکین کی آیت نازل ہوئی تو حکم آیا کہ کسی مشرک کے لیے مغفرت کی دعا کرنا نبی
نہیں۔ یہ حکم ربی تھا۔ جان من! اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام واقعۃً مشرک ہوتے تو یقیناً
کیونکہ منصب نبوت کے یہی شایان شان ہے۔ نبی پر اب رُک جانا واجب تھا۔ مگر پھر بھی
الرحمہ کے نبی بارہ سال تک ابوطالب علیہ السلام کے دعائے مغفرت مانگتے رہے۔ نزول آیت کے باوجود بھی دعا کا تسلسل
رہا۔ گویا نبی کے نبوی یقین کے مطابق حضرت ابوطالب علیہ السلام یقیناً مسلمان رہے۔
مکہ میں نزول وحی کے بعد بھی نبی کا دعا کرنا ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کی واقعۃً دلیل ہے کیونکہ
کہ وحی پر۔ بعد ازاں جو مشرک تھے ان کے لیے دعا ممنوع ہوگئی۔ مسلمان کے لیے جاری و ساری رہی۔

اب یہ سوال ہے کہ چلو بارہ سال بعد تو منع کر دیا ہے ناں! میں معارضۃً کہوں گا کہ اگر ایسا ہی ہے تو درمیانی بارہ سال نافرمانی کہہ
جائے گی اگر فرمانبرداری تھی تو اس سے روکا کیوں گیا؟ کیا نبی بارہ سال تک وحی الٰہی سے نعوذ باللہ کھیلتا رہا؟ اور بارہ سال تک اللہ
تعالیٰ اس جسارت پر خاموش رہا؟ پھر خاموشی توڑی؟ یہی آیت کریمہ نبی کو اپنی ماں مبارکہ کی بابت بھی مغفرت کی دعا سے روکتی
ہے۔ ابوطالب کے ذمے تو انکار کا جرم لگایا گیا مگر مادرِ نبی کے ذمے محدثین و مفسرین نے کونسا جرم لگایا؟ حالانکہ مادر نبی کی بابت
روایات سید بطحاء کی تکفیر پر مشتمل روایات سے زیادہ بھی ہیں اور زیادہ مضبوط بھی ہیں ہزاروں مفسرین نے ان کو باقاعدہ اس
ضمن میں نقل کیا ہے۔ اپنی اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت کا یہ شانِ نزول کیوں نہیں قبول کیا جاتا اس پر شمول الاسلام جیسی کتاب کیوں
لکھی جاتی ہے؟ رد میں صرف احیائے ابوین والی اضعف ترین روایت ناسخ مانی جاتی ہے۔ حالانکہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا ضعیف
ترین روایت قرآن کی ناسخ نہیں ہوسکتی اگر آپ کے ہاں ہوسکتی ہے تو ایک نسخ اور بھی مان لیجئے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ
عبدالمطلب کے زندہ کرنے کی بھی ایک روایت ایسی ہی ملتی ہے اس روایت کو بھی ناسخ مان لیا جاتا۔ ان واہی روایات کا جو
آپ نے کفرِ ابی طالب میں بطور دلیل نقل فرمائی ہیں یہاں نسخ میں کونسا علمی مانع ہے؟ جبکہ مادر نبی والی روایت سے عدول
غیر علمی ہے بلا دلیل ہے بنسبت سیدِ بطحاء کے۔ حالانکہ تکفیر والدہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت آسان ہے بنسبت تکفیر ابوطالب کے کیونکہ
دلائل مضبوط تر ہیں۔

نوٹ:۔ شبہ سادسہ حکایت جامع الاصول
شبہ سابعہ عبارت سفر السعاف

شبہ ثامنہ وصیت نامے کا جواب فصل نہم میں دیا جائے گا۔ انتظار فرمائیں۔ (فریدی)

شبہ تاسعہ کے ازالے کا جواب:

اس شبے میں صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے جناب سیدنا عباس والی مشہور روایت جس میں کلمۂ طیبہ کی تصدیق موجود ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کلمہ پڑھا ہے تلقین نبی پر اس روایت کی تردید میں حضرت نے قریباً سات اعتراض کیے ہیں۔

۱۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے۔

۲۔ یہ روایت اصح روایات کے خلاف ہے لہٰذا شاذ ہے اور منکر ہے۔

۳۔ خود قرآن اسے رد فرما رہا ہے۔

۴۔ اس میں ایک علت قادحہ ہے۔

۵۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما تحمل روایت کے وقت مسلمان نہ تھے۔

۶۔ حالت غرغرہ کا ایمان قبول نہیں۔

۷۔ تقریر کی ادھوری تشریح۔

۱۔ ابہام راوی کا جواب

راوی کا ابہام روایت کی سند میں "عَنْ بَعْضِ اَهْلِهٖ" کے جملے سے ہوا۔ "عن عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب" کہ عباس بن عبداللہ بن معبد نے اپنے بعض گھر والوں سے یہ حدیث سُنی۔ "عن بعض اهله" ان کا مستقل سلسلہ روایت وسند ہے اور کہیں بھی قابل اعتراض نہیں۔ رہا ان گھر والوں میں کون کون افراد ہیں تو وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔

(۲) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس ہیں۔

(۳) عبداللہ بن معبد بن عباس ہیں۔ ان سب سے عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب کا سماع باقاعدہ ثابت ہے۔

(۴) ان کے علاوہ تمام اہلِ بیتِ نبوت ہیں۔ دار الفقہاء کے تمام فقیہ ہیں جو عن بعض اہلہ کے جملہ کے مصداق ہیں۔ اب بولیے ابہام کہاں رہا؟ مزید تحقیق باب حدیث عباس بن عبدالمطلب میں ملاحظہ فرمائیں۔ صاحب مبحث علیہ الرحمہ کو اس روایت میں تو راوی مبہم نظر آ گیا مگر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی اور ابوہریرہ والی مصنوعی روایت کا راوی ہضم شدہ نظر نہیں آیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں کچھ مبہم نظر نہیں آیا ہم نے الحمدللہ ابہام دور کر دیا اب صاحب مبحث کا

بھی فرض ہے وہ اپنی پیش کردہ روایات کا ابہام وانہضام دور فرمائیں۔

(۲) اصح روایات کی مخالفت کا جواب

صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے جن روایات کو اصح اور صحیح تر کہا۔ اصح تو دور کی بات ہے یہ انھیں صحیح بھی ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے پاس ان روایتوں کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔ بارہا مرتبہ میں اصرار کر چکا ہوں کہ کوئی معاصر حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ والی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت جن میں آیات بھی گھسیڑی گئی ہیں ان کو مفید ظن ہی بنا دے ان کو حدیث صحیح کا درجہ دینا تو دور کی بات ہے یہ تو روایت کہلوانے کی بھی شرعاً حق دار نہیں۔ اس کی تفصیل بہت جگہ گزر چکی ہے وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ صحیح کہا حضرت نے کہ عباس بن عبد المطلب کی روایت ان روایتوں کی ٹکر کی روایت نہیں مگر حق بیان کرنے میں ان کی قلم لغزش کھا گئی۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ ہماری روایات اس اہل نہیں کہ ہم ان کو عباس بن عبد المطلب والی روایت سے معارضۃً لا سکیں کیونکہ ان کی صحت کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ نہ ان کے رواۃ غیر متکلم فیہ ہیں نہ ہی ان کے رواۃ کے دو راوی یہ روایتیں نقل کرنے کے شرعاً اہل ہیں کیونکہ وقوعہ مُبصَر محسوس تھا اس پر عینی شاہد ہونا ضروری تھا مگر کوئی بھی راوی ان کا عینی شاہد نہیں نہ ہی یہ صاحب وحی ہیں نہ ہی ان کو صاحب وحی نے یہ وقوعہ بیان فرمایا ہے نہ ہی کسی اور نے ان کو اس وقوعہ کی خبر دی۔ ایک راوی یمن میں تھا اور دوسرا ابھی وقوعہ پر موجود نہیں تھا۔ ایک پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ ان آیات کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ اصل گفتگو حضرت کی یہ بنتی تھی مگر تسامحاً دوسری نکل گئی۔ یقیناً حضرت کی مردود روایات حضرت عباس بن عبد المطلب کی صحیح لذاتہ روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) قرآن نے خود تردید کی ہے کا جواب

حضرت کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کے لیے عدم استغفار کا حکم فرمایا ہے اگر وہ مشرک نہ ہوتے تو نبی ﷺ کو ان کے لیے استغفار سے کیوں روکا جاتا۔

الجواب بعون الوہاب

بارہا مرتبہ اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ جن روایات میں عدم استغفار کا واویلا کیا گیا ہے وہ محض واہی ہیں ان کا مرتبہ روایت سے شرعاً متعلق نہیں۔ حضرت بلاوجہ تکلف میں پڑ گئے ہیں۔ ایک بڑے اقول میں محسنہ عالمین حضرت آمنہ علیہا السلام کی عدم استغفار کی روایت بھی جڑ دی متاخر اہل علم کے جواب کا ذکر کر دیا۔ چلو ہم ذرا تھوڑی دیر کے لیے اس طرف آتے ہیں۔ متاخرین

مقدمہ

بل علماء نے اس روایت کا کوئی جواب نہیں دیا محض اتنا کہا یہ آیت والدہ رسول ﷺ کے لیے نازل نہیں ہوئی بلکہ ابوطالب علیہ السلام کی بابت نازل ہوئی ہے۔ اس پر کوئی علمی دلیل نہیں دی محض ذاتی اندازے سے کہا اور اس ترجیح پر نہ وجہ ترجیح بتائی نہ دلیل ترجیح دی۔ نہ ہی حضرت نے کچھ ایسا علمی، تحقیقی قدم اٹھایا کم از کم کچھ تو علمی بات فرماتے۔

الحمد للہ! جس طرح فقیر نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت مصنوعی در آمدی روایات کا حشر کیا ہے اس سے بھی کہیں زیادہ والدین مصطفیٰ ﷺ کے خلاف آنے والی روایات کا کیا ہے۔ قریباً 2700 کے قریب صفحات پر مشتمل فقیر کا یہ کام ہے۔ جس کی دو جلدیں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں:

۱۔ وجاہت والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم۔

۲۔ عصمت والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم۔

۳۔ حرمت والدین مصطفیٰ ﷺ اور قرآن عظیم۔

۴۔ عظمت والدین مصطفیٰ اور قرآن عظیم جو کہ زیر ترتیب ہے۔ انتظار فرمائیں اور دعا بھی۔ اور توجہ بھی فرمائیں کہ زرِ کثیر کے اخراجات ہیں اہل محبت سے محبت کی اپیل ہے۔

(۴) علت قادحہ کا جواب

صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے مطابق حضرت عباس بن عبدالمطلب کی ثبوت ایمان والی روایت میں علت قادحہ یہ ہے کہ خود حضرت عباس نے یہ بات دربار نبوت میں عرض کی کہ آقا ابوطالب علیہ السلام آپ کی حمایت کرتے تھے کیا آپ نے انھیں کوئی نفع دیا؟ تو فرمایا کہ ہاں وہ جہنم کی نچلی سطح پر تھا میں نے اسے ٹخنوں تک لا کھڑا کیا یعنی آگ سے نکال کر آگ میں ہی کھڑا کر دیا۔ یعنی ذرا اوپر لے آیا۔ یہ اگر عباس نے کلمہ سنا ہوتا تو یہ سوال کیوں کرتے؟

الجواب بعون الوہاب

اس روایت کے بہت سے جواب دیے جا چکے ہیں۔ یہاں مختصر عرض ہے کہ جس الزام کی صورت میں اس سزا کا تصور دیا جاتا ہے اول اصلاً جھوٹا ہے غیر یقینی ہے تو کیا شان نبوت کی عصمت کے مناسب ہو سکتا ہے کہ بغیر ارتکاب جرم کے نبی کسی کو سزا دیں؟ حیرت ہے صاحب مبحث شریف کو یہ علت قادحہ تو نظر آ گئی مگر اپنی پیش کردہ روایت کا سقم نظر نہیں آیا؟ کہ

۱۔ یہ روایت غیر محل میں وارد ہے۔

۲۔ یہ ایک اُموی فاتر العقل متعصب راوی کی روایت کردہ ہے جو کہ ہرگز قبول نہیں۔

۳۔ اس میں بھی ایک علت قادحہ ہے کہ انہی حضرت عباس بن عبد المطلب سے ایک یہ روایت بھی منقول ہے کہ سیدنا حضرت عباس نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ آقا آپ کا عم محترم ابو طالب علیہ السلام آپ سے پیار کرتا تھا کیا اس کے لیے کوئی بھلائی ہے؟ تو جواب میں زبان نبوت سے یوں گوہر فشانی فرمائی گئی

"قَالَ كُلُّ الْخَيْرِ اَرْجُوْ مِنْ رَبِّيْ "میں اپنے رب سے تمام بھلائیاں لاکر دامن ابو طالب علیہ السلام کو ہر خیر سے بھر دوں گا۔

اس روایت کو ابن عساکر نے پوری سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

بولیے جناب کدھر گئی حضرت کی علت قادحہ اب اس بابت جو حضرت کا جواب ہوگا اس سے چار گنا زیادہ فقیر کا جواب ہوگا۔ سر دست یہاں مزید کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ حصہ مسکین کی تحقیق کا محض مقدمہ ہے۔ بعد ازاں حضرت نے بڑے اقوال کے ساتھ پھر رُعب ڈالا ہے کہ اس روایت میں چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں حالانکہ ان کا مشہور قول آیت ثالثہ میں گزر چکا ہے۔ اور سند صحیح کے ساتھ ہے کہ وہ ابو طالب ہی کو آیت کا مصداق معنی جانتے ہیں کہ" وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ" کہ لوگوں کو منع کرتے ہیں ایذائے نبی سے مگر خود ان سے نفرت کرتے ہیں۔ مزید ایک روایت جو حدیث ہشتم کے عنوان سے گزر چکی ہے اس میں ابو طالب کا ناری ہونا صریح الفاظ میں موجود ہے۔

"اَقُوْلُ" کا جواب:

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت کے ضمن میں قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بہر اعتبار مردود ہو چکا ہے۔ نہ سند متصل ہے نہ مضمون قرآن سے کسی طرح مطابقت رکھتا ہے نہ ان کا یہ قول لگتا ہے کیونکہ کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

۲۔ یہ قرآن کے متعینہ معنی کے خلاف ہے۔

۳۔ یہ ایک ہی وقت میں ایک وجود میں دو نقیضین پیدا کر رہا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ خود دفاع نبوت کی صورت میں مشیت الٰہی کا مظہر بنے ہوئے ہیں پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پچاس سال کی بے مثال قربتوں میں بھی نفرت ہی کارفرما رہے۔ یہ دوہرا معیار اللہ تعالیٰ کے اعتماد سے محال ہے۔

۴۔ بات یہ ہے کہ کفار مکہ کی بابت یہ آیت ان کی مذمت میں نص ہے۔ یہ غیر صحیح قول اس نص کا نہ معارض ہو سکتا ہے نہ مبین ہو سکتا ہے۔ قرآن کی نص اپنے معنی میں قطعی ہے یہ قول ظنیت کے مرتبہ پر بھی نہیں۔ خلاف نص قرآنی ہے کیونکہ نص قرآنی نے کفار کے معاندانہ رویے کی مذمت کی ہے۔ قاتلوں کی مذمت کی ہے قرآن کا مذاق اڑانے والوں کی مذمت کی ہے مجرموں کی مذمت کی ہے۔ جبکہ حضرت ابو طالب محسن پیکر نبوت ہیں حافظ پیکر نبوت ہیں، ناصر پیغام نبوت ہیں، حامی ذات نبوت ہیں

قرآن ایسے نفوس قدسیہ کی مذمت نہیں کرتا کیونکہ قرآن خود ان حسین خدمتوں کی دعوت دیتا ہے ان پر اجر جزیل کی نشاندہی کرتا ہے کہاں کفار مکہ کی عداوت اور کہاں سید بطحاء کی محبت۔

(۵) تحمل روایت کے وقت حضرت عباس مسلمان نہ تھے کا جواب

امام بیہقی کے قول کو تمام اہل علم نے بیان کیا ہے خود صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے بطور خاص بیان فرمایا ہے۔ اگر حضرت عباس بن عبدالمطلب مسلمان ہو تو یقیناً ان کی گواہی ایمان ابی طالب میں قبول ہوتی چونکہ وہ تحمل روایت کے وقت مسلمان نہ تھے بنا بریں ان کی گواہی قبول نہیں۔

الجواب بعون الوہاب

مجھے اس اعتراض پر بار بار ہنسی آتی ہے۔ اگر اہلِ علم کا یہی معیار ہے تو یہ دوہرا معیار ہے کیونکہ جن روایات کو دلیل بنا کر یہ اہل علم بزم نبوت پر حملہ آور ہوتے ہیں وہ بھی اس اعتبار سے مذکورہ روایت سے مختلف نہیں۔ ان روایات کے راوی بھی تحمل روایت کے وقت مسلمان نہ تھے۔ حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ طلوع اسلام کے 21 سال بعد اسلام لائے وقوعہ کے گیارہ سال بعد ایمان لائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ وفاتِ ابی طالب کے وقت یمن میں تھے دس سال بعد اسلام لائے۔ حیرت ہے تحمل روایت کے وقت مبحث شریف والوں کو کفر عباس تو یاد رہا مگر اس وقت کفر مسیب اور کفر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یاد نہ رہا؟ حالانکہ الزام پر مبنی دلائل میں حد سے زیادہ احتیاط ہوتی ہے مگر اہلِ علم نے ایک نفس زکیہ عظمت محترم کی تکفیر کے شوق میں سب کچھ بھول گئے۔ رہا ادائے روایت کا معاملہ تو وہ بھی بڑی عجیب کہانی ہے جو کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت عباس کا اسلام ان ہر دو راویوں سے بہر حال کئی سال پہلے کا ہے۔ آپ قدیم الاسلام ہیں۔ اس پر تحقیق گزر چکی ہے۔ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ عینی شاہد کی بات قابل قبول نہیں مگر جن کو واقعہ کی نوعیت کا ہی صحیح علم نہیں ہزاروں میل دور بیٹھنے والے کی بات قبول ہے جو قرآن کے بھی خلاف ہے شریعت کے بھی خلاف ہے۔ یہی دوہرا معیار ہے یہی جبری تحکم ہے۔ تحمل روایت کے وقت جناب عباس کا مسلمان ہونا ثابت ہو چکا ہے اس پر میں نے دو گواہ بھی دیے ہیں۔

بنا بریں ہم اس دوہرے معیار کو مسترد کرتے ہیں۔ رہی یہ نکتہ آفرینی کہ نبی کا نہ سننا ہی گواہی کو مسترد کر دیتا ہے۔ یہ بھی سیاسی پینترہ ہے۔ ایک ہے کانوں تک آواز کا نہ پہنچنا جو اس روایت میں موجود ہے اور ایک ہے دانستہ سماعت سے انکار کرنا جو یہاں اس روایت میں ہرگز مفہوم نہیں ہوتا۔۔۔۔ نہ موجود ہے قرائن اسی کی تصدیق کرتے ہیں تو اس سے گواہی کا مسترد کیا جانا کیسے اہلِ علم نے کشید کر لیا ہے؟ پھر اگر بارگاہ نبوت میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی گواہی قبول نہ ہوتی تو نبی فرماتے کہ مجھے

ان کا یہ کلمہ پڑھنا قبول نہیں۔ یہاں تو کلام ہے کہ میں نے نہیں سنا اس سے تو واضح ہو گیا کہ اچھا چچا جی آپ نے سن لیا ہے تو ٹھیک ہے مگر میرے کانوں تک آواز نہیں پہنچ پائی ان جملوں سے گواہی کو بلا دلیل مسترد کرنا قطعاً صحیح نہیں۔

(۶) حالتِ وفات کیسی تھی کا جواب

صاحب مبحث علیہ الرحمہ اب دلائل سے اُتر کر ذاتی اندازوں میں تشریف لے آئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر کلمہ پڑھنا تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ روایت دفع کفرِ ابی طالب نہیں ہو سکتی۔ صورت اس کی یہ ہے کہ جب کلمہ پڑھا گیا تو نجانے حالت کیا تھی غرغرہ کے بعد کی تھی یا پہلے کی تو اس میں حضرت کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دلالت حال خود گواہ ہے، جنت کے انگور مانگے جا رہے ہیں، طرز تکلم خود گواہ ہے کہ گفتگو اس وقت ہو رہی تھی کہ حواس بالکل قائم تھے ورنہ مجمع میں بیٹھے لوگوں کی گفتگو کا جواب بنا ممکن نہ ہوتا۔ گویا یہ تکلم شریف حالت غرغرہ سے پہلے ہی ممکن ہے۔ غرغرہ کے بعد اکثر اوقات حواس معطل ہو جاتے ہیں اور غرغرہ سے پہلے کا ایمان حضرت کو بھی قبول ہے اس پر کوئی قدغن نہیں کیونکہ "مالم یغرغر" آپ کی نقل کردہ روایت یہی معنی دے رہی ہے کہ غرغرہ سے پہلے کا ایمان مقبول و محمود ہے۔ رہا حضرت کا بار بار زور دینا کہ اس صورت میں اگر پہلی حالت مان لی جائے تو آیات اور حدیث صحیحہ مفروض میں ٹکراؤ اور تناقض ہو گا یہ حضرت کا اپنا ذاتی خیال ہے بلکہ وہم ہے کیونکہ کفرِ ابی طالب میں نہ کوئی صریح آیت آئی ہے جس کی دلالت ان کے حق میں قطعی ہو اور نہ ہی کوئی روایت ایسی ہے جس کا ٹوٹ جانا سامنے آتا ہو کیونکہ تمام روایات اس ضمن میں بالکل واہی ہیں اور ان میں آیات کا ناجائز استعمال اس سے زیادہ عجیب تر ہے۔ جب ایسا ہے تو اس فضول الزام کی صورت میں ان واہی روایتوں کا ٹوٹنا بھی لازم ہے اور توڑ دینا بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے ذریعے حرم نبوت پر بلا جواز حملہ کیا گیا ہے اور یہی جبری تحکم ہے جو ہرگز برداشت نہیں۔ صورت غرغرہ کو ترجیح دینا صاحب مبحث کا ترجیح بلا مرجح ہے نہ وجہ ترجیح دی نہ دلیل ترجیح دی۔ بلا دلیل ترجیحات بے معنی ہوا کرتی ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے عجیب منطق تراشی کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کو بھی چچا مان گئے کہ ان کا مشاہدہ بھی درست ہے ان کی روایت بھی درست ہے مگر پھر بھی فرماتے ہیں کہ ابو طالب کی موت کفر پر ہی بدستور رہی۔ یہ دوہری منطق سمجھ سے بالاتر ہے۔

(۷) دل کا حال اللہ جانے کا جواب

صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے اس مخمصے پر مجھے حیرت ہوئی کہ فرماتے ہیں چلو مان لیا کہ کلمہ پڑھنا حالت غرغرہ سے پہلے کا ہی تھا کیونکہ غرغرہ کے بعد تو بالاتفاق ایمان مقبول نہیں مگر یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ کلمہ پہلے پڑھا گیا۔ رہی عباس بن عبدالمطلب کی

مقدمہ

گواہی بھی درست ہے مگر ہے تو ظاہری گواہی؟ دل کے حال کا عالم خدا جانے؟

ہمارا سوال یہ ہے کہ دل کا حال اللہ ہی جانتا ہے تو یقیناً ایسا ہی ہے مگر آپ کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دل کی دنیا میں کفر کیسے نظر آیا کہ آپ ان کے کفر کے ثبوت میں تُل گئے اور ایک کتاب لکھ ماری وہ بھی تضادات کا مجموعہ نکلی۔ آپ نے کب سے قلب ابو طالب علیہ السلام میں جھانک کر کفر تلاش کر لیا ہے؟ جب آپ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ابوطالب علیہ السلام ساتر الایمان تھے بیا کہ آپ کے بعض ماننے والے کہتے ہیں تو پھر آپ بھڑک کر مطالبہ کرتے ہیں کہ شریعت ظاہر پر ہے کلمہ کا تکلم ابوطالب پر ضروری تھا جو نہیں کیا لہٰذا کافر ٹھہرے؟ اور جب آپ کو ظاہری تکلم کا حوالہ دیا جاتا ہے جسے آپ بھی مانتے ہیں تو پھر آپ جلال میں آکر فرماتے ہیں کہ نہیں ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں دل کا حال اللہ جانتا ہے۔ گویا آپ کے مطابق ابوطالب علیہ السلام ظاہری مومن تھے مگر آپ ان کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے یہ اشارہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ دل سے مسلمان نہیں تھے تبھی تو آپ نے ان کے کفر پر مبحث ابی طالب لکھ دی۔ اور اپنے اس اختراعی نظریہ میں سورہ منافقون کی آیات بطور حوالہ دے کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام منافق بھی تھے اور کافر بھی۔ العیاذ باللہ۔

یہ زبانی کلمہ پڑھنے والا لاکھ مرتبہ بھی آپ کے مطابق کلمہ پڑھتا رہے تو آپ کے مطابق وہ مسلمان نہیں۔ کیونکہ آپ نے واضح لکھا ہے کہ ایمان زبانی کلمہ خوانی کا نام نہیں تو پھر آپ حضرت ابوطالب علیہ السلام سے زبانی کلمہ پڑھنے کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ حیرت ہے کہ آپ نہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دل سے کلمہ پڑھنے پر راضی ہیں نہ زبانی پڑھنے پر راضی ہیں تو پھر آپ کس پر راضی ہیں؟ محض ان کی تکفیر کرنی ہے بہر صورت کرنی ہی ہے اگر وہ دل سے کلمہ پڑھیں تو بھی وہ کافر ہیں اور اگر زبان سے پڑھیں تو بھی کافر ہیں۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر بنایا یہ محض جھوٹ ہے افتراء ہے بہتان ہے ظلم ہے۔ بربریت ہے سفا کی ہے۔ ہاں صاحب مبحث پر کوئی ایسی وحی نازل ہو گئی ہو تو یہ الگ بات ہے۔ مگر یہ وحی اُمت کے لیے قابلِ یقین نہیں کیونکہ ختم نبوت کا اعلان کر دیا گیا ہے وحی بند ہو چکی ہے۔ اب کسی مجدد پر وحی نہیں اتر سکتی۔ دلیل کی صحت حضرت کے ذمے ہے کہ حضرت کو کیسے یقین ہو گیا کہ ابوطالب علیہ السلام کے قلب میں ایمان واسلام نہیں دل کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا حضرت؟ اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو اس نے کبھی بھی نصاً نہیں فرمایا کہ ابوطالب علیہ السلام کافر ہیں؟ مگر حضرت پھر بھی بضد ہیں اور دامن میں علمی اثاثہ محض واہی روایات کا رکھتے ہیں اس ضمن میں اگر اپنی مرضی ہی پوری کرنی ہے تو دلیل تو کوئی جچ کی دیں جو دلالت وثبوت کے اعتبار سے یقینی ہو مفید یقین ہو۔ جب ایسا کچھ نہیں تو محض ضد کو اب کوئی نہیں مانے گا۔ ہم عظمت ابی طالب کی دھوم مچائیں گے اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔

فصل نہم:

گواہانِ کفرِ ابی طالب علیہ السلام

گواہان کفرِ ابی طالب علیہ السلام

صاحب بحث علیہ الرحمہ نے کفرِ ابی طالب پر قریباً 80 گواہ قائم کیے ان میں بارہ گواہ صحابی ہیں۔ چار تابعی ہیں باقی مختلف ادوار کے اہل علم ہیں۔ مگر حیرت ہے ان میں سے ایک بھی ایسا گواہ نہیں جو اس وقوعہ کا عینی شاہد ہو اور نہ ہی کوئی ایسا گواہ ہے جس نے کہا ہو کہ اشھد میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو طالب "مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ" کہ ابو طالب کفر پر فوت ہوئے ہیں۔ مگر بہت سارے لوگ حضرت ابو طالب سے ضرور "اَشْھَدُ" کا مطالبہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں؟ یہ دوہرہ معیار انتہائی شرمناک ہے۔ الزام لگانے والوں سے "اشھد" کا مطالبہ نہیں مگر ایک نفس عصمت سے حامی رسول سے اشھد کا مطالبہ لازمہ شریعت کہا جاتا ہے۔ حالانکہ شرعاً "اشھد" کا مطالبہ ثبوتِ الزام میں گواہ سے کیا جاتا ہے اسی لیے گواہ کو شاہد کہا جاتا ہے۔ اب ہم ان گواہوں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے صاحب مبحث علیہ الرحمہ کے مطابق کفرِ ابی طالب میں گواہی دی ان کی گواہی کی علمی حیثیت عرض کرتے ہیں:

پہلا گواہ: حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے گواہ لکھا ہے۔ ثبوت میں الاصابہ کی روایت کو بطورِ دلیل پیش فرمایا ہے۔ صورت گواہی

۱۔ وفاتِ ابی طالب کے وقت مذکور گواہ کی موجودگی کا کہیں بھی کوئی ثبوت نہیں۔

۲۔ جس روایت کے ذریعے اس گواہی کی نشان دہی کی گئی خود صاحب اصابہ اسے مردود کہتے ہیں واہی کہتے ہیں اس کی مکمل تحقیق باب حصہ حدیث میں گزر چکی ہے۔

دوسرا گواہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

یہ بھی وفاتِ ابو طالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ ان کے حوالے سے دو گواہیاں بیان فرمائی ہیں صاحب مبحث علیہ الرحمہ نے اور دونوں مزاح لگتی ہیں۔

پہلی گواہی کی صورت یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت سیدنا عباس بن عبد المطلب سے ہوئی تو حضرت عمر فرماتے ہیں

"اِنَّا بِاِسْلَامِكَ اِذَا اَسْلَمْتَ اَفْرَحُ مِنِّىْ بِاِسْلَامِ الْخَطَّابِ"

اے عم مصطفیٰ ﷺ آپ کے اسلام لانے سے مجھے اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے پر اتنی خوشی نہیں ہوئی۔

قارئین محترم! یہاں ملاقات حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے مگر اس عبارت میں بھی صاحب بحث کو حضرت ابو طالب علیہ السلام کا ہی کفر نظر آیا۔ اسی لیے اس عبارت کو کفر ابی طالب کے فتوے میں نقل فرمایا بزعم خویش کفر ابی طالب میں بطور دلیل تھیں۔

دوسری گواہی پہلی سے بھی عجیب ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بارگاہ نبوت میں حضرت اسامہ بن زید عرض کرتے ہیں کہ آقا اب آپ قیام کس جگہ فرمائیں گے؟ جواب میں فاتح عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا

"هَلْ تَرَكَ عَقِيْلٌ مِنْ رِبَاعٍ اَوْ دُوْرٍ" کہ عقیل نے ہمارے لیے نہ کوئی حویلی چھوڑی نہ کوئی مکان چھوڑا (سب فروخت کر دیے) یعنی اگر عقیل نے یہ سب نہ بیچے ہوتے تو ہم انہی گھروں میں رہتے۔ یہ حدیث اگر صحیح ہے تو مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے سابقہ گھروں میں قیام فرماتے۔ اس سے کفر ابی طالب کا استدلال کرنا حیرت انگیز نہیں تو اور کیا ہے؟

نوٹ:۔ روایت کا اگلہ حصہ حدیث نہیں بلکہ راوی کا ذاتی اضافہ ہے اسے خود صاحب مبحث نے ایک بڑی ساری تحریر میں ... ہے۔ اس اضافے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ "لا یرث المؤمن الکافر" کہ کوئی مؤمن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ تو یہ جہالت سے بھی عجیب تر جہالت ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اگر حضرت عمر نے یہ قول فتح مکہ کے وقت فرمایا جب اسامہ بن زید نے نبی ﷺ سے قیام فرمانے کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کافر مومن کا وارث نہیں ہو سکتا تو یہ دو اعتبار سے جھوٹ ہے۔

ا۔ پہلی صورت یہ ہے کہ نبی ﷺ کے ہوتے ہوئے یہ فتویٰ دینے کے شرعاً فاروق اعظم مجاز نہیں

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں وراثت کی گفتگو ہی نہ تھی گفتگو محض قیام فرمانے کی تھی اس صورت میں یہ قول کرنا بہت عقل کے ہی خلاف ہے۔ اور نہ ہی فاروق اعظم از خود نبی ﷺ کے سامنے یہ جرأت کر سکتے ہیں۔ نہ اس وقت موقعہ اور محل تھا نہ ہی اس وقت سے متعلق اس گفتگو کا حوالہ کسی ذخیرہ علم میں موجود ہے۔

۳۔ اگر یہ قول فاروقی ان کے زمانہ خلافت کا ہے یا کسی اور وقت کا ہے تو اس کا سیدنا ابو طالب علیہ السلام کے معاملے سے قطعاً تعلق نہیں ورنہ ہر فقیہ کی طرح جناب فاروق اعظم بھی بطور دلیل اس قول کی قوت میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کا نام لے دیتے رہا ابن ماجہ، طحاوی اور اسماعیلی کا "مِنْ اَجَلِ ذَالِكَ" کا تکلم کرنا یہ ان فقیہوں کا خیالی تراشا ہے اور بلا دلیل ہے۔

صحیح بخاری کی اس روایت میں ایک آیت کا بھی ناجائز استعمال ہوا ہے حالانکہ وراثت کا آج بھی رواج شرعاً، عرفاً اور قانوناً ذات ہی کی بنیاد پر ہے۔ نہ کہ مذہبی بنیاد پر۔ رہی آیت مذکور تو وہ کسی بھی طرح حضرت ابوطالب سے یا اُن کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ کیونکہ ان کی وراثت کا معاملہ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ تین سال ہجرت کے اور آٹھ سال فتح کے گزرنے کے بعد وراثت ابوطالب علیہ السلام کا معاملہ زیر بحث آ ہی نہیں سکتا۔ زیر بحث تب آتا کہ وراثت فتح مکہ تک باقی اور قائم رہتی۔ مذکورہ بالا روایت میں وضاحت موجود ہے کہ عقیل نے کچھ چھوڑا ہی نہیں جو وراثت بچی ہی نہ ہو اس پر قرآنی آیت کا نزول محل نظر ہے۔ بلکہ اصلاً بے محل ہے افسوس اس بات پر ہے کہ اس روایت کو ایک نفس محترم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ یہی جبری تحکم ہے۔

یہ اس روایت کی سند بھی ضعیف تر ہے۔ مزید تحقیق حصہ حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ فاتح جب کسی علاقہ کو فتح کر لیتا ہے تو پورے مفتوحہ علاقہ کا مالک ہوتا ہے جہاں دل چاہے قیام کرے اور کرتا ہے۔ مولویانہ موشگافیوں میں نہیں الجھتا۔

قارئین محترم! مختصراً مذکورہ آیت سے لگائے گئے کفر ابی طالب کی بابت الزام ڈرامے کا الحمدللہ ڈراپ سین ہوگیا۔ ایسی روایتوں کی طرف بالکل دھیان نہ کیا جائے، ڈرامہ، ڈرامہ ہوتا ہے اور حقیقت حقیقت ہوتی ہے۔ یہ تھا حال فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب گواہی کا حال۔ خدا ہدایت دے۔

تیسری گواہی: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی کفر ابی طالب کا گواہ نامزد کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ عمر بھر سیدنا ابوطالب علیہ السلام کو ظلمتوں کا نور کہتے رہے اور ساتھ میں سیدہ ام المومنین حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کو بھی ظلمتوں کا نور کہتے رہے اور ناصر رسول ﷺ کہتے رہے۔ مگر پھر بھی ایک باطل ترین روایت کے ذریعے مولائے کائنات کو اپنے ہی والد گرامی کے خلاف کھڑا کر دیا گیا جو نہایت قبیح فعل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی بابت یہ گواہی دی ہے۔

۔ "مصابیحھما الدُّجیٰ الی الجو والھواء　　　فبت اقاسی منھما الھم والثقلا"

ترجمہ: یہ دونوں کائنات کی ہوا و فضاء میں ظلمتوں کا نور ہیں۔ میری راتیں ان کے غم میں گزرتی ہیں انکے وصال کے صدمے نے مجھے بے کل سا کر دیا ہے۔

۔ "لقد نصرا فی اللہ دین محمد　　　علی من بغی فی الدین قد رعیا الا" (دیوان علی)

ترجمہ: یہ دونوں اللہ کی رضا کی خاطر دین محمد کی عمر بھر مدد کرتے رہے ہر سرکش کے ساتھ ٹکر لیتے رہے۔

قارئین محترم! یہ حضرت علی کا عقیدہ اپنے والد گرامی اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی بابت ہے۔ مگر صاحب بحث نے ان کو بھی کفر ابی طالب کا گواہ بنایا ہے وہ بھی ایک باطل ترین روایت کے ذریعے۔ یہی انصاف کا قتل اور جبری تحکم ہے۔ یہ روایت خود اہل علم کے نزدیک باطل ہے۔ (شرح سنن ابی داؤد) (نصب الرایہ)

چوتھی گواہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

صاحب بحث علیہ الرحمہ نے اس گواہ کو دو جگہ ذکر کیا ہے۔ آیات میں آیت ثالثہ کے حوالے سے جس پر مکمل بحث ہو چکی ہے۔ کہ یہ قول اولاً ان کا ہی نہیں ثانیاً سند صحیح سے وارد ہی نہیں ثالثاً قرآن کی قطعیت ہی کے خلاف ہے۔ اور حقیقت کے بھی خلاف۔ رابعاً دستور شریعت کے خلاف ہے خامساً نزول آیت کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ سادساً اس بارے میں صاحب وحی ﷺ سے بھی ان کا کوئی سماع ہی اس بارے میں ثابت نہیں۔ گویا یہ ذہنی اختراع کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ دوسری جگہ "اَهْوَنُ علی النار" والی روایت یہ محل میں ہی نہیں۔ اس کے دو راوی مجروح ہیں۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدِ بطحاء کے کلمہ پڑھنے والی روایت کے بھی راوی ہیں ان کے نزدیک حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ مسلمان ہیں اس کی تحقیق حصہ حدیث میں گزر چکی ہے۔

پانچویں گواہی سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرت اس گواہی کے شرعاً اہل ہی نہیں کیونکہ یہ حالت کفر میں اس وقت یمن میں رہتے تھے۔ نہ ہی ان کے پاس نبی کریم ﷺ کی کوئی ہدایت ہے۔ اس بابت نہ کسی اور کی طرف سے وفاتِ ابی طالب کا قصہ ان کو روایت کیا گیا ہے یعنی یہ گواہی اصلاً مردود ہے۔ کیونکہ یہ عینی شاہد ہی نہیں۔ کسی عینی شاہد نے کبھی بھی کفر ابی طالب پر گواہی نہیں دی کیونکہ یہ سب جھوٹ ہے۔

چھٹی گواہی حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ کی

یہ بھی اس گواہی کے شرعاً اہل نہیں ہیں کیونکہ یہ بھی وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت وہاں موجود نہیں تھے اس پر مکمل تفصیلی گفتگو کئی جگہ ہو چکی ہے۔ دیگر شہادتیں بھی اس طرح کی ہیں جن کی کوئی یقینی دلیل ہی نہیں۔ حرمِ نبوت کے خلاف فضول ڈرامہ رچایا گیا جو فلاپ ہو گیا ہے۔

باقی تمام لوگ کاتبین ہیں کائنات کے کسی بھی فقیہ، محدث، مفسر کے پاس نہ عینی شہادت ٹھوس، نہ یقینی شہادت ہے۔ قرآن مجید کا فیصلہ ہے شریعت کا فیصلہ ہے ٹھوس، یقینی اور قطعی شواہد کے بغیر الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ وہ مقدمہ ہی محض بے حقیقت فسانہ گری سمجھا جاتا ہے۔ علماء کا اس جھوٹ پر اڑے رہنا جبری تحکم ہے۔

خلاصہ کلام: بغیر یقینی ثبوتوں کے الزام لگانا انتہائی قبیح ہے۔

باب دہم:

تاجدارِ عزیمت وفضیلت، افضل البشر بعد الانبیاء،

سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام سیرت وکردار کے آئینے میں

تعارف باب دہم

یہ باب تاجدارِ عزیمت وفضیلت، افضل البشر بعد الانبیاء، سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام سیرت وکردار کے آئینے میں بھی تین درج ذیل فصول پر مشتمل ہے

فصل اول:

تاجدارِ عزیمت وفضیلت، اُسوۂ وفا، سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی سیرت کے مختصر احوال۔

فصل دوم:

سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام شانِ صحابیت کا نقش اول ہیں

فصل ثالث:

شانِ صحابیت کے بنیادی تقاضے اور سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

فصل اول:

تاجدارِ عزیمت وفضیلت، اُسوۂ وفا، سید بطحاء، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی سیرت کے مختصراً احوال

تاجدارِ عزیمت، فضیلت اسوۂ وفا،

سیّد بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام سیرت و کردار کے آئینے میں

قارئین محترم! کچھ لوگ کرداروں کی تراش خراش کے حوالے سے جانے جاتے ہیں کچھ اپنی عظمت کردار سے متعارف ہوتے ہیں لیکن کچھ بلند بخت لوگ ایسے ہیں جن کے وجود سے کرداروں کو زینت ملتی ہے۔ سیدنا ابوطالب علیہ السلام صرف صاحب سیرت و کردار ہی نہیں بلکہ خود عظمت کردار ہیں۔ ان کے کردار کا تقدس ہی ان کی عظمتِ یقین کا گواہ ہے۔ مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کی وفائے عظمتِ رسول ﷺ وہ بلند افق ہے جس سے وفا کے آسمان وفا کی روشنی میں سجے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ آسمان رت ہیں جس کی وسعتوں میں لاتعداد سیارے وفا کی جستجو میں خود اپنے مدار میں محوِ خرام ہیں۔ یہ وہ مبداء عشق رسالت ہیں جن کی گرم سانسوں کی برکت سے آج تک بلکہ تا قیام قیامت اسلام تابندہ و خرسندہ ہے۔

یہ وہ غیور پیکر عصمت ہیں جو مظہر غیرتِ خدا ہے جن کے بلند غیور جذبوں نے اسلام کو قوت بخشی جن کی حمایت نے اہلیان اسلام کو سر اٹھا کر چلنے کا حوصلہ بخشا۔ وہ یقین کا نقش اول ہیں جن کی ہمت مردانہ سے پورا کفر لرزتا رہا۔ اور رسول دو عالم ﷺ تک کسی کافر کا ہاتھ تک نہ پہنچ سکا۔ یہ عصمت مآب وجود اپنی حرمت میں اتنا بلند ہے کہ خدائے ذوالجلال کا خصوصی اعتماد ٹھہرا۔ یہ وہ شیر بیشۂ دل ہے جن کی شجاعت نے اسلام اور بانی اسلام کی حفاظت فرمائی۔ خود رسالتِ پناہ عالم نے کئی بار اس کا قرار فرمایا۔ یہ وہ اولو العزم شخصیت ہیں جو رسالت پناہ عالم ﷺ کے لیے عصمت و پناہ بنے۔ الغرض یہ وہ عبقری شخصیت ہیں جن کا ہر سانس ہر احساس ہر لمحہ حیات عظمت و فضیلت کا عظیم شاہکار ہے۔ بلکہ معیارِ عظمت ہے۔ یہ وہ تقدس مآب وجود ہے کہ پوری اُمت اور رسول اُمت ﷺ قیامت تک جن کے ممنون احسان ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے اس ذات والا صفات کو اپنا احسان عظیم قرار دیا۔ تو ایسے میں مجھ جیسا ایک ناکارۂ خلائق ان کے اوصاف و کمالات کو سیرت کی حرمت کو کیسے بیان کر پائے گا۔

- قوت لا الہ الا اللہ سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام
- نصرتِ محمد رسول اللہ سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام

پیدائش:۔ حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی پیدائش رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے قریباً ۳۵ سال پہلے ہوئی۔ آپ کا اصل نام عبد مناف تھا ایک روایت کے مطابق عمران تھا۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے تاہم آپ کے نام پر آپ کی کنیت

ابوطالب غالب آگئی۔

والد گرامی کا اسم مبارک حضرت سیدنا عبدالمطلب بن ہاشم علیہ السلام ہے۔

والدہ کریمہ:۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی سیدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھا۔ آپ قبیلہ بنو مخزوم سے تھیں۔

سگے بھائی:۔ حضرت سیدنا زبیر بن عبدالمطلب، حضرت سیدنا محسن عالمین، مخدوم کائنات ابومحمد، ابواحمد ابوقثم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم اجمعین

سگی بہنیں:۔ سیدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب، سیدہ برہ بنت عبدالمطلب، سیدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب، سیدہ اَروئی بنت عبدالمطلب، سیدہ اُم حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب علیہن السلام۔

سوتیلے بہن بھائی: حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی پانچ اور بھی ازواج مطہرات تھیں۔ جن میں سے مختلف اولادیں پیدا ہوئیں۔

ا۔ سیدہ لُبنیٰ بنت حاجز۔ ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ عبدالعزیٰ جس کا نام تھا ابولہب کے نام سے مشہور ہوا۔

۲۔ سیدہ ہالہ بنت وھب ان سے تین لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

سیدالشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سیدنا المقوم سیدنا حجل جن کا نام مغیرہ تھا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب۔

۳۔ حضرت نتیلہ بنت خباب ان سے حضرت ضرار، حضرت قثم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

۴۔ سیدہ حمنہ بنت عمرو۔ ان سے ایک لڑکا الغیداق پیدا ہوا انھیں مصعب بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔ سیدہ صفیہ بنت جندب ان سے حارث پیدا ہوئے۔

اولادِ امجاد

سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا اسم عصمت سیدہ فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا ہے۔ ان کی منفرد شرافت و بزرگی یہ ہے کہ ان کو رسول دوعالم ﷺ اپنی ماں فرمایا کرتے تھے۔ ان کے بطن عصمت سے جناب ابوطالب علیہ السلام کو چار بیٹے اور تین بیٹیاں عطا ہوئیں

بیٹے:

(۱) حضرت طالب بن ابوطالب۔ (۲) حضرت عقیل بن ابوطالب۔

(۳) حضرت جعفر بن ابوطالب (۴) حضرت علی بن ابوطالب علیہم السلام

بیٹیاں:
سیدہ اُم ہانی بنت ابوطالب (۲) حضرت جمانہ بنت ابوطالب
(۳) سیدہ اسماء بنت ابوطالب۔ ان کو ریطہ بنت ابوطالب بھی کہتے تھے۔ایک روایت کے مطابق ایک اور زوجہ محترمہ تھیں
جن کا نام عائلہ تھا ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جنھیں طلیق بن ابوطالب کہا جاتا تھا۔
(سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ 140 الاصابہ جلد اول صفحہ 111 ،طبقات ابن سعد)

سیرت و کردار کی روشنی

حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کے کردار کی تراش خراش محض اتفاقی نہیں تھی بلکہ مشیتِ الٰہی کا خصوصی اہتمام تھا۔قرآن کریم اسے یوں بیان فرماتا ہے

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

اے لوگو تحقیق تمہارے پاس شان والے رسول تشریف لا چکے ہیں یہ ان لوگوں سے تشریف لائے ہیں جن کا اخلاق و کردار انسانوں کی اعلیٰ معراج تھا۔خلقی نفاستیں بھی بام عروج پر تھیں اور خُلقی نفاستیں بھی کمال انتہاء پر تھیں۔ بلکہ یہ وہ خود نفوس قدسیہ تھے جو معیارِ نفاست ہیں۔ایک اور جگہ فرمایا

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنے حضورِ عظمت میں مسلسل سجدہ ریزیوں کی لذت و توفیق عطا فرما اور ہماری اولاد کا بعض حصہ بھی عظمتِ نیاز سے سرشار فرما اور جب یہ نیاز مندیاں قبولیت کی انتہاء کو پہنچیں تو پھر

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

ان میں اپنا شان والا رسول بھیج۔

قارئین محترم۔سجدہ ریزیاں خاندانِ نبوت کا فطری تسلسل رہا اور پاکیزگیاں بھی فطری عظمت رہیں۔ جسے خود رسالت پناہ دو عالم ﷺ نے بیان فرمایا۔ کہ میں ابتدائے خلقت سے انتہائے ولادت تک پاک صلبوں سے پاک رحموں میں محوِ خرام رہا۔ یاد رہے حضرت ابوطالب علیہ السلام نبی ﷺ کے والد گرامی نہیں مگر وصفِ طہارت میں اور وصفِ نیاز میں مسلسل شریک عظمت ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے خود شہادت دی۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾

محبوب ہماری مشیت کا آپ کی حرمت کے لیے یہ اہتمام رہا کہ ہر سجدہ ریز پشت ورحم سے آپ کی فطری تقدیم کو گزارا اور جب آپ دنیا میں تشریف فرما ہوئے تو ہم نے آپ کو ایسی آغوش محبت عطا کی جو اپنے زمانے میں ہر پاکیزگی کا معیار تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کائنات کی سب سے مقدس ترین ہستی کو کسی غیر پاکیزہ وجود کے سپرد کر دیا جائے اسی لیے ہمارے اس احسان کو ذہن میں تازہ رکھیں۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾

جب ہم نے آپ کو یتیم پایا تو آغوشِ ابی طالب کو آپ کے شایانِ شان پایا تو آپ کو اسی آغوشِ اُلفت ومحبت میں پناہ بخشی۔

ایک روحانی نکتہ

شب ہجرت میں جب غارِ ثور میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُترنے لگے تو یارِ غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے غار میں میں اُترتا ہوں اور غار کو صاف کرتا ہوں تا کہ کوئی آلودگی یا اذیت دینے والی چیز ہو تو اسے ہٹا دوں تا کہ آپ کی قیام گاہ آپ کی شایانِ شان ہو جائے۔ یہ ہے اہتمام محبت اور محب النبی ہونے کا ولولۂ عشق۔ حالانکہ یہاں آپ نے تین راتیں قیام فرمانا تھا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس سال قیام فرمانا تھا اور پناہ پذیر ہونا تھا اُس قیام گاہ کو خدائے ذوالجلال نے کس قدر طہارت کی شان بخشی ہو گی۔ ادھر بندے کا اہتمام تھا اُدھر مولا کا اہتمام تھا۔ ادھر غارِ ثور تھی اور اُدھر آغوشِ ابوطالب علیہ السلام تھی۔ اِدھر اہتمام صدیقی تھا اُدھر اہتمام اُلوہی تھا۔ اِدھر قیام تین تین روز تھا اُدھر عرصہ قیام پچاس سال کے شب وروز تھے۔ تو اہتمام قدرت کی شان عقل وفہم سے وراء الوریٰ ہے اس اہتمام پر میری ایمانی قدریں یوں سلام نیاز پیش کرتی ہیں:

جس میں پلتے رہے سیدِ انس وجاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اُس آغوشِ محبت پر لاکھوں سلام

جن کا پہلو رہا خواب گاہِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ایسے پہلو کی شفقت پہ لاکھوں سلام

جن کی بانہیں بنیں منبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ان کی بانہوں کی طاقت پہ لاکھوں سلام

جن کی خدمت رہی مصطفیٰ کی رفیق
ایسی خدمت کی عظمت پہ لاکھوں سلام

قوتِ دستِ غالب پہ لاکھوں سلام
جرأتِ ابوطالب پہ لاکھوں سلام

قارئین محترم! کاشانۂ نبوت میں کردار سکھائے نہیں جاتے، بنائے جاتے ہیں۔ یہاں اخلاقی اقدار فطرتاً موجود رہتی ہیں۔ کیونکہ یہ مسکن ہے صاحب خلق عظیم کا۔ اس لیے تاجدارِ عظمت وفضیلت شاہکارِ عزیمت وعصمت دلربائے حرمت سیدنا ابوطالب علیہ

السلام کا کردار خلقتاً عظمتوں کی معراج پر تھا۔ اس لیے محتاجِ دلیل ہی نہیں۔ تاہم جس چیز کو انسانی اخلاقی اقدار کے خلاف قدرت نے اپنی حکمت بالغہ سے ممنوع قرار دیا ہے ان چیزوں کی حرمت کو نزول قرآن سے بھی پہلے خاندانِ نبوت نے اپنے کردار کی عظمت میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً شراب ہی کو لیجیے مکہ کے باسیوں کے گھروں میں مٹکوں کے مٹکے بھرے رہتے تھے شراب کے گلی کوچوں میں چوراہوں میں شراب سرعام پی جاتی تھی۔ مگر حیرت ہے قرآن نے اس کی حرمت کا فیصلہ پچاس سال بعد کیا ہے مگر جناب ابوطالب علیہ السلام نے اپنی رعنا جوانی میں اُترنے سے پہلے ہی اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیا تھا۔

وَكَانَ أَبِي طَالِبٍ مِمَّنْ حَرَّمَ الْخَمْرَ عَلىٰ نَفْسِهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَأَبِيهٖ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ

جناب ابوطالب علیہ السلام نے اپنے عنفوان شباب سے پہلے ہی اپنے باپ عبدالمطلب علیہ السلام کی طرح زمانہ جاہلیت میں شراب کو اپنی ذات پر حرام کر لیا تھا۔

روایت کا حصہ ایک حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ شراب خاندانِ نبوت میں کبھی بھی زندگی کا حصہ نہیں بنی۔ جس معاشرے میں شراب کی ندیاں بہہ رہی ہوں اس معاشرے میں کاشانۂ نبوت میں شراب کی ایک بوند تک نہ ملنا یہ معجزے سے کم نہیں۔ عین ایسے ہی دوسرے غیر اخلاقی رویے اس گھر میں ازل سے ہی داخل نہیں ہو پائے۔ واہ کیا شان ہے سیّدِ بطحاء ابوطالب علیہ السلام کی۔

(سیرت حلبیہ، جلد اول صفحہ 134، طبقات ابن سعد، اسد الغابہ)

جاہ و جلال بوطلبی

حدیث میں آتا ہے کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِيهِ

ترجمہ: بیٹا باپ ہی کا عکس و راز ہوتا ہے۔

سیدنا عبدالمطلب بن ہاشم علیہما السلام کی وجاہت و جلال پورے جزیرۂ عرب میں مسلّم اور مشہور و معروف تھی۔ آپ کے مرتبہ و جاہت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ عین ایسے ہی سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام جب اپنے والد کے جانشین ہوئے اور تاجدارِ عرب قرار پائے۔ مال و دولت کی کثرت نہ ہونے کے باوجود بھی آپ کو تاجدارِ مکہ رئیسِ مکہ، کے القاب دیے گئے۔ خصوصاً کفارِ مکہ سے معارضے میں وہ خطوطِ جلالت و حمیت قائم فرمائے کہ تاریخ انگشت بدنداں ہے۔ عمر بھر اپنے حشمت مآب خاندان کی اقدار و روایات کا طرۂ امتیاز رہے۔

شانِ سخاوت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَلْغِنَاءُ غِنَاءُ الْقَلْبِ
جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ مال و دولت سے غنی نہیں ہوتا بلکہ دل کی کشادگی سے غنی ہوتا ہے۔ یعنی دل کا غنی ہونا ہی عظمتِ غنا ہے۔ سیدِ بطحا، ابو طالب علیہ السلام شانِ سخاوت میں اپنے زمانۂ غنا میں سب سے بلند و بالا تھے۔ مسافروں اور ناداروں کی خدمت آپ کے مزاج کی عظمت تھی۔ غریب نوازی شیوہ تھا۔ دلداری شغل تھا۔ مساکین سے محبت شوق تھا۔ یتیموں سے پیار فطری عادت تھی۔ گویا سخیوں میں ایسے سخی ٹھہرے کہ ان کی سخاوت سخیوں میں حجت قرار پائی۔
نوٹ:۔ بعض نابلد لوگ آپ پر مفلسی کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں یہ غلط ہے۔ کثرتِ سخاوت کی بناء پر آپ مال جمع نہیں فرماتے تھے۔ ارے جس کے باپ کے گھر منوں کے حساب سے سونا ہو جو چاہِ زمزم کی کھدائی میں ملا تھا ہزاروں اونٹ کو تجارتی کرایہ پر چلتے ہوں وہ مفلس کیسے ہو سکتا ہیں۔

اسلام میں سخاوت

سیدنا ابو طالب علیہ السلام نے خدمتِ اسلام میں سخاوت کے وہ نقوش قائم کیے کہ خود سخاوت محوِ حیرت ہے۔ کہ آج تک جتنی سخاوت ابو طالب علیہ السلام نے کی ہے اتنی سخاوت کا حوالہ کائنات کے کسی باسی کے دامن میں نہیں ہے۔ کچھ لوگ کثرتِ مال سے کچھ دے کر سخیوں کی صف میں اُتر آتے ہیں کائنات میں ہے کوئی ایسا سخی جس نے مولا علی جیسے شیر لختِ جگر کو دینِ حق کی خاطر قربان کیا ہو؟ ہے کوئی ایسا سخی کائنات میں جس نے حکمتوں کے تاجدار بیٹے حضرت جعفر طیار جیسے بیٹوں کے بازو کٹوائے ہوں؟ اور سو سے زائد تیروں، نیزوں اور بھالوں کے زخموں سے اپنے لختِ جگر کو چھلنی کروایا ہو؟ ہے کوئی کائنات میں ایسا سخی جس نے عقیل جیسے شیر جواں بیٹے کو جنگ موتہ میں ٹکڑے ٹکڑے کروایا ہو؟ ہاں ہاں ہے کوئی کائنات میں ایسا سخی جس نے عون و محمد جیسے شہزادوں کے جگر چھلنی کروائے ہوں؟ زبانیں کٹوائی ہوں؟ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے جگر گوشوں کے وجود اقدس کو ریزہ ریزہ کروایا ہو؟
بولیے جناب میدانِ سخاوت میں کوئی ایسا سخی ہے تو لے آو۔ جس نے حسنین کریمین جیسے سردارانِ جنت اور ان کی معصوم اولادوں کو کربلا کے تپتے ریگستان میں گھوڑوں کے سموں کی ٹاپوں کے نیچے مضمحل کروا دیا ہو؟ زندگی کی تمام رونقیں اسلام پر قربان کر دی ہوں اور اپنی تمام اولاد کو اسلام پر ذبح کروایا ہو؟ چیلنج ہے کوئی ایسا صاحب سخاوت سامنے لے آو پھر بھی کلمے کا گلہ کرتے ہو وہ بھی ان سے جنھوں نے کلمے کو بچایا ہو پیسوں کی سخاوت اور بیٹوں کی سخاوت میں کبھی ترازو اور توازن نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی نظر میں

(رافت وشفقت کا بے مثال پیکر)

سیرت وکردار کے تصورات اور شخصی تراش خراش تجربات کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ مگر یہ وہ سیرت ہے جو پاکیزہ سیرتوں کے لیے مینارۂ نور ہے جس کی گواہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دے ہی چکے ہیں آیئے ذرا تاجدارِ ولایت منبع رشد وہدایت حضرت مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانِ ولایت سے ملاحظہ فرمایئے وہ فرماتے ہیں

اباطالب عِصْمَةُ الْمُسْتَجِيْرِ وَغَيْثُ الْمُحُوْلِ وَنُوْرُ الظُّلَمِ (دیوانِ علی رضی اللہ عنہ)

اے ابوطالب علیہ السلام آپ کا دامنِ عصمت تو غمزدوں کی پناہ گاہ ہے پریشان حال لوگوں کے لیے جائے امان ہے۔ آپ کی سخاوت تو موسلا دھار بارش کی طرح برستی ہے۔ آپ کے کردار کے نور سے کائنات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ گویا آپ کی وفا اس کے نور سے کائنات کو روشن کر کے رکھ دیا ہے۔ غریب پروری مسکین نوازی آہ وفغاں کرنے والوں کی دلداری آپ کی فطری عظمت ہے۔ خشک سالوں میں آپ کی شفقت کی موسلا دھار بارش کی صورت میں ساون کی برکھا بن کر برستی ہے۔ اور بے تحاشہ برستی ہے اور اتنی برستی ہے کہ کوئی بھی آپ کی خیرات سے محروم نہیں رہ سکتا۔ آپ ہی وہ عصمتوں کا نور ہیں غیور اخلاق آپ سے اپنے وجود کی خیرات مانگتے ہیں۔ کفر کا ہر اندھیرا آپ کی للکار ولبرانہ سے چھٹ جاتا ہے۔ ہر باطل منہ چھپا لیتا ہے۔ بلکہ بھاگ جانے ہی میں عافیت محسوس کرتا ہے۔

دینی حمیت وغیرت

ابتدائے زمانہ نبوت میں جب ہر طرف سے کفر کی یلغار شروع ہوئی تو بہت ساری نادیدہ قوت وآفتوں نے اسلام اور اہل اسلام کو مضمحل کیا اس کسمپرسی کے عالم میں غیرت بوطلبی ہی حق کی للکار بنی کفارِ مکہ کے ہر مذموم ارادے کے سامنے سدِ سکندری بنی۔ بوطلبی روشن حکمت نے کفارِ مکہ کو ہر لحاظ سے شکست فاش دی۔ مقامی حالات کے پیش نظر اس بوڑھے اور ناتواں وجود کا بکھر جانا مضمحل ہو جانا ایک فطری امر تھا مگر حیرت ہے کہ آپ نے وہ جوشِ ایمانی دکھایا حمیت وغیرتِ دینی کا وہ جوش دکھایا کہ کفر کا ہر زور پانی پانی ہو گیا پورے عرصہ حیات میں کسی کافر کے سامنے کبھی بھی دستِ سوال دراز نہ کیا۔ حتیٰ کہ قید شعب ابی طالب کے کٹھن دنوں میں بھی ایک لمحہ کے لیے کفر کے سامنے نہیں جھکے بلکہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ دینی حمیت ان کے بڑھاپے اور ناتوانی کے فطری احساسات پر غالب رہی خاندانی اقتدار کا ایسے حالات میں بھی کہ لوہا منوایا حتیٰ کہ کفارِ مکہ جب ہر طرف سے

ناکام ہوئے تو ان کے مرنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ کو اطلاع پہنچی کہ میری زندگی میں تو کفار نامراد رہے اب میرے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں تو حفظ ما تقدم کے مطابق اپنی اولادوں اور خاندان والوں کو بلایا اور اپنی غیور حمیت اور غیرت ان لفظوں میں منتقل فرمائی۔

أُوصِیْ بِنَصْرِ النَّبِیِّ الْخَیْرِ مُشْهِدَةً — عَلِیًّا اِبْنِیْ وَعَمَّ الْخَیْرِ عَبَّاسَا

وَ حَمْزَةَ الْاَسَدَ الْمُخْشِیَّ صَوْلَتُهٗ — وَجَعْفَرًا اَنْ تَذُوْدُوْا دُوْنَهُ النَّاسَا

وَ هَاشِمًا کُلَّهَا اُوْصِیْ بِنُصْرَتِهٖ — اَنْ یَاْخُذُوْا دُوْنَ حَرْبِ الْقَوْمِ اَمْرَاسَا

کُوْنُوْا فِدًی لَکُمْ نَفْسِیْ وَ مَا وَلَدَتْ — مِنْ دُوْنِ اَحْمَدَ عِنْدَ الرَّوْعِ اَتْرَاسَا

بِکُلِّ اَبْیَضَ مَصْقُوْلٍ عَوَارِضُهٗ — تَخَالُهٗ فِیْ سَوَادِ اللَّیْلِ مقیاسا

وضاحت: اے بیٹے علی اور اے بھائی عباس میں تمہاری غیرت کے سپرد کرتا ہوں اپنی غیرت اور حمیت کے جذبات کو اور وصیت کرتا ہوں کہ تمہیں (اللہ کے نبی ﷺ کی) میرے فوت ہونے کے بعد بھرپور مدد کرنی ہے اور کفر کے دانت مسلسل کھٹے کرتے رہنا ہے۔ اور ہمہ وقت رسولِ خیر ﷺ کی حفاظت پر کمربستہ رہنا ہے اور اے حمزہ تیرا رعب و دبدبہ تو شیروں پر بھی غالب ہے اور اے جعفر تیری استقامت ضرب المثل ہے۔ لہٰذا تم دونوں نے سپاہی بن کر میرے محبوب ﷺ کی حفاظت کرنا ہے۔ وصیت پر عمل فرض ہوتا ہے لہٰذا اس وصیت کو خوب نبھانا ہے اور اے بنی ہاشم میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اگر یہ لوگ جنگ پر کمربستہ ہو جائیں تو تم رسول اللہ ﷺ کی ڈھال بن جانا ان کی حفاظت کرنا خاص کر جب خطرات سنگین تر ہو جائیں تو سینہ تان کر میرے مصطفیٰ ﷺ کی حمایت میں کھڑے ہو جانا اور چمک دار آب دار تلواریں لے کر میدان میں نکل آنا اور کفار پر تلوار اس تیزی سے چلانا کہ تمہاری تلواروں کی ضرب اتنی شدید ہو کہ اُن سے آگ کے شعلے نکلیں خصوصاً جب اللہ کے رسول ﷺ پر فدا کاری کا وقت آئے تو سب کے سب قربان ہو جانا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مزید خصوصی وصیت

اَمَّا عَلِیٌّ فَاَرْتَبَتْهُ اُمُّهٗ — وَ نَشَا عَلٰی مِقَةٍ وَ تَذَیُّدَا

شَرَفُ الْقِیَامَةِ وَالْمَعَادِ بِنَصْرِهٖ — وَ یُعَاجِلِ الدُّنْیَا یَجُوْزُ السُّوْدَدَا

اکرم بِمَنْ یُفْضِیْ الیه بِاَمْرِهٖ — نَفْسًا اِذَا عُدَّ النُّفُوْسُ وَ مَحْتِدَا

وَ خَلَائِقًا شَرُفَتْ بِمَجْدٍ نِصَابِهٖ — یکفیك منه الیوم ما ترجو غدا

وضاحت: اے علی تجھے تو تیری ماں نے پالا ہی رسول اللہ ﷺ کی وفا کے لیے ہے اور مدد اور نصرت کے لیے ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے محبت تیرے من میں فزوں تر ہونی چاہیے (یقیناً ہوئی اس کی قرآن میں جا بجا شہادتیں موجود ہیں) کائنات نے ہر

منظر نور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یقیناً اے علی محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد و نصرت ہی قیامت کے دن کی عظمتوں کا باعث ہے اور دنیا کی زندگی میں یہ خدمت تیرے لیے وقار کا نور ہے اے علی تو کتنا لائق تکریم ہے کہ تو نے خود کو حضرت محمد ﷺ کے سپرد کر رکھا ہے اور یہ خود سپردگی قیامت تک رہنی چاہیے کیونکہ تو نفس رسول ﷺ ہے یعنی تیری فطرت کی عظمت رسول دو عالم کے نبوی فیض کی برکتوں سے ہے۔ جب قیامت کے دن نفس و جان کا حساب ہو تو اے علی الگ سے تیری پہچان نہ ہو بلکہ تو نفس رسول ہی شمار ہو۔

رسول دو عالم ﷺ عظمتوں کے اس درجے پر فائز ہیں کہ اس سے آگے کسی عظمت کا کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وہ احسان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو صاحب عطاء اور صاحب سخا بنا دیا ہے اور آپ فیض رسانی میں اتنے بلند ہیں جو کل کے لیے مانگتے ہیں انھیں آج ہی عطا کر دیا جاتا ہے۔ مزید فرمایا

اِصْبِرَنْ یَا بُنَیَّ فَالصَّبْرُ احجی   کلُّ حی مصیرہُ لشعوب

قد بلی الصبر والبلاء شدید   لفداء الحبیب وابن الحبیب

النبی الا غرّ ذی الحسب الثا   قب والباع والکریم النجیب

ان تصبك المنون فالنبل تتری   فمصیب منها و غیر مصیب

کل حی و ان تملی بعمر   اخذٌ من مذاقها بنصیب

وضاحت: اے میرے نور نظر علی! یاد رکھنا رسول دو عالم ﷺ کی حمایت و نصرت میں آپ کو بڑی بڑی مصیبتوں سے ٹکرانا ہوگا ایسے حالات آپ نے صبر کی عظمتِ معراج کو پاتا ہے خوفزدہ نہیں ہونا گھبرانا نہیں صبر و استقامت کا کوہ گراں بن جانا ہے کیونکہ یہ صبر و استقامت دانشمندی کی دلیل ہے جہاں تک رسول دو عالم ﷺ کی ذات پر مر مٹنے کا معاملہ ہے تو اے علی اگر یہ شان نصیب ملے تو اس موت کو چوم کر گلے لگا لینا کیونکہ محبوب پر قربان ہونا ہی انسان کی سب سے بڑی معراج ہے۔ میرے محبوب بھائی جناب عبداللہ علیہ السلام کے بیٹے جو کائنات میں محبوب تر ہیں اُن پر فدا ہونا (قربان ہونا) یہ کائنات کی سب سے عظیم خوش نصیبی ہے۔ رہا موت کا معاملہ تو یہ حقیقت ہے کہ ہر زندہ موت کی طرف اپنے قدم بڑھا رہا ہے۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ تیری موت رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں ہو۔ یہ وہ رسول ﷺ ہیں اور نبی رحمت ﷺ ہیں کہ نور کا ہالہ ان کی پیشانی پر غازہ بن کر رہتا ہے اور ان کا نسب اتنا عالی شان ہے ان کے اخلاق کی روشنی ستاروں کی روشنی سے کہیں زیادہ ہے۔ فضیلت و شرافت ان کی دہلیز پر ہمیشہ سے محوِ طواف ہے۔ جود و کرم ان کا خمیر ہے نجابت و شرافت ان کا وقار ہے اے علی رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں اگر تجھے قربان ہونا پڑے تو بے دریغ قربان ہو جانا ڈرنا نہیں کیونکہ موت کے تیر تو چلتے ہی رہتے ہیں کہیں کوئی تیر کسی کو لگ جاتا ہے اور کسی کو کوئی اچک جاتا ہے بہر حال حقیقت یہی ہے کہ زندگی کتنی ہی طویل ہو آخر موت کو چکھنا ہے پھر حضرت امیر حمزہ سے یوں

ارشادفرمایا

صَبْرًا اَبَا یَعْلیٰ علی دین احمدٍ　　و کن مظھرًا للدین وُفِّقْتَ صابرًا

و حُط مَن اَتیٰ بالحق من عند ربّہ　　بصدقٍ و عزمٍ لا تکن حمزُ کافرًا

فقد سرّنی اذ قُلْتَ اِنَّکَ مؤمنٌ　　فکن لرسول اللہ فی اللہ ناصرًا

و ناد قریشًا بالذی قد اتیتہٗ　　جِھارًا و قل ما کان احمد ساحرًا

وضاحت: حضرت سیّدالشہداء جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے دینِ محمد ﷺ پر استقامت کی وصیت کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں اے ابی یعلیٰ (حضرت امیر حمزہ کی کنیت) دینِ محمد ﷺ پر ثابت قدم رہ اس کی حمایت میں آنے والے تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے قبول کر اور صبر کی انتہاء کو پہنچ جا اور غلبہ دینِ حق کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہمیشہ تیرے شاملِ حال رہے گی۔ اے امیر حمزہ جو دینِ فطرت حضرت محمد ﷺ لے کر آئے ہیں پورے عزم و صداقت کے ساتھ اس پر ڈٹ جا کفر کی طرف کبھی نہیں جانا مجھے حد سے زیادہ خوشی اُس وقت ہوئی جب تو نے مجھ آ کر بتایا میں بھی دامنِ رسالت سے وابستہ ہو گیا ہوں۔ اب اس اقرار و تصدیق کے بعد تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ذمہ داری عائد ہو گئی کہ تو محض اللہ کی رضا کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے دین کی نصرت میں اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے وقف کر دے اور جا کر مجمع کفار میں للکار کر کہو پورے زور شور سے اعلان کر دو کہ محمد ﷺ کا دین حق ہے محمد ﷺ کو جادوگر کہنے والے جھوٹے ہیں کیونکہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں جادوگر نہیں ہیں۔

حمایتِ دین کی للکار

کفارِ مکہ نے جب رسول دو عالم ﷺ کا ہر طرف سے گھیراؤ کیا تو ایسے سنگین حالات میں رسول دو عالم ﷺ قدرے غمزدہ ہوئے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا

واللہِ لن یصلوا الیک بجمعھم　　حتی اُوسّدَ فی التراب دفینا

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ　　وابشر بذاک وقرّ منہ عیونا

وضاحت: اے میرے کریم محمد ﷺ خدا کی قسم جن حالات سے آپ پریشان نظر آتے ہیں ہرگز نہ گھبرائیے یہ کفارِ مکہ مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں جب تک میری رمق حیات باقی ہے میں زندہ ہوں تب تک آپ کا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ ان کے گندے ہاتھ آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کھل کر اپنے عظیم دین کی تبلیغ فرمائیں اگر کسی نے آپ کی طرف میلی آنکھ

حقیقت دیکھا تو اس کی آنکھ نکال کر رکھ دوں گا۔ بس آپ خوشی خوشی اپنے دین کی تبلیغ فرمائیں تا کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اسلام کے سفیرِ اوّل سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

اسلام ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور مشکل حالات سے دوچار تھا کہ کفارِ مکہ کی سفاکی اس حد تک آگے چلی گئی کہ مسلمانوں کو انھوں نے ستانا شروع کر دیا اور اذیت دینا شروع کر دی۔ جب وہ اپنی انتہا کو پہنچے تو رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم فرمایا اور مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ کفارِ مکہ کو جب معاملے کا علم ہوا تو انھوں نے ابوسفیان کو کفر کا سفیر بنا کر بھیجا تا کہ شاہِ حبشہ کو وہ قائل کر سکے کہ مسلمانوں کو حبشہ میں ہی اذیت دے کر مار دیا جائے یا کفارِ مکہ کے حوالے کر دیا جائے۔ جب اس بات کا علم محسنِ اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کو ہوا تو آپ نے شاہِ حبشہ کو ایک سفارتی خط لکھا اور اُسے قائل کیا کہ مسلمان اور ان کا دین سچا ہے کفارِ مکہ کے مکر و فریب میں نہ آنا اس خط کا مضمون ان شعروں میں یوں بیان فرمایا

اَتَعْلَمُ مَلِكُ الْحَبْشِ اَنَّ مُحَمَّدًا ۔۔۔ نَبِیٌّ كَمُوْسٰی وَ الْمَسِیْحِ ابْنِ مَرْیَمِ

اَتٰی بِھُدًی مِثْلَ الذی اتیابه ۔۔۔ و کل بامر الله یهدی و یعصم

و انکمو یتلونه فی کتابکم ۔۔۔ بصدق حدیث لا بصدق الترجم

فلا تجعلوا لله نِدًّا و اسلموا ۔۔۔ و اِنَّ طریق الحق لیس بمظلم

وضاحت: اے شاہِ حبشہ تجھے یقین کر لینا چاہیے کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اللہ کے سچے نبی تھے۔ یہ وہی ہدایت لے کر آئے ہیں جو وہ دونوں لائے تھے۔ ان کا علم وحی کی عظمتوں سے معمور ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور نبی کی نبوی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے دین کی حفاظت بھی کرے اور دین کی ہدایت بھی دے۔ بلاشبہ آپ جانتے ہیں یہ بات حقیقت ہے اور یہ حقیقت آپ اپنی کتابوں میں دیکھ چکے ہیں اور اس سچائی میں شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ بات تمہاری کتابوں میں بطورِ نص آئی ہے پس اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک نہ بناؤ اور اسلام لے آؤ بے شک یہ حق کا راستہ ہے اس میں نور ہی نور ہے۔ روشنی ہی روشنی ہے کوئی اندھیرا اس کے قریب بھٹکتا ہی نہیں۔

فصل دوم:

سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام شانِ صحابیت کا نقشِ اول ہیں

شانِ صحابیت کا نقشِ اوّل

بعد از عزیمت وفضیلت سید بطحاء، والدِ تاجدار ولایت، عمِ مصطفی ﷺ سیدنا حضرت ابو طالب علیہ السلام اپنے دیگر منفرد اور ممتاز فضائل ومناقب کے ساتھ ساتھ شانِ صحابیت کا بھی نقشِ اول ہیں۔

وضاحت:۔ معاصر اہل علم کو ہوسکتا ہے یہ بات ناگوار گزرے کہ میں نے سیدنا ابو طالب کو شانِ صحابیت کی عظمت یقین کیا ہے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔

عرف علماء میں صحابی کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ جس نے رسول دو عالم ﷺ کو عظمتِ یقین سے ایک لمحہ بھی دیکھا تو وہ صحابی قرار پایا۔ اگر یہ استقرائی اعتبار اہلِ علم کے ہاں مسلّم ہے تو پھر میں حق بجانب ہوں کہ سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کو صحابیت کی شانِ اول کہوں۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی عظمتِ یقین ایک ایسی قطعی حقیقت ہے کہ اسے قیامت بھی نہیں توڑ سکتی بلکہ ان کی عظمتِ یقین کا ہر لمحہ ایک نئی شان اور ایک نئے ولولے اور نئے عزیمت والے جذبوں سے سرشار نظر آتا ہے۔ بلکہ کائنات بھر کے لیے اُسوۂ یقین نظر آتا ہے پورے ذخیرۂ علم میں کوئی ایسا مانع اور معارض یقینی ہوا ہی نہیں جس میں ادنیٰ سا اشارہ ان کی عظمتِ یقین کے خلاف ہو۔ رہی وہ روایات جن میں ان کے تقدس کے خلاف فرسودہ خیالی کا تصور ملتا ہے وہ سب کے سب واہی تصورات ثابت ہو چکے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر اہل علم ان مصنوعی روایات کو صحیح یقین کرتے ہیں تو یہ ان کی خام خیالی ہے کسی بھی ضابطہ علم سے یہ روایات مفید یقین نہیں اور نہ ہی کسی درجے میں علم کا مرتبہ رکھتی ہیں جو مفید یقین ہوسکے۔ بنابریں ہم نے قرآن وحدیث اور تفسیر کے وسیع ذخائر میں وسیع مطالعہ اور غور کیا لیکن بھی حضرت ابو طالب کی شانِ صحابیت کے مانع کوئی یقینی دلیل نہیں ملی بلکہ ان کی صحابیت پر تو خود شانِ صحابیت کو ناز ہے۔ یہ اولوالعزم صحابی عظمت وفا کا بھی شاہکار ہیں جن کی وفاؤں کو خود نبی کریم ﷺ کی ذات نے تسلیم فرمایا ہے اور نبوی زبان سے سراہا ہے۔

سوال: اگر کوئی صاحب علم سوال کرے کہ اہل سنت کے ہاں صحبت نبوی کی جو تقسیم وتدریج اور تقویم قائم ہے اس میں میرا نقطہ نظر ایک واضح مداخلت ہے تو جواباً عرض کروں گا کہ اہل سنت کی جانب سے قائم کردہ تصورِ صحابیت اور تدریج صحابیت پر مجھے نہ کبھی اعتراض رہا نہ ہے۔ مگر میرا اہل سنت کے علماء پر سوال ہے کہ حضرت ابو طالب کو مرتبۂ صحابیت سے کس یقینی دلیل سے الگ رکھا ہے؟ حالانکہ جتنی نبوی صحبتیں قربتیں، خلوتیں اور جلوتیں اس نفسِ ذکیہ کو حاصل رہیں کائنات بھر میں ایسا بھرم کسی کے پاس نہیں۔ رہا علماء کے پاس مجوزہ روایات کا ذخیرہ جس سے تکفیر ابی طالب کرتے ہیں یہ محض مصنوعی افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت یقینی نہیں اور یہ میں ثابت کر چکا ہوں۔ یہ بوطلبی یقین ہی تو ہے جس نے پیکرِ نبوت کی مکمل حفاظت فرمائی اور

یقین کیا ہوتا ہے؟

۲۔ سید بطحا، حضرت ابوطالب کی صحابیت کا تسلسل پچاس سالہ عرصہ پر مشتمل ہے۔

دلیل:۔ اہل علم کے ہاں یہ معروف ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت ابتداء سے ہی متحقق ہے یعنی (النبی نبی ولو کان صبیاً) یعنی
نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ بچہ ہی ہو۔

تاہم اہل سنت کے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت ابتداء ہی متحقق ہے۔ رہا چالیس سال کا، یا کیا آموز
اس کا تعلق صرف اعلان نبوت کی حد تک ہے۔ مجھے ذخیرۂ علم میں کسی دینی علمی دلیل پر کوئی ایسا حوالہ نہیں ملا جس میں یہ
منصوص ہو کہ اعلان نبوت کے بعد صحبت نبوی شرف صحابیت کا باعث ہے اور اعلان نبوت سے پہلے صحبت نبوی شرف
صحابیت کا باعث نہیں ہے۔ رہا اہل علم کی تصریحات وہ استقراء کی حد تک تو مانی جا سکتی ہیں لیکن یہ استقراء قطعیت کا درجہ
نہیں رکھتا ہاں اگر اس استقراء کی قوت میں کوئی ایسی دلیل ہے جو ثبوت کے اعتبار سے اور دلالت کے اعتبار سے قطعی ہو تو یہ
الگ بات ہے اگر تبع اول حمیری کا خط ان کی عظمتِ یقین کا باعث ہو سکتا ہے تو سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام کے ذہنی اور حقیقی
جذبات عظمتِ یقین کی کیوں معراج نہیں ہو سکتے؟ تاہم کچھ قرآنی آیات کے اشارے اس طرف مشیر ہیں کہ اللہ کے نبی
سے جب بھی کوئی محبت، خلوص اور خدمت کا اظہار کرتا ہے تو اسے یقینی طور پر بہر صورت عظیم الشان شانوں سے نوازا جاتا
ہے۔ جیسے حضرت آسیہ بنت مزاحم نوازی گئیں۔ (القرآن)

۳۔ ہو سکتا ہے اہل علم میری اس بات سے اتفاق نہ کریں مگر میں قرآن کے دامن سے خوشہ چینی کرتے ہوئے یقین دلا سکتا ہوں کہ
نبی اپنی ولادت کے وقت ہی سے فیض رسانی کی عظمت رکھتے ہیں اور اس حقیقت کو تمام کائنات مانتی ہے۔ نبوت ایک
اعزاز ہے ایک منصب ہے جب بھی کسی کو دیا گیا تو اسی وقت سے وہ صاحبِ عظمت گردانا گیا۔ اس عظمت میں نبی کی عمر کے
تدریجی مراحل کبھی حائل نہیں ہوئے نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطبہ آغوشِ مادر میں اس حقیقت کا
عملی گواہ ہے جب پیکر نبوت بچپن سے ہی فیض رسانی کی صلاحیت رکھتے ہیں تو پھر شانِ صحابیت کے حوالے سے کونسا علمی
مانع ہے کہ نبی سے اس وقت وابستگی رکھنے والا صحابی نہیں ہو سکتا۔ شانِ صحابیت کبھی کسی اہل علم کی علمی تراش خراش سے نہیں
ملتی بلکہ صحبت نبوی کے فیض سے ملتی ہے۔ بنابریں سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی صحابیت نبی ﷺ کے یوم میلاد
سے ہی شروع ہو گئی تھی اور مسلسل پچاس سال تک رہی اور فیض باری رہی۔ آج تک بھی اور تا قیام قیامت بفضل تعالیٰ فیض
بار رہے گی۔

رہا اہل علم کا اس پر چیں بہ جبین ہونا مجھے اس کی اس لیے پرواہ نہیں کہ اہل علم کے پاس اس عظمت کے خلاف ثبوت و دلالت کے
اعتبار سے کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں جو سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی صحابیت کے خلاف بطور مانع علمی آ سکے۔ رہی علماء کی
تصریحات تو میں بلا دلیل کسی تصریح کا پابند نہیں ہوں ہاں علمی تصریح کی قوت میں کوئی یقینی دلیل لے آئیں تو میں قلم روک
دوں گا۔

مقتد... قرآن کریم کی آیات میں یہ واضح فرمایا گیا کہ نبی کی نبوی عظمت کی بابت عالم شہادت میں سب سے پہلے نبی کے خاندان کو آگاہ کیا جاتا ہے اور نبی کی فطری تربیت سے پہلے خاندانِ نبوت کی اخلاقی روحانی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے تا کہ نبوی پیکر جس ماحول میں تربیت فطری کے مراحل سے گزرے وہ ماحول پاکیزگیوں کی اعلیٰ معراج پر ہو اور یہ آگاہی بطور بشاراتِ الٰہیہ ہوتی ہیں۔ مثلاً جناب عیسیٰ علیہ السلام ہی کو لیجیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تشریف آوری کی بابت سب سے پہلے آپ کی والدہ حضرت مریم کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔

شہادت نمبر 1

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے اے جناب مریم ہم آپ کو ایک عظیم بیٹے کی خوش خبری دیتے ہیں وہ ہماری عظمتوں کی تجلی ہوگا اس کا نام مسیح بن مریم ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں صاحب عظمت وجاہت ہوگا۔ اور حضور صمدیت الٰہی میں مقربین کی شان ہوگا۔

نوٹ: بخوف طوالت اگلی آیات کی بابت صرف ترجمے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

ترجمہ: وہ آغوشِ مادر میں ہی نبوی خطبہ دے گا اور پختہ عمر میں بھی نبوی فیض سے کائنات کو نوازے گا۔ اور صالحین کی شان ہوگا اور کائنات کے باسیوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا اور تورات اور انجیل کے سربستہ راز کھولے گا اور بنی اسرائیل کی طرف شان والا رسول ہوگا (اپنے نبوی اعجاز میں یوں فرمائے گا) لوگو میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں اور واضح نشانیوں کے ساتھ آیا ہوں بے شک میں بناؤں گا تمہارے لیے سادہ مٹی سے پرندے کی صورت اور اس میں پھونک ماروں گا وہ اللہ کے اذن سے اڑتا ہوا پرندہ نظر آئے گا۔ اور میں مادرزاد اندھوں کو نورِ بصیرت عطاء کروں گا اور مردوں کو اللہ کے اذن سے زندہ کروں گا اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو وہ بھی بتاؤں گا اور جو کچھ تم گھروں میں ذخیرہ رکھ کر آتے ہو وہ بھی بتاؤں گا۔ بے شک اس میں عظمت الٰہی کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں تمہارے ہاتھوں میں جو تورات ہے اس کی اور وہ چیز حلال کروں گا جس کو تم نے خود سے حرام کر رکھا ہے اور میں تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آیا ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ اور اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

قارئین محترم! یہ وہ بشارت ہے جو نبی کی ولادت سے پہلے نبی کے گھر والوں کو میسر آئی اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے گویا نبی کی ولادت اور نبی کے مشن کی سب سے پہلے آگاہی نبی کے خاندان والوں کو دی جاتی ہے قرآن اس پر گواہ ہے یونہی امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے حضور ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت اور نبوی مشن کی پوری

تفصیلات سے آگاہی آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پورے خاندان عظمت کو سلسلہ بسلسلہ بشارات الٰہیہ پہنچتی رہیں جس کے آخری امین سید بطحاء وقار عرب وعجم حضرت ابوطالب علیہ السلام ٹھہرے اسی لیے وہ عمر بھر اس مشن کے لیے مستعد و چوکنا رہے جب وہ وقت عظمت آیا تو سب کچھ حتیٰ کہ اپنی نسلوں کو بھی اس مشن میں پیش کر دیا۔ کائنات گواہ ہے کہ جتنا خون ابوطالب علیہ السلام نے اسلام کے لیے دیا اتنا کسی نے بھی نہ دیا اور قبل از وقت اسلام کی ترویج اشاعت میں ان کا کردار ایک حقیقت ہے تو پھر ایسے حالات میں کونسا ایسا علمی مانع ہے جو ان کو شرف صحابیت سے دور رکھ رہا ہے۔ اہل علم کے ذہنی قوم استقراء سے پہلے جناب ابوطالب کو یہ ساری عظمتیں میسر تھیں ان کو اس تقدس کے حوالے سے کسی بھی اہل علم کی علمی تصدیق کی نہ حاجت ہے نہ ضرورت۔ کیونکہ ان کے حق میں خدائی تصدیقیں خود بول رہی ہیں۔ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۲ تا ۱۵)

ایک اور بشارت الٰہی کا اہتمام کیے دیتا ہوں ملاحظہ فرمائیں

بشارت نمبر 2

"فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹"

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ (اے زکریا!) آپ کو ایک عظیم بشارت دیتا ہے جناب یحییٰ کی جو تصدیق کنندہ ہوگا اللہ کے کلمات کی اور وہ سردار ہوگا انتہائی پاکباز ہوگا شان والا نبی ہوگا اور صالحین کی شان ہوگا۔ (سورۂ آل عمران آیت نمبر ۳۹)

قارئین محترم یہ نص قطعی بیان کر رہی ہے کہ نبی کی تشریف آوری سے پہلے خاندان نبوت کے نفوس قدسیہ کو ذات نبوت کی بابت بشارات خداوندی تسلسل کے ساتھ ملتی رہتی ہیں۔

بشارت نمبر 3

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اولاد دینا چاہی تو اس بابت قبل از وقت آپ کو بشارات سے نوازا۔ قرآن کریم نے اسے یوں بیان کیا

"اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ"

بے شک ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

اور فرشتوں نے مزید عرض کیا:

"قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ"

اے اللہ کے خلیل ہم آپ کو حق کے ساتھ علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

"اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ"

بے شک ہم آپ کو ایک سمجھدار بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ "الذریات:۲۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرے عظیم بندے کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دو۔ سو انھوں نے دی۔

اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم کی زوجہ محترمہ بھی پاس ہی موجود تھیں انھوں نے جب یہ بشارت سنی تو حیرت سے بولیں یہ کیسی بشارت ہے میں بانجھ ہوں اور میرا خاوند بوڑھا ہے اس پر قرآن کریم نے یوں تصدیق فرمائی۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ "

(سورۂ ہود آیت نمبر ۷۱ تا ۷۳)

اس بشارتِ خداوندی پر حضرت سارہ سلام اللہ علیہا ہنس پڑیں اس پر جوشِ رحمتِ الٰہی نے ایک انوکھا اور ذیشان بشارت کی صورت میں پیغام دیا فرمایا بی بی آپ تو بیٹے کی بابت تعجب کا اظہار کر رہی ہیں ہم تو آپ کو بیٹے کی بھی بشارت دیتے ہیں اور ساتھ ہی پوتے کی بھی۔ بی بی صاحبہ نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ہائے ہائے یہ کیسے ہو سکتا ہے میں بھی بانجھ ہوں اور میرے خاوند بھی ضعیف العمر ہیں یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ہم بیٹا جنیں گے؟ اس پر بارگاہِ قدس سے پیغام آیا کہ بی بی کیا تمہیں اللہ کے فیصلے اوپر تعجب ہے اور اللہ کی رحمت اور برکت پر تعجب کر رہی ہو؟ اے اہلِ بیتِ نبوت یہ ہمارا افضل ہو کر رہے گا بے شک ہم بہت بڑی بزرگی والے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ ہماری شان میں رطب اللسان ہے۔

قارئین کرام ان آیات نے تو حقیقت اور واضح کر دی کہ نبی جب تشریف لاتے ہیں تو فطرت کا تسلسل بھی انگشت بدنداں ہو جاتا ہے۔ نبی کی تشریف آوری عادت سے بلند ہوتی ہے بلکہ نظام عادی میں مزید حیرت انگیز حسن کائنات کا باعث ہوتی ہے اس نص سے چند امور طے ہوئے۔

۱۔ نبی جس حرم میں تشریف لاتے ہیں وہ حرم ہر اعتبار سے مقدس ہوتا ہے۔

۲۔ نبی جس پشت میں ہوتے ہیں وہ پشت تقدس مآب ہوتی ہے۔

۳۔ نبی جس شکم میں ہوتے ہیں وہ شکم حرمت مآب ہوتا ہے۔

۴۔ نبی امر الٰہی کا مظہر ہوتا ہے رحمتِ الٰہی کا مبداء ہوتا ہے اور برکاتِ خداوندی کا مخزن ہوتا ہے۔ یہ ساری نعمتیں، عظمتیں اس گھر میں مسلسل میسر رہتی ہیں جس گھر میں نبی تشریف فرما ہوتے ہیں۔

۵۔ نبی جس آغوش میں پلتے ہیں وہ آغوش عصمتوں کا حوالہ ہوتی ہے۔

۶۔ اہل بیت نبوت تمام کائنات کے نفیس ترین، عظیم ترین، عصمت مآب لوگ ہیں۔

اب سید بطحا، حضرت ابو طالب علیہ السلام ان ساری عظمتوں کے بنیادی مخزن بھی ہیں۔
نہیں کرسکتا۔ نہ ہی کسی کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل ہے۔ تو اتنے بڑے تقدس
کرنا کونسی علمی دیانت ہے۔ ہاں یہ نبی کے والد نہیں مگر العم صنو ابی (میرا چچا بھی باپ کی طرح
تصدیق ہے۔)

بشارت نمبر 6

نبی کی نبوت ورسالت کا سب سے پہلے ادراک خصوصاً گھر والوں کو ہوتا ہے۔

"وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۝" (القصص آیت نمبر ۷)

ترجمہ: اے حبیب ﷺ یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی فرمائی (الہام) کہ اپنے بیٹے کو دودھ پلاؤ اگر فرعونیوں کی تلاش کا خوف ہو تو پھر اس کو دریا میں ڈال دینا نہ خوف زدہ ہونا ہے نہ کبھی غمزدہ ہونا ہے بے شک ہم آپ ہی کی طرف جناب موسیٰ کو لوٹا دیں گے اور ان کو شان والا رسول بنائیں گے۔

مذکورہ بالا نص قطعی سے درج ذیل عظمتیں ثابت ہوئیں

۱۔ جس آغوش میں نبی ہوں وہ صاحب وحی ہوتے ہیں الہام خداوندی کا نور ان کے قلب وروح پر اترتا رہتا ہے۔
۲۔ اور انھیں نہ دنیا کا خوف ہوتا ہے نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے۔
۳۔ نبی علیہ السلام کے قریبی رشتہ داروں کو نبی کی نبوت کا شعور دیا جاتا ہے اور عظمت یقین دی جاتی ہے۔

قارئین محترم! مذکورہ بالا نص نے طے کر دیا ہے کہ نبی جہاں جہاں فطری سفر میں محوِ خرام ہوتا ہے وہاں وہاں اپنے نبوی جلووں کی رعنائیاں بکھیرتا رہتا ہے اور اس مقدس ماحول کے باسی مستنیر رہتے ہیں یہ قاعدۂ قدرت ہے جن جن کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی سپردگی فرماتے ہیں اُن اُن کو بے مثال اور لازوال عظمتوں سے مالا مال فرماتے ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت ابو طالب علیہ السلام عظمتوں سے سب سے زیادہ حصہ لینے والے ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ پچاس سال تک آغوشِ ابو طالب میں آسودہ راحت رہے کائنات میں ان جیسا بخت ور کوئی نہیں ہوسکتا۔ ہر عظمت کی ابتداء انہی کی آغوش سے ہوتی ہے اور ہر عظمت سمٹ کر انہی کی آغوش میں سما گئی۔ پھر بھی ان پر کفر وشرک کے فتوے یہ بدترین شرمناکی ہے۔

نوٹ: پچاس سالہ خدمتیں، قربتیں، خلوتیں، صحبتیں اگر کسی کے دامن میں ہیں تو سامنے لائیں ہم قلم روک لیں گے۔

خاص بات

اس میں کوئی شک نہیں جملہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی اپنی منفرد شانوں میں بے مثال ہیں۔ مگر کسی شخص کو بھی کاشانہ نبوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ یہ فردِ عظیم ایسے ہیں جو ہمہ وقت اپنے ہی کاشانہ میں ہیں اور خود نبی ﷺ مسلسل پچاس سال تک شب و روز ان کی آغوش میں آسودہ استراحت رہے۔ جملہ صحابہ کرام صحبتِ نبوی میں اپنا اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ کسی بھی صحابی کے پاس یہ اعزاز نہیں ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ بستر پر پچاس سال تک آرام کرتا رہو، کائنات میں یہ اعزاز اگر کسی کے پاس ہے تو وہ سید بطحاء حضرت ابو طالب ہیں جن کی خلوتیں، جلوتیں بلکہ سانسیں ہمہ وقت نبی کی رفیق رہیں اب بھی ان کی صحابیت پر اگر کسی کو شک ہے تو وہ اپنے نصیب پر روئے۔ یہ وہ مقدس وجود ہے جس سے نبی ﷺ لپٹ کر پچاس سال تک سوئے کسی کے دامن میں یہ شان نہیں۔ نبوی ازدواجی معاملات مستثنیٰ ہیں اعلانِ نبوت کے بعد کا زمانہ ہو یا پہلے کا سیدنا حضرت ابو طالب علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کا رشتہ روح اور جسم جیسا تھا۔ اس تقدس مآب صورتِ حال کے باوجود بھی اگر کوئی ان کی صحابیت کا انکار کرتا ہے تو وہ اپنے نصیب پر مزید روئے۔

سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کی منفرد صحابیت

تمام صحابہ کی شانِ صحابیت کی اپنی اپنی شان ہے مگر سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کی شانِ صحابیت کا سب سے عظیم اور منفرد مقام ایک الگ نوعیت کا ہے۔

۱۔ بہت سارے صحابہ کرام ایمان لانے سے پہلے معجزات کے طالب ہوئے مگر جناب ابو طالب نے زندگی بھر کبھی بھی نہ معجزہ طلب کیا ہے نہ خواہش رکھی ہے بلکہ بغیر طلب معجزہ کے حضرت ابو طالب علیہ السلام نے اپنا دل رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا اور اسی پر عمر بھر قائم رہے۔

۲۔ بہت سارے لوگ جب دربارِ رسالت ﷺ میں آئے تو سوالات کرتے اور اپنی اپنی بپتا سناتے مگر قربان جائیں سید بطحاء کی استقامت پر کہ زندگی بھر نہ کچھ مانگا نہ ہی کوئی بپتا سنائی بلکہ ہمہ وقت ہر سانس میں ہر لمحے اس ذوق سے سرشار رہے کہ بارگاہ عظمت میں اب کیا نذر کروں۔ اب کیا نذر کروں؟ اب کیا نذر کروں؟

۳۔ تمام صحابہ کرام نے اپنی اپنی بساط کے مطابق دین کے فروغ کے لیے قربانیاں دیں جتنی قربانی حضرت ابو طالب علیہ السلام کے دامن میں ہیں اتنی کائنات بھر میں کسی کے دامن میں نہیں۔ ان قربانیوں کا آغاز اپنی 35 سالہ حیاتِ عصمت سے کیا پچاسی سال تک ہر لحہ ترتیب وار مسلسل قربانیاں دیتے رہے۔ جب آخری لمحات آئے تو اپنی پوری نسل کو اس قربانی کے تسلسل کے لیے تیار فرمایا۔ پھر اس نسلِ عصمت نے کربلا تک کے سفر کے لیے قربانیوں کے انبار لگائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قربان ہوئے اور حضرت جعفر طیار جنگ موتہ میں قربان ہوئے اور حضرت عقیل بھی اسی جنگ میں قربان ہوئے پھر اگلا دور ان کی اولادوں کی

قربانیوں کا آیا جس کا پہلا سفر کربلا معلٰی تک مکمل ہوا۔ پھر مزید شروع ہوا کاشانہ نبوت اُموی غنڈہ گردی کی زد میں رہا اور آج تک یہ تسلسل جاری ہے۔ سارے صحابہ کرام کے پورے ریکارڈ میں کوئی ایک صحابی لایا جائے جس کے دامن میں اتنی قربانیاں ہوں پھر بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کا فر؟ نعوذ باللہ من ذالک الشر۔ اب تو یہ فراڈ، ڈرامہ بند ہونا چاہیے کیونکہ اس جھوٹے افسانے کی کوئی حقیقت نہیں ہے آفتاب آمد دلیل آفتاب است۔ سورج اپنی روشنی سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی شان میں صحابیت کا تقدس انکے روشن کردار کی متواتر عظمت سے پہچانا جاتا ہے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ اس پر ہم نہ دلیل دیتے ہیں نہ لیتے ہیں اگر کسی نے چیلنج کرنا ہے تو ان کے کردار کو چیلنج کر کے دکھائے۔

حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی شانِ صحابیت کی انفرادیت کی اُلوہی اور نبوی گواہی

قارئین محترم! حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی صحابیت کا تقدس خود خدائے ذوالجلال بیان فرما رہا ہے۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ دیگر صحابہ کرام کی صحابیت، معیت اور صحبت و قربت کے اعتبار سے متعارف ہے۔ مگر چونکہ حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کا کردار تمام صحابہ کرام سے منفرد اور ممتاز ہے بنا بریں ان کی شانِ صحابیت بھی تمام صحابہ سے منفرد اور ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی منفرد اور ممتاز صحابیت کی ان الفاظ میں گواہی دی

"اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوٰى"

اے حبیب ﷺ ہم نے آپ کو یتیم پایا تو مضبوط ٹھکانا اور پناہ گاہ عطا فرمائی۔ یہ ہمارے احسانوں میں سے ایک عظیم احسان ہے۔

قارئین محترم! اس پناہ گاہ کا یقینی مصداق حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام ہی قرار پائے اور تمام مفسرین نے اس قرآنی جملہ کی وضاحت میں جو معنوی صورت اختیار کی ہے وہ بڑی بے مثال ہے۔ تمام مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں بطور تفسیر یہ جملہ بیان فرمایا ہے "فَآوٰى اى ضَمَّكَ اِلٰى عَمِّكَ اَبِىْ طَالِبٍ" یعنی اے حبیب ﷺ ہم نے آپ کو ضم کر دیا ہے یعنی پیوست کر دیا ہے آپ کے چچا محترم حضرت ابوطالب کے وجود کے ساتھ۔ گویا آپ کے پیکر عصمت کی تمام تر حفاظت اور صیانت کی ذمہ داری ایسے شخص پر ڈال دی ہے جس پر ہم نے اپنا اُلوہی اعتماد کر لیا ہے اور حضرت سیدنا ابوطالب ہی ہماری معتمد علیہ شخصیت ہیں۔ یہ اپنی جہاتِ عصمت تک آپ کی خلوتوں، جلوتوں میں رفیق سفر رہیں گے۔ آپ کی تبلیغی مساعی میں موثر خدمات سرانجام دیں گے۔ آپ کے غم واندوہ کے حالات میں مونس و غم خوار رہیں گے۔ ان کی حمیت آپ کی حفاظت کی ضمانت ہوگی اس طرح

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔" کی تفسیر کا پہلا مرحلہ تکمیل پذیر ہوگا۔ (القرآن سورۃ المائدہ)

محبت و صحبت میں کبھی کبھی اتفاق ہو جاتا ہے۔ کہ ہر صحابی ہمہ وقت آپ کے ساتھ نہ رہ پائے کسی عذر کی بناء پر یا اتفاقی طور پر۔ مگر شانِ معیت یعنی پیوستگی وہ شان ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی آپ سے یہ نفسِ محترم جدا نہیں ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا ابوطالب علیہ السلام کی شانِ صحابیت کی بابت ایک عظیم گواہی ہے۔ کائنات کے کسی مجتہد، مفسر، محدث، مجدد میں قیامت تک ہمت ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو چیلنج کر پائے کیونکہ زمینی حقائق بھی ارادۂ الٰہی کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

رسولِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی

رسالت پناہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سیدنا ابوطالب کی شانِ صحابیت کی اپنی نبوی زبان سے گواہی دی ہے۔

جب حضرت سیدنا ابوطالب علیہ السلام کا وصال ہوا تو کفارِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کے سر مبارک میں مٹی تک ڈال دی۔ جس سے آپ بڑے ملول ہوئے اور کاشانۂ رحمت میں آئے تو سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جب یہ منظر دیکھا تو زار و قطار رونے لگیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں صبر کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جب تک میرے محسن چچا حضرت ابوطالب حیات رہے اور میری حفاظت پر مامور رہے تو کسی بھی کافر کو جرأت نہ ہو سکی کہ مجھ تک ہاتھ بڑھائے جونہی ان کا وصال ہوا کفار اپنے انتقام پر بڑھ کر اُٹھے اور مجھے ستانا شروع کر دیا گویا میرے چچا کریم کی میرے ساتھ رفاقت میری حفاظت کی ضمانت بنی رہی وہ میرے ساتھ پیوست رہے میں ان کے ساتھ پیوست رہا۔ اس پیوستگی کی طاقت کو توڑنے کی کسی میں ہمت تک نہ ہو سکی۔ (کتب سیر و تفسیر و حدیث)

قارئین کرام! جس تقدس مآب شخصیت کی شانِ صحابیت پر اور منفرد اور ممتاز صحابیت پر خدائے ذوالجلال اور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تصدیق فرما دیں کائنات کی کوئی طاقت اس تصدیق کا نہ معارضہ کر سکتی ہے نہ رد کر سکتی ہے۔

یہ نفسِ محترم رضی اللہ عنہم کا کائنات کا پہلا عنوان ہیں "وَرَضُوْا عَنْهُ" کی پہلی عملی تصدیق ہیں "السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی پہلی شناخت ہیں "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" کا پہلا پیکر محسوس ہیں "اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" کی عملی تفسیر ہیں۔ بنابریں اس پر مزید کسی اہل علم کی تشریح کی ضرورت ہے نہ تصدیق کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شخصیت کو کسی اہل علم کی علمی تصدیق کا ممنون احسان نہیں رہنے دیا۔ اہل علم کے بنائے ہوئے ریتلے تصوراتی تکفیری محل کو ایک ہی ضرب میں گرا کر رکھ دیا۔

سید بطحاء کی صحابیت قطعی ہے

محسن ملت اسلامیہ، افضل البشر بعد الانبیاء، سید بطحاء، حضرت ابو طالب علیہ السلام کی صحابیت بحمد اللہ تعالیٰ یقیناً قطعی ہے۔ اس کو نہ ماننا یا معاصر اہل علم کا چیں چاں کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جب قرآن حکیم اس حقیقت کی تصدیق کر رہا ہے نبوی فرمان تصدیق فرما رہا تو اب مزید نہ کسی تصدیق کی ضرورت ہے نہ دلیل کی۔

دلیل:۔ کائنات بھر کے اہل علم اس عقیدے پر قائم ہیں کہ پیکر صدق و وفا اسوۂ عشق مصطفیٰ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت قطعی اور یقینی ہے اور بطور دلیل اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (سورۃ التوبہ آیت)

شب ہجرت جب غار ثور میں قیام کے دوران تعاقب میں کفار مکہ غار کے دہانے پر پہنچے تو سید ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کے بجائے جان نبوت کے بارے میں حزن لاحق ہوا تو زبان نبوت سے برجستہ کلام نکلا غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے ساتھ ہے۔ ان جذباتی اور حقیقی کلمات نبوت کو قرآن کریم نے حکایۃً بیان فرما کر صدیق اکبر کی یقینی صحابیت کی تصدیق فرما دی ہے کیونکہ اس وقت غار میں اس آیت کا کل معنی و مصداق صرف حضرت صدیق اکبر ہی تھے اور کوئی نہ تھا۔ اس اعتبار سے مذکورہ آیت اس معنی میں قطعی الثبوت کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالۃ بھی قرار پائی۔ زمینی حقائق بھی اسی قطعیت کے گواہ ہیں اب تو یہ حقیقت حد تواتر تک معروف ہے کائنات میں اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ صحبت تین یوم تک رہی بعد ازاں یہ دونوں نفوس قدسیہ عازم مدینہ ہو گئے۔

قارئین محترم! اب ذرا اسی تصور عظمت میں سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کے حضور چلتے ہیں جن کی پہرے داریاں، بیداریاں پچاس سال پر محیط ہیں۔ خصوصاً شعب ابی طالب کے رت جگے بیقراریاں، قربانیاں، پیکر نبوت کے لیے حزن و ملال کے جذبات، شب و روز کے جانکاہ حالات سے نبرد آزمائی کی دولت۔ بیدار صرف اور صرف سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام ہی کا خاصہ ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم نے اس طویل ترین حقیقی عظمت کو یوں بیان فرمایا ہے

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ

حبیب ہم نے آپ کو یتیم پایا پس مضبوط پناہ عطا فرمائی۔ یعنی آپ کو ضم کر دیا آپ کے چچا محترم ابو طالب کے ساتھ۔ (اللہ اکبر)
مذکورہ آیت کریمہ کی بھی دلالت کے اعتبار سے وہی صورت ہے قطعیت میں جو توبہ کی آیت نمبر ۴۰ کی سیدنا ابو بکر صدیق کے بارے ہے۔ جیسے یہ نفس محترم آیت توبہ کا مکمل معنی و مصداق ہیں ایسے ہی محسن ملت اسلامیہ حضرت ابو طالب علیہ

مقدمہ السلام بھی مکمل معنیٰ و مصداق ہیں۔ سورۃ ضحیٰ کی آیت نمبر ۶ کا زمینی حقائق بھی اسی کے گواہ ہیں اور یہ حقیقت مکمل تواتر کے ساتھ ان کے حق میں ثابت بھی ہے۔ کائنات میں کوئی علمی مانع ایسا نہیں جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اس آیت کا معنیٰ و مصداق بننے سے روک سکے۔ کائنات بھر کے مفسرین نے بھی اسی معنیٰ و مصداق کا تعین کیا ہے۔ بنابریں مذکورہ آیت کریمہ قطعی الثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ سید بطحا، جناب ابوطالب علیہ السلام کے حق میں قطعی الدلالہ بھی ہے کیونکہ اس کا کائنات میں کوئی علمی مانع نہیں۔ بلکہ معنیٰ امعیت وصحبت میں کہیں زیادہ مضبوط معنیٰ انضمامیت کا ہے۔ جب معیت وصحبت کے معنی کے مصداق کی آیت توبہ کے ضمن میں صحابیت قطعی ہے تو معنیٰ انضمامیت کے مصداق کی صحابیت کی قطعیت بدرجہ اتم قطعی اور یقینی ہے کیونکہ انضمامیت معیت وصحبت سے ہر اعتبار اولیٰ ہے۔

ایک سوال وجواب

سوال یہ ہے کہ ہر دو آیات میں ہر دو شخصیات کا نام منصوص نہیں بنابریں مذکورہ آیات کی دلالت ان کے حق میں قطعی نہیں۔

جواب:۔ جانِ من! نام کو اس لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ ابہام نہ رہے یہاں بھی شواہد نے ابہام کا یکسر خاتمہ کر دیا ہے اور مدعا حاصل ہو گیا ہے یہاں نام نہ بھی ذکر کیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دونوں نفوسِ قدسیہ ہی مذکورہ آیات کا معنیٰ مصداق قرار پائے۔ کوئی علمی مانع ہر دو آیات اور ان کے مصداق میں حائل نہیں۔ بدیہی حقائق محتاجِ دلیل نہیں ہوا کرتے۔

نوٹ:۔ سید بطحا، کے تقدس کے خلاف آنے والے تمام مصنوعی دلائل کا رد ہو چکا ہے یہ مصنوعی دلائل اس ضمن میں علمی مانع کے طور پر ہرگز قبول نہیں۔ علاوہ ازیں اگر کسی کے پاس کوئی مانع علمی دلیل ہے تو لے آئے ہم حاضر ہیں۔

فصل ثالث:

شانِ صحابیت کے بنیادی تقاضے
اور سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

شانِ صحابیت کے بنیادی تقاضے اور سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام

صحابیت کوئی شوقیہ ٹائٹل نہیں بلکہ مسلسل نبوی جد و جہد پر قربانیاں دینے کا نام ہے۔ اس کے بنیادی تقاضے درج ذیل ہیں

۱۔ نصرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۔ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳۔ خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴۔ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

۵۔ حمایتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان عظمتوں کی بابت غیر مشروط قربانیاں دینا ہی ایک وفا شعار صحابی کا امتیاز ہے۔

۶۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کی امتیازی خصوصیات

سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام پوری کائنات میں ذواتِ انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کی فضیلتوں میں سب سے افضل واعلیٰ نظر آتے ہیں۔ اور ہر فضیلت میں سب سے اول نظر آتے ہیں۔

پہلی امتیازی خصوصیت نصرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو طالب علیہ السلام

دینی تاریخ میں سوا لاکھ انبیائے کرام کے تبلیغی اقدامات اور تبلیغی مساعی میں اہل النصرہ پہلی موثر قوت قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن پاک میں جا بجا بڑی عظمت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اہل نصرت کی نصرت والی سرگرمیوں کو پذیرائی بخشتے ہوئے فرمایا کہ تم جو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت میں دینی خدمات سرانجام دیتے ہو در اصل یہ میری ہی نصرت ہے۔ یعنی میرے دین کی نصرت ہے۔ قرآن اسے یوں بیان کرتا ہے۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" (سورۃ محمد: ۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے دین کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں دین پر ثابت قدم رکھے گا۔

خاص بات

دین کی مدد صرف اہلِ ایمان ہی کرتے ہیں کوئی کافر و مشرک دین حق کی مدد نہیں کرتا بلکہ مخالفت ہی کرتا ہے اس اعتبار سے اہل علم

کا یہ واویلا کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کافر و مشرک تھے یہ محض جھوٹ، فریب، فساد اور فراڈ ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام تو نصرت نبوی کے اعتبار سے کائنات بھر کے لوگوں میں سب سے پہلے ایمان کا عنوان قرار پائے۔ بلکہ جس کا ایمان کا واویلا اہل علم کرتے ہیں وہ ایمان تو سید بطحا کا طواف کرتا ہے بلکہ اس نفس محترم کا تو قدسی بھی طواف کرتے تھے یہ ذات والا صفات مطاف قدسیاں ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ ان کی آغوش رافت و شفقت میں مصروف رہے تو جس جگہ مرکز ایمان ہو اس جگہ کا قدسی طواف کریں یہ ایک بدیہی بات ہے۔ اس بابت ایک اور حوالہ رحمت ملاحظہ فرمائیں

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ۖ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ"

(سورۃ الصف:۱۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے مددگار ہو جاؤ (رسول اور دین کے مددگار ہو جاؤ) جس طرح جناب عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کون ہے اللہ کے دین کی بابت میرا مددگار تو حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں یعنی اللہ کے دین کے مددگار ہیں پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا پس ہم نے ایمان والوں کی تائید کی یعنی ان کے ایمان کی عظمت کو مضبوط کیا تو وہ مضبوطی ایمان کی بناء پر دین کے دشمنوں پر غالب آگئے۔

قارئین محترم! مذکورہ بالا آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دیا ہے اس میں سے چند ایک عظمتوں کا ذیل میں ذکر کیے دیتا ہوں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کا مددگار صرف اہل ایمان کو بنایا ہے کوئی کافر نبی کا مددگار نہیں بنا اور مدد کرنے کا صرف ایمان والوں ہی کو حکم دیا تو اس اعتبار سے حضرت ابوطالب علیہ السلام سب سے پہلے ناصرِ رسول قرار پائے اور سب سے پہلے عظمت ایمان قرار پائے۔ اور سب سے پہلے کامل مومن قرار پائے۔ اس اولیت میں کائنات کا کوئی شخص ان کا شریک عظمت نہیں۔ مذکورہ آیت کا مخاطب اول ہی حضرت ابوطالب قرار پائے۔

۲۔ حوالے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات جناب عیسیٰ السلام کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے دینی مدد کے لیے اپنے حواریوں سے فرمایا تھا اور حواری اس مخلص ساتھی کو کہتے ہیں جس پر نبی کامل اعتماد فرماتے ہیں اس اعتبار سے حضرت ابوطالب حواری رسول قرار پائے اور اول حواری قرار پائے۔

اسی لیے رسول دو عالم ﷺ نے حضرت ابوطالب پر کامل اعتماد نبوی فرمایا اور آپ کو اپنا صاحب اسرار بنایا اور کائنات بھر میں سب سے پہلا صاحب سرِ رسول جناب ابوطالب علیہ السلام قرار پائے۔ کائنات میں کوئی علمی مانع نہیں جو اس عظمت سے جناب

مقام سے ... رہیں وہ روایتیں جو اُن کے خلاف وارد ہوئی ہیں یا درآمد کی گئیں ہیں وہ محض مصنوعی فسانہ ہے ان کی کوئی
ابوطالب کو محروم کر سکے۔ ... قرآن کریم نے ایک نئے انوکھے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔
حقیقت نہیں اس عظمت کو قرآن کریم نے ایک نئے انوکھے انداز میں بیان فرمایا ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ "(آل عمران: آیت نمبر ۵۲، ۵۳)

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں کفر کی شدت کو محسوس کیا تو اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کے دین کے حوالے سے میری مدد کرے تو حضرت عیسیٰ کے ساتھی بولے کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں اور ہم اللہ کی عظمت پر یقین رکھتے ہیں پس اے اللہ ہمیں حق کا شاہد بنا اے اللہ جو آپ نے نازل فرمایا ہم اس پر کامل یقین رکھتے ہیں ہم تیرے حضور گردنیں جھکائے ہوئے ہیں تو ہمیں صاحب مشاہدہ بنا (سبحان اللہ)

قرآن پاک نے گواہی دی کہ ناصر رسول اللہ تعالیٰ کے ہاں بہر لحاظ محترم اور محتشم ہے تو پھر امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہر جو ناصر اول ہیں ان کو کس بنیاد پر اس تصور عظمت سے روک رکھا ہے؟

ایک شبہ کا ازالہ

بہت سارے اہل علم کا یہ خیال ہے کہ حضرت ابوطالب کی نصرت خونی تھی خاندانی تھی شرعی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ان اہل علم کو ان کی ذاتی رائے تو ہو سکتی ہے جس کی کوئی دینی حقیقت نہیں۔ اب ہم خود صاحب نصرت سے پوچھتے ہیں کہ حضور والا یہ نصرت خاندانی تھی یا کہ نبوی اور دینی تھی؟ تو جواب ملتا ہے

ــ "اُقِيْمُ عَلَى النَّصْرِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ   اُقَاتِلُ عَنْهُ بِالْقَنَاۤءِ وَالْقَنَابِلُ"

ترجمہ: میں تو استقامت کا کوہ گراں بن کر شان نبوت کی مدد کر رہا ہوں شانِ نبوت کے دشمنوں سے نیزوں اور سامان حرب سے لیس ہو کر مکمل تیاری کے ساتھ لڑ رہا ہوں۔ پھر اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو اس عظمت کی وصیت یوں فرمائی

اُوْصِيْ بِنَصْرِ النَّبِيِّ الْخَيْرِ مَشْهَدَهٗ   عَلِيًا اِبْنِيْ وَعَمَّ الْخَيْرِ عَبَّاسَا

وَ حَمْزَةَ الْاَسَدَ الْمُخْشِيَّ صَوْلَتَهٗ   وَجَعْفَرًا اَنْ تَذُوْدُوْا دُوْنَهُ النَّاسَا

وَ هَاشِمًا كُلَّهَا اُوْصِيْ بِنُصْرَتِهٖ   اَنْ يَاْخُذُوْا دُوْنَ حَرْبِ الْقَوْمِ امْرَاسَا

كُوْنُوْا فِدًى لَّكُمْ نَفْسِيْ وَ مَا وَلَدَتْ   مِنْ دُوْنِ اَحْمَدَ عِنْدَ الرَّوْعِ اَتْرَاسَا

بِكُلِّ اَبْيَضَ مَصْقُوْلٍ عَوَارِضُهٗ   تَخَالُهٗ فِيْ سَوَادِ اللَّيْلِ مِقْبَاسَا

وضاحت: اے بیٹے علی اور اے بھائی عباس میں تمہاری غیرت کے سپرد کرتا ہوں اپنی غیرت اور حمیت کے جذبات اور وصیت کرتا ہوں کہ تمہیں (اللہ کے نبی ﷺ کی) میرے فوت ہونے کے بعد بھرپور مدد کرنی ہے اور کفر کے وار سے مسلسل بچاتے رہنا ہے۔ اور ہمہ وقت رسول خیر ﷺ کی حفاظت پر کمر بستہ رہنا ہے اور اے حمزہ تیرا رعب و دبدبہ تو شیر ان پر بھی غالب ہے اور اے جعفر تیری استقامت ضرب المثل ہے۔ لہٰذا تم دونوں نے سپاہی بن کر میرے محبوب ﷺ کی حفاظت کرنا ہے۔ وصیت پر عمل فرض ہوتا ہے لہٰذا اس وصیت کو خوب نبھانا ہے اور اے بنی ہاشم میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اگر یہ لوگ جنگ پر کمر بستہ ہو جائیں تو تم رسول اللہ ﷺ کی ڈھال بن جانا ان کی حفاظت کرنا خاص کر جب خطرات سنگین تر ہو جائیں تو میدان کر میرے مصطفیٰ ﷺ کی حمایت میں کھڑے ہو جانا اور چمک دار آب دار تلواریں لے کر میدان میں نکل آنا اور کفار پر تلواریں تیزی سے چلانا کہ تمہاری تلواروں کی ضرب اتنی شدید ہو کہ اُن سے آگ کے شعلے نکلیں خصوصاً جب اللہ کے رسول ﷺ پر فدا کاری کا وقت آئے تو سب کے سب قربان ہو جانا۔ تابدار تلواریں لے کر میدان میں نکل آنا جو رات کی تاریکی میں (آپ کی تلواریں) دشمنوں کے سروں سے یہ تلواریں یوں ٹکرائیں کہ ان کے شعلوں سے رات کی تاریکی روشن ہو جائے اور دشمنوں کی گردنیں اس ڈھنگ سے اڑانا کہ صبح کے وقت گدھیں آ کر ان کے منحوس وجودوں کو نوچ لیں۔

قارئین کرام! یہ ہے نصرتِ نبوی میں ایک غیور للکار۔ نہ جانے اہل علم کو یہ کیسا ڈراؤنا خواب آ گیا کہ انھوں نے جناب ابو طالب کی نصرت کو خونی قرار دے دیا اور شرعی نصرت کا انکار کر دیا۔ اور بیٹھ کر قلم کاریاں کرنا اور بات ہے میدان کارزار میں اتر کر سر سے کھیلنا بہت مشکل ہے۔

نوٹ: اہل علم خونی اور شرعی محبت کی تقسیم کسی شرعی دلیل سے واضح کریں ذہنی اندازوں سے نہیں پھر خونی محبت کی الگ سے ترجیحی دلیل دلائل شرعیہ سے دیں انکل پچو نہیں چلے گا۔

ایک اور حوالہ نصرت ملاحظہ فرمائیں

"فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ:۔ پس وہ لوگ جو عظمتِ یقین سے سرشار محبت ہوئے اور نبی (ﷺ) کی تعظیم و توقیر میں مستعد رہے اور نصرت رسول ﷺ میں یکسو رہے اور اتباع کی اس نور کی جو رسول ساتھ لے کر آئے یہی بلند بخت لوگ ہیں فلاح و کامرانی جن کا مقدر ہے۔

ایک اور حوالہ عزیمت ملاحظہ فرمائیں

"وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (البقرہ: ۱۷۷)

ترجمہ:۔ وہ صاحبانِ عزیمت لوگ اتنے بلند بخت ہیں کہ وہ اپنے عظمتوں کے کیے وعدے کو کمال وفا کے ساتھ عظمت معراج دیتے ہیں اور شانِ عزیمت کے ساتھ آنے والی تمام مشکلات کا ہنس کر مقابلہ کرتے ہیں خواہ تنگی کے حالات ہوں، تنگی

عقدت کے حالات ہوں یا پگھلا دینے والی صعوبتیں ہوں سب کا ہنس کر مقابلہ کرتے ہیں صبر و استقامت کے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ حبیب ﷺ بھی من کے سچے لوگ ہیں اور یہی لوگ عظمت تقویٰ والے ہیں۔

قارئین کرام اب آپ ان قرآنی آیات کا مدعاء کلام دیکھیں اور ان آیات میں ان کے معنوی افراد اور مصداق تلاش کریں گے تو ان تمام حرمت مآب جذبوں میں جو سب سے اوپر جذبہ بیدار نظر آئے گا جو مصداق آیت ہونے میں مذکورہ آیات کا کامل و اکمل معنی ہوگا اسی کا نام سیّد بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ہے۔

اب نہ اہل علم میرے اس استدلال پر یقینی طور پر کبیدہ خاطر ہوں گے مگر میں انھیں اعلانیہ کہتا ہوں کہ وہ میری مستدلہ آیات اور میرے استدلال کے درمیان کوئی یقینی علمی معارضہ لے آئیں یہ کوئی اعتراض نہیں کہ پہلوں نے یہ استدلال نہیں کیا تو میں نے کیوں کر ڈالا۔؟

ستدلال کی اہل علم علمی صورت کا جائزہ لیں تو یقیناً فقیر کا استدلال مکمل علمی کوائف کے ساتھ ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اصول تفسیر کا ایک مکمل مسلمہ ضابطہ ہے کہ آیات جن موارد میں نازل ہوں آیات کا اثر محض ان میں منحصر نہیں بطور ضابطہ خصوصِ واقعہ نہیں بلکہ عمومِ الفاظ ملحوظ ہوتے ہیں اس عموم کا نقش اول سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں بداہت عقل بھی اسی کی گواہی دیتی ہے اور زمینی حقائق بھی اسی عظمت کے مدح خواں ہیں۔

ت:۔ مذکورہ آیات میں جتنے بھی عمومات بیان ہوئے میں نے اُن کا مصداقِ اول معنوی اعتبار سے سیّدِ بطحاء کو قرار دیا ہے اور یہی حقیقت ہے۔ اب اہل علم سے گزارش ہے کہ آپ اس عموم میں سے سیّد بطحاء کو کسی مخصص دلیل کی بناء پر خاص کر کے دکھا دیں چونکہ مذکورہ عمومات یقینی اور قطعی ہیں بنابریں ضروری ہے کہ ان کا مخصص بھی قطعی اور یقینی ہو کوئی غیر یقینی اور ظنی مخصص قابل قبول نہ ہوگا۔

یا سوال کہ اس طرح کا استدلال پہلوں نے نہیں کیا تو یہ اُن سے پوچھیں کہ کیوں نہیں کیا؟ مجھ سے میرے استدلال کی بابت پوچھیں تو میں حاضر ہوں۔ اس پر مزید علمی گفتگو محفوظ رکھتا ہوں۔ جناب سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا کردار بلندی ان کی ہر عظمت کی دلیل ہے اور یہ کردار اتنا بلند ہے اسے مصنوعی جز کٹی، دھڑ کٹی اور سرکٹی روایات سے دبایا نہیں جا سکتا۔ اہل علم میری گزارش نہ کریں بلکہ اپنی روایات کو یقینی بنائیں پھر بات کریں۔

شانِ صحابیت کا دوسرا تقاضا

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیّد بطحا، حضرت ابو طالب علیہ السلام

شانِ صحابیت کا دوسرا تقاضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر مشروط محبت ہے۔

جب ہم اس میدان میں مدارج محبت کا علمی روحانی اخلاقی جائزہ لیتے ہیں تو سید بطحا، حضرت ابو طالب علیہ السلام اس محبت کی اُس معراج پر ہیں کہ جہاں تک کوئی جا نہیں سکتا اور یہ محبت طرفین میں اس قدر شدید تھی کہ اس کی کائنات میں مثال ہی نہیں ملتی۔ قرآن کریم نے اس کی پوری مثال دی ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ" اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ" وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا" رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ" اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (مجادلہ: ۲۲)

ترجمہ: اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے جو کامل محبت کرتے ہیں آپ کی محبت اُن پر اتنا غالب آچکی ہے کہ کائنات کی کوئی محبت اس سے ٹکرا نہیں سکتی۔ اگرچہ یہ محبتیں انتہائی قریبیوں کی محبتیں ہی کیوں نہ ہوں خواہ ان کے ماں باپ ہوں اولادیں ہوں اور قریب سے قریب تر رشتہ دار ہوں اور بہن بھائیوں کی محبت ہی کیوں نہ ہو ہر محبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے بہت پیچھے ہے۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی وہ بلند بخت لوگ ہیں جن کے دلوں کی تختیوں پر ہم نے اپنے قدرت کے ہاتھوں سے ایمان کی تحریر لکھ دی ہے۔ اور ان کا ایمان آپ کی محبت میں مضبوط کر دیا ہے۔ اور ان کے ایمان کی حفاظت کے لیے تائید کے لیے فرشتوں کے سردار جناب حضرت جبریل علیہ السلام کو یہ ذمہ داری سونپ دی ہے کہ وہ ان کے من میں اس روشن محبت کی حفاظت کریں اور ان کو اللہ تعالیٰ ایسے عظیم باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے ہر حال میں راضی ہے وہ اللہ سے ہر حال میں راضی ہیں۔ یہی وہ بلند بخت لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت والی جماعت ہیں آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت کو ہی فلاح ہے۔

قارئین محترم! آپ محبت کا تدریجی ارتقائی جب سفر فرمائیں گے تو انتہائے محبت پر حضرت ابو طالب علیہ السلام ہی ہر لحاظ سے آپ کو نظر آئیں گے۔

نوٹ:۔ بعض اہل علم محبت کی یہاں ذاتی تشریح کرتے ہیں اور اس محبت کو طبعی محبت کہتے ہیں۔ دینی اور روحانی محبت نہیں مانتے۔ یہ اہل علم کا بے دلیل ذہنی اختراعی مخمصہ ہے پیکر نبوت سے جس انداز کی بھی محبت ہو وہ قابل قدر ہے پھر اگر یہ بات اہل علم کی

مقدمہ کہ حضرت ابوطالب کی محبت طبعی خاندانی یا خونی تھی تو پھر نبی کریم ﷺ کی ابوطالب سے محبت کونسی تھی؟ اور وہ مان لی جائے کہ حضرت ابوطالب کی محبت طبعی خاندانی یا خونی تھی تو پھر نبی کریم ﷺ کی ابوطالب سے محبت کونسی تھی؟ اور وہ بھی ایک کافر سے؟ اہل علم کو ہوش کے ناخن لینے چاہییں۔ حرم نبوت کے فیصلے کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے اہل علم حرم نبوت کی بابت فضول مفتی نہ بنیں نہ ہی ایسے فضول فتوؤں کی کوئی دینی یا شرعی حیثیت ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ حضرت ابوطالب رسول دو عالم ﷺ سے شدید محبت فرماتے تھے۔ یہ محبت اپنے حوالہ عظمت میں اتنی بلند ہے کہ نہ لفظوں میں سکت ہے نہ معنوں میں ہمت ہے۔ کہ اس محبت کا احاطہ کر پائیں۔ بس اس پر اتنا ہی کافی ہے۔

؎ درمیان عاشق و معشوق رمزیست　　　　که کراما کاتبین را هم خبر نیست

اس محبت کو قرآن کریم نے ایک اور زاویہ عظمت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ࣙ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ" (توبہ:۲۴)

ترجمہ: اے حبیب ﷺ فرما دیجیے کہ اگر تمہارے ماں باپ، اولادیں، عورتیں، بہن بھائی اور عزیز و اقارب اور وہ مال جس کے نقصان کا تمہیں خدشہ رہتا ہے اور وہ مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو اگر اللہ اور رسول کی محبت سے تمہیں زیادہ محبوب ہیں اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ جائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات نے کائنات کی تمام محبتوں سے بڑھ کر اپنی اور اپنے محبوب ﷺ کی محبت کو قرار دیا ہے اور جناب ابوطالب اس عظیم محبت کا اُسوۂ کامل ہیں۔ کائنات کا کوئی یقینی علمی مانع جناب ابوطالب کو اس محبت سے ہٹا نہیں سکتا۔ کائنات کی ہر حقیقت اس کی گواہ ہے۔ ایک اور حوالہ محبت ملاحظہ فرمائیں۔

"وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ" (المائدہ:۵۶)

ترجمہ: کائنات میں بلند بخت ہے وہ شخص جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اور ایمان والوں سے دوستی رکھتا ہے بے شک یہ اللہ کی جماعت کا بندہ ہے اور اللہ کی جماعت ہی ہمیشہ غالب ہے۔

قارئین محترم المحسن اسلام و محسن بانی اسلام و محسن اہل اسلام سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام اس آیت کا مصداق اول ہیں وہ اللہ سے بھی پیار کرتے تھے رسول سے بھی پیار کرتے تھے اور اہل اسلام سے بھی پیار کرتے تھے۔ اس کی تائید ایک اور آیت کریمہ کی صورت میں ملاحظہ فرمائیں:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ" (المائدہ: ۵۴)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جو تم سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایسی قوم لے آئے جو اللہ سے پیار کریں اور اللہ ان سے پیار کرے اور ان کے مزاج کی عظمت یہ ہوگی کہ وہ ایمان والوں پر انتہائی نرم ہوں گے اور کافروں پر انتہائی سخت ہوں گے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کریں گے یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے اور اسے عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اللہ بہت وسعت اور بہت علم والا ہے۔

قارئین محترم! یہ آیت ایک قاعدہ اور کلیہ کی عظمت میں نازل ہوئی ہے جو اللہ سے شدید محبت کرتا ہے اللہ بھی اس سے بے انتہا محبت فرماتا ہے اور اس کی محبت کا نور جب بندے پر غالب آجاتا ہے تو بندہ مومن کے پیکر خاکی میں حق اور باطل کی تمیز کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے بنابریں وہ شخص اہل ایمان پر انتہائی نرم دل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ان میں بھی اللہ کی ذات کے بارے میں نور یقین دیکھتا ہے اور اہل باطل میں اللہ سے دوری کا فتور دیکھتا ہے۔ تو یہ اُن پر سخت مزاج ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے اللہ کی محبت کے خلاف آنے والے ہر احساس سے لڑ جاتے ہیں اور جب اس وفا کی مستی میں عیار لوگ انہیں تکتے ہیں تو انہیں طعنہ دینا شروع کر دیتے ہیں مگر یہ اللہ کی محبت سے مغلوب اتنے مست ہو جاتے ہیں محبت و عشق الٰہی میں کہ انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی نہ ہی کسی کے طعنوں سے وہ عشق الٰہی کا راستہ چھوڑتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ فضل عمیم کی برکھا برساتا رہتا ہے وہ اللہ کے فضل و احسان کے نور میں نہا جاتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ دولت بیدار اسے دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ حال یہ ہے کہ اللہ صاحب وسعت اور صاحب شان ہے اور اپنے محبوبوں پر احسان و اکرام کی بارش برساتا ہے۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی اس آیت کریمہ کے تمام معنوی محاسن جناب ابوطالب میں بدرجہ اتم نظر آتے ہیں کیونکہ

۱۔ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت کرتے ہیں۔

۲۔ وہ اہل ایمان پر محبت اور شفقت کے جذبوں میں ہمیشہ بچھے رہتے تھے۔

۳۔ وہ کفار مکہ کے رویوں کے خلاف سخت مزاج تھے۔

۴۔ وہ فروغ اسلام میں مسلسل جدوجہد کرتے رہتے تھے۔

۵۔ اس عظمت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ا ، بلکہ اہل ایمان کی طرح ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

ان۔ مجھے پورے قرآن کریم اور ذخیرۂ حدیث سے مصداق معنی بننے کے خلاف جناب ابوطالب کی بابت کوئی یقینی علمی مانع نظر نہیں آیا۔ پھر اہل علم کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ اس نفس محترم کو ان عظمتوں سے محروم رکھیں؟ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی محبتیں مکمل تواتر سے ثابت ہیں کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی محبت کا اظہار یوں فرماتے ہیں

"محمد تفد نفسک کل نفس اذا ما خفت من شیء تبالاً"

ترجمہ:۔ اے محمد ﷺ آپ کی جان اتنی قیمتی ہے جب کبھی اسے خطرات لاحق ہوں تو میں پوری کائنات کو آپ پر قربان کر دوں۔

یہ مذکورہ آیات کا ترجمہ اور تفسیر کہ اپنی ہر شے حضور نبی کریم ﷺ پر قربان کر رہے ہیں اور اپنے خون جگر سے ان آیات کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔

اپنی اولاد کو بھی نصیحت فرما رہے ہیں

"کونوا فدی لکم نفسی و ما ولدت من دون احمد عند الروع اتراسا"

ساری عمر خود قربانیاں دیتے رہے آخری سانسوں میں اپنی اولاد کو قربانی کے لیے تیار کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد ﷺ پر فدا ہو جانا۔

قارئین محترم! جو فرمایا وہ کر کے دکھایا ساری اولاد رسول اللہ ﷺ پر قربان کر دی۔ حضرت علی قربان ہوئے۔ حضرت جعفر، حضرت عقیل قربان ہوئے پھر ان کی اولادیں قربان ہوئیں پھر ان کی اولادوں کی اولادیں بھی قربان ہوئیں یہ وہ حوالۂ محبت ہے جو سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے علاوہ کائنات میں کسی کے پاس نہیں۔ اگر تاریخ اسلام میں کوئی ایسا شخص ملتا ہے جس کے دامن میں اتنی قربانیاں ہوں یا جو اتنے شہیدوں کا مورث اعلیٰ ہو سامنے لایا جائے ہم قلم روک لیں گے۔ پھر جب کسی کے پاس اتنی قربانیوں کا تسلسل ہے ہی نہیں تو سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اسوہ محبت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ جب رسول ﷺ پر قرآن کریم میں جتنی آیات ہیں اور ذخیرہ احادیث میں جتنی روایات ہیں تمام آیات و روایات کا مصداق اول سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں اور عنوان اول بھی آپ ہیں اور اسوۂ کامل بھی آپ ہیں پوری کائنات کے اہل علم کے پاس کوئی ایک بھی ایسا یقینی علمی مانع موجود نہیں جو سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کو ان روایات و آیات کا معنی اول ہونے سے روک دے اسی لیے میں برملا کہتا ہوں کہ حوالۂ محبت میں

عظمتوں کی ابتداء ہیں سید بطحاء حرمتوں کی انتہاء ہیں سید بطحاء

شان صحابیت کا تیسرا تقاضا

حمایتِ رسول ﷺ اور سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

کائنات کے فطری نظام کے اندر حالات کے نشیب و فراز لوگوں سے وابستہ رہتے ہیں کبھی کبھی انسان جب تنہا خود کو حالات کے سامنے اکیلا دیکھتا ہے تو اس کا بنیادی تقاضا فطرت یہ ہوتا ہے کہ کوئی حامی و ناصر ملے جو مجھے حالات کے بھنور سے نکالے۔ ایسے حالات میں اولوالعزم انبیا علیہم السلام بھی زد میں آئے۔ اسی طرح رسول خدا ﷺ بھی زد میں آئے مگر اولوالعزمی استقامت پامردی ان نفوس قدسیہ کی رفیق سفر رہی اور اللہ تعالیٰ کی ذات نے بھی ان کے ایسے ساتھیوں کا انتخاب فرمایا جن کی حمایت نے دین حق کے فروغ میں موثر کردار ادا کیا انہی کرداروں میں سے ایک تابدار کردار جناب ابوطالب علیہ السلام کی ذات بھی ہے جو دین حق کی اس وقت للکار بنے جب رسول دو عالم ﷺ کی حمایت میں مکہ میں کوئی بھی کھڑا ہونے کو تیار نہ تھا ایسے میں ایسے حالات میں سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کفر کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور گرج دار الفاظ میں شعروں کی صورت میں کفر کو یہ پیغام دیا جس سے کفر کا کلیجہ دہل گیا اور فرماتے ہیں

اَلَیْسَ ابونا ہاشمٌ شدَّ ازرہٗ   و اوصی بنیہ بالطعانِ و بالضربِ

و لَسْنَا نمل الحرب حتی تَمَلَّنَا   ولا نشتکی ما قد ینوب من النکب

و لکننا اھل الحفائظ والنھی   اذا طار ارواح الکماۃ من الرعب

ترجمہ:۔ اے کفار مکہ کیا تم جانتے نہیں ہو ہمارے جد کریم کا نام حضرت ہاشم ہے انھوں نے ہمیں اس وقت کے لیے فنون حرب سکھائے اور ہماری کمر کو مضبوط کیا انھوں نے اپنی اولاد کو دشمنوں کے مقابلہ کے لیے شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی کتنی اچھی تربیت دی ہے ہمارے نیزوں کی دھاریں دشمنوں کا جگر چیر کر رکھ دیں گی۔ یاد رکھو ہم وہ لوگ ہیں کہ جنگ تو ہم سے تھک سکتی ہے مگر جنگ سے ہم نہیں تھکنے والے حالات چاہے کتنے ہی سخت ترین ہو جائیں ہماری زبانیں کبھی بھی حرف شکایت نہیں بولیں گی۔ سخت ترین حالات میں بھی جب بڑوں بڑوں کی ہمت بھی جواب دے جاتی ہے تو پھر ایسے حالات میں بھی ہماری حمیت اور غیرت پورے عروج پر رہتی ہے۔ باوجود اس کے بھی ہم اہل عقل دانش ثابت ہوتے ہیں۔ محمد ﷺ کی حمایت ہمارے یقین کا عنوان ہے اور ان پر قربانی ہماری فطرت کی معراج ہے۔ مزید فرماتے ہیں

فلسنا و رب البیت نسلمکم احمد   لعزاء من عض الزمانِ ولا کرب

و لما تبن منا و منکم سوالف   واید اُترت بالقاسیۃ الشھب

بمعترك ضنك ترى كسر القنا — به والنسور الطخم يعكفن كالشرب

كأن صهال الخيل في حجراته — و معمعة الابطال معركة الحرب

ترجمہ: رب کعبہ کی قسم ہم حضرت محمد ﷺ کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دیں گے چاہے زمانے کی سختیاں کتنی ہی زیادہ ہو جائیں۔ اے کفارِ مکہ جب ہماری تلواروں کے ساتھ آمنا سامنا ہوگا تو ہم تمہاری گردنیں گاجر مولی کی طرح کاٹ دیں گے اور اڑا دیں گے اور معرکہ میدان کارزار میں گرم ہوگا تو ہمارے نیزوں کے شعلے جب اٹھیں گے تو تمہاری آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ ہمارے جلال حشمت سے تم کرتے ہوئے نظر آؤ گے ہمارے گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے تمہارے بڑے بڑوں کے دل دہل جائیں گے ذرا جنگ کر کے تو دیکھو ہم تمہیں تگنی کا ناچ نچائیں گے۔ مزید فرمایا

و ينصره الله الذي هو ربه — بأهل العقير او بسكان يثرب

فلا والذي يخدي له كل مرتم — طليح بجنبي نخلة فالمحصب

يميناً صدقنا الله فيها و لم نكن — لنحلف بطلاً بالعقيق المحجب

نفارقه حتى نصرع حوله — و مال بال تكذيب النبي المقرب

ترجمہ: اگر کسی کی ہمت ہے تو وہ حضرت محمد ﷺ پر ہاتھ اُٹھائے ہم تو ان کی حمایت میں کھڑے ہی ہیں مگر اللہ تعالیٰ بھی اپنے عزو جل کے ساتھ ان کی مدد فرما رہا ہے۔ وہی اُن کا رب کریم ہے پھر دیکھنا اے کفارِ مکہ بحرین تک اور یثرب کے باشندے بھی ان کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں گے اور تمہیں بھاگنے کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔ خدائے ذوالجلال کی عزت کی قسم مکہ کے قرب و جوار کی وادیاں محصب کا علاقہ ان کے ساتھ سرنگوں ہوں گے ہم راہ جاتے ہوئے کعبہ کی قسم نہیں اٹھاتے بلکہ اٹھاتے ہی اس وقت ہیں جب اس کو پورا کرنا ہوتا ہے مگر شانِ خداوندی پر قربان کہ وہ بھی ہماری اٹھائی قسموں کی تصدیق اور تائید کر دیتا ہے۔ خدا کی قسم ہم رسولِ خدا ﷺ کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی حمایت میں قتل کر دیے جائیں۔ اے اہلِ مکہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ایک سچے اور مقرب نبی کی تکذیب کرتے ہو؟

قارئین محترم! قرآن کریم بھی انہی جذبوں کی تصدیق اور تائید فرماتا ہے اور انہی جذبوں کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (البقرہ: ۱۷۷)

ترجمہ: وہ صاحبانِ عزیمت لوگ اتنے بلند بخت ہیں کہ وہ اپنے عظمتوں کے کیے وعدے کو کمالِ وفا کے ساتھ عظمتِ معراج

دیتے ہیں اور شانِ عزیمت کے ساتھ آنے والی تمام مشکلات کا ہنس کر مقابلہ کرتے ہیں خواہ تنگی کے حالات ہوں، سختی کے حالات ہوں یا پگھلا دینے والی صعوبتیں ہوں سب کا ہنس کر مقابلہ کرتے ہیں صبر و استقامت کے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ حبیب ﷺ یہی من کے سچے لوگ ہیں اور یہی لوگ عظمت تقویٰ والے ہیں۔

قارئین محترم! یہ ہے محبت کی وہ روشنی جس نے چاند سورج کی روشنی کو بھی رونق بخشی ہوئی ہے پوری تاریخ اسلام میں ہے کوئی ایسا نابغۂ روزگار جس کے سامنے پورا مکہ سرنگوں ہو عالم کفر اس للکارنے والے شیر کے مقابلہ میں ذرا دم مار کر تو دیکھے اور اس کا اعتراف تو خود رسول دو عالم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ جب تک چچا محترم زندہ رہے کسی کافر کو جرأت نہ ہو سکی کہ مجھ تک ہاتھ بڑھائے۔ یہ ہے وہ بے مثال حمایت جس پر خدائی رحمت بھی عش عش کر اٹھی نہ جانے حجرے میں بیٹھ کر قلمکاری کرنے والے مکفرینِ ابی طالب کو اندھی عینک سے ان میں کون سا کفر نظر آ گیا۔

اب ہم اہل علم کے ذہنی اندازے مانیں یا حقیقت کی روشنی میں چلیں۔ بجائے اس کے کہ ہم کسی ایسی دلیل کا سہارا لیں جو کسی بھی اعتبار سے قابل اعتراض ٹھہرے سو ہم اُس ذات کے کلام کو ہی دلیل بناتے ہیں جس کے ساتھ یہ سارے واقعات ہوتے رہے اور وہ اُن سے نبرد آزما رہے اور عینی شاہد رہے "لیس الخبر کالمعاینہ "خبر معائنے کی طرح نہیں ہوتی۔ عینی مشاہدہ ہی پکی قوی قوت ہے حمایتِ رسول ﷺ میں بابائے ملتِ اسلامیہ سیّدِ بطحا، ابوطالب یوں گرجتے ہیں۔

مَنَعْنَا الرَّسُوْلَ رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ   ببيض تلا لألمع البروق

بضربٍ يُذَبِّبُ دُوْنَ النِّهَابِ   حذار الوَتَائِرِ و الْخَنَفْقِيْقِ

اُذُبُّ وَ اَحْمِيْ رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ   حِمَايَةَ حَانٍ عليه شفيق

وَمَا اِنْ اُدُبُّ لِاَعْدَائِهٖ   دَبِيب البكار حذار الفنيق

ولكن اَزِيْدُ لَهُمْ ساميًا   كَمَا زَارَ لَيْثٌ بغيلٍ مُضِيْق

ترجمہ:۔ (اے کفارِ مکہ) ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کے رسول ﷺ کے دفاع میں کھڑے ہو گئے ہیں آبدار تلواروں سے مقابلہ کرنے کے لیے ہم کھڑے ہو گئے ہیں ہماری تلواریں آسمانی بجلی کی طرح کوندتی اور گرتی ہیں اور دشمنوں کو جلا کر رکھ دیتی ہیں۔ ہماری ضرب ایسی ہے کہ جو انسان نما حیوانوں کو بھی بھاگنے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس تلوار کی شان یہ ہے کہ یہ دشمنوں کے ہجوم میں گھس جاتی ہے مقابلہ کے لیے اور سرکشوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیتی ہے ہم ان تلواروں کے ذریعے اللہ وحدہٗ لاشریک کے رسول ﷺ کا دفاع کر رہے ہیں۔ اور ہماری تلواریں رسول ﷺ کی حمایت میں دشمن رسول کے خون کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ ہماری یہ حمایت کائنات کے ایک شفیق اور مخلص انسان کے لیے ہے۔ اے کفارِ مکہ یاد رکھو ہم دشمن کی طرف اس طرح نہیں آتے

ملتی جیسے کوئی اونٹ کی طرف بوجھل قدموں کے ساتھ آتی ہے یعنی با دل ناخواستہ آتی ہے۔ بلکہ ہم دشمنوں کی طرف اس طرح بڑھتے ہیں جیسے غضبناک شیر حالت غضب میں چنگھاڑتا ہوا اپنے شکار کی طرف بڑھتا ہے اور اس کے فرار کا راستہ تنگ کر دیتا ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں

"اِنَّ الْوَثِیْقَةَ فِیْ لُزُوْمِ مُحَمَّدٍ　　بِصُحْبَتِهٖ فَاشْدُدْ عَلٰی یَدَیْکُمَا"

ترجمہ: اے علی اے میرے نور نظر سب سے زیادہ پُر اعتماد بات یہی ہے کہ محمد ﷺ کی ذات کے ساتھ مکمل پیوستہ رہا جائے لہٰذا تم ان کے ساتھ سائے سے بھی زیادہ قریب رہا کرو اور حفاظت و حمایت میں ایک لمحہ کی سستی بھی ناقابل برداشت ہے کیونکہ محمد ﷺ کی جان اور ذات اتنی قیمتی ہے کہ کائنات ہزاروں مرتبہ تہ و بالا ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر محمد ﷺ کا بال بھی بیکا نہیں ہونا چاہیے۔

"محمد تَفْدِ نَفْسَكَ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ　　اِذَا مَا خِفْتَ مِنْ شَیْءٍ تَبَالًا"

ترجمہ: اے میرے محمد کریم ﷺ پوری کائنات آپ کے قدموں میں قربان ہو جائے تو بھی کم ہے خاص کر مشکل حالات میں۔

اہل مکہ کو خصوصاً قریش کو تنبیہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا

قُلْ لِمَنْ كَانَ فِیْ كِنَانَةَ فِی الْعِزِّ　　وَاَهْلِ النَّدٰی وَ اَهْلِ الْفِعَالِ

قَدْ اَتَاكُمْ مِنَ الْمَلِیْكِ رَسُوْلٌ　　فَاَقْبِلُوْهُ بِصَالِحِ الْاَعْمَالِ

فَانْصُرُوْهُ اَحْمَدًا فَاِنَّ مِنَ اللّٰهِ　　رِدَآءً عَلَیْهِ غَیْرُ مُذَالِ

ترجمہ: بنی کنانہ قریش کے لوگ جو عزت اور شرف میں سب سے آگے ہیں اور جود و کرم میں مستعد رہتے ہیں اُن کو میرا پیغام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں یہ پیغمبر اسلام ہیں جو تشریف لا چکے ہیں۔ لہٰذا نیک اعمال کے ساتھ ان کا استقبال کرو اُن کے لائے ہوئے پیغام کو قبول کرو وہ خدا کے سچے رسول ﷺ ہیں اُن کا ساتھ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عظمت و جلال کا وہ لباس عطا کیا ہے جس کی شان و شوکت کبھی ختم نہیں ہوگی۔

قارئین محترم! یہ ہیں وہ جذبات جن کی حمایت میں قرآن کریم کی بیسوں آیات بول رہی ہیں۔ میں اُن قلم کاروں کو دعوت دیتا ہوں جو حجروں میں بیٹھ کر تکفیر ابی طالب کی جھوٹی قلمکاری کرتے ہیں ذرا ایسے سنگین ترین حالات میں میدان کارزار میں عالم کفر کے سامنے چند لمحے ٹھہر کر تو دیکھیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کہاں منکرین ابی طالب کی فرسودہ خیالی اور کہاں سید بطحا حضرت ابو طالب علیہ السلام کی شعلہ مقالی۔ حجروں میں بیٹھنا آسان

ہے قلمیں چلانا بھی آسان ہے مگر کربلا کو خون سے سجانا آسان نہیں یہ فقط بوطلبیوں کا کام ہے۔

شانِ صحابیت کا چوتھا تقاضا عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین اور سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

شانِ صحابیت کا چوتھا تقاضا عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلاشرکت غیرے غیر مشروط یقین کرنا۔ قرآن کریم نے سینکڑوں آیات کے اندر اس مضمون کو بڑے مربوط انداز میں بیان فرمایا ہے تاہم نمونے کے طور پر چند ایک آیات پیش خدمت ہے۔

"اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝"

(سورۃ فتح:۸)

ترجمہ:۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک ہم نے آپ کو عظمتوں کی بشارت دینے والا ڈر سنانے والا اور شان والا رسول بنا کر بھیجا ہے تا کہ اہل علم یقین کریں اللہ اور اس کے رسول کی عظمت کا اور اللہ اور اُس کے رسول کی عزت کریں اور حد سے بڑھ کر اُن کی توقیر کریں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بولیں۔

پورا قرآن عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ علم ہے ہر آیت قرآن عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دیتی ہے۔

قارئین محترم! عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قرآن کریم نے اعلانِ نبوت کے بعد عطا فرمائی مگر سیّد بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن سے ہی عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دینی شروع کر دی اور عمر بھر اس پر خود بھی قائم رہے اور لوگوں کو بھی دعوت دیتے رہے بلکہ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو تصور آپ نے دیا ہے وہ کائنات کے کسی اور فرد کے حصے میں نہیں آیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے تصور میں اس حد تک آگے چلے گئے ہیں کہ تمام حدیں پیچھے رہ گئیں۔ حسن رسالت میں وہ اس قدر حالت استغراق میں چلے گئے کہ زبانِ حال نے اُن جذبات کو یوں بیان فرمایا

لَقَدْ اَكْرَمَ اللّٰهُ النَّبِيَّ مُحَمَّدًا ۔۔۔ فَاَكْرَمُ خَلْقِ اللّٰهِ فِي النَّاسِ اَحْمَدُ

وَ شَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ ۔۔۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدُ

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے بڑی بزرگی عطا فرمائی ساری مخلوق میں جملہ فضیلتوں کی انتہاء آپ پر فرمائی غیرتِ الٰہی نے یہ برداشت ہی نہیں کیا کہ اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام کسی اور نام سے بنایا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اپنے ہی نام سے مشتق فرمایا ہے خود تو صاحب عرش محمود کہلائے (جس کی تعریف کی جائے) اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد رکھا (جس کی بار بار تعریف کی جائے) پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا

مقدمہ

"اَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ نَعْلَمُہٗ   نُزِّلَ الْکِتَابِ وَذِی الْعِزَّۃِ الْکُتُبِ"

ترجمہ: اے تاجدارِ رسالت ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ آپ ہی اللہ کے رسول ہیں اور آپ ہی پر سب شان والی کتابوں میں سب سے بڑی شان والی کتاب نازل فرمائی گئی۔

انت النبی محمد قرم اغر مسود   لمسودین اکارم طابوا و طاب المولد

نعم الارومۃ اصلہا عمرو الخضم الاوحد   ہشم الربیکۃ فی الجفان و عیش مکۃ انکدوا

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ یقیناً اللہ کے سچے نبی ہیں آپ ہی وہ صاحب شرف و منزلت ہیں کہ کائنات کی سرداری کی پگڑی آپ ہی کے سر پر جچتی ہے اسی لیے آپ کو اپنی قیادت کے لیے قوم نے چن لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تمام صاحبانِ شرف و منزلت کے آقا اور مخدوم ہیں آپ کی شانِ اعجازی یہ ہے کہ آپ اپنی خلقت اور طینت میں بھی پاک ہیں اور عادت و خصلت میں بھی پاکیزہ ہیں کائناتی عظمتوں سے معمور ایک مقدس خاندان ہے جس کے سردار ہاشم جیسے سخی اور فیاض اور منفرد ممتاز انسان تھے۔

آپ نے مزید فرمایا ترجمہ:

کہ جب لوگ قحط سالی کا شکار ہوتے تو جناب ہاشم علیہ السلام پورے مکہ کے اور حاجیوں کے میزبان بن جاتے اور سب کو بلا تمیز ثرید وغیرہ کھلاتے حاجیوں کو پانی پلاتے۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں بڑا بے باک اور بہادر انسان ہوں جب تک زندہ ہوں نبی کریم ﷺ اور ہمارے خاندان کے خلاف کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا کیونکہ ان کے اخلاق و کردار کی عظمت ہی ان کے وقار کی گواہی ہے۔ اسی لیے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا تصور ذہن اور یقین میں رکھ کر پکار اٹھے

يَا شَاهِدَ الْخَلْقِ عَلَيَّ فَاشْهَدِ   اَنِّیْ عَلٰی دِيْنِ النَّبِيِّ اَحْمَدِ

مَنْ ضَلَّ فِی الدِّيْنِ فَاِنِّیْ مُهْتَدِیْ   يَا رَبِّ فَاجْعَلْ فِی الْجِنَانِ مَقْعَدِیْ

ترجمہ: اے مخلوق کے پیدا فرمانے والے خالق مجھ پر گواہ ہو جا بے شک میں نبی احمد ہی کے دین پر ہوں اور جو اس دین سے گمراہ ہو کر بے شک میں اسے پکڑ کر ہدایت کی طرف لاؤں گا ہاں اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے۔ اے میرے رب اے میرے رب میرا ٹھکانہ جنت میں بنا دے۔ آمین

الغرض عظمتِ مصطفیٰ ﷺ پر غیر مشروط یقین کی عظمت میں ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا قِيْلَ مَنْ خَيْرُ هٰذَا الْوَرٰى   قَبِيْلًا   اَكْرَمُهُمْ   اُسْرَتِیْ

اَنَافَ   بِعَبْدِ   مُنَافٍ   اَبٌ   وَ   فَضْلُهٗ   هَاشِمُ   الْغُرَّةِ

لَقَدْ حَلَّ مَجْدُ بَنِیْ هَاشِمٍ مَکَانَ النَّعَائِمِ وَالنَّثْرَةِ

وَ خَیْرُ بَنِیْ هَاشِمٍ اَحْمَدٌ رَسُوْلُ الْاِلٰهِ عَلٰی فَتْرَةٍ

ترجمہ:۔ کائنات کا کوئی شخص اگر سوال کرے کہ اس پوری کائنات میں قبیلے کے اعتبار سے سب سے عزت و تکریم والا قبیلہ کونسا ہے؟ اور قبیلے کی عظمت کون ہوگا تو میں جواب یہی دوں گا کہ بزرگی کے اعتبار سے جناب عبد مناف علیہ السلام پھر ان کی ذات گرامی کے بعد حضرت ہاشم علیہ السلام کی ذات عزت و شرف کا نشان ہے اور خاندان بنی ہاشم کے لوگ اپنی بزرگی میں اس قدر بلند ہیں جیسے آسمان کے ستارے نعائم ونثرہ ہیں (جن کی بلندی کو کوئی نظر پا نہ سکے) ایسے ہی بنی ہاشم کی عظمت و بلندی پر کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی اور خاندانِ بنی ہاشم میں سب سے افضل و اعلیٰ اگر کوئی ذات ہے تو وہ ذات محمد ﷺ ہے جو زمانہ فترت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت سے تشریف لائے۔

قارئین محترم! عظمت کے عنوان کے حوالے سے چند الفاظ زیب قرطاس کیے جو مشتے از خروارے کی حیثیت سے بھی کم تر ہے۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ کے بے شمار عنوانات سینۂ ابوطالب میں محفوظ ہیں جو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے کائنات میں کسی کی ہمت نہیں کہ اس سمندر کے مدوجزر میں اُتر کر اس کی عرفانی لہروں کا احاطہ کر سکے۔ اس سلسلہ میں سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام بیانِ عظمت رسول ﷺ میں کائنات بھر کے امام الائمہ ہیں یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔

شانِ صحابیت کا پانچواں تقاضا اطاعتِ رسول ﷺ

اور سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

قارئین محترم! اطاعتِ رسول ﷺ ہی عملی دین کی اساس ہے اس کے بغیر عملی دین کا نہ ادراک حاصل ہو سکتا ہے نہ ہی کما حقہ مشیت ایزدی پر عمل ہو سکتا ہے۔ اسی لیے خدائے ذوالجلال والاکرام نے بھی حضور نبی کریم ﷺ کی ذات پر اپنا کوئی اعتماد فرمایا اور اپنے دین کے عملی فروغ کے لیے اُسوۂ رسول ﷺ کو ہی اساس دین قرار دیا ہے ارشاد فرمایا

"لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب:۲۱)

اے کائنات کے باسیو تمہارے لیے حُسنِ حیات کا معیار میرے رسول ﷺ کا طرزِ زندگی ہے۔ اُسوۂ رسول ﷺ وہ روشنی ہے جس کی عظمت کو جا بجا قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے اور قرآن کریم سے پہلی تمام کتب سماویہ میں اسے بتدریج بیان فرمایا گیا بلکہ اس کی اہمیت کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک نے اس اندازِ عظمت میں بیان فرمایا کہ حد کر دی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مقدمہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (النساء:۸۸)

جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی۔

اس اعتبار سے ایک نئے مضمون کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو مشروط کر دیا ہے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسا نور ہے کہ اس کے بغیر زندگی حقیقت حیات سے آشنا ہی نہیں ہو سکتی۔

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشِ اول سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

قارئین محترم! جب ہم اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصورِ عظمت کا تدریجی جائزہ لیتے ہیں تو سب سے اول اور سب سے زیادہ اگر کوئی پیکر محسوس اطاعت شعاری میں نظر آتا ہے تو وہ سیّد بطحاء ابوطالب کی بے مثال ذات ہے۔

سید بطحاء کی منفرد شان اطاعت

بنیادی طور پر اطاعت شعاری میں تین فطری احساس کارفرما ہیں

۱۔ کسی کی بڑائی کی جلالت دل میں اُترے اور دل آمادۂ اطاعت ہو۔

۲۔ کسی کی محبت کا غلبہ حضرتِ انسان کو مغلوب کر دے تو انسان اس کی اطاعت میں اُترنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۳۔ کسی کا خوف بندے کو مرعوب کر دے تو بندہ اطاعت پر مجبور ہو جاتا ہے۔

لیکن ان تینوں میں سے سب سے اعلیٰ و افضل اطاعت کی عظمت غلبہ محبت ہے جتنا محبت کا غلبہ رہا ہوگا اتنا ہی اطاعت شعاری کی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب اگر اس تصور اطاعت کو سامنے رکھا جائے تو پوری کائنات میں حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی اس معیار پر پہلا ہی نقش نظر آتے ہیں حیرت اس بات پر ہے قرآن کریم نے ابھی اطاعت کا بیان فرمایا ہی نہیں حکم سے پہلے اطاعت شعاری کا اگر کوئی کائنات میں اُسوہ کامل ہے تو وہ سیّد بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ذات ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ پچاس سالہ اطاعت شعاری کے پورے ریکارڈ میں مجھے کوئی ایک حوالہ ایسا نہیں مل پایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوطالب کو کوئی نبوی حکم دیا ہو اور اس کے بعد جناب ابوطالب نے عمل نہ کیا ہو سلام ہو اے سید بطحاء آپ کی اطاعت شعاری پر کہ آپ نے اطاعتِ رسول میں وہ نقوش چھوڑے ہیں کہ کسی امر کے فرمانے کی آپ نے رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زحمت ہی نہیں دی بغیر حکم کے ہی تابعداری میں آپ اس قدر آگے بڑھے ہوئے تھے کہ پورے پچاس سال میں مطالعہ کر رکھا تھا اور مزاج گرامی کے فطری احساسات کو پہلے ہی سے پڑھ رکھا تھا اسی لیے آپ ہی کائنات میں وہ پہلے شخص ہیں جس نے بغیر حکم کے تابعداری کا ایک کائناتی اعزاز پایا یہی آپ کی اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امتیازی شان ہے۔

قارئین محترم اس تصور عظمت پر میری علمی صلاحیت دم بخود ہے فکری پرواز معطل ہو چکی ہے بصارت اور بصیرت دنگ رہ چکی ہیں میں اس اطاعت شعار کی اطاعت شعاری کے منظر نامے کو کیسے بیان کر پاؤں بس اسی بات پر اکتفا کرتا ہوں:

عجب رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدند

خدا رحمت کند ایں پاک طینت عاشقاں را

اطاعت شعاری میں سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام نے صرف حصول ثواب کو منزل نہیں بنایا بلکہ حسن رسالت میں اس کامل استغراق میں پہنچے کہ صاحب مرتبۂ احسان بن گئے۔ نور بصیرت کی روشنی اتنی ملی کہ کائنات کی ہر حقیقت کو ایک نظر جھانک کر دیکھ لیا جان لیا اور برملا فرمایا

وَ مَنْ ذا یَمَلُّ الحربَ مِنِّی و منهمو و یحمد فی الآفاق من قول قائل
فَأَصْبَحَ فینا احمدٌ فی أَرومةٍ تقصُرُ عنها سورُ المتطاول
کَأَنِّیَ به فوقَ الجیادِ یقودها الی معشرٍ زاغوا الی کلِّ باطلٍ
وجدتُ بنفسی دونَهُ و حَمَیْتُهُ و دافعتُ عنه بالطُّلی والکلاکل
ولا شَکَّ أَنَّ اللهَ رافعُ أَمرِهِ و معلیه فی الدنیا و یوم التجادل

ترجمہ:۔ اے لوگو! کائنات بھر میں کس کی ہمت ہے کسی کے لیے ان کا مقابلہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ بلکہ خود خلاق کائنات اس نفس عصمت کی تعریف وتوصیف میں لگے ہوئے ہیں۔ امر مرضی الٰہی نے یہ طے کر رکھا ہے کہ محمد ﷺ کو عظمت اور بزرگیوں میں اتنا بلند کر دیا جائے کہ کائنات کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی ان کے مقام رفیع تک نہ پہنچ پائے۔ اے لوگو! میری چشم بصیرت تو یہ دیکھ رہی ہے کہ جو لوگ ایک لغو طریقے سے ان کی مخالفت کر رہے ہیں آنے والے کل میں یہی ان کے غلام ہوں گے اور محمد ﷺ ان کے قائد ہوں گے اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ میں ان کی حمایت میں اپنی جان کی بازی لگاتا رہوں گا اور بڑے بڑے سورماؤں اور سرداروں کا مقابلہ کرتا رہوں گا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خدائے ذوالجلال والاکرام حضرت محمد ﷺ کے پرچم کو بلند رکھے گا اسے دنیا میں رفعت وسربلندی عطا کرے گا اور قیامت میں بھی عظمتیں ان کی پابوسی کریں گی۔ مزید فرمایا

فَلَا یَزَالُ فِی الدُّنیا جمالا لاهلها و زینا لم ولّاه ربُّ المشاکل
فمن مثله فی الناس ایُّ مؤمَّلٍ اذا قاسه الحکام عند التفاضل
حلیمٌ رشیدٌ عادلٌ غیر طائشٍ یوالی اِلٰها لیس عنه بغافل

فأيّده ربّ العباد بنصره ۔۔۔ واظهر دينًا حقه غير فاصل

ترجمہ: اے لوگو! پروردگارِ عالم کی قسم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ لطافت نے کائنات بھر کو جلوہِ زیبائی بخشا ہے اور جو اُن سے دل سے محبت کرتا ہے اُسے بھی حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلووں سے نوازا جاتا ہے دنیا کے اندر بھی یہ نوری جلوے اُس کے شاملِ حال ہیں اور آخرت میں بھی۔ میرا محبوب اپنے دامن میں اتنی وسعتِ خیر رکھتا ہے کہ کائنات بھر کے لوگوں کی تنہا اُمیدیں اُسی کے دامن میں پناہ پذیر بھی ہوتی ہیں اور کامرانیوں سے شاد بھی ہوتی ہیں۔ جب میرا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاسمِ خیر بنتا ہے تو مرتبہ سخاوت بھی جھوم اٹھتا ہے۔ ہے کون ومکان میں کوئی جو ایسا مقام رکھتا ہو میرا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعور و آگہی کے اُس بلند مقام پر ہے کہ جہاں عقل و دانش بھی سجدہ ریز ہیں عدل وانصاف میں اس مرتبے پر ہیں کہ ان کے فیصلوں پر نظامِ عدل بھی ناز کرتا ہے حلم و بردباری پر وہ اس شان کے مالک ہیں کہ رحمت بھی جھوم اٹھتی ہے اور یادِ خدا میں اس قدر مستغرق ہیں کہ محبتِ خدا بھی ناز کرتی ہے خداوندِ عالم اس محبت کی عظمت میں اپنی مدد ونصرت کے ذریعے ان کی تائید فرماتا رہتا ہے اور انھوں نے ایسا دین پیش فرمایا ہے جو برحق بھی ہے غالب بھی ہے اور قائم بھی رہنے والا ہے۔ اسی لیے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے مزید یوں فرمایا

لكنا اتبعناه على كل حالة ۔۔۔ من الدهر جدًا على غير قولِ التهازل

لقد علموا ان ابننا لامكذب ۔۔۔ لديهم و لايعنى بقول الباطل

ترجمہ: ہم ہر حال میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع واطاعت کریں گے یہ ہمارا قول کسی مذاق پر مبنی نہیں میری یقینی حقیقت کی انتہا ہے کائنات کے باسی خوب جانتے ہیں کہ میرے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی نہ لغویات کہی اور نہ ہی حقیقت سے ہٹ کر کچھ کہا۔

ماشاءاللہ کیا شانِ اطاعت شعاری ہے سیدِ بطحاء تیری۔ اللہ اکبر۔ اب بھی اہلِ علم کو وہم ہے کہ حضرت ابوطالب محبت تو کرتے تھے مگر اتباع نہیں کرتے تھے یہ کیسا ملمع کاری والا جھوٹ ہے۔ (فریدی)

شانِ صحابیت کا چھٹا تقاضا خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

قارئینِ محترم! اس حوالے سے کسی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں تاہم چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔ خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی مسلّم حقیقت ہے جس کا کائنات میں کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا مگر ہر خادم کی خدمت کا طرز جداگانہ ہے اور اس پر مرتب ہونے والا نتیجہ بھی جداگانہ ہے۔ مگر سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جو نقوشِ خدمت قائم فرمائے ہیں کائنات

میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ ان کا خادمانہ روشن کردار اتنا منور ہے کہ سورج سے بھی زیادہ [illegible]
سورج بھی کبھی کبھی بادلوں کی اوٹ میں چلا جائے تو روشنی زمین پر پڑنے سے رُک جاتی ہے [illegible]
تو پھر رات ہی کا سماں دن کو ہوتا ہے مگر کردار ابی طالب اتنا واضح اور روشن ہے کہ اسے [illegible]
روایات کی صورت میں ہوں یا اُموی عصبیت کی غلیظ گرد ہو اس روشنی کو اہل محبت کے دلوں کی [illegible]
روک سکتی اور نہ ہی اہل علم کی فتوؤں کی گرد روک سکتی ہے کیونکہ حقیقت حقیقت ہے اور فسانہ فسانہ ہے۔ اس عظیم خدمت کے
ابتداء تین ادوار ہیں۔

ا۔ یوم ولادت سے لے کر بچپن لڑکپن کی طبعی عمر مبارک تک۔ مگر اس دور کی خدمات محض پرورش اور حفاظت تک ہے کیونکہ یہود
بے بہود تو آغاز ہی سے اس کوشش میں تھے کہ اس نبی آخر الزماں کو ہر صورت قتل کیا جائے اور اپنے مفادات کی حفاظت کی
جائے سو انھوں نے ہر طرف سے حملہ آور ہونے کی ناکام کوشش کی مگر استقامت ابوطالب نے ان کے دانت کھٹے کیے ہر
وقت شب و روز اس نفس محترم نے ذات والا صفات کے پیکر عصمت پر پہرہ دیا اور اپنے خون جگر سے "الم یجدک یتیما
فاوی" کی تفسیر لکھی اے محبوب ہم نے آپ کو یتیم پایا تو آپ کو آغوشِ ابی طالب کی صورت میں مضبوط پناہ دی۔ اس حوالے
سے بہت سارے حالات کی آپ علیہ السلام نے اپنے اشعار میں بہت سارے واقعات کی نشاندہی فرمائی۔ بخوف طوالت
ایک آدھے مقام کا تذکرہ پیش خدمت ہے خدمت گزاری تو ابتداء سے ہی جاری تھی مگر کئی ایک مقامات ایسے آئے کہ جاں
سپاری کی انتہاء کردی اور برملا اعلانیہ فرماتے تھے

ــــ "اِنَّ الامین محمدًا فی قومہٖ عندی یفوق منازل الاولاد"

ترجمہ:۔ میرا بیٹا محمد کریم ﷺ امانتداروں کا تاجدار ہے مجھے اس سے کتنا پیار ہے اگر میں اپنے تمام بیٹے ایک ایک کر کے ان کی
عظمت پر قربان کردوں تو یہ میری طرف سے ایک چھوٹا سا ہدیہ ہی نذر سمجھا جائے گا۔ جب میں نے تجارتی سفر میں شام
جانے کا ارادہ کیا تو میرے کریم محمد نے میری اونٹنی کی نکیل پکڑلی بس کیا تھا میں اُن سے لپٹ گیا اور وہ مجھ سے لپٹ گئے۔
بس کیا تھا؟

ــــ "فارفض من عینیّ دمع ذارِف مثل الجُمَان مفرق بدداد

ترجمہ:۔ ایسی حالت میں میں پھوٹ پھوٹ کر رویا میری آنکھوں سے سیلاب کی مانند آنسو بہنے لگے میرے آنسو موتیوں کی
طرح کجاوے پر بکھرنے لگے اگلے اشعار کا صرف ترجمہ حاضر خدمت ہے
پس میں نے اپنی قرابت کی گہرائی کا لحاظ رکھا اور اپنے آباؤ و اجداد کی وصیتوں کو یاد رکھا جو انھوں نے مجھے محمد کریم ﷺ کے

مقدمہ بارے میں کی تھیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے نبی آخر الزماں ہے لہٰذا اس کی خدمت وحفاظت کی ذمہ داری تمہاری ہے جسے میں نے نبھایا سو میں نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں آپ کو آخری دم تک اپنے سینے سے جدا نہیں کروں گا چلو آپ میرے ساتھ سفر شام پر چلو بس اسی خوشی میں محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرط جذبات میں آ گئے ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہوگئے۔

ے "بکیٰ محمدٌ طربًا لما رانی کانّ لا یرانی راجعاً لمعادِ"

نبی محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا مجھے گھائل کر گیا اگلے دن جانا تھا

ے "فبتُّ یجافینی تہلل دمعہ وعبرتہ عن مضجعی ووِسادِ"

میرے محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسوؤں نے مجھے سونے نہیں دیا ساری رات اپنے بستر ے اور تکیے سے جدا رہا ہر لمحے خدمتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احساسات مجھے گھائل کرتے رہے اس کی ایک خاص وجہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روتے تو مجھے اپنے بھائی ان کے والد گرامی جناب حضرت عبداللہ کی جدائی میرا سینہ چیر کر رکھ دیتی تھی کلیجہ پھٹ جاتا تھا۔ میرے رعنا جوان بھائی کی پردیس میں موت ہم پر بجلی بن کر گری میں اس وقت سے اپنی آنکھوں سے کہتا ہوں

ے "عینٌ ائذنیٰ لی ببکاء آخر الابد ولا تملی علی قد مرلنا سند"

اے میری آنکھ مجھے اپنے بھائی کی جدائی پر رونے کی اجازت دے دو اس غم سے میرا جگر چھلنی ہوگیا اور میری آنکھ تو بھی میری رفیقِ غم بن میری ہمنوا ئے غم بن کر رولے مجھے رونے دے اجازت دے کہ غم سے نڈھال ہوں ہر شخص اس طرح کے غم میں عمر بھر روتا ہے مگر میرا غم کائنات بھر کے غموں سے شدید بھی ہے زیادہ بھی، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زندگی بھر روؤں اور برزخ میں جاؤں تو بھی روتا رہوں اس طویل مدت کے بعد جب اُٹھوں تو بھی روؤں پھر جب ابدی حیات شروع ہو ہر کوئی جنت میں اپنے نیک اعمال کے پھلوں سے محظوظ ہو ہمیشہ تک مگر میں ابدالاباد تک ہمیشہ اپنے رعنا جوان بھائی جو اس دُرِّ یتیم کا باپ تھا۔ میں مسلسل ان کے غم میں روتا ہی رہوں کیونکہ میرا غم سب سے بڑا غم ہے اے آنکھ تو بھی میری رفیقِ غم بن جا اس شدت سے میرے ساتھ رو کہ تھکاوٹ تیرے قریب تک نہ آ سکے کیا تو جانتی نہیں کہ میرا بھائی قومی سرداروں کا سردار ہے۔

ے "اَشکُوا الذی بی مِنَ الوَجدِ الشَّدِیدِ لَہ وَمَا بِقَلبِی مِنَ الاٰلامِ وَالکَمَدِ"

ترجمہ: میں شکایت کرتا ہوں اس کی کیونکہ میرا دل اس غم میں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔ اُن کی جدائی کا غم مجھ پر پہاڑ بن کر گرا ہے شدتِ غم سے میرا وجود مضمحل ہو چکا اب برداشت کی سکت نہیں رہی۔

جونہی میرا محمد روتا ہے تو میرا پرانا غم مجھے پھر نڈھال کر دیتا ہے ساری ساری رات میں سو نہیں سکتا کیفیتِ غم میرے وجود کو ہر لمحہ

ریزہ ریزہ کر دیتی ہے لہٰذا اے میری آنکھ اس اجنبیت میں تو ہی میری رفیق غم ہو جا۔

قارئین محترم! یہ تھی خدمتِ نبوی کی بوطلبی کیفیت اب بولیے اس سے آگے بھی کوئی تصور خدمت ہے؟

خدمت نبوی کا دوسرا دور آٹھ دس سال کی عمر مبارک سے جوانی مبارک تک کا دور ہے اس دور میں حالات کی سنگینی مزید بڑھی یہود و نصاریٰ نے پیکر نبوت کو مٹانے کے لیے سر توڑ کوششیں شروع کر دیں قتل کے منصوبے تیار کیے گئے اس بابت تعاقب شروع ہو گیا مگر سلام ہو سیّد بطحاء کی عظیم عزیمت پر کہ یہ مرحلہ بھی ان کی خدمات پر ناز کرتا ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ سفر شام میں ہم جا رہے تھے بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی اس نے ہماری دعوت کا اہتمام کیا اور بڑی پر تکلف اس نے دعوت کی۔ ہم سب لوگ دستر خوان پر جمع ہو گئے مگر محمد کریم ﷺ اپنی ہی جگہ پر تشریف فرما رہے اس پر میزبان نے کہا جب تک محمد کریم شامل دعوت نہیں ہوں گے تب تک کسی کے لیے دعوت جائز ہی نہیں کیونکہ میں نے سارا اہتمام اسی ذات والا صفات کی خاطر کیا ہے۔ اسی دوران کچھ یہودی علماء آ گئے جو محمد کریم ﷺ کے تعاقب میں تھے اسے یوں بیان فرماتے ہیں

قومٌ یهودٌ قد رأوا ما قد رأوا ظل الغمامة ثاغری الاکباد

ثاروا القتل محمدٍ فنهاهم عنه وجاهد احسن التجهد

جب علماء یہود نے رسول دو عالم ﷺ پر بادلوں کو سایہ فگن دیکھا تو تاڑ گئے کہ یہی وہ نبی ہیں جنھیں ہم قتل کرنے نکلے ہیں۔ بس جھپٹ پڑے اس پر بحیرا راہب جو میزبانِ رسول ﷺ تھا وہ مزاحم ہوا پھر میں بحفاظت آپ ﷺ کو مکہ میں لے آیا میری خدمت اور حفاظت نبوی کی استعدادیں مزید بڑھ گئیں۔

۳۔ خدمت نبوی کا تیسرا دور شروع ہوا یہ اعلان نبوت کے آغاز کا دور تھا اب مزاحمت مزید سے مزید بڑھ گئی کیونکہ اب مقامی حالات بھی سنگین سے سنگین تر ہو گئے۔ خدمت و حفاظت کے جذبے پھر غیر معمولی بن گئے پورا کفر ایک طرف اور میں اکیلا ایک طرف۔ پھر تو میں نے آنکھ تک نہیں جھپکی دن کی پہرے داریاں رات کی بیداریاں ہی رفیق محبت رہیں حتیٰ کہ شعب ابی طالب کی کٹھن صعوبتیں بھی شریکِ سفر ہو گئیں قید تنہائی اور اذیت ناک حالات ہی سرمایہ حیات بن گئے۔ مگر خدمت نبوی میں ایک لمحہ بھی فروگذاشت نہیں کیا۔

قارئین محترم! اب مزید حالات میں اتر کر بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں رہا میرا قلم لڑکھڑا گیا ہے شعور معطل ہو چکا ہے حواس بکھر چکے ہیں کلیجہ منہ کو آ رہا ہے دل پھٹ رہا ہے وجود مضمحل ہو چکا بس اسی آیت پر اکتفاء کرتا ہوں۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ"

نوٹ: ان پچاس سالہ شب و روز کی بے مثال خدمات کے تواتر نے تمام مصنوعی روایات کو بھسم کر کے رکھ دیا ہے۔

بھی بے مثال انوکھی خدمات ہیں کہ حضور سید دو عالم ﷺ کی ذات کو ہر ایک پر ایسی ترجیح دے رکھی تھی کہ کمال خدمت بھی عش
نش کر اٹھا۔ عمر بھر کسی بھی چیز کا حضور نبی کریم ﷺ کو انتظار نہیں کرنے دیا بلکہ یہ نفس محترم ان کی خواہشات کی تکمیل میں
ہر وقت منتظر رہتے تھے حتی کہ طبعی ضرورت کھانا کھانا ہے وہاں بھی حرمت نبوی کا احترام پہلی ترجیح ہوتا تھا اس پورے عرصہ
کی خدمات کا اعتراف کئی مرتبہ سید المرسلین ﷺ نے اپنی نبوی زبان سے فرمایا ہے تفاصیل دوسری مجلدات میں ملاحظہ
فرمائیں۔

شانِ صحابیت کا ساتواں تقاضا حفاظتِ رسول ﷺ

اور سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام

قارئین محترم! شانِ صحابیت کا ساتواں تقاضا حفاظتِ رسول ﷺ ہے قرآن کریم نے اس عظمت پر بہت ساری آیات بینات
میں بیان فرمایا ہے قرآن مجید کی نظر میں رسالت ایک عظیم منصب ہے اور صاحبِ منصب کائنات کی اللہ تعالیٰ کے بعد سب
سے عظیم شخصیت ہے ابلاغ رسالت ایک تحریک ہے ہر دور میں حقیقتِ زندگی سے نا آشنا لوگ رسولوں سے مزاحم رہے اور بلا
دلیل اور بلا وجہ جب ان مزاحمتی تحریکوں کے تحریکی منشور میں تحریکِ رسالت کے خلاف کوئی دلیل طے نہ ہوئی نہ کوئی مد
مقابل شخصیت میسر ہو تو یہ مزاحمتی تحریکیں غنڈہ گردی پر اترتی رہی ہیں بدمعاشی کے ساتھ نبوی تحریکوں کو کچلنے کی کوشش کرتی
رہیں مگر ان تحریکوں کے پیچھے کسی سچائی کی کوئی قوت نہ ملی نہ کوئی حقیقت تھی بنا بریں ناکامی نامرادی ان کا مقدر ٹھہریں یہ
تسلسل پوری نبوی تاریخ میں رہا مگر دوسری طرف نبوی تحریکوں میں منزل من اللہ کتابیں بطور منشور اتاری گئیں اور پاکیزہ
فطرت نفوسِ قدسیہ کو یہ ذمہ داریاں سونپی گئیں تعمیر اخلاق و کردار میں یہ دو حقیقتیں موثر رہیں بدکردار لوگ ان عظمتوں کے
خلاف منظم ہوتے رہے مگر قدرتِ الٰہیہ نے اپنی حکمت بالغہ نافعہ کے مطابق تحریکوں کو قائم و دائم رکھنے کے لیے اہل نصرۃ
پیدا فرمائے انھیں استعدادیں بخشیں ان کے عمل میں نبوی اُسوۂ عظمت کا نور جاری فرمایا تہذیب الاخلاق
میں انھیں شانِ معراج بخشی۔ عزم و استقلال میں انھیں کمال بخشا جرأت و بہادری میں انھیں معراج بخشی۔ اب انھیں حکم دیا

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ"

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے مددگار بنو یعنی دینِ الٰہی کے معاون بنو کفر دین کے خاتمے کے لیے مکمل عمل چکا ہے اور بانی دین کا قتل
کرنا طے کر چکا ہے۔ لہٰذا تم کفر کو للکارتے ہوئے آگے بڑھو اور نبی علیہ السلام کی حفاظت کرو۔ یہ تمہارے ایمان کا دینی تقاضا
ہے۔ پھر فرمایا "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ" اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے یعنی نبی کی حفاظت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد

گار ہوگا۔ "و یثبت اقدامکم" تمہیں مضبوطی کا نور عطا فرمائے گا۔ دینی تحریکوں میں سب سے پہلا قدم ہی حفاظت نبوی ہے یعنی پیکر نبوت جو قیادت کر رہے ہیں ان کی حفاظت اولین ترجیح ہے کیونکہ اس نے اسوہ دینا ہوتا ہے اگر پہلے معرکے میں یا معرکے قبل نبی قتل کر دیے جائیں تو حسن زندگی کے لیے اسوہ نہ مل پائے گا۔ سو جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے تو جوابی کاروائی کرتے ہوئے سید بطحاء نے انھیں پیغام بھیجا کہ اے کفار اگر تم پھر مکاری کرو گے تو سنو

فمهلا و لما تنتج الحرب بكرها　　　بيمن تمام او تاخر معجل

فانا متى مانمر بسيوفنا　　　نعالج ضعر من نشاء بكلل

سن رکھو اے کفار مکہ اگر تم نے جنگ چھیڑ دی تو سب کو پتہ چل جائے گا پیش قدمی کون کرتا ہے اور پیچھے کون رہتا ہے۔ تم کس مغالطے میں ہو تو سنو ہم وہ لوگ ہیں جب ہم میدانِ جنگ میں اترتے ہیں جنگ ہم سے تھکتی ہے ہم جنگ سے نہیں تھکتے۔ ہم تو خود اپنی تلواریں دشمن کے سینے میں اُتار دیتے ہیں تمہیں ہماری طاقت و حمیت کا اندازہ ہی نہیں۔ اور رہی محمد ﷺ کی بات تو سنو

و تلقوا ربيع الابطحين محمدًا　　　على ربوة فى رأسِ عيطاء عيطل

و تاوى اليه هاشم ان هاشما　　　عرانين كعب آخرًا بعد اول

وہ تو تم خود دیکھو گے کہ سرزمین حجاز کی بہار حضرت محمد ﷺ تمہارے سامنے بلند و بالا اونچی گردن والے اونٹ پر نہایت اطمینان کے ساتھ نمایاں بیٹھے ہوں گے اُن کے اردگرد جانثار بنی ہاشم کے جوان حصار بن کر کھڑے ہوں گے کیونکہ یہ نفوسِ قدسیہ ہر لحاظ سے اول تا آخر صاحب وقار اور سردار ہیں ایسا ہوا ایسا منظر حجۃ الوداع میں ہر ایک نے دیکھا۔ اے گروہ کفار اگر تم یہ امید رکھتے ہو کہ تم محمد ﷺ کو قتل کر پاؤ گے تو سنو

فَاِنْ كُنْتُمْ تَرْجُوْنَ قَتْلَ مُحَمَّدٍ　　　غرموا بما جعهم نقل يذبل

بايمان شم من ذوائب هاشم　　　محاول بالاخطار فى كل محفل

اگر تم یہ امید رکھتے ہو کہ تم محمد ﷺ کو قتل کر ڈالو گے تو ایسا ہی مشکل ہے کہ جیسا کہ جس پہاڑ پر کھڑے ہوا سے اپنے مقام سے ہٹانا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بنی ہاشم کے عالی وقار غیرت مند نوجوان لڑائی کے وقت ہیبت ناک ثابت ہوتے ہیں۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام و مرتبہ ہے

هُمُوْ سَادَةُ السَّادَاتِ فِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ　　　وَ خِيْرَةُ رَبِّ النَّاسِ فِیْ كُلِّ مُحْفَلِ

یہ تو سرداروں کے سردار ہیں اور ہر جگہ ان کی ہی شان ہے یہ اپنی ہمت و جرأت سے دور کر دیتے ہیں ان پر کسی کی جرأت ہے کہ ہاتھ اٹھا سکے کیونکہ یہ لوگ بھری کائنات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں۔

محمد کریم ﷺ کی حفاظت بڑے مضبوط ہاتھوں میں ہے تم ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

قارئین محترم! ایسی ہے جرأت وقوتِ غالب جناب ابوطالب علیہ السلام

ایسی جرأت وقوتِ غالب پہ لاکھوں سلام ہمتِ ابوطالب کی عظمت پہ لاکھوں سلام

تاریخ کا ذرہ ذرہ گواہ ہے جب تک یہ ذی حمیت و جرأت زندہ رہے کسی کافر میں ہمت نہیں پیدا ہو سکی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف لمحہ بھر کے لیے بھی کوئی میلی آنکھ دیکھ سکے۔ اس بات کا اعتراف خود رسالت مآب ﷺ نے اپنی نبوی زبان سے کئی بار فرمایا ہے۔

ان سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کا سارا کلام اسی عزیمت کے جذبوں سے لبریز ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا اعتماد اس ذاتِ والاصفات پر فرما کر فرمایا "الم یجد یتیما فاوٰی" "اے حبیب ﷺ ہم نے آپ کو یتیم پایا تو مضبوط پناہ گاہ عطا فرمائی۔

وَاللهِ لَنْ يَّصِلُوا اليك بِجَمْعِهِم حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دفينا

فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غضاضةٌ وابشر بذاك و قَرَّ مِنْهُ عُيُوْنًا

اے محمد کریم ﷺ خدا کی قسم کفارِ مکہ مل کر بھی زور لگالیں یہ آپ تک پہنچ نہیں پائیں گے۔ جب تک میں زندہ ہوں یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آپ کھلے عام اسلام کی تبلیغ فرمایئے خوشی خوشی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی فرمایئے۔

لازمی نتیجہ

قارئین محترم! حضرت ابوطالب علیہ السلام ان ساتوں تقاضوں کی اس طرح معراج ہیں جہاں تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ اجمالی تصویر تھی اگلی جلد میں ہر ہر تقاضے پر مستقل تفصیلی باب باندھے جائیں گے۔ انتظار فرمایئے۔

ہم یہ ساتوں شانیں یعنی نصرتِ رسول، عظمتِ رسول، محبتِ رسول، حمایتِ رسول، اطاعتِ رسول، خدمتِ رسول، حفاظتِ رسول ﷺ جس کے دامن میں ہوں اسے صرف صحابی نہیں کہا جاتا بلکہ عظمت وشانِ صحابہ کہا جاتا ہے۔ محسن صحابہ کہا جاتا ہے محسن اسلام کہا جاتا ہے۔ محسن بانی اسلام کہا جاتا ہے۔ محسن ملت اسلامیہ کہا جاتا ہے اسی عظیم المرتبت شخصیت کا نام سید البطحا، محسن ملت اسلامیہ، تاجدارِ عزیمت وفضیلت، تاجدارِ حمیت وجرأت، وقارِ عرب، ولدارِ عجم سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام کہا جاتا ہے ایسے مقدس ترین وجودِ مسعود پر کفر وشرک کا کیچڑ اچھالنا چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے۔ بلند بخت ہیں وہ لوگ جو ان کی محبت اور عظمت کے جذبوں سے سرشار رہتے ہیں کیونکہ یہ نفسِ محترم سرکارِ دوعالم ﷺ کی بھی شدید محبتوں کا مرکز

تھے حالانکہ پوری کائنات کی محبتوں کا مرکز سرکارِ دوعالم ﷺ ہیں۔

نوٹ: پوری کائنات کے اہلِ علم خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین یا معاصر ہوں کسی بھی عالم کے پاس سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شانِ صحابیت کے خلاف کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں جو علمی اعتبار سے مانع بن سکتی ہو ہاں مصنوعی بے تکی واہی روایات ان کے پاس ہیں مگر ایسی بیہودہ روایات کو تو روایت کہنا ہی جرم ہے تو یہ کیسے مانع علمی بن سکتی ہیں تاہم ان کا رد ہو چکا ہے۔ اب ان کے پاس یہ بھی نہیں رہیں۔ اہلِ محبت ان کی شانِ صحابیت کا جشن منائیں گے گھر گھر ان کے مقامات رفیعہ کے ترانے گائیں ان کی روحِ رحمت کو بھرپور قرآن خوانی کا ثواب ایصال کریں۔

ایک خصوصی وضاحت

قارئین محترم! اب آپ کو معاصر اہلِ علم ایک دھوکہ دیں گے کہ آج تک کسی بھی عالم نے مجتہد نے امام نے مجدد نے محدث نے مفسر نے سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کو صحابیت کے مرتبے میں بیان نہیں کیا تو صداقت علی کون ہوتا ہے ان کو صحابیت کے مرتبے میں بیان کرنے والا؟ تو آپ اسے جواب عرض کریں کہ حضور والا کائنات کا کوئی مجتہد، محدث، مفسر، امام، مفکر نہ کسی کو صحابی بنا سکتا ہے نہ کسی صحابی سے صحابیت چھین سکتا ہے۔ صحابی بنتا ہے صحبتِ نبوی سے قربت نبوی سے نصرت وخدمت رسول سے حمایت ومعیت نبی سے حفاظت وعظمت رسول پر کامل یقین کرنے سے۔ کائنات بھر میں جتنی قربتیں، صحبتیں سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کو حاصل ہیں اتنی کسی کے دامن میں نہیں۔ جتنی حفاظت ونصرت سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسولِ خدا ﷺ کی کی اتنی کائنات بھر میں کسی کے دامن میں نہیں ہیں۔ پچاس سال تک رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطالب کی آغوش میں رہے۔ یہ منفرد مقام پوری کائنات میں کسی کے پاس نہیں اور جتنی محبت جناب ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ سے کی شاید ہی کسی نے اتنی کی ہو ان تمام حقیقتوں کی قرآن کریم نے بھی تصدیق کی خدائے ذوالجلال نے بھی فرمائی۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمائی ہے یہی عظمتیں شانِ صحابیت کا حسن ہیں اور تقاضا ہیں بنابریں کائنات کا کوئی عالم مجتہد، محدث، مفسر، فقیہ سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام سے صحابیت نہیں چھین سکتا۔ جب ایسا ہے تو شانِ صحابیت عظیمہ ان سے کون چھین سکتا ہے۔

نوٹ: کسی بھی مجتہد، مجدد، مفسر محقق، محدث سے سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کو شانِ صحابیت کا تصدیقی سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس نفسِ محترم کی اس شان کی تصدیق خدائے ذوالجلال نے بھی فرمادی ہے اور رسولِ خدا نے بھی فرمادی مزید کسی تصدیق کی ضرورت ہی نہیں۔ رہی نہ ماننے والوں کی بات تو نہ ماننے والوں نے تو نبوت کا بھی انکار کر دیا تھا۔ ان کا نہ ماننا نبوت کی عظمت کو کوئی اثر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یونہی شانِ ابوطالب کا انکار محض بے حقیقت فسانہ ہے۔

دوسری صورت: پھر آپ کو معاصر اہل علم ورغلائیں گے کہ صحابیت میں شرط ہے رسول خدا کو محبت کی نظر سے تکنا جی ایسا ہی ہے مگر پچاس سالہ صحبتوں کے ریکارڈ میں کتنی مرتبہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو نفرت سے تکا ہے؟ مفید یقین دلیل کے ساتھ ثابت کریں۔

پھر ایک بہتر دلیل دیں گے کہ ایمان کی نظر سے رسول اللہ ﷺ کو تکنا صحابیت کا معیار ہے۔ جی ہاں ایسے ہی ہے مگر کائنات بھر میں کوئی ایسا اہل علم جو یہ ثابت کر دے کسی مفید یقین دلیل سے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو بے ایمانی کی نظر سے تکتے رہے ہیں؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

پھر ایک حجت آپ کے سامنے ولائیں گے کہ آخری دم تک اس کا ایمان کے ساتھ رہنا بھی شرط صحابیت ہے۔ جی ہاں ایسا ہی ہے مگر آپ میں سے کون ہے ایسا جو عینی شاہد ہو اس بات کا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام ایمان سے کب خالی تھے اور کب بغیر ایمان کے دنیا سے رخصت ہوئے پھر یہ بتنگڑ بنائیں گے کہ آپ سے کہ روایات میں آیا ہے بخاری و مسلم میں آیا ہے اور دیگر کتب حدیث میں آیا ہے اور ان روایات میں آیات بھی ہیں تو آپ پھر ان سے مطالبہ کر دیں جن راویوں نے آپ تک یہ روایتیں پہنچائیں ان راویوں میں کوئی بھی راوی ہے جو ان کے عدم ایمان پر مرنے کا عینی گواہ ہے؟ حالانکہ وقوعہ مبصر محسوس ہے جس پر عینی کا موجود ہونا ضروری ہے وقوعہ کا عینی گواہ لاؤ اور وہ گواہ مذکورہ تشکیل کے ساتھ یہ روایتیں بیان کرتا دکھاؤ جن روایتوں کے ضمن میں آیتیں مذکور ہیں۔ جب ان روایتوں کا کوئی یقینی علمی وجود نہیں تو ہم ان واہی روایات کو ہی یقینی نہیں مانتے تو وہ آیات ان روایات کے ضمن میں کیسے مان لیں؟ کیونکہ صراحتاً ان آیات کا ناجائز اور غلط استعمال ہوا۔

پھر ان راویوں میں کوئی بھی صاحب وحی نہیں اور نہ ہی صاحب وحی ﷺ کی طرف سے کسی مفید یقین ذریعہ علم کی دلیل کے حوالے سے کوئی کسی کے پاس یقینی تصدیق نہیں پھر ہم اس ڈرامائی مصنوعی تکفیر کو کیوں مانیں؟

لہٰذا جناب ابوطالب علیہ السلام کی صحابیت کسی کے ماننے اور نہ ماننے پر موقوف ہرگز نہیں۔ جناب ابوطالب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بھی اعتماد ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا بھی اور بس۔ حقیقت میں وہ رتبہ صحابیت کی وہ خود شان ہیں الحمد للہ علی ذالک۔

سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ظلمتوں کا نور ہیں

قارئین محترم! قرآن کریم کے مطابق جو شخص اطاعت رسول، خدمت رسول، عقیدہ و عظمت رسول، عزت رسول، نصرت رسول، حمایت رسول، حفاظت رسول اور محبت رسول ﷺ میں مکمل ریاضت کے ساتھ ان حرمتوں میں مستعد رہتا ہے تو قرآن کریم نے ایسے بے مثل انسان کے لیے قرب و حضور صمدیت کی نوید سنائی ہے۔ بشارت دی ہے۔ آخرت میں عظیم قدر و منزلت کی

خوشخبری دی ہے اور قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے کہ یہ عظمت مذکورہ اعمال کالازمی نتیجہ ہے ورنہ اگر یہ مذکورہ اقدار بے نتیجہ قرار دی جائیں تو قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں ان اعمال پر دی گئی دعوت اور اس کا اثر اصلاً معطل قرار پائے گا پھر نہ کسی کے پاس کوئی ولایت وقرب وحضورِ الٰہی کا ٹائٹل رہے گا نہ دین کی اثر انگیزی کا یقین رہے گا۔ پھر نزولِ وحی کے مقاصد بھی تعطل کا شکار نظر آئیں گے۔ بے شمار آیتیں محض بے اثر کلام کے معنی میں اتر جائیں گی نعوذ باللہ۔ مگر یہ یاد رہے کہ سب کچھ توفیقِ الٰہی پر مبنی ہے اور فضل واحسانِ خداوندی سے ہی ممکن ہے قانونِ قدرت رہا ہے کہ جسے توفیق عطا کی جاتی ہے اسے کوئی عظیم ذمہ داری سونپی جاتی ہے جیسا کہ سیّدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ذات کا معاملہ ہے اگر ان کے پاس توفیقِ الٰہی نہ ہوتی تو یہ کبھی بھی اُسوۂ وفا نہ بن پاتے نہ انھیں حفاظتِ پیکرِ نبوت پر مامور کیا جاتا نہ اُن پر اولوہی اعتماد کیا جاتا۔

پچاس سال پر محیط اس پچاسی سالہ بابے کی داستانِ عشق ہر زمانے کے اہلِ محبت کی لوحِ دل پر حسین لفظوں سے رقم نہ ہو پاتی۔ "وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مَنْ یَّشَآءُ" کا قانون بول رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہ لیتا ہے اُسے یہ عظمتیں عطا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چاہتوں کا احترام ہی دین ہے اُمت کو انتخابِ خداوندی پر اعتماد کر لینا چاہیے اعتمادِ مصطفوی پر یقین کر لینا چاہیے۔ معنوی روایات تراش کر اس اعتماد کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے اس طرح بہت ساری قرآنی آیات کے انکار کی نحوست مقدر بننے کا خدشہ ہے۔

نوٹ:۔ یاد رہے قرآن کریم کی جتنی آیات ان سات حوالوں پر مشتمل ہیں ہر آیت کا پہلا مصداق ابوطالب علیہ السلام ہے اور ان کا کامل فردِ معنی ہے بلکہ بہت ساری آیات کا نزول بہت دیر بعد ہوا مگر ان کے معنی ومصداق کی عملی صورت حضرت ابو طالب علیہ السلام کی صورت میں منصۂ شہود پر پہلے سے ہی موجود ومسلّم ہے۔

ا۔ ختم نبوت کی آیت سورۂ احزاب میں موجود ہے اور یہ مدینہ میں نازل ہوئی مگر ختم نبوۃ کا عقیدہ جناب ابوطالب علیہ السلام نے سالوں پہلے دیا۔

۲۔ عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت آیات بعد میں نازل ہوئیں مگر اس عظیم تر عقیدے کی بابت جناب ابوطالب علیہ السلام نے سالوں پہلے اپنی زبانِ حال سے گنگنانا شروع کر دیا۔

۳۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیاتِ قرآنی سالوں بعد نازل ہوئی مگر سیّدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام نے معراجِ محبت کا کامل اُسوہ پہلے عطا فرما دیا بلکہ ان پر محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلبہ اس قدر شدید ہو گیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو مرکزِ محبتِ کائنات ہیں وہ خود اُن سے شدید محبت فرمانے لگے اس طرح یہ باہمی محبت نصِ عشق قرار پائی۔ اس خاکدانِ عالم میں صفحۂ قرطاس پر بعد میں آئی مگر صفحاتِ قلوب کی زینت پہلے ہی۔ بلکہ اُصولِ محبت قرار پائی۔

ہ۔ حفاظتِ رسول ﷺ پر مشتمل آیات بہت دیر بعد نازل ہوئیں مگر نزولِ آیات سے پہلے محافظِ رسول ﷺ جناب ابو طالب علیہ السلام اوّل محافظ قرار پائے۔

۵۔ حمایتِ رسول ﷺ پر مشتمل قرآنی مواد بعد میں نازل ہوا۔ حمایت کی عظمت میں سب سے پہلے اس کائنات میں جس وجودِ مسعود کی شناخت ہوئی ہے اسی وجودِ مسعود کو ہی سیّدِ بطحاء حضرت ابو طالب کہا جاتا ہے۔

ن:۔ گویا مقالہ میں مذکور سات اقدارِ عظمت پر مشتمل قرآن کریم میں جتنی بھی آیات بینات نازل ہوئیں ان کا معنی اول مصداقِ اول اور نقشِ اول سیّدِ بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام قرار پائے۔ کائنات کی کوئی علمی طاقت ان کو ان اقدار سے جدا نہیں کر سکتی۔ جب ان کو مذکورہ اقدار سے جدا کوئی نہیں کر سکتا تو ان کو معنی آیات بننے سے بھی کوئی نہیں ہٹا سکتا ان کا روشن کردار ہی اُن کی اس عظمت کی یقینی دلیل ہے اور یہ تواتر سے ثابت ہے۔ جو ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اہل علم کا اسے بیان نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا یہ عظمت محتاجِ بیان ہی نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہو سکتا ہے معاصر اہلِ علم یہ شور شرابہ کریں کہ یہ آیات دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت میں نازل ہوئیں تو میں انھیں جواب دوں گا کہ بہت سے صحابہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے مگر انھیں اُن کی عظمتِ کردار کی بنیاد پر ان آیات کے مصداق و معنی میں شامل کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کا کردار بعد میں ظہور پذیر ہوا مگر سیّدِ بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کا کردار تو روشنی بن کر ان اقدار میں پہلے چمک رہا تھا۔ جس کی تائید و تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان کو کس بنیاد پر ان آیات کے معنی و مصداق بننے پر الگ کیا جا رہا ہے حالانکہ آپ اُصولِ تفسیر کا ایک مسلّم قاعدہ ہر جگہ پڑھتے بھی ہیں استعمال بھی کرتے ہیں کہ نزولِ آیات میں خصوصِ واقعہ کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عمومِ الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے۔ میرا آپ سے سوال ہے کہ قرآنی عمومات میں سے کس مخصص دلیل کے ذریعے آپ سیّدِ بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کو اس عظمتِ کردار سے دور ہٹاتے ہو؟ اور کس مخصص دلیل سے اس ہستی محترم کو معنی آیت اور مصداقِ آیت بننے سے روکتے ہو وہ دلیل مجھے پیش کرو مگر وہ دلیل ہر لحاظ سے مفید یقین ہو کیونکہ یہ عمومات بھی یقینی ہیں۔

نوٹ:۔ ان سات اقدار پر مشتمل تمام آیات میں جتنے عمومات ہیں وہ تمام ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی ہیں جن جن میں یہ اقدار ہوں گی وہی معنی مصداقِ آیت قرار پائے گا۔ اب اس عموم میں سے جس کو بھی آپ نے خاص کرنا ہے ظاہر ہے کہ وہ کسی مخصص دلیل سے ہی کیا جائے گا مگر دلیل کا ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے بیک وقت قطعی ہونا لازمی ہوگا۔ کیونکہ جب عام

میں قطعیت ہے تو خاص میں قطعی ہونا لازمی ہو گا تو یہ مقابل دلیل قرار پائے گی ورنہ ظنی دلیل تو یہاں مخصص بن ہی نہیں سکتی لہٰذا آپ کو سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مصداق آیت نہ بننے کے لیے کوئی قطعی یقینی دلیل بطور مانع لانا ہو گی۔ جو آپ قیامت تک نہیں لا سکتے تو پھر ضد کا ہے کی ہے؟

قارئین محترم! کائنات بھر کے اہل علم سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے روشن کردار کو جو آج تک ہے۔ اسلام میں موثر ہے بلکہ قیامت تک موثر رہے گا یہ اس قدر روشن ہے کہ اس کے سامنے سورج کی روشنی بھی ماند ہے مسخ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کی تائید میں قرآن کریم کی بے شمار آیات بول رہی ہیں اسی لیے تاجدار ولایت، منبع ولایت، مخزن علم، حکمت، باب علم نبوت تاجدار ھل اتیٰ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے نور ولایت سے زبان ترجمان سے یہ فرمایا

"اَبَا طَالِبٍ عِصْمَةُ الْمُسْتَجِيْرِ   وَغَيْثُ الْمَحُوْلِ وَنُوْرُ الظُّلَمِ"

ترجمہ:۔ ابوطالب آپ تو پناہ چاہنے والوں کی پناہ گاہ ہیں اے ابوطالب آپ تو خشک سالیوں میں رحمت کی بارش ہیں۔ اور اے ابوطالب آپ تو اندھیروں ظلمتوں کے عظیم نور ہیں۔

"لَقَدْ هَدَّ فَقْدُكَ اَهْلَ الْحِفَاظِ   وَقَدْ كُنْتَ لِلْمُصْطَفٰى خَيْرَ عَمٍّ"

ترجمہ: اے ابوطالب آپ کے کھو جانے سے غیور لوگوں کے دل سکتہ میں ہو گئے آپ کی کتنی عظیم شان ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عظیم چچا ہیں آپ کی شان بے مثالی واہ واہ۔ (دیوانِ علی)

اس کے بعد مولائے کائنات اپنے والد گرامی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سانحہ ارتحال پر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور چند دن بعد محسنہ اسلام ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال پُر ملال ہو گیا تھا۔ اس جانکاہ حادثہ نے جہاں سید عالم ﷺ کو غمزدہ کر دیا وہاں مولائے کائنات بھی غم سے نڈھال ہو گئے۔ اسی لیے زبان نبوت نے اس سال کا نام عام الحزن (غم کا سال) رکھا۔ جب یہ مثالی شفقتیں بظاہر مولائے کائنات نے محسوس نہ کیں یعنی یہ دونوں عظمتیں نظر نہ آ گئیں قدرے تنہائی ہم جلیس ہوئی تو بے کل سے ہو گئے غم سے نڈھال ہو گئے زبان دل کی رفیق بن گئی جی بھر کے روئے مزید اپنی آنکھوں کو مخاطب ہو کر فرمایا

"اعینیّ جودا بارک اللہ فیکما   علیٰ ھالکین لا تریٰ لھما مثلاً"

ترجمہ:۔ اے میری دونوں آنکھو! خوب آنسو بہاؤ خدا تمہیں اس رونے میں برکت دے ان وصال فرما جانے والوں پر جن کی کائنات میں کوئی مثال نہیں وہ اپنی عظمتوں میں بے مثال ہیں۔

"علیٰ سید البطحاء و ابن رئیسھا   سیدۃ النسوان اول من صلّٰی"

مقدمہ

ترجمہ:۔ یہ دونوں نفوس قدسیہ کتنے عظیم الشان ہیں ان میں ایک سیّد بطحا ، ہیں سردار مکہ ہیں ایک خاتون عورتوں کی سردار ہیں ۔ یہ وہ وجود مکرم ہیں جنھوں نے عورتوں میں سب سے پہلے حضور صمدیت الٰہی میں اپنا سر مبارک سجدہ میں رکھا اے آنکھوان پر آنسو مزید مزید بہاؤ ان کی کتنی شان ہے۔

"مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللهُ خِيمَها مُبَارَكَةٌ وَاللهِ سَاقَ لَهُمَا فَضْلًا"

ترجمہ:۔ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے تمام پاکیزگیوں طہارتوں میں عظمت معراج بخشی انھیں پاک بنایا ان کا پاکیزہ وجود سراپا برکات ہے۔ یہ دونوں نفوس قدسیہ اپنی شان وعظمت میں اتنے عظیم ہیں کہ خود خلاق کائنات اللہ تعالیٰ نے اپنی اُلوہی عظمت کے ساتھ ان کی شان فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ اکبر۔ اب مسکین فریدی کی کیا حقیقت کہ میں ان کے اوصاف بیان کرسکوں ۔)

پھر فرمایا

"لَقَدْ نَصَرَا فِي اللهِ دِيْنَ مُحَمَّدٍ عَلَىٰ مَنْ بَغَىٰ فِي الدِّيْنِ قَدْ رَعَيَا اِلًّا"

ترجمہ:۔ یقیناً ان دونوں نفوس قدسیہ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور نصرت فرمائی اور ان کے خلوص کا میں گواہ ہوں انھوں نے جو بھی نصرت فرمائی محض محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی یہ نفوس قدسیہ اپنے عزم واستقلال میں اتنے بلند ہیں کہ انھوں نے تمام عہد و پیمان پورے کیے جو انھوں نے حمایت دین میں کیے تھے ہمیشہ سرکشوں کے مدمقابل رہے وفاؤں کی انتہاء کردی تو پھر اے آنکھو ایسے عظیم محسنوں پر آنسو بہاؤ۔

کہاں منکرین ابی طالب کا مصنوعی ڈراما اور کہاں باب علوم نبوت کی گوہر فشانی فرق واضح ہے (فریدی)

مختصر تبصرہ

مذکورہ اشعار اس زبان سے نکلے ہیں جس کو کائنات کا معیار ولایت مانا جاتا ہے۔ (فریدی) نبوی تصدیق بھی یہی بیان کرتی ہے علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہیں۔ انھیں قیامت بھی جدا نہیں کرسکتی۔ اب وحی کے نور میں ڈوبی ہوئی زبان کیا ارشاد فرمارہی ہے ذیل میں توجہ فرمائیں۔

۱۔ پہلے شعر میں فرمایا گیا کہ سیّد بطحا ، حضرت ابوطالب علیہ السلام اور محسنۂ اسلام حضرت اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کائنات میں اپنے دینی کردار کے اعتبار سے بے مثل و بے مثال ہیں۔

۲۔ دوسرے شعر میں سیّد بطحا ، حضرت ابوطالب علیہ السلام کو سیّد بطحاء کہا گیا اسی سنت کو مسکین نے بھی اپنی پوری کتاب کے علمی

تسلسل میں جاری رکھا لہٰذا میرا سیدِ بطحاء کہنا قابلِ اعتراض نہ رہا۔ (فریدی)

۳۔ تیسرے شعر میں سیّدِ بطحاء اور محسنۂ اسلام علیہما السلام کو کائنات کا پاکیزہ ترین وجود مانا گیا ہے اور یہی حقیقت ہے اس کے خلاف بکواس ہے مزید یہ بھی نشاندہی کی گئی کہ یہ دونوں نفوسِ قدسیہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحبِ فضیلت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کلام میں بڑی فضیلتوں میں بیان فرمایا ہے۔

۴۔ چوتھے شعر میں اُن کے وصال پُرملال پر شدید غم کا اظہار کیا گیا ہے۔

۵۔ پانچویں شعر میں مولائے کائنات نے ان دونوں نفوسِ قدسیہ کو یکجائی میں اہلِ نصرۃِ دین کا مددگار مانا ہے اور دشمنانِ دینِ متین کے مدِ مقابل آنے والوں کے خلاف ایک عظیم قوت مانا ہے۔

منکرینِ ابی طالب پر میرا سوال ہے کہ کیا یہ ساری عظمتیں کسی مشرک و کافر دشمنِ رسول، دشمنِ دین میں کہیں جمع ہو سکتی ہیں؟ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو دلیل سے ثابت کر کے دکھاؤ مگر پھر بھی کفرِ ابی طالب پر مُصر رہنا بضد رہنا محض فضول جبری حکم ہے۔

قارئین کرام! جب اللہ تعالیٰ نے بھی شانِ ابو طالب پر عظیم فیصلہ دے دیا اور رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اپنی محبت کا اظہار فرمادیا اور شہنشاہِ ولایت نے اُن کی عظمتوں کی تصدیق کر دی تو اب نہ مزید کسی تصدیق کی ضرورت ہے نہ تائید کی ضرورت کیونکہ حقیقت خود واضح اور روشن ہوتی ہے۔ محتاجِ دلیل ہی نہیں ہوتی۔ سیّدِ بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کے پاکیزہ جذبات کی سچائی اور کردار کی عظمت روشن سیرت کا تسلسل ایک واضح حُجت ہے اس کے خلاف سب جھوٹ ہے فراڈ ہے فساد ہے۔ ہم اسے مسترد کرتے ہیں۔ اب یہ زمانہ بفضل تعالیٰ سیّدِ بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کی عظمتوں کا ہے اب بفضل تعالیٰ گھر گھر میں گلی گلی میں نگر نگر کائنات کے چپے چپے پر ان کی عظیم وفاؤں کا ذکرِ خیر ہوگا دعا میں ان کا ذکر ہوگا ہر قرآن خوانی بطور ایصالِ ثواب ان کا ذکرِ خیر ہوگا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اہم ترین بات

قارئین کرام! مَن بندۂ مسکین سگِ والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مختصر مقالہ مقدمہ میں کثرت کے ساتھ کلامِ ابو طالب علیہ السلام اور کہیں کلامِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیان کیا ہے۔ اکثر اہلِ علم کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ان اشعار کا صراحتاً انکار کر دیتے ہیں مگر انکار کی دلیل نہیں دیتے۔ ان علماء کے بُطلان کی یہی دلیل کافی ہے کہ ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

وجہ انکار کیا ہے؟

وہ یہ ہے کہ یہ اشعار جو سیّدِ بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کے قلب و روح اور روشن عمل کے ترجمان ہیں اور یہ ایک متواتر

عقیدت ہے اشعار کی زد میں ان علماء کا تکفیر ابی طالب کا وضعی مصنوعی بے ہودہ عقیدہ زد میں آتا ہے۔ اور ان اشعار کی ضرب پر
نفول عقیدہ برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا بنا بریں اہل علم ان اشعار پر دو مصنوعی اعتراض لگا کر ان اشعار کو مسترد کر دیتے
ہیں۔ کہتے ہیں کہ
ا۔ اشعار کی سند کوئی نہیں۔
۲۔ یہ اشعار ابوطالب علیہ السلام کے نہیں۔

الجواب بعون الوہاب

تفصیلی جواب تو اگلی جلد سوم میں آ رہا ہے جس میں مسکین نے زاں وقت کے حالات و واقعات کی مناسبت سے تخلیق کیے گئے
اشعار کی مکمل اسناد کا تفصیلی جائزہ پیش کیا اور ہر زمانے کے مسلّم اہل علم کی تائید و تصدیق کو مع اسناد بیان کیا ہے ان تمام اشعار کی
اسناد بھی ہیں مسلّم اور مصدقہ ماخذات بھی ہیں۔ الحمدللہ۔

اہل علم کا دوہرا معیار اور حقیقتِ حال

اہل علم نے جب کلام سید بطحاء علیہ السلام کو بے سند کہا اور کہا کہ ابو طالب کے ہی اشعار نہیں پھر انھی اہل علم نے اپنے مزعومہ
نظریے کلام ابوطالب سے کچھ شعر چوری کیے اور اپنے باطل واہی اور بے ہودہ عقیدے میں بطورِ دلیل مؤثر کے پیش کرنے لگ
گئے ان بے بصر عالموں کو نہ تو سند کا سقم یاد رہا اور نہ ہی کلام ابوطالب کا بے اصل ہونا یاد رہا کیونکہ یہ اشعار ان کو ان کی فرسودہ فکر
کے ہم آہنگ نظر آئے حیرت ہے جو چیز مزاج گرامی کی تسکین کا باعث بنے وہ بے سند بھی ہو بے اصل بھی تو ہر صورت میں قبول
ہے یہی جبری تحکم ہے۔ اور یہ دوہرا معیار ہے۔ نمونہ کے طور پر کچھ اشعار یہ ہیں یہ اشعار اہلِ علم کے پورے ذخیرۂ علم میں بطورِ
دلیل مؤثر مانے گئے ہیں تکفیرِ ابی طالب کے مصنوعی ڈرامے میں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم ۔ حتی اوسد فی التراب دفینا

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ وابشر بذاك وقر منہ عیونا

وضاحت: اے میرے کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی قسم جن حالات سے آپ پریشان نظر آتے ہیں ہر گز نہ گھبرائیے یہ کفار مکہ مل کر
ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں جب تک میری رمق حیات باقی ہے میں زندہ ہوں تب تک آپ کا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ ان
کے گندے ہاتھ آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کھل کر اپنے عظیم دین کی تبلیغ فرمائیں اگر کسی نے آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو
ان کی آنکھ نکال کر رکھ دوں گا۔ بس آپ خوشی خوشی اپنے دین کی تبلیغ فرمائیں تا کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

نوٹ: قرآن کریم میں بھی ایک آیت اس مضمون کو بیان کر رہی ہے سورۂ حجر کی آیت ہے

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" (سورۂ حجر: ۹۴)

اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ خوب واضح اعلانیہ تبلیغ فرمائیں اور مشرکوں سے منہ موڑ لیں ان سے نفرت کر جائیں۔

قارئین محترم! یہ آیت چار سن نبوی کو نازل ہوئی۔ دس سن نبوی کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کا وصال مبارک ہوا۔ درمیانی عرصہ تقریباً چھ سال بنتا ہے مکفرین ابی طالب کے عقیدۂ باطلہ کفر ابی طالب میں کوئی سچائی ہوتی یعنی اگر نعوذ باللہ حضرت ابوطالب علیہ السلام مشرک ہوتے جیسا کہ اہل علم کا زعم باطل ہے تو نبی پر واجب تھا حضرت ابوطالب سے نفرت کرنا ان کو چھوڑ دینا۔ مگر باوجود اس کے بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ لپٹ کر رہے گویا نبوی عمل نے تصدیق کر دی کہ ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا شرک کا الزام جھوٹا ہے۔

ضروری وضاحت

ہوسکتا ہے کہ امام واحدی کی طرح معاصر اہل علم کوئی بھونڈی تاویل کر دیں جیسا کہ انھوں نے وفاتِ ابوطالب کے وقوعہ کے بارہ سال بعد وقوعہ سے متعلقہ سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 کا نزول اس ضمن میں قبول کیا ہے۔ جب انھیں کہا گیا کہ یہ آیت وفات ابو طالب سے متعلق نہیں کیونکہ اس کا نزول ان کی وفات کے بارہ سال بعد ہوا ہے اس پر انھوں نے بلا دلیل ایک بھونڈی تاویل کر دی کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفاتِ ابوطالب کے وقت سے لے کر بارہ سال مسلسل دعائے مغفرت کرتے رہے ہوں۔
بات الزام کی ہو رہی ہے ثبوت "یُحْتَمَلُ" کے ساتھ دیا جا رہا ہے اور اُسے اہل علم قبول کر رہے ہیں۔ یہی جبری اور فضول تحکم ہے۔ امام کی امامت بچ جائے حرم نبوت کو آگ لگتی ہے تو لگ جائے۔ یہ اہل علم کا مبلغ علم۔ استغفر اللہ۔
بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ معاصر اہل علم کوئی غیر سیاسی چکر چلا کر یہ کہہ دیں کہ حکم اعراض عن المشرکین تو چار سن نبوی ہی کو نازل ہوا مگر رسالت پناہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابوطالب کے پہلوئے شفقت سے اس اُمید سے وابستہ رہے ہوں کہ شاید ہوسکتا ہے کہ آخری وقت میں کلمہ پڑھ لیں اس لیے چھ سال اس انتظار میں لگا دیے؟ مگر اہل علم کے پاس اس بات کا جواب ہرگز نہیں کہ چھ سال تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الٰہی کو توڑے رکھا وحی کے خلاف چلتے رہے نعوذ باللہ۔ نبوت ایک عظیم منصب ہے۔ اہل علم کا مسلک نہیں جب چاہا توڑ دیا جب چاہا جوڑ دیا۔ بہر حال اہل محبت سے گزارش ہے کہ آپ کسی اہل علم کے ورغلانے میں نہ آئیں۔

؎ "وَ دَعَوْتَنِیْ وَ زَعَمْتَ اَنَّكَ نَاصِحٌ — وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَ كُنْتَ ثَمَّ اَمِيْنًا"

ترجمہ: اے میرے محبوب آپ نے مجھے دعوت دی اس عظمت پر کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں تحقیق بات یہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا

سچ فرمایا میں آپ کی سچائی کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ آپ سچے بھی ہیں اور امانتدار بھی ہیں۔

"وَعَرَضْتَ دِيْنًا قَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّهُ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا"

اے میرے حبیب آپ نے جو دین مجھ پر پیش فرمایا یقیناً یہ شان وعظمت والا دین ہے اور میرا اس دین کی بابت یہ بھی یقین ہے کہ یہ دین پوری کائنات کے تمام ادیان سے افضل واعلیٰ دین ہے۔

نوٹ: ان اشعار میں کھلے لفظوں میں دین کی سچائی کی بھی حضرت ابو طالب علیہ السلام کی طرف سے تصدیق موجود ہے اور عظمت نبوت کی بھی تصدیق اور یہ سب نصاً تصدیق ہے کنائی تصدیق نہیں۔ اور ایمان کیا ہوتا ہے؟

"لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْحِذَارِیْ سُبَّةً لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنًا"

اگر ملامت اور گالی گلوچ کا خوف نہ ہوتا تو آپ مجھے کھل کر اس دین کو قبول کرنے والا پاتے۔

قارئین محترم! یہ وہ اشعار ہیں جو کفرِ ابی طالب علیہ السلام میں بطورِ موثر دلیل مانے جاتے ہیں۔ یاد رہے پہلے چار اشعار بھی تو کھلے عام بطورِ نص عظمت ایمان کی واضح دلیل ہیں رہا آخری شعر تو اس میں بھی کفر کا مضمون اور معنی ہرگز نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ مضمون مترشح ہوسکتا ہے کہ کفار کی گالی گلوچ اور ملامت کی وجہ سے کھل کر اعلانیہ اس دین کی تصدیق نہیں کرسکتا البتہ میرے دل میں تصدیق موجود ہے پہلے چار اشعار کا مضمون الگ کرلیں اور اس ایک کا مضمون الگ کرلیں کوئی ایک شعر بھی کفرِ ابی طالب علیہ السلام پر موثر یقینی نہیں بن سکتا۔

میرا مطالبہ

کائنات بھر کے معاصر اہل علم سے یہ ہے کہ اس شعر کی وہ سند لے آئیں جو مفید یقین ہو اور کفر ابی طالب میں موثر یقینی ہو۔ آپ مجھے اس ایک شعر کی متواتر سند مہیا کردیں کیونکہ ثبوتِ الزام میں دلیل کا قطعی ہونا ضروری ہے ظنی دلیل سے الزام وعیب ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہ آپ کا علمی قاعدہ ہے میرا نہیں۔ آپ اپنی علمی یقین دہانی کرادیں میں پورے دیوان کی سند آپ کو پیش کروں گا۔ میں پہلے وضاحت کرچکا ہوں کہ کلام ابی طالب یقیناً مستند ہے کسی ایک شعر میں ان کے کفر کا واضح نص کوئی مضمون و معنی نہیں ہے۔ بلکہ سینکڑوں اشعار ایسے جو ان کی عظمت ایمان میں نص ہیں مگر چونکہ اہل علم کے مصنوعی ڈرامے کے خلاف ہیں بنا بریں قبول نہیں یہی فضول جبری تحکم ہے۔

نوٹ: آخری شعر کا کفر ابی طالب علیہ السلام پر دلالت کرنا یہ اہل علم کی ذاتی تراش خراش ہے اور مصنوعی مفہوم کشید کردہ ہے بنا بریں اس استدلال کی کوئی یقینی علمی حقیقت نہیں۔ اگر بالفرض والمحال خاکم بدہن ایسا ہی ہو تو اس زمانے میں حالات کی سنگینی کے

مطابق ایمان چھپانا ضروری تھا اور اس کا حکم خود رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دے رکھا تھا۔ اگر اس حکم کی تعمیل میں سید بطحا حضرت ابو طالب علیہ السلام نے دین کو پوشیدہ ہی رکھا ہو تو پھر بھی یہ کفر و شرک کے جھوٹے الزام کی زد میں ہرگز نہیں آسکتے۔ یہ ایمان چھپانے کا واضح حکم موجود تھا جو آپ نے چھپایا۔ ان دو اشعار کا ربط بیان بتاتا ہے کہ یہ ابتدائی حالات کے ہیں نہ کہ وقت وفات کے۔ (فریدی)

کلام ابوطالب علیہ السلام کی خدائی تصدیق

میں نے پورے کلام کا کئی بار بالاستعیاب مطالعہ کیا ہے جن جن مضامین پر حالات و واقعات کے تناظر میں جو اشعار ارشاد فرمائے گئے قرآن کریم نے ان تمام اشعار کی تصدیق فرمائی ہے مکمل تفصیلات تیسری جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

کلامِ ابوطالب علیہ السلام کی مصطفائی تصدیق

سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کلام مبارک کی تصدیق سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نبوی زبان رحمت سے فرمائی ہے۔ تفصیلات تو آنے والے مجلدات میں ہوں گی مگر یہاں بطور تبرک صرف ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

صحیح بخاری باب استسقاء میں صحیح حدیث ہے جس کا مختصر مضمون ہے کہ مدینہ میں قحط پڑ گیا لوگوں نے بارگاہ نبوت میں عرض دعا کیا تو جمعہ کا دن تھا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت والے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی تو بادل نے سینہ کھول دیا ہفتہ بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ اگلے جمعہ لوگ پھر دہائی دیتے ہوئے کہنے لگے کہ اب بارش کی وجہ سے سب کچھ ڈوب رہا ہے اس کثرت رحمت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس دیے حتیٰ کہ آپ کی نواجذ آخری داڑھ بھی نظر آنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائش فرمائی کہ مجھے وہ شعر سنائے جائیں جو میرے چچا ابوطالب نے بیان کیے تھے اُس وقت جب مکہ میں قحط پڑا تو لوگ ان کے پاس آئے تو انھوں نے میرے وسیلے سے دعا مانگی حالانکہ میں اس وقت اپنی طبعی عمر مبارک میں کمسن تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے وسیلے سے باران رحمت نازل فرما کر مکہ کا قحط دور فرما دیا تھا اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ اشعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت پر فرمائش پر سنائے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حد سے زیادہ خوشی کا اظہار فرما کر کلامِ ابوطالب کی نبوی تصدیق فرما دی۔ وہ اشعار یہ تھے۔

ے "وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ	ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ"
"يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ	فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ"

ترجمہ: لطافت حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاب آسمان بھی نہ لا سکا بادلوں نے سینے کھول دیے جونہی رُخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کی رعنائی دیکھی کیونکہ یتیموں کے والی ہیں بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں تمام بنی ہاشم پر مشکل حالات میں ان کے دامن عصمت

میں پناہ لیتے ہیں تو یہ تاجدارِ سخاوت اُنھیں جھولیاں بھر بھر نعمتوں سے مالا مال کر دیتے ہیں اور انھیں فضیلتوں سے معمور کر دیتے ہیں۔

یہ سارے اس عنوان پر اشعار ہیں گویا کلام ابوطالب اتنا مقدس کلام ہے اور حقیقت پر مبنی ہے کہ اس کی تصدیق زبانِ نبوت سے ہو چکی اور یہ روایت مکمل سند کے ساتھ ہے۔ ناقل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اب بولیے جناب ہم نے تو کلام سیدِ بطحاء علیہ السلام کی دو گواہیاں دے دی ہیں قرآن سے بھی اور حدیث سے بھی۔ اب آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ بھی کوئی مضبوط گواہی لے آئیں اپنے موقف میں۔ حیرت ہے اہل علم کو صرف ایک ہی شعر نظر آیا ہے وہ شعر جو ان معنوی قدروں کا مصنوعی امین ہے باقی سارا دیوان جس کی تصدیق زبانِ نبوت نے دی اس کو اہل علم کیونکر نہیں یقین کرتے اور حسنِ اتفاق یہ ہے کہ جن اشعار کو رسول اللہ ﷺ نے سن کر سند توقیر بخشی وہ شعر عظمت مصطفی ﷺ کے عنوان پر مشتمل ہیں۔ اس اعتبار سے ہر اس شعر کی تصدیق ہو گئی جس کا مفہوم عظمت مصطفائی پر مشتمل ہے اس حوالے سے تقریباً ہزار سو اشعار سے بھی قدرے زیادہ اشعار ہیں کلامِ ابوطالب کے۔ جو میں نے مختلف ماخذات سے تلاش کیے ہیں اور تمام اشعار کا نقطۂ ارتکاز محض عظمت رسول ہے۔ سب سے بڑی خوش گوار حیرت یہ ہے کہ یہ تمام اشعار زمانۂ نبوت میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور حضور ﷺ ان کو سماعت فرماتے رہے اتنا مقبول و محبوب کلام اور کس کا ہو سکتا ہے۔؟

نوٹ:۔ قارئین محترم! رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ اشعار سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب کے ہیں مگر حیرت ہے اہل علم پر کہ کہتے ہیں یہ اشعار ابوطالب کے نہیں۔ اب ہم بات رسول دو عالم ﷺ کی مانیں یا اہل علم کی؟

سوائے اہل علم ہی کوئی راہ دیں۔ جو شعر تکفیرِ ابی طالب میں پیش کیا جاتا ہے اس کی نبوی کوئی تصدیق نہیں تو پھر ہم اہل علم پر کیونکر ایمان لائیں ہمارا ایمان تو محض کالی کملی والے طٰہٰ کے تاج والے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ پر ہے اور بس۔ ہم نے دلیل مہیا کر دی ہے کلام ابوطالب کی قرآن و سنت سے ہی ہمیں کوئی ایسی دلیل مہیا کر دیں جس میں بطور نص قرآن و حدیث یہ ثابت ہو کہ یہ کلام سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کا نہیں۔ قیامت تک معاصر اہل علم کو وقت دیا جاتا ہے۔ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا "یہ پہلے بھی ثابت نہ کر سکے" وَلَنْ تَفْعَلُوا "قیامت تک ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے" فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ "پس اس آگ سے ڈر جاؤ جو انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (القرآن)

سند کا معاملہ

اب سند کا معاملہ ہم ان شاء اللہ العزیز وہ بھی پیش کریں گے جیسے ہم نے صحیح بخاری سند اُبارانِ رحمت کی طلب پر سند پیش کی۔

کیا خوب سند ہے جس میں مبداء سند خاتم المرسلین ﷺ ہوں۔ شہنشاہ رسالت ہوں اور دوسرا راوی شہنشاہ ولایت مولائے کائنات ہو علی المرتضیٰ ہو اور حسن اتفاق کہ سند پر مشتمل روایت بھی صحیح بخاری کی جس سے بڑی کوئی صحت کے اعتبار سے کتاب نہ جانی جاتی ہو۔ میں بھی اہل علم سے معارضۃً مطالبہ کرتا ہوں کہ کلام سید بطحا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بے سند ہونے کی دلیل صحیح بخاری سے دی جائے اور دلیل بھی نصاً جیسے میں نے دلیل نص کی صورت میں دی ہے۔ چیلنج ہے معاصر اہل علم کو قیامت تک وقت دیا جاتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اہل علم علمی جواب سے نبٹتے ہوتے ہیں تو جھپٹ پڑتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا اسی ضد کو جبری تحکم کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک صورت میں ہوسکتا ہے کہ اہل علم کہیں کہ بخاری والے شعر کو تو ہم مانتے ہیں دیگر اشعار کو نہیں مانتے کیونکہ دیگر اشعار بخاری میں نہیں آئے۔ میں اس پر عرض کروں گا کائنات بھر میں ایک مسلمہ اُصول ہے شعر وسخن کی کائنات میں جب کسی مقتدر شاعر کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو نمونے کے طور پر اس کا ایک آدھا شعر ہی بولا جاتا ہے یا چند اشعار/ پورا دیوان نہیں سنایا جاتا۔ یہی طرز صحیح بخاری میں اپنایا گیا ہے۔ اگر کلامِ ابوطالب علیہ السلام کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو صحیح بخاری کی یہ کلام زینت نہ بنایا جاتا ایسا مضبوط حوالہ صرف کلامِ ابوطالب ہی کا حصہ ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقتیں تعصب کے دھوئیں سے نہیں چھپائی جاسکتیں۔ میں نے کلامِ ابوطالب علیہ السلام کی تصدیق صحیح بخاری سے پیش کردی منکرین ابی طالب علیہ السلام کا فرض بنتا ہے کہ اس کلام کی تردید بھی آپ صحیح بخاری سے دکھادیں۔

شعر وسخن کی کائنات میں سند کا اُصول

شعر وسخن کی کائنات میں ماہرین اصناف شاعری نے ابھی تک کوئی ایسا اُصول وضع ہی نہیں کیا نہ کوئی قاعدہ استقراء کیا ہے کہ ہر شعر کے لیے الگ سے سند کا التزام و انتظام ضروری ہے اگر معاصر اہل علم یہ ضروری سمجھتے ہیں تو پھر پہلے اپنے ذخیرۂ علم میں جو لاکھوں اشعار استعمال کیے ان میں سے ہر ایک شعر کی فقیر کو الگ سے سند مہیا کردیں ورنہ ہم سے اس کا مطالبہ فضول ہے ہاں ہم نے وعدہ کیا ہے اس پر پورا اُتریں گے۔ کلام ابوطالب علیہ السلام کی پوری اسناد بمع سیاق وسباق کے اہل سنت ہی کی کتب سے مہیا کردیں گے جیسے ہم نے صحیح بخاری سے ثابت کیا ہے۔

مجھے حیرت تو اس بات پر ہے کہ کائنات میں جتنے بھی دیوان مرتب ہوئے متداول ہوئے معروف ہوئے کسی بھی دیوان کے کسی شعر کی سند پر نہ اہل علم نے کبھی مطالبہ کیا نہ مواخذہ کیا حتیٰ کہ دیوانِ متنبی، حماسہ، مفضلیات، سبعہ معلقہ، جو آج بھی

دینی مدارس میں شاملِ نصاب ہے یہ سند کا تکلف اہل علم کو وہاں نظر نہیں آیا بس حضرت ابوطالب علیہ السلام کے خلاف بولا گیا ہے وہ محض ہرزا سرائی ہے اس کی کوئی یقینی دینی حقیقت نہیں مگر اہل علم حرم نبوت پر حملہ کرنا طے کر چکے ہیں اس لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے مگر اب نہیں چلے گا۔ اہل محبت بیدار ہو چکے ہیں۔ حرم نبوت پر حملہ آور کو ہر صورت میں روکا جائے گا۔

اسلوبِ کلام شاعر ہی اصل شناخت ہے

ہر زمانے میں جب کبھی شعراء کے کلام میں التباس کا اندیشہ لاحق ہوا تو ماہرین شعر و سخن نے اسلوب کلام کے ذریعے سے متعلقہ شاعر کی ذہنی فکری قلبی عظمت کا اندازہ لگا کر اس شاعر کے زمانے کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے متعلقہ تواتر پر اعتماد کیا۔ اشعار میں بیان کردہ مضامین کا نفسیاتی رُخ دیکھا طمانیت قلب کے بعد یقین کر لیا یہ کلام اُسی کا ہو سکتا ہے۔ پھر اس کی مضبوطی کی جستجو کی جب یہ کچھ مل گیا تو اہل علم نے اعتماد کر کے اس نقل کو فروغ دیا گیا گویا اندازِ شاعری ہی شاعر کی اصل شناخت کا باعث بنی۔ مکمل تفصیل اگلی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے زمانے کے حالات کا اہل علم جائزہ لیں اور ان کی شاعری میں بیان کردہ فکری رُخ دیکھیں پھر نتائج پر دھیان کریں خود یقین ہو جائے گا کہ کلام سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی کا ہو سکتا ہے۔

میری جسارت

میں نے کلام سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اس مقدمے میں دانستہ بیان کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کسی حقیقت کو گرد آلود کیا جا رہا ہو تو اس وقت اس حقیقت کا ظاہر کرنا واجب ہو جاتا ہے خواہ وہ حقیقت معمولی ہی کیوں نہ ہو تاہم کلام سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ایک بہت بڑی حقیقت ہے اس کا بلا دلیل بلا وجہ انکار محض تعصب ہے عناد ہے منافقت ہے۔

ثالث:۔ معاصر اہل علم صرف خدائق بخشش کے ہر شعر کی الگ سے مکمل سند مہیا کر دیں میں کلامِ ابوطالب کے ہر شعر کی سند مہیا کر دوں گا۔ حالانکہ یہ تقریباً سو سال پرانی ہے۔ جبکہ دیوانِ ابی طالب ساڑھے چودہ سو سال پرانا ہے۔

انکار کیوں ہوا؟

کلام ابی طالب کی عظمت کا انکار اس لیے ہوا کہ بنو امیہ کی غنڈہ گردی کے خلاف یہ کلام تھا۔ مزید یہ کہ اس میں اُموی غنڈہ

گردی کو ننگا کیا گیا ہے جب قرآن کریم کو نیزوں پر لٹکانا اُمویوں کے نزدیک جرم نہیں تو ان کے ریزہ خواروں کو کلام ابوطالب کا انکار کرنا کونسا مشکل کام ہے؟

۲۔ حرم نبوت پر حملہ آور رہنا اُموی غنڈوں کا شوق تھا عادت تھی مگر اس کلام میں حرم نبوت کے اقدس کا بیان تھا یا اموی ریزہ خواروں کو کیسے برداشت ہوسکتا ہے۔

۳۔ اہل علم نے کفرابی طالب علیہ السلام کا ایک جھوٹا عقیدہ تراشا۔ یہ کلام اس کشید کردہ عقیدے کی مذمت کرتا ہے بنابریں اس کلام کا بلادلیل انکار کردیا گیا۔

۴۔ اس کلام میں سچائی تھی جس کا جواب مکفرین ابی طالب کے پاس نہیں تھا بنابریں اس کلام کا بلاوجہ انکار کردیا گیا۔

۵۔ اور بھی بہت ساری وجوہات ہیں جو اگلی جلد میں آرہی ہیں مزید تحقیق بھی آنے والی مجلدات میں آرہی یہ تحقیقی کام بارہ جلدوں پر مشتمل ہے ہر جلد اپنے اپنے وقت پر طبع ہو کے آرہی ہے۔ قارئین دعا بھی فرمائیں تعاون بھی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم "وَ صَلَّى اللهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آبَائِهٖ وَ اُمَّهَاتِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ ذُرِّيَّتِهٖ وَعَلٰى عَمِّهِ الْكَرِيْمِ اَبِيْ طَالِبٍ علیہ السلام وبَارَكَ وَسَلَّمَ"

ب یازدہم:

اوّلیاتِ سیّدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام اور قرآن عظیم

تعارف باب یازدہم

اس باب اوّلیاتِ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام اور قرآن عظیم کا بیان ہے اور اس میں بھی تین فصول آرہی ہیں جن کی تقسیم درج ذیل ہے۔

فصل اول:

مختصر اوّلیات حضرت ابوطالب علیہ السلام اور معروضی جائزہ

فصل ثانی:

شعب ابی طالب اور شرفِ صحابیت کا اُصولی تصور

فصل ثالث:

نبوی نسبتوں کا احیاء اور قرآن عظیم

فصل اول:

مختصر اوّلیات حضرت ابوطالب علیہ السلام
اور معروضی جائزہ

اوّلیاتِ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام اور معروضی جائزہ

قارئین محترم! بہت ساری عظمتیں اور فضیلتیں ایسی ہیں جو فخر بنی ہاشم، سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو میسر ہیں ان میں اور سب سے اوّل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ قرآن مجید میں جا بجا اس کے شواہد ملتے ہیں جن کی اجمالی تفصیل عرض کروں گا۔ مکمل تفصیل کے لیے ایک ضخیم جلد مرتب ہو رہی ہے۔ بہر حال یہاں اتنی گنجائش نہیں۔

ہاں اہلِ علم کو یہ بات ناگوار گزرے گی کہ ایک کافر کو صاحبِ فضیلت کیسے مان لیا گیا ہے۔ تو اس بابت صرف اتنا عرض ہے کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ سیدِ بطحاء پر لگایا گیا کفر کا الزام محض مصنوعی مفروضہ اور کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ جب اس بدترین الزام کا یکسر خاتمہ ہو چکا تو سیدِ بطحاء کی عظمتیں، فضیلتیں اور منقبتیں ایک بدیہی حقیقت ہیں کیونکہ یہ سب کچھ مکمل تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ یہاں نہ تو اہل علم کی ذاتی رائے کی کوئی حیثیت ہے نہ معاصر اہلِ علم کی چیں چاں اور بلا دلیل واویلے کی کوئی حیثیت ہے۔ میں اب بھی اس بات کا پابند ہوں کہ اہلِ علم اپنے تکفیری دلائل میں ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعیت پیدا کر دیں تو میں قلم روک لوں گا۔ مگر یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ الزام ان کی طرف سے ہے ثبوتِ الزام بھی انہی کے ذمہ ہے۔ ہم نے ان کے مزعومہ اور مصنوعی دلائل کا تجزیہ کر دیا ہے جن کی حیثیت پرِ کاہ کی بھی نہیں بنتی تو پھر تحقیق کے ایک ادنیٰ سے طالب علم کے لیے ایسی فحش جگالی کیسے قبولیت کا درجہ پا سکے گی اور وہ بھی حرمِ نبوت کے تقدس کے خلاف؟

نوٹ:۔ میں نے جو کچھ دلائل کا تجزیہ کیا ہے وہ محض خیال آرائی سے نہیں کیا۔ مسلّم اہلِ علم کے وضعی قواعد کی روشنی میں کیا ہے۔

جب اہلِ علم کا اپنا علم اس جھوٹ کو ماننے کے لیے تیار نہیں تو پھر مجھ جیسا ناتواں طالب علم اس مذہبی انتشار کو کیسے مان لے؟

اب جب لگایا گیا بیہودہ الزام اُٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ سیدِ بطحاء، سردار قریش، تاجدار بنی ہاشم حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمت و فضیلت میں کوئی علمی مانع نہیں۔ اور نہ ہی کوئی علمی معارضہ پر مشتمل دلیل ہے تو مسکین نے طے کیا اب قلم محسن ملت اسلامیہ محسنِ بانی اسلام فخر بنی ہاشم وقارِ عرب، غمگسار پیکر نبوت ناصر رسول سیدنا حضرت ابو طالب علیہ السلام کے مناقب و فضائل پر اٹھاؤں سو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل و احسان سے استغاثہ کرتے ہوئے اور کاشانہ نبوت کے نفوسِ قدسیہ خصوصاً والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین عظمت کی دھول مبارک سے فیض رحمت حاصل کرتے ہوئے اس عنوان عظمت کا آغاز کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے:

سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام خدائے ذوالجلال کا اعتماد اوّل ہیں

پاکدان عالم میں امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری محض فطری اتفاق نہیں بلکہ مشیت الٰہی کا خصوصی اہتمام ہے۔ ابتدائے آفرینش سے عالم بشریت وشہادت تک رسول اللہ ﷺ کا نور مسلسل فیض بار رہا۔ عالم انوار وتجلیات کی حقیقتوں کو وزنبوت سے وجود بخشا گیا۔ مطلع انوار کے بعد یہ قدسی وجود جبین آدم علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ پھر آقا علیہ السلام خود فرماتے ہیں

"انتقل من طیب الی طاهرٍ ومن طاهرٍ الی طیبٍ حتّٰی الیٰ ان اوصلهُ اللّٰه تعالیٰ الیٰ صُلب عبد اللّٰه بن عبد المطلب"

کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منتقل فرمایا پاک پشتوں سے پاک رحموں تک ہر پاک پشت سے ہر پاک رحم تک ہر پاک رحم سے ہر پاک پشت تک حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے والد گرامی محسنِ عالمین مخدوم کائنات حضرت عبداللہ کا انتخاب فرمایا مجھے ان تک پہنچایا پھر ان سے

"الیٰ رحم امی آمنة بنت وهب فاخرجنی اللّٰه تعالیٰ فجعلنی سید المرسلین و خاتم النبیین و قائد الغر المحجلین"

اللہ تعالیٰ نے مجھے محسنۂ عالمین، مخدومہ کائنات، میری پاکیزہ ماں کریمہ حضرت بی بی آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے شکم رحمت میں منتقل فرمایا پھر ان سے ان کی آغوش عظمت میں آیا پس اللہ تعالیٰ نے مجھے سید المرسلین بنایا خاتم النبیین بنایا روشن چہروں والے کا قائد بنایا۔ (الجزء المفقود مصنف عبدالرزاق بن ہمام)

قارئین محترم! یہ ہے اہتمام قدرت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کی تشریف آوری میں پسند فرمایا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا اہتمام فرمایا ہے طہارتوں کا پاکیزگی کا تقدس مآب ماحول و یا پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ہی سچا خدا اپنے اَوہی تسلسل کو بھول جائے۔ ملحوظ نہ رکھے پھر ایسے شخص کے سپرد کردے جو کفر وشرک کی آلودگی سے آلودہ ہو۔ یہ نظریہ اہتمام قدرت کے ہی خلاف ہے۔ پھر وہی اللہ تعالیٰ پچاس سال تک اپنے رسول کو ایسے شخص کے سپرد کردے جو عقیدہ توحید کا بھی دشمن ہو اور شان رسالت کا بھی دشمن ہو۔ تن من سے پلید بھی ہو۔ ایسے شخص کو اپنے محبوب کا محسن، محافظ، حامی و ناصر بنانا اللہ تعالیٰ کی غیرت کے ہی خلاف ہے۔ بعض یار لوگ یہاں فرعون کا حوالہ دیتے ہیں۔ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام بطور امانت نہیں بلکہ بطور انتقام دیے گئے پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر سے کچھ نہیں کھایا بلکہ بنی اسرائیل کا سرمایہ تھا جو فرعون نے غصب کیا تھا۔ قرآن اسے یوں بیان کرتا ہے

"وتلک نعمة تمنها علیّ ان عبّدت بنی اسرائیل" (سورہ شعراء: ۲۲)

اے فرعون جس نعمت کا تو احسان جتلاتا ہے اس کا تیری جیب سے کوئی تعلق نہیں وہ تو اصلاً سرمایہ میری قوم بنی اسرائیل کا ہے جس

پر تو سانپ بن کر بیٹھ گیا ہے۔

گویا قرآن نے گواہی دی کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون نے نہیں کی۔

قارئین محترم! فرعون ملعون کا موازنہ سیدِ بطحاء سے بنتا ہی نہیں۔ یہ اہل علم کا جبری تحکم ہے اور بلا دلیل ہے۔ اہل علم فرعونی رویوں اور بوطلبی رویوں کا موازنہ کریں حقیقت واضح ہو جائے گی۔ فرعون نبی کا دشمن ہے سیدِ بطحاء نبی کے محسن ہیں۔ فرعون نبی کا قاتل ہے سیدِ بطحاء نبی کے محافظ ہیں۔ فرعون اُلوہیت کا دعویدار ہے سیدِ بطحاء توحید کا علمبردار ہے۔ فرعون بے بصیرت ہے سیدِ بطحاء صاحب بصیرت اور صاحبِ مرتبہ احسان ہیں۔ فرعون نبوت کا غدار ہے۔ سیدِ بطحاء نبوت کے دلدار ہیں۔ فرعون ملعون قرآنی ہے۔ سیدِ بطحاء محسنِ ملت اسلامی ہیں۔ فرعون پلید ہے۔ سیدِ بطحاء سعید ہے اور اللہ تعالیٰ کا اعتماد اول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو قرآن مجید کی روشن آیات میں بیان فرمایا ہے۔ سیدِ عالم ﷺ جب پیدا ہوئے تو فرشتوں نے عرض کی مولا تیرا حبیب یتیم پیدا ہوا ہے تو بارگاہ قدس سے آواز آئی "فَاٰوٰی" ہم نے اپنے محبوب کو اپنی ہی آغوش رحمت میں پناہ دی ٹھکانا دے کر محفوظ فرمایا۔ اس آغوش رحمت کی حقیقی خدمت کا جس شخصیت کو بھرم ملا ہے وہ سیدِ بطحاء ہیں وہ محسنِ ملت اسلامیہ ہیں، رئیس مکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں۔ زمینی حقائق اور کائنات بھر کے اہلِ علم اس حقیقت کے گواہ ہیں یہی وہ نفس محترم ہیں جن کو نصف صدی تک یہ منفرد کائناتی اعزاز ملا ہے۔

یہ ان کی اوّلیت کا پہلا منفرد عنوان ہے جس میں ان کا اس عظمت میں کوئی دوسرا ثانی نہیں اور یہی حقیقت ہے۔

ایک علمی نکتہ

"اٰوٰی، اَلاِیْوَاءُ" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو کسی کے ساتھ ملا دینا پیوست کر دینا۔ اب اس اشتقاقی اعتبار سے معنی ہوگا ہم نے اپنے محبوب کو ملا دیا اور پیوست کر دیا ہے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ اور یہ پیوستگی پچاس سال تک تسلسل پذیر رہی پیکر نبوت کی پیکر بوطلبی کے ساتھ۔ کیونکہ جناب آدم علیہ السلام سے لے کر مخدوم کائنات حضرت عبد اللہ تک اور سیدہ حضرت حوا علیہا السلام سے لے کر محسنۂ کائنات حضرت سیدہ آمنہ علیہا السلام تک طہارتوں کا مقدس تسلسل جاری رہا۔ لہٰذا اسی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے ہم نے اپنے محبوب کو کائنات کے مطہر ترین شخص حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سپرد محبت و شفقت کر دیا۔ کیونکہ یہی وہ شخص محترم ہے جو اللہ تعالیٰ کے اُلوہی اعتماد کا وجودِ اوّل ہے۔ واہ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اعتماد فرمانے میں لاشریک ہے اور سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام اعتماد ہونے میں بے مثال ہیں۔ یہی قدر نعمت ہے۔ منعم حقیقی کا انتخاب۔ اللہ! اللہ! حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پیکر عصمت پر قربان جس سے پچاس سال تک پیکر نبوت مسلسل پیوست رہا۔ اب اس وجود

اقدس کے نصیب پر تو خود نصیب کو بھی وجد آ رہا ہے۔ حدیث شریف ہے کہ جس چیز نے ایک لحہ بھر کے لیے پیکر نبوت سے اونی مَس کر لیا اس پر جہنم حرام ہے۔ ذرا اس حدیث کی روشنی میں لحات شمار فرمایئے۔ پچاس سال کے لحات گن لیجیے کتنے بنتے ہیں؟ پھر پیکر نبوی کی پیوستگی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ کتنی تسلسل پذیر رہی؟ جب ایک لحہ کی یہ شان ہے کہ جہنم حرام ہو جاتی ہے تو پچاس سال کے لاتعداد لحات کا فیضان کتنا عظیم ہوگا اور یہ عظمت کامل تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ بھلا وہ روایات جو اپنے وجود اور ثبوت میں محض واہی ہیں بیہودہ ہیں فقط مصنوعی ہیں وہ اس کامل تواتر کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں۔ اہل علم کا ان روایات کو اس ضمن میں بیان کرنا اور کائنات کے مقدس ترین شخص پر کفر و شرک کا بہتان لگانا بدترین فعل، جبری تحکم، مصنوعی افسانہ نگاری اور بے حقیقت ہے۔

نوٹ:۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ پچاس سال کا کردار نہیں بنتا بلکہ بیالیس سال کا بنتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پچاس سال ہی کا کردار ہے صورت اس کی یہ ہے کہ جس دن سرکار دو عالم ﷺ پیدا ہوئے جناب عبدالمطلب علیہ السلام کو اطلاع کعبہ میں ملی۔ آپ فوراً کاشانہ اقدس میں آئے اور تاجدار رسل کو آغوش رحمت میں لیا بوسہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ دعائیہ اشعار پڑھے پھر معاً نبی کریم ﷺ کو سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سپرد رحمت فرمایا اور گھر کے سب سے بڑے فرد ہونے کی حیثیت سے سرپرستی فرماتے رہے اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ نصف صدی تک سید بطحاء رسول اللہ ﷺ کی معیت میں رہے۔

حوالے کے طور پر کاشانہ نبوت کے ایک فرد عظیم مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت حاضر خدمت ہے۔

عَنْ عَلِیِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا طَالِبٍ، یُحَدِّثُ أَنَّ آمِنَةَ بِنْتَ وَهْبٍ، لَمَّا وَلَدَتْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، جَاءَهُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ، فَأَخَذَهُ وَقَبَّلَهُ، ثُمَّ دَفَعَهُ إِلَی أَبِی طَالِبٍ، فَقَالَ هُوَ وَدِیعَتِی عِنْدَكَ لَیَكُونَنَّ لِابْنِی هٰذَا شَأْنٌ، ثُمَّ أَمَرَ فَنُحِرَتِ الْجَزَائِرُ، وَذُبِحَتِ الشَّاةُ، وَأُطْعِمَ أَهْلُ مَكَّةَ ثَلَاثًا، ثُمَّ نُحِرَ فِی كُلِّ شِعْبٍ مِنْ شِعَابِ مَكَّةَ جَزُورًا، لَا یُمْنَعُ مِنْهُ إِنْسَانٌ، وَلَا سَبُعٌ، وَلَا طَائِرٌ" (دلائل النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۰۲)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد گرامی سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو مخدومہ کائنات حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا نے جنم دیا تو حضرت عبدالمطلب کو اطلاع ملی تو آپ فوراً کاشانہ نبوت میں تشریف لائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی آغوش رحمت و شفقت میں لیا رُخ رحمت پر بوسہ دیا۔ پھر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور ارشاد فرمایا دھیان رکھنا اے ابوطالب علیہ السلام یہ میری امانت ہے تیرے پاس اس کی خدمت میں عزت میں شفقت میں انتہا کر دینا کیونکہ یہ اس شان کا مالک ہے سب شاناں اسی توں بنیاں۔ پھر مجھے حکم فرمایا کہ تمام اونٹ، بکریاں اس محبوب کے میلاد کی خوشی میں ذبح کر دیے جائیں۔ تمام مکہ کے باسی

کھائیں مکہ کی گھاٹیوں کو گوشت سے بھر دیا جائے، پہاڑوں کی چوٹیوں کو گوشت سے بھر دیا جائے تا کہ انسان سے ساتھ جانور اور پرندے بھی کھائیں۔ نبی کے میلاد پر کوئی بھوکا نہ رہے۔ چوراہوں پر طعام کے ڈھیر لگا دیے جائیں۔ ہر فرد بشر خوب سیر ہو کر کھائے کسی کو منع نہ کیا جائے۔ اللہ اکبر۔ یہ تھی سخاوت بنی ہاشم علیہم السلام کی۔

نوٹ:۔ میلاد منانے والوں کو عقیدہ توسل بھی جناب ابو طالب علیہ السلام نے دیا ہے اور میلاد منانے کا تحفہ بھی اسی محسن محترم نے دیا ہے۔ پھر بھی ابو طالب علیہ السلام ان کی نظر میں معتوب ہیں۔ نعوذ باللہ۔

آیئے اب ذرا زیر نظر آیت کریمہ پر اہل تفسیر علماء کی آراء کا مطالعہ کرتے ہیں سینکڑوں مفسرین کرام نے یہ بات بطور خاص اپنی اپنی تفسیر میں ذکر فرمائی ہے کہ سورہ ضحیٰ کی یہ آیت کریمہ کا صحیح مصداق حضرت ابو طالب علیہ السلام ہی ہیں اور زمینی حقائق بھی اسی حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کتنی بڑی معتمد علیہ ہیں یہ شخصیت۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خدا ہو کر ان پر اپنا الوہی اعتماد فرمایا۔ اب اس اعتماد پر کوئی قدغن لگائے اور وہ بھی کفر و شرک کا تو یقیناً یہ نری بیہودہ بات ہے۔ آخر یار حرم نبوت ہے کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس، بہت سارے اہل علم اس رو میں بہہ گئے۔ حالانکہ ان روایات کی بطور روایت کوئی یقینی حقیقت نہیں۔ پھر اہل علم کس منہ سے اُمت کو کفر ابی طالب علیہ السلام کے یقین کرنے پر اُکساتے ہیں۔ بہر حال چند ایک مسلّم تفاسیر کا ذکر کیے دیتا ہوں۔

تفسیری حوالہ جات

"أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى، حِينَ مَاتَ أَبُوكَ وَلَمْ يُخَلِّفْ لَكَ مَالًا وَلَا مَأْوَى فَآوَى إِلَى عَمِّكَ أَبِي طَالِبٍ وَضَمَّكَ إِلَيْهِ حَتَّى كَفَلَكَ وَرَبَّاكَ" (الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، ابو الحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدی، شافعی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ، ناشر دار القلم دمشق)

ترجمہ:۔ ہم نے آپ کو یتیم پایا اور اپنی آغوش رحمت جناب ابو طالب علیہ السلام کی صورت میں عطا کی اور آپ کو ان کے ساتھ ملا دیا ضم کر دیا یہاں تک کہ انھوں نے آپ کی کفالت فرمائی اور پرورش فرمائی یعنی ہم نے آپ کو ان کے وجود اقدس سے پیوست کر دیا۔

"أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا {فَآوَى} أَي: جعل لَك مأوى، وَهُوَ أَبُو طَالب. وَالْمعْنَى: يأوي إِلَيْهِ، وَتُوفِّي أَبُو طَالب قبل الْهِجْرَة بِثَلَاث سِنِين." (تفسیر سمعانی، ابو المظفر، منصور بن محمد بن عبد الجبار ابن احمد المروزی السمعانی التمیمی الحنفی ثم الشافعی (المتوفی: 489ھ)

ترجمہ:۔ "اوٰی" کا اصل مصداق حضرت ابو طالب علیہ السلام ہیں کیونکہ جناب رسالت مآب بھی انہی کی آغوش محبت و شفقت میں پناہ پذیر ہوئے، آرام فرما ہوئے اور تربیت پائی۔

"ومعنى الآية أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا صغيرا فقيرا ضعيفا حين مات أبواك، ولم يخلفا لك مالا، ولا مأوى، فجعل لك مأوى

ناوی إليه، ومنزلا تنزله، وضمك إلى عمك أبي طالب حتى أحسن تربيتك، وكفاك المؤونة "(الكشف والبيان عن تفسير القرآن: أحمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، ابو اسحاق (المتوفی: 427ھ)

ترجمہ: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو صغیر پایا، ضرورت مند پایا جب آپ کے والدین کریمین وصال فرما چکے تھے اور پیچھے کچھ مال وغیرہ نہ چھوڑا نہ ہی کوئی جائے پناہ۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو پناہ عطا کی جہاں آپ نے پناہ لی اور آپ کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ ضم کر دیا اور انھوں نے انتہائی احسن طریقے سے تربیت فرمائی اور آپ سے ہر مشقت کو انھوں نے دور رکھے رکھا۔

"أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى يعني كنت يتيماً فضمك إلى عمك أبي طالب، فكفاك المؤنة حين كنت يتيماً مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ فكيف ودعك بعد ما أوحى إليك "(بحر العلوم: أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن ابراہیم السمرقندی (المتوفی: 373ھ))

ترجمہ: جب آپ حالت یتیمی میں دنیا میں تشریف لائے تو آپ کو ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ ملا دیا انھوں نے آپ سے ہر مشقت کو دور کیے رکھا پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم نے آپ کو چھوڑ دیا ہے نزول وحی کے بعد۔

"فَآوَى وضمك إِلَى عَمِّكَ أَبِي طَالِبٍ حَتَّى أَحْسَنَ تَرْبِيَتَكَ وَكَفَاكَ الْمُؤْنَةَ "(مختصر تفسير البغوی: عبد اللہ بن أحمد بن علی الزید)

'فَآوَى' کا معنی ہے کہ ہم نے آپ کو آپ کے چچا گرامی جناب ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ ملا دیا انھوں نے آپ کی انتہائی احسن طریقہ سے تربیت فرمائی۔ اور آپ سے ہر مشقت کو دور رکھا۔

"قوله عز وجل أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فيه قولان أحدهما جعل لك مأوى إذ ضمك إلى عمك أبي طالب، فكفاك المؤونة، قاله مقاتل والثاني جعل لك مأوى لنفسك أغناك به عن كفالة أبي طالب، قاله ابن السائب "(زاد المسير في علم التفسير: جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی: 597ھ))

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی بابت دو قول ہیں ان میں پہلا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے عم کریم کے ساتھ ملا دیا اور انھوں نے بھی محبت وشفقت کی انتہا کر دی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب آپ بڑے ہو گئے تو ہر طرح کی کفالتوں سے بے نیاز ہو گئے۔

"فَكَانَ أَبُو طَالِبٍ هُوَ الَّذِي يَكْفُلُ رَسُولَ اللهِ بَعْدَ جَدِّهِ إِلَى أَنْ بَعَثَهُ اللهُ لِلنُّبُوَّةِ، فَقَامَ بِنُصْرَتِهِ مُدَّةً مَدِيدَةً، ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُو طَالِبٍ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَمْ يَظْهَرْ عَلَى رَسُولِ اللهِ يُتْمُ الْبَتَّةَ فَأَذْكَرَهُ اللهُ تَعَالَى هَذِهِ النِّعْمَةَ، "(مفاتيح الغيب = التفسير الكبير: أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التیمی الرازی (المتوفی: 606ھ)

ترجمہ: حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت فرمائی بعثت تک (بلکہ بعثت کے دس سال بھی اس میں شامل

ہیں۔فریدی) پھر آپ اسلام اور بانی اسلام کی نصرت و مدد کے لیے کھڑے ہو گئے ایک طویل مدت تک مدد جاری رہی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عظیم الشان نعمت کا تذکرہ کیا اپنے محبوب سے کہ اے حبیب جناب ابوطالب علیہ السلام کا وجود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔(اور حقیقت بھی یہی ہے فریدی)۔

"فَكَفَلَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَحُوطُهُ وَيَنْصُرُهُ وَيَرْفَعُ مِنْ قَدْرِهِ وَيُوَقِّرُهُ، وَيَكُفُّ عَنْهُ أَذَى قَوْمِهِ"
(تفسیر القرآن العظیم: ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفی: 774ھ))

ترجمہ:۔ جناب ابوطالب علیہ السلام نے آپ ﷺ کی کفالت فرمائی پھر مسلسل آپ کی حفاظت کرتے رہے اور آپ کی مدد فرماتے رہے ہمیشہ آپ کی بلندی کو بیان فرماتے رہے آپ کی توقیر کا ہمیشہ خیال رکھا اور آپ سے ہر قسم کی تکلیف کو دور کرتے رہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرتی اہتمام تھا اور حسن تدبیر تھی۔

تبصرہ

قارئین محترم! ثابت ہو گیا کہ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام رب ذوالجلال کا اعتماد اول ہیں۔امام فخر الدین رازی کے مطابق حضرت ابوطالب علیہ السلام کا وجود مسعود رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے خصوصی اہتمام کے تحت خاص الخاص نعمت قرار پایا اور اللہ تعالیٰ کے انعامات میں پاکیزگیاں ہوتی ہیں کفر و شرک کی پالیدگیاں نہیں ہوتیں۔اللہ تعالیٰ کے خصوصی اعتماد اور نعمت پر مصنوعی روایات کے حوالے سے الزام لگانا نہایت قبیح ہے۔حرم نبوت کے تقدس پر براہِ راست حملہ ہے۔اس معاملہ میں قرآنی آیات کا ناجائز استعمال انتہائی ظلم ہے اور اس پر جمے رہنا بربریت ہے۔

۲۔سیدِ بطحاء پیکر نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام اوّل ہیں

قارئین محترم! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ پر بے شمار انعامات فرمائے۔ان انعامات میں ایک عظیم انعام جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام کا وجود مسعود ہے۔اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بطور خاص بیان فرمایا۔صورت اس کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب پر کچھ دیر وحی کا نزول رُکا اور کفار نے طعنے دیے کہ محمد ﷺ کو محمد ﷺ کے خدا نے چھوڑ دیا ہے۔اس پر آپ ﷺ دل گرفتہ اور پریشان ہوئے۔تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ ضحیٰ نازل فرمائی ارشاد فرمایا کہ اہل کفر جھوٹے ہیں آپ کے رحمت والے چہرہ عظمت کی حسین رعنائیوں کی قسم آپ کو آپ کے رب نے نہیں چھوڑا اور نہ ہی اجنبی جانا۔آپ میرے محبوب ہیں اس پر آنے والے احسانات کا تذکرہ فرمایا۔

"وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ"

آپ کی ہر گھڑی نئی شان ہوگی ۔ ہر آنے والا لمحہ آپ کی عظمتوں کا مظہر ہوگا۔ ہر آنے والے حالات پہلے حالات سے کہیں زیادہ حرمت وفضیلت والے ہوں گے۔

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ"

آپ کو عنقریب اتنا عطا کیا جائے گا اتنا عطا کیا جائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

ان انعامات کے بعد اللہ تعالیٰ نے پہلے عطا کیے گئے انعامات کا تذکرہ فرمایا

"أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ"

اے حبیب ہم نے آپ کو یتیم پایا تو جناب ابو طالب علیہ السلام کی صورت میں آغوش رحمت عطا فرمائی۔

"وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ"

ہم آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو قرآن کی صورت میں نور عطا فرمایا۔

"وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ"

ہم نے آپ کو ضرورت مند پایا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی مدبرانہ خدمتوں سے مالا مال کر دیا اور ان کے سرمایہ سے اہل اسلام کو قوت بخشی۔

یہ تین انعامات وہ ہیں جن کی کائنات میں مثال کوئی نہیں۔ان انعامات میں

پہلا انعام: سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کا وجود مسعود ہے۔

دوسری انعام: قرآن کریم کی صورت میں نورِ ہدایت ہے۔

تیسرا انعام: محسنۂ اسلام اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہے۔

مذکورہ ہر سہ انعامات میں ہر انعام اپنی شان میں بے مثال و بے مثل ہے۔ ہر ایک انعام کا کردار جداگانہ ہے ہر ایک انعام کا کردار اپنی وسعتوں میں عظمتوں کا عظیم جہاں ہے۔ اس پر لاکھوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام نے پیکر نبوی کی ایسے حالات میں حمایت ونصرت فرمائی جب حالات کو بھی پسینہ آ رہا تھا۔ قرآن کریم نے پیغام نبوی میں علمی عظمتوں کو قائم رکھا۔ محسنۂ اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے مدبرانہ خدمات سرانجام دیں۔ یہ تینوں انعامات قرآن کریم کی آیات کا عنوان بنے۔ اللہ اکبر۔ لیکن حیرت ہے ان انعامات میں اولاً سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کو بیان فرمایا۔ اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے اول احسان وانعام حضرت ابو طالب علیہ السلام قرار پائے۔ اب اس عظیم انعام واحسان کو مصنوعی روایات کی زد میں لا کر کفر وشرک سے آلودہ کرنا محض جارحیت ہے، جبری تحکم ہے۔ حرمِ نبوت کے تقدس کو پامال کرنا ہے۔ استغفر اللہ۔

نمبر ۳۔ سیدِ بطحاء ایمان کا نقش اوّل ہیں

قارئین محترم! مرتبۂ ایمان کا جب ہم تاریخی جائزہ لیتے ہیں تو اعلان نبوت کے بعد تین شخصیات اس مرتبہ عظمت میں نمایاں ہیں اولیات کے اعتبار سے۔

(۱) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ بڑوں میں اول ہیں۔

(۲) سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ بچوں میں اول ہیں۔

(۳) محسنۂ اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عورتوں میں اول ہیں۔

مگر یہ اولیت اعلانِ نبوت کے بعد کی ہے جبکہ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی اولیت اس اولیت سے سالوں پہلے کی ہے جس کا وہ اظہار اپنے اشعار میں سالوں پہلے کر چکے ہیں۔ چند ایک اشعار بطور نمونہ حاضر خدمت ہیں۔ اس اولیت میں کوئی علمی مانع نہیں ہے۔

ـــ "أَنْتَ الرَّسُوْلُ رَسُوْلُ الْمَلِيْكِ نَزَلَ الْقُرآنُ ذِی الْعِزَّةِ الْكُتُبِ"

آپ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اے میرے کریم آقا اور آپ پر ہی سب سے زیادہ عزت والی کتاب نازل فرمائی گئی ہے۔ آپ ہی اس حقیقت کے حقیقی امین ہیں۔ پھر فرمایا

ـــ "يَا شَاهِدَ الْخَلْقِ فَاشْهَدِی　　　　أَنِّیْ عَلٰی دِيْنِ النَّبِیِّ أَحْمَدِ"

"مَنْ ضَلَّ فِی الدِّيْنِ فَإِنِّیْ مُهْتَدٍ　　　　يَا رَبِّ فَاجْعَلْ فِی الْجِنَانِ مَقْعَدِی"

ترجمہ: اے مخلوق کی گواہی دینے والے سب سے پہلے میری گواہی دے کہ میں ہی نبی احمد ﷺ کے دین پر ہوں۔ جو شخص اس دین حقہ سے گمراہ ہے (تو اس کی حرمان نصیبی) میں بے شک اسی دین میں ہدایت یافتہ ہوں اے میرے رب اپنی جنتوں میں ہی میرا ٹھکانہ بنانا۔

قارئین محترم! ایمان کائنات کی سب سے عظیم نعمت ہے۔ قربان جاؤں حضرت ابوطالب کے ایمان کے کہ دعوت ایمان سے بھی پہلے ایمان کا شرف جناب ابوطالب علیہ السلام کو میسر آیا۔ اوّلیت میں وہ سب سے اول ہیں اور اس اولیت میں شامل اول ہیں جو خاندان نبوت کے تقدس مآب لوگوں کو حاصل ہے۔ رہی وہ مصنوعی روایات جو ان کے ایمانی تقدس کے خلاف استعمال کی جاتی ہیں ان کی دینی، مذہبی، قانونی اور یقینی کوئی حیثیت و حقیقت نہیں۔ وہ سیلف میڈ باتیں ہیں جو بزرگ اہل علم کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ اور بعد میں نقل در نقل ہم تک پہنچی ہیں لیکن کثرت نقل سے کوئی جھوٹ سچ نہیں بن سکتا۔ (فریدی)

(۴) سیدِ بطحاء عقیدہ ختم نبوت کا یقین اوّل اور نقش اول ہیں

قارئین محترم ! ختم نبوت ایک کائناتی حقیقت ہے جس کا اعلان روزِ اول سے ہی کر دیا گیا تھا۔ قرآن کریم اس کا خود گواہ ہے لیکن عقیدہ ختم نبوت کی بابت آیات کا نزول ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوا۔ سورۃ آل عمران کی آیات ہیں یا سورۃ احزاب کی مگر سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام نے عقیدہ ختم نبوت کے اعتقاد کا اعلان نزول قرآن سے بھی کئی برس پہلے کر دیا تھا فرماتے ہیں

"امِینٌ مُحبٌّ فِی الْعِبَادِ مُسَوَّمٌ   بِخَاتِمِ رَبٍّ قَاهِرٍ لِلْخَوَاتِمِ"

محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی تو صادق وامین ہیں اور اللہ کے بندوں میں انتہائی محبوب ہیں۔ خدائے ذوالجلال والاکرام نے آپ کو تاجدارِ ختم نبوت کا اعزاز بخشا ہے۔

"یَرَی النَّاسُ بُرْهَانًا عَلَیْهِ وَهَیْبَةً   وَمَا جَاهِلٌ اَمْرًا کَاٰخَرَ عَالِمِ"

ترجمہ:۔ یقیناً تمام لوگ اس عظمت پر بہت بڑی برہان ودلیل دیکھیں گے وہ نبوی رُعب ودبدبہ اور ہیبت ہے ایک یقینی حقیقت ہے۔ عالم اور جاہل ایک جیسے ہوتے ہی نہیں۔ اس حقیقت کو صرف اہلِ علم جانتے ہیں جاہل نہیں جانتے۔

پھر فرمایا لوگو۔۔۔۔۔۔

"نَبِیٌّ اَتَاهُ الْوَحْیُ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ   وَمَنْ قَالَ لَا یَقْرَعُ بِهَا مِنْ نَادِمِ"

"تُطِیْفُ بِهٖ جُرْثُوْمَةٌ هَاشِمِیَّةٌ   تُذَبِّبُ کُلَّ عَاتٍ وَ ظَالِمِ"

ترجمہ:۔ یہ مکرم نبی ہیں اور صاحب وحی ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے وحی کا نور آتا ہے اور جس نے حقیقت ثابتہ کا انکار کیا وہ یقیناً شرمندہ ہوگا۔

یہ کتنا واضح عقیدہ ہے عقیدہ ختم نبوت کی بابت۔ اس نفس محترم کو اہلِ علم کا کفروشرک کے جھوٹے الزام میں گرفتار کرنا نہایت بھیانک ہے اور شرمناک ہے۔

(۵) سیدِ بطحاء نصرتِ رسول کا نقش اوّل ہیں

نصرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مسلّم حقیقت ہے۔ قرآن مجید نے اس عظمت کو بہت سارے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ چند ایک مقامات ملاحظہ ہوں۔

"فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (سورۃ الاعراف:۱۵۷)

پس ایمان والے تو وہی ہیں جو اس نبی محترم کی عزت وتوقیر کا لحاظ رکھتے ہیں اور ان کی مدد ونصرت کرتے ہیں اور قرآن کریم کی

اتباع کرتے ہیں جو اس نبی محترم پر نازل ہوا۔ یہی تو وہ مبارک لوگ ہیں جو فلاح والے ہیں۔ دونوں جہاں کی کامیابی ان کا مقدر ہے۔

نوٹ:۔ نبی کی مدد و نصرت فقط ایمان والے ہی کرتے ہیں۔ کوئی بے ایمان نبی کی دینی مدد نہیں کرتا۔ اس اعتبار سے ناصر رسول سیدنا ابوطالب علیہ السلام قرآن کریم کی گواہی کے مطابق کامل الایمان ہیں۔ مصنوعی روایات ان سے عظمت ایمان کی نفی کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ ایسے ہی عزت و توقیر رسول صرف مومن ہی کرتا ہے کیونکہ کفار کا وطیرہ تو ہین رسول ہوتا ہے جسے قرآن نے جا بجا بیان فرمایا ہے۔ قرآن کی عظمتوں سے صرف مومن ہی سرشار عظمت ہوتا ہے نہ کہ کافر۔ کیونکہ کافر تو قرآن کو گزرے ہوئے لوگوں کی کہانی بتاتا ہے۔ فلاح مومن ہی کا نصیب ہے۔ سید بطحاء اس عظمت کا مصداق اول ہیں۔ پوری کائنات میں کوئی علمی مانع ہے ہی نہیں جو سید بطحاء کو اس عظمت سے دور رکھ سکے۔ حسن اتفاق کہ اس آیت کا سیاق کلام بھی پہلے لوگوں کی بات کر رہا ہے اور سید بطحاء کی مدد و نصرت بھی اسی عظمت کی تقیب ہے۔ تفصیل اگلے حصے میں آرہی ہے۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝" (سورۃ محمد: ۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے (یعنی دین کی مدد) تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا یعنی تمہیں استقامت بخشے گا۔

وضاحت:۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور رسول کی مدد ہے۔ اس سے دو عظمتیں میسر آتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی مدد۔

۲۔ ثابت قدمی کی نعمت۔

سید بطحاء کی سنگین ترین حالت میں ثابت قدمی پورے کفر کے مد مقابل تن تنہا ٹھہرے رہنا یہ تمام نصرتوں کی معراج ہے اور یہ پچاس سال تک کا ریکارڈ کسی کے پاس نہیں سوائے سید بطحاء کے۔ اس مدد و نصرت کا حکم صرف صاحب ایمان ہی کو ہے کسی کافر کو نہیں۔ اس عظمت کا مصداق اول بھی سید بطحاء ہیں یہاں عموم الفاظ کا اعتبار کیا ہے نہ کہ خصوص واقعہ کا یہی مطلوب قرآنی ہے۔ اتنی نصرتوں کا ریکارڈ اور ثابت قدمی کا ریکارڈ کسی کے پاس ہے تو لے آئے ہم رجوع پر غور کر لیں گے۔ اس نفس محترم نے نصرت رسول کے لیے پورا کنبہ ذبح کرا دیا ہے مگر اہل علم کی ابھی بھی تسلی نہیں ہوئی؟

اہلِ علم کی طرف سے ایک وہم کا ازالہ

بہت سارے اہل علم نے یہ وہم دیا ہے کہ یہ مدد و نصرت محض خاندانی تھی خونی تھی شرعی نہیں تھی۔ میں ان اہل علم سے اس پر دلیل

اتباع کرتے ہیں جو اس نبی محترم پر نازل ہوا۔ یہی تو وہ مبارک لوگ ہیں جو فلاح والے ہیں۔ دونوں جہاں کی کامیابی ان کا مقدر ہے۔

نوٹ:۔ نبی کی مدد و نصرت فقط ایمان والے ہی کرتے ہیں۔ کوئی بے ایمان نبی کی دینی مدد نہیں کرتا۔ اس اعتبار سے ناصرِ رسول سیدنا ابوطالب علیہ السلام قرآن کریم کی گواہی کے مطابق کامل الایمان ہیں۔ مصنوعی روایات ان سے عظمت ایمان کی نفی کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ ایسے ہی عزت و توقیر رسول صرف مومن ہی کرتا ہے کیونکہ کفار کا وطیرہ توہین رسول ہوتا ہے جسے قرآن نے جا بجا بیان فرمایا ہے۔ قرآن کی عظمتوں سے صرف مومن ہی سرشار عظمت ہوتا ہے نہ کہ کافر۔ کیونکہ کافر تو قرآن کو گزرے ہوئے لوگوں کی کہانی بتاتا ہے۔ فلاح مومن ہی کا نصیب ہے۔ سیدِ بطحاء اس عظمت کا مصداق اول ہیں۔ پوری کائنات میں کوئی علمی مانع ہے ہی نہیں جو سیدِ بطحاء کو اس عظمت سے دور رکھ سکے۔ حسن اتفاق کہ اس آیت کا سیاق کلام بھی پہلے لوگوں کی بات کر رہا ہے اور سیدِ بطحاء کی مدد و نصرت بھی اسی عظمت کی تعقیب ہے۔ تفصیل اگلے حصے میں آ رہی ہے۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۝" (سورۃ محمد: ۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے (یعنی دین کی مدد) تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا یعنی تمہیں استقامت بخشے گا۔

وضاحت:۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور رسول کی مدد ہے۔ اس سے دو عظمتیں میسر آتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی مدد۔

۲۔ ثابت قدمی کی نعمت۔

سیدِ بطحاء کی سنگین ترین حالت میں ثابت قدمی پورے کفر کے مدمقابل تن تنہا ٹھہرے رہنا یہ تمام نصرتوں کی معراج ہے اور یہ پچاس سال تک کا ریکارڈ کسی کے پاس نہیں سوائے سیدِ بطحاء کے۔ اس مدد و نصرت کا حکم صرف صاحب ایمان ہی کو ہے کسی کافر کو نہیں۔ اس عظمت کا مصداق اول بھی سیدِ بطحاء ہیں یہاں عموم الفاظ کا اعتبار کیا ہے نہ کہ خصوص واقعہ کا یہی مطلوب قرآنی ہے۔ اتنی نصرتوں کا ریکارڈ اور ثابت قدمی کا ریکارڈ کسی کے پاس ہے تو لے آئے ہم رجوع پر غور کر لیں گے۔ اس نفس محترم نے نصرتِ رسول کے لیے پورا کنبہ ذبح کرا دیا ہے مگر اہل علم کی ابھی بھی تسلی نہیں ہوئی؟

اہلِ علم کی طرف سے ایک وہم کا ازالہ

بہت سارے اہل علم نے یہ وہم دیا ہے کہ یہ مدد و نصرت محض خاندانی تھی خونی تھی شرعی نہیں تھی۔ میں ان اہل علم سے اس پر دلیل

مطالبہ کرتا ہوں وہ قرآن وحدیث کے کسی حصے سے ثابت کردیں کوئی نص لے آئیں کہ نصرت خاندانی تھی؟ قیامت تک نہیں لا سکتے۔

اہل علم کا یہ جھوٹا دعویٰ بلا دلیل ہے۔اب ہم خود سوال کرتے ہیں بارگاہ سیدِ بطحاء میں کہ حضور والا! یہ مدد و نصرت محمد بن عبداللہ کی تھی یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی؟

تو جواب میں خود سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

"اَقِیْمُ عَلٰی نَصْرِ النَّبِیِّ اَحْمَدًا   اُقَاتِلُ عَنْهُ بِالْقَنَاءِ وَالْقَنَابِلِ"

ترجمہ: میں تو نبوی عظمتوں کی مدد و نصرت کے لیے کھڑا ہوں اور ڈٹ گیا ہوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کروں گا آبدار تیروں سے اور بھرپور جنگی ساز و سامان سے۔

پھر فرمایا:

"مَنَعْنَا الرَّسُوْلَ رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ   بِبِيْضٍ تَلَأْلَأُ لَمْعَ الْبُرُوْقِ"

ترجمہ: میں تو اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی دفاع کر رہا ہوں بجلی کی طرح چمکنے والی تلواروں کے ساتھ۔

بلکہ میں نے تو اپنے بعد بھی نصرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بندوبست کر دیا ہے۔

"اُوْصِيْ بِنَصْرِ النَّبِيِّ الْخَيْرِ مَشْهَدَهٗ   عَلِيًّا اِبْنِيْ وَعَمَّ الْخَيْرِ عَبَّاسَا"

ترجمہ: میں نے تو وصیت کر دی ہے بھلائیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے اپنے لختِ جگر حضرت علی کو اور سب سے اچھا چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو۔

اگلے شعر میں پورے خاندان کو وصیت فرمادی ہے نصرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

قارئین محترم! حیرت اس بات پر ہے کہ اہلِ علم نے بلا دلیل اپنے ذاتی خیال پر یقین کر لیا ہے۔مگر انھیں سیدِ بطحاء کی بات پر یقین نہیں آتا وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا تشکیلی علم ہی ان کے اطمینان کا باعث ہے۔اس کے مدمقابل بڑی سے بڑی حقیقت بھی قابلِ اعتناء ہی نہیں۔ہم تحقیق کے طالب علم ہیں ہم پختہ دلیل پر یقین رکھتے ہیں۔اہلِ علم کی معاندانہ جگالی کو یکسر مسترد کرتے ہیں کیونکہ ان کے نظریے کی کوئی علمی یقینی حقیقت نہیں۔

ایک اہم بات

نبی کی طبع اور شرع کا اختلاف اصلاً غیر فطری ہے جب نبی کی طبیعت اور شریعت مختلف ہو جائے تو نبی صاحب اُسوہ کیسے بن پائے

گا؟ حیرت ہے حضرت ابوطالب علیہ السلام نبی کی طبیعت کی تو حفاظت فرماتے رہے اور اس طبیعت میں موجود نور نبوت
سے الگ رکھا۔ اگر جناب ابوطالب علیہ السلام کے وجود میں کفار مکہ کی طرح کفر وشرک کی نحوست ہوتی تو پیغام نبوت کے آغاز
میں ہی آپ پیکر نبوت سے الگ ہو جاتے بلکہ کفار مکہ کی طرح مخالفت پر عمل جاتے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی غیرت سے ہی خلاف ہے
کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی کافر کا ممنون احسان رہنے دے۔

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ "(سورۃ الصف: ۱۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہو جاؤ، جس طرح حواریوں نے مدد کی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جب
انھوں نے اپنے حواریوں سے مدد کا فرمایا تھا تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی بابت آپ کے مددگار ہیں۔

یہاں بھی قرآن کریم نے وضاحت فرمادی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہی لوگ مدد کرتے ہیں جو صاحبان ایمان ہوتے ہیں۔ کوئی
بے ایمان نبی کی مدد نہیں کرتا۔ اسی لیے نبوی مدد کے لیے اہل ایمان ہی کو ارشاد فرمایا گیا۔ پورے قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ اللہ
تعالیٰ نے کسی کافر کو کہا ہو کہ دین میں میرے نبی کی مدد کرو۔ دین کی مدد ہمیشہ دین دار ہی کرتے ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اگر
حضرت ابوطالب علیہ السلام پر کفر وشرک کا الزام تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کے سپرد کیوں کیا؟ جب ان کے سپرد کر دیا تو
پھر ان پر کفر کا الزام کیسا؟

بہر حال سیدِ بطحاء کو کسی مولوی سے اپنے ایمان کی نہ تو تصدیق کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی سے جنتی ہونے کا سرٹیفکیٹ لینے کی
ضرورت ہے۔ جنت تو ان کے پوتوں کی ملکیت ہے وہی جنت کے سردار ہیں نہ کہ کوئی مولوی۔ سیدِ بطحاء یقیناً اتنی عظمتوں
کے مالک ہیں جو روایتی اہل علم کے روایتی علم وفکر میں آ ہی نہیں سکتی۔

(۶) سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام حمایتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقش اول ہیں

حمایت ونصرت اگرچہ مقصد میں ایک ہیں مگر قرآن کریم نے ہر ایک جذبے کی پذیرائی الگ سے بیان فرمائی ہے۔ اس وقت کے
حالات کے تقاضوں کے مطابق حمایت رسول بھی ایک مشکل ترین کام تھا مگر پھر بھی سیدِ بطحاء تن تنہا اس مشکل سے نبرد آزما رہے۔
یہاں بھی اہل علم کا بلا دلیل روایتی الزام ہے کہ حمایت خاندانی تھی یا خونی تھی وغیرہ۔ حیرت ہے جس جسم کی حمایت ہے اسی جسم میں
نبوی عظمت ہے نبوی عظمت کے لیے الگ سے کوئی طریقہ اگر ایجاد ہوا ہے تو اہل علم ضرور نشاندہی فرمائیں۔ کہ جسم سے ہٹ کر
صرف نبوت کی حفاظت کی جائے۔ اب اس مسئلے میں بھی ہم حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حضور عظمت میں ہی عرض کرتے ہیں

ت کیا ہے؟ آپ نے خاندانی حمایت فرمائی ہے یا نبوت کی حمایت کی ہے؟۔ فرمایا

وَاَحْمِیْ رَسُوْلَ الْمَلِیْكِ حِمَایَةَ حَانٍ عَلَیْهِ شَفِیْقٍ"

لوگو ہماری حمایت تو مرتبہ رسالت کی تھی ہم نے رسول کا دفاع کیا ہے، ہماری حمایت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ہے۔
ایک شفیق اور مخلص رسول کی حمایت ہے۔

ین محترم ایک طرف اہل علم کا ذاتی خیال ہے اور دوسری طرف خود صاحب حمایت علیہ السلام کی تصدیق ہے تحقیق کسی کے ذاتی خیال کو نہیں مانتی۔

(۷) سیدِ بطحاء صحبتِ نبوی کا نقشِ اول ہیں

ین محترم! یہ عنوان ذرا احساس ہے قدرے تفصیل سے عرض کروں گا۔ اہل علم کی اصطلاح میں صحبت نبوی پانے والے کو صحابی تے ہیں خصوصاً جس نے آپ ﷺ کو ایمان کی نظر سے دیکھا ہو اور ایمان پر ہی خاتمہ ہوا ہو۔ کسی بھی دلیل شرعی میں کہیں کوئی ت نہیں کہ یہ دیکھنا اعلان نبوت کے بعد ہوا یا پہلے؟ استقرائی الگ بات ہے جس استقراء کی قوت میں کوئی یقینی دلیل ہو تو وہ تقرا مفید یقین ہے اگر دینی دلیل نہ ہو تو ذاتی خیال ہے۔ ایسا خیال مفید ظن تو ہو سکتا ہے مفید یقین نہیں۔ یہ بات حتمی طور پر طے ے کہ نبی رحمت ﷺ پیدا ہوتے ہی نبی ہیں بلکہ عالم ارواح میں بھی آپ تاجدار انبیاء متعارف کرائے گئے ہیں۔ خاندان نبوت ں آپ کی پیشگوئیاں بشارات سلسلہ بسلسلہ جاری وساری رہیں حتیٰ کہ ان بشارات کے آخری امین سید بطحاء حضرت ابوطالب یہ السلام ٹھہرے۔ پیدا ہوتے ہی پیکر نبوت پر نبوی آثار کا مشاہدہ کیا جانے لگا یہ تسلسل اعلان نبوت تک جاری رہا۔ اسے علمی نیارے ارہاصات حیات نبوی کا نام دیا گیا ہے۔ اعلان نبوت کے بعد معجزات کا سلسلہ عظمت جاری رہا۔ دس سن نبوی تک تمام جزات خواہ خلوت کے ہوں یا جلوت کے ہر ایک معجزے کے عینی شاہد جناب حضرت ابوطالب رہے۔ جن کا انھوں نے باقاعدہ ا اپنے کلام میں جابجا بیان فرمایا ہے۔ آپ حصہ کلام ابی طالب علیہ السلام میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید دوسری جلد میں بیان وگا۔ اپنی یقینی عظمتوں کی بابت حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے پختہ یقین کے ساتھ پچاس سال تک مسلسل صحبت نبوی شمار ہے اور یقینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ خود رسول دو عالم ﷺ ان کی معیت میں رہے۔ بے شمار عجائبات کا ظہور نبوی پیکر ے ہوتا رہا حضرت ابوطالب علیہ السلام اس کا مشاہدہ اپنی مومنانہ بصیرت وبصارت سے فرماتے رہے ہر لمحہ صحبت نبوی کی عظمتوں سے آشنا رہے۔ جس یقین کے ساتھ آپ نے اپنی خدمات کا آغاز فرمایا تادم آخر وہی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ نا خدمت کی پاداش میں بے شمار مصیبتیں برداشت کیں۔ مردانہ وار ان کا مقابلہ کیا۔ مشکل ترین حالات سے لڑتے رہے۔ بہت

ساری قربانیاں دیں۔ کائنات میں ان عظمتوں میں نہ ان کی کوئی مثال ہے نہ ان کا مثیل ہے۔ پچاس سالہ صحبت نبوی کا اعزاز صرف اور صرف اسی نفس محترم کے نام ہے۔ ایک طرف اہل علم یہ کہتے ہیں کہ کسی کو ایک لمحہ کے لیے بھی صحبت نبوی کا شرف مل جائے تو کائنات بھر کی ولایتیں اس صحابی کی گرد راہ تک نہیں پہنچ پاتیں۔ کہاں لمحہ بھر کی نبوی صحبت اور کہاں پچاس سال تک مسلسل دن رات کی صحبت نبوی۔ اللہ اکبر۔

یہ بے مثال صحبتیں صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک فیوضات و برکات حاصل کرتیں۔ بھلا کون ہے جو اس فیض کی عظمت کو بیان کر سکے؟ نبی اپنے فیض نبوت سے کیا دیتے رہے اپنے عم محترم کو اور حضرت عم محترم کیا لیتے رہے؟ کائنات کے سینے میں وہ وسعت کہاں کہ ان سرشاریوں کو بیان کر سکے۔ یہاں تو قلم انگشت بدنداں ہیں اور اوراق و صفحات دم بخود ہیں افکار پسینہ آرہا ہے۔ خیالات مضمحل ہو چکے ہیں۔ تصورات کے جغرافیے سمٹے نظر آتے ہیں نظریں لوٹ کر خود کو شرمندہ کر رہی ہیں۔ بس ان کیفیات کو صاحب عطاء جانے یا صاحب وفا جانے۔

؎ درمیان عاشق و معشوق رمزیست　　کراما کاتبین را ہم خبر نیست

؎ کوئی شل نہ ڈھولن دی　　چپ کر مہر علی ایتھے جائیوں بولن دی

؎ اتھاں چپ دی ہے الا کوئی نہیں سکدا　　جے ڈاھڈے ایسو عمل ضبط تھیسن
عمل ضبط تھئے کوں وا کوئی نہیں سکدا

کسی بھی صاحب علم کے پاس کوئی یقینی علمی دلیل نہیں کہ نبی اعلان نبوت سے پہلے فیض عطا نہیں کر سکتا۔ یہ عجب بات ہے کہ جس نبی کے پیکر پر مکھی نہیں بیٹھ سکتی طبع لطافت کی شان ہی ایسی ہے کیسے ممکن ہے کہ پچاس سال تک پیکر نبوت کے ساتھ ایک ایسا وجود لپٹا رہے جو کفر و شرک کی غلاظت سے آلودہ ہو؟ حالانکہ مکھی نجاستوں پر چند لمحے بیٹھتی ہے کافر و مشرک عین نجس ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا

"اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" (سورۃ التوبہ: ۲۸)
مشرک کاملا نجس ہیں۔

بولیے جناب! کہاں شرک کی نجاست اور کہاں عصمت مآب پیکر نبوت؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کی غیرت ہی کے خلاف ہے۔ جناب حالت نماز میں نبی کے موزے پر مری ہوئی جوں کے خون کا ایک قطرہ اللہ تعالیٰ کو برداشت نہیں فوراً جبریل علیہ السلام کو بھیجا جاؤ میرے محبوب سے کہو یہ موزے فوراً اتار دیے جائیں حالانکہ نبی اس وقت حالت نماز میں تھے۔ اور فرمایا

"فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" (ایضاً)

کوئی مشرک مسجد حرام کے نزدیک تک نہیں آسکتا۔

بڑت ہے پھر کوئی مشرک بستر نبوت تک کیسے جاسکتا ہے۔ یہ اُلوہی غیرت کے ہی خلاف ہے۔ حضرت اُم المؤمنین اُم حبیبہ کا اُسوہ ذات خود ایک دلیل ہے انھوں انے اپنے سگے باپ ابوسفیان کو نبوت کے بستر پر نہیں بیٹھنے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت ایک عورت سے بھی نعوذ باللہ چھوٹی ہے۔ کہ پچاس سال تک نبی کے بستر پر نبی کے وجود سے لپٹ کر ایک مشرک سوتا رہا اور غیور اللہ تعالیٰ خاموش رہا؟ پھر باسٹھ سال بعد اللہ تعالیٰ کو ابوطالب علیہ السلام کا شرک یاد آیا اور اپنے محبوب سے فرمایا کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا نہ کرو؟! استغفر اللہ۔

اللہ تعالیٰ اپنی اُلوہی غیرت کا اظہار یوں فرماتا ہے

"مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ" (سورۃ التوبہ:۱۷)

ترجمہ: کوئی مشرک اب اس اہل ہی نہیں رہا کہ وہ مسجد کی تعمیر میں ایک اینٹ بھی لگا سکے وہ اپنے ذاتی کفر پر خود مطلع ہیں شاہد ہیں۔

کتنی عجیب سی بات ہے کہ لاشریک اتنا غیور ہے کہ مسجد پر کسی مشرک کی ایک اینٹ بھی نہیں لگنے دیتا کیونکہ یہ نجس ہیں اور نبی کو اس گھر میں رکھے جو سارا ایک مشرک نے بنایا اور پچاس سال تک اسی مشرک کی روٹیوں پر اپنے محبوب کو پالا؟ یہ کتنا ہیبت ناک منظر ہے۔ ذرا اہلِ علم اپنی غیرت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں اگر تمہارے گھر میں کوئی غلط آدمی آئے تو آپ آنے دیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر حرمِ نبوت میں اتنا آسان ہدف ہے کہ ہر پلید نبی کے حرم میں داخل ہو؟ بستر میں داخل ہو؟ یہ کتنا عجیب فلسفہ ہے اہلِ علم کا۔

میں گزارش کروں گا معاصر اہلِ علم سے کہ اپنے ذاتی ترازو اپنے ہی پاس رکھو۔

فصل ثانی:

شعبِ ابی طالب اور شرفِ صحابیت کا اُصولی تصور

شرفِ صحابیت کا اُصولی تصور

قارئین محترم! شرفِ صحابیت مرتبۂ نبوت کے بعد کائنات میں سب سے بڑا شرف و مرتبہ ہے۔ اہل علم اس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس نے بھی چہرہ مصطفیٰ ﷺ کو کامل محبت اور صدق یقین کے ساتھ ایک نظر تک لیا اور اسی عظمت پر اس کی زندگی کی شام ہوئی تو وہ کائنات میں صحابیت کے مرتبے پر صحابی یقین کیا جائے گا۔ جتنی زیادہ اسے نبوی صحبتیں میسر آئیں اتنی زیادہ اس کا مرتبہ ومقام ہوگا۔

کوئی قرآن وحدیث میں واضح نص نہیں کہ تکنے والا اعلانِ نبوت کے بعد تکے یا پہلے۔ کیونکہ نبی اعلانِ نبوت سے پہلے بھی نبی ہی ہوتا ہے اعلانِ نبوت کے بعد تو اس نے نبوت ورسالت کو پہنچانا ہوتا ہے دیکھو قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا کہ انھوں نے اپنی نبوت کا اعلان اپنی ماں کی آغوش میں حالت شیر خوارگی میں ہی کر دیا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بابت قرآن مجید نے کہا

"وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا" (سورہ مریم: ۱۲)

ہم نے یحییٰ کو نبوت بچپن میں ہی عطا کر دی۔

جبکہ نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت کا اعلان تو عالم امر، عالم ارواح میں ہی کر دیا گیا تھا۔ دنیا میں تشریف لائے ہی سید المرسلین بن کر، خاتم النبیین بن کر، شفیع المذنبین بن کر۔ اب یہ قاعدہ قانون کسی یقینی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو سکا کہ اعلانِ نبوت کے بعد محبت وصدقِ یقین کے ساتھ دیکھنے والے کو ہی شرف صحابیت کا اعزاز ملتا ہے۔ جس نے اعلانِ نبوت سے پہلے صدقِ یقین اور کامل محبت کے ساتھ نبی کو دیکھا ان کی معیت میں رہا وہ صحابیت کے شرفِ عظمت سے محروم رہتا ہے۔ اس پر کوئی شرعی دینی دلیل قطعی نہیں۔ خصوصاً نص کی صورت میں۔ بہر حال صحبت نبوی کا اعزاز قبل از اعلانِ نبوت ہو یا بعد از اعلانِ نبوت ہو عادتاً عرفاً اتفاقاً صحبت ہی ہے خصوصاً وہ صحبتِ نبوی جس کی داستان آزمائشوں، ابتلاؤں اور مشکلات کے تسلسل سے تعبیر ہے اور یہ تسلسل پچاس سال کا ظاہری تسلسل ہے اس کے بعد کربلا معلی تک کا سفر ہے اس وفا کا بعد ازاں اب تک یہ تسلسل جاری ہے سادات کی صورت میں۔ اولادِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت میں۔ بہر حال پچاس سالہ صحبتِ نبوی کا ظاہری تسلسل ہے جس کو دونوں شانیں میسر ہیں اعلانِ نبوت سے پہلے کی صحبتیں اور دس سال تک اعلانِ نبوت کے بعد کی صحبتیں اور بے مثال قربانیاں۔ یہ صحبت

نبوی کا ایک الگ عنوان اور باب ہے۔ جس کی مثال کائنات میں سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے علاوہ کہیں نظر نہیں آتی۔ یاد رہے کہ یہ اعزاز میں نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے مقابلۃً نہیں بیان کیا۔ یہ انفرادی کائناتی خصوصیت الگ سے سید بطحاء کی شان ہے۔ اور اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

رہا اہل علم کا اسے قبول نہ کرنا تو یہ ان کا ذاتی خیال ہے جس کی علمی، دینی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ ان کا انکار بلا دلیل ہے اور قابل قبول ہرگز نہیں۔ رہی وہ روایات جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر پر مشتمل ہیں تو ان کی کوئی یقینی حیثیت ہے ہی نہیں کیونکہ بعض ان میں مصنوعی روایات ہیں۔ بعض درجہ مردود تک محدود ہیں۔ بعض کی اسناد ہی غائب ہیں اور ان میں مندرج آیات کا معاملہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جن روایات کے ضمن میں آیات کا ناجائز استعمال ہوا ہے جب وہ روایات ہی بے اصل ہیں تو ان بے اصل روایات کی تائید میں آیات کا اُترنا یہ قرآن کے تقدس کے ہی خلاف ہے۔ یہ آیات جبراً گھسیڑی گئی ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مصنوعی تکفیر کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ ویسے بھی آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا تکفیری ڈرامہ محض بے اصل، بے حقیقت افسانہ ہے۔ تاہم کائنات بھر کے اہل علم کے پاس کوئی قطعی یقینی نص نہیں ہے جس سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو شرف صحابیت سے الگ کر سکیں۔ ورنہ خود تعریف صحابیت ٹوٹ جائے گی۔ سید بطحاء کی پیکر نبوت کے ساتھ بے مثال صحبتیں ایک مثالی تواتر سے ثابت ہیں اس عظیم تواتر کے ہوتے ہوئے مصنوعی روایات اور سینکڑوں حرمِ نبوت کے تقدس مآب نفوسِ قدسیہ کے مدمقابل کسی علمی شخصیت کی کیا حیثیت ہے۔ اہل علم نے آپ کی بلا دلیل تکفیر کر کے کونسی خدمتِ دین سرانجام دی ہے؟

ایک تحقیق کے طالبعلم کے ہاں مصنوعی افکار یقین کا باعث نہیں ہو سکتے۔ مکفرین ابی طالب علیہ السلام کے پاس قرآن وحدیث سے دلالت اور ثبوت کے اعتبار سے اگر کوئی قطعی یقینی دلیل ہے تو لے آئیں میں رجوع کا پابند ہوں ورنہ آپ اپنی مصنوعی فکر سے توبہ کریں۔ حرمِ نبوت کا حیاء کریں۔

سیدِ بطحاء کی پیکر نبوت کے ساتھ لازوال صحبتیں

قسامِ ازل نے کیا خوب انتخاب فرمایا کہ سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اپنا بے مثال محبوب عطا فرمایا جس کی دید کا ایک لمحہ انسان کو پوری کائنات کی بزرگیوں سے بالاتر مقام دیتا ہے۔ ایک نظر محبت سے تکنا انسان کو شرف صحابیت کی نعمت عطا کرتا ہے۔ ایک لمحہ کی معیت وصحبت انسان کو معراج انسانیت عطا کرتی ہے۔ واہ نصیب سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کہ یہاں بے شمار لمحات کی صحبتیں، معیتیں اور قربتیں میسر ہیں۔ ان کا ہر لمحہ کائنات کی عظمتوں پر عظمت کے اعتبار سے غالب ہے۔

نبوی حسن الطافت کی سرشاریوں سے معمور ہے۔ بچپن مبارک کی بچپن، لڑکپن مبارک کا ناز، جوانی مبارک کا تقدس، شادی مبارک کے پُر الطاف لمحات، اولادِ اطہار کی خوشیاں، اعلانِ نبوت کی وجاہت، اعلانِ نبوت کے بعد ابلاغِ نبوت کے سنگین حالات میں لمحہ بھری جدائی کا قیامت بن جانا۔ کفارِ مکہ کی لفظی سنگباری کی اذیت، مذہبی مزاحمت ومنافرت کے دلدوز حالات، اہلِ مکہ کا سوشل بائیکاٹ، شعب ابی طالب علیہ السلام کی طویل ترین قید، ان سنگلاخ وادیوں کی جلا دینے والی دھوپ کی حرارت وحدت، تنہائی کی اذیت، بے آب وگیاہ وادی میں اسبابِ زیست کی عدم دستیابی، علاقائی عظمت سے بظاہر تعطلی، اہلِ خاندان کی کسمپرسی کی اذیت۔ وزنی کلوی تلوار حمائل کر کے دن کی پہرے داریوں کی مشقت رات بھر کی اذیت ناک بیداریاں۔ رت جگے، خون آشام انتقام کا خوف ناک منظر کا نگاہوں کے سامنے ہونا، موت سے بار بار لڑنا، ضعف العمری کی نقاہت کے باوجود جوانمردی کا اظہار کرتے رہنا قتل ہونے کے لیے ان خلوتوں میں اپنی اولاد کو بستر نبوت پر سلا دینا، ساری ساری رات کھڑے پہرے دینا، حفاظت نبوت کے لیے اپنی اولاد اور مکمل خاندان سے مرنے کا عہد لینا، آخری سانس تک حمایت نبوت میں اپنی جان لڑا دینے کے لیے تیار رہنا، مسلسل پچاس سال تک مقامی اور عالمی صیہونی خطرات سے نبرد آزما رہنا، صحبت نبوی میں فریضہ حفاظت میں منصبی ذمہ داری پوری کرنا، اور کماحقہٗ نبھانا عالمِ کفر سے حمایتِ نبوت میں تن تنہا ٹکرا جانا، انتقاماً کفار کے منہ پر کیچڑ تک مل دینا، ضبطِ نفس کے ساتھ حلت شرعیہ وحرمت شرعیہ سے قبل اس عظمت میں زندگی گزارنا۔ حرمِ نبوت کا تقدس بحال کرتے رہنا، اعلائے کلمۃ الحق میں پیش پیش رہنا، مدبرانہ فکر سے اہلِ کفر پر غالب رہنا، نبوی عصمت کے تقدس کا کماحقہٗ پہرہ دینا، قرآن کی توقیر کا درس دیتے رہنا، اساسِ دین محبت نبوی کا اسوہ پیش کرتے رہنا، حمایت ونصرتِ نبوت میں انمٹ نقوش قائم کرنا، رسول ﷺ کی دلداری کرتے رہنا، صحابہ کی حفاظت کرتے رہنا، خدمت کرتے رہنا، پورے اسلام کا میزبان بننا یہ سب حقیقتیں مکمل تواتر سے ثابت ہیں۔ اہلِ علم باریک بینوں کو یہ حقائق کیوں نظر نہیں آتے؟ آئیں بھی کیوں؟ جب اُموی جارحیت کو اجتہاد کا درجہ اہلِ علم دینا شروع کر دیں تو حقیقت یقیناً نظروں سے اوجھل ہی رہتی ہے۔ مذکورہ بالا حقائق کی حامل شخصیت اگر اہلِ علم کے پاس ہے تو لے آئیں ہم اپنا قلم روک لیں گے۔

اہلِ علم پر عجیب حیرت ہے

یہ لوگ اپنی مصنوعی روایات کو لے کر وفات ابوطالب علیہ السلام کے قصہ تک تو پہنچ گئے جو کہ غلط ہے مگر ان محدثین کو مذکورہ حقائق کا تواتر نظر نہیں آیا؟ حجروں میں بیٹھ کر نقادکاری کرنا آسان ہے نبوی عصمتوں کا دفاع کرنا کارے دیگر۔ یہ آسان نہیں۔ ان قلم کاروں میں کون ہے ایسا جس نے سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کا کردار ادا کیا ہو؟ حصول علم اور فروغ علم بھی اگرچہ

مشقت آمیز عمل ہے مگر سیدِ بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کا جگر رکھنا آسان نہیں۔ کفر کے فتوے لگانا آسان ہے مگر کفر کے سامنے کھڑا ہونا سدِ سکندری قائم کرنا آسان نہیں یہاں جگر بوطلبی ہی کام آسکتا ہے۔ مزعومہ مذہبی مسلکی افکار تشکیل دینا آسان ہے مگر پیکرِ نبوت کے لیے حصارِ نور بننا آسان نہیں، منبروں پر تقریریں کرنا آسان ہے، میدانِ کربلا میں گردنیں کٹانا فقط بوطلبیوں ہی کا کام ہے، بدر، حنین میں قائم رہنا فقط بلند نصیبوں کا کام ہے۔

الغرض مجھے حیرت ہے ان اہلِ علم پر کہ یہ اپنی قلمیں لے کر وفاتِ ابوطالب علیہ السلام کے وقت ان کی تکفیر کرنے کے پیچھے دوڑے حالانکہ یہ وقوعہ سرے سے ہی جھوٹا تشکیل دیا گیا ہے بعد کے اہلِ علم نے اس مصنوعی جھوٹ پر کامل یقین کر لیا ہے۔ اور مصنوعی عقیدہ تراش لیا ہے مگر یہ قلمکار شعبِ ابی طالب علیہ السلام میں کیوں نہیں گئے اُن خلوتوں میں ہونے والی نور کی بارش اہلبیتِ نبوت پر کیوں نظر نہیں آئی؟ کسمپرسی کے حالات صفحۂ قرطاس پر آگئے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے انوار و تجلیات کیوں نظر نہیں آئے؟ ان اہلِ علم میں اگر کوئی چند دن یا چالیس دن صرف ورد و وظیفوں کی ریاضت کرے تو ان کی چلہ گاہ مرجع خلائق سمجھی جاتی ہے۔ یہ صوفی یا مولوی صاحبان نکلتے ہی فرماتے ہیں کہ اس خلوت میں بڑے بڑے اسرار نظر آئے سربستہ رازہائے طریقت منکشف ہوئے بڑی کرامتیں عطا کی گئی ہیں۔ عالم لاہوت ناسوت جبروت ملکوت کی ان کو سیر کرائی گئی۔ بلکہ اس سے بھی اوپر کی سیر کرائی گئی۔ قربتِ خداوندی میسر آئی الہام ہوا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے ان باتوں سے کوئی ذاتی اعتراض نہیں مگر میں اہلِ علم سے جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ریاضتیں، مشقتیں ترکِ جلالی و جمالی وغیرہ شعیبِ ابی طالب علیہ السلام کی ریاضتوں سے بھی بڑی ریاضتیں ہیں یا بڑے مجاہدے ہیں؟ یہ چالیس دن اپنی خلوتوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا آسان ہے مگر تلواروں کے سائے میں سجدہ محبت ادا کرنا آسان نہیں۔ تین سال تک مسلسل موت سے لڑنا آسان نہیں۔ دن رات نبوی عظمت پر مسلح ہو کر پہرہ دینا آسان نہیں، اپنے بچوں کو قتل ہونے کے لیے بسترِ نبوت پر لٹانا اپنے ہاتھوں سے آسان نہیں۔ نسل در نسل خون کے ساتھ شجرِ اسلام کی آبیاری کرنا آسان نہیں، پچاسی سال کی عمر میں وزنی تلوار گلے میں ہمہ وقت حمائل رکھنا آسان نہیں۔ تین سال تک اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ کر حفاظت کرنا نبوت کی آسان نہیں۔ جگر کو چیر دینے والی گرمی اور دھوپ میں کھڑے ہو کر مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ پورے ملک سے دشمنی مول لینا آسان نہیں۔ مرغوب غذاؤں سے مشامِ جان معطر۔۔۔ رکھنا آسان ہے۔ لگژری گاڑیوں میں سفر کرنا آسان ہے مگر جعفرِ طیار کو ذبح کرانا آسان نہیں۔ حضرت علی اصغر تک پورا کنبہ ذبح کرا کے خون کی ندیاں بہانا آسان نہیں۔ یہ بوطلبیوں کا کام ہے ان کی رگوں میں سیدِ بطحا کا خون ہے پھر بھی سیدِ بطحا ہی کو کافر کہا جاتا ہے۔ آخر کیوں؟

کیا قرآن اہلِ علم پر اُترا ہے؟ اگر ان پر اترا ہے تو پھر ان کو مرضی کرنے کا حق ہے اگر قرآن رسولِ دوعالم ﷺ پر نازل ہوا ہے تو اہلِ علم کو کوئی حق نہیں کہ وہ حرمِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ کے ایمان کا فیصلہ کریں۔ جس ذات پر قرآن اترا ہے اس نے تو زندگی بھر کی

...کے شان نزول کو کفر ابی طالب علیہ السلام کی نشاں دہی میں کبھی بھی بیان نہیں کیا۔ مسیب کو ایام کفر میں جبریل بھی نظر آ گئے اور نزول قرآن بھی نظر آ گیا۔ ایسے ہی جناب ابو ہریرہ کو یمن میں بیٹھے بٹھائے یہ سب کچھ نظر آ گیا جبکہ خود صاحب قرآن ﷺ کو کچھ بھی نظر نہیں آیا اور نہ "لتبین للناس" کے حکم کے مطابق یہ بات آپ پر بطور خاص فرض تھی مگر جھوٹ بولنا نبی کی فطرت کے خلاف ہے حق چھپانا نبی کا جرم سمجھا جاتا ہے بولیے جناب کوئی تو راہ دو۔۔۔

یہ مسئلہ کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات ان مذکورہ صحابہ نے خود سنی ہو؟ جناب من سنی ہوتی تو یقیناً حسب روایت یہ کہتے "سمعتُ عن رسول اللہ ﷺ" یا یہ کہا ہوتا کہ ان صحابہ کو خود رسول ﷺ نے خبر دی ہو تو جناب پھر حسب روایت یوں کہتے کہ "اخبرنی رسول اللہ ﷺ او ، قال لی رسول اللہ ﷺ" جب یہ سب کچھ نہیں تو پھر مسیب کے زمانہ کفر کی بات پر کیوں اعتماد کریں؟ یمن میں بیٹھے ہوئے ابو ہریرہ کی بات پر بلا تصدیق کیوں یقین کریں؟ ہاں یا تو اہل علم یہ بات تسلیم کریں اور کہیں کفر ابی طالب علیہ السلام پر مشتمل آیات ذاتِ نبوت پر نازل نہیں ہوئیں بلکہ ان دو صحابہ پر نازل ہوئیں ہیں تو پھر یہ اقوال قدرے قبول کیے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس ڈرامے کی کوئی دینی علمی حقیقت نہیں یہ ڈرامہ خانہ ساز ہے خود ساختہ ہے جو ان بزرگ صحابہ کے گلے مڑھ دیا گیا ہے۔

آہ افسوس! محسنوں کا ممنونِ احسان رہنا ہی فطری عظمت ہے۔ مگر اہل علم اس عظمت سے یکسر نہ جانے کیوں دور ہو گئے۔ حالانکہ قرآن کریم نے خود محسنِ ملت اسلامیہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان قرار دیا ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کا اعتراف فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ قبول حق میں بڑے وسیع القلب تھے آپ نے برملا سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا صدیق میں نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ دنیا میں چکا دیا ہے مگر تیرا احسان اتنا بڑا ہے کہ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی چکا سکتا ہے۔ عین ایسے ہی محسنِ ملت اسلامیہ کے احسانات کو سیدِ دو عالم ﷺ بیان فرماتے رہے حتیٰ کہ کاشانہ نبوت میں گئے سیدہ نساء العالمین سے فرمایا فاطمہ جب تک میرے چچا ابو طالب علیہ السلام حیات رہے تو میں دین کی تبلیغ کھلے عام کرتا رہا کسی کافر کو ہمت تک نہیں ہو پائی کہ اس کا ہاتھ مجھ تک پہنچ پائے جونہی ان کے پیار کی چھتری ہٹ گئی تو مجھے کفار نے اپنے جبر کا نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے جونہی وہ اللہ کو پیارے ہوئے مجھے مصیبتوں نے گھیر لیا ہے۔ یہ احسان کی ممنونیت کا ہی اظہار ہے جس سال حضرت ابو طالب علیہ السلام فوت ہوئے اس سال کا نام ہی نبوی زبان نے "عام الحزن" رکھ دیا (غم کا سال رکھ دیا)۔

قارئین محترم! چاہیے تو یہ تھا کہ اُمت اس عظیم محسن کے احسان کے قرض کو یاد رکھتی ہر سانس میں ان کا شکریہ ادا کرتی۔ ممنونِ احسان رہتی فطری عظمتوں کی معراج پاتی مگر افسوس محسنوں کو اُمت بھول گئی قاتلوں کی ہمنوا بن گئی پھر یہ اُمت اُمت کے قاتل سے ہم کنار کیسے رہ سکتی ہے ایسی صورت میں فرقہ واریت کی آگ ہی کا شکار ہے۔ اُمت نے اپنے محسن کو کفر کی گالی دی۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان سے اُمت کا تشخص چھین لیا۔ اب یہ یہودی اور عیسائی فرقوں سے بھی زیادہ فرقوں میں بٹ چکی ہے۔ اُمت کے لیے اب بھی وقت ہے اصل کی طرف لوٹ آئے۔ حرم نبوت ہی پناہ گاہ اُمت ہے۔ اگر ہم اپنے بزرگوں کی خواب گاہوں، چلہ گاہوں کا احترام کرتے ہیں تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے بزرگوں کی خواب گاہوں کا احترام بدرجہ اولیٰ کرنا چاہیے۔ اگر ہم اپنے بزرگوں کے عرس مناتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے بزرگوں کا عرس منانا بدرجہ اولیٰ افضل ہے۔ اگر ہم اپنے بزرگوں کی دینی خدمات کا بیان کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے بزرگوں کی دینی خدمات کا بدرجہ اعلیٰ بیان کرنا چاہیے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی بزرگیاں رسول اللہ ﷺ کے بزرگوں کے قدموں کی خیرات ہیں لیکن یہ بات اسے نصیب ہوگی جو عظمتِ فطرت سے شناسا ہے۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کے بزرگوں کو کافر بنانے کا ٹھیکہ لیا ہو اس سے میرا مطالبہ ہی نہیں، اسے توہین مبارک ہو ہمیں تعظیم مبارک ہو۔

غارِ ثور اور شعبِ ابی طالب کی عظیم رونقیں

غارِ ثور مبارک اور شعب ابی طالب مبارک

ہم بچپن سے سُن اور پڑھ رہے ہیں کہ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کے ستاروں کو تک کر کہا یا نبی اللہ ﷺ آسمان کا وسیع تر سینہ ستاروں سے بھرا ہوا ہے کیا آپ کی اُمت میں کوئی ایسا بلند نصیب انسان ہے جس کی نیکیوں کی تعداد اتنی ہو جتنی تعداد آسمان کے ستاروں کی ہے اس پر رسالت مآب ﷺ نے برجستہ فرمایا ہاں اتنی نیکیاں تو میرے عمر کی ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے قدرے تعجب فرمایا۔ پھر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا اے عائشہ کیا تیرا گمان یہ تھا کہ اتنی نیکیاں تیرے باپ حضرت صدیق اکبر کی ہوتیں عرض کی ہاں ایسا ہی ہے تو نبی کریم ﷺ نے زیرِ لب تبسم فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے باپ کی ایک غارِ ثور والی نیکی ان تمام نیکیوں پر بھاری ہے جو انھوں نے ان راتوں میں مجھ پر غارِ ثور میں پہرہ دیا میری معیت اختیار کی۔ بنا بریں ان کی اس ایک نیکی کا نور آسمان کے ستاروں کے نور کی تعداد پر غالب آ گیا۔

قابلِ فہم باتیں

۱۔ شب ہجرت یہ معاملہ ہوا تین راتوں تک تاجدارِ ارض و سماء اس غار میں تشریف فرما رہے اور کفار مکہ انجانے میں تعاقب کرتے رہے مگر نامراد لوٹے۔

۲۔ یہاں خطرہ انجانا تھا۔

۳۔ نکلنے کی اُمید تھی۔

۴۔ سامنے منزل موجود تھی۔

۵۔ بشاراتِ الٰہیہ کا تسلسل قائم تھا۔

۶۔ خورد و نوش کا سامان مہیا ہوتا تھا۔

۷۔ زادِ راہ میسر تھا۔

۸۔ سواریاں موجود تھیں۔

۹۔ طوالت تین دن تھی۔

۱۰۔ حضرت اسماء بنِ ابی بکر خفیہ حالات سے آگاہ رکھتی تھیں۔

۱۱۔ اسبابِ زیست ممکن بھی تھے موجود بھی تھے۔

۱۲۔ اہلِ مدینہ کی حمایت میسر تھی۔

۱۳۔ حکمِ ربی بھی شاملِ حال تھا۔ مگر پھر بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفاؤں کا نور غالب آ گیا۔ ستاروں کی تعداد پر واہ سبحان اللہ کیا شان ہے صدیق اکبر کی۔ اس حقیقت میں کوئی دو رائے نہیں۔ آیئے اب ہم اسی تصورِ وفا میں اُترتے ہیں۔ شعب ابی طالب علیہ السلام میں وہاں کے ماحول کا جائزہ لیتے ہیں اور عظمتِ وفا کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ذرا جگر پر ہاتھ رکھ کر کھری کھری باتیں سننے کی عادت ڈالیے۔

بالائے فہم باتیں

۱۔ شعب ابی طالب علیہ السلام میں حکمِ ربی نہیں تھا محض اہلِ مکہ کی جفا تھی۔

۲۔ قیدِ تنہائی کے عرصے کا بھی علم نہیں تھا کہ اُمیدوں پر وقت گزارا جا سکے۔

۳۔ غارِ ثور مبارک کا خنک ماحول نہیں تھا بلکہ جسم و جان کو جلا دینے والی سخت گرمی کا سامنا تھا۔

۴۔ کوئی حفاظتی حصار نہیں حملہ کسی بھی طرف سے ممکن تھا۔

۵۔ خورد و نوش کا سامان بھی میسر نہ تھا نہ ہی ممکن تھا۔

۶۔ دن بھر گرم لو کے علاوہ کوئی ہم جلیس نہ تھا۔

۷۔ کسی آدم زاد کو وہاں جانے کی اجازت ہی نہ تھی۔

۸۔ تجارتی قافلوں پر بھی پابندی تھی۔
۹۔ چاروں طرف سے کفر کی یلغار کا خطرہ تھا۔
۱۰۔ نوکیلے پتھروں کے بستر تھے اور تکیے تھے۔
۱۱۔ شدت کی گرمی میں پانی تک میسر نہ تھا۔
۱۲۔ تمام سماجی رشتوں سے یکسر دوری تھی۔
۱۳۔ معاشرتی رہن سہن کا نام ونشان تک نہ تھا۔
۱۴۔ انسانی زندگی نے کبھی بھی اس قدر جارحیت نہ دیکھی تھی تا کہ کوئی نمونہ سامنے ہوتا۔
۱۵۔ ہاتھ میں روٹی کی بجائے ننگی تلواروں کے دستے تھے۔
۱۶۔ جب کبھی جسمانی توازن بگڑتا تو پیٹ پر پتھر باندھے جاتے۔
۱۷۔ پانی کی قلت کی وجہ سے ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ کا ایک گھونٹ تک نہ تھا۔
۱۸۔ معصوم شیر خوار بچوں کی فلک شگاف چیخوں کے علاوہ سننے کو ابوطالب علیہ السلام کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔
۱۹۔ ان سارے حالات کی سنگینی کے احساس کا بوجھ محض ابوطالب علیہ السلام کے ناتواں کمزور بوڑھے کندھوں پر تھا۔
۲۰۔ اہل خاندان کی حالت زار کا منظر اس بزرگ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔
۲۱۔ خاندان نبوت کی عصمت مآب ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی حسرت بھری تمنائیں اس بوڑھے بزرگ کا سرمایہ تھیں۔
۲۲۔ بھوک اور پیاس کی شدت بچوں کی رُکتی ہوئی سانسیں اس نحیف البدن بابا کا اثاثہ تھیں۔
۲۳۔ بنی ہاشم کے نوجوانوں کے ارمان بابا جی کو گھائل کیے ہوئے تھے۔
۲۴۔ کوئی مونس، غم خوار دور دور تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔
۲۵۔ بنی ہاشم کی بزرگ خواتین کی نقاہت بابا جی کو پیچوں پیچ کھائے جا رہی تھی۔
۲۶۔ غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی سرد آہوں کے سوا اس نحیف البدن بزرگ کو کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔
۲۷۔ بنی ہاشم کے عمر رسیدہ بزرگوں کی پتھرائی آنکھیں عزم واستقلال کے پہاڑ کو مضمحل کر رہی تھیں۔
۲۸۔ کہیں سے کوئی اُمید وفا نہ تھی۔
۲۹۔ جانکاہ حالات ہی ساتھی تھے۔
۳۰۔ کوئی امید دلانے والا بھی نہ تھا۔

۱۳۔ پھر یہ عزم و استقلال کا تاجدار تازہ دم تھا۔

۱۔ اولوالعزمی لباس تھا۔

۲۔ یقین کامل ساتھ تھا۔

۳۔ جب بھی حالات مضمحل کرتے بس ایک نگاہ بھر کر حسن صمدیت کے آئینے کو تک لیتے پھر تازہ جذبات سے سرشار ہو جاتے۔

۴۔ اس طویل ترین امتحان میں سرمایہ فقط صبر تھا۔

۵۔ قوت فقط یقین تھی۔

۶۔ اسلحہ محض ایمان تھا۔

۷۔ حوصلہ محض ایک نظر چہرہ محبوب تھا۔

۸۔ اطمینان محض مصطفیٰ ﷺ کی عافیت تھی۔

۹۔ ہوش ربا حالات میں استقامت ہی دولت تھی۔

۱۰۔ حفاظتِ پیکر نبوت میں بے تابیاں ہی وجودِ اقدس کی خوراک تھیں۔

۱۱۔ سکونِ قلب اپنی اور اپنی اولاد کی قربانیوں کی تمنا تھی۔

۱۲۔ ہمت فقط صحبت نبوی تھی

۱۳۔ سرشاری فقط وفائے محبوب خدا تھی۔

۱۴۔ حضوریٔ قلب محض رسول اللہ ﷺ کی چاہت تھی۔

۱۵۔ تمنا صرف محبوب ﷺ کی چاہت، فروغ دین نبوی تھی۔

۱۶۔ نیت محض اللہ کی رضا تھی۔

۱۷۔ مشن فقط دین مصطفیٰ ﷺ کا غلبہ تھا۔

۱۸۔ احساس فقط وجود مصطفیٰ ﷺ کی خیریت تھا۔

۱۹۔ یکسوئی کا قبلہ فقط ذات نبوت تھی۔

۲۰۔ ترجیحات محض مصطفیٰ ﷺ کی عافیت تھی۔

۲۱۔ شوق صرف رسول اللہ ﷺ کی خدمت تھا۔

۲۲۔ زندگی فقط مصطفیٰ کریم ﷺ کی نذر تھی۔

۲۳۔ منزل محض رسول اللہ ﷺ کا وقار تھا۔

۲۴۔ حسن تدبر محض مصطفیٰ کا دفاع تھا۔

۲۵۔ پہلی اور آخری خواہش رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر تھی۔

۲۶۔ حمیت محض اللہ تعالیٰ کی امانت کی حفاظت تھی۔

۲۷۔ پہلی اور آخری خواہش رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر تھی۔

۲۸۔ اسباب زندگی وقف تھے خدمتِ دین کے لیے۔

۲۹۔ اولاد محض ذات نبوت پر قربانی کے لیے تھی۔

۳۰۔ ذاتی حیثیت محض غلامی مصطفیٰ ﷺ تھی۔

کیا اہل علم کو یہ متواتر حقیقتیں نظر نہیں آتیں۔ کہاں گئے محدثین اپنی مصنفات میں کفر ابی طالب علیہ السلام پر مستقل باب قائم کرنے والے۔ آپ کی کتابوں میں ان متواتر حقیقتوں کی گنجائش تو نہ نکل سکی مگر ان کے خلاف مصنوعی روایات کو آپ نے اپنی مصنفات کا حسن بنایا ہے کیا یہی انصاف ہے؟ کیا یہی علمی بصیرت ہے؟ محدثین کو غارِ ثور کی تین راتوں کی عظمت یاد رہی مگر شعب ابی طالب علیہ السلام کے تین سالوں کی عظمت کیوں یاد نہیں رہی؟ محدثین عظمت عرب وقارِ بطحاء کو کافر بنانے ان کے گھر تک پہنچ گئے مگر شعب ابی طالب علیہ السلام میں کیوں نہیں پہنچے؟ ایسے میں تمہاری واہی روایات اور مصنوعی اختراعات پر کون یقین کرے گا؟ سازشی روایات کو کون مانے گا؟ مولویوں، صوفیوں کے چلوں کی ریاضتوں کی فضیلت تو یاد رہی مگر شعب ابی طالب علیہ السلام کی جانکاہ ریاضت کی فضیلت کیوں یاد نہیں رہی؟ یعفور نامی گدھے کی وفا یاد رہی مگر حضرت ابو طالب علیہ السلام کی ساری زندگی کی وفاؤں پر پانی کیوں پھیرا؟ کہاں ہیں مجتہدین آپ کو اُموی جارحیت کو اجتہاد کا درجہ دینا یاد رہا سیّدنا ابو طالب علیہ السلام کی قربانیاں کیوں یاد نہیں؟ ایک رات اسلحے پر ڈیوٹی دینے والے کی فضیلت یاد رہی مگر سیّد بطحاء ابو طالب علیہ السلام کے پچاس سالہ شب وروز کے پہرے کیوں یاد نہیں رہے۔ آپ کو طلوع اسلام سے لے کر اکیس سال تک نبی کے قتل کے درپے رہنے والے ابو سفیان کو جنت میں بھیجنا یاد رہا مگر پچاس سال تک دن رات پیکر نبوت پر پہرہ دینے والے کی عظمت یاد کیوں نہیں؟ کہاں ہیں محدثین اور ان کی احتیاط کہ خالی جھولی گھوڑے کو بلانے والے سے حدیث نہیں لی کہ وہ عادل نہیں مگر یہی محدث حرمِ نبوت کے تقدس کو پامال کرنے والے مسجد نبوی کو گالیوں کی آماجگاہ بنانے والے مولائے کائنات پر بھونکنے والے اُموی غنڈے مروان بن حکم کو عادل جان کر اپنی صحیح بخاری میں اس کی روایت بیان کی؟ کیا ان کے نزدیک منبر نبوت پر بیٹھ کر تاجدار ولایت کو گالیاں دینا شاید گناہ نہیں؟ ہزاروں معصوم صحابہ کی گردنیں اڑانے والے کو مجتہد قرار دینا کونسا اُلوہی اُصول ہے؟

...ملت کے تحت قائم خلافت راشدہ کا خاتمہ کرنا کونسا اجتہاد ہے۔؟ کہاں ہیں اہل علم کہاں ہے اُن کا انصاف؟
...اکلام ...ہی آسان ہدف ہے اُموی غنڈوں کے لیے بھی اور اہل علم کے لیے بھی۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ اب اہل محبت بیدار
...ر محبوت ہی ... اب ذہنی اندازوں سے دین نہیں چلنے دیں گے۔ دین وہی چلے گا جو مشیت الٰہی اور مزاج نبوت کے عین مطابق
...چکے ہیں۔

...ہو۔
اہل علم سے مطالبہ ہے کہ وہ سید بطحاء کے مقابل شخصیت پیش کریں اگر ان کے پاس ہے ایسی شخصیت جس کے دامن
...پچاس سال تک صحبت نبوی کی دولت ہو کربلا تک کے شہیدوں کا مورث اعلیٰ ہو۔ پچاس سال تک دن کے پہرے اور رات
...گزارتے ہوں۔ ضعف کے باوجود جواں ہمت ہو۔ محسن ملت اسلامیہ ہو۔ ہاں ہاں لے آئیں اگر ہمت ہے تو۔۔۔۔۔
...کاش اگر ان محدثین کو غار ثور شریف کی تین راتوں کی طرح شعب ابی طالب علیہ السلام کی تین سالہ قید کی مسلسل اذیتیں بھی
...خبری یاد رہ جاتیں۔۔۔ آخر قیامت میں بھی کسی کو منہ دکھانا ہے؟ اپنی علمی موشگافیوں کا حساب بھی دینا ہے۔ محققین کہاں ہیں
...سالہ اُموی جارحیت کا سیاہ دور کیوں نہیں سامنے لایا جاتا۔ گلشن نبوت کے حسین پھولوں کو مسلنے والوں کی تکفیر کیوں نہیں کی
...جاتی؟ حرم نبوت کی عصمت مآب خواتین کی بے حرمتی کرنے والوں کی تکفیر کیوں نہیں کی جاتی؟ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھنے
...والوں کی تکفیر کا خیال مجتہدین کو کیوں نہیں آیا۔ دس ہزار عصمت مآب مدینہ طیبہ کی عورتوں کی عصمت دری کرنے والوں کو کافر
...کیوں نہیں کہا جاتا؟ بزرگ صحابہ کرام کو ان کی سفید داڑھیوں سے پکڑ کر گھسیٹنے والوں کی تکفیر کیوں نہیں ہوئی؟ یہ کیسی فقہی بصیرت
...ہے ایک طرف کعبہ کی طرف منہ کر کے تھوکنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز کہا جاتا ہے ایک طرف کعبہ کو توپوں کے ذریعے
...بمباری کرنے والوں غلاف کعبہ کو جلانے والوں اور حرم کعبہ میں خون ریزی کرنے والوں کو امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ ایسے ملعونوں
...کی بابت سکوت کا حکم دیا جاتا ہے؟ اگر یہی فقاہت ہے تو ہم ایسی فقاہت سے اعلانیہ بغاوت کرتے ہیں۔ کہاں ہے اہل فتویٰ کی
...فقہی بصیرت؟ اہل بیت نبوت کو چن چن کر قتل کرنے والوں پر فتویٰ کیوں نہیں لگایا جاتا؟ معاصر اہل علم پر یہ سوال چھوڑے جارہا
...ہوں؟ کیونکہ یہ آئمہ کی امامت کے ٹائٹل کے زیادہ محافظ ہیں۔ انصاف کی بات کرنے والے کو گستاخ کہنا شروع کردیتے ہیں۔
...مجھے اس جارحیت کا جواب چاہیے۔ اس کے جواز کے دلائل چاہییں۔ ان ظالموں کی بابت تو واضح ارشادات نبوت ہیں ان کو
...کیوں چھپایا جاتا ہے؟ پھر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے تو ان جیسا کوئی ظلم نہیں کیا تھا ان کی تکفیر آخر کیوں؟ تکفیر پر مبنی روایات
...تو مصنوعی نکلی ہیں اس ڈرامے کا ڈراپ سین تو ہو چکا مگر پھر بھی ضد آخر وجہ کیا ہے؟ کیا حرم نبوت سے کوئی ذاتی عناد ہے؟ یا اس
...محسن محترم کی تکفیر کسی اہل علم کی علمی معراج ہے؟

جواب۔۔۔۔۔ جواب۔۔۔۔۔۔۔ جواب۔۔۔۔۔۔۔ جواب چاہیے۔

ایک لطیفہ

دورانِ تحریر کچھ اہل علم آئے خیر خواہ بن کر مجھے سمجھانے لگے کہ میں یہ نہ لکھوں اور کہا کہ یہاں سکوت کا حکم ہے۔ آخر اس میں رکھا کیا ہے؟ کیا آپ سے قیامت کے دن ایمان ابو طالب علیہ السلام کا سوال ہوگا؟ کیا یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ اہلسنت مزید تقسیم ہوگی۔ میں سنتا رہا اور خاموش رہا۔۔۔ جب انھوں نے جواب کا اصرار کیا تو میں نے عرض کیا حضور والا! ایسی خیر خواہی آپ اپنے پر طاری فرمالیں۔ اگر سکوت کا حکم ہے تو اہل علم نے ابو طالب علیہ السلام کی تکفیر پر مستقل مربوط کتابیں کیوں لکھیں؟ کیا یہ سکوت کا حکم ان کے لیے نہیں؟ حالانکہ یہ حکم ان کے لیے بدرجہ اولیٰ بنتا ہے۔ کیونکہ حرم نبوت کا تقدس منصوص ہے۔ دوسرے ارشاد کا جواب یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے نہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ کے علماء نے تکفیر پر کتابیں کیوں لکھیں۔ ان کے نزدیک کفر ابی طالب علیہ السلام یقیناً ضروریات دین میں سے تھا تو ہی تو انھوں نے اس پر مضبوط کتابیں لکھ دیں۔ تیسرے ارشاد کا جواب یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ کیا قیامت کے دن پوچھا جائے گا؟ مہربان بات اگر ایسی ہی ہے تو یہ سوال آپ مکفرین ابی طالب علیہ السلام سے پوچھیں کہ ان سے قیامت کے دن یہ سوال ہوگا؟ کہ تم نے کفر ابی طالب علیہ السلام ثابت کیا ہے یا نہیں؟ جو جواب وہ دیں وہی میرا جواب ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ حرم نبوت کے تقدس کا قتل بھی کرتے ہو اور قصاص کے مطالبے سے بھی روکتے ہو؟ یہ جارحیت نہیں تو اور کیا ہے؟ میں نے قصاص لینا ہے عمر بھر اس مطالبے پر قائم ہوں۔ یہ میرا منصبی فریضہ ہے۔ مجھے روکنا ہے تو کسی شرعی دلیل کی قطعیت سے روک لو میں حاضر ہوں۔ رسمی باتیں ایک تحقیق کے طالبعلم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ دلیل سے روکو میں حاضر ہوں۔

شعب ابی طالب علیہ السلام کے تین سال کیسے گزرے

ظاہری اعتبار سے تو وہاں کلفتیں نظر آتی ہیں مگر ابتلائے آزمائش کا لازمی نتیجہ بالآخر کوئی بہت بڑی عظمت ہی ہوا کرتا ہے۔ دیکھیے قرآن کریم نے اسے متعدد مقامات پر بڑے شاندار الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝" (البقرہ:۱۵۶)

یعنی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے خوف سے، بھوک سے، اموال کے نقصان سے، جانوں کے نقصان سے، پھلوں کے نقصان سے، ان حالات میں جس نے بھی صبر کیا انہی کے لیے بشارت ہے۔ اہل صبر کی یہ شان ہے کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو پورے اطمینان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور اُسی ہی کی عظیم بارگاہ

مقدمہ

میں حاضر ہونے والے ہیں۔

"اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ " (سورۃ البقرہ: ۱۵۷)

زبردست عظیم لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درودوں کا نور نازل کیا جاتا ہے اور رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ یہی وہ بلند نصیب لوگ ہیں جنھیں اللہ کی طرف سے ہدایت نصیب ہوتی ہے یعنی ہدایت انہی کا حصہ ہے۔

یہ ساری آزمائشیں یک جا اگر کہیں نظر آتی ہیں تو اس کا اسوہ کامل نقش اول کائنات کی بزرگ و برتر شخصیت حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی کی ذات والا صفات ہے۔ مگر یہ سب کچھ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد ہے۔

پہلی آزمائش میں خوف ہے یہود بے بہبود کی چیرہ دستیوں کا خوف ایک مسلّم حقیقت ہے۔ اعلانِ نبوت کے بعد کفار مکہ کا خوف مگر یہ خوف اپنی جان کا نہیں بلکہ جانِ مصطفیٰ ﷺ کا خوف ہے۔ غالباً اس سے اوپر کسی خوف کا نہ تصور کیا جا سکتا ہے نہ کوئی خوف ہو سکتا ہے۔ سلام ہو سیدِ بطحاء کی اس شان پر اور یہ آزمائش چند لمحات، چند دن یا چند ماہ پر مشتمل نہیں بلکہ یہ مکمل دورانیہ پچاس سال یعنی نصف صدی کا ہے بولیے جناب ہے کسی کے دامن میں یہ شان؟ پچاس سالہ آزمائش؟

دوسری آزمائش: بھوک۔ ساری عمر مبارک قوت لایموت پر گزری ہے شعب ابی طالب علیہ السلام میں تو یہ بھوک بھیانک شکل اختیار کر گئی تھی کھانے کو پتے بھی میسر نہ تھے پیٹ پر وفا کی عظمت میں مسلسل پتھر ہی بندھے رہے۔ کسی کے دامن محبت میں ہے یہ بھوک کی آزمائش کی شان؟ ہے تو سامنے آئے خندق کی بھوک چند یوم تھی مگر یہاں مسلسل تین سالہ دورانیہ ہے۔

۳۔ مالوں کا نقصان: پہلے ہی قوت لایموت پر گزر اوقات تھے پھر یہ اسباب بھی دور کر دیے گئے۔ شعب ابی طالب علیہ السلام میں تو کچھ بھی نہیں بچا تھا سب کچھ ختم ہو گیا تھا بلکہ پورے خاندان کی پونجی کا نشان تک نہ رہا بولیے ہے کوئی اس طرح کا مردمیداں جس کے دامن میں یہ شان ہو۔

۴۔ آزمائش: جانوں کا نقصان ہے ہمہ وقت اپنی جان تو نذر کرنے کے لیے یہ ذات والا صفات حاضر رہی اپنی اولاد کی قربانیاں ایک منفرد باب ہے۔

۵۔ پھلوں کے نقصان سے آزمائش: پھلوں سے مراد اکثر اہل علم اولاد اور اولاد کی اولاد مراد لیتے ہیں یہاں تمام کنبہ حتیٰ کہ سیدنا امام علی اصغر تک چھ ماہ کے شیر خوار معصوم کی قربانی۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اس وقت تو سید بطحاء موجود نہ تھے تو یہ آزمائش ان کی نہ ہوئی امام حسین کی ہوئی۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں ایسا ہی ہے مگر نقصان تو اصلاً سیدِ بطحاء کے خاندان کا ہے۔ شعب ابی طالب علیہ السلام سے آزمائشوں کا آغاز ہوا اور کربلا معلی تک آ کر منزل مقصود تک پہنچا۔ ہے کائنات میں اتنے شہیدوں

کا کوئی جدِ اعلیٰ تو سامنے آئے۔ ہم سلام نیاز پیش کریں گے۔ اتنے بڑے امتحانات کے باوجود زندگی میں کبھی حرفِ
شکایت لب پر نہیں آیا۔ یہ وہ کرامت ہے جس کا کائنات میں کوئی حوالہ نہیں سوائے سید بطحاء کے۔ "و بشر الصبرین
" کا نائل سید بطحاء ہی کی شان ہے۔

خاص بات

شعب ابی طالب علیہ السلام سے لے کر کربلا معلی تک مد مقابل بنو امیہ ہی رہے ہیں دائمی رحمت خاندان نبوت کے حصہ میں آئی
اور دائمی لعنت اُمویوں کے ماتھے کا جھومر بنی بر حق دار تک حق پہنچ گیا۔ الا ماشاء اللہ۔

گذشتہ سے پیوستہ: قرآن مجید نے ایک اور اہل صبر کی عظمت کی نشاندہی کی ہے فرمایا

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لازمی نتیجہ:- "اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ" وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" یہی وہ بلند بخت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ درود
بھیجتا ہے اور رحمت نازل فرماتا ہے یہی وہ بلند بخت لوگ ہیں ہدایت جن کی فطرت ہے۔

حیرت ہے اہل علم پر کہ جنھوں نے مصنوعی روایات سے فطری ہدایت یافتہ کی تکفیر کر ڈالی۔ رہا شعب ابی طالب علیہ السلام
میں وفا کے دن کیسے گزرے ان کی ظاہری تصویر کے چند مناظر کا آپ مطالعہ کر آئے ہیں اب ابتلاء و آزمائش کا یقینی نتیجہ بھی
آپ کے سامنے ہے۔ ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

"وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ" (البقرہ: ۱۲۴)

حبیب ﷺ یاد فرماؤ اس وقت کو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے متعدد باتوں میں آزمایا۔ پس انھوں نے
کمال استقامت کے ساتھ انھیں پورا کر دکھایا۔

یقینی نتیجہ:- "قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" اللہ نے فرمایا اے ابراہیم بیشک میں نے آپ کو پوری انسانیت کا امام بنایا۔
گویا ثابت ہوا کہ آزمائش کا لازمی نتیجہ کوئی عظمت ہی ہوا کرتا ہے۔ بولیے جناب سید بطحاء کی مسلسل پچاس سالہ آزمائش کا
نتیجہ کفر ہی نکالو گے۔؟ جہنم ہی نکالو گے؟ تو پھر قرآن کے فیصلوں کا کیا جواب دو گے؟ سید بطحاء نے کافر ہی رہنا تھا تو
آزمائش میں کیوں ڈالا؟ حالانکہ کسی کافر کی آزمائش دینی اعتبار سے نہیں ہوتی بلکہ اگر اس پر حالات وارد ہوں تو وہ خدائی
انتقام ہوتا ہے۔ اور اس عنوان میں دی گئی آیات ابتلاء کا پس منظر سیاق کلام "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ
وَالصَّلٰوةِ" (البقرہ: ۱۵۳) سے شروع ہوا۔ گویا فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ صاحبان ایمان کرہ امتحان میں داخل ہو سکتے ہیں دیگر

مقدمہ کے سوالات کے مکمل جوابات پر اعزاز وڈگری کی عظمت ضروری نتیجہ ہے۔ اہلِ علم بتائیں سید بطحاء کی آزمائشوں پر ملنے والے انعامات کہاں چھپا کر رکھے ہیں؟ کیوں ہضم کر گئے ہو؟

اہلِ علم پر میرا سوال یہ ہے

قرآن کریم نے ابتلاء وآزمائش کا لازمی نتیجہ کائناتی عظمت قرار دیا ہے۔ اب سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام جن مہلک آزمائشوں سے گزرے ہیں ان کا اعزاز واکرام اہلِ علم کیوں ہضم کر گئے ہیں؟ اگر کوئی یہ بہانہ تراشے کہ ابوطالب علیہ السلام مسلمان نہیں تھے تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ تراشا ہوا کائناتی جھوٹ ہے۔ اب مانع عظمت کیا چیز ہے؟ اہلِ علم اس کا یقینی دلیل کے ساتھ جواب دیں۔ مگر وہ کبھی بھی نہیں کر پائیں گے کیونکہ ان کے پاس کوئی یقینی، قطعی دلیل کا حوالہ ہی نہیں بلا دلیل دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے۔

اہلِ علم جتنا مرضی چھپالیں حق ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے کیا اہلِ علم میں ہمت ہے کہ وہ سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کی پچاس سالہ وفاؤں کے تواتر کو چھپا سکیں؟ پچاس سالہ قربتوں، صحبتوں اور خلوتوں کی عظمت کو چھپا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ" (البقرہ:۱۷۷)

یعنی (بلند بخت ہیں وہ لوگ) جو صاحبان وفا ہیں جب وہ وعدہ کریں تو اسے کمال وفا کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔ خصوصاً جب جان لیوا خطرات ہوں تنگی ہو حد سے زیادہ پریشانی ہو۔ سخت ترین حالات ہوں تو بھی اہلِ وفا کامل استقامت سے کیے ہوئے عہد و پیمان پر پورا پورا اترتے ہیں۔

اے حبیب ﷺ ان عظیم فطرت لوگوں کی شان یہ ہے کہ

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ"

یہ وہ عظیم لوگ ہیں سچائی ان کے ماتھے کا جھومر ہے اور تقویٰ ان کا فطری حسن ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد کائنات بھر کے اہلِ علم کے پاس ہے کوئی ایسا فردِ عظمت جس کے دامن میں پچاس سالہ نبوی صحبتیں ہوں؟ قربتیں ہوں؟ اور تسلسل پذیر قربانیاں ہوں؟ خاص کر مکی دورِ نبوت کے اذیت ناک حالات کی قربانیاں ہوں۔ پچاس سال تک مسلسل رت جگے ہوں۔ یہود بے بہبود کی سنگین ترین سازشوں کا مقابلہ ہو، کفار کے کرب ناک اور سخت گیر انتقام کی آگ کا مقابلہ ہو، پچاس سال تک دن رات کی پہرے داریاں ہوں، دلداریاں ہوں، سرشاریاں ہوں، کٹھن حالات کے ساتھ نبرد

آزمائی کی دولت ہو، چار نسلوں تک مکمل نفوس رحمت وعظمت کی قربانیاں ہوں، تو سامنے لے آئیں؟ ہم قلم روک لیں گے۔ اگر نہیں کر سکتے تو پھر کس منہ سے سید بطحاء کی تکفیر کرتے ہیں؟ وہ بھی مصنوعی روایات سے۔ اندھے خیالات سے، متعصب تصورات سے۔ کیا یہی فقہی بصیرت ہے؟ کہ نقش وفا کا بہیمانہ قتل کیا جائے؟ حرم نبوت کا تقدس پامال کیا جائے؟ ناصر رسول پر بہتان باندھا جائے؟ پناہ گاہ نبوت کو مسمار کیا جائے؟ حیرت ہے غار ثور شریف کو مرجع خلائق یقین کیا گیا ہے جہاں پیکر نبوت نے صرف تین دن تک حفاظتی تدبیر کے طور پر قیام فرمایا مگر افسوس جہاں رسالت مآب ﷺ نے تین سال تک دن رات قیام فرمایا اہل علم زیارت کو جانے کے لیے نجانے کیوں کتراتے ہیں؟ اسے مرجع خلائق کا درجہ کیوں نہیں دیتے؟ جہاں پچاس سال تک نبوی وجود نے قیام فرمایا اس مکان کو مرجع خلائق کیوں نہیں کہا جاتا؟ شعب ابی طالب علیہ السلام کے فضائل ومناقب کیوں نہیں ورطہ تحریر میں آئے؟ کاشانہ بوطلبی کا تقدس نجانے اہلِ علم کو کیوں یاد نہیں رہا؟ مقام ابراہیم کی عظمتیں نبوی تلووں کے لمس کی بنیاد پر اہل علم کو یاد رہیں مگر پیکر ابوطالب علیہ السلام کا وجود نبوت کے ساتھ مسلسل پچاس سالہ مساس اور لمس مبارک یاد نہیں؟ نجانے کیوں؟ مجھے حیرت ہوئی کہ اہلِ علم مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا ہی شعر بھرے مجمعوں میں بڑے ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کے مضمون پر یقین بھی رکھتے ہیں وہ شعر یہ ہے

؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء کرام علیہم الرحمہ کی صحبت اور معیت ایک لمحہ کی اس قدر عظیم ہے کہ کوئی سو سال بے ریا مقبول عبادت بھی کرے تو کسی ولی کے پاس ایک سیکنڈ کی صحبت اختیار کرنے کے برابر نہیں ہو سکتی۔ یہ ولایت نبوی فیض کا ایک مختصر فیضان ہے۔ جب ولی کی صحبت کی یہ شان ہے تو جہاں سے خود ولی فیض لیتا ہے اس کی شان کیا ہوگی؟ اللہ اکبر!۔ نبوی صحبتوں کا مقام کیا ہوگا؟ جس صحبت کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ ایک لمحہ کی صحبت نہیں بلکہ وہ پچاس سالہ کی دن رات کی جلوتوں اور خلوتوں کی صحبت ہے۔ یہ صحبت کسی ولی کی صحبت نہیں بلکہ امام الانبیاء ﷺ کی عظمت مآب صحبت ہے۔ اور اس صحبت کا نقش اول وجود اول سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں۔ اب ایک طرف صحبت اولیاء کا ایک لمحہ جو سو سال کی بے ریا عبادتوں سے افضل ہے دوسری طرف تاجدار انبیاء کی اربوں لمحات پر مشتمل صحبتیں ہیں جو سیدِ بطحاء کو میسر ہیں اب ان کی فضیلتوں کا گراف اہلِ علم ہی متعین کر سکتے ہیں۔ کتنے سالوں کی بے ریا عبادتوں سے افضل ہے؟ مگر مجھے علم ہے معاصر اہلِ علم پھر بہانہ تراشیں گے کہ یہ صحبتیں عدم ایمان پر مشتمل تھیں۔ اس پر میرا وہی جواب ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر لگایا گیا کفر وشرک کا الزام کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اور نرا فراڈ ہے۔ کیونکہ یہ الزام مصنوعی روایات کے حوالے سے لگایا گیا ہے۔ خود ساختہ روایات سے الزام لگانا انتہائی شرمناک بات ہے۔ جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ جن دلیلوں کی اپنی کوئی یقینی حیثیت نہیں ان پر یقین کرنا نری حماقت ہے۔ اور جبری تحکم ہے۔

امت پر اس بیہودہ الزام کے ذریعے رُعب ڈالنا ایک سنگین جرم ہے۔

اہم نوٹ:۔ مجھ پر معاصر اہلِ علم طعن تشنیع کر رہے ہیں کہ میں نے ان روایات کو بیہودہ کہا حالانکہ کثیر فقہاء، محدثین نے ان روایات سے ہی کفرِابی طالب علیہ السلام کا استدلال کیا ہے کیا وہ لوگ نا سمجھ تھے؟ محترم اس کا پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں علماء کا حد سے بھی زیادہ احترام کرتا ہوں مگر تحقیق کے اپنے علمی تقاضے ہوتے ہیں جن اہل علم نے علم با قاعدہ پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں مگر جنھوں نے علم کو سونگھا ہی نہیں ان کے پاس شور مچانے کے علاوہ کچھ نہیں۔ رہی یہ بات کہ میں ان روایات کو مصنوعی کہہ رہا ہوں بیہودہ کہہ رہا ہوں محض جذبات کی رو میں بہہ کر نہیں بلکہ اہل علم کے علم ہی کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ معاصر اہل علم جو اصول حدیث، اصول فقہ، اصول تفسیر میں رسمی نہیں بلکہ خاص مہارت رکھتے ہیں انھیں بخوبی علم ہے کہ عدم اتصال سند اور طعن راوی روایت کو مردود بنا دیتے ہیں۔ بداہت عقل کے خلاف بھی خبر واحد مردود ہی ہوتی ہے۔ کسی مسلّم تواتر کے خلاف بھی روایت مردود گردانی جاتی ہے۔ میں نے سرسری طور پر ان روایات کا واہی ہونا ثابت کر دیا ہے۔ باب حدیث میں ملاحظہ فرمائیں مزید مکمل تفصیل آنے والی مجلدات میں آپ کو ملے گی۔ انتظار فرمائیں۔ مگر میرا سوال یہ ہے کہ آپ کو آپ کے محدثین، مفسرین، فقہاء کا تقدس تو یاد ہے ہونا بھی چاہیے مگر حرم نبوت کا تقدس اور حیاء کیوں یاد نہیں؟ آخر کیوں؟ یہ دونوں روایتیں بیہودہ ہیں کی تحقیق آپ پہلے پڑھ چکے ہیں یہ جملہ میرا نہیں بلکہ بہت بڑے مفسر کا ہے۔

اہلِ علم پر مزید ایک سوال

شعب ابی طالب علیہ السلام کا نورانی ماحول

شعب ابی طالب علیہ السلام میں تین سالوں میں اس خلوت کدہ کائنات میں دو جہاں کے سردار کے شب و روز کیسے گزرے اور خالق کائنات کا اپنے محبوب ﷺ اور ان کے محافظوں کے ساتھ کیا رویہ رہا؟ ان کلفتوں اور ان جان لیوا سنگین ترین حالات میں سخت ترین ریاضت اور مجاہدات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے باسیان شعب ابی طالب علیہ السلام پر کیا انعام و اکرام ہوتے رہے؟ چالیس دن کی خلوتوں میں اتنا کچھ عطا کر دیا جاتا ہے کہ سنبھالا نہیں جاتا یہاں مکمل تین سال کے دن رات کی بیداریاں ہیں سرشاریاں ہیں دلداریاں ہیں پہرے داریاں ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خوف و ہراس کے ماحول میں انسانی فطرت ڈگمگا جاتی ہے مگر ایسے حالات میں صبر و استقامت انسانی معراج تصور کی جاتی ہے۔ سلام ہو اس صبر پر جو باسیان شعب ابی طالب علیہ السلام کا ہم جلیس رہا۔ سلام ہو اس استقامت پر جو مہمانان ابی طالب علیہ السلام کی فطرت بنی۔ "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" انہی لوگوں کا نصیب ہے۔ خدا کی معیت انہی کا طرۂ امتیاز

ہے۔ حیرت ہے آپ کفر کی زد میں بھی رہے اور کفر کے فتوے لگانے والوں کی زد میں بھی ہیں۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ تو ایسے میں اُولوالعزم نفوس قدسیہ کو کسی وضعی فتوے کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ کسی کافر کا خوف کیا ہو سکتا ہے؟ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کی معراج پر یہی نفوس قدسیہ ہیں۔ خدا کا نور انہی پر نازل ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت انہی کی حفاظت فرماتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت انہی کے شامل حال ہوتی ہے۔ یہی وہ بلند نصیب لوگ ہیں جن پر نصیب بھی وجد کرتا ہے۔ قرآن مجید اسے یوں بیان فرماتا ہے۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ" (حم السجدہ: ۳۰)

"نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ" (حم السجدہ: ۳۱)

"اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (الاحقاف: ۱۳)

۱۔ بے شک بلند بخت ہیں وہ لوگ جہاں بھر میں جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔
۲۔ پھر یہ بلند بخت لوگ اس عظمتِ یقین پر جم گئے ڈٹ کر استقامت اختیار کی۔
۳۔ اس عظمت پر اللہ تعالیٰ ان کے پاس نور کے فرشتوں کو بھیجتا ہے تا کہ ان کی خدمت و تکریم کریں۔
۴۔ اس اعزاز پر اللہ تعالیٰ ان عظیم بندوں کو دنیا میں بے خوف کر دیتا ہے اور آخرت میں ہر غم سے بے نیاز کر دیتا ہے۔
۵۔ اس استقامت کی شان پر اللہ تعالیٰ ان کے جنتی ہونے کا دنیا میں ہی اعلان کر دیتا ہے اور انہی سے جنت کا وعدہ ہے۔
۶۔ اور فرماتا ہے کہ ہر وہ عظمت ہے جس کا تمہاری محبتوں کے حوالے سے ابتداء ہی وعدہ کر لیا گیا ہے تم سے۔
۷۔ اے صاحبانِ استقامت! ہم اس محبت میں تم سے اپنی دوستی کا اعلان کرتے ہیں اپنی محبت کا اعلان کرتے ہیں۔
۸۔ یہ دوستی دنیا کے اندر بھی قائم رہے گی اور آخرت میں بھی دائمی طور پر قائم رہے گی۔
۹۔ اس استقامت کی عظمت میں اللہ تعالیٰ تمہاری چاہتوں کا احترام کرے گا جو تم چاہو گے وہی ہوگا۔
۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے طے کر لیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے مہمان ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارا میزبان ہے مغفرت فرمانے والا ہے انتہائی رحم فرمانے والا ہے۔
۱۱۔ اور یہ کہ جنھوں نے کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے تو اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

اہل علم بتائیں کہ اس استقامت کا نقش اول کون ہے؟ یقیناً حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں۔ کائنات کا کوئی فرد اتنی

طویل ترین استقامت کا مظہر نہیں ہوسکتا جتنی طویل ترین استقامت کی شان جناب ابوطالب علیہ السلام لیے ہوئے ہیں۔ جتنی طویل استقامت ہوگی اتنی ہی عظیم صاحب استقامت کی شان ہوگی۔ مذکورہ انعامات جن کی تعداد قرآن کریم نے گیارہ گنوائی ہے ہر انعام باری تعالیٰ نے سب سے پہلے دامن ابوطالب علیہ السلام میں ہی مرحمت فرمایا ہے۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں سے سب سے اول ہیں۔ ویسے تو یہ انعامات پچاس سال تک جاری و ساری رہے مگر شعب ابی طالب علیہ السلام میں ہونے والے روحانی، نورانی انعامات کا اندازہ اہل علم کے بس کی بات نہیں۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ جس نے اپنے احسانات کا تسلسل کسی مولوی کے مشورے پر نہیں رکھا ورنہ مولوی صاحب خدا تعالیٰ کو ضرور بریفنگ دیتا کہ اللہ یہ انعامات ابھی نہیں کرنے کیونکہ میرے نزدیک ان کا ایمان ثابت نہیں۔ پوری کائنات میں انعامات خدا کے درمیان اور سید بطحاء کے درمیان کوئی یقینی علمی مانع نہیں ہے۔ شعب ابی طالب علیہ السلام کی خلوتوں میں انعامات کی صورت کیا تھی؟ اس حقیقت کو انعام کرنے والا جانتا ہے یا انعام یافتہ جانتے ہیں۔ مصنوعی روایات تراشنے والے اور ان پر اندھا اعتماد کرنے والے کیا جانیں؟

عجب رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن | خدا رحمت کند ایں پاک طینت عاشقاں را

دین حقہ کے لیے خود کو خاک وخون میں نہلانے والوں نے ایک عجیب رسم محبت کی بنا ڈالی ہے اللہ تعالیٰ ان پاک فطرت عاشقوں پر رحمت فرمائے۔ آمین۔

شعب ابی طالب علیہ السلام میں انوار وتجلیاتِ الٰہیہ کی بارش

قارئین محترم! اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو رشتہ محبت ہے یہ ایک لازوال عظمت ہے۔ انسان کے لیے بے مثال شرافت ہے۔ بلکہ انسانی عظمتوں کی معراج ہے۔ مگر کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کیطرف سے حضرت انسان پر آزمائش آتی رہتی ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آزمائش کی صورت میں اللہ بندے پر اپنی ناراضی اور غصے کا اظہار کر رہا ہے۔ بلکہ اکثر اوقات یہ آزمائش فرشتوں کے اس سوال کا جواب ہوتا ہے کہ جو انھوں نے تخلیق انسانیت کے وقت کیا تھا کہ "اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا" کہ یہ تو خون ریزی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے امتحانات میں فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ فرشتو! دیکھو تمہاری نگاہ انسانی فطرت میں فساد پر گئی یہ محض تمہارا خیال تھا آؤ دیکھو میرا خلیل نار نمرود میں اتر گیا ہے مگر اُف تک نہیں کی۔ اپنے نوجوان لخت جگر پر چھری چلا رہا ہے مگر منہ سے آہ تک نہیں نکالی۔ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا اپنے نور نظر عبد اللہ کو ذبح کرنے پر تل گیا ہے مگر ٹھنڈی سانس تک نہیں بھری۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابا ذبح ہونے پر جناب اسماعیل کی طرح تیار ہو گئے ہیں مگر ابھرتی ہوئی رعنا جوانی کا

خیال تک نہیں کیا۔ روشن زندگی کی پرواہ نہیں کی۔ پھر میرے محبوب کو تو دیکھو کہ کفار مکہ کی زد میں ہیں کبھی طائف کے غنڈوں سے پتھر کھا رہے ہیں مگر کمال استقامت کے ساتھ اپنی مقدس زبان سے دعائے خیر ہی فرما رہے ہیں۔ عین ایسے ہی ذرا دیکھو تو کی اس بابے کو جو ضعیف العمر ہے جو پورے اسلام کا میزبان بنا ہوا ہے اپنے دن رات کے آرام کو میرے محبوب ﷺ کی حفاظت میں قربان کیے ہوئے ہے۔ شب و روز کی بے تابیاں اور جان لیوا حالات سے مسلسل نبرد آزما ہے۔ پورے کفار مکہ سے ٹکر لیے ہوئے ہے پھر ذرا دیکھو تو سہی اہل مکہ نے مکمل سوشل بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ پورے بنی ہاشم قبیلے کا بوجھ اپنے سر پر اٹھائے یہ بابا شعب ابی طالب علیہ السلام کی سلگا دینے والی دھوپ میں محبوب پر مستانہ وار پہرہ دے رہا ہے۔ دن بھر کے جھلسے ہوئے نحیف بدن کے ساتھ سب لوگوں کو سلا کر رات بھر اپنے گلے میں وزنی تلوار حمائل کیے ہوئے تلوار کا دستہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایستادہ ہے۔ پوری پوری رات آنکھ جھپکتا ہی نہیں مبادا کہیں سے کوئی دشمن آ کر میرے محبوب کو گزند نہ پہنچائے۔ مسلسل تین سال کی بھوک بھی ساتھ ہے پیاس بھی ساتھ ہے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر بھی باندھ رکھے ہیں۔ پچاسی سال کا بڑھاپا بھی نڈھال کیے ہوئے ہے۔ بنو ہاشم کی عصمت مآب عورتوں کی بھوک اور پیاس سے درد بھری آہوں کو بھی سن رہا ہے۔ ان کی چھاتیوں میں دودھ سوکھ جانے کے بعد ان کے نوزائیدہ بچوں کے خشک حلقوں سے اٹھنے والی فلک شگاف چیخوں کو بھی سن رہا ہے۔ ان کا جان بہ لب ہونا بھی اپنی آنکھوں سے تک رہا ہے۔ بوڑھوں کی بھوک اور پیاس سے دوہری کمروں کی نقاہت کا نظارہ بھی اپنی نگاہوں سے کر رہا ہے۔ ان کے شدت پیاس سے خشک حلقوں کی کھنکھناہٹ بھی اپنے کانوں سے سُن رہا ہے۔ بنی ہاشم کے نوجوانوں کا بھوک اور پیاس میں گھائل ہونا بھی ملاحظہ کر رہا ہے۔ پاس صبر و استقامت کے علاوہ کوئی سرمایہ نہیں۔ ہر آزمائش اپنا ہنر آزما رہی مگر چٹان سے بھی مضبوط بابا اپنا صبر آزما رہا ہے۔ یہاں تو خود حالات کو اپنی سنگینی پر پسینہ آ رہا ہے۔ مگر استقامت کا کوہ گراں سب کچھ کے باوجود ڈٹا ہوا ہے۔ اپنے منصبی فرض کو نبھا رہا ہے۔ "اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى" کی تفسیر اپنے خون آشام جذبات سے لکھ رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے منصب پر پوری جانفشانی کے ساتھ فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ مگر اُف تک منہ پر نہیں لا رہا۔ آہ تک سانس سے نہیں لا رہا۔ اہالیان شعب ابی طالب علیہ السلام اگر کبھی گھبرائیں یہ مستقل مزاج بابا آگے بڑھ کر انھیں تسلی دیتا ہے۔ انھیں تسکین کا سامان مہیا کرتا ہے اور جب یہ کبھی گھبرائیں تو ان کو تسلی کون دے؟ ہے کوئی معاصر مولوی صاحب جو اس راہ سے گزر کر ہی دکھا دے؟ ہے کوئی محدث، فقیہ، مناظر، مجتہد، مجددان دلدوز حالات کا مقابلہ کر کے دکھا دے۔ حجروں میں بیٹھ کر فتویٰ لگانا آسان ہے مگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کردار کی عظمت میں اُترنا بہت مشکل ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے یہ اُصول دیا ہے کہ اللہ کی صلوات اور رحمت صرف انہی نفوسِ محبت کے لیے ہے جو ان آزمائشوں سے گزر کر آئیں۔ ہدایت انہی کے لیے ہے جو اسوہ بوطلبی کو اپنائے ہوئے ہوں۔ مگر نصیب اپنا اپنا کسی کا نصیب محض فتویٰ تراشی ہے اور کسی

حبیب پچاس سالہ صحبتِ نبوی، خدمتِ نبوی، نصرتِ نبوی، حمایتِ نبوی ہے۔ سلام ہو سلام ہو بے حد سلام ہو سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام پر کہ جن کے نصیب میں حفاظت پیکر نبوت آئی۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آزمائشوں کا لازمی نتیجہ کوئی بڑی سے بڑی فضیلت وعظمت ہی ہوتی ہے۔ جس کی قرآن مجید نے یوں نشاندہی کی ہے۔

"وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ" (البقرہ: ۱۲۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند معاملات میں آزمایا پس حضرت ابراہیم نے کمال استقامت کے ساتھ ان آزمائشوں کو پورا کر دکھایا۔

"قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے خلیل بے شک ہم نے آپ کو پوری انسانیت کا امام بنا دیا ہے۔ حتی کہ ہم نے تاجدار ختم نبوت سے بھی فرما دیا ہے

"وَاتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا"

اے حبیب! آپ بھی ملت ابراہیم کی پیروی فرمائیں۔

قارئین محترم! ذرا سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی آزمائشوں پر بھی غور فرمائیں۔

ولادت باسعادت نبوی سے لے کر دس سن نبوی تک زندگی مسلسل آزمائشوں سے بھری پڑی ہے۔ ابتدائی حالات میں یہودیوں کی طرف سے خطرات دن بھر کے پہرے رات بھر کے رت جگے۔

اعلان نبوت کے بعد مسلسل کفار مکہ کی مزاحمت کا مستقل سامنا شعب ابی طالب علیہ السلام میں ہر قسم کی قربانیاں، اپنی زندگی بھر کی قربانیاں، حضرت عقیل، جعفر اور علی المرتضیٰ کی قربانی، ان کے بعد نفوس قدسیہ کی اولادوں کو اُموی غنڈے ذبح کرتے رہے۔ عباسی درندے خون بوطلبی اور خون نبوت سے کھیلتے رہے۔ بتائیے اتنی سنگین آزمائشوں کا تسلسل کس کے دامن میں ہے۔ کائنات میں اگر کسی کے مطالعہ میں بوطلبی اُسوہ ہے تو سامنے لائے ہم قلم روک لیں گے۔ اس شخص کی نشاندہی کر دیں۔ اب قاعدہ قدرت ہے قربانیوں کے بعد قرب خداوندی لازمی نتیجہ ہے۔ امتحان کے بعد عظمت لازمی نتیجہ ہے حیرت ہے مولوی صاحب کو کانٹا لگ جائے تو صلے میں جنت کی ملکیت کی حدیثیں لے آتا ہے مگر ابوطالب علیہ السلام کو صرف کانٹا تو نہیں لگا بلکہ سب کچھ تن من دھن سب پھونک دیا قربان کر دیا اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھا لیکن اہل علم نے اس نفس محترم، محسن اعظم کی تکفیر کرنا اپنی شان سمجھتا ہے (نعوذ باللہ۔)

اب آیئے ذرا شعب ابی طالب علیہ السلام میں چلتے ہیں جہاں انوار و تجلیات الٰہیہ کی بارش کا نظارہ ملتا ہے۔ سوشل بائیکاٹ کے

بعد کفار مکہ نے ہر طرح جارحیت کا طے کر لیا تھا۔ بیرون ملک سے آنے والے تاجروں میں بنی ہاشم کو اسباب زیست بیچنے سے منع کر دیا۔ زندگی کی رمق تازہ رکھنے کے لیے ہر چیز پر کفار مکہ نے پابندی لگا دی اور دروازہ بند کر دیا۔ جب کفار نے ان پر سب راہیں ذوالجلال نے دیکھا تو غیرت الٰہی جوش میں آ گئی۔ فرمایا کفار مکہ اپنے دروازے تو بند کر سکتے ہیں مگر میرا دروازہ تو بند نہیں کر سکتے۔ آؤ ہم اشیاء خوردنی کے بجائے نور رحمت کا دروازہ کھولتے ہیں مسلسل انوار و تجلیات سے شعب ابی طالب کو بقعہ نور بنا دیتے ہیں۔ تین سال تک ہر فرد عظمت کو اپنے حسن کے نور سے تازہ رکھیں گے۔ تمام نفوس قدسیہ کے مشام جان کو معطر رکھیں گے۔ قیامت تک آنے والے لوگوں کو حیرت میں ڈالے رکھیں گے۔ بغیر اسباب زیست کے پھر بھی زندگی رواں دواں رہی۔ ہم اہل بیت نبوت کو بنی ہاشم کو وہ شانِ اعجازی دیں گے کہ کائنات محو حیرت ہی رہے گی۔ یہ اعجاز ان کا قیامت تک اپنی انفرادیت میں جگمگا رہے گا۔ کائنات کے باسی انگشت بدنداں رہیں گے۔ عقلوں کو پسینہ آتا رہے گا۔ اہلبیت نبوت کے باسیان شعب ابی طالب علیہ السلام کی وفاؤں کے تقدس سے ہر اہل ایمان کی ایمانی تازگی رہے گی۔ امام کا ٹائٹل بنی ابی طالب ہی کے نام رہے۔ آخری امام زمانہ بھی اسی تقدس مآب نسل سے ہوگا۔ قیامت تک بلکہ بعد قیامت بھی ہر عظمت ان کو سلام کرتی رہے گی۔ ان کا کردار کفار پر حجت الٰہیہ ہوگا۔ جسے قیامت تک چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔ یہ ہر زمانے میں محسن ہی گردانے جائیں گے۔ کائنات بھر کے باسی ہمیشہ ان کے ممنون احسان رہیں گے۔ ان پر درود پڑھنا نماز کا لازمی حصہ قرار پائے گا۔ جو ان پر درود نہیں پڑھے گا اس کی نماز مردود قرار پائے گی۔ ان کی محبت روح ایمان قرار پائے گی۔ ان سے عداوت کفر کی انتہاء تصور کی جائے گی۔ یہی لوگ معیار حق ہوں گے ہر فضیلت ان کے قدم چومے گی۔ سخاوت ان کا مزاج ہوگا۔ کرامت ان کی فطرت ہوگی۔ عصمت ان کا لباس ہوگا۔ حمیت ان کا وقار ہوگا۔ یہ دنیا میں بھی سردار رہیں گے آخرت میں بھی سردار ہی ہوں گے۔ جنت کو ان کی وجہ سے حسن دیا جائے گا۔ عزیمت ان کا عمل ہو، لِلّٰہیت ان کا اخلاص ہوگا۔ ان کا ہر فرد حقیقت نور کا مظہر ہوگا۔ قرآن ان کے ساتھ رہے گا۔ یہ قرآن کے ساتھ رہیں گے۔ شہادت ان کا وطیرہ ہوگا۔ ان کے لہو کی گرمی سے اسلام ہر دور میں زندہ ہوتا رہے گا۔ یہ کربلاؤں کو سجائیں گے۔ یہ خون جگر دے کر نکھاریں گے رُخ برگ اسلام۔ خدا بھی ان پر درود بھیجتا ہے مصطفیٰ ﷺ بھی درود بھیجتے ہیں۔ ہر اہل ایمان بھی ان پر درود پڑھنے کا پابند ہے۔ آیئے ذرا اہل علم سے پوچھتے ہیں حقیقت کیا ہے؟ ابن عدی الکامل میں محب الدین طبری اپنی تاریخ طبری میں امام تدمیری اپنی تاریخ اسلام میں اسے یوں بیان کرتے ہیں۔

"وَهُمْ يَكْرَهُونَ أَنْ يَبْلُغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَأَصْحَابَهُ فَيَشْتُمُوبِهِمْ"

کفار ناہنجار مسلسل کوشش کرتے کہ کوئی خیر بھلائی ضرورت کی چیز رسول اللہ ﷺ تک نہ پہنچ پائے۔ نہ اہل شعب ابی طالب علیہ السلام تک پہنچے۔ کفار ناہنجار انھیں برا بھلا بھی کہتے رہتے۔ جو اُن تک کوئی چیز پہنچانے کی کوشش کرتا۔

"وَرَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي كُلِّ ذٰلِكَ، يَدْعُو قَوْمَهُ سِرًّا وَجَهْرًا، آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سنگین حالات کے باوجود بھی مسلسل دن رات اپنی قوم کو خفیہ طریقے سے بھی اور اعلانیہ طریقے سے بھی دین اسلام کی دعوت دیتے رہے۔

"وَالْوَحْيُ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ مُتَتَابِعٌ بِأَمْرِهِ وَنَهْيِهِ"

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نور مسلسل نازل ہوتا رہا۔ احکام الٰہی کا نزول جاری رہا اور

"وَوَعِيدٌ مِنْ نَاصِبِهِ الْعَدَاوَةَ"

دشمنان اہلبیت کے لیے وعید بھی نازل ہوتی رہی

"وَالْحُجَجُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلٰى مَنْ خَالَفَهُ"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے دلائل نازل ہوتے رہے۔

قارئین محترم! یہ سب انوار و تجلیات شعب ابی طالب علیہ السلام کے ماحول میں میسر آئے۔ باسیان شعب ابی طالب علیہ السلام ان خلوتوں میں حضوری ذوق کی معراج کیا ہوگی؟ اس کو الفاظ و بیان میں بتانا ممکن ہی نہیں۔ پھر ان خلوتوں میں معیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نادر اور انوکھا اضافہ ہے۔ پھر اس عبادت میں جو حلاوت نصیب ہوئی ہوگی یقیناً اسی نے باسیان شعب ابی طالب کی رگِ حیات کو تازہ رکھا ہوگا۔ ورنہ اسباب حیات تو وہاں محال تھے بلکہ میسر ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حسن اُلوہیت میں زندگی بسر کرنے والوں پر کفر کی آلودگی پھینکنا یہ چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے اور سراسر ظلم۔ سیدِ بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام تو وہاں تمام نفوس قدسیہ کے میزبان تھے۔ ان کو کفر کی آلودگی میں گھسیٹنا کائنات کا بدترین جبری تحکم ہے وہ بھی مصنوعی روایات کے حوالے سے۔

بہرحال مجھے قرآن کریم نے اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم نبوت کا احترام بتایا ہے سیدنا ابو طالب علیہ السلام اہلبیت نبوت کے جد عظیم ہیں ان کی توہین کو گناہ سمجھتا ہوں۔ گناہ جانتا ہوں گناہ کہتا ہوں۔ پوری اُمت کو گزارش کرتا ہوں کہ اہلبیت نبوت کی عداوت کے عقیدے کو تھوک دے یہی حکم خدا بھی ہے فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔

شعب ابی طالب علیہ السلام کی عظیم خلوتیں اور حقیقتِ حال

قارئین محترم! مجھے یہاں مولانا حسن رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ نعتیہ شعر یاد آرہا ہے

دل میں ہو یاد تیری گوشہ تنہائی ہو　　پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

ایک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو گروہ جلوہ کریں تو کون تماشائی ہو

کیا خوب فرمایا گرامی قدر شاعر نے گوشہ تنہائی میں یادِ محبوب کی لذت ہی کچھ اور ہے۔ خلوت کی انجمن میں یادِ محبوب کی روشنی سے کس قدر محبوب کی یادوں کے حسن سے زیبائش محفل بنے گی۔ وہاں تو نفس حسن بھی متوالہ نظر آئے گا۔ واہ نصیب سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ان کی خلوتوں میں یادِ محبوب ہی سرمایہ نہیں بلکہ عین محبوب ذات محبوب سراجا منیر اپنی گرنوریہ یاں فرما رہا ہے۔ تو پھر حضرت ابوطالب علیہ السلام کی خلوتوں کی انجمن کی زیبائی کا کیا مقام ہوگا؟ کیا کیفیات ہوں گی؟ کیا عظیم لمحات ہوں گے؟ حسن عموماً بے نیاز ہوتا ہے۔ چاہت حضور ناز میں نیاز ہی کو اپنی معراج سمجھتی ہے۔ مگر آج یہاں خود حسن بلکہ مبداء حسن چاہتوں کی آغوش میں لپٹا ہوا ہے۔ بلائیں لے رہا ہے۔ "وَاللّٰہُ یُعْطِیْ اَنَا قَاسِمٌ" کی حقیقی تفسیر لکھی جارہی ہے۔ آج اللہ رب العالمین بھی اپنی تمام عطاؤں کے دروازے کھولے ہوئے ہے اور محبوب ان عطاؤں کو تقسیم فرما رہے ہیں۔ سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام ان عطاؤں اور ان سخاؤں کا مہبط بنے ہوئے ہیں عین تمنا بن کر دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔ خدا صاحب عطاء ہے مصطفی ﷺ صاحب سخا ہے۔ اور سامنے پچاسی سالہ عاشق بے مثال کاسۂ طلب وا کیے ہوئے ہے۔ عین تمنا بن کر انوار و تجلیات کے ماحول میں اُترا ہوا ہے۔ دامن پھیلائے ہوئے ہے کسی کے قلم میں دم خم کہ ان عطاؤں اور سخاؤں کا احاطہ کر سکے۔ ایک معروضی اندازہ عرض کر رہا ہوں غارِ ثور میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تین رات پہرہ دیا ان کو عطاء خدا اور سخائے مصطفی ﷺ کے نور سے اتنا بھر دیا کہ ان کی اس نیکی کا نور اتنا بلند ہوا کہ اس کے سامنے آسمان بھی اپنی وسیع تر وسعت کے باوجود چھوٹا نظر آیا۔ مگر سید بطحاء کے دامن میں تین راتوں کے رت جگے نہیں بلکہ پچاس سال کی دن رات کی بیداریوں کی عظمتیں ہیں۔ شعب ابی طالب علیہ السلام کی عظیم خلوتوں میں ان رت جگوں کا قرض اتارا جارہا ہے۔ یہاں تو ہزاروں آسمانوں کی وسعت بھی کم پڑ جائے گی۔ جہاں عالمین کا خالق صاحب عطا ہو اور عالمین کا مالک ﷺ صاحب سخا ہو وہاں تمناؤں کی شان ہی انوکھی اور نرالی ہوگی۔

عطاؤں اور سخاؤں کا طرزِ عمل بھی ماورائے عقل و فہم ہوگا۔ یہاں کسی آنکھ کی نظر میں اتنی وسعت کہاں کہ ان بے مثال حقیقتوں کا احاطہ کر سکے۔ کسی شعور و فکر میں اتنی بلندی کہاں کہ ان بے مثال عظمتوں تک پہنچ سکے۔ کسی حاسہ فطرت میں اتنی ہمت کہاں کہ ان شرافتوں کا جائزہ لے سکے۔ کسی کتاب کے اوراق میں اتنی وسعت کہاں کہ ان حرمتوں کو اپنے اندر سمو سکے۔ کسی قلم میں اتنی جولانیاں کہاں کہ اس قدوسی ماحول کو ورطہ تحریر میں لا سکے۔

اس منظرنامے میں اہل علم کی بے بسی نظر آتی ہے۔ انہیں شعب ابی طالب میں بھوک پیاس سے بلکتے بچوں کی چیخیں سنائی دیتی ہیں مگر ابتلاؤ آزمائش کے لازمی نتیجہ "اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَةٌ" نظر نہیں آیا کہ باسیان شعب ابی طالب علیہ

مقدمہ
اسلام پر چونکہ ابتلاء و آزمائش بھی سب سے زیادہ تھی بنابریں ان پر خدائے ذوالجلال کی صلوٰت اور رحمتیں بھی سب سے زیادہ ہیں۔ "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" یہی وہ مقدس لوگ ہیں جو شانِ ہدایت کی عظیم معراج پر ہیں۔ نجانے اہلِ علم کی نظروں سے یہ عظیموں کا یہ مقام کیوں پوشیدہ رہا؟ اہلِ علم کو مہمانانِ ابوطالب علیہ السلام کا شعب ابی طالب میں خشک لکڑیاں کھانا، پتے کھانا، چمڑہ کھانا تو نظر آ گیا مگر "اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا" کی وفاؤں کا نور نظر نہیں آیا کہ ان نفوسِ قدسیہ نے ایفائے عہد کی کیسی شاندار معراج بخشی؟

اہلِ علم کو وفادارانِ نبوت کی شعب ابی طالب علیہ السلام میں کسمپرسی تو یاد رہی مگر "وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ" کی انتہائے صبر نظر نہیں آئی؟ جن نفوسِ قدسیہ نے سخت ترین مشکل ترین جان لیوا حالات میں دین و بانیٔ دین کی حفاظت کی ان مشقت آمیز حالات پر "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی معیت کاملہ ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ نظر نہیں آئی نجانے کیوں؟ "اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ بِغَیْرِ حِسَابٍ" کی عظمتیں نظر نہیں آئیں کہ ان نفوسِ قدسیہ کے لیے تو حساب و کتاب گنتی و شمار کے تمام پیمانوں کو لپیٹ دیا گیا ہے۔ اگر عالمین کی خلاؤں کا تصور کیا جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کے آگے پیمائش اور ترازو بہت چھوٹے ہیں اتنا کچھ ملا ہے کہ امام الصابرین حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اور ان کے رفقائے کار کو حسد کی آگ میں جلنے والوں کو نہ اس وقت کچھ میسر آیا نہ آج آ سکتا ہے۔

اہلِ علم کو "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" کی تصدیق باری تعالیٰ کیوں نظر نہیں آتی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حبیب جنھوں نے آپ سے وفا کی یہی لوگ سچائی کی اعلیٰ معراج پر ہیں اور تقویٰ انہی کا خمیر ہے۔ حبیب ہم یہ سچائی کا اعتراف کرتے ہیں اسے عظمت دیتے ہیں دیکھو ہم نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم کو بھی اپنی محبت کی عظمت میں کہا اور ابراہیم کو دکھایا تو آپ کو خواب تھا مگر آپ نے اسے حقیقت بنا کر دکھا دیا۔ تو ہم بھی آپ کی اس محبت کی عظمت کو لازوال وجود دیں گے اپنے قرآن کی آیات کا حصہ بنائیں گے۔ "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا" اے میرے خلیل نے تو حد کر دی خواب کو سچ کر دکھایا۔ "سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ" سلام ہو اے ابراہیم میرے خلیل آپ پر۔ حبیب ﷺ ذرا دیکھو تو سہی سیدِ بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کہ انھیں کوئی خواب نہیں آیا نہ دکھایا گیا یہ محض فضیلتِ بطحاء حضرت عبدالمطلب سے کیے ہوئے وعدے پر ڈٹ گیا ہے پچاس سال سے عہد وفا پر قائم ہے ہر موت کو گلے لگانے کے لیے آمادہ ہے۔ جعفر، طالب و علی کو آپ کی خاطر ذبح کرانے پر تلا ہوا ہے۔ عون محمد کی قربانی اسی کے جذبوں کا تسلسل ہے۔ حسنین کی شہادتوں کا حقیقی امین یہی ہے۔ حتیٰ کہ علی اصغر کی معصوم قربانی بھی اسی نفسِ محترم کے سچے پیار کا ذخیرہ ہے۔ عباس علمبردار کی قربانی بھی اسی کی وفا کا تسلسل ہے۔ پورے کفارِ مکہ کے سامنے تن تنہا ڈٹ گیا شعب ابی طالب کی سختیوں سے بھی عالمِ پیری میں نبرد آزما ہے۔ محبوب اس نے قربانیاں دیتے ہوئے بندہ ہو کر کبھی گنتی نہیں کی ہم تو مولا

ہیں ہم عطائے عظمت میں کیوں گنتی کریں۔ یہ ان دیکھی حقیقت پر تل گیا ہے نہ اسے الہام کیا گیا نہ خواب دکھایا گیا ہے یہ محض ہمارے اعتماد پر ڈٹ گیا ہے۔ بولے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دینے میں کہاں سے شروع کریں؟ لہٰذا اس کے پیار کی کوئی حد نہیں ہم بھی بے حد و بے حساب نوازشات اس پر فرماتے رہیں گے۔ یہ فردِ محبت میری اور آپ کی عطاؤں کا واحد مہبط ہے۔ بھلا آپ کے کفیل سے ہم کیسے اپنی رحمتوں کا رُخ موڑیں۔ تکفیر کرنے والو بتاؤں تم میں سے کس کا نصیب ہے ایسا؟

فصل ثالث:

نبوی نسبتوں کا حیاء اور قرآن عظیم

نبوی نسبتوں کا احیاء و تقدس اور قرآن عظیم اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کا مقام رفیع

قارئین محترم! اسکین نے جستجو کی قرآن مجید میں تو بہت ساری حقیقتیں ایسی نظر آئیں کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بہت معمولی تھیں مگر جب ان کی نسبت کسی عظمت والی حقیقت کے ساتھ ہوئی تو وہ معمولی حقیقتیں بھی عظیم گردانی گئیں۔ ہر زمانے میں ان کا تقدس مسلم رہا۔ ان کا احترام قائم رہا۔ ادیان کا حصہ عظمت رہا۔ حرمت مآب رہا۔ ان کی روحانی برکات پر یقین کیا جانے لگا۔ قرآن کریم نے انھیں بڑی تکریم دی خود اللہ تعالیٰ نے اسے پذیرائی بخشی۔ اُن میں سے چند ایک نسبتوں کا ذکر عرض کرتا ہوں تاکہ اہل علم کو اندازہ ہو پائے کہ وہ نسبتیں کس قدر رفعت و شان کی مالک ہیں۔ جن کو چند ایک لمحات وجود نبوت سے نسبت ملی وہ بھی عارضی مگر پھر بھی ان کو یہ عظیم الشان مقام و مرتبہ ملا پھر ہم ان مفضول نسبتوں کی عظمت و فضیلت کو مقیس علیہ بنائیں گے۔ کیونکہ ان کی فضیلت و عظمت منصوص ہے۔ ان منصوص علیہ نسبتوں پر قیاس کریں گے۔ جو ان تمام تر نسبتوں سے افضل ترین نسبت ہے۔ جب مفضول نسبتوں کی یہ عظیم الشان شان ہے تو پھر افضل ترین نسبت کی کتنی رفیع الشان شان ہوگی۔

پہلی نسبتِ نبوی اور قرآن کریم

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نوزائیدہ لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ مکرمہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کو بے آب و گیاہ وادی مکہ میں اجنبی چھوڑ کر چلے گئے۔ مختصر سامان زیست مہیا کیا جب مہیا کردہ سامان خورد و نوش ختم ہو گیا تو پانی کی عدم دستیابی پر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا حلق مبارک حالت شیر خوارگی میں خشک ہوا اور والدہ کریمہ کی چھاتی مبارک میں دودھ بھی خشک ہو گیا۔ پیاس بجھانے کے لیے پانی کی ایک بوند تک نہ تھی تو ممتا تڑپ اٹھی۔ اِدھر اُدھر دھیان کیا مگر پانی نہ ملا بیتابیاں شدت اختیار کر گئیں۔ فرط محبت سے بی بی صاحبہ مغلوب ہو گئیں اور پہاڑیوں پر چڑھ کر پانی کی تلاش میں بے خود ہو گئیں کہ کہیں پانی ملے کبھی صفا کی پہاڑی پر چڑھتیں کبھی مروہ کی چوٹی پر چڑھتیں۔ یہ سب ایک نوزائیدہ نبی کی خدمت کا حوالہ تھا جن کی پشت مبارک میں نبی آخر الزماں ﷺ کا نور موجزن تھا۔ ان چند لمحات کی بے تابیوں کو قدرت نے یہ شان بخشی کہ قرآن مجید کی آیت بنا ڈالی۔ لازوال کمال بخشا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے قیامت تک یہ پہاڑیاں تقدس مآب ہو گئیں فرمایا "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" بے شک ہم نے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کو اپنی نشانیاں بنا دیا۔ یہ شعائر اللہ ہیں۔ کائنات کے باسیوں کو بیدار فرمایا کہ ہم نبی کی خدمت کرنے والوں کو یہ شان دیتے ہیں کہ ان کی گزرگاہوں کو اپنی شان والی

حقیقت ... بنا دیتے ہیں جیسے ہم نے ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خدمت کرنے والی ان کی والدہ محترمہ کے قدمین رحمت سے [...] گئے والی پہاڑیوں کو اپنی محبتوں کی نشانیاں قرار دیا ہے۔ یہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ لہٰذا ان کی تعظیم کرو۔ گویا طے [کر] دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں واجب التعظیم ہیں اور پھر ان کی تعظیم کرنے والوں کو طہارت قلب کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔

اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرنے والوں پر انعامات کی بارش

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری پر انعامی تحائف یقینی تحفہ قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم بھی دیا ہے اور اس پر ایک عظیم الشان انعام کا اعلان بھی فرمایا ہے۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ تعظیم کا عمل بھی روحانیت سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر اعلان کردہ انعام بھی روحانی ہے۔ ارشاد فرمایا

"ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ" (سورۃ الحج: ۳۰)

جو اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا دامن بھلائیوں سے بھر دے گا۔

پھر ارشاد فرمایا

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝" (سورۃ الحج: ۳۲)

(کائنات کے باسیو) جس نے بھی تم میں سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کی یقیناً اللہ تعالیٰ اس کا دل تقوے کے نور سے بھر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب عظمتیں اس شخص کے لیے ہیں جس نے اُس کی نشانیوں کی تعظیم کی۔ مذکورہ نشانیوں کی نسبت براہ راست سیدہ کریمہ طیبہ طاہرہ اُم النبی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ہے اور اُن کی نسبت براہ راست سیدنا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام سے ہے۔

قارئین محترم! اب اسی تصور میں ذرا آگے بڑھیے اگر ایک پتھر کے پہاڑ نے یہ شرف پایا کہ چند لمحے اس پر نبی کی ماں نے جذباتی طور پر قدم رنجہ فرمایا نبوی خدمت میں تو قیامت تک شعائر اللہ ہونے کا مقام و شرف پایا جس نسبت کا مسکین بیان کر رہا ہے وہ نسبت چند لمحات کی نہیں نبوی وجود سے بلکہ پچاس سال کی تسلسل پذیر نسبت ہے تقدس مآب نسبت ہے عفت و عظمت مآب نسبت ہے۔ بالواسطہ براہ راست نسبت ہے وہ نسبت نصیب کی عظمتوں کی ترجمان نسبت ہے۔ وہ نسبت ہر نسبت سے بلند و بالا نسبت ہے۔ وہ نسبت سید بطحا، مقتدائے عاشقین امام اہل وفا، ناصر رسول، سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نسبت براہ راست امام المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے فطری بھی ہے روحانی بھی ہے یقینی بھی ہے اور اعتقادی بھی ہے۔ پچاس سالہ

محبتیں، قربتیں اور معیتیں رات کو پیکر نبوت سے لپٹ کر سونا دن کو نبوی پیکر کا ان کے ساتھ سمٹ کر رہنا اس کا یقین تو اہل تفسیر نے مجموعی طور پر اپنی اپنی تفاسیر میں بھی کیا ہے۔ "فَاٰوٰی" کی تفسیر میں تمام مفسرین نے "اٰوی ضمک الی عمک" یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کا انضمام اور مسلسل پیوستگی آپ کے چچا کریم کے پیکر عصمت سے کر دی ہے۔

قارئین محترم! اب تو قرآن کریم نے بھی گواہی دے دی سید بطحاء کی تقدس مآب نسبت کی۔ جیسے ہم نے اصحاب کہف سے فرمایا تھا "فَاْوٗاۤ اِلَى الْكَهْفِ" "اے جوانو غار میں پناہ لے لو یا انھوں نے پناہ لے لی۔ آج یہ غار قرآن کی آیتوں کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ قرآن اس عظمت کا خود گواہ ہے۔ اگر غار اہل اللہ کی قیام گاہ بنے تو تمام اہلِ علم کے ہاں وہ محترم ہے اگر دامن ابی طالب علیہ السلام آغوش سید بطحاء پہلوئے رئیس مکہ کو اللہ تعالیٰ پناہ گاہ جہاں پناہ عالم ﷺ بنا دے تو وہ کیوں قابل احترام نہیں؟ واجب التعظیم کیوں نہیں؟ اہلِ علم نے کس حق سے انھیں کفر و شرک سے آلودہ یقین کیا۔ یہ کون ہوتے ہیں حرم نبوت کے فیصلے کرنے والے؟ حیرت اس بات پر ہے کہ قرآن کریم نے بارہا مرتبہ صاحب قرآن سے فرمایا کہ "اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" کہ حبیب مشرکین سے دور رہو مشرکین سے دور رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ مشرکین سے پیوست رہو۔ مشرکین سے دور رہنا رسول اللہ ﷺ پر شرعاً واجب تھا۔ عمر بھر آپ کسی مشرک سے وابستہ اور پیوستہ نہیں ہوئے۔ قرآن کا دوہرا معیار نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک مرتبہ مشرکین سے جدا اور دور رہنے کا حکم دے اور پھر اسی لمحے کہے کہ ایک مشرک کو آپ کی پناہ گاہ بنایا ہے۔ آپ اس سے پیوست رہیں۔ دو متضاد باتیں کرنا قرآن کے تقدس کے ہی خلاف ہے۔ اب اہلِ علم ہی بتائیں کہ جناب ابوطالب علیہ السلام مشرک تھے تو اللہ تعالیٰ نے نجس العین مشرک کے ساتھ عصمت مآب رسول رحمت ﷺ کا انضمام کیوں کیا؟ خود رسول رحمت ﷺ نے آیت نازل ہونے کے بعد جس میں صراحتاً ممانعت تھی کسی مشرک کے ساتھ پیوست رہنے کی چھ سال تک مسلسل حضرت ابوطالب علیہ السلام کی معیت اختیار کیے رکھی اعتماد فرمائے رکھا کیا وحی کے خلاف چلتے رہے۔؟

میرا معاصر اہلِ علم سے سوال ہے اگر ابوطالب علیہ السلام مشرک تھے تو نزول آیت کے بعد صاحب وحی ان سے الگ کیوں نہیں ہوئے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب مشرک طبعاً نجس ہیں تو اللہ تعالیٰ نے پچاس سال تک چالیس سال اعلانِ نبوت سے قبل اور دس سال تک اعلانِ نبوت کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ انضمام کیوں فرمایا؟

اب اس صورت میں دو ہی باتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ یا تو صاحب وحی نے وحی الٰہی کو توڑنے کا نعوذ باللہ ارتکاب کیا ہے ایک مشرک کے ساتھ پیوست رہے ہیں۔ یا پھر سید بطحاء کامل الایمان ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے ان کا عمر بھر انضمام کیے رکھا۔ اپنے محبوب کو اس تقدس مآب شخصیت کے ساتھ تاحیات ملائے رکھا۔ ان کو محبوب کے لیے پناہ گاہ بنائے رکھا۔

اہل علم کو ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یا تو صاحب وحی پر وحی توڑنے کا الزام لگاتے رہیں اور قعر ذلت میں گرتے رہیں یا پھر محسن اسلام و اہل اسلام کی عظمت کا یقین کر لیں۔ پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا، تاہم یہ بات طے ہے کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نسبت کائنات کی تمام نسبتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ پوری کائنات میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس کو وجود نبوی کی اتنی نسبتوں کا تقدس ملا ہو پچاس سال کے شب و روز کی مسلسل خلوتیں، جلوتیں فقط فقط سید بطحاء کا نصیب ہیں۔ یہ ایسی عظیم نسبت ہے جس کی کائنات میں کوئی مثال نہیں۔ جب صفا و مروہ کی بالواسطہ نبی کے ساتھ نسبت کی یہ شان ہے۔ واہ کیا شان سید بطحاء کی نسبت کہ بلاواسطہ نسبت ہے اور نصف صدی کی مسلسل نسبت ہے۔ ان کی کیا شان ہوگی؟ گویا قرآن مجید نے طے کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت کے اعتبار سے سب سے بڑا مرتبہ محسن اعظم حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ہے۔ مگر اگر شپرہ چشم نہ بیند آفتاب آفتاب را چہ گناہ۔ خدا ہوش اور بصیرت کا نور عطا فرمائے۔ آمین

دوسری نسبت نبوی اور قرآن عظیم اور قرآن عظیم

قارئین محترم! کائنات کا محترم ترین مقام کعبۃ اللہ ہے تو پتھر کا بنایا ہوا ایک مکان مگر چونکہ دست نبوت سے اس کو نسبت ہوگئی تو اسے قبلہ کائنات بنا دیا گیا۔ اس کے ماحول کو نورانی برکتوں سے بھر دیا گیا۔ قرآن عظیم اس کی یوں گواہی دیتا ہے:

"اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ" (آل عمران:۹۶)

اس گھر کی اولیت کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ماحول کو برکتوں سے بھر دیا ہے اور یہ عالمین کے لیے ہدایت ہے۔

"فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ"

اس میں اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیاں ہیں۔ قدرت کی معرفت کے لیے خصوصاً

"مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ"

اس حرم کی عظمت یہ ہے کہ اس میں مقام ابراہیم کی برکتیں بھی موجود ہیں۔

"وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا" (آل عمران:۹۷)

جو اس میں داخل ہو گیا امان پا گیا۔ اللہ اکبر کیا کمال ہے نبوی نسبتوں کا ان کی تعظیم کرنے سے انسان خدا کی پناہ میں آجاتا ہے۔ امان میں آجاتا ہے ویسے تو سارا حرم ہی جائے پناہ ہے۔ مگر قرآنی اسلوب بیان نے ایک سربستہ راز کھول دیا ہے مقام ابراہیم بیان کرتے ہی معاً امن کی ضمانت دے دی گئی۔

مقام ابراہیم کا دینی تقدس

ویسے تو نسبت نبوی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قرآن مجید میں اس کا روحانی مقام بیان فرمایا ہے کہ اس کے قرب وجوار میں امن ہی امن ہے۔ دونوں جہانوں کی حفاظت ہے مگر اس کی دینی تکریم یہ ہے کہ

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى"

اے اہل ایمان جہاں میرے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگے ہیں وہاں تم اپنی جبینِ نیاز کو جھکا دو یعنی اس کی قربتوں میں نماز ادا کرو۔ اللہ اکبر۔

یہ ہے قدمین نبوت کی نسبتوں کی عظمت و برکت۔

مگر آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے　　دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

آج تک وہ پتھر حرم کعبہ کی زینت بنا ہوا ہے ہر مولوی چار و نچار اس کی زیارت کرتا ہے۔ مبداء بصیرت سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جب نگاہِ عظمت اس پر پڑی اس کی برکتوں کا مشاہدہ فرمایا نسبت نبوی کا تقدس ذہن میں آیا تو دورانِ طواف فرطِ جوشِ محبت و ایمان سے بارگاہ نبوت میں عرض کر دی کہ آقا میرا دل چاہتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے خلیل علیہ السلام کے قدم لگے ہیں میں وہاں اپنا سر رکھوں؟ ابھی حضور ناز میں تمنائے نیاز سے اپنی چاہتوں کا اظہار کیا ہی تھا کہ قبولیت کی معراج مل گئی بارگاہ قدس سے آواز آئی کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں ان کے پیار میں سچائی ہے۔ انھیں اجازت دے دو ایسا کر گزریں۔ ہم ان کی ان محبتوں کو قیامت تک تازہ رکھیں گے۔ ہر حاجی تکمیل طواف کے بعد یہاں ایسا ہی کرے گا۔ جیسا آپ کے عمر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ ہم ان کی نسبتوں کا تقدس بھی قیامت تک زندہ رکھیں گے۔ انھوں نے نسبت نبوی کا احترام کیا ہے ہم قیامت تک ان کے اس حوالے سے ان کی محبت کا احترام کرواتے رہیں گے۔ حکم فرمایا۔ اے کائنات کے باسیو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی محبت کی اتباع کرو جیسا انھوں نے نسبت نبوی کی عظمت میں کیا

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى"

مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ یہی تمہارے لیے امنِ عامہ کی ضمانت ہے۔

قارئین محترم! یہ ہے مقام نسبت نبوی کہ ایک پتھر نے چند لمحے نبی کے تلوؤں کے بوسے لیے تو یہ مقام پایا کہ اس کی عظمت کو قرآن کی آیات کا عنوان بنایا گیا۔ اس کے اردگرد کو برکتوں سے بھر دیا گیا۔ وہاں اہل عرفان کے دل جھکا دیے گئے سر تعظیم سے جھکا دیے گئے۔ قیامت تک دائمی تقدس بخشا گیا۔ کعبۃ اللہ کی زینت بنایا گیا۔ حرم کعبہ میں سجایا گیا۔ اب آیئے ذرا اس تصور نسبت کو سامنے رکھیے۔ جس نے نبی خلیل اللہ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کی چند لمحے تلیاں چومیں جماد ہے پتھر ہے فطرتاً شعور نہیں رکھتا مگر شعور کی معراج پر پہنچا ہوا ہے آج اُمت کو شعور نسبت و محبت کا درس دے رہا ہے عین کعبہ میں خاموش معلم بنا ہوا ہے

عقیدہ کی تعظیم میں دلیل بن کر اپنی آیتوں کو بیان کر رہا ہے وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس کی نسبت نبی خلیل اللہ علیہ السلام کی قرآن اس کی ہوئی کو چومنے کے حوالے سے معروف ہے ادب میں اپنا جمادی سینہ نرم کیے ہوئے ہے۔ سلام اس کے لبوں پر جن سے اس نبی کے تلووں کو چوما ہے۔

کے بی چند لمحے۔ پھر یوں سلام ہوں اُن لبوں پر جنھوں نے تاجدار کائنات سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طٰہٰ والی پیشانی کو بوسے دیے والضحیٰ کے رُخساروں کو بوسے دیے۔ "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ" والی زبان کو بوسے دیے۔ ید اللہ والے ہاتھوں کو بوسے دیے۔ وجہ اللہ والے چہرے کو بوسے دیے۔ الم نشرح والے سینے کو بوسے دیے اور مقدس سینے سے لپٹ کر راتوں کو سوئے۔ کبھی کبھی بچپن میں حبیب خدا کو کندھوں پر بھی اٹھایا ہوگا ننھے ننھے پاؤں مبارک منہ کی جانب لگے ہوں گے۔ سید بطحا نے یقیناً ان مبارک پاؤں کی ننھی پھبن کو بھی بوسے دیے ہوں گے۔ پھر یہ نسبت محض بوسوں تک نہیں رہی بلکہ خدمت، تربیت، حفاظت، حمایت اور نصرت تک چلی گئی۔ یہ عظیم نسبتیں چند لمحات پر مشتمل نہیں بلکہ پچاس سال کی مسلسل نسبتیں ہیں۔ میں اہل علم کو چیلنج کے طور پر کہتا ہوں کہ آیئے کسی کے دامن میں یہ طویل اور تسلسل پذیر عظیم نسبتیں ہیں تو سامنے آئے۔ پوری کائنات میں اگر ایسا کوئی حوالہ ہے تو سامنے لے آئیں ہم اپنا قلم روک لیں گے۔ رہی تمہاری مصنوعی روایتیں تو آپ ان میں قیامت تک ثبوت کے اعتبار سے قطعیت نہیں پیدا کر سکتے اور جب تمہاری مصنوعی روایتیں خود مفید یقین نہیں ہو سکتیں تو ان کے مضمون پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے؟ خدارا! بس کرو اب تکفیر ابی طالب علیہ السلام کے ڈرامے کو بند کیا جائے۔ بہت کچھ ہو گیا۔ اب اہل محبت کچھ بھی نہیں ہونے دیں گے۔

قارئین محترم! آپ جب ان نسبتوں کا تدریجی تصور قائم کریں گے تو سید بطحا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نسبت کائنات کی تمام نسبتوں سے افضل واعلیٰ نظر آئے گی۔ جب مفضول نسبتوں کی یہ شان ہے تو افضل ترین نسب کا کیا مقام ہوگا۔ اللہ اکبر۔

تیسری نسبت نبوی اور قرآن عظیم

جب بنی اسرائیل کو ان کی نازیبا حرکتوں کی وجہ سے گرد وغبار کی طرح بکھیر دیا گیا تو عرصہ بعد انھیں اپنی شیرازہ بندی کا پھر سے احساس ہوا کہ وہ اپنی قومی عظمت میں اپنا وجود قائم کر سکیں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکیں اور اپنے مقبوضہ علاقے واگزار کرا سکیں اس پر اُس وقت کے نبی علیہ السلام نے جناب طالوت علیہ السلام کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا قوم نے اس فیصلے پر اعتراض کیا کہ یہ کنگال شخص ہمارا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہم اس سے زیادہ حق رکھتے ہیں تاجوری کے کیونکہ ہم صاحب ثروت ہیں۔ جواباً نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جس کو تم کنگال کہتے ہو یہ نعمت علم سے بھی مالا مال ہے اور جسمانی طور پر بھی مضبوط ہے اس سب کے باوجود بھی مرضی الٰہی میں یہی طے ہے۔ اس پر قوم نے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے تو اعتماد و

یقین کے لیے ہمیں کوئی نشانی دکھائی جائے؟ اس وقت کے نبی علیہ السلام بولے جسے قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا:
"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ" (البقرہ: ۲۴۸)

۱۔ ان کے نبی (شمویل) نے کہا تمہارے پاس بطور نشانی ایک صندوق آئے گا طالوت کی بادشاہت کا یقین دلانے کے لیے۔
۲۔ اس میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بقیہ جات ہوں گے (کپڑے، عصا، جوتے وغیرہ اور دیگر چیزیں)
۳۔ اس صندوق کی یہ شان ہوگی کہ اس کو نور کے فرشتوں نے اپنے کندھوں پر ادب سے اٹھا رکھا ہوگا۔
۴۔ اس میں تمہارے لیے یقین کی نشانی ہوگی اگر تم میں عظمت یقین ہو تو۔

قارئین محترم! (۱) اب یہ واضح ہوا کہ نبی کی نسبت والی چیزوں کی یہ شان ہے کہ نسبت نبوی کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ نے تخت شاہی بھی عطا فرمایا۔ نعلین نبی کی برکت سے لوگ تاجدار بنائے جاتے ہیں۔
۲۔ وہ عظمت یقین کا باعث ہوتی ہے۔
۳۔ اس نشانی میں تسکین قلب کا نور بھی موجود ہوتا ہے۔
۴۔ وہ نسبت والی چیز اتنی عظیم الشان ہوتی ہے کہ اس کی تکریم کے لیے اللہ تعالیٰ نے نور کے فرشتوں سے فرمایا ہے کہ ان نسبت والی چیزوں کو اپنے نوری کندھوں پر اٹھاؤ۔
۵۔ وہ اہل ایمان کے یقین کا باعث بھی بنتی ہے۔

یہ عظمتیں تمام منصوص قرآنی ہیں اور اہل علم کے ہاں مسلّم بھی ہیں مگر یہ تمام نسبتیں وقتی تھیں تاہم پھر بھی نبوی نسبت کے اعتبار سے اتنا بلند مقام پایا ذرا اسی تصور نسبت میں نسبت سید بطحا، پر بھی غور فرمائیں وہ ظاہری اعتبار سے محسن اسلام بھی ہیں اور محسن بانی اسلام بھی ہیں۔ لاتعداد لحاظ کی پیکر نبوی سے فطری نسبتیں بھی اور یقینی نسبتیں بھی ہیں۔ بولیے جناب ہے کسی قلم میں دم خم کہ اس نسبت کا تقدس بیان کر پائے؟ پورا اسلام مقروض ہے بوطلبی پاکیزہ جذبات کا۔ مگر پھر بھی اہل علم ان کی بابت تخ تواہیں دو بھی مصنوعی روایات، سازشی روایات واہی روایات کے پیچھے چھپ کر۔ حیرت ہے اس بات پر کہ اہل علم ان مصنوعی روایات کے کل پرزے سیدھے رکھنے کے لیے بڑی تگ و دو کرتے ہیں مگر حرم نبوت کا تقدس شاید ان کے ہاں اس اعتبار سے قابل برداشت نہیں؟ جو نہایت افسوس ناک ہے۔

چوتھی نسبت نبوی اور قرآن عظیم

شہر مکہ جو کائنات کا مقدس ترین مقام ہے وہاں قبلہ ہے، منیٰ اور مزدلفہ وعرفات کی پاکیزہ وادیاں ہیں، کعبۃ اللہ ہے، آب زم زم ہے، مطاف ہے، صفا ومروہ ہے، حطیم ہے اور بہت ساری عظمتیں ہیں مگر کسی عظمت کے حوالے سے اس شہر کی مجموعی حیثیت اور

مقدمہ
آزادی کی قسم یاد نہیں فرمائی۔ اگر اس کے مجموعی تقدس کی قسم یاد فرمائی ہے تو فقط نسبت نبوی کے تقدس کی بناء پر فرمایا

"لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾" (البلد:۱،۲)

حبیب ﷺ تو اس کی عظمت کی قسم اس لیے اٹھائی ہے اس کی گلیوں نے تیری تلیوں کو چوما ہے۔

پانچویں نسبت نبوی اور قرآن عظیم

مدینہ طیبہ کا تقدس تو مکہ سے بھی زیادہ یقین کیا جاتا ہے یہی وہ شہر ہے جو بیماریوں کی آماجگاہ تھا۔ محبوب خدا ﷺ نے اس شہر میں قدم رنجہ فرمایا تو اس نسبت کی برکت سے اسے دارالایمان کا ٹائٹل دیا گیا۔ مکہ سے دوگنی برکتوں و رحمتوں سے معمور کر دیا گیا۔

"وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ" (الحشر:۹)

اور جنہوں نے (نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے) پہلے اس شہر مدینہ اور ایمان میں گھر بنالیا۔ وہ دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے۔ بلکہ اس شہر میں حفاظت ایمان کی ضمانت دی گئی۔

چھٹی نسبت نبوی اور قرآن عظیم

وہ عورتیں جو پیکر نبوت کے ساتھ عظمت نکاح میں منسلک ہوئیں وہ کائنات کی عصمت مآب، تقدس مآب خواتین عظمت کہلائیں اور امہات المومنین کے پاکیزہ نام سے معنون ہوئیں قرآن کریم اسے یوں بیان فرماتا ہے:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ" (الاحزاب:۶)

نبی مومنوں سے ان کی ذات سے بھی سے زیادہ قریب ہیں اور مالک ہیں۔ اور ان کی بیویاں تمام مومنوں کی مائیں ہیں۔

قارئین محترم! اور بھی بہت ساری نبوی نسبتیں ہیں جن کو قرآن عظیم نے بیان فرمایا ہے مگر بخوف طوالت انھیں بالاستیعاب یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم قرآن کریم نے طے کر دیا ہے کہ وجود نبوت سے منسوب شے کو ادنیٰ سی نسبت بھی صاحب فضیلت و عظمت بنا دیتی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی اس بات پر کہ اہل علم نے ان مذکورہ نسبتوں کی عظمت پر یقین کر لیا مگر عظمت ابوطالب علیہ السلام پر یقین نہیں کیا۔ حالانکہ ان کی نسبت تو پیکر نبوت سے سب سے زیادہ اور افضل ہے۔ میں نے اہل علم کے قواعد میں دیکھا ہے کہ مفضول منصوص حقیقتوں کو مقیس علیہ بنا کر افضل ترین حقیقتوں کو قیاس کیا ہے۔ اس کے بہت سارے نظائر ہیں جن میں ایک نظیر بطور تبرک پیش کیے دیتا ہوں: اہل علم نے عصمت ملائکہ پر عصمت انبیاء کا قیاس کیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ فرشتے مفضول ہیں اور انبیاء علیہم السلام افضل ترین ہیں جو عظمت مفضول میں ثابت ہوگی وہ بدرجہ اتم افضل میں ضرور ثابت ہوگی اور یقین کی جائے گی۔ ان اہل علم کے اس قاعدہ کی روشنی میں مسکین نے یہی قیاس کیا ہے کہ نسبتوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ نسبت سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی افضل و اعلیٰ ہے۔

لہٰذا جو فضیلت مفضول نسبتوں میں ثابت ہوگی وہ فضیلت بدرجہ اولیٰ حضرت ابوطالب علیہ السلام میں ثابت ہوگی۔ ورنہ اہل علم کے تمام قواعد معطل ہو جائیں گے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ نسبت نبوی کے اعتبار سے حضرت ابوطالب علیہ السلام انبیاء کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ خواہ نسبت فطری ہو، نسبت خدمت ہو، حمایت ہو، نصرت ہو یا عظمت ہو، بہر حال نسبت کے اعتبار سے تمام کائنات سے سید بطحاء افضل و اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ کائنات بھر میں اتنی قربتوں کی، عظمت خدمتوں کی، عظمت خلوتوں کی، نسبت جلوتوں کی، نسبت محبتوں کی، نسبت قربانیوں کی نسبت کسی کے دامن میں نہیں جتنی عظمت سید بطحاء، وقار عرب غمگسار نبی، اعتبار رسول حامی اسلام و بانی اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دامن عصمت میں ہے۔ اہل علم کو اس استدلال پر مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں۔ مسکین اس موقف پر وسیع علمی دلائل رکھتا ہے جو اگلی کسی جلد میں عرض کرے گا۔ انتظار فرمائیں۔

نوٹ

آخر میں گزارش ہے کہ ہر نبوی نسبت کا حیاء اہل علم کے ہاں مسلّم ہے برکات مسلّم ہیں حتیٰ فضلات طیبات کا تقدس بھی مسلّم ہے۔ پھر کون سی مجبوری ہے اہل علم کی کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بے مثال لازوال عظیم الشان نسبتوں کا حیا کیوں نہیں؟ احترام کیوں نہیں؟ ان کے تقدس پر اہل علم کو یقین کیوں نہیں؟ رہا ان کے خلاف علمی مواد روایات کا تسلسل وہ تو آپ جان چکے ہیں وہ محض ایک فضول ڈرامہ ہے۔ جھوٹ ہے فراڈ ہے۔ جو ہمارے عظیم بزرگوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ جسے بعد میں آنے والوں نے مکھی پر مکھی مارنے کی روش ترک نہیں کی۔ میرا یقین ہے کہ اگر ہمارے علمی اسلاف کے پاس موجود ذرائع ابلاغ ہوتے تو یقیناً وہ مجھ سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں اس حماقت کی تردید کرتے۔ لہٰذا ان کی طرف سے تکفیری خامہ فرسائی محض اتفاقی ہے اور اپنے سے بڑوں کا علمی اعتماد ہے۔ یا اُن کی جلالت علمی کا رُعب ہے۔ مگر تحقیق ٹھوس، قطعی، یقینی دلائل و حقائق قبول کرتی ہے۔ کسی کا تبحرِ علمی دلیل دین نہیں ہو سکتا۔ دین کے اپنے دلائل ہیں بنابریں میں اپنے علمی بزرگوں کو "مَعْفُوّ" یقین کرتا ہوں۔ اب اگر کوئی جسارت کرے گا تو مسکین اس کا مدمقابل ہوگا بفضل تعالیٰ۔

باب: دوازدہم (۱۲)

کلامِ سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام اور قرآنِ عظیم

باب دوازدہم کا تعارف

اس باب میں کلام سید بطحاء ابوطالب علیہ السلام اور قرآن عظیم، کو بھی تین فصول میں تقسیم کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

فصل اول:

کلامِ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی علمی تقویم

فصل ثانی:

کلامِ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بنیادی عنوانات

فصل ثالث:

کلامِ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت اہلِ علم کا فضول جبری تحکم

فصل اول:

کلامِ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی علمی تقویم

قارئین محترم! حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا کہ تم کلام کروتا کہ تم پہنچانے جاؤ گویا انسان کا کلام کرنا اس کی ذات ہے اس کی گفتگو سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان ضمیر کے اعتبار سے کیسا ہے کلام الٰہی کی عظمتیں ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہیں قرآن اس پر خود گواہ ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا" (النساء:۸۲)

کیا قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو یقیناً اس میں لوگ کثرت سے اختلاف پاتے۔ (قرآن میں اختلاف کا نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے)

بعینہٖ ایسے ہی حضرت ابوطالب علیہ السلام کا کلام بھی ان کی عظمتِ یقین کا گواہ بھی ہے اور ان کی معرفتِ ایمانی کی کامل دلیل بھی ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ آیا واقعتاً یہ کلام انہی کا ہے یا نہیں اس بارے میں اہلِ علم کے دو مختلف طبقات ہیں۔ ایک طبقہ تو یہ یقین کرتا ہے کہ کلام کا اسلوب بیان اور اس میں مندرج مضامین کی شگفتگی اس بات کی شاہد عادل ہے کہ یہ کلام یقیناً سید بطحاء کا ہی ہے جب کہ اہل علم کا ایک طبقہ برملا صراحتاً انکار کرتا ہے مگر دلیلِ انکار نہیں دیتا۔ وجہ انکار یہ ہے کہ سید بطحاء کے اشعار ان کی قلبی روحانی ایمانی ایقانی عظمتوں کے یقینی شواہد و دلائل ہیں اور ترجمان بھی۔ بنابریں قبول نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے زعم باطل میں یہ طے کر رکھا ہے کہ جناب حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مسلمان کسی بھی صورت ماننا ہی نہیں۔ خواہ کچھ ہو جائے خواہ جتنے بھی دلائل اور قرائن سید بطحاء کی عظمت ایقان و ایمان میں گواہ بنیں بس ہم نے نہیں ماننا۔

قارئین محترم! مسکین نے ایسی سنگین ترین صورت حال کے پیش نظر یہی طے کیا کہ چونکہ یہ معاملہ خالصۃً حرم نبوت کا ہے تو اس بابت ہم فیصلہ بھی صاحب نبوت ﷺ سے ہی کروا لیتے ہیں۔

پہلی علمی شہادت

سو ہم نے دربارِ نبوت میں عرض مدعا کیا تو بارگاہ نبوت سے ندا آواز آئی کہ ہاں ہاں یقیناً یہ اشعار جناب عم محترم حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی کے ہیں۔ میں نے ان اشعار کو اپنے بچپن میں بھی اپنے نبوی کانوں سے سنا اور مدینہ طیبہ کی پرنور فضاؤں میں سننا پسند فرمایا اور اس پر فرحت و مسرت کا اظہار بھی فرمایا۔

قارئین محترم! اس واضح صورت حال کے پیش نظر مسکین نے یقین کر لیا کہ یہ کلام یقیناً سید بطحاء سیدنا حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی کا ہے۔ منکرین عظمتِ ابوطالب علیہ السلام کے پاس چونکہ انکار کی کوئی دینی، شرعی اور اخلاقی و قانونی دلیل ہی کوئی نہیں بلا

دلیل دعویٰ باطل ہوتا ہے۔ اس لیے ہم ان کے ذاتی ذہنی اندازوں کو اس حدیث کی روشنی میں مسترد کرتے ہیں۔ امت بھی ایسے فحش اندازوں کو اس حدیث کی روشنی میں مسترد کردے۔ اس حدیث کا حوالہ صحیح بخاری باب الاستسقاء میں ملاحظہ فرمائیں۔ حوالہ صحیح بخاری شرح صحیح بخاری عمدۃ القاری علامہ بدرالدین عینی کا مکمل عربی اقتباس حاضر خدمت ہے۔ مجوزہ مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ:۔ قارئین محترم! ہم نے کلام سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مؤید من الرسول ثابت کر دیا ہے منکرین عظمت ابوطالب علیہ السلام کا اخلاقی علمی فریضہ ہے کہ وہ بھی دلیل سے ثابت کریں کہ یہ ان کا کلام نہیں۔ اور پھر نشاندہی بھی کریں کہ آخر یہ کس کا کلام ہے؟

دوسری علمی شہادت

اس کلام کی دوسری علمی شہادت اس کے مضامین ہیں۔ مکہ کے سنگین حالات کو جن معروضی تناظرات میں بیان کیا ہے قرآن کریم بھی انہی حالات کی منظر کشی فرماتا ہے۔ دس سن نبوی تک جتنا قرآن نازل ہوا اس میں یہی کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا اکثر حصہ مذکورہ حالات کی ہی نشاندہی کرتا ہے۔ گویا کلام ابوطالب علیہ السلام اور کلام خدائے ذوالجلال والاکرام نے ایک ہی صورت حال کو اپنے اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے کلامِ الٰہی کی تائید بھی کلام سید بطحاء کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی بھی اعتبار سے کسی کافر کے کلامِ کی تائید نہیں کرتا۔ اور کوئی کافر ہو کر نبی ﷺ کی اس قدر حمایت و نصرت نہیں کر سکتا۔ اگر قرآنی آیات پہلے نازل ہوئیں تو یہ کلام ان کی وضاحت ہے اگر بعد میں نازل ہوئیں تو وہ اس کی تائید ہے۔

تیسری علمی شہادت

مکی دورِ نبوت میں جس قدر آیات آئی ہیں وہ توحید باری تعالیٰ کے دلائل ہیں۔ نبوی تقدس کے دلائل ہیں۔ قیامت کے احوال آخرت کے یقین کرنے کے دلائل ہیں اور اعلیٰ اخلاق کے دلائل پر مشتمل ہیں۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بھی انہی حقیقتوں کو اپنے اشعار میں بیان فرمایا ہے۔ یہاں بھی کلام الٰہی اور کلام سید بطحاء مقصدیت میں متحد ہیں۔ کسی جہت پر کوئی اختلاف نہیں۔

چوتھی علمی شہادت

قرآن کریم نے کفار مکہ کی خسیس رویوں کی مذمت کی ہے۔ عین ایسے ہی سیدنا ابوطالب علیہ السلام نے اپنے کلام میں کفار کے ان رویوں کی پرزور مذمت کی ہے جو ابلاغ پیغام نبوی میں رکاوٹ تھے۔ خصوصاً اموی غنڈہ گردی کی مربوط مذمت ہے ہر دو کلاموں

اسلوب یکساں ہے مدعا ایک ہے مقصد ایک ہے یہ باہمی مناسبت ہی کلام سید بطحاء کی یقینی تصدیق ہے۔
ہو سکتا ہے کہ اُموی جارحیت کی مذمت ہی ان کی مزعومہ تکفیر کا باعث بنی ہو یعنی سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر اس لیے کی جاتی ہے کہ انھوں نے اس وقت کے اُموی جارحین کی شعروں میں بھرپور چھترول کر ڈالی ہے۔ بنا بریں اُموی جارحیت کو اجتہاد کا درجہ دینے والے اہل علم کا خون جوش میں آیا تو انھوں نے بلا دلیل یقین محسن اسلام حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کافر بنا ڈالا۔ العیاذ باللہ۔

پانچویں علمی دلیل

قرآن کریم نے محبت رسول ﷺ کو اساسِ ایمان قرار دیا ہے۔ کلام ابوطالب علیہ السلام محبت رسول ﷺ کی کامل زندہ اور جاوید تصویر ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کائنات بھر کے لوگوں کی پیکر نبوت کے ساتھ محبت ایک طرف اور سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نبوی پیکر کے ساتھ محبت ایک طرف۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی محبت ہر ایک محبت پر غالب ہے۔ پچاس سال تک حمایت خدمت نصرت اور حفاظت کا طویل تواتر ان کی محبت کا گواہ ہے۔ یہی معراج ایمان ہے۔ اپنے پورے کلام میں اسی عظمت کا درس دیا ہے۔

چھٹی علمی دلیل

قرآن کریم نے مکی حالات میں نصرت وحفاظت رسول ﷺ کا تقاضا فرمایا ہے حمایت وخدمتِ رسول ﷺ کا حکم دیا ہے کلام سیدا ابوطالب علیہ السلام نے بھی انہی عظمتوں کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ اپنے خاندان کو بلکہ پورے مکہ کو اس عظمت کی ترغیب دلائی ہے۔

ساتویں علمی دلیل

قرآن کریم نے آخرت کی بھلائی رسول اللہ ﷺ کی غلامی کے ساتھ مشروط کر دی ہے۔ عین ایسے ہی کلام ابوطالب علیہ السلام میں درس دیا گیا ہے فرماتے ہیں

"شَرَفُ الْقِيَامَةِ وَالْمَعَادِ بِنَصْرِهِ وَيُعَاجِلُ الدُّنْيَا يَحُوزُ السُّؤْدَدَا"

ترجمہ: روزِ قیامت کا شرف وبزرگی محض رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں منحصر ہے اور دنیاوی سرداری کا معیار بھی۔ (فریدی)

نوٹ:۔ قرآن کریم سے تعلق رکھنے والے اہل علم اور قرآن فہمی میں مہارت رکھنے والے اہلِ علم ایک طرف قرآن عظیم رکھیں اور دوسری طرف کلامِ سید بطحاء محسن ملت اسلامیہ حضرت ابوطالب علیہ السلام رکھیں۔ مقصدیت کی بنیاد پر غور فرمائیں گے تو

یقیناً آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ کلام ابو طالب علیہ السلام ہی کہہ سکتے ہیں تاہم میں نے بحمدہ تعالیٰ دلائل قائم کر دیے ہیں منکرین عظمت سید بطحاء کسی یقینی دلیل سے ثابت کریں کہ یہ ان کا کلام نہیں ہم جواب کے پابند ہیں۔ بلا دلیل حقیقت کا انکار ذہنی عیاشی کے سوا کچھ نہیں۔

اہل علم کا خیالی واویلا

بعض اہل علم کے پاس جب کلام سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کا جواب نہیں بن پاتا تو فوراً الزام لگا دیتے ہیں کہ اس کلام کی سند کوئی نہیں۔ میرا کائنات بھر کے اہلِ علم سے مطالبہ ہے کہ آپ کے ذخیرہ علم میں جتنے عربی فارسی اور اُردو اشعار استعمال کیے گئے ہیں آپ نے کتنے اشعار کی سندوں کا اہتمام کیا ہے؟ آپ اپنے اشعار کی سندیں لے آئیں ہم کلام ابو طالب علیہ السلام کی تمام اسناد آپ کو پیش کر دیں گے۔ الحمد اللہ! ہم نے کلام ابو طالب علیہ السلام کو جن ماخذات سے لیا ہے مکمل اسناد سے لیا ہے۔ جس کی تفصیل شرح کلام سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام میں آپ کو پیش کریں گے۔ خصوصاً معاصر اہل علم کو یہ سودا مہنگا پڑے گا کیونکہ ان کے پاس کلام سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کے انکار کی کوئی علمی معقول وجہ ہی نہیں نہ ہی دلیل ہے بلا دلیل دعویٰ باطل ہے باطل ہے۔ باطل ہے۔ تاہم جن اشعار کو یہ اہل علم استعمال کرتے ہیں اپنی تقریروں میں، تحریروں میں حسب ضابطہ ان پر ان کی اسناد مہیا کرنا ضروری ہے ورنہ کلامِ ابو طالب علیہ السلام کے خلاف یاوا گوئی، ہرزہ سرائی چھوڑ دیں۔

ایک اور واویلا

بعض اہل علم جب سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کی عظمت یقین کا بلا دلیل انکار کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کے اشعار میں شہادتین کا مضمون نہیں ہم ان کے اشعار کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں مانتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ محض عصبیت ہے کیونکہ کلامِ سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کے کثیر اشعار شہادتین ہی کا مضمون اور مفہوم دیتے ہیں۔ اگر شپرہ چشم نہ بیند آفتاب آفتاب را چہ گناہ۔ عصبیت کی سیاہ عینک سے ہر شے سیاہ نظر آتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کا اسلام ان کے اشعار کا مرہون منت نہیں بلکہ ان کا اسلام سورج سے زیادہ روشن تواتر سے ثابت ہے کیونکہ مکی دور کے اسلام کے چار بنیادی عناصر تھے جو کہ اگلی فصل میں آرہے ہیں

فصل ثانی:

کلامِ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بنیادی عنوانات

کلامِ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے بنیادی عنوانات

۱۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ حمایت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳۔ نصرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۴۔ خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رہا توحید باری تعالیٰ کا یقین یہ ان کی سرشت تھا، فطرت تھا اسی لیے یہ عظمت یوں گنگناتے رہے عمر بھر۔

مَلِيكُ النَّاسِ لَيْسَ لَهُ شَرِيكٌ   هُوَ الْوَهَّابُ وَالْمُبْدِئُ وَالْمُعِيدُ

وَمِنْ تَحْتِ السَّمَاءِ لَهُ بِحَقٍّ   وَمِنْ فَوْقِ السَّمَاءِ لَهُ عَبِيدُ

سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کا ایمان اسلام تو مکمل تواتر سے ثابت ہے کیونکہ مذکورہ بالا عظمتیں پورے تواتر سے ثابت ہیں اس لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں اور یہ حقیقت تو غیر بھی مانتے ہیں۔

اہلِ علم کا ایک وہم اور اس کا ازالہ

بعض اہل علم اپنی علمی بے بسی کو چھپاتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کرنا، نصرت کرنا، خدمت کرنا، محض خونی طرف داری تھی، خاندانی احساس تھا۔ اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی سب سے بڑا عصبیتی وہم ہے۔

قارئین محترم! اگر اس حمایت کو بھی مانا جائے تو یہ بھی معراج ایمان ہے۔ کیونکہ مکی دور کی سنگینی میں ہر طرح کی حمایت خالصتاً دین ہی کی حمایت تھی۔ دیکھئے ابولہب حمایت سے دستبردار ہوا تو کفر کے قعر مذلت میں جا گرا۔ جبکہ سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام اُس وقت سے عظمت وفا کی اعلیٰ معراج پر تھے اسی عظمت کا تقاضا قرآن عظیم کی بیسیوں آیات بینات نے اہل مکہ سے کیا گویا منشائے کلام الٰہی پر ایسے حالات میں پورا اُترتے ہوئے سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام ہی نظر آتے ہیں۔ ان کے لیے کیا یہ کم اعزاز تھا کہ ان کے خاندان میں خاتم النبیین تشریف لائے۔ اسی خاندانی شرف ومجد کو وہ اپنے اشعار میں جا بجا بیان فرماتے ہیں۔ گویا خاندانی حمیت ونصرت بھی دینی تھی کیونکہ جس پیکر نبوی کی وہ حفاظت فرماتے تھے وہی پیکر عصمت ہمہ وقت دین اسلام کی خدمت میں مستعد تھا۔ اس اعتبار سے خدمت، نصرت خونی بھی ان کی دینی یقینی حقیقت میں شامل اول ہے۔ آیئے ہم خود اس شخصیت سے پوچھ لیتے ہیں جس کے ساتھ یہ حالات عملاً بیتے ہیں۔

سوال: ہم بارگاہ بوطلبی میں عرض کرتے ہیں کہ حضور والا آپ کی بابت اہل علم کا یہ خیال ہے کہ آپ کی حمایت محض خاندانی تھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے؟ (فریدی)

جواب:۔ عزیز بیٹے! اہل علم کا ذاتی وہم ہے بلا دلیل ہے۔ یہ لوگ سینکڑوں سال بعد دنیا میں آئے انھیں کیا معلوم حقیقت کیا ہے؟ نہ تو یہ حالات کے عینی شاہد تھے نہ ان کے پاس اس اعتبار سے کوئی دینی دلیل ہے۔ یہ اپنے حجروں میں بیٹھ کر قلم کاری کرتے رہے انھیں کیا معلوم کہ شعب ابی طالب علیہ السلام کے قیامت خیز حالات کیا تھے؟ اہل مکہ کی جفا کا انداز کیا تھا؟ ابتلاء آزمائش کے لمحات کیسے گزارے؟ بس فرق اتنا ہے کہ حجروں میں بیٹھ کر خامہ فرسائی کرنا اور ہے اور میدان میں اُتر کر باطل کے سامنے سینہ سپر ہونا اور ہے۔ ہماری اس جہد مسلسل کی شہادت کربلا سے لے لیجیے۔ اس وقت بھی اہل علم وہاں نظر نہیں آئے۔ بلکہ بعض اہل علم اُموی غنڈوں کو ہمارے قتل کے جواز کے فتوے دے رہے تھے۔ رہا سوال کا جواب تو سنیے

۔ "اُقِیْمُ عَلَی النَّصْرِ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اُقَاتِلُ عَنْهُ بِالْقَنَاۃِ وَالْقَنَابِلِ"

ترجمہ:۔ میں تو استقامت کا کوہ گراں بن کر شان نبوت کی مدد کر رہا ہوں شانِ نبوت کے دشمنوں سے نیزوں اور سامانِ حرب سے لیس ہو کر مکمل تیاری کے ساتھ لڑ رہا ہوں۔

میں نے تو اس وقت اقرار رسالت کیا جب میں تمہارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوریاں دیتا تھا اور ساتھ یہ کہتا تھا

۔ "اَنْتَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ قَرْمٌ اَغَرُّ مُسَوَّدٌ نِعْمَ الْاَرُوْمَةُ اَصْلُهَا عَمْرُوالْخِضَمِ الْاَحْوَدُ"

ترجمہ:۔ (اے ماہ جبین) تو ہی تو تاجدارِ نبوت ہے میرا محمد تو آقاؤں کا آقا ہے۔ نسلِ انسانیت تو آپ کی سرداری کی محتاج ہے۔ آپ کی ولادت تو پاکیزگیوں کے نور میں ہوئی آپ اپنی خاندانی بزرگی میں سب سے اشرف و اعلیٰ ہیں۔ حضرت ہاشم علیہ السلام جیسے فیاض و سخی آپ کے جد کریم ہیں آپ ذات کے اعتبار سے بھی منفرد و ممتاز ہیں اور خاندانی عظمت کے لحاظ سے بھی کائنات بھر میں منفرد و ممتاز ہیں۔

عزیز بیٹو! آپ کے آقا و مولا کا کتنا بڑا اعجاز ہے کہ

۔ "وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ"

ترجمہ:۔ ان کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق فرمایا ہے وہ صاحب عرش محمود ہے اور یہ ذات والا صفات محمد ہیں۔

عزیز بیٹو! میرے نزدیک نبوت اور پیکر نبوت دو مختلف حقیقتیں نہیں کہ میں محمد کی حفاظت کروں اور نبوت کو بے یار و مددگار چھوڑ دوں ایسا ہرگز نہیں بلکہ

۔ "مَنَعْنَا الرَّسُوْلَ رَسُوْلَ الْمَلِیْكِ بِبِیْضٍ تَلَأْلَأُ لَمْعَ الْبُرُوْقِ

۔ اُذَبُّ وَاَحْمِیْ رَسُوْلَ الْمَلِیْكِ حِمَایَةَ حَانٍ عَلَیْهِ شَفِیْقٍ"

ترجمہ: میں نے تو اللہ تعالیٰ مالک الملک کے رسول ﷺ کی حفاظت کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کا پیغام لے کر تشریف لائے۔ ہم نے ان کا دفاع اپنی آبدار تلواروں سے مقابلہ کیا جو دشمنوں پر آسمانی بجلی کی طرح گرتی تھیں۔

ہم نے ان تلواروں سے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ کا دفاع کیا اور دین حق کی حمایت کی ایک مخلص اور شفیق انسانیت کی حفاظت کی بلکہ اپنے مرنے کے بعد بھی ہم نے ان کی حفاظت کا انتظام کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے ہم اپنے بعد یہ ذمہ داری بطور وصیت، اللہ کے شیروں کے سپرد کی ہے۔

"أُوصِي بِنَصْرِ النَّبِيِّ الْخَيْرِ مُشْهِدُ ۔۔۔ عَلِيًّا ابْنِي وَعَمَّ الْخَيْرِ عَبَّاسَا"

"وَحَمْزَةَ الْأَسَدَ الْمَخْشِيَّ صَوْلَتُهُ ۔۔۔ وَجَعْفَرًا أَنْ تَذُودُوا دُونَهُ النَّاسَا"

ترجمہ: میں وصیت کرتا ہوں میرے غیور بیٹے علی اور عظیم الشان چچا جو عباس ہیں اور حضرت امیر حمزہ جن کی ہیبت سے سب لرزاتے ہیں کانپتے ہیں اور حضرت جعفر جو میرے پُراعتماد بیٹے ہیں۔ آپ سب اس نبی مکرم جن کا دامن ہر خیر سے بھر دیا گیا ہے اس کی بھرپور مدد کرنا خدمت کرنا حفاظت کرنا۔ کرگس کی نظروں کو ان تک نہ پہنچنے دینا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عظیم رسول ہیں۔ ساری بھلائیاں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا

"وَهَاشِمًا كُلَّهَا أُوصِي بِنُصْرَتِهِ ۔۔۔ أَنْ يَأْخُذُوا دُونَ حَرْبِ الْقَوْمِ أَمْرَاسَا"

"كُونُوا فِدًى لَكُمْ نَفْسِي وَمَا وَلَدَتْ ۔۔۔ مِنْ دُونِ أَحْمَدَ عِنْدَ الرَّوْعِ أَتْرَاسَا"

ترجمہ:۔ اے ہاشمی سپوتو! میں تمام ہاشمیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تم سب مل کر نبی آخر الزماں کی مدد و نصرت کرنا ان کے نبوی کاموں میں اگر کائنات بھر کے لوگ ان کے خلاف جنگ پر کمربستہ ہو جائیں تو تم کائنات بھر کے لوگوں سے دلیری کے ساتھ ٹکرا جانا اور خود کو محمد کریم پر قربان کر دینا۔ اے محمد کریم میری جان اور میری اولاد آپ پر قربان ہو آپ کی حمایت میں لڑنے والوں پر قربان ہو جو خطرات میں آپ کے بازو بنیں سب پر قربان ہو۔

عزیز بیٹو! میں ہی اسلام کا سب سے پہلا سفیر ہوں۔ میری سفارت تو اسلامی ریاست کے قیام سے بھی پہلے جاری تھی۔

اسلام کے سب سے پہلے سفیر

سفارتکاری ریاست کا اہم ستون ہوتا ہے۔ اسلام کی ریاستی عظمت اگرچہ اعلانیہ طور پر مدینہ طیبہ میں ہی قائم ہوئی تھی مگر اصولی طور پر نزولِ وحی کے ہوتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ عرب اور غیر عرب میں سب سے پہلے سفیر ہونے کا شرف جناب ابوطالب علیہ السلام کو ہی میسر ہے۔ مکۃ المکرمہ میں تو اپنی حکیمانہ بصیرت کے ساتھ وہ کام کر ہی رہے تھے کفار کی تلخیوں کو اپنی مدبرانہ عظمت کے ساتھ دفع کر ہی رہے تھے مگر بیرون ملک بھی اپنی مومنانہ بصیرت کا لوہا منوایا۔ جس کا ایک مختصر منظر حاضر خدمت ہے۔

حبش کے بادشاہ نجاشی کے نام اپنا ایک سفارتی پیغام بھیجا جسے یوں بیان فرمایا:

اَتَعْلَمُ مَلِكَ الحَبْشِ اَنَّ مُحَمَّدًا نَبِيٌّ كَمُوْسٰى وَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمِ

اَتٰى بِهُدًى مِثْلَ الَّذِيْ اَتَيَا بِهٖ وَكُلٌّ بِاَمْرِاللّٰهِ يَهْدِيْ وَ يَعْصِمِ

وَ اِنَّكُمْ تَتْلُوْنَهٗ فِيْ كِتَابِكُمْ بِصِدْقِ حَدِيْثٍ لَا بِصِدْقِ تَرَجُّمِ

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ نِدًّا وَ اَسْلِمُوْا وَ اَنَّ طَرِيْقَ الْحَقِّ لَيْسَ بِمُظْلِمِ

ترجمہ: اے شاہِ حبشہ خوب یقین کر لے بے شک محمد ﷺ حق کے نبی ہیں برحق نبی ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ نبی محمد ﷺ ہدایت کا نور لے کر تشریف لائے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے حکم سے ہے۔ ظاہر ہے تمام انبیاء خدا تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو ہدایت بھی دیتے ہیں اور ہدایت کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور یہ بات تم خوب جانتے ہو اور اپنی سچی کتابوں میں تلاوت کرتے ہو۔ پس آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ بلکہ اسلام قبول کر لو کیونکہ حق کا راستہ اتنا روشن ہے کہ اس میں کہیں بھی کوئی اندھیرا نہیں۔

عزیز بیٹے! بعض اہل علم نے میرے ایمان کا انکار کیا ہوا ہے اور بعض اہل علم نے یہ ذہن بنا رکھا ہے کہ میں ساتر الایمان ہوں یعنی میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ یہ اہل علم کا ذاتی خیال ہے اور بلا دلیل ذاتی اندازے ہیں کسی کے پاس کوئی مفید یقین دلیل نہیں۔ بلکہ میرا اسلام اور میرا ایمان تو سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔

میں نے اندر چھپ چھپ کر آمادگی محبت کا اظہار نہیں کیا اپنے دین کو چھپایا نہیں۔ ہم بنو ہاشم ہیں للکارنا ہماری سرشت و فطرت ہے۔ میرے اسلام لانے کی للکار نے پورے مکہ کو لرزا دیا تھا میں نے فضائے مکہ میں برملا بانگ دہل اعلان اسلام کرتے ہوئے یہ کہا تھا

يَا شَاهِدَ الْخَلْقِ عَلَيَّ فَاشْهَدِ اَنِّيْ عَلٰى دِيْنِ النَّبِيِّ اَحْمَدِ

مَنْ ضَلَّ فِي الدِّيْنِ فَاِنِّيْ مُهْتَدِيْ يَا رَبِّ فَاجْعَلْ فِي الْجِنَانِ مَقْعَدِيْ

ترجمہ:۔ اے مخلوق کا مشاہدہ کرنے والے مجھ پر شہادت دے گواہی دینا سب کو بتا دے بے شک میں احمد نبی ﷺ کے سچے دین پر ہوں اگر کوئی بدبخت اس دین سے گمراہ ہے تو یہ اس کی بدبختی ہے بیشک میں تو نور ہدایت کے سمندر میں نہا چکا ہوں اے میرے رب بس اب میرا ٹھکانہ جنت میں بنا دے۔

قارئین محترم! یہ ہے مختصر کلام سید بطحا حضرت ابو طالب علیہ السلام کی روئیداد۔ یہ وہ مؤید من الرسول کلام ہے جس کا انکار کوئی انسان تو نہیں کر سکتا۔ کیا اعجازی شان ہے اس کلام کی کہ اس کے تمام مضامین عین قرآن کریم کی آیات کے مضامین کے عین مطابق اس کی فکری نفسیات نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں بنیادی اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کی شیرینی نے عظمت

یقین کو جلا بخشتی ہے۔ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی اولوالعزمی شوکت اسلام کا باعث بنی ہے۔ غیرت قریش بنی ہاشم نے پورے مکہ کا غرور خاک میں ملائے رکھا۔ صولت بوطلبی نے کفار مکہ کو ناکوں چنے چبوائے۔ اسی لیے ہمارے غیور خدائے ذوالجلال نے انھیں قرآن میں اپنا انتخاب کہا اور ان پر اپنا کامل اُلوہی اعتماد فرمایا۔ انہی کی آغوش محبت والفت میں اپنے محبوب مکرم ﷺ کو براجمان فرمایا۔ کلامِ ابوطالب علیہ السلام چونکہ بعض اہل علم کی مصنوعی فکر سے ہم آہنگ نہیں تھا اسی لیے اس کا انھوں نے بلادلیل انکار کر دیا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اشاریہ

۱۔ کلامِ ابوطالب علیہ السلام کے آخر میں ایک فہرست مضامین دی گئی ہے نمبر شمار کے اعتبار سے سامنے نظم نمبر دیے گئے ہیں۔ متعلقہ عنوان سے متعلق نظم نمبر تلاش کریں اور حسب عنوان کا مفہوم معلوم کریں۔

۲۔ اگر آپ ابتداء تا انتہاء پڑھیں تو مضامین ذرا غیر مربوط ملیں گے مگر حسب حال ملیں گے۔ ہر مضمون الگ سے آپ کی آسانی کے لیے قائم کیا گیا ہے۔

۳۔ ترجمہ پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے مگر ترجمہ نہایت سادہ ہے سلیس ہے اور دلنشیں ہے۔

۴۔ کلامِ ابوطالب علیہ السلام کی مکمل شرح قرآنی آیات کی روشنی میں کئی مجلدات میں تیار ہو رہی ہے۔ انتظار فرمائیں۔

خاص بات

بعض اہل علم نے اپنی مصنوعی فکر کو یقینی بنانے کے لیے سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بعض اشعار کا ناجائز مفہوم قائم کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اشعار ان کے کفر کی واضح دلیل ہیں۔ یہ کتنی شرم ناک بات ہے کہ جس نے شجر اسلام کی آبیاری کے لیے اپنے جگر گوشوں کے خونِ مطہرہ کی ندیاں بہا کر کی ہو، اپنی ساری زندگی قربان کر دی مگر پھر بھی کافر رہا! نعوذ باللہ۔ یہ کتنا سفید جھوٹ ہے اور اہل علم کا دوہرا معیار ہے۔ ان اشعار پر تو اہل علم نے یقین کر لیا جو ان کی مصنوعی فکر سے قدرے ظاہری مناسبت رکھتے ہیں حالانکہ یہ مزعومہ مناسبت بھی مصنوعی ہے۔ مگر حیرت ہے جن اشعار میں فلک شگاف نعرہ مستانہ ہے ان کے ایمان و اسلام کا وہ مقدس اشعار مکفرین اہل علم کی نظر میں نجانے کیوں نہیں ٹھہرتے؟ اب تو نبوی تصدیق بھی آ گئی ہے اور مکفرین کے فرار کا راستہ بھی بند ہو چکا ہے۔ نجانے معاصر اہل علم کیا ردِ عمل دیتے ہیں۔

اہل علم کے مزعومہ تکفیری اشعار

۱ وَاللّٰہِ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنَا

مقدمہ

۲ فَاصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ — وَابْشِرْ بِذٰلِكَ وَ قَرَّ مِنْهُ عُيُوْنَا

۳ وَ دَعَوْتَنِيْ وَ زَعَمْتَ اَنَّكَ نَاصِحٌ — وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَ كُنْتَ ثَمَّ اَمِيْنَا

۴ وَعَرَضْتَ دِيْنًا قَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّهُ — مِنْ خَيْرِ الْاَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنَا

۵ لَوْ لَا الْمَلَامَةُ اَوْ حِذَارِيْ سُبَّةً — لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذٰلِكَ مُبِيْنَا

ترجمہ: اے محبوب خدا کی قسم یہ کفار و مشرکین مکہ میرے جیتے جی آپ کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتے۔ یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔ آپ اپنے دین کی عظمت اپنی رسالت کا پیغام کھلے عام دیں ڈرنے کی ضرورت نہیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کو تکلیف پہنچانے کی کسی میں ہمت ہی نہیں۔ آپ اپنی دینی تبلیغ میں خوش رہیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ آپ نے مجھے دعوت دی اس یقین کے ساتھ کہ آپ میرے لیے ناصح ہیں خیر خواہ ہیں یقیناً آپ سچے رسول ہیں زبان ترجمان حق ہے جو فرماتے ہیں وہی حق ہے اور آپ اپنے منصب مرتبے میں یقیناً امین ہیں اور آپ نے ایسا روشن دین پیش فرمایا میرا یقین ہے کہ یہ دین تمام دینوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کائنات بھر کے ادیان سے بہتر ہے۔ اگر مجھے گالی گلوچ اور ملامت کا خوف نہ ہو (جو آپ پر اور آپ کے خاندان پر کی جائے گی) تو میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا پوری فیاضی کے ساتھ کھلے عام اعلانیہ اس حقیقت کا اظہار کرتا آپ مجھے اعلانیہ اظہار کرنے والا پاتے۔

قارئین محترم! اس آخری شعر سے اہل علم کو وہم ہو گیا ہے کہ جناب سید بطحاء نے دین قبول نہیں کیا۔ اب آپ ذرا تمام اشعار مذکورہ کے مکمل مضمون پر غور فرمائیں گے تو یقیناً آپ کو حقیقت نظر آ جائے گی۔ پہلے چار اشعار میں کھلے عام قبول دین کا واضح اظہار ہے آخری شعر میں صرف اتنا کہا کہ میں ابھی واضح اعلانیہ طور پر اظہار نہیں کرتا مگر خفیہ طور پر مجھے عظمت یقین میسر ہے۔ سیاق کلام واضح کر رہا ہے کہ اپنے ایمان کا اظہار اعلانیہ ہے کیونکہ ایک جملہ ہے "فاصدع بامرك" کہ آپ اپنے سچے دین کو کھلے عام بیان فرمائیں۔ میں آپ کے ساتھ ہر لحاظ سے تائید دین نبوی میں کھڑا ہو گیا ہوں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں اور قرآن کریم بھی اسی جملے کی تائید کر رہا ہے "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" (حجر: ۹۴) حبیب آپ کھل کر اب منظر عام پر آ کر تبلیغ دین فرماؤ اسی کا آپ کو حکم فرمایا گیا ہے۔ اور مشرکین سے قطع تعلق کر لو۔ منہ پھیر لو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نبوی پیغام بالکل خفیہ تھا اور ایسا حکمۃً تھا اور اس کا جواز قرآن خود فراہم فرماتا ہے۔ بلکہ تمام مسلمانوں کو اپنا اسلام چھپانے کا حکم تھا۔ کیونکہ حالات کی سنگینی ہی ایسی تھی اہل علم کا کتنا بڑا دوہرا معیار ہے کہ یہ بات تمام مسلمانوں کے حق بطور جواز قبول کی جاتی ہے اگر کسی عظیم مصلحت اور حکمت کے تحت یہ جملہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام سے سرزد ہو جائے تو طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اگر حکمتاً خاموش رہنا کفر کا باعث ہے تو پھر اُن اہل اسلام کو کیا کا فرمانا جائے گا۔ جنھوں نے اس وقت اپنے اسلام کو چھپائے رکھا تھا۔ یا نبی کریم ﷺ کو چھپ چھپ کر تبلیغ کرنے پر اہل علم کیا سزا سنائیں گے؟ نعوذ باللہ۔

اگر مصلحتاً دین چھپانا کفر ہے تو چار سن نبوی تک کا سارا مکمل دین معاذ اللہ کفر پر مشتمل ماننا پڑے گا جو کہ خلاف اصل ہے۔ اگر ابتداء دین کا اظہار واجب ہے تو خفیہ تبلیغ کیوں کی گئی؟ پھر ان خفیہ مسلمانوں کا کیا بنے گا؟ اس ایک شعر کے ضمن میں سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر بنانے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں؟ رہا یہ بہانہ کہ شاید یہ شعر آپ نے بوقت وفات کہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی کسی کے پاس کوئی یقینی تصدیق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس شعر کا موجودہ مفہوم لینے سے پورے مضمون میں تناقض نظر آتا ہے اور دو نقیضین ایک جا جمع نہیں ہو سکتیں نہ بیک وقت مرتفع ہو سکتی ہیں۔ افسوس اس بات پہ کہ اہل علم کو وہ اشعار نظر نہیں آتے جن میں واشگاف الفاظ میں فلک شگاف نعرہ مستانہ ایمان ہے یہ تواتر بھی نظر نہیں آتا جس کا گواہ قرآن ہے۔ اور نبوی حمایت ونصرت اور خدمت کا مسلسل پچاس سال تک مقدس کردار ہے۔ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کی باہمی محبت کا کامل تواتر بھی نظروں سے اوجھل نظر آتا ہے۔ رہا بعض روایات میں ان کے کفر کا مضمون تو یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ واہیات من گھڑت کہانی کے سوا کچھ نہیں۔ جب روایات بے حقیقت ہیں تو ان میں ناجائز استعمال کی جانے والی آیات کس طرح اس مضمون میں موثر علمی ہو سکتی ہیں؟ سو یہ طے ہوا ہے کہ اس آخری شعر سے کفر ابو طالب علیہ السلام کا استدلال کرنا محض ڈرامہ ہے۔ نرا جھوٹ ہے۔ خاندانِ نبوت کے تقدس پر براہ راست حملہ ہے جو ہرگز برداشت نہیں۔ پچھلے چار اشعار کا مضمون ایک واضح حقیقت ہے حالتِ اکراہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی معتبر ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ خود اس عظمت کی تصدیق ہے۔ اور اس بابت قرآن نے یوں گواہی دی "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ" کہ میرے حبیب عمار بن یاسر کا دل ایمان سے لبریز ہے ان کی زبان سے جو کلماتِ کفر جاری ہو رہے ہیں وہ مجبور کر دیے گئے ہیں ہم ان کی عظمت ایمان کی شہادت دیتے ہیں۔ رہی سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی حالت اکراہ تو وہ سب لوگوں سے منفرد ہے۔ کیونکہ ان کا اکراہ ذاتی اعتبار سے نہ تھا اگر ذاتی اعتبار سے ہوتا تو کئی مرتبہ انھوں نے کفر کے جبر کے سامنے خود کو جھونکا ہے۔ وہ تو حمایت مصطفیٰ ﷺ میں مرنا اپنی شان سمجھتے تھے قربانیاں دینا اپنا وقار سمجھتے تھے۔ قربانیاں بھی کربلا تک دی ہیں۔ قربانیوں ہی قربانیوں کا تسلسل ہے مگر یہ اکراہ ایک انوکھا اکراہ تھا۔ جو اپنی جان کا نہ تھا بلکہ جان مصطفیٰ ﷺ کا تھا اس لیے مصلحتاً یہ کہنا یہ اکراہ بدرجہ اولیٰ دیگر اکراہات سے ہے۔ بنابریں اگر دیگر اکراہات اہل علم نے قبول کر لیے ہیں ہضم کر لیے ہیں تو اس کو بدرجہ اتم قبول کر لینا چاہیے تھا۔ نجانے اہل علم کیوں بپھر گئے؟ اور محسن اسلام سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بلا دلیل تکفیر کر ڈالی جس کا ان کے پاس قیامت تک کوئی یقینی ثبوت نہیں نہ کوئی ایک ایسی آیت ان کے پاس ہے جس کی دلالت قطعی ہو اور نہ ہی کوئی ایک روایت ایسی ہے جس کا ثبوت یقینی ہو سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت۔

نوٹ:۔ اس آخری شعر میں انکار کی کونسی وضاحت ہے جو کفر تک لے گئی ہے؟ اہل علم واضح فرمائیں۔ نہ ہی کسی یقینی دلیل سے ثابت ہے کہ یہ شعر نزعی حالت کا ہے دراصل مکفرین کے ذہنوں میں ہی گرد آلود دھواں ہے اور کچھ نہیں۔ (فریدی)

فصل ثالث:

کلامِ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی بابت اہلِ علم کا فضول جبری تحکم

کلامِ ابوطالب علیہ السلام کی بابت اہلِ علم کا فضول جبری تحکم

پورے کلام ابوطالب علیہ السلام میں صرف یہ آخری شعر ہی ان کی توجہ کا مرکز رہا جس سے ایک مقدس وجود کو بلا دلیل کافر بنا دیا گیا حالانکہ اسی شعر میں سید بطحاء کے ایمان واسلام کا واضح ثبوت ہے۔ آپ اس نظم کے پہلے چار اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ بعد ازاں اس شعر میں غور فرمائیں تو اس شعر میں تصدیق قلبی کی واضح تصدیق ہے۔ مگر پھر بھی اہل علم کفر ابی طالب علیہ السلام پر بضد ہیں یہی جبری تحکم ہے جو نری جہالت ہے۔ دوسری طرف مجموعہ کلام ابی طالب علیہ السلام میں سینکڑوں اشعار ہیں جو صریحاً نص ہیں۔ سید ابوطالب علیہ السلام کی عظمتِ ایمان ویقین میں۔ یہ اشعار اہل علم کو کیوں نظر نہیں آئے؟ نظر آئیں بھی کیسے؟ جب انہی حیثیت سے طے کرلیا ہے کہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر ہی سمجھنا ہے خواہ کچھ ہو جائے۔ یہی جبری تحکم ہے۔ حالانکہ پورا دیوان ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو یقیناً قرآن کریم کا فہم ملے گا۔ منشائے کلام الٰہی کے عظیم تقاضے ملیں گے۔ مگر پھر بھی حضرت ابو طالب علیہ السلام کافر ہیں یہی جبری تحکم ہے۔

نوٹ:۔ میں اکابر اہل علم جو ہمارے اسلاف ہیں ان کو اس حرکت سے معفو سمجھتا ہوں کیونکہ اس زمانے میں ذرائع ابلاغ کی عدم دستیابی تھی۔ مگر اب یہ حرکت ہرگز برداشت نہیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ جب یہ اہل علم اپنے جبری تحکم کا اظہار کرتے ہیں وہاں نہ تو سند کا لحاظ اور نہ سند کی ضرورت محسوس کرتے ہیں مگر جب ان اہل علم کے مصنوعی نظریے کے خلاف بات آتی ہے تو فوراً سند کا واویلا مچاتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بابت ہوا۔ یہی جبری تحکم ہے۔ دیوان متنبی، حماسہ جو داخل درس نظامی ہیں سبعہ معلقات جو ادب عربی کا معیار جانا جاتا ہے مگر کسی بھی دیوان کی سند کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی لیکن دیوان ابوطالب علیہ السلام پر اسناد کا تقاضا کیا جاتا ہے؟ یہ دوہرا معیار سمجھ سے بالاتر ہے۔

کلام ابوطالب علیہ السلام کا اسلوب بیان

شعر وسخن کی دنیا میں کبھی بھی کسی نے یہ قاعدہ وضع نہیں کیا کہ شاعر اپنے کلام کی پہلے سند بیان کرے پھر شعر کہے یا کسی کے کلام کو نقل کرنے والا پہلے کلام کی سند تلاش کرے یا روایت حدیث کی طرح سند کا تسلسل جاری کرے پھر شعر نقل کرے۔ ہر شعر کے لیے الگ سے راویان شعر کا اہتمام کرے۔ پھر راویوں کی چھان بین کرے جرح وتعدیل کی صورت میں مہیا کرے پھر شعر بیان کرے۔ اس طرح کا فن ابھی تک ایجاد ہی نہیں ہوا۔ نہ اس کی کہیں صورت رواج پذیر ہے۔ نہ منکفرین ابی طالب علیہ

السلام نے اپنے ذخیرہ میں اس کا باقاعدہ کوئی انتظام کیا ہے مگر اچانک دھما کہ کر دیا کہ کلام ابوطالب علیہ السلام کی سند کوئی نہیں یہ دوہرا معیار دوراز فہم ہے۔ اکثر اوقات شعر وسخن کی شناخت صاحب کلام کے اسلوب بیان ہی سے معلوم کی جاتی ہے۔ چونکہ وقتی حالات شاعر کو متاثر کرتے ہیں اس کے قلب وروح کو گرماتے ہیں۔ تو قادر الکلام شاعر انھیں اپنے انداز میں نظم کر دیتا ہے۔ پھر مضمون آفرینی معنوی جامعیت اور دیگر اصناف شاعری کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ وغیرہ۔ اصل شہادت وگواہی شعر کا اسلوب بیان ہے۔ آپ جناب ابوطالب علیہ السلام کے اشعار ول کی روشنی سے پڑھیں گے تو یقین ہوگا کہ واقعی یہ انہی کا کلام ہے کوئی دوسرا اسے تخلیق نہیں کر سکتا کیونکہ حالات کی اونچ نیچ کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے حقیقت کے مطابق ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی اس اعتبار سے یہی کچھ بیان فرمایا ہے۔ چونکہ سید ابوطالب علیہ السلام ان حالات کے عینی شاہد ہیں اور ان سے نبرد آزما رہے ہیں۔ بنابریں اس اعتبار سے ان کا کلام جتنا حقیقت کے قریب ہے اور کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ مشک ان باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ خوشبو خود اپنا وجود منواتی ہے کسی عطر فروش کے کہنے سے اس کی عظمت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ کلام ابو طالب علیہ السلام ہی ان کی عظمتوں کا گواہ ہے۔ مزید اس کی تصدیق کی ضرورت ہی نہیں۔ اہل علم کا بلا دلیل اس حقیقت سے انکار کرنا تو وہ محض بیہودگی ہے۔ تعصب ہے۔ کیونکہ آج تک انھوں نے دلیل انکار نہیں دی نہ ہی دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس دلیل انکار ہے ہی نہیں۔ سینکڑوں سال بعد میں آنے والے اہل علم کے اقوال ان کے ذاتی اندازے ہیں۔ اور بلا دلیل ہیں اور بلا دلیل دعویٰ باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم کسی باطل فکر پر اعتماد ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ ہی کرنا چاہیے۔

دلیل

دیکھو قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور نقل متواتر سے ثابت ہے۔ مگر آج تک کسی بھی اہل علم نے اس کی ہر آیت کی الگ سے سند کے اعتبار سے چھان بین نہیں کی نہ کہیں اس کی ہر آیت کے لیے الگ سے سند کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ تواتر کی مقدار دس سے ستر تک کے راویوں کی بتائی گئی ہے۔ لیکن قرآنی آیات میں سے کسی ایک آیت کریمہ کی بابت باقاعدہ الگ کسی سند کا اہتمام نہیں کیا گیا لیکن پھر بھی مانا جاتا ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

پہلی وجہ

یہ ہے کہ یہ کلام معجزہ ہے معجز نما ہے۔ اسے سند کی اصلاً ضرورت ہی نہیں اللہ تعالیٰ اپنی بات منوانے میں اسناد کا محتاج ہی نہیں۔

دوسری وجہ

کلام الٰہی کا طرز بیان خود شاہد ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

تیسری وجہ

اس کلام کے مضامین کی متانت۔ معنوی گہرائی اور عالمگیریت اس پر شاہد عادل ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔

چوتھی وجہ

منصۂ شہود میں اس کا تا ابد قائم رہنا ایک عظیم شہادت ہے کیونکہ کائنات اس کے فیضان کی محتاج ہے۔

پانچویں وجہ

اس کلام کے مفہوم کی جامعیت اور اثر آفرینی اور حلاوت اس کا منفرد مقام ہے اسے کسی تصدیق کی ضرورت ہی نہیں۔

چھٹی وجہ

اس کلام نے جو کچھ کہا وہی کچھ ہوا بے شمار تجربات اس کے گواہ ہیں۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہی کچھ ہو گا رتی برابر اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ گویا کلام الٰہی اپنی عظمتوں کا خود گواہ ہے نہ اسے سند کی ضرورت ہے نہ کسی تصدیق کی ضرورت ہے۔ اس کا اسلوب بیان ہی اس کے یقینی ہونے کی گواہی ہے اور بس۔

اسی طرح کلام ابوطالب علیہ السلام بھی اپنی عظمتوں کا خود گواہ ہے اسے کسی سند کی ضرورت ہی نہیں اسی لیے خود رسالت مآب ﷺ نے اس کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیں:

خلاصہ حدیث نبوی ﷺ

مدینہ طیبہ میں سید دو عالم ﷺ خطبہ جمعہ بیان فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قحط نے ہمیں جلا کر رکھ دیا ہے کوئی سبزہ اُگ نہیں رہا اور اونٹنیوں کی کھیریاں دودھ سے سوکھ چکی ہیں بچے غذائی قلت کی بنا پر موت کے قریب پہنچ چکے زندگی اجیرن ہو چکی ہے خدارا ہمارے لیے بارانِ رحمت کی دعا فرمائیں۔ ہمارے لیے بارش مانگیں کیونکہ آپ کے علاوہ ہمارا کوئی وسیلہ نہیں۔ اس صدا پر کریم آقا ﷺ نے ہاتھ دعا کے لیے بلند فرمائے تو فوراً بارش شروع ہو گئی اگلے جمعہ تک یہ تسلسل جاری

...نالے ندیاں سب بھر گئے۔ پرنالے جوش مارنے لگے ہر جگہ جل تھل ہو گیا پھر وہی دیہاتی آیا اور دہائی دی کہ آقا ہم ڈوب رہے بس کر و اس پر سید دو عالم ﷺ اتنے ہنسے کہ آخری داڑھ مبارک تک نظر آنے لگی۔ پھر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ابوطالب علیہ السلام کو عظمتوں سے خوشیوں سے بھر دے اگر آج یہاں موجود ہوتے تو یقیناً خوشی سے بھر جاتے لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ ان کی آنکھیں یقیناً میری اس عظمت سے ٹھنڈی ہو جاتیں پھر فرمایا کون ہے؟ جو مجھے ان کے اشعار سنائے اس پر تاجدار ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی کہ آقا شاید آپ ان کے یہ اشعار سننا پسند فرما رہے ہیں پھر یہ شعر سنائے گئے۔

۔ "يُستَسقَى الغَمامُ بِوَجهِهِ ثِمالُ اليَتامى عِصمةٌ للاراملِ"

ترجمہ: اے ماہ جبین تیرے حسن کی تاب بادل بھی نہ لا سکے تیری لطافت حسن کو تکتے ہی اس نے اپنا سینہ کھول دیا تیرے حسن بے مثال کے وسیلے سے کائنات کے باسیوں کو باران رحمت سے نوازا جاتا ہے آپ ہی تو پناہ گاہ عالم ہیں ہر یتیم آپ کے دامن رحمت میں پناہ لیتا ہے۔ ہر مایوس آپ کو اپنی جائے پناہ سمجھتا ہے۔ اس پر رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر ایک شخص بنی کنانہ سے کھڑا ہوا اور یہ شعر بارگاہ نبوت میں یوں پیش فرمائے۔

۔ "لَكَ الحَمدُ وَالحَمدُ مِمَّن شَكَر سُقِينا بِوَجهِ النَّبِيِّ المَطَر"

ترجمہ: اے اللہ آپ کی حمد ہے آپ نے ہمیں اپنے نبی کے چہرہ اقدس کے وسیلے سے باران رحمت سے سیراب کر دیا تیرے ہاں کتنی عظمت ہے تیرے نبی کے حسن کی؟

۔ "دَعَا اللهَ خالِقَهُ دَعوَةً وَاَشخَصَ مَعَها اِلَيهِ البَصَر"

ترجمہ: جب محبوب نے اپنے خالق سے دعا کی تو اپنی نگاہوں کو بھی اس کے حسن کی طرف مرکوز کر دیا پھر کیا ہوا کہ آسمان کا سینہ کھل گیا

۔ "فَلَم يَكُ اِلّا كَالْقِ الرِّدا وَاَسرَعَ حَتّى رَاَينا الدُّرَر"

ترجمہ ابھی چادر مبارک پلٹی ہی تھی کہ فوراً آسمان سے موتی برستے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور میں چہرہ مصطفیٰ کو تک رہا تھا ابھی آپ منبر سے اترے ہی نہیں تھے کہ تمام پرنالے جوش مارنے لگے۔ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے چہرے کے تکنے کی انتظار میں تھا کہ محبوب رُخ زیبا ہماری طرف پھیریں ہم فوراً اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیں۔

نوٹ:۔ قارئین محترم! یہ تھا مختصر منظر نامہ اس حدیث کا جس میں کلام ابوطالب علیہ السلام کی نبوی زبان سے توثیق کی گئی ہے۔ اور تمام صحابہ کرام کے یہ منظر سامنے تھا۔ گویا اس اعتبار سے جملہ صحابہ کرام کی طرف سے بھی کلام ابوطالب علیہ السلام کی تصدیق وتوثیق کی گئی ہے خود مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کلام کو بطور سند پیش کرنے والے تھے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ یہ واقعہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے سالوں بعد مدینہ میں ہوا تو اس کا جواب امام سہیلی رحمۃ اللہ

علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ شعر تو اس وقت تخلیق کیے گئے جب جناب عبد المطلب نے آقا ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر
کے وسیلہ سے اہل مکہ کے لیے بارش مانگی تھی یا ایک مرتبہ اس طرح کا واقعہ سیدنا ابوطالب علیہ السلام کے زمانے میں بھی ہوا
تھا۔ اس پر آپ نے یہ شعر کہے جن کو از سر نو رحمت عالم ﷺ نے حضرت علی کی زبانی سماعت فرمائے۔ علامہ ابن تیمیہ نے کہا
کہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا سیدنا ابوطالب علیہ السلام نے بھی بعثت سے پہلے کمال نبوت کو دیکھا اور اپنے یقین کا اپنے اشعار
میں ذکر فرمایا۔ یہ وہ کامل نبوی معرفت تھی جو سیدنا ابوطالب علیہ السلام کو بعثت نبوی سے بھی پہلے حاصل تھی۔ نبوی معرفت کا
کامل یقین ہو گیا جسے جناب ابوطالب علیہ السلام نے اپنے اشعار میں بیان فرمایا یہ مختصر ترین خلاصہ ہے باقی اہل علم اپنا ذوق
پورا کرنے کے لیے صحیح بخاری شرح عمدۃ القاری کا دیا ہوا اقتباس بالاستیعاب پڑھیں

(بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الإِمَامَ الاسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحَطُوا)

أي: هَذَا بَاب فِي بَيَان سُؤَال النَّاس الإِمَام. فَقَوله: (سُؤَال النَّاس) . مصدر مُضَاف إِلَى فَاعله وَقَوله: (الإِمَام) . بِالنّصب مَفْعُوله. و (الاسْتِسْقَاء) بِالنّصب مفعول آخر. فَإِن قلت: الْفِعْل من غير أَفعَال الْقُلُوب لَا يَجِيء لَهُ مفعولان صريحان، بل يَجِيء إِذا كَانَ أحدهمَا غير صَرِيح. وَكَيف هُوَ هَهُنَا؟ قلت: الَّذِي قلته هُوَ الْأَكْثَر. وَقد يَجِيء مُطلقًا. أَو نقُول: انتصاب الاسْتِسْقَاء بِنَزْع الْخَافِض أَي: عَن الاسْتِسْقَاء. يُقَال: سَأَلته الشَّيْء وَسَأَلته عَن الشَّيْء. قَوْله: (إِذا قحطوا) . على صِيغَة الْمَعْلُوم. بِفَتْح الْقَاف والحاء وبلفظ الْمَجْهُول يُقَال: قحط الْمَطَر قحوطا إِذا احْتبسَ. وَحكى الْفراء: قحط بِالْكَسْرِ. وَجَاء: قحط الْقَوْم على صِيغَة الْمَجْهُول. قحطا وَقَالَ الْكرْمَانِي: مَا معنى الْمَعْرُوف إِذْ الْمَطَر هُوَ المحتبس لَا النَّاس؟ وَأجَاب: بِأَنَّهُ من بَاب الْقلب، أَو إِذا كَانَ هُوَ محتبسا عَنْهُم فهم محتبسون عَنهُ. قيل: لَو أَدخل البُخَارِيّ حَدِيث ابْن مَسْعُود الْمَذْكُور فِي الْبَاب الَّذِي قبله لَكَانَ أنسب وأوضح. وَأجِيب: بِأَن الَّذِي سَأَلَ قد يكون مُشْركًا، وَقد يكون مُسلما، وَقد يكون من الْفَرِيقَيْنِ، والسائل فِي حَدِيث ابْن مَسْعُود كَانَ مُشْركًا حِينَئِذٍ فَنَاسَبَ أَن يذكر فِي الَّذِي بعده من يَشْمَل الْفَرِيقَيْنِ. فلذَلِك ذكر فِي التَّرْجَمَة مَا يشملهما، وَهُوَ لفظ النَّاس.

- 8001 حَدَّثنا عَمْرُو بنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثنا أبُو قُتَيْبَةَ قَالَ حَدَّثنا عَبْدُ الرَّحْمانِ بنُ عَبْدِ الله ابنِ دِينَارٍ عنْ أبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ ابنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أبِي طالِبٍ:

(وأبْيَضَ يُسْتَسْقَى الغَمَامُ بِوَجْهِهِ ... ثِمَالُ اليَتَامَى عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ)

الحدیث 1008 طرفه فی: 1009)."

مناسبة هذا للترجمة تؤخذ من قوله (يستسقى الغمام) لأن فاعله محذوف، لأن تقديره يستسقى الناس بالغمام، واعترض بأنه لا يلزم من كون الناس فاعلا ليستسقى أن يكونوا سألوا الإمام أن يستسقى لهم، فلا يطابق الترجمة، ويمكن أن يجاب عنه بأن معنى قول أبي طالب هذا في الحقيقة توسل إلى الله عزوجل بنبيه، لأنه حضر استسقاء عبد المطلب والنبي صلى الله عليه وسلم معه، فيكون استسقاء الناس الغمام في ذلك الوقت ببركة وجهه الكريم، وإن لم يكن في الظاهر أن أحدا سأله، وكانوا مستشفعين به، وهو في معنى السؤال عنه عن ابن عمر، رضي الله تعالى عنهما، ما أراد مجرد ما دل عليه شعر أبي طالب، وإنما أشار إلى قصة وقعت في الإسلام حضرها

قوله (حدثني عمرو بن علي) وفي بعض النسخ حدثنا، بصيغة الجمع، وعمرو بن علي بن بحر أبو حفص الباهلي البصري الصيرفي، وأبو قتيبة سلم، بفتح السين المهملة وسكون اللام ابن قتيبة الخراساني البصري، مات بعد المائتين، وهذا البيت من قصيدة قالها أبو طالب، وهي قصيدة طنانة لامية من بحر الطويل، وهي مائة بيت وعشر أبيات، أولها قوله

(خليلي ما أذني لأول عاذل بصغواء في حق ولا عند باطل)

وآخرها قوله

(ولا شك أن الله رافع أمره ومعليه في الدنيا ويوم التجادل)

(كما قد رأى في اليوم والأمس جده ووالده رؤياهم غير آفل)

يذكر فيها أشياء كثيرة من عداوة قريش إياه بسبب النبي صلى الله عليه وسلم، ومدحه نفسه ونسبه وذكر سيادته وحمايته للنبي صلى الله عليه وسلم، والتعرض لبني أمية، وغير ذلك، يعرفها من يقف عليها وقد تمثل عبد الله بن عمر بالبيت المذكور، ومعنى التمثل إنشاد شعر غيره قوله (وأبيض)، بفتح الضاد وضمها، وجه الفتح أن يكون معطوفا على قوله (سيدا) في البيت الذي قبله، وهو قوله

(وما ترك قوم لا أبا لك سيدا يحوط الذمار غير ذرب مؤاكل)

والذمار، بكسر الذال المعجمة وهو ما لزمك حفظه مما وراءك، وتعلق به قوله (غير ذرب) أراد به ذرب اللسان بالشر، وأصله من ذرب المعدة، وهو فسادها، والمؤاكل، بضم الميم الذي يستأكل، ويجوز أن يكون

مفتوحًا فی موضع الجر بـ رُبّ المقدرة، والوجه الأول أوجه، ووجه الضم هو الرفع إن يكون خبر مبتدأ محذوف تقديره وهو أبيض قوله (يستسقى الغمام بوجهه) جملة وقعت صفة لأبيض، ومحلها من الإعراب النصب أو الرفع على التقديرين قوله (ثمال اليتامى) كلام إضافي يجوز فيه الرفع والنصب على التقديرين المذكورين، والثمال بكسر الثاء المثلثة قال ابن الأنباري معناه مطعم لليتامى، يقال ثملهم يثملهم إذا كان يطعمهم، وفي معجم الغرائب يقال هو ثمال قومه إذا كان يقوم بأمرهم، وفي (المحكم) فلان ثمال بني فلان، أي عمادهم وقال ابن التين أي المطعم عند الشدة قوله (عصمة للأرامل) كذلك بالوجهين في الإعراب، والأرامل جمع أرمل، وهو الذي نفد زاده، وقال ابن سيده رجل أرمل وامرأة أرملة وهي المحتاجة والأرامل والأراملة، كسروه تكسير الأسماء لغلبته، وكل جماعة من رجال ونساء أو رجال دون نساء أو نساء دون رجال أرامل بعد أن يكونوا محتاجين، وفي (الجامع) قالوا ولا يقال رجل أرمل لأنه لا يكاد يذهب زاده بذهاب امرأته، إذ لم تكن قيمة عليه بالمعيشة بخلاف المرأة، وقد زعم قوم أنه يقال رجل أرمل إذا ماتت امرأته، قال الحطيئة

ـــ (هذي الأرامل قد قضيت حاجتها فمن لحاجة هذا الأرمل الذكر)

قال السهيلي، رحمه الله تعالى فإن قيل كيف قال أبو طالب يستسقى الغمام بوجهه، ولم يره قط استسقى إنما كان ذاك من بعد الهجرة . وأجاب بما حاصله أن أبا طالب أشار إلى ما وقع في زمن عبد المطلب، حيث استسقى لقريش والنبي صلى الله عليه وسلم معه وهو غلام، قيل يحتمل أن يكون أبو طالب مدحه بذلك لما رأى من مخائل ذلك فيه، وإن لم يشاهد وقوعه، وقال ابن التين إن في شعر أبي طالب هذا دلالة على أنه كان يعرف نبوة النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يبعث، لما أخبره به بحيراء وغيره من شأنه قيل فيه نظر، لأن ابن إسحاق زعم أن أبا طالب أنشأ هذا الشعر بعد البعث قلت في هذا النظر نظر، لأنه لما علم أنه نبي بأخبار بحيراء وغيره أنشد هذا الشعر بناء على ما علمه من ذلك قبل أن يبعث صلى الله عليه وسلم "

" - 9001 وقال عمر بن حمزة حدثنا سالم عن أبيه ربما ذكرت قول الشاعر، وأنا أنظر إلى وجه النبي صلى الله عليه وسلم يستسقي فما ينزل حتى يجيش كل ميزاب

ـــ (وأبيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل)

وهو قول أبي طالب (أنظر الحديث 8001)

مناسبة هذا التعليق للترجمة تؤخذ من قوله (يستسقى) لأن ابن عمر، رضي الله تعالى عنهما، يخبر عن استسقاء

النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وھو ینظر إلی وجھہ الکریم، ولم یکن استسقاؤہ فی ذلک إلا عن سؤال عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ویوضح ذلک ما رواہ البیہقی فی (الدلائل) قال أخبرنا أبو زکریا بن أبی إسحاق أخبرنا أبو جعفر محمد بن علی بن دحیم حدثنا جعفر بن عنبسۃ حدثنا عبادۃ ابن زیاد الأزدی عن سعید بن خیثم عن مسلم الملائی عن أنس بن مالک، رضی اللہ تعالی عنہ، قال (جاء أعرابی إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ، واللہ لقد أتیناک وما لنا بعیر یئط، ولا صبی یغط، ثم أنشد

(أتیناک والعذراء یدمی لبانها وقد شغلت أم الصبی عن الطفل)

(وألقی بکفیہ الصبی استکانۃ من الجوع ضعفا ما یمر وما یحلی)

(ولا شیء مما یأکل الناس عندنا سوی الحنظل العامی والعلھز الفسل)

(ولیس لنا إلا إلیک فرارنا وأین فرار الناس إلا إلی الرسل)

فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر، فحمد اللہ وأثنی علیہ، ثم قال اللھم اسقنا) الحدیث، وفیہ (فجاء أھل البطانۃ یصیحون الغرق الغرق، فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ، ثم قال للہ در أبی طالب لو کان حاضرا لقرت عیناہ، من ینشدنا شعرہ... فقال علی یا رسول اللہ کأنک أردت قولہ (وأبیض یستسقی الغمام بوجھہ)

فذکر أبیاتا منھا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أجل، فقام رجل من بنی کنانۃ فأنشد أبیاتا

(لک الحمد والحمد ممن شکر سقینا بوجہ النبی المطر)

(دعا اللہ خالقہ دعوۃ وأشخص معھا إلیہ البصر)

(فلم یک إلا کالف الردا وأسرع حتی رأینا الدرر)

فقال رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم إن یکن شاعر أحسن فقد أحسنت) ثم ھذا التعلیق الذی أوردہ البخاری عن ابن عمر، رضی اللہ تعالی عنھما، رواہ ابن ماجہ موصولا فی (سننہ) حدثنا أحمد بن الأزھر عن ابن النضر ھاشم بن القاسم عن أبی عقیل، یعنی عبید اللہ بن عقیل الثقفی، حدثنا عمر بن حمزۃ حدثنا سالم عن أبیہ، قال ربما ذکرت قول الشاعر وأنا أنظر إلی وجہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، علی المنبر، فما نزل حتی جیش کل میزاب بالمدینۃ، فذکر قول الشاعر

وأبیض یستسقی الغمام بوجھہ

إلى آخره، وعمر بن حمزة هو ابن عبد الله بن عمر بن الخطاب، ابن أخي سالم بن عبد الله ابن عمر، أخرج له البخاري في (الأدب) أيضا، وتكلم فيه أحمد والنسائي، ووثقه ابن حبان، وقال كان يخطئ وقال ابن عدي وهو ممن يكتب حديثه، وروى له مسلم وأبو داود والترمذي وابن ماجه فإن قلت عمر بن حمزة هذا متكلم فيه، وكذلك عبد الرحمن ابن عبد الله بن دينار مختلف في الاحتجاج به، المذكور في الطريق الموصولة، فكيف أوردها البخاري في (صحيحه) .. قلت أجيب بأن إحدى الطريقين اعتضدت بالأخرى، وهو من أمثلة أحد قسمي (الصحيح) كما تقرر في موضعه، وفيه نظر، لا يخفى قوله (وأنا أنظر جملة إسمية وقعت حالا قوله (يستسقى)، جملة فعلية وقعت حالا كذلك قوله (حتى يجيش) بالجيم والشين المعجمة، من جاش البحر إذا هاج، وجاش القدر جيشانا إذا غلت وجاش الوادي إذا زخر وامتد جدا، وجاش الشيء إذا تحرك، وهو هنا كناية عن كثرة المطر، و(الميزاب) بكسر الميم وبالزاي معروف، وهو ما يسيل منه الماء من موضع عال، ووقع في رواية الحموي (حتى يجيش لك)، بتقديم اللام على الكاف، وهو تصحيف قوله (يئط) أي يحن، ويصيح، يريد مالنا"

"بعير أصلا، لأن البعير لا بد أن يئط قوله (ولا صبي يغط)، من الغطيط، يقال غط يغط غطا وغطيطا إذا نام قوله (والعذراء) وهي الجارية التي لم يمسها رجل، وهي البكر قوله (يدمى لبانها)، بفتح اللام، وهو الصدر، وأصل اللبان في الفرس موضع اللبن ثم استعير للناس، ومعنى يدمى لبانها يعني يدمى صدرها لامتهانها نفسها في الخدمة حيث لا تجد ما تغطيه من تخدمها من الجدب وشدة الزمان وقوله (استكانة) أي خضوعا، وذلة قوله (مايمر)، بضم الياء آخر الحروف وكسر الميم وتشديد الراء قوله (ولا يحلى)، بضم الياء أيضا وسكون الحاء المهملة وكسر اللام، والمعنى ما ينطق بخير ولا شر من الجوع والضعف، واشتقاق الأول من المرارة، والثاني من الحلاوة، فالأول كناية عن الشر، والثاني عن الخير قوله (سوى الحنظل العامي)، الحنظل معروف، والعامي فاعل من العامة وهي الآفة قوله (والعلهز)، بكسر العين المهملة وسكون اللام وكسر الهاء وفي آخره زاي وهو شيء يتخذونه في سني المجاعة يخلطون الدم بأوبار الإبل ثم يشوونه بالنار، ويأكلونه، وقيل كانوا يخلطون فيه القردان، ويقال القراد الضخم العلهز، وقيل العلهز شيء ينبت ببلاد بني سليم له أصل كأصل البردي، قال ابن الأثير ومنه حديث الاستسقاء، وأنشد الأبيات المذكورة قوله (الفسل)، بفتح الفاء وسكون السين المهملة، وهو الشيء الرديء الرذل، يقال فسله وأفسله قاله ابن الأثير، ويروى بالشين المعجمة، وقال في باب الشين الفشل والفزع والخوف والضعف، ومنه حديث الاستسقاء سوى الحنظل العامي والعلهز الفشل أي الضعيف يعني

لفشل مدخره، وأكله فصرف الْوَصْف إِلَى العلهز، وَهُوَ فِي الْحَقِيقَة لآكله. قَوْله (الدُّرَر)، بِكَسْر الدَّال وَفتح الرَّاء الأولى جمع درة، بِكَسْر الدَّال وَتَشْديد الرَّاء، يُقَال للسحاب درة، أَي صب واندفاق

حدثنا الحَسَنُ بنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حدَّثنا مُحَمَّدُ بنُ عَبدِ اللهِ الأنصارِيُّ قَالَ حدَّثني أبي عَبْدُ اللهِ بنُ المُثَنَّى عن ثُمامَةَ بنِ عبدِ اللهِ بنِ أنَسٍ عن أنَسٍ أنَّ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعالَى عَنهُ كانَ إذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالعَبَّاسِ بنِ عَبدِ المُطَّلِبِ فَقالَ اللَّهُمَّ إنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وإنَّا نَتَوَسَّلُ إلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(الحديث 0101 طرفه في 0173)

مطابقته للتَّرْجَمَة فِي قَول عمر (إِنَّا كُنَّا نتوسل إِلَيْك بنبينا) إِلَى آخِره، بَيَانه أَنهم كَانُوا إِذا استسقوا كَانُوا يستسقون بِالنَّبِيِّ، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، فِي حَيَاته، وَبعده استسقى عمر بن مَعَه بِالْعَبَّاسِ عَم النَّبِي، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، نجعلوه كَالإِمَامِ الَّذِي يسْأَل فِيهِ، لِأَنَّهُ كَانَ أمس النَّاس بِالنَّبِيِّ، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، وأقربهم إِلَيْهِ رحما فَأَرَادَ عمر أَن يصلها ليتصل بهَا إِلَى من كَانَ يَأْمر بصلَة الْأَرْحَام، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، وَعَن كَعْب الْأَحْبَار أَن بني إِسْرَائِيل كَانُوا إِذا قحطوا استسقوا بِأَهْل بَيت نَبِيّهم، وَزعم ابْن قدامَة أَن ذَلِك كَانَ عَام الرَّمَادَة، وَذكر ابْن سعد وَغَيره أَن عَام الرَّمَادَة كَانَ سنة ثَمَانِي عشرَة، وَكَانَ ابتداؤه مصدر الْحَاج مِنْهَا ودام تِسْعَة أشهر، والرمادة، بِفَتْح الرَّاء وَتَخْفِيف الْمِيم سمي الْعَام بهَا لما حصل من شدَّة الجدب، فاغبرت الأَرْض من عدم الْمَطَر، وَذكر سيف فِي (كتاب الرِّدَّة) عَن أبي سَلمَة: كَانَ أَبُو بكر الصّديق إِذا بعث جندا إِلَى أهل الرِّدَّة خرج ليشيعهم، وَخرج بِالْعَبَّاسِ مَعَه، قَالَ: يَا عَبَّاس استنصر وَأَنا أُؤمن، فَإِنِّي أَرْجُو أَن لَا يخيب دعوتك لمكانك من نَبِي الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، وَذكر الإِمَام أَبُو الْقَاسِم ابْن عَسَاكِر فِي (كتاب الاستسقاء) من حَدِيث إِبْرَاهِيم بن مُحَمَّد عَن حُسَيْن بن عبد الله عَن عِكْرِمَة عَن ابْن عَبَّاس أَن الْعَبَّاس قَالَ ذَلِك الْيَوْم: اللَّهُمَّ إِن عنْدك سحابا وَإِن عنْدك مَاء فانشر السَّحَاب ثمَّ أنزل مِنْهُ المَاء، ثمَّ أنزلهُ علينا وَاشْدُدْ بِهِ الأَصْل وأطل بِهِ الْفَرْع وأدر بِهِ الضَّرع، اللَّهُمَّ شفعنا إِلَيْك عَمَّن لَا منطق لَهُ من بهائمنا وأنعامنا، اللَّهُمَّ إسقنا سقيا وادعة بالغة طبقًا مجيبا، اللَّهُمَّ لَا نرغب إلاَّ إِلَيْك وَحدك، لَا شريك لَك، اللَّهُمَّ إِنَّا نشكوا أليك سغب كل ساغب وَعدم كل عادم وجوع كل جَائِع وعري كل عَار وَخَوف كل خَائِف. وَفِي حَدِيث أبي صَالح: (فَلَمَّا صعد عمر وَمَعَهُ الْعَبَّاس الْمِنْبَر، قَالَ عمر، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ: اللَّهُمَّ إِنَّا توجهنا إِلَيْك بعم نبيك وصنو أَبِيه فاسقنا الْغَيْث وَلَا تجعلنا من القانطين)

نوٹ: خط کشیدہ مقامات پڑھیں لطف اندوز ہوں۔

توسل اور وسیلہ کا عقیدہ رکھنے والوں کو جناب ابوطالب علیہ السلام کا ممنون احسان ہونا چاہیے تھا کہ انھوں نے ان کو توسل اور وسیلے کا عقیدہ دیا ہے اور تجرباتی عمل دیا۔ اگر یہ کافر ہیں تو ان کا دیا ہوا عقیدہ بھی کفر ہی ہونا چاہیے۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں نے بطو رثبوت حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اشعار کو اور حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کے واقعات جو طلب بارش سے متعلق ہیں ان واقعات کو بطور حوالہ پیش کرتے ہیں مگر تکفیر بھی کرتے ہیں یہ دوہرا معیار اور طرز فکر حیران کن ہے۔ یا تو ان کا دیا ہوا عقیدہ چھوڑ دیا جائے یا اس نفس محترم کو کافر کہنا چھوڑ دیا جائے۔ (عمدۃ القاری بدرالدین عینی شرح بخاری)

نوٹ: کلام کے آخر میں تمام استعمال کی جانے والی بحور کو ذکر دیا گیا ہے اصحاب فن وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ مزید کلام کے آخر میں اصل ماخذات کی تفصیل بھی لکھ دی گئی ہے۔

خاص بات

کلام ابوطالب علیہ السلام کی چند ایک انفرادی خصوصیات مضامین کلام کے اعتبار سے:

۱۔ پہلا مضمون توحید باری تعالیٰ ہے پورے کلام میں جا بجا مختلف انداز میں صریح نص کی صورت میں آپ کو منتشر اجزاء میں خاص عنوان کے تحت ملے گا۔

۲۔ اقرار رسالت کا بیان قریباً پچاس سے زائد مرتبہ آپ کو صریح نصوص کی صورت میں ملے گا۔

۳۔ عقیدہ آخرت کا بیان آپ کو جا بجا ملے گا اور قیامت کے دن کی بزرگی کا تعین حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی غلامی کو قرار دیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتب خصوصاً توراۃ، زبور، انجیل کی عظمت کا ذکر جا بجا آپ کو ملے گا۔ اور ان پر یقین کامل کا واضح اعلان ملے گا۔

۵۔ کفار و مشرکین مکہ اور ان کے رویوں کا آپ کو پورے کلام میں مذمت کے طور پر واضح منصوص بیان ملے گا اور یہی اسلوب کلام الٰہی کا ہے۔

۶۔ اس کلام میں دیگر قبائل عرب کے ساتھ ساتھ خصوصاً بنو اُمیہ کی نصاً آپ کو مذمت ملے گی۔ اسی لیے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تکفیر کی گئی۔ ورنہ سید بطحاء کائنات میں ایمان کا بھی نقش اول ہیں اور صحبت نبوی کا بھی نقش اول ہیں۔

۷۔ اس کلام میں حمایت و نصرت رسول ﷺ کا نہایت ہی مدبرانہ انداز ملے گا۔ بڑی حکیمانہ سرگرمیاں ملیں گی۔ ہوش ربا حالات کے ساتھ نبرد آزمائی کی عظمت ملے گی۔ وفا کا کامل اُسوہ ملے گا۔ سخا کی کامل تصویر ملے گی۔ حیاء کا کامل طرز ملے گا۔ کائنات

بھر کی خدمت دین کی تدبیر ملے گی، دونوں جہاں کی توقیر ملے گی۔

مگر آہ۔۔۔! افسوس کہ پھر بھی محسن ملت اسلامیہ و محسن بانی اسلام کو کافر کہا جا رہا ہے۔ وہ بھی مردود اور بیہودہ روایات کا سہارا لے کر اور ان میں آیات کریمہ کا ناجائز استعمال کر کے جن کا سید بطحاء سے کسی بھی طرح کوئی تعلق نہیں تحقیق گزر چکی ہے۔

حسب وعدہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کا اقتباس حاضر خدمت ہے اہل علم اسے پڑھیں اور خوب محظوظ ہوں خصوصاً خط کشیدہ مقامات پر ضرور توجہ فرمائیں۔

آخر کلام سید بطحاء کا انکار کیوں؟

کلام ابو طالب علیہ السلام سے ان کی منفرد چند اولیات کا پتہ چلتا ہے جو کائنات بھر کے کسی فرد کو میسر نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان اولیات کی روشنی میں اہل محبت کا یقین عظمت معراج کو پہنچے اور وہ سرشار محبت ہو جائے اہل بیت نبوت سے۔

چند ایک اولیات کا ذکر کیے دیتا ہوں

۱۔ عالم شہادت میں پیکر نبوت کے لیے بطور قربیٔ خدا تعالیٰ کا اعتماد اوّل ہیں۔

۲۔ محبت نبوی جو کائنات میں مقام نبوت کے بعد عظمت انسان کا پہلا معیار ہے اس اعتبار سے حضرت ابو طالب علیہ السلام محبت نبوی کا نقش اول ہیں۔ صحبت نصف صدی کے تسلسل پر محیط ہے۔ یہ اعزاز اُن کو ہی ملا ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں۔

۳۔ حفاظت نبوی سب سے بڑا مقام و اعزاز ہے اس کا وجود اوّل بھی سید بطحاء ہیں۔

۴۔ نصرت نبوی سب سے بڑا رتبہ ہے اس کا نقش اول بھی آپ ہیں۔

۵۔ حمایت نبوت بھی سب سے بڑی عظمت کا ٹائٹل ہے اس کا نقش اول بھی آپ ہیں۔

۶۔ خدمت نبوی کائنات کا سب سے عظیم مرتبہ ہے یہ بھی اوّلاً انہی ہی کی شان ہے۔

۷۔ وفائے نبوت بھی کائنات کا منفرد مقام ہے یہ بھی انہی کا اوّلاً مقام ہے۔

۸۔ عظمت یقین میں بھی وہ سب سے اول ہیں کیونکہ ان کا یقین اعلانِ نبوت سے بہت پہلے کا ہے۔

۹۔ بے مثل قربانیاں دینا۔ اس میں بھی سید بطحاء بے مثل و بے مثال ہیں۔ جتنی قربانیاں ان کے دامن میں ہیں کائنات میں کسی کے دامن میں اس تسلسل کے ساتھ نہیں۔

مکہ سے کربلا تک کا سفر ابو طالب علیہ السلام کا حصہ ہے۔ یہ کائناتی اعزاز ہے اس کے مورث اول بھی سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام ہیں۔

۱۰۔ مدحت نبی بھی ایک کا ئناتی اعزاز ہے۔ اس کا نقش اول بلکہ اسوہ اول بھی سید بطحا ہیں اور یہ اولیات پورے تواتر سے ثابت ہیں ان کا انکار کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کائنات میں کوئی ان کا شرعی مانع ہے نہ ہی معارض تو پھر ایسی برحق حقیقت اُموی جارحین کے حامیوں کو کیسے ہضم ہو پائے کیونکہ اُموی دشمنی خاندان نبوت سے عبدالشمس اُمیہ سے چلی ہو ملعون یزید پلید تک مسلسل قائم رہی۔ الا ماشاء اللہ۔

بعد ازاں پون صدی تک یہ تسلسل کے ساتھ غنڈہ گردی ہوتی رہی جس کے اثرات آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ تو ایسے حالات میں معاندین سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس نفس محترم کی تکفیر ہی کریں۔ رہا ہمارے بعض اسلاف کا اس طرف مائل ہونا وہ صرف اس مسئلہ میں اپنے سے پہلے اہل علم کی علمی جلالت سے ہی مرعوب نظر آتے ہیں اور کچھ نہیں۔ تاہم ایسا رعب نہ تو شرعی دلیل بن سکتا ہے اور نہ ہی مفید یقین ہو سکتا ہے۔ رہا کلام ابوطالب علیہ السلام کا معاملہ تو وہ چونکہ اس سارے تکفیری افسانے کے یکسر خلاف ہے اس لیے اہل علم اس کا انکار کرتے ہیں۔ ورنہ اس انکار کی نہ تو کوئی اہل علم کے پاس وجہ ہے نہ ہی دلیل۔

رہا کثیر مفسرین ومحدثین، علماء، وفقہاء کرام علیہم الرضوان کا اس تکفیری افسانے ڈرامے سے ہم آہنگ ہونا تو یہ سب کچھ بلا دلیل ہے۔ کسی کے پاس ایک بھی ایسی دلیل نہیں جو مفید یقین ہو سکے ۔ ان علماء میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو وفات ابوطالب علیہ السلام کے وقوعے کا عینی شاہد ہو اور نہ ہی ان کے پاس شہادت علی الشہادت ہے نہ وحی۔ عینی شاہد عباس بن عبدالمطلب ان کے مطابق تلقین کلمہ کے بعد کلمہ سید بطحاء سے انھوں نے خود سنا حیرت ہے اہل علم عینی شاہد کی شہادت نہیں مانتے اور جو شخص وقوعہ کے وقت بچپن میں تھا اس کی بات مان لیتے ہیں اور دوسرا بھی وہاں موجود نہیں تھا یہ خلاف اصل ہے۔ ہم قواعد شرعیہ پر یقین رکھتے ہوئے اس تکفیر افسانے کو مسترد کرتے ہیں۔ تمام اہل محبت بھی مسترد کر دیں رہا معاصر اہل علم کا واویلا وہ محض فضول ہے بلا دلیل ہے غیر یقینی ہے اس کی کوئی علمی، دینی قطعیت نہیں نہ ہی حقیقت ہے۔ (مسکین فریدی)

باب سیزدہم (۱۳)

پیغامِ حق

اَفۡضَلُ الۡبَشَرِ بَعۡدَ الۡاَنۡبِیَآءِ بِالۡقَوۡلِ الۡغَالِبِ

اَمِیۡرِ الۡمُحِبِّیۡنَ وَاَمِیۡرِ النَّاصِرِیۡنَ سَیِّدِنَا حضرت ابوطالب علیہ السلام

کا دینی تقدس اور قرآنِ حکیم

حرمِ نبوت کا روشن باب

اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ بِالْقَوْلِ الْغَالِبِ اَمِيْرُ الْمُحِبِّيْنَ وَاَمِيْرُ النَّاصِرِيْنَ سَيِّدُنَا

حضرت ابوطالب علیہ السلام

تمہید

قارئین محترم! مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ میرے اس مضمون پر بہت سارے معاصر اہل علم اضطراب کا شکار ہوں گے اور انھیں یہ مضمون انتہائی ناگوار گزرے گا۔ میرا علمی تعاقب کیا جائے گا اور مجھ پر نجانے کون کون سا بہتان بھی باندھا جائے گا۔ اور مجھے کسی نہ کسی مصنوعی مذہب اور مسلک سے نتھی کیا جائے گا۔ مگر بایں ہمہ میں پھر بھی اسے لکھ رہا ہوں اور بے دھڑک لکھ رہا ہوں اور پوری طمانیت قلب کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ معاصر اہلِ علم میں سے جس نے بھی باقاعدہ علم پڑھا ہے اور وہ متعصب مسلکی برقعہ پوش نہیں تو یقیناً اُسے اس مضمون کی سچائی کا احساس ہوگا ہاں جن اہل علم نے اپنی اپنی مسلکی تنگ بندی کر رکھی ہے وہ ضرور احتجاج کریں گے۔ مگر میرا یہ کام کسی بھی تنگ بندی سے بالاتر ہے۔ محض تحقیقی ہے علمی ہے ہاں اتنا واضح کر دوں مجھے جتنا بھی حرم نبوت سے پیار ہے اتنا ہی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار ہے کائنات کا کوئی بھی شخص اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً خلفاء راشدین مہدیین پر گالی گلوچ تبرّا بازی کرتا ہے تو میں اس سے شدید نفرت کرتا ہوں بلکہ اسے خنزیر سے بھی بدتر سمجھتا ہوں اس پر بے شمار لعنت بھیجتا ہوں۔ عین ایسے ہی اگر کائنات کا کوئی شخص اہلبیت نبوت حرمِ نبوت کے نفوسِ قدسیہ خصوصاً مولائے کائنات سید الاولیاء حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہے سب و شتم کرے گالی دے نفرت کرے تبرا کرے اس پر میں بے شمار سے بھی دو گنا زیادہ لعنت بھی کرتا ہوں اور اسے نجس العین سے بھی نجس العین یقین کرتا ہوں۔ میرا اس بابت دو ٹوک رویہ ہے۔ اس بابت میں کسی مسلک مذہب مشرب کی زیادہ تنبیہ توضیح تشریح کو ہرگز نہیں مانتا صرف دلیل کی قوت پر یقین کرتا ہوں۔ مذہبی منافرت سے شدید نفرت ہے فرقہ واریت ایک کائناتی لعنت ہے اس سے شدید نفرت ہے۔

میں نے سید بطحاء کو افضل البشر بعد الانبیاء کیوں کہا؟

محترم قارئین! میں بچپن سے لے کر آج تک ایک جملہ سنتا آیا ہوں "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ بِالتَّحْقِيْقِ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ سَيِّدُنَا اَبُوْبَكْرِ ۦ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ" تو میں نے طے کیا کہ اس جملے کی علمی تحقیق کروں یہ کہاں سے آیا کیوں آیا ہے؟ اس کا پس منظر کیا ہے سو میں تحقیق میں اُتر گیا۔ سب سے پہلے میں نے قرآن میں تلاش کیا مگر مجھے پورے قرآن میں بطورِ نص یہ جملہ کہیں نہیں ملا۔ پھر میں ذخیرہ حدیث میں اُتر گیا لاکھوں حدیثیں دیکھیں مگر یہ جملہ بطورِ نص مجھے کہیں نہیں ملا۔ میں بعد ازاں اس بابت مقتدر اہل علم کی بارگاہ میں حاضر ہوا کہ مجھے اس جملے کی بابت بتائیں کسی بھی عالم دین نے یہ نہیں کہا کہ یہ جملہ بطورِ نص صریح قرآن وسنت کے کسی ذخیرے میں آیا ہو پھر میں نے مزید جستجو کی اس جملے کے پس منظر میں تو مجھے علم الکلام اور دیگر نظریاتی علوم پر مشتمل کتب میں یہ جملہ ملا۔ پتہ چلا کہ یہ جملہ اہل علم کا ذاتی تخلیق کردہ ہے۔ پھر میں نے اس تخلیقی استعداد کا پیچھا کیا کہ آخر اہل علم نے یہ جملہ کیوں تخلیق کیا تو اس بابت مجھے علم کا ایک سمندر نظر آیا۔ آیاتِ قرآنی میں بھی اور احادیث نبوی میں وہ سارا علمی اثاثہ روایات و آیات کا علمی ذخیرہ ایمان کے نقش اول وفا کے اسوہ کامل اطاعت نبوی کے پیکر بے بدل امام العاشقین مبداء محبت رسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل میں بطورِ موثر دلیل بول رہا تھا۔ تو سمجھ میں آیا کہ یہ جملہ محض اختراع نہیں اس کے پیچھے علم ودلائل کی خاصی قوت بول رہی ہے۔ سو مجھے اہل علم کے استدلالی جملے پر اطمینان میسر آیا۔ لیکن پھر مزید تجسس میں اُتر گیا کہ آخر وہ کونسی ایسی منفرد خوبی وخصوصیت ہے پیکرِ صدیقی کی عظمت میں کہ قرآن نے بھی اور صاحب قرآن نے بھی دل کھول کر داد دی ہے خوب سراہا ہے۔ تو اس جستجو نے مجھے پیکرِ صدق ووفا، معیارِ صداقت سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت طیبہ پڑھنے پر مجبور کیا۔ عرصہ دراز تک میں نے اس مقدس سیرت کے گوشوں سے جواہر عظمت تلاش کیے ان کی سیرت کا ہر گوشہ مجھے عظمتوں کی معراج پر نظر آیا۔ سو میں نے کوشش کی کہ میں ان نقوشِ محبت کو حرزِ جاں بناؤں۔ الحمد للہ اس نفس محترم کو میں نے علمی اعتبار سے ہر مرتبہ کمال کی انتہاء پر پایا۔ پھر میں نے ان کی سیرت مبارکہ میں پائے جانے والے منفرد نقوشِ محبت کو، نقوشِ عزیمت کو، نقوشِ وفا کو، نقوشِ ایثار کو، نقوشِ اطاعت کو، نقوشِ استقامت کو، نقوشِ کیف ومستی کو اور فنائیت فی الرسول کو قرآنی آیات بینات کی تعلیمات اور مقتضیات کے عین مطابق پایا بلکہ ان آیات کا ان کی ذات کو معنی کامل واکمل پایا اور پھر میرے بھی اندر سے آواز آئی "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ بِالتَّحْقِيْقِ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ سَيِّدُنَا اَبُوْبَكْرِ ۦ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ

اللہُ عَنْہُ "۔ دل اُن کی عقیدت و محبت میں جھک گیا مگر ان تمام عظمتوں کے پیچھے ان کا عظیم کردار ہی بولتا رہا۔ جس کی تائید اللہ تعالیٰ بھی کرتا ہے اور رسول خدا ﷺ بھی کرتے رہے۔ ایسا نہیں ان کو یہ کریڈٹ کسی جذباتی اعتبار سے دیا گیا ہے بلکہ کردار صدیق کی ہر عظمت کو پہلے ترازو کیا گیا بعد ازاں ان کی عظمت کردار کو پوری شان جو ادی سے بیان کیا گیا گویا عظمت کردار ہی اس ٹائٹل کا باعث بنی۔ سو میں نے سیرت صدیق کو اپنے عنوان کا آئینہ بنایا۔

قارئین محترم! اس طویل جستجو کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ فضائل و مناقب کی اصل موثر قوت عظمت کردار ہی ہے نہ کہ کوئی جذباتی فیصلہ۔ سو میں نے اسی عظمت کو اپنی تحقیق کا عنوان بنایا سیرت صدیقی کے تقدس کو سامنے رکھا اور سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قدموں کی خیرات کو اپنی آنکھوں کی روشنی بنایا انھی کے نقوشِ محبت کی جستجو میں محو سفر ہو گیا کہ کائنات میں اس نفسِ محترم کے علاوہ کہیں اور سے ان عظمتوں کی روشنی ملتی ہے؟ سو میں نے سید ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقوش محبت کو اسوہ محبت یقین کیا اور اس کی روشنی میں ان نقوش کی تلاش میں نکلا کہ دیکھوں تو سہی اس خاکدانِ عالم میں پیکر صداقت کے علاوہ بھی کوئی اور شخص ہے جس نے ایسے عظیم نقوش قائم کیے ہیں یہ نقوشِ محبت درجہ بدرجہ کائنات کے کونے کونے میں حسب استطاعت ملے سیرت صحابہ میں۔ مگر اس کائنات میں ایک مقام ایسا پایا جہاں میری عقل دنگ رہ گئی فکری پیمانے ششدر رہ گئے حواس کانپنے لگے عقل و دانش کو پسینہ آ گیا فہم و فراست انگشت بدنداں رہ گئے جن نقوش کو میں نے منزل جانا وہ نشان منزل لگے منزل تو اس سے آگے ہے۔ حسن اتفاق سے میں دہلیز حرم نبوت پر پہنچا تو اس فردوسِ حرمت کی دہلیز پر جبیں سائی کی یکا یک رئیس مکہ سردار قریش، تاجدارِ عزیمت و فضیلت، "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ بِالْقَوْلِ الْغَالِبِ سیدنا ابو طالب علیہ السلام" کی مقدس سیرت کا باب کھل گیا۔

اب جو کچھ پہلے دیکھا تھا انہیں حقیقتوں کو یہاں فزوں تر پایا اور اُسی حوالے سے پایا میری خوش گوار حیرت کی انتہا نہ رہی مگر ایک علمی رکاوٹ سامنے آئی کہ اول الذکر تمام عظمتیں اکثر منصوص ہیں مگر یہاں بظاہر کوئی نص نظر نہیں آئی تو فوراً قرآن کی ایک آیت کریمہ حوالۂ محبت بن کر سامنے آ گئی۔ "وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ" (الانبیاء: ۱۶۴) اے حبیب ہم نے آپ پر بعض شان والے رسولوں کے تذکرے بیان کر دیے ہیں پہلے سے اور کچھ شان والے رسول ایسے ہیں جن کے تذکرے تو ہم نے آپ پر بیان نہیں فرمائے۔

قارئین محترم! جن رسولوں کے قصے قرآن میں بیان کیے گئے وہ تقریباً ستائیس ہیں حالانکہ کل تعداد سوا لاکھ کم و بیش بیان کی جاتی ہے۔ ان ستائیس کے علاوہ کسی کو بھی باتفصیل بطور نص قرآن میں بیان نہیں کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی رسالت غیر مقبول ہے یا ان کی شانوں میں کوئی کمی ہے۔ نعوذ باللہ۔ یہ اسی طرح شانوں والے نبی ہیں جس طرح منصوص شان والے رسول

ہیں۔ اصولِ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ منصوص علیہ میں جو علت (وصف) ہو وہ وصف علت اگر غیر منصوص میں بھی پایا جائے گا جو علت منصوص علیہ میں ثابت ہوگی اشتراکِ علت کی بنیاد پر وہی عظمت غیر منصوص میں پائی جائے گی تو اس اصول پر لاکھوں فقہی مسائل استنباط ہوئے ہیں۔ غیر منصوص میں موثر دلیل وہ علت وصف ہے جو منصوص میں ہے اگر علت بھی منصوص ہے اور دلیل دلالت وثبوت میں قطعی ہے تو منصوص علیہ دلیل پر کیا جانے والا قیاس بھی قطعی ہوگا۔ بنابریں اس مسلمہ قاعدے کی روشنی میں طے یہ ہوا کہ جو اوصاف نقوشِ محبت کی صورت میں جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیکرِ عظمت میں بطور وصف موجود ہیں وہ اوصاف کسی اور میں بھی پائے جائیں تو جو تکریم دلائل کی صورت میں منصوص اعتبار سے سید ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی متعین ہوگی وہی تکریم وعظمت غیر منصوص شخص میں یقینی ہوگی۔ بنابریں جو جملہ افضل البشر بعد الانبیاء کا جناب صدیق اکبر کے لیے بولا جاتا ہے وہی جملہ افضل البشر بعد الانبیاء کا ان کے غیر کے لیے بھی بصورتِ قیاس شرعی بولا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک وصف دونوں کی عظمت میں موثر علمی ہے اول الذکر میں بطور نص موثر ہے اور ثانی الذکر میں بطور قیاس موثر ہے کیونکہ جو علتِ عظمت مقیس علیہ میں بطور نص موثر علمی ہے وہی علت بطور دلیل مقیس میں بھی موثر ہے۔ بنابریں جو اوصاف بطور نقوش محبت ذات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں پائے گئے منصوص مقیس علیہ دلیل کی صورت میں وہی اوصاف بدرجہ اتم سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پیکرِ عصمت میں پائے گئے۔ لہٰذا ہر دو شخصیات کو افضل البشر بعد الانبیاء کہا جاسکتا ہے۔ کوئی علمی مانع کائنات میں موجود نہیں۔ یہ دونوں نفوسِ قدسیہ اوصافِ خدمت ونصرت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے لیے مانع ہوسکتے ہیں نہ ہی باہمی مدمقابل ہوسکتے ہیں بنابریں سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام کو افضل البشر بعد الانبیاء کہنا ممنوع شرعی نہیں۔ رہے تکفیری دلائل تو آپ جان چکے ہیں ان کی کوئی یقینی، قانونی حیثیت نہیں وہ اس ضمن میں بوگس اور جھوٹے ہیں۔

آئینہ سیرتِ صدیقی میں حُسنِ بوطلبی کی تلاش

قارئین محترم! میں نے سیرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے عنوان کا آئینہ اس لیے بنایا کہ بات افضل البشر بعد الانبیاء کی ہورہی ہے اس مناسبت سے بطور حوالۂ علم بھی میں نے "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ بِالتَّحْقِيْقِ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ سَيِّدُنَا اَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ" کی ہی ذات کو بنایا تاکہ حوالے کی عظمت کی بنیاد پر عنوان کی عظمت کا اندازہ ویقین ہوسکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر اوقات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مقتدر اہل علم نے بالاستعیاب مطالعہ کیا ہوتا ہے مناقب وفضائل پر مشتمل علمی ذخیرہ ان کو مستحضر ہوتا ہے۔ اس لیے انھیں سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

میری علمی بے بسی

یہ ہے کہ میری علمی قلمی صلاحیت میں اتنا دم خم ہی نہیں کہ میں سیرت صدیقی کی عظمت کے کسی ایک پہلو کا بھی احاطہ کر سکوں۔ یہ بات میں کسی خوشامدی یا نظری پہلو سے نہیں کر رہا بلکہ میری آنکھوں نے اُن کی حقیقتوں کو قریب سے دیکھا ہے صرف ایک مختصر سا منظر پیش کرتا ہوں میں قرآن کی سورۂ ذاریات پڑھ رہا تھا جب اس سورہ کی آیت نمبر ۴۷ پر پہنچا تو حیرت کے سمندر میں اتر گیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو چیلنج فرمایا کہ تم میرا شریک بناتے ہو۔ ذرا میری قدرت کا نظارہ تو کرو آسمان کو دیکھو ذرا اس کی وسعت کا ہی اندازہ کر کے بتاؤ اس کا جغرافیہ کتنا ہے کتنے مربع میل ہے؟ تو کائنات کے دانشور آج تک بلکہ تا قیام قیامت تک خاموش رہیں گے نہ کوئی بتا پایا ہے نہ ہی کوئی بتا سکتا ہے کیونکہ خالق سماء نے خود ارشاد فرمادیا ہے۔

"وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ۝" (الذاریات: ۴۷)

جب سے ہم نے آسمان بنایا تب سے ہم نے اسے وسعت پذیر رکھا ہے اور یہ ہماری قدرت کا تسلسل جاری رہے گا۔ اللہ اکبر۔ قارئین محترم! ایک طرف قرآن میں مجھے یہ منظر نظر آیا کہ کائنات کا کوئی جغرافیہ دان خدا کے آسمان کا احاطہ نہیں کر سکتا تو کسی عاشق سرمست کی گرم آہ کا احاطہ کیسے کر پائے گا؟ ذرا غار ثور میں شب ہجرت کی عظمت میں اُتر کر دیکھئے تو سہی جس کی تین راتوں کی گرم سانسیں سرد آہیں حزن کی کیفیات استقامت کی قوت کی عظمت کو زبان رسالت اس صورت میں بیان کر رہی ہے کہ صدیق اکبر کی غار والی نیکی کا نور وسیع وعریض آسمان کے نوری ستاروں کے نور پر غالب ہے۔ تو اب مجھ جیسا ناتواں طالب علم سیرت صدیقی کی عظمت کا کیا احاطہ کر سکتا ہے؟ ان راتوں کا عنوانِ محبت کیا تھا؟ حفاظت پیکر نبوت اور اگر یہی عنوان کئی سال پہلے مضمونِ عشق شعب ابی طالب میں خون جگر سے تحریر کیا جارہا ہو تو کتنے صفحاتِ آسمان لائے جائیں گے؟ شب ہجرت کی تین راتوں کے نور کا سامنا آسمانِ دنیا جس کا سینہ لاتعداد ستاروں کے نور سے مزین ومنور ہے نہیں کر سکا تو تین سالوں کا سامنا کیسے کر پائے گا۔ حالانکہ غار ثور اور شعب ابی طالب کے ماحول کا ایک واضح فرق ہے۔

۱۔ غار ثور کی مدت قیام فقط تین دن رات ہے مگر شعب ابی طالب کی مدتِ قیام مسلسل تین سال ہے۔

۲۔ غار ثار کا موسمی ماحول خنک اور ٹھنڈا ہے قدرے مگر شعب ابی طالب کی موسمی شدت حرارت سے پتھر بھی پگھلا دیتی ہے۔ گرم لُو دن بھر جسموں کو جھلساتی رہتی ہے۔

۳۔ غار ثور میں نرم ریت ہے اوپر گرم بستر ہے کپڑے کا پیکر نبوت کے لیے مگر شعب ابی طالب میں نوکیلے پتھر اور سنگریزوں کا بستر ہے۔ دیگر بھاری پتھر سرہانہ ہے۔ دن کو گرم لُو جھلساتی ہے رات کو دن بھر کی گرمی کی شدت کوئلے کی طرح دہکتے ہوئے

انگارہ نما پتھروں کی حدت پیکر نبوت کا استقبال کرتی ہے۔

۴۔ غار ثور میں پیاس بجھانے کے لیے پانی کا مشکیزہ ہے بھوک مٹانے کے لیے خورد ونوش کا سامان زیست میسر ہے مگر شعب ابی طالب میں پانی کی بوند بھی نہیں۔ بھوک مٹانے کے لیے پتھر پیٹ پر باندھے جا رہے ہیں یا کسی کو کوئی سالوں پرانا چمڑا ملتا ہے تو اُسے چبایا جا رہا ہے۔

۵۔ غار ثور کی خلوتوں میں احساس اجنبیت مٹانے کے لیے لاتحزن کی مانوس دلربا آواز تسلی دے رہی ہے۔ مگر شعب ابی طالب میں ایسی کوئی آواز نہیں جو غم اجنبیت کا ازالہ کر سکے مونس وغم خوار بن سکے وہاں صرف ہُو کا عالم ہے۔ لحہ بہ لحہ غم واندوہ میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے اور بس۔

۶۔ غار ثور سے نکلنے کے لیے اُمید واثق موجود ہے کفار کے چلے جانے کے بعد مگر شعب ابی طالب سے نکلنے کی کوئی ایک بھی مبہم سی امید نہیں تھی۔

۷۔ غار ثور میں خبر رسانی کے لیے مخبرہ جناب سیدہ اسما بنت ابی بکر فریضہ سرانجام دیتی تھیں جس سے حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوتا رہتا تھا مگر شعب ابی طالب میں صرف غریب الوطنی کی مایوسیاں تھیں جو سید بطحاء کی رفیق سفر تھیں۔

۸۔ غار ثور میں مکڑی کا جالا کبوتری کے انڈے دیگر حفاظتی اہتمام قدرت تھا مگر شعب ابی طالب میں دشت وبیابانی کی کھلی فضاء اور کس مپرسی کا عالم تھا۔ دشمن کی ہر طرف سے یلغار کا سامنا تھا بے سروسامانی اثاثہ تھا۔ بنی ہاشم کے شیر خوار بچوں کی فلک شگاف چیخیں تھیں بھوک پیاس سے نڈھال ہاشمی جوانوں کی سرد آہیں۔ عصمت مآب بنی ہاشم کی مستورات کے صبر کی گرمی ہر لمحے نئی وتازہ صورت حال کی سنگینی کفارِ مکہ کی غنڈہ گردی اور دہشت گردی کا احساس سید بطحاء کا سرمایہ عشق تھا۔ اب بولیے جناب افضل البشر کے اعتبار سے سیرت صدیقی کو اسوۂ کہوں یا عشق بوطلبی کو اسوۃ الاسوہ کہوں؟ نقوشِ محبت وعشق کا وجود اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کہوں یا حضرت ابوطالب علیہ السلام کو؟ زینت اہل محبت اولاً صدیق کائنات رضی اللہ عنہ کو کہوں یا سید بطحاء حضرت ابوطالب کو کہوں۔ تاریخ عشق وجنوں کا باب اول کس کو کہوں؟ منصب نصرت رسول کا عنوان اول کس کو کہوں؟ حمایت نبوی کا نقش اول کس کو کہوں؟ قربانیوں کی خون آشام داستان کا آغاز کس سے کروں؟ شہادتوں کا امین اول کس کو کہوں؟ حرمتوں کا پہلا تسلسل کس کو کہوں؟ اہل علم کا علمی تانا بانا اپنی جگہ مگر زمینی حقائق پورے تواتر کے ساتھ داستان عزیمت کا پہلا ورق افضل البشر بعد الانبیاء بالقول الغالب سیدنا ابوطالب کو قرار دے رہے۔ میں نے کبھی نہیں چاہا کہ میں ان ہر دو افضل البشر بعد الانبیاء نفوسِ قدسیہ میں سے کسی ایک کو اولیت میں ترجیح دوں، فیصلہ کرنے میں میری علمی بے بسی بالکل واضح ہے تاہم اتنا ضرور ہے کہ یہ دونوں نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے زمانے اپنی اپنی وفاؤں کے تسلسل میں افضل

البشر بعد الانبیاء بھی ہیں اپنے اپنے زمانہ وایثار میں زمانہ قربت وصحبت میں زمانہ صحابیت میں اول بھی ہیں۔ افضل بھی ہیں۔ ان ہر دو میں باہمی امتیاز میرے بس کی بات نہیں۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اس کا محبوب ﷺ جانتے ہیں تاہم میں اتنا جانتا ہوں کہ کائنات کی کوئی طاقت ان نفوس قدسیہ سے نہ اولیت چھین سکتی ہے نہ افضلیت چھین سکتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اپنے اپنے وقت میں وفائے رسول ﷺ میں جذبہ عزیمت ونصرت کو اپنے کردار سے عظمت معراج بخشی ہے انھیں نقوش وفا کو ہی قرآن نے یوں بیان کیا۔

"فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا" (البقرہ: ۱۳۷)

اے حبیب ﷺ کے حامیو اگر کائنات کے باسی تمہارے نقوش وفا پر چلیں گے تمہارے خطوط محبت پر چلیں گے تو پھر ان کو نور ہدایت سے نوازا جائے گا۔

"وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ"

اگر خاکدان عالم میں رہنے والوں نے اس طرز وفا سے منہ پھیرا تو بدبختی اُن کا مقدر ٹھہرے گی۔ بنابریں قارئین محترم "افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ" اپنے مقام اولیت وافضلیت میں اپنی مثال آپ ہیں اور "افضل البشر بعد الانبیاء بالقول الغالب سیدنا ابو طالب علیہ السلام" اپنے مقام اولیت وافضلیت میں اپنی مثال آپ ہیں۔

امیر العاشقین وامیر الناصرین سید المحبین وخیر الحامیین سیدنا ابوطالب علیہ السلام اپنے زمانے میں اپنے اعتبار سے ایک عبقری شخصیت ہیں نابغہ روزگار ہیں ان کا روشن کردار ہی اتنا واضح ہے کہ ان کو اہل علم کی تائیدی قول کی ضرورت ہی نہیں نہ وہ روایتی علم کے محتاج ہیں نہ منکرین ابی طالب کے فضول فتووں کی انھیں پرواہ ہے قدرت نے جو انھیں منصب دیا ہے وہ کائنات کے ہر منصب سے جدا ہے ممتاز ہے فزوں تر ہے خدمت نبوت کا پچاس سالہ گولڈن اعزاز صرف انھی کا خاصہ ہے۔ معاصر اہل علم کی آئیں بائیں شائیں اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔

شان صحابیت اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سید بطحاء علیہ السلام

قارئین محترم! کائنات میں دینی اعتبار سے شان نبوت کے بعد سب سے بڑی شان شان صحابیت ہے۔ تاجدار صداقت، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت والی شان بڑی بے مثال ہے اپنی عمر مبارک کے تمام لوگوں سے سب سے پہلے دامن نبوت سے وابستہ ہوئے۔ شان صحابیت کا عظیم مرتبہ پایا۔ ان کی صحابیت کی قطعیت کا علماء کرام اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (التوبہ:۴۰)
دو میں سے دوسرے نے کہا اپنے صاحب سے کہ غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔
ان صحبت و معیت کی نص نے صحابیت صدیقی کا قطعی اور یقینی ہونا بیان کر دیا انہی عظمتوں کو جب یکجا کیا گیا تو اہل علم نے برجستہ کہا "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ بِالتَّحْقِیْقِ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ سَیِّدُنَا اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ" گویا صحبت و معیت نبوی کا ہر امر ہی منفرد عظمتوں کا باعث ہے جتنی کسی کی نبوی پیکر کے ساتھ صحبتیں معیتیں زیادہ ہوں گی اتنا ہی اس کا مقام و مرتبہ عظمت والا ہو گا اب اسی تصورِ عظمت کو ذرا ذہن میں رکھیں اور حرمِ نبوت کا ریکارڈ چیک کریں آپ کو اس عظمت میں جو سب سے پہلا وجود نظر آئے گا وہ "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ بِالْقَوْلِ الْغَالِبِ سیدنا ابو طالب علیہ السلام" کا وجود مسعود ہی نظر آئے گا۔ مگر ان کی امتیازی شان اس بات پہ ہے کہ پوری کائنات میں جتنی صحبتیں اور معیتیں پیکر نبوی کے ساتھ حضرت ابو طالب علیہ السلام کو میسر ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ مزید انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی صحبت معیت میں ایک اضافی شان والا امر ہے وہ انضمامیت ہے قرآن اس کی یوں گواہی دیتا ہے۔ "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" "اے حبیب ہم نے آپ کو یتیم پایا پھر آپ کا انضمام فرما دیا آپ کو وجودِ ابو طالب سے ضم کر دیا ملا دیا۔ یہ ہم نے آپ پر احسان فرمایا ہے۔ کائنات کا کوئی شخص اس مرتبے پر نہیں پہنچ سکتا زمینی حقائق بھی اسی کی گواہی دیتے ہیں پچاس سالہ انضمامیت صرف اور صرف "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ بِالْقَوْلِ الْغَالِبِ سیدنا ابو طالب علیہ السلام" کا ہی خاصہ ہے۔ منصوص علیہ صحابیت صدیقی کی قطعیت کا قول اہل علم کرتے ہیں اور بجا کرتے ہیں اور یقیناً بجا کرتے ہیں تو پھر سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کی شان صحابیت کی قطعیت کا قول کیوں نہیں کیا جاتا حالانکہ ان کو پچاس سالہ نبوی صحبتیں معیتیں بھی میسر ہیں اور شانِ انضمامیت کا ٹائٹل ان کا انفرادی ٹائٹل ہے یقیناً ان کی صحابیت بھی قطعی اور یقینی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

منکرینِ ابی طالب یہ شبہ ڈالتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب ابراہیم علیہ السلام بھی تو ایک کافر کے ساتھ رہے ہیں اس نبوی معیت نے انہیں کچھ نفع نہیں دیا تو ابو طالب کو نبوی معیت کیا نفع دے گی حالانکہ فرعون بھی کافر تھا آذر بھی کافر تھا۔ مختصر مگر جامع جواب یہ ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد کوئی ثابت کر دے کہ فرعون موسیٰ کے ساتھ رہا ہو یا آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہا ہو؟ بلکہ اعلانِ نبوت کے بعد یہ دونوں کافر دشمن بن گئے تھے ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے۔ مگر "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ بِالْقَوْلِ الْغَالِبِ سیدنا ابو طالب علیہ السلام" تو دس سال تک اعلانِ نبوت کے بعد نبوت کا حصار بن کر رہے ہیں۔ پہرے دار بن کر رہے ہیں غمگسار بن کر رہے ہیں دلدار بن کر رہے ہیں اعتبار بن کر رہے ہیں عشقِ نبوی میں سرشار بن کر رہے ہیں دین

نبوی کی حمایت میں طرفدار بن کر رہے ہیں۔

آزر و فرعون کا موازنہ سید بطحاء سے کرنا بدترین جہالت ہے۔ اسلام دشمنی ہے (فریدی)

۱۔ آزر نے بت بنائے، بیچے اور پوجے۔ سید بطحاء علیہ السلام نے کون سے بت بنائے، بیچے اور پوجے؟

۲۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا سید بطحاء علیہ السلام نے کونسا دعوے خدائی کیا؟

۳۔ آزر و فرعون اعلانِ نبوت کے بعد ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے دشمن بن کر رہے۔ مگر حضرت ابوطالب علیہ السلام اعلانِ نبوت کے بعد نبی علیہ السلام کے محسن بن کر رہے۔ بولیے جناب اب بھی یکسانیت تراش کر کے لے آیئے۔

ایثارِ صدیقی رضی اللہ عنہ اور مرتبہ سید بطحاء علیہ السلام

ایثار و قربانی ہر دین کے ابلاغ میں جاری رہی یہ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے۔ احقاق حق کی خاطر قربانیاں ہوتی رہیں اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کی خاطر اہل محبت درجہ بدرجہ قربانیاں دیتے رہے۔ شہید ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ صاحبان نبوت و رسالت بھی شہید کیے گئے حسب روایت اسلام کا آغاز بھی قربانیوں سے ہی ہوا۔ ہر ایک فردِ محبت نے حسب استطاعت قربانیاں دیں۔ ہر قربانی کی ایک الگ داستانِ عظمت ہے۔ اور منفرد مقام ہے مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایثار اپنی مثال آپ ہے مکی نبوی مشن میں بطور خادم آپ پیش پیش رہے اس حمایت پر کفار مکہ نے اس قدر زدوکوب کیا کہ سانسیں اُکھڑ گئیں دیر تک موت وحیات کی کشمکش میں رہے۔ جونہی سانس بحال ہوئی تو پہلی سانس میں ہی خود کو بھول گئے اہل خانہ سے پوچھا کہ بتاؤ میرے کریم آقا کا کیا حال ہے؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے ایثار و پیار کی کہ اسے قیامت بھی نہیں توڑ سکتی۔ پھر اس طرح کا تسلسل عمر بھر جاری رہا۔ مالی قربانی ہو یا جانی ہو شانِ صدیقی نے ہراول دستے کا کام کیا ہے۔ اور ہر اعتبار سے نمایاں رہے ہیں۔ ان قربانیوں کا اعتراف خود زبانِ رسالت نے بھی فرمایا ہے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ "أَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ" کا ٹائٹل اس نفسِ محترم کو جذباتی نہیں دیا گیا خوب چھان بین کے بعد دیا گیا ہے۔ قارئین محترم اسی آئینہ ایثار میں اگر دیکھا جائے تو کائنات میں ایک فرید و فرد ملت اسلامیہ سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں۔ جو قربانیوں کا تسلسل سید بطحاء حضرت ابوطالب علیہ السلام میں نظر آیا ہے پوری کائنات میں نظر نہیں آتا۔ پچاس سال تک مسلسل راتوں کی بیداریاں، حفاظت نبوی میں دنوں میں یہود بے بہبود کے دستِ ستم سے حفاظت پیکر نبوت کے قتل کے منصوبے تعاقب مورچہ بندی، پورے مکہ کی مزاحمت کے مدمقابل یہ نحیف البدن شخص عالم پیری میں بھی شیر دل نوجوان لگتا ہے لمحہ بہ لمحہ خطرات بڑھتے گئے مگر ادھر ایثار و قربانی کے جذبات بڑھتے گئے مکہ کے سنگین حالات ہوں یا شعب ابی طالب میں جانکاہ صورتِ حال ہو یہ ناتواں بابا ضعف العمری کے باوجود بھی جوان ہمت بن کر پیکر

بوت کا دفاع کرتا رہا۔ ساری عمر اس عظمت میں قربان کر دی ساری دولت اس حفاظت میں قربان کر دی ساری اولاد اس حرمت کے اقدس میں خاک و خون میں نہلا دی تاجدار ولایت کی قربانی اور انمول قربانی اس مقدس مشن میں پیش کی حضرت جعفر طیار جس کا طلق بھی نبوی ہے اور حضرت عقیل بن ابی طالب بھی اسی کام آئے گویا باقیات صالحات کے سارے اثاثے کا خون جمع کیا اور شجر اسلام کی جڑوں میں نذر کر دیا اور پھر یہ قربانیوں کا تسلسل تھما نہیں اپنے بیٹوں کی باقیات صالحات کی مسلسل قربانیاں اسلام کو نذر کیں گویا سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کے دامن میں قربانیوں کے سوا اور کوئی دولت نہیں جو کچھ تھا سب کا سب اسلام کو پیش کر دیا۔ میں معاصر اہل علم کو دعوت تحیر دیتا ہوں کہ ذرا دامنِ بوطلبی میں بھی محبت کی نظر سے جھانک کر دیکھیں جہاں اتنی قربانیاں ہوں وہاں کفر تلاش کرنا بدترین جرم ہے۔ ہے کائنات میں کوئی ایسا شخص جس کے دامن میں اتنا پیار ہو تو سامنے لاؤ جس دن وہ شخص سامنے لے آؤ گے ہم اپنا قلم روک لیں گے۔

پھر میرا اس بے مثال شخص امیر العاشقین سید المحبین تاجدار اہل وفا سید بطحاء حضرت ابو طالب علیہ السلام کو افضل البشر کہنا ہرگز بے جا نہیں عین حق ہے۔ "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ بِالْقَوْلِ الْغَالِبِ سیدنا ابو طالب علیہ السلام" کی شان یقیناً وراء الوریٰ ہے اللہ تعالیٰ فہم دے آمین

آخر میں معاصر اہلِ علم سے گزارش

ا۔ میں نے یہ کتاب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے رکھی ہے۔

ا۔ یہ کتاب محض اتحادِ اُمت کے جذبے سے لکھی ہے اور اتحادِ اُمت کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے لکھی ہے۔

۳۔ نے یہ کتاب صرف ان اہل محبت کے لیے لکھی ہے جو حرم نبوت سے والہانہ عقیدت محبت سے ہمہ وقت سرشار رہتے ہیں۔

۴۔ معاصر اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا خلوصِ نیت کے ساتھ مطالعہ فرمائیں جہاں کہیں کوئی علمی سقم محسوس فرمائیں اس کی علمی نشاندہی ضرور فرمائیں مزید جہاں کہیں میری تلخ نوائی محسوس فرمائیں تو بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے درگزر بھی فرمائیں اور اصلاح بھی فرمائیں۔

۵۔ جہاں کہیں مزید علمی اضافے کی ضرورت محسوس فرمائیں وہاں اپنی علمی قیمتی آراء سے مسکین کو ضرور نوازیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم

۶۔ اگر کسی نے دوبارہ ان زخموں کو تازہ کرنے کی کوشش کی بیہودہ جسارت کی تو یقیناً اگلی مجلدات میں اسے شدید علمی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

خصوصی استدعاء

اہل محبت سے گزارش ہے کہ مسکین کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مسکین کو آخری دم تک حرم نبوت کی نوکری میں قبول فرمائے اس دنیا میں میرے پاس میری بوڑھی والدہ اثاثہ محبت ہیں اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت عطا فرمائے اور ان کی معیت میں بار بار مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری نصیب فرمائے۔ وہاں اس کتاب کی تقریب رونمائی کی توفیق نصیب فرمائے۔ مزید مدینۃ الاولیاء نجف اشرف میں مولائے کائنات کے قدموں میں کربلا شریف میں سید الشہداء کے قدموں میں اس کی تقریب رونمائی کی توفیق ملے مزید اس کار خیر میں اللہ تعالیٰ مجھے ہر طرح کے اسباب نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

آمین بجاہ النبی الکریم "وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آبَائِہٖ وَ اُمَّھَاتِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ وَعَلٰی عَمِّہِ الْکَرِیْمِ اَبِیْ طَالِبٍ علیہ السلام وَبَارَکَ وَسَلَّمَ"

سگِ والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد صداقت علی فریدی

فاضل جامعہ فریدیہ ساہیوال

۱۹۔ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ بمطابق ۶ جولائی ۲۰۱۸

بروز بدھ بعد نماز فجر

باب ۱۴:

الزامِ تکفیرِ ابوطالب علیہ السلام

کا

مروجہ قوانین پاکستان کی روشنی میں جائزہ

الزامِ تکفیرِ ابوطالب علیہ السلام کا مروجہ قوانین پاکستان کی روشنی میں جائزہ

اس باب میں ہم حضرت ابوطالبؑ پر لگنے والے کفر کے الزام کا جائزہ مروجہ قوانین پاکستان کی روشنی میں لے رہے ہیں۔ حضرت ابوطالبؑ پر کفر کا الزام بخاری شریف کی ایک روایت میں بیان ہوا ہے جو کہ ایک مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب بن حزن سے مروی ہے۔

ترجمہ روایت: "حضرت سعیدؒ نے اپنے والد حضرت مسیبؓ بن حزن سے روایت کیا جو کہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوطالبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس ابوجہل بھی تھا آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا لا الہ الا اللہ کہہ دو تا کہ اس کلمہ کے باعث میں آپ کے لیے بارگاہ خداوندی میں کچھ عرض کر سکوں تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ وہ برابر یہی بات دہراتے رہے تو ابوطالب نے ان سے آخری کلام یہ کیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں برابر ان کے لیے استغفار کرتا رہوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت نمبر 113 سورۃ توبہ (مدنی)۔ نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کی بخشش چاہیں، اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں اور دوسری آیت نمبر 56 سورۃ القصص (مکی) یہ نازل ہوئی۔ بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو"

مذکورہ بالا روایت کے مطابق بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے وقت وفات رسالت مآب ﷺ کے اصرار کے باوجود کلمہ نہیں پڑھا مزید یہ کہ روایت کے مطابق انہوں نے جو آخری کلام کیا وہ یہ تھا کہ میں ملت عبدالمطلب پر قائم ہوں۔

اس روایت کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ روایت گویا حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے خلاف ایک سنگین الزام (ایف آئی آر) ہے۔ جس کو بیان کرنے والے روایت کے مطابق ایک صحابی رسول ﷺ حضرت مسیبؓ بن حزن ہیں اور انہوں نے اس وقوعہ کے جو گواہان بیان کیے ہیں وہ اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ہیں اس ضمن میں یہ بات ریکارڈ پر لانا از حد ضروری ہے کہ مذکورہ بالا روایت کے علاوہ جتنی بھی روایات مختلف کتب سیر و احادیث میں مذکور ہیں وہ اسی روایت سے جڑی ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا روایت کے علاوہ کسی ایک روایت میں بھی مذکورہ بالا وقوعہ بیان نہ ہوا ہے۔ بلکہ اگر ان تمام روایات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بطور تائیدی شہادت موجود ہیں۔ وقوعہ ہذا کے متعلق براہ راست کسی بھی کتب تاریخ یا کتب سیرت میں کوئی شہادت نہیں ملتی کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت ابوطالب کو بوقتِ مرگ دعوت اسلام دی گئی اور انہوں نے وہ قبول نہ کی۔ مزید یہ کہ اس کے برعکس کسی بھی ایک روایت سے ان کا زندگی بھر اسلام قبول نہ کرنا سامنے نہیں آتا۔ اس کے علاوہ حضرت ابوطالب پر لگائے گئے کفر کے الزام کے بارے میں منقول تمام روایات کے راویان میں سے ہر طرق (Chain) کا کوئی نہ کوئی راوی غیر معتبر، مجروح یا کاذب ہے۔ کتاب کے مصنف نے یہ مناسب سمجھا کہ حضرت ابوطالبؑ پر لگنے والے اس کفریہ الزام کو مروجہ قوانین پاکستان کی روشنی میں پرکھا جائے تا کہ پڑھے لکھے اور علمی حلقے میں بھی حضرت ابوطالبؑ پر لگنے والے الزام کی حقیقت

واضح ہو جائے کہ ان پر لگنے والے الزام میں کتنی صداقت ہے یا اگر یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ اگر موجودہ دور میں ایسا الزام کسی بھی اسلام کے کسی ایسے مدد و معاون و اعلیٰ کردار کی مالک شخصیت پر لگ جائے کہ جس کے گھر میں رہنے والے زیادہ تر افراد مسلمان اور متقی و پرہیزگار ہوں تو اس کو قانونی نگاہ سے کیسے دیکھا جائیگا۔

Beyond the Shadow of Doubt

موجودہ دور میں دنیا کے تقریباً تمام مسلم و غیر مسلم ممالک میں مروجہ تمام فوجداری قوانین و دیگر قوانین کے بنیادی اصول و ضوابط اسلامی ماخذ قوانین سے ہی ماخوذ ہیں۔ انسان کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں، متنوع قسم کے جرائم، مختلف قسم کے شعبہ جات کے وجود میں آنے کے بعد قانون کی بہت سی شاخیں معرضِ وجود میں آچکی ہیں۔ ابوطالبؑ پر عائد کردہ الزام مسکین کے نکتہ نظر میں فوجداری قوانین کے ضمن میں آتا ہے اسلئے حضرت ابوطالبؑ پر لگنے والے کفر کے الزام کا جائزہ بھی فوجداری قوانین کے تحت ہی لیا جائیگا۔ فوجداری قوانین کے تحت فیصلہ کرنے کے لیے ایک مکمل ضابطہ وضع کیا گیا ہے جس کے ذریعے فوجداری ٹرائل کیا جاتا ہے اس قانون کے تحت الزام ثابت کرنے کے لیے مستغیث کے الزام کو کئی ایک مراحل سے گزارا جاتا ہے اور اگر عائد کردہ الزام تمام متذکرہ مراحل سے کامیابی سے ہمکنار ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہو تو پھر اس الزام کو سچا تسلیم کر لیا جاتا ہے اور ملزم کو گنہگار قرار دے دیا جاتا ہے۔ فوجداری قوانین کے تحت لگائے گئے الزام کو ثابت کرنے کے لیے سب سے پہلا مرحلہ ایف آئی آر کے اندراج کا ہوتا ہے جس کے مطابق مستغیث اپنے الزام کو قانون نافذ کرنے والے ادارے کو رپورٹ کرتا ہے اور باضابطہ اپنا نام و پتہ وغیرہ درج کرواتا ہے مستغیث کو اپنے الزام کو ہر شک و شبہ سے بالاتر ثابت کرنا پڑتا ہے اگر لگائے گئے الزام میں کسی مرحلہ پر ذرا سا بھی شک یا شبہ پیدا ہو جائے تو ملزم کو مذکورہ الزام سے بری کر دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں فوجداری قوانین میں ایک اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جسے Beyond the Shadow of Doubt کہا جاتا ہے یعنی درخواست گزار یا الزام لگانے والے کو اپنے الزام کو ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ثابت کرنا پڑتا ہے یہ اصطلاح دراصل اسلام کے اس سنہری اصول سے ماخوذ ہے کہ جس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ قاضی کو سزا دیتے وقت اگر الزام کے بارے میں تھوڑا سا بھی شک پیدا ہو جائے تو بہتر ہے کہ وہ دس گنہگار افراد کو چھوڑ دے مگر کسی ایک بے گناہ شخص کو بھی سزا نہ دے۔ حوالہ کے لیے اعلیٰ عدلیہ کے مندرجہ ذیل فیصلہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔

1. 2018 SCMR P 313

8.The most important aspect of the prosecution case is that appellant alongwith his co-accused namely Altaf Hussain, Matloob and Iftikhar Hussain fired at the deceased. Firstly specific roles were assigned to the appellant and his co accused. Thereafter, it was alleged / stated that the appellant and his co-accused fired at the deceased which hit him on different parts of the body. Dr. Liaqat Ali (PW1) who conducted the postmortem examination on the dead body of the deceased Talib

Hussain observed 11 firearm injuries on the body of the deceased, out of those seven (07) were entry wound and three were exit wounds, whereas one was a grazing firearm wound. The learned trial court acquitted the co-accused of the appellant who had also been assigned the specific and general role of firing at the deceased along with the appellant but no appeal was filed by the complainant or the state in the next higher forum against their acquittal to their extent. Besides, the learned High Court has already disbelieved the motive part of the prosecution story in Para 9 of the impugned judgment for valid reasons as the prosecution was not able to give details of the land dispute between the parties. The recovery of 8 MM rifle on the pointation of appellant is also inconsequential because no empty was secured from the spot by the investigating agency. In these circumstances, independent and strong corroboration from other pieces of evidence is required to believe the same set of evidence against the appellant which has already been disbelieved by the learned trial court against his acquitted co-accused, whose roles were quite similar as that of the appellant. Such corroboration is very much lacking in the instant case. Considering all these circumstances, we have no manner of doubt in our mind that prosecution has failed to prove its case against the appellant beyond any shadow of doubt.

2. 2018 SCMR 87

10. The petitioner should be conscious of the fact that the charge of corrupt practices is in the nature of a criminal charge and has to be proved beyond any shadow of doubt. The standard of proof required for establishing such charge is the same as is applicable to a criminal charge. The evidence should be absolutely credible by the standards of the appreciation applicable to criminal cases and should be able to stand the test of strict and scrupulous scrutiny.

3. 2019 MLD 162 FSC

10. It is not out of context to mention here that the concept of benefit of doubt to an accused person is deep routed in our country. The prosecution is duty bound to prove its case beyond the shadow of reasonable doubt and if any single or slightest

doubt is created, benefit of same must got to the accused and it would be sufficient to disbelieve the prosecution story. Benefit of doubt would go to the accused, regardless of fact whether he had tken such plea of not. If need arises, reliance may conveniently be placed on the case of Tariq Pervaiz V. The State 1995 SCMR 1345 Muhammad Akram's case 2009 SCMR 230 and Faryad Ali case 2008 SCMR 1086. Keeping in view the aforesaid peculiar facts and circumstances; more particularly, the cross-examination of prosecution witnesses reproduced in paragraph-5/ ante creates reasonable doubts in a prudent mind about the guilt of the accused. Moreso, the appellant being an injured person has been convicted and sentenced for offences, ingredients of which are not attracting in the circumstances of present case, therefore, it is a fit case in which the accused is entitled to the benefit of doubt not as a matter of grace but as a matter of right as there being no satisfactory basis for upholding the conviction and sentence of the appellant.

نمونہ ابتدائی اطلاعی رپورٹ

مقدمہ نمبر   تھانہ: ضلع: تاریخ و وقت وقوعہ 15 شوال 10 نبوی

1 تاریخ و وقت رپورٹ 19 ہجری تقریباً   6 تھانہ سے روانگی کی تاریخ و وقت

2 نام و سکونت اطلاع دہندہ و مستغیث   مسیب بن حزن (بوقت وقوعہ غیر مسلم)

3 مختصر کیفیت جرم۔   اسلام قبول کرنے سے انکار کیا

4 جائے وقوعہ و فاصلہ تھانہ سے اور سمت   اندر چار دیواری (چونکہ زمانہ نبوت میں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے تمام اختیارات جناب رسالت مآب ﷺ کے پاس ہی تھے)

5 کاروائی متعلقہ تفتیش اگر اطلاع درج کرنے میں وقوعہ کے تقریباً 32 سال بعد الزام کسی دیگر شخص کو بیان ہوا۔ اور اسکی کچھ توقف ہوا ہو تو اسکی وجہ بیان کی جاوے کوئی وضاحت تاریخ و سیرت و حدیث کی کتب میں موجود نہ ہے۔

رپورٹ وقوعہ میں تاخیر

روایت کے مطابق وقوعہ 15 شوال 10 نبوی کا ہے جبکہ مستغیث نے تاریخی ریکارڈ کے مطابق یہ وقوعہ پہلی دفعہ وقوعہ کے 32 سال بعد اپنے بیٹے سعید بن مسیب سے بیان کیا جس کا حوالہ بخاری شریف کی مذکورہ بالا روایت میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ وقوعہ اس سے پہلے کبھی بھی کسی مسلم یا غیر مسلم سے بیان نہیں ہوا جبکہ روایت کے مندرجات کے مطابق بوقت وقوعہ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ جو کہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے جانی دشمن تھے وہ وہاں موجود تھے مگر انہوں نے یہ وقوعہ کسی بھی مسلم یا

غیر مسلم کو بیان نہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وقوعہ کے بارے میں گواہان کا conduct نیچرل نہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ گواہان جو کہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے اور کسی بھی موقع پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اس اتنے بڑے واقع کے بعد وہ خاموش نہ رہتے۔ ان کا نیچرل Conduct یہ ہونا چاہیے تھے کہ وہ اس وقوعہ کو مکہ میں رہائش پذیر اسلام کے حامی و دشمنان تک بلا حیل وحجت پہنچاتے تاکہ مسلمانوں کو اس کے ذریعے اسلام سے بدظن کیا جاتا اور غیر مسلمانوں کو اسلام کے قریب آنے سے روکنے کے لیے اسے ڈھال بنایا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مزید یہ کہ مستغیث خود بوقت وقوعہ مسلمان نہ تھے اور ان کا موقع پر موجود ہونا بھی نہیں پایا گیا اس کے علاوہ اگر گواہان کی موجودگی کا تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی Eye Witness نہیں بنتے بلکہ زیادہ سے زیادہ انہیں Chance witness کہا جا سکتا تھا اگر وہ خود اپنی زبان سے اس وقوعہ کو کسی دیگر شخص سے بیان کرتے۔ جب مستغیث کا خود بوقت وقوعہ وہاں موجود ہونا نہیں پایا گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس واقع کی خبر کس نے دی؟ اس ضمن میں بھی تاریخ احادیث اور سیرت کی تمام کتب خاموش ہیں۔

وقوعہ کے رپورٹ کرنے میں تاخیر پر اعلیٰ عدلیہ نے بے شمار نظائر قائم کیے ہیں جن کی رو سے اگر تاخیر کی مناسب اور صحیح وضاحت نہ ہو تو یہ صرف الزام مشکوک ہو جاتا ہے بلکہ اسے ناقابل یقین تصور کیا جاتا ہے۔ حوالہ کے لیے مندرجہ ذیل فیصلہ جات پیش کیے جاتے ہیں

4. 2018 YLR 1745(DB)

7. We have heard learned counsel for the appellant / complainant and also gone through the evidence available on the record as well as the impugned judgment. As per prosecution version, the alleged incident took place on 17.2.2014 at about 1:00 p.m. but the matter was reported to Levies Thana on 19.2.2014 at about 4:00 p.m i.e. with the delay of about two days and the prosecution failed to satisfactorily explain the delay in lodging of the FIR regarding incident of the case, whereas the distance between the place of occurrence and the Levies Thana was about eight kilometers. It is well settled law that the factum of delay caused in lodging of FIR must be explained by the complainant plausibly, if he failed to furnish the circumstances beyond his control or sound justification in this regard, the allegations leveled in FIR would be presumed the result of deliberation, negotiation, discussion and after thought with sole drive and ulterior motives to get the accused convicted, therefore, such deliberate delay cannot be ignored by the Court in routine matter.

5. 2018 SCMR 326

5. It has been observed by us that the occurrence in this case as per prosecution took place on 03.09.1999 at 3:00 a.m. (later half of night and the matter was reported

to the police on the same day at 8:30 a.m. i.e. after five hours and thirty minutes of the occurrence. The distance between the place of occurrence and the police station is 9 miles. The postmortem on the dead body of deceased was conducted on the same day at 2:00 pm i.e. after 11 hours of occurrence. No explanation whatsoever has been given by the complainant Shahadat Ali (PW5) and Umer Daraz (PW6) in the FIR or while appearing before the learned trial court qua the delay in lodging the FIR or or that matter the belated postmortem of the deceased?

6. PLD 2019 SC 64 (Headnote)

(d) Criminal Procedure Code (V of 1898)---- ----S. 154--Delay in lodging First Information Report (FIR)---Effect----in absence of any plausible explanation, the Supreme Court had always considered the delay in lodging of FIR to be fatal and it casted a suspicion on the prosecution story, extending the benefit of doubt to the accused---If there was any delay in lodging of FIR and commencement of investigation, it gave rise to a doubt, which, could not be extended to anyone else except to the accused.

مستغیث/ اطلاح دہندہ:۔

روایت زیر بحث کے مطابق اس وقوعہ کے مستغیث حضرت مسیب بن حزنؓ ایک صحابی رسول ﷺ ہیں کہ جو خود بوقت وقوعہ موقع پر موجود نہ ہیں اس کے علاوہ بوقت وقوعہ وہ مسلمان بھی نہ تھے وقوعہ 10 ء نبوی ﷺ کا ہے جبکہ حضرت مسیب بن حزنؓ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے یعنی کہ وقوعہ کے تقریباً 11 سال بعد مسلمان ہوئے تھے روایت کے اصول کے مطابق راوی کا بوقت روایت بطور مسلمان سماع ضروری ہے یا پھر راوی نے وہ روایت کسی ایسے صحابی سے سماعت کی ہو جو کہ بوقت سماع مسلمان بھی ہو اور وہ موقع پر موجود بھی ہو مزید یہ کہ حضرت مسیب بن حزنؓ نے بطور مسلمان رسول اللہ ﷺ کا زمانہ صرف دو سال پایا اور اس دو سال کے عرصہ میں بھی وہ زیادہ تر مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اور ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے گھریلو معاملات میں کسی قسم کی نشست کے ہونے کے بارے میں تاریخ اور سیرت کی کتب کے اوراق خاموش ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مسیب بن حزنؓ کی طرف منسوب مذکورہ بالا روایت میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہ ہوا ہے کہ انہوں نے یہ روایت کس صحابی یا کسی دیگر شخص سے سنی حالانکہ بوقت وقوعہ حضرت ابوطالب کے قریبی رشتہ دار جن میں آپ کے بیٹے آپ کی زوجہ، آپکی بھابھی وغیرہ مسلمان ہو چکے تھے اور یہ روایت خاندان ابوطالب میں سے کسی بھی شخص سے مروی نہ ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ حضرت ابوطالبؑ کے سگے بھتیجے ہونے کے ناطے آپ کے گھر میں ہی رہائش پذیر تھے مگر آپ ﷺ نے بھی بحیثیت پیغمبر

اسلام ﷺ اس بات کو کہیں بیان نہ کیا کہ ان کے چچا حضرت ابوطالب نے پوری زندگی کلمہ نہ پڑھا بوقت وقوعہ خاندان ابوطالب کے علاوہ قریش کے دوسرے قبیلوں کے لوگ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اور آپ ﷺ کے بھائی حضرت امیر حمزہؓ بھی اسلام قبول کر چکے تھے مگر ان مذکورہ بالا شخصیات میں کسی ایک شخص سے بھی روایت میں بیان کردہ وقوعہ کسی جگہ یا کسی وقت بیان نہ ہوا ہے جس سے ایک Prudent Mind میں وقوعہ کے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں قانون کی رو سے اگر بہترین شہادت عدالت میں پیش نہ کی جائے تو وقوعہ ناقابل یقین ہو جاتا ہے۔ حوالے کے لیے مندرجہ ذیل نظائر پیش کی جاتی ہیں۔

7. 2018 YLR 282 (Para No.9)

Thus, it can be said with certainty that the prosecution withheld its best piece of evidence. Even otherwise, it is settled principle of law that if a best piece of evidence is available with the party and the said party fails to produce the same before the Court then a presumption under Article 129 (g) of Qanun-e-Shahadat Order, 1984 can be drawn that had the said piece of evidence been produced before the Court it would have been unfavourable to the said party.

8. 2017 CLC 70 Para No. 5

It is settled principle of law that if a best piece of evidence is withheld by a party, then it is to be presumed that said party had some sinister motive behind it and a presumption under illustration (g) of Art.129 of the Qanun-e-Shahadat, 1984 has to be drawn that the said evidence if produced, it would have not been favourable to the party concerned.

9- 2017 YLR 1667 D.B

It is well settled principle of law, that if a best piece of evidence is available with a party and same is withheld by him, then it is presumed that either the witness was not ready to support the prosecution case or the party has some evil motive behind it in not producing the said evidence.

وقوعہ کے مندرجات کا تجزیہ

روایت کے متن کے مطابق حضرت مسیب بن حزنؓ فرماتے ہیں جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس اس وقت ابوجہل بھی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا جان لا الہ الا اللہ کہہ دو

تاکہ اس کے کلمہ کے باعث میں بارگاہ خداوندی میں کچھ عرض کر سکوں ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ کہنے لگے اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ وہ برابر یہی دہراتے رہے تو ابوطالبؑ نے ان سے آخری کلام یہ کیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں پس نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں برابر ان کے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ فرمایا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی

آیت نمبر 113 سورۃ توبہ (مدنی)۔ نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں اور دوسری آیت نمبر 56 سورۃ القصص (مکی) یہ نازل ہوئی۔ بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو"

اس روایت کے متن کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوطالب کے نزاع کے وقت تین افراد ان کے پاس موجود تھے جن میں آپ جناب رسالت مآب ﷺ خود اور آپ ﷺ کے علاوہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ۔ اگر ان اشخاص کی موجودگی کا قانونی جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی موقع موجودگی تو فطری تھی کیونکہ آپ ﷺ جناب ابوطالب کے گھر میں ہی رہائش پذیر تھے جبکہ ابوجہل اور ابی امیہ کی موجودگی غیر فطری ہے کیونکہ وہ نہ تو حضرت ابوطالبؑ کے دوست تھے اور نہ ہی ابوطالبؑ کے اہلخانہ کے کسی فرد کے دوست یا قریبی رشتہ دار تھے مگر اس کے باوجود بوقت وفات ان اشخاص کی موجودگی کا بیان ہونا Chance witness کی تعریف میں آتا ہے۔ قانون کی زبان میں ایک ایسا شخص کہ جس کی موقع پر موجودگی فطری نہ ہو اور اس کا موقع پر بیان ہونا پایا جائے تو ایسے گواہ کو Chance Witness کہا جاتا ہے جیسا کہ اعلیٰ عدلیہ نے اپنے مندرجہ ذیل فیصلہ جات میں یہ اصول بیان کیا ہے۔

10. 2019 P Cr. LJ 172 (D.B)

(b) criminal trial

---witness whose presence at the crime scene was doubtful ---- reliance --- scope ---- if a single doubt appeared as to the presence of the claimed eye witness at the crime scene, it would be sufficient to discard his/her testimony as a whole.

11. 2017 SCMR 596

"A single doubt reasonably showing that a witness / witnesses' presence on the crime spot was doubtful when a tragedy takes place would be sufficient to discard his/their testimony as a whole. This principle may be pressed into service in cases such witness / witnesses are seriously inimical or appears to be a chance witness because judicial mind would remain disturbed about the truthfulness of the testimony of such witnesses 12. 2015 SCMR 1142

A chance witness, in legal parlance is the one who claims that he was

present on the crime spot at the fateful time, albeit, his presence there was a sheer chance as in the ordinary course of business, place f residence and normal course of events, he was not supposed to be present on the spot but at a place where he resides, carries on business or runs day to day life affairs. It is in this context that the testimony of chance witness, ordinarily, is not accepted unless justifiable reasons are shown to establish his presence at the crime scene at the relevant time. In normal course, the presumption under the law would operate about his absence from the crime spot. True that in rare cases, the testimony of chance witness may be relied upon, provided some convincing explanations appealing to prudent mind for his presence on the crime spot are put forth, when the occurrence took place otherwise, his testimony would fall within the category of suspect evidence and cannot be accepted without a pinch of salt"

روایت کے متن کے مطابق اگر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ کو Chance witness کے طور پر ان کی موجودگی کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو تب بھی وقوعہ ثابت نہ ہوتا ہے کیونکہ راوی کے بقول دونوں اشخاص وقت نزاع حضرت ابوطالبؑ کے پاس موجود تھے جبکہ ان دونوں افراد نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن ہونے کے باوجود بھی مذکورہ بالا واقعہ کو پوری زندگی کسی ایک بھی مسلم یا غیر مسلم شخص سے بیان تک نہ کیا یعنی کہ Chance witnesses نے اپنی شہادت کسی بھی شخص کے پاس پیش نہ کی۔ قانونی طور پر اگر ان کی موجودگی اور جذبات کو مدنظر رکھا جائے تو انہیں چاہیے تھا کہ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے اور اسلام میں داخل ہونے والے نئے لوگوں کے سامنے حضرت ابوطالبؑ کا اسلام قبول نہ کرنا بیان کر کے انہیں اسلام سے بدظن کرتے اس کے علاوہ جو لوگ پہلے سے اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کے سامنے بھی یہ پراپیگنڈا کرتے اور انہیں اسلام سے منحرف اور متنفر کرنے کی کوشش کرتے جبکہ ایسی صورتحال اسلام کی کسی بھی کتب تاریخ یا کتب سیرت میں موجود نہ ہے۔ ابوجہل وقوعہ کے بعد تقریباً 5 سال تک زندہ رہا اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مسلسل پراپیگنڈا کرتا رہا مگر کسی ایک جگہ یا موقع پر بھی اس کا اس الزام کو بیان نہ کرنا ایک قانونی ذہن کے لیے ناقابل فہم ہے۔ مزید یہ کہ اس 5 سال کے عرصہ میں بھی ابوجہل نے اس وقوعہ کا تذکرہ اپنے کسی خاندانی فرد یا قریبی رشتہ دار سے بھی نہیں کیا جس سے اس کی موقع پر موجودگی مزید ناقابل یقین ہو جاتی ہے دوسرا گواہ عبداللہ بن ابی امیہ کئی سال تک زندہ رہا، فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گیا مگر اتنا عرصہ زندہ رہنے اور بعد ازاں مسلمان ہونے کے باوجود بھی اس گواہ نے مذکورہ بالا الزام کسی دیگر شخص سے بیان نہیں کیا جس سے ایک جوڈیشل مائنڈ

با آسانی اخذ کر سکتا ہے کہ یہ وقوعہ/ الزام قدرتی نہیں ہے بلکہ خود ساختہ، بناوٹی اور سازش ہے۔
اس کے علاوہ اس روایت کے ضمن میں بیان کردہ آیات کے شانِ نزول بھی وقوعہ سے لگا نہیں کھاتے۔ یعنی کہ یہ دونوں آیات بوقت وقوعہ نازل ہی نہیں ہوئیں جبکہ ان کو وقوعہ کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ سورۃ توبہ مکمل سورت غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی جو کہ 9 ہجری کا واقع ہے یعنی کہ وہ مذکورہ/ الزام کے تقریباً 11/12 سال بعد نازل ہوئی اور اگر آیت کے مضمون کو دیکھا جائے تو بھی اس آیت کا مضمون حضرت ابو طالبؑ پر لگائے گئے الزام سے ہم آہنگ نہ ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں جبکہ حضرت ابو طالب کا مشرک ہونا کہیں سے بھی ثابت نہ ہے انہوں نے پوری زندگی نہ تو بت پرستی کی، نہ بتوں کو مانا، نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا حتیٰ کہ کچھ روایات کے مطابق انہوں نے تمام محرمات کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے تھے اور دینِ ابراہیمیؑ پر قائم تھے۔ دوسری آیت جو کہ سورۃ القصص کی آیت نمبر 56 ہے وہ وفات ابو طالب سے دو سال قبل نازل ہوئی تھی اور اسکا بھی وقت وقوعہ یا الزام سے کوئی تعلق نہیں اور اس روایت کا مضمون یہ ہے" بے شک نہیں جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو" اس آیت کریمہ کے متن میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ بھی مذکورہ بالا روایت سے ہم آہنگ نہ ہے اس میں کہا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ اپنی طرف سے کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے تو روایت کے متن میں ہدایت کی تو بات ہی نہیں ہے بلکہ ابو طالبؑ کی بخشش کی دعا کی بات کی گئی ہے اس طرح یہ دونوں آیات بھی اس الزام/ وقوعہ کو supporting evidence مہیا نہ کر رہی ہیں جس سے وقوعہ کی حقانیت مزید مشکوک ہو جاتی ہے جبکہ اس کے برعکس یہی واقع تاریخ اسلام کی سب سے پہلی کتاب سیرت ابن اسحاق میں بھی بیان ہوا ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت ابو طالبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو سرداران قریش جن میں عتبہ، شیبہ، ابو جہل، امیہ بن خلف، ابو سفیان اور دوسرے کئی سردار اکٹھے جناب ابو طالبؑ کے پاس آئے اور اپنا مدعا بیان کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ حضرت ابو طالب کفار مکہ اور رسالت مآب ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ کروا دیں تا کہ نہ قریش محمد ﷺ کے مذہب میں مداخلت کریں گے اور نہ ہی محمد ﷺ کفار مکہ کے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت کریں اس پر حضرت ابو طالبؑ نے جناب رسالت مآب ﷺ کو بلایا اور سرداران قریش کا مدعا بیان کیا جس پر رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان اگر یہ لوگ میری صرف ایک بات مان لیں تو نہ صرف یہ عرب میں بلکہ عجم میں بھی حکمران بن جائیں گے جس پر سرداران قریش نے استفسار کیا کہ وہ کیا بات ہے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کی دعوت کا سن کر سرداران قریش غصے میں ہاتھ ملتے ہوئے یہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے کہ اے محمد ﷺ ہم تو چاہتے تھے کہ آپ کے ساتھ صلح ہو جائے مگر آپ ہم سے صلح نہیں چاہتے اس واقع کو قرآن مجید میں سورۃ ص کی پہلی گیارہ آیات میں بیان کیا ہے اور اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سرداران قریش کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو وہ سب کے سب ناراض ہو کر اٹھ کر چلے گئے اور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اے حبیب ﷺ یہ لشکروں میں سے ایک مٹھی بھر لشکر ہے جو اسی جگہ شکست کھانے والا ہے اور قرآن مجید میں سرداران قریش کے چلے جانے کا بھی ذکر ایک آیت کریمہ میں ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے سرداران قریش ابو طالب کے گھر آئے تھے اور جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ مقصد پورا نہ ہونے پر فوری طور پر ناراض ہو کر اُٹھ کر چلے گئے۔ مزید یہ کہ سیرت ابن اسحاق میں

آگے بیان ہوا کہ حضرت عباسؓ وقت نزاع موقع پر موجود تھے انہوں نے حضرت ابوطالبؑ کے منہ کے قریب کان کر کے ان کو کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے سنا۔ اور سورۃ ص کی آیت نمبر 11 میں جناب رسالت مآب ﷺ کو خوشخبری سنائی گئی کہ حضرت ابوطالبؑ کے گھر آنے والے تمام قریش بہت جلد شکست کھا جائیں گے۔

{وقوعہ کی شہادت کا قانونی تجزیہ}

حضرت ابوطالب پر لگائے جانے والے کفر کے الزام میں جو روایت بخاری شریف میں بیان ہوئی ہے اس میں تین گواہان بیان کیے گئے ہیں جن میں (۱) خود جناب رسالت ماب ﷺ (۲) ابوجہل اور (۳) عبداللہ بن ابی امیہ۔ ان تینوں گواہان کی موجودگی کا اگر قانونی نگاہ سے جائزہ لیا جائے تو جناب رسالت ماب ﷺ کی موقع پر موجودگی گھر کا فرد ہونے کے ناطے فطری ہے جبکہ دوسرے دو گواہان کی موجودگی غیر فطری ہے رسالت ماب ﷺ کی موجودگی اگرچہ فطری ہے مگر آپ ﷺ سے یہ وقوعہ بمعہ الزام خاندانِ بنو ہاشم یا خاندانِ ابوطالبؑ یا کسی بھی صحابی سے کبھی بھی بیان نہیں کیا یعنی کہ رسول پاک ﷺ کی اس وقوعہ کے بارے میں شہادت ریکارڈ پر نہیں ہے اور دوسرے دونوں گواہان کے دفعہ 161 کے بیانات کہیں بھی موجود نہیں ہیں اس بارے میں تاریخ، سیرت اور احادیث کی تمام کتب خاموش ہیں یعنی کہ ان تینوں گواہان نے یہ وقوعہ مشتغیث سمیت کسی دیگر شخص سے بیان نہیں کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ وقوعہ بلا شہادت ہے۔ اس کے علاوہ اس کفر کے الزام کی روایت سمیت دیگر supporting روایات کے مندرجات کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو تمام روایات کے مندرجات کا آپس میں واضح تضاد پایا جاتا ہے۔ مروجہ قوانین فوجداری کے مطابق اگر گواہان کے بیانات میں تضاد (Material contradiction) پایا جائے تو ایسی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی حوالہ جات کے لیے اعلیٰ عدلیہ کی مندرجہ ذیل نظائر پیش کی جاتی ہیں

14. 2019 PCr.LJ Note 40

15. Discrepancies and material contradictions motioned above create reasonable doubts and dents in the prosecution case with regard to the recovery of alleged contraband intoxication/liquor. It need not to be reiterated that the conviction cannot be based on high probabilities and suspicion cannot take place of the proof and since there are sufficient reasonable doubts in the prosecution case, therefore, the impugned judgment of Original Court as well as of appellate Court having no legal

sanctity in the eyes if law. Judged from all angles and considered from all aspects after reappraisal of evidence. I am of the considered opinion that the prosecution has miserably failed to establish this case against the petitioners/accused.

15. 2019 P Cr.L J 46

24. Moreover, it is settled principle of law that when the substantive evidence in the shape of ocular account, furnished by the star witnesses, is not worth reliance , being full of material contradiction, then, corroborative evidence in the shape of motive, recovery and discovery would be of no use to the prosecution , which otherwise, in the peculiar facts and circumstances of the present case, are not worth reliance, being not proved and established in accordance with the parameters se by the superior courts of the country in the administration of criminal justice. Wisdom can be drawn from the case law reported as (YLR 2011 Peshawar 1965)

دوسرے دو گواہان کی موقع پر موجودگی نہ تو فطری ہے اور نہ ہی انہوں نے وقوعہ کے وقت موجود ہونے کا پوری زندگی کسی بھی فورم پر کبھی اظہار کیا گویا کہ روایت میں بیان ہونے والے گواہان ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کی موجودگی نہ صرف مشکوک بلکہ ناقابل یقین ہے مستغیث خود وقوعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے اس کے علاوہ اور کوئی شہادت موجود نہ ہے تو ایسی صورت میں اس گھناؤنے الزام کی کوئی حیثیت نہ ہے لگتا ہے کہ یہ خوارج کی کوئی سازش یا امیہ خاندان کی کارستانی ہے تاکہ پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کے مقام و مرتبہ کو کم کیا جا سکے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک اور روایت کے مطابق ایک غزوہ کے مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک مسلمان شخص عبداللہ تمیمی نے جناب رسالت مآب ﷺ کو بڑی جرأت سے کہا کہ اے محمد ﷺ آپ خدا کا خوف کریں کیونکہ آپ مال غنیمت کی تقسیم عادلانہ طور نہیں کر رہے جس پر رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے بڑھ کر کائنات میں کوئی بھی شخص خدا سے ڈرنے والا اور عدل کرنے والا نہ ہے حضرت خالد بن ولید نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رہنے دو اسلام کے دشمن پراپیگنڈہ کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرواتے ہیں۔ مذکورہ بالا حقائق بتاتے ہیں کہ اس وقوعہ کی براہ راست تو کیا کوئی بالواسطہ شہادت بھی موجود نہ ہے اور کسی بھی قسم کی شہادت کی عدم دستیابی کی بنیاد پر الزام/ وقوعہ کو سچا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

{الزام کا دفعہ 342 ض ف کی رو سے جائزہ}

ضابطہ فوجداری کی دفعہ 342 کے تحت مدعی کی شہادت ریکارڈ کرنے کے بعد الزام علیہ کو دفاع کا موقع دیا جاتا ہے اس ضابطہ کے تحت تمام الزامات بمعہ شہادت الزام علیہ کو پیش کیے جاتے ہیں اور پھر الزام علیہ کا موقف ضمن بہ ضمن لیا جاتا ہے اور اگر الزام علیہ کے خلاف ریکارڈ شدہ شہادت یا مواد الزام علیہ کے سامنے برائے صفائی پیش نہ کیا جائے تو وقوعہ کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور گویا اس ایک ضابطے کی خلاف ورزی پر ہی پورے کا پورا الزام جھوٹا اور بے بنیاد قرار دے دیا جاتا ہے حوالہ کے لیے اعلیٰ عدلیہ کی مندرجہ ذیل نظائر پیش کی جاتی ہیں۔

16. PLD 2015 Lahore 426 (DB)

14 (c) it is settled principle of law that a piece of evidence not put to the accused during his examination u/s 342 Cr. P.C cannot be used against him for recording his conviction. While holding so , we are fortified by the dictum of law laid down by the Honorable Supreme Court of Pakistan in case reported as" Muhammad Shah vs The State" (2010 SCMR 1009)

17. 2001 SCMR 56

8 (b) Interestingly trial court had taken into consideration the fact of absconsion of the appellant after the commission of crime against him. Curiously enough this circumstance also found favor with the High Court without verifying as to on what date the appellant actually came to be arrested in the connected case under the arms ordinance. The matter does not end here. No question with regard to this incriminating piece of evidence was put to the appellant during his examination u/s 342 Cr.P.C. This is undoubtedly quite strange. In laws, if an incriminating piece of evidence is not put to accused and it has resulted in causing prejudice to the accused, the same shall not be considered as evidence against him.

18. 2004 P Cr. L J 42

[Federal Shariat Court]

10 Since, in the instant case, the learned trial Judge has not adopted mandatory

procedure in conducting the trial and has failed to question the appellants on material of the case including the recovery of weapons within the purview of section 342, Cr.P.C, therefore, we are left with no option but to remand the case.

{Arguments/دلائل}

دلیل نمبر 1۔ یہ کہ اگر حضرت ابوطالبؑ کو نعوذ باللہ مشرک یا کافر مان لیا جائے تو ان کی وفات سے پہلے اور بعد میں نازل ہونے والی ان تمام آیات کا کیا بنے گا کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام ﷺ اور مومنین کو سختی سے حکم دیا کہ وہ مشرکوں اور کافروں سے منہ موڑ لیں اگرچہ وہ انکے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ اللہ کا پیغمبر نہ صرف وحی الٰہی کا پابند ہوتا ہے بلکہ اس کا امین بھی ہوتا ہے اور پیغمبر کے بارے میں وحی الٰہی کی خلاف ورزی کا سوچنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لیے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اگر نعوذ باللہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کافر تھے تو قرآنی آیات کے نزول کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ ان سے قریبی تعلق اور میل جول رکھتے حوالہ کے لیے مندرجہ ذیل آیات بطور Arguments پیش کی جاتی ہیں۔

(i) سورہ المجادلہ آیت نمبر 22 ترجمہ جولوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ انہیں ہرگز نہیں پائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالفین (کافر اور مشرک) سے دوستی رکھیں خواہ وہ لوگ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا ان کے کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں اس آیت کے نزول کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کسی مسلم یا کافر کے لیے دعائے مغفرت کریں جو کہ وحی الٰہی کے پابند ہیں

(ii) سورہ النساء آیت نمبر 48 ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہو اور شرک کے سوا جسے چاہے معاف کر دے۔" یہ آیت سورہ توبہ سے پہلے نازل ہوئی تو کیا نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے کافر چچا کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے جو کہ کسی صورت قبول نہ ہونے والی تھی۔

(iii) سورہ الانعام آیت نمبر 106 ترجمہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکین کی طرف سے منہ پھیر لو۔ یہ سورۃ مکی ہے رسالت مآب ﷺ کو چاہیے تھا کہ اگر حضرت ابوطالبؑ کافر تھے تو آپ ﷺ ان سے منہ پھیر لیتے اور ان کی مغفرت کی دعا بھی نہ کرتے۔ اور اس سورۃ کی آیت نمبر 16 میں یہ بھی فرمایا کہ اے نبی کہہ دو کہ میں اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہوں تو ان حالات میں اللہ کا رسول نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کیسے اپنے نعوذ باللہ کافر چچا کے لیے دعائے مغفرت جاری رکھ سکتا تھا۔

(iv) سورہ محمد آیت نمبر 34 ترجمہ پس جو کافر ہی مر گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔"

(v) سورہ المنافقون آیت نمبر 6 ترجمہ ان پر ایک جیسا ہے چاہے آپ ان کی مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔"

(vi) سورہ المائدہ آیت نمبر 72 ترجمہ بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر 113 جو کہ حضرت ابوطالب کے کفر کے الزام میں بیان کردہ روایت کے ساتھ جوڑی گئی ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں کیا مذکورہ بالا کے نزول کے بعد بھی پیغمبر اسلام اپنی خواہش کے تابع (نعوذ باللہ) اپنے مشرک یا کافر چچا (نعوذ باللہ) کے لیے کئی برس تک بخشش اور مغفرت کی دعا کرتے رہے اور وحی الٰہی کی خلاف ورزی کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کی کوئی گرفت نہ فرمائی۔ حالانکہ مذکورہ بالا آیات میں پیغمبر اسلام اور ایمان والوں کو واضح طور پر حکماً بتا دیا گیا تھا کہ کافر اور مشرک لوگوں کی کسی صورت بھی بخشش نہیں ہوتی۔ تو اس سے پتہ چلا کہ زیر موضوع روایت جعلی اور بناوٹی ہے اور ایک سازش کے تحت تیار کی گئی ہے۔ جس کا اصلاً کوئی وجود نہ ہے۔

دلیل نمبر 2۔ تمام کتب سیرت، تاریخ و احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی کوئی ایک روایت ایسی نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضرت ابوطالبؑ نے پوری زندگی کوئی ایک بھی حرام یا مشرکانہ کام کیا ہو یا آپؑ نے بتوں کی پوجا کو درست قرار دیا ہو جبکہ اس کے برعکس آپؑ کے تقویٰ و پرہیزگاری کی بے شمار روایت موجود ہیں۔

دلیل نمبر 3۔ حضرت ابوطالبؑ نے پوری زندگی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی کسی بھی موقع پر کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو تحفظ فراہم کیا جبکہ مشرک اور کافر کہا ہی ایسے شخص کو جاتا ہے جو دل سے نہ صرف توحید کا مخالف ہو بلکہ توحید کا پیغام پھیلانے والے کا بھی سخت دشمن ہو اور اسے اسلام کی مقبولیت اور اشاعت بالکل نہ بھائے جبکہ حضرت ابو طالب کا کردار اس کے بالکل برعکس ہے یعنی اسلام کی اشاعت کے حق میں بے مثال ہے۔

دلیل نمبر 4۔ 7 نبوی میں بنو ہاشم کا معاشی بائیکاٹ کیا گیا اور بنو ہاشم کو ایک گھاٹی میں تین سال تک محصور ہو کر رہنا پڑا ان تین سالوں میں حضرت ابوطالبؑ نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ تمام سختیاں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذات، اپنی اولاد اور اپنے تمام رشتہ داروں سے بڑھ کر اہمیت دی اور اپنی ذات و اولاد سے بڑھ کر ان کا تحفظ کیا۔ اسلام کی خاطر درختوں کے پتے کھائے بھوک پیاس برداشت کی مگر اس کے باوجود بھی پیغمبر اسلام کی حمایت

ترک نہ کی جبکہ اسلام کو نہ ماننے والا کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا۔

دلیل نمبر 5 جب حضرت علیؑ نے اسلام قبول کیا تو حضرت ابوطالبؑ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور انہیں وصیت کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مکمل پیروی کو اپنے آپ پر لازم کر لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا رویہ کسی مشرک یا کافر شخص کا ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں

دلیل نمبر 6۔ روایت زیر بحث میں بیان کردہ دو سلطانی گواہان نہ صرف غیر فطری ہیں بلکہ مذکورہ گواہان نے اس وقوعہ کو پوری زندگی کسی بھی دیگر شخص کے سامنے بیان نہ کیا جس سے ایک قانونی ذہن رکھنے والا شخص با آسانی اخذ کر سکتا ہے کہ وہ بوقت وقوعہ موقع پر موجود نہ تھے اور انہیں اس الزام کا علم تک نہ تھا یعنی وقوعہ بالکل جھوٹا اور سازش ہے۔

دلیل نمبر 7 مستغیث خود وقوعہ کا گواہ نہ ہے اور نہ ہی وہ یہ ثابت کر سکا ہے کہ اسے وقوعہ کی بابت کہاں سے معلومات ملیں پھر اس نے وقوعہ کی معلومات کو وقوعہ کے 32 سال بعد صرف و صرف اپنے بیٹے کو بیان کرنے کے علاوہ کبھی کسی مسلم یا غیر مسلم شخص سے بیان نہیں کیا۔

دلیل نمبر 8 مستغیث نے روایت میں بیان کردہ وقوعہ پہلی دفعہ وقت وقوعہ سے 32 سال بعد اپنے بیٹے کو بیان کیا اور اس 32 سالہ تاخیر کی کوئی وجوہات بیان نہ کی ہیں کہ مستغیث 32 سال کیوں خاموش رہا اور کسی دیگر مسلم یا غیر مسلم شخص سے اس کا ذکر تک کیوں نہ کیا

دلیل نمبر 9 اگر ایسا وقوعہ سرزد ہوا ہوتا تو پیغمبر اسلام ﷺ کا اللہ کے نبی ہونے کے ناطے یہ فرض بنتا تھا کہ جس دن حضرت ابوطالبؑ کو دعوت اسلام دی گئی اور انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ اسلامی احکامات کو بجا لاتے ہوئے اپنے مشرک اور کافر چچا (نعوذ باللہ) سے قطع تعلق کر لیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا ختم کر دیتے جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ پر لگایا جانے والا الزام سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے اور ایک گھناؤنی سازش ہے۔

دلیل نمبر 10 وقوعہ کے مندرجات سیاق و سباق کے بغیر ہیں اور اگر اسی واقعہ پر بیان کی جانے والی دوسری روایات کا مطالعہ کیا جائے اور انہیں بطور تائیدی شہادت مان بھی لیا جائے تو بھی تمام روایات میں material contradictions اور Improvments پائی جاتی ہیں اور قانون دان اور قانون کے طالبعلم یہ بات بخوبی سمجھتے ہیں کہ material contradictions پر مبنی شہادت کو کسی صورت میں قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا۔

{حاصل کلام}

بخاری شریف میں بیان کردہ روایت کا قانونی وعقلی نگاہ سے جائزہ لینے کے بعد ہم اپنی بحث کو باآسانی اس نتیجہ پر ختم کر سکتے ہیں کہ حضرت ابوطالب ؑ پر لگایا جانے والا الزام قانونی وعقلی طور پر بالکل ثابت نہیں ہوتا اور اس طرح ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ الزام مذکورہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوطالب ؑ کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے تاکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا مقام ومرتبہ اسلام کے چاہنے والوں کے دلوں میں کم کیا جا سکے۔ یہ سازش یا تو خوارج کی ہو سکتی ہے یا پھر امیہ خاندان کا کارنامہ ہے۔ جس کی تاریخ گواہ ہے کہ امیہ خاندان کی حکومت کے دوران نہ صرف بنوہاشم پر ظلم وستم ڈھائے گئے بلکہ ان کے چاہنے والوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا یہاں تک کے امیہ خاندان کے کئی حکمرانوں کے ادوار میں حضرت علی ؑ اور آپ ؑ کے خاندان پر سب وشتم بھی کیا جاتا رہا اور بنوہاشم کے کسی بھی فرد کو اعلیٰ حکومتی منصب پر فائز نہیں کیا جاتا تھا اور امیہ خاندان اپنے آپ کو برتر اور افضل بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کو محفوظ فرمائے اور اللہ اور اس کے رسول، اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی سچی اور پکی محبت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

طالب دعا: عبدالرزاق چدھر (ایڈوکیٹ ہائیکورٹ)

قارئینِ محترم! ان شاء اللہ کوشش ہوگی کہ پاکستانی قوانین کے لحاظ سے بھی اس مسئلے پر نظر ثانی کی جائے۔ جس کے لیے معزز ججِ صاحبانِ سے مشاورت کے بعد اس میں مزید پیش رفت کی جائے گی۔

"وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آبَائِهٖ وَ اُمَّهَاتِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَعَلٰى عَمِّهِ الْكَرِيْمِ اَبِيْ طَالِبٍ عليه السلام وبارك وسلم"

سگِ والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

محمد صداقت علی فریدی

فاضل جامعہ فریدیہ ساہیوال

برائے یادداشت

ہماری دیگر کتب

- انوار العرفان فی اسماء القرآن (اسماء قرآن کی تشریح) — (قاری ظہور احمد فیضی)
- شرح خصائص علی — (قاری ظہور احمد فیضی)
- مناقب الزہراء — (قاری ظہور احمد فیضی)
- مناقب علی بن ابی طالب علیہما السلام — (قاری ظہور احمد فیضی)
- صلح امام حسن — (قاری ظہور احمد فیضی)
- تفسیر غریب القرآن (امام زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام) — (ترجمہ: قاری ظہور احمد فیضی)
- اہل بیت کرام اور "علیہ السلام" — (قاری ظہور احمد فیضی)
- "دروالے" اور "گھروالے" — (قاری ظہور احمد فیضی)
- الاحادیث الموضوعۃ فی فضائل معاویہ — (قاری ظہور احمد فیضی)
- مسئلہ تقلید فقہی مذاہب کی روشنی میں — (ڈاکٹر سید معظم رضا زیدی)

ناشران
ریختہ پبلی کیشنز
لاہور-پاکستان

 info@kitabrekhta.com
 fb/kitabrekhta
 www.kitabrekhta.com
 insta/kitabrekhta
 0321-1788887

